خلیفہ راشد

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

پر سو (100) اعتراضات کا علمی تجزیہ

تالیف پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی حفظہ اللہ
اعداد و تعارف: محمد فہد حارث

حارث پبلی کیشنز

حارث پبلی کیشنز

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
پر
سو(100) اعتراضات کا علمی تجزیہ

تالیف: .... پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی حفظہ اللہ

اعداد و تعارف: .... محمد فہد حارث

طبع جدید مع اضافہ جات: .... مئی 2020ء

تعداد کتاب: 1100

کمپوزنگ: .... مسز محمد عمران

قیمت: 1800

صفحات: 906

ملنے کے پتے: .... 1۔حارث پبلی کیشنز

2۔قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی مرکزی جامع مسجد، خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چوک حویلیاں

پبلشر:
حارث پبلی کیشنز

شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

انتساب

راقم الحروف اس ادنیٰ کاوش کو

قدسی صفت جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک مظلوم ترین فرد، فاتح عرب وعجم، خال المسلمین، مدبر اسلام، کاتب وحی، برادرِ نسبتی رسول صلی اللہ علیہ وسلم بانی اسلامی بحریہ، خلیفہ راشد، عادل وبرحق، امیر المومنین

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

ابنائے امیر شریعت رحمہ اللہ خصوصاً قاطع قادیانیت وسبائیت، فاتح ربوہ، وکیل صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم، فخر السادات

سید عطاء المحسن حسنی قادری بخاری رحمہ اللہ الباری،

جذبہ دفاع صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم سے سرشار

مخلص، جاں نثار، اولوالعزم، کفن بردوش وسربکف رفقاء

اور متلاشیانِ حق

کے نام

منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چوک حویلیاں

چند اشعار

اِنِّیْ أُحِبُّ اَصْحَابَ النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی
وَ أَعُدُّہٗ مِنْ وَاجِبَاتِ فَرَائِضِیْ
اِنْ کَانَ نَصْبًا حُبُّ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ
فَلْیَشْھَدِ الثَّقَلَانِ أَنِّیْ نَاصِبِیْ
اِذَا اَنَا فَضَّلْتُ عَلِیًّا فَاِنَّنِیْ
رَافِضِیٌّ بِالتَّفْضِیْلِ عِنْدَ ذَوِی الْجَھْلِ
وَ فَضْلُ مُعَاوِیَۃَ اِذَا مَا ذَکَرْتُہٗ
رُمِیْتُ بِنَصْبٍ عِنْدَ ذِکْرِیْ لِلْفَضْلِ
فَلَا زِلْتُ ذَا رَفْضٍ وَنَصْبٍ کِلَاھُمَا
بِحُبَّیْھِمَا حَتّٰی اُوَسَّدَ فِی الرَّمْلِ
اِذَا فِیْ مَجْلِسٍ اَذْکُرُ مُعَاوِیَۃَ
وَ اَبِیْ سُفْیَانَ وَھِنْدَ الزَّکِیَّۃَ
یُقَالُ تَجَاوَزُوْا یَا قَوْمُ ھٰذَا
فَھٰذَ مِنْ حَدِیْثِ النَّاصِبِیَّۃِ
بَرِئْتُ اِلَی الْمُھَیْمِنِ مِنْ اُنَاسٍ
یَرَوْنَ النَّصْبَ حُبُّ مُعَاوِیَۃَ
لَئِنْ کَانَ ذَنْبِیْ حُبُّ مُعَاوِیَۃَ
فَذٰلِکَ ذَنْبٍ لَسْتُ عَنْہُ اَتُوْبُ
عَلٰی اَصْحَابِ الرَّسُوْلِ صَلَاۃُ رَبِّیْ
وَ لَعْنَتُہٗ لِتِلْکَ الْجَاھِلِیَّۃَ

میں نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے محبت کرتا ہوں ،اوراس کو واجباتِ دین میں سے سمجھتا ہوں۔

اگر اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا نام ''ناصبیت'' ہے،تو جن وانس گواہ رہیں کہ میں ''ناصبی'' ہوں۔

جب میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرتا ہوں تو میں ،بے علم لوگوں کے ہاں یہ فضائل بیان کرنے کی وجہ سے رضی اللہ عنہ ''رافضی'' کہلاتا ہوں۔

اور جب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرتا ہوں،تو مجھے یہ فضائل بیان کرنے کی وجہ سے ''ناصبی'' ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

تو سن لو! میں قبر میں دفن ہونے تک ان حضرات (علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما) کی محبت کی وجہ سے ہمیشہ ''رافضی'' و''ناصبی'' ہی رہوں گا۔

جب میں کسی مجلس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور زکیّہ خاتون سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتا ہوں،تو کہا جاتا ہے کہ لوگو! اس کو چھوڑ دو ،کیونکہ یہ ''نواصب'' والی باتیں کر رہا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسے لوگوں سے براٗت ظاہر کرتا ہوں ،جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے محبت کو ''ناصبیت'' سمجھتے ہیں۔

اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا ہی میرا ''گناہ'' ہے،تو یہ ایسا ''گناہ'' ہے جس سے میں توبہ نہیں کرسکتا۔

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے رب کی صلوٰۃ ہو ،اوران جاہلوں (معاندین) پر اس کی لعنت ہو۔

فہرست

پیش گفتار

قبیلہ قریش نبی ﷺ کے جد قریش فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن مُضر بن نزار بن مَعَد بن عدنان کی اولاد پر مشتمل قبیلہ تھا۔ ان قریش کے ایک بیٹے الحارث تھے جن کی نسل میں یکے از عشرۂ مبشرہ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے جد کا خاندان جاری ہوا۔ ان قریش کے دوسرے بیٹے مُحارب تھے جو کہ سیدنا ضحاک بن قیس الفہری کے مورثِ خاندان تھے جبکہ تیسرے بیٹے جناب غالب تھے۔ ان غالب کے بیٹے لُوی تھے۔ ان لویٔ کی کئی اولادیں تھیں جن میں ایک بیٹے عامر تھے جو کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کے جدامجد تھے۔ جبکہ دوسرے صاحبزادے کعب تھے۔ ان کعب کے بیٹے عدی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خاندان کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ انہیں کعب کے ایک پوتے عمرو کی نسل سے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے جبکہ دوسرے پوتے جمح کی نسل میں سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا خاندان چلا۔

کعب کے ایک بیٹے مرّہ تھے۔ ان کے تین بیٹے بنام تیم، کلاب اور یقظہ تھے۔ تیم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان کے مورث تھے، یقظہ سے بنومخزوم چلے جن میں ابوجہل اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے جبکہ کلاب کے دو بیٹے بنام قُصّی اور زہرہ تھے۔ زہرہ نبی ﷺ کی والدہ بی بی آمنہ کے پردادا تھے۔ جبکہ قُصّی کی تین اولادیں ہوئیں جن کے نام عبدالدار، عبدالعزیٰ اور عبدمناف تھے۔ ان میں سے عبدالدار نبی ﷺ کی نانی بَرّہ کے پردادا تھے، عبدالعزیٰ نبی ﷺ کی زوجۂ اول سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور عشرۂ مبشرہ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے خاندان کے مورث تھے۔ جبکہ عبدمناف کے چار بیٹے بنام عبدشمس، نوفل، المطلب اور ہاشم ہوئے۔

عبدشمس نبی ﷺ کے دامادِ اول سیدنا ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے سسر سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پردادا تھے۔ جبکہ ہاشم نبی ﷺ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے

پردادا تھے۔ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ (والد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) اور سیدہ ہند رضی اللہ عنہا (والدہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) اور عفان (والد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) اور سیدنا الحکم رضی اللہ عنہ (والد سیدنا مروان رضی اللہ عنہ) کے پردادا آپس میں سگے بھائی تھے۔ پورے قبیلہ قریش میں مؤخر الذکر یہی دو خاندان تھے جو دیگر خاندانوں کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قرابت رکھتے تھے اور مشترکہ طور پر بنو عبد مناف کہلاتے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین رشتہ داریاں

کچھ یہی وجہ ہوئی کہ پورے قبیلہ قریش کے تقریباً ہر فرد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریب و دور کی رشتہ داری تھی اور مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تقریباً ہر شخص ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار تھا، البتہ کچھ اصحاب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریب کی رشتہ داری تھی اور کچھ سے دور کی قرابت تھی۔ جیسا خلفائے ستہ میں سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وسیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر تھے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وسیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد۔ اس کے علاوہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچازاد بھی تھے اور ہم زلف بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں جائی بہن سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے سو اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے بھی ہوئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ داماد تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ اسی طرح سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم زلف تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا آپس میں ماں جائی بہنیں تھیں۔ ساتھ ہی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک بھانجی جنابہ جعدہ جو کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہن ام فروہ کی بیٹی تھیں، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں، یوں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھانجی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی بہو تھیں۔

ایک رشتہ داری سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی کہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ساتھ ہی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے تایا زاد

بھائی بھی تھے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ تھے۔ جبکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی کہ ان کی بہن ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اس کے علاوہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم زلف بھی تھے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن قریبۃ الصغریٰ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔

سیدنا زبیر بن العوام صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف رشتہ داریاں تھیں۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے پھوپھی زاد بھائی تھے اور ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف بھی تھے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بہنیں تھیں۔ اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے پھوپھا بھی تھے کیونکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا بیاہی تھیں سو اس رشتہ سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پھوپھا ہوتے تھے۔

سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ القرشی التیمی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے اور ایک منفرد خصوصیت کے حامل تھے کہ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چوہرے ہم زلف تھے۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن فارعہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ کی بہن رقیہ بنت ابی امیہ آپ کے عقد میں تھیں۔ [1]

سو اس رشتہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ہم زلف ٹھہرے۔ اس کے علاوہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہنوئی بھی تھے کیونکہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نبی کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خالو تھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور خالد بن ولید کی والدہ لبابۃ الصغریٰ آپس میں بہنیں تھیں۔

اسی طرح سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور رضاعی بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف بھی تھے کہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن سیدہ سلمیٰ بنت عمیس سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ جبکہ دوسری بہن سیدہ سلامہ بنت عمیس رضی اللہ عنہا سیدنا عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں سو سیدنا عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف ہوئے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب بھی چچا

[1] الاصابہ الجز الثانی ص 230 تحت رقم 4266 ___ طبع بیروت

ہونے کے ساتھ نبی ﷺ کے ہم زلف تھے کیونکہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ام الفضل رضی اللہ عنہا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ اسی طرح سے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نہ صرف نبی ﷺ کے سسر تھے کہ ان کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین ہونے کا شرف حاصل تھا بلکہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے چچا ابولہب کے برادر نسبتی بھی تھے کہ ابولہب کی بیوی ام جمیل سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بہن تھی۔

السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ جوڑا یعنی سیدنا ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کی بھی نبی ﷺ سے قریبی رشتہ داری تھی۔ سیدنا ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ماموں سسر تھے کیونکہ ان ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی بھانجی ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زوجہ سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں۔ سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا عرب سردار سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں جو کہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے تھے جب کہ ان کے تین بچے یعنی سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ اور ابوجندل بن سہیل رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قبل ایمان لا چکے تھے۔ سہلہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ دونوں السابقون الاولون میں سے تھے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور نبی ﷺ ہم زلف تھے کیونکہ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا آپس میں ماں جائی بہنیں تھیں۔ اس لحاظ سے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے جو کہ حبشہ ہجرت کرنے والے مسلمان جوڑوں کے ہاں پہلے بچے تھے، نبی ﷺ کے نہ صرف بھتیجے تھے بلکہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے آپ ﷺ کے بھانجے بھی تھے۔ یہ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ وہی ہیں جن کی بابت آپ ﷺ نے فرمایا کہ محمد وعون ابنائے جعفر رضی اللہ عنہ شکل وشباہت اور اخلاق میں اپنے والد پر گئے ہیں جبکہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ شکل وشباہت اور اخلاق میں مجھ پر گیا ہے۔

یاد رہے کہ یہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ امیر یزید بن معاویہ رحمہ اللہ اور امیر حجاج بن یوسف رحمہ اللہ کے سسر تھے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی سیدہ ام محمد رحمہا اللہ بنت عبداللہ کا نکاح امیر یزید بن معاویہ رحمہ اللہ سے جبکہ دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رحمہا اللہ بنت عبداللہ کا نکاح امیر حجاج بن یوسف ثقفی رحمہ اللہ سے ہوا تھا۔ اس کے علاوہ یہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے نواسے داماد بھی تھے کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ زینب بنت علی رحمہا اللہ ان کے حبالۂ عقد

میں آئی تھیں۔

یہی نہیں بلکہ نبی ﷺ کی ایک پڑنواسی یعنی سکینہ بنت الحسین ؒ سیدنا زبیر بن العوام ؓ کے صاحبزادے جناب مصعب بن زبیر ؒ کو بیاہی تھیں۔ اس لحاظ سے جناب مصعب بن زبیر ؒ بھی نبی ﷺ کے داماد ہوتے تھے۔ مصعب بن زبیر ؒ کے شہید ہوجانے کے بعد سیدہ سکینہ بنت الحسین ؒ نے امیر عبدالملک بن مروان ؒ کے بھتیجے اور سیدنا مروان کے پوتے الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے نکاح کیا جو کہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز ؒ کے بھائی تھے۔ ان الاصبغ کی دوسری زوجہ امیر یزید بن معاویہ کی بیٹی ام یزید ؒ تھیں، یعنی گویا سکینہ ؒ اور ام یزید ؒ آپس میں سوکنیں تھیں اور الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان اور یزید بن معاویہ، سیدنا حسین بن علی ؓ کے ساتھ ساتھ نبی ﷺ کے بھی مشترکہ داماد تھے۔

کچھ عرصہ بعد الاصبغ بن عبدالعزیز نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا تو سیدہ سکینہ ؒ خلیفہ راشد عثمان ؓ کے پوتے زید بن عمر بن عثمان ؒ کی زوجیت میں آگئیں۔ یوں سیدنا علی ؓ اور سیدنا عثمان ؓ ایک دوسرے کے سمدھی قرار پائے اور نبی ﷺ کے دامادوں میں سیدنا عثمان ؓ کے پوتے زید بن عمر بن عثمان کا اضافہ ہوگیا۔ اسی طرح نبی ﷺ کی ایک اور پڑنواسی یعنی سیدنا عثمان بن عفان ؓ جو کہ رشتہ میں داماد ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بہن کے نواسے ہونے کے لحاظ سے آپ ﷺ کے نواسے بھی تھے، کی صاحبزادی ام ابان الکبریٰ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کی زوجیت میں تھیں، اس لحاظ سے سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما بھی نبی ﷺ کے نواسے داماد تھے۔

خاندانِ بنو عبدالشمس و بنو ہاشم

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات کسی حد تک واضح ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ یعنی خاندانِ بنو ہاشم کی سب سے زیادہ قرابتیں اپنے ہی جد بنو عبد شمس سے رہیں جو کہ خاندانِ بنو عبد مناف کے ارکانِ اربعہ کے دو رکن رکین تھے جبکہ باقی دو ارکان بنو نوفل اور بنو مطلب تھے۔ اگرچہ یہ بات بھی ایک تاریخی حقیقت

رکھتی ہے کہ بنونوفل اور بنومطلب کو وہ عروج ومقام حاصل نہ ہوسکا جوکہ خاندانِ بنوعبد شمس اور خاندانِ بنو ہاشم کو تاریخ نے نوازا۔ اس کے باوجود یہ چاروں خاندان اپنے معاشرتی تعلقات میں ایک سماجی اکائی تھے جن کا باہمی رویہ آپس میں حلیفی کا تھا نہ کہ حریفی کا۔ قریش کے دوسرے خاندانوں کی نسبت یہ دونوں خاندان ایک دوسرے کی حمایت وعصبیت میں ہمیشہ ساتھ کھڑے نظر آتے تھے۔ انہی بنوعبد شمس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا خاندان یعنی خاندان بنوامیہ چلا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ کی ان چند مظلوم شخصیات میں شامل ہیں، جن پر اپنے وغیر ہر ایک نے طعن وتنقید کے تیر برسائے۔

اور اسے ہماری بدنصیبی نہ کہیے تو اور کیا کہیے کہ یہ طعن ونقد صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ ان کے پورے خاندان کو اس لپیٹ میں لے لیا گیا اور ہر وہ شخص جو اس خاندان کا حصہ بنا، اس کو تاریخ میں یا تو گمنام کر دیا گیا یا پھر اس کی نیک نامی کو بدنامی سے بدلنے کی مذموم سعی کی گئی۔ اس خاندانِ بنوعبد شمس میں ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیاں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بیاہی گئیں جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور نواسیاں بھی متولد ہوئے لیکن شومئ قسمت کہ اہلسنت کے پڑھے لکھے طبقے کو بھی ان میں سے بیشتر حضرات کی بابت کوئی معلومات نہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی آل اولاد کو سب جانتے ہیں، ان سے عقیدت کا اظہار بھی کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہئے لیکن اس پر کیا کہیے کہ باقی تین بیٹیوں اور نواسے نواسیوں سے متعلق اہلسنت کی غالب اکثریت کو کچھ خاص معلومات ہی نہیں۔ بالخصوص اہلسنت عوام تو اس متعلق بالکل کورے ہیں اور ان کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک بیٹی اور دو نواسے ہی اس دنیا میں وجود رکھتے تھے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حسب ذیل چار بیٹیوں: 1۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا 2۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا 3۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور 4۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رحمت سے نوازا جن میں سب سے بڑی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور نواسیاں

چار نواسے:

①۔ علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ

②۔ عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ

③۔ حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ

④۔ حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ

تین نواسیاں:

①۔ امامہ بنت ابو العاص رضی اللہ عنہا

②۔ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا

③۔ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا

خاندانِ بنو امیہ کے خلاف پروپیگنڈے کی وجہ

المختصر تاریخ میں مشکل سے ہی کوئی شخصیت ایسی ملتی ہوگی جس کا تعلق خاندانِ بنو عبد شمس سے ہو اور اس کے ذکر میں انصاف سے کام لیا گیا ہو۔ بنظر غائر دیکھنے سے تو اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہوتی کہ آگے جا کر خلافت، خاندان بنو عبد مناف کی شاخ خاندان بنو عبد شمس میں منتقل ہوگئی جن کے سیاسی تصادم خاندان بنو ہاشم کی ان شخصیات سے ہوتے رہے جنہوں نے اپنے خاندان کی عام روش سے ہٹ کر حکومت وقت کے خلاف خروج کو ترجیح دی۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی صاحب اس غیر عادلانہ رویے کی وجہ بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''سب سے بنیادی سبب ہمارے ابتدائی ماخذ ومصادر کے وہ بیانات ہیں جو جانبدار اور

متعصب راویوں نے ان میں بھر دیئے ہیں۔ یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ ہمارے تمام موجودہ مصادرِ تاریخ وسیرت عہدِ عباسی کی پیداوار ہیں۔ اگرچہ ان کی روایات واخبار کی تحصیل وترسیل کا کام پہلی صدی ہجری/ ساتویں آٹھویں صدی عیسوی میں شروع ہو چکا تھا۔ چونکہ عباسی خلفاء وحکمران اپنے پیشرو اموی خلفاء کے سیاسی جانشین وحریف تھے اس لئے ان کے زمانے میں جو تاریخی کتابیں لکھی گئیں ان میں عباسی نقطہ نظر کی ترجمانی کی گئی۔ یہ صحیح ہے کہ اس ترجمانی کی ذمہ داری عباسی خلفاء کے سر نہیں ڈالی جاسکتی کیونکہ وہ جانبدارانہ اور متعصّبانہ روایات و بیانات کی تصنیف وتبلیغ کے محرک وباعث نہیں تھے لیکن چونکہ ان کی خلافت وحکومت ہی بنو امیہ کی خلافت وحکومت کی سیاسی مخالفت وعناد پر قائم ہوئی تھی اس لئے یہ لازمی وفطری نتیجہ تھا کہ ان کے معاندانہ رویہ وانقلاب کی بازگشت ان کی معاصر تاریخوں میں سنائی دیتی۔ عباسی انقلاب کی بنیاد ہی اس منفی دعوت پر رکھی گئی تھی کہ اموی خلافت از اول تا آخر منہاج نبوت اور طریقہ رسالت اور خلافت راشدہ کے خلاف تھی لہٰذا اس کو ختم کر کے آلِ محمد ﷺ کی خلافتِ راشدہ قائم کی جائے جو قرآنی اصولوں کے مطابق اور منہاجِ نبوت کے موافق ہو۔

تاریخ کی یہ المناک ستم ظریفی ہے کہ عباسی دعوتِ انقلاب کی حمایت ونصرت شیعہ وخوارج اور ان تمام مرکز مخالف واسلام دشمن عناصر نے کی جو بنو امیہ سے اپنے سیاسی، مسلکی اور ذاتی اسباب سے عناد رکھتے تھے۔ بنو امیہ کی دشمنی پر مبنی عباسی دعوتِ انقلاب کامیاب ہوئی اور پھر دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ اموی خلافت کے بعد قائم ہونے والی تمام حکومتیں بشمول عباسی خلافت کسی طور بنو امیہ سے بہتر وبرتر ثابت نہیں ہوئیں۔ مگر چونکہ بعد کی ان تمام حکومتوں کی مخالفت وعداوت پر کوئی دوسری حکومت قائم نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کے خلاف طعن وتشنیع کی وہ مہم نہیں چلائی گئی جس کا ہدف بنو امیہ کو بنایا گیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ بنو امیہ اور ان کی خلافت وحکومت کے خلاف جو فضا عباسی انقلاب نے پیدا کر دی تھی اس کے نتیجہ میں اموی مخالف رجحانات ابھر آئے تھے اور پھر ان کی بنیاد پر اموی مخالف روایات ہمارے تمام ابتدائی ماخذ ومصادر میں در آئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور شہادت کے پیچھے بنیادی طور پر اموی مخالف رجحانات کارفرما تھے۔ پھر جب خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لئے اتحادِ ثلاثہ۔ حضراتِ ام المومنین عائشہ، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوشش کی تو اس کو بھی بنو ہاشم کی مخالفت و رقابت سے تعبیر کیا گیا حالانکہ خونِ عثمان کا مطالبہ کرنے والوں کا مقصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وحکومت کی مخالفت و دشمنی نہ تھی بلکہ قاتلانِ عثمان کی سرکوبی اور ملّتِ اسلامیہ کو افراتفری اور غلط سیاسی اقدار و معیارات سے بچانے کی کوششِ جمیل تھی لیکن اس کو بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دشمنی اور بنو ہاشم کی عداوت میں تبدیل کر کے اس طرح پیش کیا گیا کہ عوام تو عوام خواص علماء تک اس شاطرانہ فریب کا شکار ہو گئے۔''①

بہر حال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جس طور کا پروپیگنڈہ کیا جاتا رہا ہے تو اس بابت مناسب خیال کیا کہ فضیلۃ الشیخ قاضی محمد طاہر علی الہاشمی حفظہ اللہ کی کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' کی از سرِ نو طباعت کروا کر اس گرانقدر کتاب کو شائع کروایا جائے۔ اس کتاب میں قاضی محمد طاہر علی الہاشمی رحمہ اللہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر معترضین کی طرف سے عائد سو (100) اعتراضات کا مدلل و مشفی جواب دیا ہے۔

یوں تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کے جوابات پر مولانا محمد نافع مرحوم کی کتاب ''سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' حصہ دوم اور حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی کی کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت و کردار'' بھی کافی عمدہ کاوشیں ہیں۔ تاہم قاضی صاحب کی کتاب کو ان پر ایک درجہ فضیلت یوں حاصل ہے کہ اس کتاب میں باقاعدہ ''معترض'' کے نام کی تصریح کے ساتھ باحوالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد کردہ تقریباً ہر اعتراض کا جواب موجود ہے، ان اعتراضات کا بھی جن کے جوابات مولانا محمد نافع اور حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی صاحب کی کتب میں نہیں ملتے۔ ان میں سے بیشتر اعتراضات نہایت بودے اور رکیک ہیں جن کا جواب دینے کی بھی حاجت قطعی محسوس نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن چونکہ اس طرح کے لغو اعتراضات بعض مدعیانِ اہلسنت کی طرف سے بھی آتے ہیں سو قاضی صاحب نے ان کا جواب دینا بھی مناسب سمجھا۔ اس

① بنو ہاشم اور بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات: پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ص 3-4

کتاب کا مطالعہ ہر اس طالبعلم کو لازمی کرنا چاہیے جس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات کی بابت کچھ لکھ رکھنے کا ارادہ کر رکھا ہو۔

اس کتاب میں قاضی صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد مختلف اعتراضات جیسے ان کے دور میں آزادی رائے کے اظہار پر پابندی یا وفاتِ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اظہارِ مسرت فرمانا یا پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کی تہمت وغیرہ کا نہایت مدلل ومسکت جواب دیا ہے۔ ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ قاضی صاحب کی دفاعِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی جمیلہ کے صلے میں ان کے لئے دین ودنیا دونوں میں سرخروئی کے اسباب مہیا کرے اور ان کا سایہ تا زیست ہمارے سروں پر سلامت رکھے تا کہ وہ یونہی دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔

ہم یہاں قارئین کو یہ بتانا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ قاضی محمد طاہر علی الہاشمی رحمہ اللہ کی یہ کتاب دراصل ان کی ایک دوسری کتاب ''تذکرۂ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' طبع اول کا دوسرا حصہ ہے۔ پہلے یہ دونوں حصے الگ الگ شائع کئے گئے تھے جن کو مابعد کی اشاعت میں ایک کتاب بنا دیا گیا۔ ہم دوبارہ سے کتاب کے دوسرے حصے کو پہلی طباعت کی طرح الگ سے شائع کر رہے ہیں۔

کتاب کے پہلے اور دوسرے حصے دونوں کی شروعات میں قاضی صاحب کا لکھا عرض مصنف کافی خاصہ کی چیز ہے جو کہ ایک طرح کتاب کا مقدمہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاہم کتاب کے دونوں حصوں پر مقدمہ ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری صاحب کا ہے جو کہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

کتاب کا پہلا حصہ جو کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت سے متعلق ہے، اس کی ابتداء قاضی صاحب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والدین سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کے تذکرے سے کرتے ہیں۔ ان محترم شخصیات کے تذکرے میں قاضی صاحب مختصراً ان حضرات پر عائد کردہ اعتراضات کا بھی تشفی بخش جواب دیتے ہیں، خاص کر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبانے سے متعلق سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر جو لغو اعتراض عائد کیا جاتا ہے، قاضی صاحب روایت ودرایت دونوں کی رو سے اس کا ابطال انتہائی مدلل پیرائے میں کرتے ہیں۔ ان حضرات کی سیرت پر گفتگو کے بعد قاضی صاحب تمہید کے طور پر صحابی کی تعریف، ان کے حقوق اور ان کی تعداد پر بھی اجمالاً روشنی ڈالتے ہیں۔ اس مبحث کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت، نام، ابتدائی حالات اور ان کے قبولِ اسلام کی بابت نہایت عمدہ معلومات ہدیۂ

قارئین کرتے ہیں۔

آگے جا کر قاضی صاحب عہدِ رسالت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار پر روشنی ڈالتے ہیں اور معترضین کے اس اعتراض کا نہایت مدلل جواب دیتے ہیں جو یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کے کاتب تھے نہ کہ وحی کی کتابت پر مامور تھے۔ ان امور پر روشنی ڈالنے کے بعد قاضی صاحب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عہدِ صدیقی اور عہد فاروقی کی خدمات سے قارئین کا تعارف کرواتے ہیں۔

عہدِ فاروقی ہی وہ دور تھا جس میں شام کا بیشتر علاقہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت وفراست سے متاثر ہو کر ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی ماتحتی میں دے دیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آتا ہے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شام کا پورا مکمل علاقہ ان کی گورنری میں دے دیتے ہیں اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب مملکتِ اسلامیہ کی شامی سرحدیں اور بلاد، دشمن کے تمام خوف سے آزاد ہو کر ہر محاذ پر جارحانہ حملہ آور ہوتے ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پہلی مسلم بحریہ کی تاسیس کرتے ہیں جس کے پہلے لشکر کو زبانِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحری جہاد پر مغفرت کی بشارت دے دی گئی تھی۔

کتاب کے اسی حصے میں آگے جا کر قاضی صاحب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار پر روشنی ڈالتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں آکر بڑے بڑوں کے پاؤں پھسل جاتے ہیں لیکن اس راہِ خاردار سے بھی قاضی صاحب بہ سلامت گزر جاتے ہیں اور مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث میں نہایت معتدل ومحتاط مؤقف ہدیۂ قارئین کرتے ہوئے سیدنا معاویہ وسیدنا علی رضی اللہ عنہما کے باہمی مناقشات کی نہایت عمدہ توضیح پیش فرماتے ہیں۔

ہم قارئین کو مشورہ دیں گے کہ وہ کتابِ ہٰذا کے اس حصہ کا خصوصی طور سے مطالعہ کریں اور جان لیں کہ اگر کوئی چاہے تو وہ نہایت صائب پیرائے میں مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث پر کلام کر سکتا ہے جیسا کہ قاضی صاحب کر سکے۔ اسی طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے قاضی صاحب کسی طور سے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور اُس وقت اور

حالات کی نہایت صائب صورتحال پیش کرتے ہوئے کتاب کو آگے بڑھاتے ہیں۔

ساتھ ہی قاضی صاحب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت خلیفۂ راشد'' کی سرخی قائم کر کے اسلام میں خلافت کے تصور پر کلام کرتے ہیں اور اس بابت مختلف مصادر سے ادلہ کا ایک انبار لگا دیتے ہیں اور بدلائل پوری قطعیت سے ثابت کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیشرو خلفاء کی طرح خلیفہ راشد تھے اور ان کی خلافت، خلافت راشدہ تھی۔ اسی سرخی کے ذیل میں قاضی صاحب حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ پر بھی کلام کرتے ہیں اور مختلف علماء کی آراء نقل فرماتے ہیں جو کہ اس حدیث کے ضعف کے قائل رہے ہیں جیسا کہ قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی، علامہ ابن خلدون، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا اسحٰق صدیقی سندیلوی وغیرہم۔ اور ساتھ ہی روایتاً و درایتاً اس حدیث پر عمدہ نقد کرتے ہوئے بحث کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اس کے بعد قاضی صاحب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیاسی کارناموں اور ان کے دورِ خلافت سے متعلق کلام کرتے ہیں اور اس دور میں ہونے والے بیشتر اصلاحی اور جہادی سرگرمیوں کا نقشہ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ''وفاتِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ '' کی سرخی قائم کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت کی جو بیشتر وضعی کہانیاں اور وصیتیں مؤرخین نے بلا سند اپنی کتابوں میں لکھ ماری ہیں، ان کا غلط ہونا مبرہن فرماتے ہیں۔ اسی ذیل میں کتاب مذکور کے صفحہ 231 پر ''رافضی رسم بدکونڈوں کی حقیقت'' کی سرخی کے تحت اس خباثت سے بھری رسم کی اصل حقیقت لوگوں کے سامنے آشکارہ کرتے ہیں کہ روافض یہ میٹھی ٹکیاں جعفر صادق کے نام کی کسی نیاز کی نہیں، بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں بناتے اور کھلاتے ہیں۔

کتاب کے آخری حصے میں تقریباً 32 صفحات میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب اور اخلاق و عادات بیان کرتے ہیں۔ پھر ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں'' کی سرخی قائم کرتے ہوئے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں مروی روایات اور انہیں کے ذیل میں مختلف صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال نقل فرماتے ہیں۔ ساتھ ہی مختلف ادوار کے علماء کی تصریحات اور ان کے پیش کردہ خراجِ تحسین بھی قارئین کی معلومات کے لئے ہدیۂ قرطاس کرتے ہیں۔

اس کے بعد قاضی طاہر علی الہاشمی صاحب کتابِ مذکور کے صفحہ نمبر 286 پر ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بعض مدعیان اہل سنت کی نگاہ میں'' کی سرخی قائم کر کے اہلسنت میں شامل بعض ایسے اصحابِ علم کا ذکر

کرتے ہیں جو باور تو خود کو اہلسنت میں سے کرواتے ہیں لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں تبرا کرنے میں وہ کسی رافضی سے پیچھے نہ رہے۔ ان سب حضرات کا نام بنام ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ قاضی صاحب ان کی بہت عمدہ گوشمالی فرماتے ہیں۔ یہ بحث کتاب کی بہترین اور دلچسپ مباحث میں سے ایک ہے۔

ان مباحث کے بعد کتاب کا اگلا حصہ شروع ہوتا ہے جو کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کے علمی تجزیہ پر مشتمل ہے اور جو کہ اس وقت آپ احباب کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

کچھ مصنف کے بارے میں

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی معروف علمی شخصیت علامہ قاضی چن پیر الہاشمی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کے والد قاضی چن پیر الہاشمی مسلک دیوبند کی ایک جانی پہچانی شخصیت اور پاکستان میں اکابر احناف سے تعلق رکھتے تھے۔

قاضی طاہر علی الہاشمی صاحب نے بھی جید حنفی علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا جن میں علامہ شمس الحق افغانیؒ، علامہ احمد سعید کاظمی، شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی، معروف مبلغ اسلام مولانا محمد احمد صاحب بہاولپوری، ڈاکٹر الٰہی بخش جار اللہ، مولانا لطافت الرحمن (فاضل دیوبند)، شیخ مولانا سید حبیب اللہ شاہ بنوری (فاضل دیوبند) مولانا حسن الدین ہاشمی (شیخ الفقہ)، ڈاکٹر محمد حسن ازہری (شیخ الادب)، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (شیخ التاریخ)، مولانا شیخ کلیم اللہ، مولانا محمد فرید، مولانا محمد ناصر، پروفیسر چراغ عالم قریشی (صدر شعبہ انگریزی)، پروفیسر محمد زبیر (شعبہ اکنامکس) وغیرہم شامل ہیں۔ مئی 1978ء میں ''پبلک سروس کمیشن صوبہ سرحد'' کی طرف سے عربی و اسلامیات کے لیکچرر مقرر ہوئے اور تقریباً 35 سال مختلف کالجز میں تدریس کے فرائض سرانجام دینے کے بعد گورنمنٹ ڈگری کالج حویلیاں سے 8 جنوری 2013ء کو بیسویں گریڈ میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

قاضی طاہر علی الہاشمی صاحب سے واقفیت اس احقر کو پہلی دفعہ اس وقت ہوئی جب فاضل دوست سید متین احمد بھائی نے ان کی کتب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین'' اور ''امام طبری کون؟ مورخ، مجتہد یا

افسانہ ساز'' کے سرورق اپنے فیس بک وال پر لگائے۔ کتب کے سرورق دیکھ کر صاحب کتب کی بابت جاننے کا شوق پیدا ہوا لیکن اس کے لئے کوئی سبیل بر نہ آسکی۔ اسی اثناء میں فیس بک پر محمد اعجاز صاحب سے شناسائی ہوئی جو کہ قاضی صاحب کی کتب سے مضامین فیس بک پر اپنی وال سے نشر کرتے تھے اور پھر کراچی میں ان سے ملاقات ہوئی اور یوں قاضی طاہر علی الہاشمی صاحب کی کتب کے بالاستیعاب مطالعہ کا موقع ملا۔

قاضی صاحب یوں تو کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ، عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ، حدیث حواب کا مصداق کون، اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟، امیر المومنین سیدنا مروان بن الحکم شخصیت و کردار، امام طبری کون؟ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین، حج مبرور، شیعیت۔ تاریخ و افکار، سقوط جامعہ حفصہ اور کئی بیشتر کتب شامل ہیں۔ قاضی صاحب کی کتب کے عمیق مطالعہ سے ایک بات اظہر من الشمس ہو کر سامنے آتی ہے کہ قاضی صاحب کی زندگی کا واحد مقصد ''دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم'' ہے۔

قاضی صاحب کی ہر تحریر، ہر کتاب اس پر شاہد ہے۔ حتیٰ کہ اس جذبہ میں قاضی صاحب اس قدر آگے بڑھے ہیں کہ انہوں نے اس متعلق کبھی اپنے مسلکی رجحان کی بھی پرواہ نہیں کی بلکہ حُبِّ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبے کے تحت اتباع صحابہ رضی اللہ عنہم اور دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کو اپنا منشاء و مشن قرار دیا۔ قاضی صاحب کی پہلی کتاب جو پڑھنے کا اتفاق ہوا وہ بقول مفتی محمد وقاص رفیع ان کی ''معتوب زمانہ کتاب'': ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین'' تھی۔ کتاب کے بعض مندرجات سے علمی اختلاف اہل علم کا حق ہے لیکن یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ جذبہ حبّ صحابہ رضی اللہ عنہم کے تحت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں ''اکابر'' کے تنقیصی کلمات سے اظہار براءت جہاں ﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ کی عکاسی ہے وہیں موصوف نے عملی طور پر بھی ثابت کر دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و احترام مابعد کے اکابرین سے بہرحال مقدم ہے۔ تاہم قاضی صاحب کی اس کتاب کی اشاعت کے بعد ایک ''غالی طبقہ'' محض ''ضد و عناد'' کی بناء پر ان سے کافی ناراض ہوا اور الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا میں ان پر طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہوئے ان کی اس کاوش کو ''اکابر دشمنی'' پر محمول کیا اور قرار دیا کہ مذکورہ کتاب شیعوں کے ہاتھ میں ہتھیار دینے کے مترادف ہے۔

حیران کن امر یہ ہے کہ یہ ''غالی طبقہ'' اجتماعی کاوش کے باوجود اکابر کی طرف ''منسوب'' کسی

ایک عبارت کو بھی نہ جھٹلا سکا۔ جہاں تک اکابر کی تنقیصی عبارات کی کتاب میں نشاندہی کر کے ''شیعہ کے ہاتھ میں ہتھیار پکڑانے کا تعلق ہے'' تو یہ ''سہرا'' بھی اکابر کے سر پر ہے جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ''سوء ادب'' پر مبنی یہ باتیں اپنی کتابوں میں تحریر کیں۔

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے کتاب ''استخلاف یزید'' (مؤلفہ مولانا لعل شاہ بخاری فاضل دارالعلوم دیوبند) سے ''معائب معاویہ رضی اللہ عنہ'' پر مبنی عبارات لکھ کر ان کے تلمیذ رشید کو مخاطب کرتے ہوئے ان ہی کے نام اپنے خط میں لکھا کہ:

''مولوی مہر حسین شاہ صاحب! آپ شیعوں کی خرافات کو روتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ مواد شیعوں کو کہاں سے ملتا ہے؟ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بجائے شاہ صاحب کا دفاع کرتے ہیں......'' ①

قاضی صاحب کی کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین'' 2013 / 2016ء میں منظر عام پر آئی مگر شیعہ نے اپریل 1997ء میں 1222 صفحات پر مشتمل ''تحقیقی دستاویز'' شائع کی جس میں ازصفحہ 951 تا 1172 (222 صفحات) پر صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مواد ہے جس میں اکابر کی تنقیصی عبارات کے ''عکس'' شامل ہیں۔

سوال یہ ہے کہ شیعہ کے ہاتھ میں یہ ''ہتھیار'' کس نے دیا ہے؟ مولانا حافظ مہر محمد میانوالوی شیعہ کی مذکورہ کتاب کے ایک اعتراض کے جواب میں یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

''یہ غیر صحابہ افراد کی بعض صحابہ پر یک طرفہ سخت رائے ہے......ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شدید محبت ایمانی کی وجہ سے طالبین قصاص کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ اور اختلاف کو جذبہ نفسانی یا تعصب قومی پر حمل کر کے بدظنی کا گناہ شیعوں کی طرح کیوں کریں اور کتابوں میں لکھ کر دشمن کو کیوں ہتھیار پکڑوائیں۔'' ②

دراصل قاضی صاحب کی کتاب کا اصل مقدمہ ہی یہ ہے کہ چونکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین میں اتنی قدآور اور جلیل القدر شخصیات شامل ہیں اور ان کے دیگر دینی کام اس اعلیٰ پائے کے ہیں کہ عوام

---

① دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طبع اول 1984ء ص 12، طبع دوم مارچ 2014ء ص 19

② ایمانی دستاویز طبع اپریل 2012ء ص 738

الناس ان شخصیات کی ہر بات ان پر اعتماد کے زیر اثر آنکھ بند کر کے مانتے ہیں سو اگر ان شخصیات کا نام لے کر ان کا سہو عوام کے سامنے آشکارہ نہ کیا گیا اور ان کو یہ نہ بتایا گیا کہ بلاشبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہ ناقدین دیگر علمی معاملات میں بہت اعلیٰ مناصب پر فائز اور لائق تقلید ہیں لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ان اصحاب سے سہو ہوا ہے سو اس بابت ان کی رائے کو چنداں اہمیت نہ دی جائے۔ سو یہ مقصد بغیر نام لئے اور تنقیدی اقتباسات نقل کئے بغیر حاصل کرنا ناممکن ہے۔

جہاں تک قاضی صاحب کی زیر نظر کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' کا تعلق ہے تو اس کے بعض مندرجات کے ساتھ بھی ''علمی اختلاف'' کیا جا سکتا ہے کیونکہ زندہ قومیں اور اذہان اختلاف کرتے ہیں اور چونکہ قاضی محمد طاہر علی الہاشمی حفظہ اللہ کا تعلق مسلکِ احناف سے ہے اور یہ احقر منہجِ محدثین کا دم بھرتا ہے، اس لئے کتاب کے چند مباحث میں مؤلف محترم سے اختلاف ہو جانا فطری امر ہے۔ تاہم اپنی گوناگوں مصروفیات کے سبب یہ احقر اس کتاب پر حاشیہ وتعلیقات کا کام نہ کر سکا۔

یہ یاد رہے کہ یہ کتاب ایک حنفی صاحبِ علم کے قلم سے نکلی ہوئی ہے سو اس میں کئی ایسے اصولی مباحث ہو سکتے ہیں جن سے محدثین کے منہج کے بنیادی اختلافات موجود ہوں لیکن ان سب کے باوجود یہ بات بھی اپنی جگہ حق و مسلم ہے کہ ان اختلافات سے اس کتاب کی افادیت و اہمیت میں کوئی کمی نہیں آتی۔

اس کتاب کی طباعت کے سلسلے میں سب سے پہلے تو اس اللہ عزوجل کے حضور شکر گزار ہوں کہ اس مالک نے اس احقر کو اس قابل بنایا کہ وہ یہ کام کر سکے۔ اگر اس کی مدد شامل حال نہ ہو تو کوئی کام ممکن نہیں۔ اسی کے کرم سے یہ کام ہو سکا ہے اور اس کام کی ہر اچھائی صرف اسی ذاتِ باری تعالیٰ کے سبب سے ہے۔ اس مالک کُل کے شکریہ کے بعد اپنے عزیز دوست راشد جمال، محمد صہیب نذیر اور بلال احمد راؤ صاحبان کا شکریہ ادا کروں گا کہ ان کے تعاون کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچنا ناممکن تھا۔ ان کی ہمت اور ساتھ رہا کہ یہ کام ہو سکا۔ اللہ اس دوستی اور ساتھ کو ہمیشہ بنائے رکھے۔

علاوہ ازیں فضیلۃ الشیخ قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے ہمت بندھائی تو اس کتاب کی اشاعت کی طرف توجہ کر سکا۔ اللہ ان جیسے حق گو عالم کا سایہ تازیست ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ اسی طرح اس کتاب کی اشاعت میں اور بھی چند احباب کی خصوصی مدد شامل حال رہی لیکن کیا کروں ان کی درویشانہ صفت کا کہ انہوں نے اپنے ناموں کا تذکرہ کرنے سے سختی سے

منع کر رکھا ہے، اسی لئے ان کا نام لئے بغیر ہی ان کی جناب میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔

کسی بھی کام میں کمال صرف اس ذاتِ بے ہمتا کو ہی سزاوار ہے، مخلوق کا کام تو غلطیوں سے پُر ہوتا ہے۔ پھر بھی اپنے تئیں پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی کوئی کمی نہ رہ جائے، تاہم اس کے باوجود اگر کوئی کمی یا غلطی رہ جائے تو قارئین سے التماس ہے کہ اس بابت مطلع فرمائیں، ان شاء اللہ ایجابی طریق سے آئی ہر تنقید کو سر آنکھوں پر رکھا جائے گا۔

محمد فہد حارث

10 مئی 2020ء

عرض مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ والصلوٰۃ علیٰ اھلھا... امابعد!

نہ شبم، نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم، ہمہ ز آفتاب گویم

زیر نظر کتاب، سیدنا معاویہ ﷛ پر عائد کیے گئے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ آں موصوف دنیائے اسلام کی ان چند مقتدر، باعظمت اور بلند پایہ شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کے احسانات سے ملت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ اظہارِ اسلام کے بعد جہاد فی سبیل اللہ میں بھرپور حصہ، لسانِ نبوت ﷺ سے خوشنودیِ الٰہی اور حصول جنت کی عظیم تر بشارات، خلفائے ثلاثہ ﷡ کے عہد خلافت میں اپنی قائدانہ اور مدبرانہ صلاحیت سے اشاعت اسلام اور تسخیر وفتوحات میں نمایاں کردار، ختم نبوت کے اوّلین باغی مسیلمہ کذاب کا قتل، تاریخ اسلام میں سب سے پہلے بحری بیڑے کی تیاری، عالم اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کے علاوہ تقریباً بیس برس صوبہ شام کے امیر نیز اتنے ہی عرصہ تک حجاز مقدس سے افریقہ اور بحر روم سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی اسلامی ریاست کے متفق علیہ اور ہردلعزیز خلیفہ راشد سیدنا معاویہ ﷛ نے امت مسلمہ کے لیے بے شمار کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

اس تمام تر شرف وفضل کے ساتھ ساتھ آں محترم دنیائے اسلام کی وہ واحد مظلوم ہستی بھی ہیں کہ جن کی تمام خوبیوں، ذاتی محاسن وکمالات اور عظیم کارناموں کو فراموش کر دیا گیا، جن کے قابل احترام رشتوں کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا، جن کے فضائل ومناقب زبان پر لانے کو بھی گناہ عظیم تصور کیا گیا، جن کے ایمان کو نفاق، سخاوت کو خیانت، خشیت الٰہی کو ریاکاری، تدبیر وسیاست کو مکر وفریب اور عدل وانصاف کو ظلم کا نام دیا گیا۔ حتی کہ جن کی موت کو بھی نفاق اور عیسائیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ پھر مظلوم معاویہ ﷛

کو انتقال کے بعد بھی آج تک نہ بخشا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قبل ازیں راقم کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت وکردار پر ایک ضخیم کتاب بنام ''تذکرہ خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' اہل علم سے داد تحسین وصول کرچکی ہے۔ اس تالیف کا سبب پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی بنے جن کی زندگی کا مقصد ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہر سطح پر باغی، طاغی، ظالم، منافق، شر الملوک اور العیاذ باللہ کافر ثابت کرنا تھا۔ چنانچہ موصوف کے خلاف طویل جدوجہد کے بعد 298-A کے تحت یکم جولائی 1985ء کو تھانہ حویلیاں میں ایک مقدمہ قائم ہوگیا۔ جو 25 دسمبر 1992ء تک مختلف عدالتوں میں زیر سماعت رہ کر ملزم کی موت کی وجہ سے بغیر کسی فیصلہ کے ختم ہوگیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کا اندازہ اس بات سے بھی باآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ مختلف عدالتوں میں 11۔ اگست 1985ء سے لے کر 15 جون 1991ء تک کے طویل عرصہ میں صرف راقم پر جرح مکمل ہوئی۔ اور اس دوران میں حریف نے تمام حوالہ جات ''سنی'' مصنفین ومولفین ہی کے پیش کیے، راقم کو دورانِ سماعت میں جن اعصاب شکن اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا اس وقت اس کے تصور سے بھی لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔ حریف نے مصالحتی کوششوں میں ناکامی کے بعد ترہیب وتخویف کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ حتیٰ کہ ایبٹ آباد، کوہاٹ اور کراچی کی عدالتوں میں حضرت والد صاحب مرحوم اور راقم کے خلاف متعدد جھوٹے اور بے بنیاد مقدمات بھی قائم کیے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تقریباً آٹھ سال تک عدالت کے کٹہرے میں اس جلیل القدر اور مظلوم ترین صحابی رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کی توفیق عنایت فرمائی۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک حمداً کثیراً۔

ملزم کی وفات کے بعد راقم کی خواہش تھی کہ ان اعتراضات کے جوابات کتابی صورت میں شائع کردیئے جائیں لیکن ہمیشہ اپنی بے بضاعتی اور کم علمی آڑے آتی رہی۔ تاآنکہ بعض احباب کے پیہم اصرار اور توجہ دلانے پر کمر ہمت باندھ لی۔ دورانِ تحریر میں مشکل ترین بحثوں سے سابقہ پڑا، بارہا ہمت ٹوٹی اور بعض اعتراضات کو نظر انداز کرنے کا خیال بھی پیدا ہوا لیکن مشکل یہی تھی کہ عدالت میں یہ سوالات اٹھائے جاچکے تھے جو آج بھی عدالت کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ لہٰذا فرار سے بچتے ہوئے محض احقاقِ حق اور دفاعِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیش نظر انہیں بھی شاملِ کتاب کرلیا گیا۔

راقم نے بڑی محنت سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ناقدین ومعترضین کے اٹھاسی (88) اعتراضات اکٹھے کیے ہیں جو اس موضوع پر اس وقت تک سب سے بڑا کام ہے۔ یہ کثرت اعتراضات بھی مظلومیت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک مستقل دلیل ہے۔ ①

ہر اعتراض کو باحوالہ نقل کیا گیا ہے تاکہ معترض کا تعارف بھی ہو جائے۔ اِن اعتراضات کے جوابات لکھتے وقت قاطع سبائیت وقادیانیت ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک عبارت سے بہت ہی حوصلہ ملا:

''اگر کسی بزرگ عالم یا پیر کی رائے کو غلط قرار دیا جائے تو آدمی دین کے دائرے سے خارج نہیں ہو جاتا۔ دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی کی مشیخت مجروح ہو جائے اور صحابی کی ذات اور ان کا کردار نکھر کر سامنے آ جائے تو یہ سودا سستا ہے اور اسی میں ایمان کی سلامتی اور نجات دارین ہے۔'' ②

لہٰذا اگر بعض طبائع پر زیر نظر کتاب کی کوئی عبارت کسی مقام پر بوجھل ثابت ہو تو وہ ''عظمت اکابر'' کے تصور کے بجائے ''عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم'' کو پیش نظر رکھیں کیونکہ یہ اکابر خود اہل سنت کے معتقدات میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نقش پا کے برابر بھی نہیں ہیں۔

چنانچہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اسی وجہ سے تمام امت کا اجماع ہے کہ ہزاراں ہزار جنید اور ہزاراں ہزار شبلی اور بایزید ایک ادنیٰ صحابی کے نقش پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔'' ③

راقم کو یہ بھی بخوبی علم ہے کہ بعض حضرات اس کتاب کو پڑھ کر فوراً یہ فتویٰ جاری کر دیں گے کہ مصنف ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی اور غالی گروہ'' سے تعلق رکھتے ہیں تو ایسے حضرات کی خدمت میں مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی کی کتاب سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

---

① نوٹ: طبع جدید 2020ء کے موقع پر ان اعتراضات میں بارہ مزید اعتراضات کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس سے اب اعتراضات کی ''سنچری'' مکمل ہو گئی ہے۔ الحمد للہ

② بحوالہ ''مقدمہ از ابن امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ بر راقم کی کتاب: تذکرہ خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ''

③ عقائد الاسلام ص 187

''جس طرح ثنائے صحابہ رضی اللہ عنہم امت کا ایک وظیفہ ہے:

﴿يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ ①

اسی طرح دفاعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس کا ایک فریضہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقع پر دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نہ صرف حکم ارشاد فرمایا ہے بلکہ بوقت ضرورت اس میں تساہل پر سخت وعید بھی سنائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

''اذا ظهرت الفتن او قال البدع وسب اصحابی فلیظهر العالم علمه ومن لم یفعل ذلک فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین ولا یقبل الله منه صرفا ولا عدلا... ''②

''جب فتنے یا فرمایا بدعتیں ظاہر ہونے لگیں اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو برا بھلا کہا جانے لگے تو چاہیے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے، جس نے ایسا نہ کیا اس پر اللہ کی اور سب لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ اس کی نہ کوئی نفل عبادت قبول کرے گا اور نہ کوئی فرض عبادت۔''

دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پھر دو درجے ہیں ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ۔ اعلیٰ تو یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر لگائے گئے الزامات سے ان کی ایسی کامل و مکمل برأت کی جائے کہ اجتہادی خطا و صواب تک کا الزام بھی ان پر نہ رہنے پائے اور ادنیٰ یہ کہ اگر کسی اصولی اور قانونی مجبوری کے پیش نظر یہ ممکن نہ ہو تو غایت ما فی الباب کے طور پر اجتہادی خطا و صواب کی نسبت تو ان کی طرف برداشت کر لی جائے مگر اس سے زائد کوئی الزام ان پر نہ رہنے دیا جائے۔ ③

راقم نے اس عبارت اور حق کی خدمت کے پیش نظر ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''اعلیٰ دفاع'' کی ایک ''ادنیٰ کوشش'' کی ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر بھی ''صورتاً'' یا ''حقیقتاً'' ''نادان حامی یا غالی گروہ'' کی پھبتی کستا ہے تو دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ الزام بھی بصد شکریہ قبول ہے۔

---

① الحشر 10
② مرقاة، شرح مشکوٰة ص 273 جلد 11
③ سبائی فتنہ ص 562-563 ج 1، طبع اول 1992ء، طبع دوم نومبر 2001ء ص 694-695

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً زمرۂ صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے من حیث الطبقہ اپنی خوشنودی اور رضوان سے نوازا ہے، انہیں سچا مومن کہا ہے، ان کی خطائیں معاف کر دی ہیں، ان کی سابقہ باہمی عداوت کو محبت و مودّت میں تبدیل کر دیا ہے، ان کے درجات بلند کر دیئے ہیں، ان کے دلوں میں ایمان مزین کر دیا ہے، انہیں کفر، فسق اور عصیان سے نفرت دلا دِی ہے ان کے ایمان کو معیار قرار دیا ہے، ان کی اتباع کو لازمی قرار دیا ہے اور ان سے غیظ رکھنے والوں کو کفار سے تشبیہ دی ہے۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا ہے انہیں جنت کی بشارتوں سے نوازا ہے، انہیں نجومِ ہدایت کہا ہے، انھیں اللہ کا انتخاب قرار دیا ہے، ان کے ما بین اختلافات و تنازعات کو چھیڑنے سے منع کیا ہے، انہیں برا بھلا کہنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے ان کے بارے میں بار بار اللہ کا خوف یاد دلایا ہے، ان سے محبت اپنے ساتھ محبت، ان سے بغض اپنے ساتھ بغض، ان کی ایذاء کو اپنی ایذاء قرار دیا ہے، ان کی تنقیص کرنے والوں کے ساتھ مجالست، مشاربت، اور مناکحت سے منع فرمایا ہے، اور ایسے تبرائی دور میں اپنا علم ظاہر نہ کرنے والے علماء کو اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اور ہم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور کسی ایک کی محبت میں زیادتی اور غلو نہیں کرتے۔ اور نہ ان میں سے کسی سے بیزاری اور تبرا کرتے ہیں۔ اور ہم ان لوگوں سے بغض رکھتے ہیں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں اور ان کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اور ہم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سوائے نیکی کے ذکر نہیں کرتے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت دین ایمان اور احسان ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔'' ①

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اور احترام میں سے یہ بات ہے کہ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی توقیر ملحوظ رکھی جائے، ان کی اچھائی اور ان کے حقوق کی معرفت کو پیش نظر رکھا جائے، ان

① عقیدۃ الطحاوی ص 66، مترجمہ مولانا صوفی عبدالحمید سواتی

کی اقتدا کی جائے، ان کے حق میں ثنائے خیر بیان کی جائے اور ان کے لیے ہمیشہ استغفار کیا جائے، ان میں جو اختلاف ونزاع ہوا ہے اس سے زبان کو روکا جائے، اور جو لوگ ان سے دشمنی رکھتے ہیں ان سے دشمنی رکھی جائے، اور مورخین کے اقوال واخبار سے اعراض اور روگردانی کی جائے، جاہل راویوں اور حکایات کے ناقلین سے منہ موڑا جائے جو بھٹک جانے والے شیعہ اور بدعتی ہیں جبکہ کسی ایک صحابی کے حق میں بھی قدح کرنے والے ہوں۔''①

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''**ویکف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر**''

''اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے ذکر سے زبان بند رکھنی چاہیے، سوائے کلمہ خیر کے کچھ نہ کہنا چاہیے''۔ یعنی سوائے خیر وخوبی کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہرگز نہ کرنا چاہیے۔''

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

''**وجوب الکف عن الطعن فیھم**''۔②

''اور ان پر طعن کرنے سے زبان بند رکھنا واجب ہے۔''

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''**فانا مامورون بحسن الظن بالصحابۃ ونفی کل رذیلۃ عنھم واذا انسدت طرق تاویلھا نَسَبنَا الکذب الی الرواۃ ... قال العلماء: الاحادیث الواردۃ التی فی ظاھرھا دخل علی صحابی یجب تاویلھا، قالوا ولا یقع فی روایات الثقات الا ما یمکن تاویلہ۔**''③

''ہم صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں حسن ظن اور ان سے ہر برائی کی نفی کرنے کے مکلف ہیں اور جب کسی سند سے اس کی راہ نہ ملے تو اس الزام کو ہم کذب راوی پر محمول کریں گے...... علماء کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی رضی اللہ عنہ پر حرف آتا ہو تو اس کی تاویل

---

① الشفا بتعریف حقوق المصطفی ص 49، ج 2

② شرح عقائد ص 116

③ شرح مسلم ص 90، 278 ج 2

واجب اور ضروری ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔''

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اور جان لیں کہ یہی لوگ ہیں اکابر دین اور کبرائے اسلام جنہوں نے اسلام کی بلندی اور سید الانام کی مدد میں اپنی طاقت صرف کی اور اپنے مالوں کو کلمہ اسلام کی بلندی میں خرچ کیا اور دین متین کی تائید میں دن میں اور رات میں، پوشیدگی میں اور ظاہر میں مال لٹایا۔ اور اپنے قرابت داروں، قبیلوں، اولاد، بیویوں، اپنے وطنوں، گھروں، اپنے چشموں اور کھیتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سبب سے چھوڑ دیا۔ اور اپنے نفسوں کی محبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی محبت اور اپنی اولاد اور مالوں کی محبت پر ترجیح دی۔ اور یہی لوگ ہیں وحی اور فرشتوں کا مشاہدہ کرنے والے اور معجزات اور خوارق دیکھنے والے یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت ہو گیا ہے اور ان کا علم عین ہو چکا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعریف فرمائی ہے۔ ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ①﴾

''اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش۔'' یقیناً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان بزرگیوں میں شریک ہیں۔

اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان اکابر دین پر سب وشتم اور اسلام کے کبراء پر طعنہ زنی پر ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا ہے اور کسی کافر اور فاسق پر بھی طعنہ زنی اور گالی گلوچ شریعت میں نجات کا وسیلہ، فضیلت، بزرگی اور عبادت میں شمار نہیں کیا جاتا۔ پھر ان ہادیانِ دین پر سب وشتم کرنا اور ان حامیانِ اسلام پر طعنہ زنی کرنا کیسے عبادت ہو سکتا ہے اور شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر بھی مثلاً ابوجہل اور ابولہب پر بھی گالی گلوچ کرنا اور طعنہ زنی کرنا وارد نہیں ہوا ہے اور نہ یہ کرامت اور عبادت میں شمار کیا گیا ہے۔''②

---

① التوبۃ: 100

② مکتوبات امام ربانی جلد سوم، حصہ ہفتم، دفتر دوم ص 134، 127

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہم اپنی زبانوں کو روکتے ہیں اور سوائے بھلائی اور خیر کے ان کا ذکر نہیں کرتے یعنی ان پر کسی قسم کی تنقید وجرح نہیں کرتے وہ دین میں ہمارے پیشوا ومقتدا ہیں۔''①

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ زیر نظر کتاب کا مطالعہ سلف صالحین کے مذکورہ بالا ارشادات اور قرآن مجید کے درج ذیل حکم کی روشنی میں کریں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾②

''اے ایمان والو! مضبوط کھڑے ہو انصاف کے ساتھ گواہ بن کر اللہ کے، اگرچہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔''

﴿وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾③

''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں بے انصافی پر آمادہ نہ کرے انصاف ہی کرو کہ یہ قرین تقویٰ ہے۔''

اب یہ بات غور طلب ہے کہ پوری جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو سب سے زیادہ طعن وتشنیع کا نشانہ کیوں بنایا گیا؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ وہ شخصیت ہیں کہ جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اختلاف وشقاق کے بعد پھر سے دنیائے اسلام کو متحد ومتفق کر کے ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا تھا۔ آں موصوف کے بیس سالہ دورِ خلافت میں فتوحات کا منقطع سلسلہ پھر سے جاری ہوا۔ بری اور بحری دونوں محاذوں پر دشمنانِ اسلام کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی مساعی جمیلہ کی بدولت دین اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور یوں ان کا مبارک دور ﴿لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾④ کی کامل عملی تصویر بن گیا جس سے سبائیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں

---

① العقیدة الحسنه مع عقیدة الطحاویة ص 97

② النساء 135

③ المائدة:8 ④ الصف :9

اوران منافقین ودشمنانِ اسلام پر عرصہ حیات تنگ ہوگیا۔لہٰذا جواباً وانتقاماً اِن کذاب سبائیوں نے آپ کے مثالب میں خوب حکایات وروایات وضع کیں اورانہیں باقاعدہ تاریخ کا حصہ بنایا۔

شاہ معین الدین ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''بنی امیہ کے زمانے میں جس کے بانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں شیعان علی رضی اللہ عنہ پر سختیاں ہوئیں اس لیے وہ قدرتاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے۔انہوں نے ان واقعات سے جنہیں عام طور پر ناپسند کیا جاتا تھا فائدہ اٹھا کران کو ہر طرح کے الزاموں کا نشانہ بنادیا۔ممکن تھا کہ ان کی آواز کچھ عرصہ کے لیے دب جاتی۔لیکن ان ہی واقعات کی بنیاد پر بنی عباس نے حکومت کی تعمیر شروع کردی ان کا داعی اعظم ابومسلم خراسانی اوران کے بہت سے وزراء اورعمال حکومت شیعہ تھے اس لیے سیاسی مصالح کی بنا پرسیکڑوں افسانے تراش کر بنی امیہ اورامیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردیئے گئے ،اوران کی جانب سے نفرت وحقارت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے ان کی پوری تشہیر کی گئی۔

بنی عباس کی حکومت سندھ سے لے کر اسپین تک تھی اورکم وبیش چھ سو سال تک رہی۔اس لیے بنی امیہ اورامیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مثالب جو سیاسی مصالح کی بنا پر گھڑے گئے تھے مشرق سے مغرب تک پھیل گئے۔انہی کے زمانے میں تاریخیں لکھی گئیں اس لیے بہت سی کمزور روایات اور غلط واقعات بھی تاریخوں میں داخل ہو گئے انہی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مثالب بھی ہیں۔

بنی امیہ سے بنی عباس کی نفرت وعداوت کا یہ حال تھا کہ آخری اموی فرماں روا مروان کی شکست کے بعد خاندان بنی امیہ کے نوے افراد گرفتار ہوئے ، یہ غریب کھانا کھانے کے لیے جمع کیے گئے عین اس وقت بنی ہاشم کے ایک معمولی غلام شبل بن عبداللہ نے بنی امیہ پر اشتعال دلانے والے چند اشعار پڑھ دیئے انہیں سن کر سفاح عباسی بانی دولت عباسیہ کے چچا عبداللہ بن علی نے اسی وقت کل اموی قیدیوں کو خیمہ کی چوبوں سے پٹوا کر مرواڈالا اور نیم بسمل لاشوں کے ڈھیر پر دسترخوان بچھوا کر کھانا کھایا اورفرش کے نیچے دم توڑنے والوں کی سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔ان کے علاوہ جہاں جہاں اموی ملے ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر

دیئے گئے۔

یہ تو زندہ لوگوں کے ساتھ سلوک ہوا، مُردوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس سے بھی زیادہ عبرت آموز ہے تمام خلفائے بنو امیہ (بشمول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کی قبریں کھدوا کر اور ان کی ہڈیاں نکلوا کر پھینک دیں ہشام کی لاش سالم نکلی تھی اسے سولی پر لٹکا کر آگ میں جلوا دیا گیا۔''①

پھر مامون رشید عباسی نے شیعیت قبول کر کے سرکاری طور پر اعلان کرایا کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کے حق میں کلمات خیر کہے گا تو حکومت اس کی حفاظت سے بری الذمہ ہے۔②

بلکہ مامون الرشید عباسی (م 218ھ) نے اپنی خلافت کے آخری حصہ 211ھ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور خاندان بنو امیہ کے خلاف باضابطہ طور پر ایک ''کتاب'' لکھوائی جسے سنی امام طبری (م 310ھ) نے اپنی تاریخ میں محفوظ کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن اور سبّ وشتم کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھول دیا جس سے ہر دور میں اہل سنت کہلانے والوں کا ایک ''طبقہ'' متاثر ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔

مامون عباسی (م 218ھ) کی تیار کردہ کتاب (خفیہ دستاویز) قصرِ خلافت میں محفوظ رہی جسے معتضد باللہ عباسی (م 289ھ) نے 284ھ میں نکلوایا اور بزور شمشیر نافذ کرنے کا اعلان کیا مگر قاضی یوسف بن یعقوب کے مشورہ کے مطابق اپنا ارادہ ترک کر دیا مگر صد افسوس امام طبری (م 310ھ) نے اس غلیظ اور بدبودار کتاب کو اپنے ''ذرائع'' سے قصرِ خلافت سے حاصل کر کے اپنی تاریخ کا حصہ بنا دیا۔③

تفصیل کے خواہش مند راقم الحروف کی کتاب ''امام طبری کون...... مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز؟'' ص 251 تا 267 کی طرف مراجعت کریں۔

---

① تاریخ اسلام جلد 1، ص 370، 371

② دول الاسلام، ذہبی ص 94 تحت سنہ 211ھ، مروج الذہب، مسعودی ص 40 ج 4

③ ملاحظہ ہو: تاریخ الامم والملوک الجزء الثامن طبع بیروت لبنان ص 182 تا 190، تاریخ طبری (اردو) حصہ دہم خلافت بغداد کا دورِ انحطاط حصہ دوم 257ھ تا 302ھ مترجمہ علامہ عبداللہ العمادی ص 253 تا 266۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک اقتباس ہدیۂ قارئین کر دیا جائے:

''ولعنوا من لعنه الله ورسوله وفارقوا من لاتنالون القربة من الله ورسوله الا بمفارقته، اللّٰهم العن أباسفيان بن حرب ومعاوية ابنه ويزيد بن معاوية ومروان بن الحكم وولده اللّٰهم العن ائمة الكفر وقادة الضلالة وأعداء الدين ومجاهدى الرسول ومغيرى الأحكام ومبدلى الكتاب وسفاكى الدم الحرام

اللّٰهم انّا نتبرأ اليک من موالاة أعدائک ومن الاغماض لأهل معصيتک كما قلت:

''لاتجد قوماً يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادّون من حاد الله ورسوله۔''

اور اس پر لعنت کرو جس پر اللہ ورسول نے لعنت کی ، اس سے مفارقت اختیار کرو جس کی مفارقت کے بغیر تم اللہ کی قربت حاصل نہیں کر سکتے۔

اے اللہ! لعنت کر ابوسفیان بن حرب اور اس کے بیٹے معاویہ پر ، یزید بن معاویہ پر ، مروان بن الحکم پر اور اس کی اولاد پر۔

اے اللہ! لعنت کر کفر کے اماموں ، گمراہی کے پیشواؤں ، دین کے دشمنوں ، رسول سے لڑنے والوں ، احکام میں تغیر کرنے والوں ، کتاب کے بدلنے والوں اور محترم خون بہانے والوں پر۔

اے اللہ! ہم تیرے دشمنوں کی دوستی سے ، تیرے گناہ گاروں سے چشم پوشی کرنے سے ، تیرے سامنے اپنی بیزاری ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ تو نے کہا ہے کہ:

''تو کسی جماعت کو جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں ایسا نہ پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔''①

علاوہ ازیں امام طبری نے دیگر توہین آمیز روایات کے ساتھ ساتھ حسب ذیل الفاظ بھی لکھے کہ:

''عزم المعتضد بالله على لعن معاوية بن ابى سفيان على المنابر...، الايترحموا على معاوية ولا يذكروه بخير...أمر معتضد بلعن معاوية... أوجب عليه

① تاريخ الامم والملوک الجزء الثامن طبع بيروت ص 189

اللعنة... الشجرة الملعونة... ابو سفیان بن حرب وأشیاعه من بنی امیة الملعونین فی (معاویة) والراکب (ابو سفیان) والسائق (یزید بن ابی سفیان)''①

اس کے بعد 352ھ میں بنی بویہ نے بغداد کی جامع مسجد کے دروازے پر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کے الفاظ لکھوائے۔ پھر ایران میں اسماعیل صفوی نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ اس طرح ایک خاص سازش کے تحت یہودیت، عیسائیت اور مجوسیت کے ''ٹرائیکا'' (تگڈم) نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کر کے اپنے جذبات کو تسکین پہنچائی۔

نہایت ہی افسوس ہے کہ کچھ مدعیان اہل سنت نے ان دشمنانِ اسلام کا آلہ کار بن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نئے انداز میں ان ہی الزامات سے اپنی کتب کو ''زینت'' بخشی۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوءظن رکھنے والے تین گروہ ہیں۔ اوّل روافض، خیر اِن کا سوءِظن چنداں جائے تعجب نہیں۔ دوسرا گروہ ان جاہل صوفیوں کا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا تکملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کو سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو سنی کہتے ہیں مگر درحقیقت بہت سے اصول وفروع میں بھی یہ اہل سنت کے مخالف اور فرقہ ہائے شیعہ میں داخل ہیں۔ تیسرا گروہ اس زمانے کے بعض اہل ظاہر کا ہے، بعض روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطاعن ان کی نظر سے گزرے، بوجہ ظاہریت کے ان کی تاویل نہ کر سکے۔ ان میں سب سے مضرت رساں دوسرا گروہ ہے پھر تیسرا''②

تفصیل کے خواہش مند قارئین راقم الحروف کی کتاب: ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین'' کی طرف مراجعت فرمائیں۔

اب جو شخص بھی دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فریضہ ادا کرتے ہوئے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کے

---

① تاریخ الامم والملوک الجزء الثامن طبع بیروت ص 182، 184، 185

② ازالۃ الخفاء ص 571 ج 1 برحاشیہ

جوابات دینا چاہے گا تو وہ اکابر کی کتب کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ لہٰذا راقم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق جو اعتراضات کتب اہل سنت میں پائے جاتے تھے انہیں باحوالہ نقل کر کے جوابات دینے کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اگر کتاب میں کسی مقام پر کسی لفظ سے ''بے تکریمی'' محسوس ہو تو اسے ''دینی حمیت'' پر محمول فرمالیں۔

''خلافت وملوکیت'' سے منقول چند باتیں بطور نمونہ آپ بھی ملاحظہ فرمالیں:

(1) اس سے بدرجہا غیر آئینی طرزِ عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔①

(2) مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار۔②

(3) یہ سب کچھ دورِ اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے۔③

(4) انہوں نے ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے قانون کے تحت قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی طلبی کا مطالبہ کیا۔④

(5) ان کے غلط کام کو صحابیت کی رعایت سے اجتہاد کا نام نہیں دیا جا سکتا۔⑤

(6) صحابی کے مرتبۂ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔⑥

(7) جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا۔⑦

(8) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا۔⑧

(9) وہ مسلمانوں کے خلیفہ بنانے سے خلیفہ نہیں بنے۔⑨

(10) انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے۔⑩

(11) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نص صریح کے مطابق باغی اور باطل پر تھے۔⑪

(12) اظہارِ رائے کی آزادی کا خاتمہ کر دیا گیا، ضمیروں پر قفل چڑھا دیے گئے اور زبانیں بند کر دی

---

①②③ خلافت وملوکیت ص 125

④ حوالہ مذکورہ ص 122

⑤⑥⑦⑧ حوالہ مذکور ص 143

⑨⑩ حوالہ مذکور ص 158

⑪ حوالہ مذکور ص 137

گئیں، حق گوئی کی سزا قید، کوڑے اور قتل مقرر ہوگئی۔ ①

(13) ایک عابد و زاہد صحابی حجر بن عدی کے قتل کا حکم دیا۔ ②

(14) اپنے مفاد اور سیاسی اغراض کے لیے شریعت کی حدود کو توڑا۔ ③

(15) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ ④

(16) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہایت مکروہ بدعت شروع کی۔ ⑤

(17) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خیانت کی۔ مالِ غنیمت میں سے سونا چاندی اپنے لیے الگ کرنے کا حکم دیا۔ ⑥

(18) جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔ ⑦

(19) قانون کی بالاتری کا خاتمہ کر دیا۔ ⑧

(20) مسلمانوں کو کافر کا وارث قرار دے کر سنت کی خلاف ورزی کی۔ ⑨

(21) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیت کے مسئلے میں بھی سنت کو بدل دیا۔ ⑩

(22) اپنے گورنروں اور سپہ سالاروں کو شریعت کی پابندی سے آزاد کر کے ظلم کی کھلی چھوٹ دی۔ ⑪

(23) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مطلب براری کے لیے جھوٹے گواہ تیار کیے۔ ⑫

(24) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خوشامد پسند تھے اور خوشامدانہ تقریریں سنتے تھے۔ ⑬

(25) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ ⑭

(26) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں اور ثابت کیا کہ زیاد اِن

---

① حوالہ مذکور ص163
② حوالہ مذکور ص165
③ حوالہ مذکور ص173
④⑤ حوالہ مذکور ص179
⑥ حوالہ مذکور ص173
⑦ حوالہ مذکور ص172
⑧⑨ حوالہ مذکور ص173
⑩ حوالہ مذکور ص177
⑪⑫ حوالہ مذکور ص135
⑬ حوالہ مذکور ص151، 167
⑭ خلافت و ملوکیت ص175

ہی کا ولد الحرام ہے۔①

(27) یزید کی ولی عہدی کی ابتدائی تحریک بدنیتی اور ذاتی مفاد کے تحت شروع ہوئی۔②

(28) تحریک ولی عہدی کی کامیابی کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو رشوتیں اور قتل کی دھمکیاں دیں۔③

ستم بالائے ستم یہ کہ موصوف نے مذکورہ بالا الزامات کو اس تیقن اور تحدی کے ساتھ پیش کیا:

''میں کسی بزرگ کے کسی کام کو غلط صرف اسی وقت کہتا ہوں جب وہ قابل اعتماد ذرائع سے ثابت ہو اور کسی معقول دلیل سے اس کی تاویل نہ کی جا سکتی ہو۔ مگر جب اس شرط کے ساتھ میں جان لیتا ہوں کہ ایک کام غلط ہوا ہے تو میں اسے غلط مان لیتا ہوں پھر اس کام کی حد تک ہی اپنی تنقید کو محدود رکھتا ہوں۔ مجھے اس بات کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ جن کو میں بزرگ مان لیتا ہوں ان کی کھلی کھلی غلطیوں کا انکار کروں، لیت پوت کر کے ان کو چھپاؤں یا غیر معقول تاویلیں کر کے ان کو صحیح ثابت کروں۔ لیت پوت کرنے یا علانیہ نظر آنے والی چیزوں پر پردہ ڈالنے سے میرے نزدیک بات بنتی نہیں بلکہ اور بگڑ جاتی ہے۔ اس سے تو لوگ اس شبہ میں پڑ جائیں گے کہ ہم اپنے بزرگوں کے جو کمالات بیان کرتے ہیں وہ بھی شاید بناوٹی ہی ہوں گے۔''④

ع اینکہ می بینم بہ بیداری ست یا رب یا بخواب

مولانا مودودی نے مذکورہ بالا الزامات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ''احتراماً'' ہر جگہ حضرت، جناب اور ''رضی اللہ عنہ'' نہ صرف تحریر کیا بلکہ یہ اقرار بھی کیا کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا''۔⑤

موصوف آگے ص 158 پر لکھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے بنانے سے خلیفہ نہیں بنے، انہیں

① حوالہ مذکور ص 150
②③ حوالہ مذکور ص 148، 149، 153
④ حوالہ مذکور ص 306
⑤ خلافت و ملوکیت ص 153

مسلمانوں کی رضامندی حاصل نہ تھی انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی اور اپنے زور سے خلیفہ بنے......
سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح سے حاصل کی گئی خلافت میں دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنا نا قابل انکار دینی خدمت شمار ہوگا؟

مودودی صاحب کی اس ''فرد قرار داد جرم'' کو تسلیم کرنے کے بعد حضرت، جناب اور رضی اللہ عنہ کے احترامی الفاظ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

''خلافت وملوکیت'' میں یہ الزام پڑھنے کے بعد ایک شیعہ لیڈر **حجۃ الاسلام والمسلمین، استاذ العلماء والمجتھدین، رئیس المفسرین،** آیۃ اللہ علامہ حسین بخش جاڑا بھی ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''قارئین کرام! اپنے قلب وجگر پر ہاتھ رکھ کر ان غلطیوں کو پڑھیں اور مودودی صاحب کی اس دریا دلی کی بھی داد دیں کہ باوجود اِن سنگین جرائم کے اس کے محامد ومناقب کے بھی قائل ہیں اور شرف صحابیت کی بنا پر اسے واجب الاحترام بھی قرار دیتے ہیں۔ اور یہ اصرار بھی ہے کہ اس کے غلط کام کو بہرحال غلط کہنا ہوگا۔ اندازہ کیجیے ایک شخص اپنی ہوس پرستی وجاہ طلبی کی خاطر اسلامی حکومت کا حلیہ بدلتا ہے، ہمیشہ کے لیے امت اسلامیہ کو ملوکیت کی الجھنوں میں ڈالنے کا مرتکب ہے، آئینی اسلامی خلیفہ کا منکر ہے، اور حضرت عمار بن یاسر اور حجر بن عدی ایسے متقی صحابہ کا عمداً قاتل ہے اور بایں ہمہ وہ واجب الاحترام صحابی ہے۔ اور اپنی عمدی خطا سے جنگ صفین کے موقع پر ہزاروں مسلمانوں کے قتل کا موجب ہے، جن میں اکابر صحابہ بھی تھے۔ اور بقول مودودی صاحب یہ غلطی اجتہادی نہیں بلکہ عمدی غلطی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ واجب الاحترام ہے۔''①

محقق اہل سنت حضرت مولانا ابو ریحان عبدالغفور صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت قاضی (مظہر حسین) صاحب کی کتاب خارجی فتنہ کے مطالعہ کے بعد بھی ایک خالی الذہن اور ناواقف قاری کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ حسن ظن نہیں رہتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی کے ساتھ ہونا چاہیے۔

---

① حوالہ مذکور ص 62، 63

اوروں کا تو مجھے پتہ نہیں البتہ میں اپنی بات کرتا ہوں کہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی اس کتاب نے مجھے تو اصحاب جمل واصحاب صفین اور خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین یا اکابر اہل سنت رحمہم اللہ سے بدظنی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔

حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے حضرات اکابر اہل سنت رحمہم اللہ کی عبارتیں جس انداز اور لب ولہجہ میں پیش کی ہیں اسی کو اگر مسلک اہل السنت کی عین ترجمانی سمجھوں تو میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنی عقیدت کو خیرباد کہوں۔ ظاہر ہے کہ باغی، طاغی، جائر، غیر عادل اور مہاجر قرآن وحدیث سے اگر کوئی عقیدت رکھے بھی تو آخر کیسے؟

اور اگر دیگر اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک جلیل القدر صحابی اور پیکر اخلاص وللّٰہیت مانوں نیز ان سے اپنی عقیدت ومحبت اور حسن ظن برقرار رکھوں تو پھر میرے لیے اس کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اکابر اہل سنت کے اس لب ولہجہ اور انداز بیان کو سراسر نامناسب اور ناموزوں گردانوں۔ کیونکہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی یہ کتاب پڑھنے سے پہلے تو میں جمل وصفین کی قیامت خیزیوں کو سبائی مفسدوں کے سر ڈال کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق اپنے دل ودماغ صاف رکھا کرتا تھا اور حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی ذکر کردہ اکابر اہل السنت رحمہم اللہ کی چیستاں ایسی عبارتوں سے واقف ہی نہ تھا یا ان عبارتوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق اہل السنت کے اصولی عقیدہ کے مقابلہ میں قابل تاویل اور قابل جواب سمجھا کرتا تھا نہ کہ قابل حجت وقابل استدلال لیکن جب کہ حضرت قاضی صاحب نے اکابر کی بظاہر خلاف اصول عبارتوں کی تاویل کرنے اور ان کا جواب دینے کی بجائے ان کو اصل حجت اور دلیل بناتے ہوئے ان سے بطور اصل حکم کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی، جائر، نافرمان اور قرآن وحدیث کا مخالف ہونا ثابت کرنے اور پھر اسی کو افراط وتفریط سے پاک اہل السنت کا عادلانہ مسلک قرار دینے میں اپنی ساری توانائی صرف کردی ہے، خصوصاً جب کہ اس کتاب کے مبصرین نے بھی اس کی غیر مشروط کلی تائید کردی ہے اور اس کو مسلک اہل السنت کی عین

ترجمانی قرار دے دیا ہے تو کبھی تو سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ اتنے بڑے بڑے علماء اور فقہاء اور صاحب کشف و کراماتی بزرگ اور اساطین امت، جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ کچھ کہتے، مانتے، منواتے اور اسی کو اہل السنت کا مسلک و عقیدہ قرار دیتے ہیں تو وہ ایسے ہی ہوں گے۔ آخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ انسان ہی تو تھے، کوئی فرشتہ تو نہ تھے اور کبھی ذہن اس طرف پلٹا کھاتا ہے کہ فرشتے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تھے تو یہ حضرات بھی تو نہ تھے۔ انسان صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی تو نہ تھے یہ حضرات بھی تو آخر انسان ہی تھے، خطاء وغیرہ سے معصوم اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تھے تو یہ بھی تو نہ تھے۔ صاحب کشف و کرامات اور علم و عمل کے پہاڑ اگر یہ حضرات تھے تو علم و عمل سے تہی دست اور کشف و کرامات جیسے باطنی کفایات سے تہی داماں آخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تو نہ تھے۔ اگر تھے تو ان سے کچھ بڑھ کر ہی تھے کم نہ تھے۔ اور نہیں تو علم و عمل، اصلاح و تقویٰ اور خلوص و للّٰہیت جیسے اوصاف میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان حضرات کے کم از کم برابر ہونا تو کہیں بھی نہیں گیا۔ لہٰذا اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی، طاغی، جائر وغیرہ ہو سکتے ہیں تو خود ان اکابر سے بھی ایسی باتیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنے میں کیوں غلطی نہیں ہو سکتی؟

اسی طرح اکابر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں باغی، طاغی، جائر، آثم، عاصی، باطل، ظالم، فاسق، غیر راشد اور مہاجر قرآن و حدیث جیسے القاب استعمال کیے ہیں۔ ان القاب کو خود انہی اکابر کے بارے میں استعمال کرنے کی گستاخی کرنا تو بہت دور کی بات ہے حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی یہ کتاب پڑھنے سے پہلے میں نے اس کا کبھی سوچا بھی نہ تھا اور نہ سوچ ہی سکتا تھا۔ کیونکہ میں تو اس سے بدرجہا معمولی سے معمولی ان کی بے ادبی اور کسر شان کو اپنے ایمان کے لیے زہر قاتل سمجھا کرتا تھا۔ لیکن اب جب کہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے اکابر اہل السنت کی ان تعبیرات میں سے بعض کی نہ صرف یہ کہ بھرپور تائید کی، ان کو اہل السنت کا مسلک بتایا، بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق باغی، جائر، قصوروار، نافرمانی اور قرآن و حدیث کی مخالفت جیسی تعبیرات خود بھی بڑی بے تکلفی سے نہ صرف یہ کہ استعمال کی ہیں بلکہ ان کو بلوایا ہے۔ پھر خصوصاً اس کے ساتھ ہر دفعہ یہ تسلی دی

ہے کہ یہ الفاظ فلاں تاویل سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہ توہین ہے نہ ان کی شان میں گستاخی ، بلکہ ان کو ایک اجر وثواب کا مستحق بتاتے ہیں۔ تو ان اکابر اہل السنت کے بارے میں یہی الفاظ اسی تاویل کے ساتھ استعمال کرنے کی قباحت وشناعت میرے دل میں باقی نہیں رہی۔

حضرت قاضی صاحب کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد میری ذہنی آوارگی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ اکابر اہل سنت کی صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق ایسی باتیں دیکھ کر میں بلا تکلف یہ سوچنے لگ جاتا ہوں کہ ان اکابر کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو اگر یہ کچھ کہا جا سکتا ہے اور یہ ان کی توہین بھی نہیں ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ کچھ کہنے میں خود یہ اکابر ہی کیوں یہی کچھ نہیں ہو سکتے ؟ ان کے حق میں یہ الفاظ آخر توہین کیونکر بن سکتے ہیں؟ جس تاویل اور ہیر پھیر سے ان الفاظ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جائز اور بالکل صحیح ثابت کرنے کے لیے تکلّفات کیے جاتے ہیں وہی تاویلات وتکلّفات آخر یہاں بھی تو بروئے کار لائے جا سکتے ہیں۔ لیکن دوسرے ہی لمحے یہ سوچ کر ٹھٹک کر رہ جاتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ان بعض اکابر اہل سنت کی ایسی باتوں کو اگر کوئی ان ہی پر اسی تاویل سے جو اِن کی عبارتوں میں کی جاتی ہے لوٹا دے تو حضرت قاضی صاحب اور ان کے مؤیدین حضرات اس پر قیامت تو بپا کر سکتے ہیں ، ناصبیّت وخارجیت کے لمبے چوڑے فتووں کے طومار تو باندھ سکتے ہیں۔ لیکن ان بعض اکابر اہل سنت کے بارے میں ان ہی کے کہے ہوئے الفاظ کسی بھی معنی وتاویل کے ساتھ برداشت کرنے کے لیے کسی بھی قیمت پر تیار نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ اصحاب جمل وصفین اور حضرت معاویہ وحکمین رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ سب کچھ صرف برداشت ہی نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو مسلک اہل سنت کی عین ترجمانی بتایا جاتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسے ناشایاں الفاظ کو ضرورت وبلا ضرورت بار بار ایسے انداز سے دہرایا جاتا ہے کہ لکھنے والے پر وکیل صحابہ کے بجائے دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ یہ سب کچھ برداشت ہے لیکن یہ سب کچھ لکھنے والے بعض اکابر کے بارے میں کچھ بھی برداشت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جصاص نے کم از کم 8ھ کے آخر تک تو یقینا

طلقائے مکہ...... ابوسفیان واحزابہ...... رضی اللہ عنہم کو کافر تک کہا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک قضیہ کو باطل ''اول محدثة فی الاسلام'' اور خود ان کو ساقط القول کہا۔ ان کو اکفر، افجر اور افتح لوگوں کے ساتھ ذکر کیا۔ اس کے باوجود حضرت قاضی صاحب اور ان کے مؤید بزرگوار کے بدن پر جوں بھی نہ رینگی۔ لیکن قسمت کے مارے سندیلوی نے اسی جصاص وغیرہ کی ایک بات کو غلط کہہ دیا تو حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے اس کے خلاف سینکڑوں صفحات سیاہ کر دیے اور ان کے مؤیدین نے ان کی مدح وتائید میں قصیدے کے قصیدے کہہ دیے۔

اس سے اگر مجھ جیسا نابکارو ناپختہ کار اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ ان بزرگواروں کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گویا اتنی قدر و منزلت بھی نہیں جتنی کہ جصاص، مرغینانی اور ملا علی قاری وغیرہم رحمہم اللہ کی ہے تو آپ ہی انصاف سے کہیے کہ اس میں زیادہ قصور کس کا ہے؟ میری ناپختہ کاری کا یا حضرت قاضی صاحب کی زیر بحث کتاب...... خارجی فتنہ...... کا؟ ہمیں ابھی تک یہی بتایا، سمجھایا اور پڑھایا گیا کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی وغوث اور قطب کسی ادنیٰ درجے کے صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا لیکن اب خارجی فتنہ اور اس کے مؤیدین حضرات کا طرز عمل جب یہ سامنے آیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کم درجے کے اولیاء کی صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق کہی ہوئی صحیح وغلط ہر قسم کی باتیں تو نہ صرف مانی اور منوائی جارہی ہیں بلکہ ان کو عین مسلک اہل سنت قرار دیا جارہا ہے لیکن دوسری طرف خود ان اولیاء کے بارے میں یہی باتیں بلکہ ان سے بھی بدرجہا کم غلط، بلا دلیل اور خلاف دلیل...... جیسے نسبتاً ہلکے پھلکے الفاظ تک بھی برداشت نہیں کیے جاتے تو اپنے بزرگوں کے پرانے پڑھائے ہوئے سبق اور ان کے اس نئے طرز عمل میں مجھ جیسا موٹی عقل کا آدمی کوئی تطبیق نہیں دے پاتا اور ﴿مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ الخ﴾ کی عملی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے حضرت قاضی صاحب مدظلہ اور جناب لعل شاہ صاحب کی سوچوں میں زمین وآسمان کا فرق ہونے کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق قارئین کے دل ودماغ پر منفی اثر کرنے میں ان کی کتابوں...... ''خارجی فتنہ'' اور ''استخلاف یزید'' میں مجھے کوئی زیادہ فرق نظر نہیں آیا۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اکابر اہل السنت کی قابل تاویل جو عبارتیں جس انداز سے پیش کی ہیں ، ان پر حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی مرضی کے مطابق ایمان لانے کے بعد عوام الناس کو جانبین کے ادب واحترام کی باریکیاں سمجھانا اوران کو اس کا قائل کرنا حضرت قاضی صاحب جیسے بزرگوں کی کرامت ہی ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔''①

راقم الحروف نے زیر نظر کتاب میں ''معترضین'' کے اعتراضات کا جہاں ''علمی وتحقیقی'' جواب دیا ہے تو وہیں ایک آدھ مقام پر ''اکابر'' کی پیروی میں ''الزامی'' جواب بھی دیا ہے جسے کوئی بھی صاحبِ ایمان اور ذی علم شخص نہ تو ''ہدفِ تنقید'' بنا سکتا ہے اور نہ ہی اس بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی گستاخی کا الزام عائد کر سکتا ہے۔

مگر برا ہو تعصب کا، بعض فکر آخرت سے عاری حضرات نے ''کذب وافتراء'' کا بدترین مظاہرہ کرتے ہوئے راقم پر ''گستاخیءِ صحابہؓ'' کا الزام دھر دیا کہ:

1۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے میں زیادہ تر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ''باغیوں'' کا دخل تھا۔
2۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سب سے پہلے ''اشتر نخعی'' نے بیعت کی۔
3۔ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیعت پر مجبور کیا۔
4۔ محمد بن ابی بکر کو قاتل عثمان رضی اللہ عنہ قرار دے کر ان کی توہین کی گئی۔
5۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین کے سامنے ''بے بس'' اور لاچار تھے۔
6۔ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا سرغنہ ''غافقی'' شہادت عثمان ''غافقی'' کے بعد امیر مدینہ اور امام صلوٰۃ رہا۔
7۔ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ لشکر علی رضی اللہ عنہ میں شامل رہے۔
8۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ''ظلم'' کی نسبت کی گئی......

مذکورہ ''وجوہات'' کی بناء پر راقم سمیت تائید کنندگان کو پکا ''ناصبی وخارجی'' قرار دے کر مسلک اہل سنت وجماعت سے خارج کر دیا گیا۔ اس کی وضاحت آگے کتاب میں اپنے مقام پر آ رہی ہے لیکن یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند حوالہ جات ہدیۂ قارئین کر دیے جائیں:

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (م 1974ء) لکھتے ہیں کہ:

① سبائی فتنہ جلد اول ص 73، 76 طبع اول جنوری 1992ء، طبع دوم نومبر 2001ء ص 95-100

''بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی نہ تھے وہ طالب قصاص دم (خون) عثمان رضی اللہ عنہ تھے جن کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیت قرآنی:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا﴾ ①

اور جو شخص ظلماً مار دیا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے اس کے ولی وارث کے لیے مضبوط حق، پھر وہ وارث (بدلہ لیتے وقت) مارنے میں زیادتی نہ کرے (تو) بلاشک وہی مدد یافتہ وغالب اور کامیاب رہے گا۔

کے اشارہ سے سمجھ گئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہ لیا تو ان کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مظفر ومنصور ہوں گے۔ ②

موصوف مزید لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں استخارہ کروں گا۔ استخارہ کے بعد آپ نے بلوائیوں اور مدینہ والوں کی درخواست پر ہی بیعتِ خلافت لے لی......سب سے پہلے بلوائیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اہل مدینہ میں سے کچھ نے خوشی سے اور کچھ نے بلوائیوں کے دباؤ سے بیعت کی۔ چنانچہ جب حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما مدینہ سے مکہ پہنچے اور مطالبہ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے قوت فراہم کرنے کی تدبیریں کرنے لگے تو کسی نے پوچھا کہ:

آپ حضرات تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آئے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا:

''**بایعناہ واللّج فی اعناقنا** ''۔ ہم نے اس حال میں بیعت کی تھی کہ ہماری گردن دبائی جا رہی تھی۔''

جب ایسے جلیل القدر اصحاب پر بھی دباؤ ڈالا گیا تو دوسروں کا کیا ذکر؟ پھر یہ بھی نہ ہوا کہ ان بلوائیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا۔ خلیفہ وقت کا فرض تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کو گرفتار

① ازالۃ الخفاء جلد 1 ص 434

② برأت عثمان رضی اللہ عنہ ص 63 طبع اول جنوری 1966ء۔ مکتبہ مجلس خدام صحابہ پاکستان ملتان

کر کے شریعت کے مطابق سزا دیتا۔ ان لوگوں کا صرف یہی جرم نہ تھا کہ انہوں نے ایک خون کر دیا تھا۔ ان کا جرم سنگین تھا کہ بلوہ اور بغاوت کر کے حکومت کا تختہ الٹا اور خلیفہ اسلام کو جو سب مسلمانوں کا محترم و معظم نائب رسول تھا، قتل کر ڈالا۔ اس صورت میں سب مسلمانوں کو ان کی سزا کے مطالبہ اور احتجاج کا حق تھا۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان بلوائیوں کی پوزیشن مضبوط نہ کرتے کہ مالک اشتر نخعی کو فوج کا کمانڈر انچیف بنا دیا اور محمد بن ابی بکر کو اپنا مشیر خاص یا سیکرٹری بنا لیا (جو فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بانی تھے) اور ان کے دوسرے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو مجلس شوریٰ میں شامل کر لیا گیا، کچھ کو فوج میں......

یہ عقدہ اب تک حل نہیں ہوا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان بلوائیوں، باغیوں کا مفسد اور فتنہ پرداز ہونا معلوم تھا تو پھر ان کو اپنے ساتھ لشکر میں کیوں شامل کیا اور بانی فتنہ محمد بن ابی بکر اور مالک اشتر نخعی کی پوزیشن کو اتنا کیوں مضبوط کیا گیا؟ کہ وہ ہر جگہ ، ہر مجلس اور ہر مہم میں آپ کے ساتھ ساتھ رہتے اور سیاسی اور جنگی مہموں میں پیش پیش نظر آتے تھے؟

کیا ہمارے معترض ناقد جو درجۂ اجتہاد پر پہنچنا چاہتے ہیں، اس گتھی کو سلجھانے کی زحمت گوارا کریں گے؟''①

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م 1176ھ) لکھتے ہیں کہ:

''اور محمد بن ابی بکر تیرہ آدمیوں میں شامل ہو کر گھر میں داخل ہوا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر ان کی داڑھی پکڑی اور جھٹکے مارے یہاں تک کہ میں (راوی) نے ان کی داڑھوں کے ٹکرانے کی آواز سنی اور بولا کہ معاویہ تجھے نہ بچا سکا، ابن عامر تجھے نہ بچا سکا، تیرے خطوط تجھے نہ بچا سکے۔

تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے بھتیجے میری داڑھی چھوڑ۔ کہا (وثاب نے) پھر میں نے اس کو دیکھا کہ اس نے حملہ کرنے کے لیے قوم میں سے خود ایک شخص کو بلایا وہ اس کے پاس تیر (یا برچھی) لیے ہوئے جا پہنچا اور اس کو ان کے سر میں گھونپ دیا اور اس کو ٹھہرا دیا۔ پھر

① برأت عثمان رضی اللہ عنہ ص 45، 46، 52

(محمد بن ابی بکر) چلا گیا پھر دوسرے لوگوں نے اندر پہنچ کر عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔''①

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اب رہا اشتر نخعی کا قصہ تو وہ اسی طرح صحیح جس طرح ان لوگوں نے بیان کیا ہے مگر وہ نہ صحابی تھا، نہ صحابی زادہ، وہ تو کوفہ کا ایک فتنہ پرور اوباش تھا۔ اس نے حاکم وقت کا لحاظ نہیں کیا، خلیفہ کے عامل کی اہانت کی اور دوسروں کو بھی ورغلایا۔ اگر ایسے شورہ پشتوں سے حاکم وحکومت چشم پوشی کریں تو ایک فساد برپا ہو سکتا ہے۔ اشتر نخعی تو وہی ہے جس نے فتنہ کی بنیاد ڈالی اور بالآخر اس کی بھڑکائی ہوئی شورش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جام شہادت پلایا۔ مگر یہ اس کے بعد بھی فتنہ انگیزی سے باز نہ آیا۔

حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو اسی نے قتل کی دھمکیاں دے کر مدینہ چھوڑنے اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے دامن عافیت میں پناہ لینے پر مجبور کیا اور بالآخر جناب امیر رضی اللہ عنہ سے جنگ تک نوبت آئی۔ اشتر نخعی کی یہ ساری فتنہ سامانیاں اور یہ حرکتیں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بدنظمی کا موجب بنیں، یہ ہمیشہ جناب امیر رضی اللہ عنہ پر حکم چلاتا تھا۔ اس نے کبھی آپ کی ایسی اطاعت نہیں کی جیسی کسی خلیفہ وامام وقت کی، کی جانی چاہیے تھی۔ یہ باتیں نہ کوئی سربستہ راز ہیں نہ من گھڑت، تاریخ کے اوراق میں محفوظ اور زبان زد خلائق ہیں۔''②

مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی لکھتے ہیں کہ:

''شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مدینہ منورہ کی فضا فتنہ وفساد کے غبار سے تاریک تھی۔ آفاقی (مصر، کوفہ اور بصرہ کے مفسدین) دارالخلافہ پر چھائے ہوئے تھے۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ تو ملک کی فوجی وانتظامی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں سرحدات اور مختلف صوبہ جات میں منتشر تھے، کچھ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ معظمہ میں مقیم تھے اور کچھ مدینہ منورہ میں فتنہ وفساد کی گرم بازاری کو دیکھ کر مختلف اطراف میں نکل گئے تھے۔ تھوڑی سی تعداد مدینہ منورہ میں موجود تھی لیکن آفاقیوں کے غلبہ وتسلط نے آزادی

---

① ازالۃ الخفاء جلد 4 ص 361۔ مترجمہ مولانا اشتیاق احمد صاحب دیوبندی

② تحفہ اثنا عشریہ اردو۔ ص 619۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی اکتوبر 1982ء

فکر و عمل کا حق ان کے لیے محفوظ نہ رکھا تھا۔

شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ غافقی (امیر مفسدین مصر) مسجد نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اس دوران میں آفاقیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کے لیے تجویز کیا اور ان سے اس منصب کو قبول کرنے کی درخواست کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے تو انکار کیا لیکن جب دیکھا کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی یہی رائے ہے تو آپ نے اس بار گراں کی ذمہ داری کو قبول فرمالیا۔ سب سے پہلے مالک اشتر نے بیعت کی اس کے بعد دوسرے لوگوں نے۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مجوزہ ''ارباب شوریٰ'' میں سے تھے اور ان کی طرف سے مخالفت کا احتمال تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بلوایا اور ان سے کہا: اگر آپ خلافت کے خواہش مند ہوں تو میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں ، دونوں نے انکار کیا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا تو پھر آپ صاحبان میرے ہاتھ پر بیعت کر لیجیے۔

یہ سن کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے قدرے تامل کیا، اس پر مالک اشتر نے تلوار کھینچ لی اور کہا: بیعت کرو ورنہ ابھی سرتن سے جدا کروں گا۔ چنانچہ ان دونوں صاحبان نے بھی بیعت کر لی۔'' ①

قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی قاتل عثمان رضی اللہ عنہ اور بلوائیوں کے سرغنہ غافقی کے متعلق لکھا کہ:

''وہ مسجد نبوی میں ایک ہفتہ نماز پڑھاتا رہا ہے'' ②

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (م 1999ء) لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پانچ دنوں تک اہل مدینہ اور اس کے حاکم و منتظم غافقی بن حرب کو انتظار رہا کہ مسلمانوں کی سربراہی کے لیے کون آگے بڑھتا ہے۔ مصریوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اصرار تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس سے گریز تھا وہ باغوں کی چہار دیواری میں روپوش ہو رہے تھے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس مشکل کو حل

---

① تاریخ ملت ص 253۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی دسمبر 2002ء

② ملاحظہ ہو: خارجی فتنہ حصہ دوم ص 623۔ مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت چکوال

کریں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے بار بار رجوع کیا جارہا تھا، ان کے اصرار پر آپ نے بیعت قبول کر لی......''①

(اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد پانچ دن تک امیر المفسدین غافقی بن حرب مدینہ کا حاکم و منتظم رہا اور پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ وہ ان دنوں مسجد نبوی میں نماز بھی پڑھاتا رہا)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی فاضل دار العلوم دیوبند (م 1406ھ/ 1985ء) لکھتے ہیں کہ:

''......اسی عالم میں محمد بن ابی بکر نے لپک کر امیر المؤمنین کی داڑھی پکڑ لی اور حد درجہ بدکلامی کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے داڑھی چھوڑ دے، اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ ہرگز اس کو پسند نہ کرتا۔ محمد بن ابی بکر بولا: میں تو آپ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ سخت معاملہ کرنے والا ہوں۔

اس نے یہ کہا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر امیر المؤمنین کی پیشانی میں پیوست کر دیا پیشانی سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا جس سے ریش مبارک تر ہو گئی......

اسی اثنا میں کنانہ بن بشر بن عتاب نے لوہے کی ایک لاٹ اس زور سے ماری کہ عثمان ذوالنورین تیورا کے پہلو کے بل گر پڑے۔ اب سودان بن حمران نے تلوار کا وار کیا اور عمرو بن الحمق نے سینہ پر بیٹھ کر نیزہ سے مسلسل کئی بار حملے کیے تو عالم اچانک تیرہ و تار ہو گیا اور حلم وحیا وصدق وصفا کے چمنستان میں خاک اڑنے لگی یعنی ثالث خلیفہ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی روح پرفتوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون''۔②

مولانا محمد نافع صاحب (م 1436ھ/ 2014ء) لکھتے ہیں کہ:

''جن حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ان میں یہ مفسد لوگ کسی کو امیر منتخب کیے بغیر واپس لوٹنا اپنے لیے مہلک سمجھتے تھے اور اس میں اختلاف الناس وفسادِ امت کے خطرات تھے پس اس معاملہ میں وہ خود پریشان تھے کہ کس کو امیر بنایا جائے...... یہ لوگ کسی دوسری شخصیت کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے لیے آمادہ نہ کر سکے یا

① المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ص 235۔ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی 1988ء

② عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ص 258۔259۔ مطبوعہ الفیصل اکیڈمی فیصل آباد 1404ھ/ 1983ء

انہوں نے کسی دوسری شخصیت کو اس منصب کے لیے موزوں نہ پایا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پھر حاضر ہو کر اصرار کرنے لگے اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی اپنے ساتھ لے آئے اور عرض کیا کہ امت کے لیے یہ معاملہ ایسا ہے کہ اسے بغیر امیر کے نہیں چھوڑا جا سکتا تو ان حالات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیعت لینا قبول فرما لیا......

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کثیرہ کا اس وقت اہل مدینہ پر رعب اور تسلط تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے والے اولین یہی افراد تھے کیونکہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے ایک گونہ اپنی سیاسی پناہ چاہتے تھے اور اس کے بغیر انہیں کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان مضطربانہ حالات کے تحت ان کی بیعت لینے سے گریز بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان سے اجتناب کرنا ان کے لیے دشوار تر تھا۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ نے ان پیش آمدہ حالات کو ان حالات کے ساتھ بیان کیا ہے......

یعنی قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کے بغیر کوئی علاج دریافت نہ ہو سکا کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پناہ میں آئیں اور ان سے بیعت کریں۔ اسی بناء پر انہوں نے بیعت مرتضوی کے انعقاد کے لیے بیشتر سعی کی اور ان کی موافقت میں خوب دم بھرا۔ جس طرح بھی ہوا، یہ بیعت منعقد ہوئی۔''①

مولانا محمد نافع صاحب محمد بن ابی بکر کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''محمد بن ابی بکر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے سابق فرزند تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زیر کفالت جوان ہوئے تھے۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے تو حملہ آوروں کی شورش میں یہ برابر کے شریک رہے اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت سے دست بردار نہیں ہوئے۔ محمد بن ابی بکر کا ان شورشوں میں شریک رہنا اور بغاوت کرنے والوں کی حمایت کرنا ان کا ایک ''ذاتی معاملہ'' تھا اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے دوسری تھی اور وہ اس معاملہ میں حامی نہیں تھے...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمد بن ابی بکر کے مخالفانہ

① سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ص 226 تا 228۔ طبع مارچ 1992ء

ومعاندانہ رویہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا درست نہیں سمجھتی تھیں اور ان کو ان حرکات سے منع کرتیں لیکن یہ اپنے رویہ سے باز نہیں رہتے تھے۔''

ڈاکٹر علامہ خالد محمود لکھتے ہیں کہ:

''چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے۔آگے آگے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکر تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ یہ کسی بڑے عہدہ کے طلب گار تھے جس کے نہ ملنے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دشمن بن گئے تھے۔انہوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک پکڑلی اور زور سے کھینچی......①

امام ابن جریر بواسطہ سری مبشر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہ سے محمد بن ابی بکر کے متعلق سوال کیا کہ انہیں کس بات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کرنے پر آمادہ کیا؟

انہوں نے کہا:''الغضب والطمع ''غصہ اور لالچ نے۔میں نے کہا: کیسا غصہ اور لالچ؟ کہا: اسلام میں اس کا جو مقام تھا سو تھا۔''غرۃ اقوام فطمع فطمع ''اسے (سبائی) پارٹی نے فریب میں مبتلا کر دیا اور وہ امارت یعنی گورنری کے منصب کا لالچ کرنے لگا مگر عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ لالچ پورا نہ کیا تو وہ آپ کا مخالف ہو گیا۔''فصار مذمّماً بعدان کان محمّداً ''پس وہ مذمم (مذمت کیا گیا) ہو گیا حالانکہ اس سے پہلے وہ محمد تھا۔

بہر حال ابن سبا کے جال میں پھنس کر محمد بن ابی بکر نے بھی حضرت امام مظلوم کی مخالفت میں حصہ لیا۔سب سے پہلے اسی نے حضرت امام (عثمان رضی اللہ عنہ) کی شان میں گستاخی کی اور آپ کی ریش مبارک پکڑلی مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تو نے اس داڑھی کو پکڑا ہے جس کی تیرا باپ عزت وتکریم کرتا تھا تو وہ شرمسار ہوا اور اپنا منہ کپڑے میں لپیٹ کر واپس چلا گیا مگر قدرت نے اسے معاف نہ کیا اور اپنے انتقام کا ہدف بنایا......''①

---

① سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد دوم ص 159، 160 تحت ''محمد بن ابی بکر کا قتل''

علامہ خالد محمود نے ایک دوسری کتاب میں ''مصائب اہل بیت'' کے عنوان کے تحت بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد، اس میں مفسدین اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی شمولیت نیز قاتلین کا خلافت وخلیفہ پر تسلط بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:②

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ لوگ (قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرداس چال سے جمع ہوئے کہ یہ لوگ ان کی کوئی بات چلنے نہ دیتے تھے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برسرعام برا بھلا کہتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں کہتے کہ میں تمہارے ان اعمال سے سخت نالاں ہوں......

اپنی زور آوری سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حال کر رکھا تھا کہ آپ کو جب صحابہ نے کہا کہ: جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی آپ انہیں پکڑتے کیوں نہیں؟ تو آپ نے فرمایا:......

میں اس سے ناواقف نہیں جو تم جانتے ہو لیکن میری طاقت ہی کب ہے (کہ میں انہیں پکڑ سکوں) اور وہ اپنی پوری شوکت سے چھائے ہوئے ہیں، وہ ہم پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں، ہم ان پر حکومت نہیں کر رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے بسی تھی جو انہوں نے آپ کے پورے ماحول پر مسلط کر رکھی تھی لیکن یہ لوگ دل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے خیر خواہ نہ تھے۔ اس خاندان کی خیر خواہی کا دم اسی حد تک بھرتے جس حد تک بنوامیہ کو برا بھلا کہنے کا انہیں موقع مل سکے۔ حبّ علی رضی اللہ عنہ سے غرض نہ تھی محض بغض معاویہ رضی اللہ عنہ درکار تھا اور ایسی پالیسی تھی کہ قومی بے وفائی پر یہ آج تک ضرب المثل چلی آرہی ہے۔''③

موصوف ایک دوسری کتاب میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اسلام میں پہلی بغاوت وہ ہے جو امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھی۔ یہ

---

① خلفائے راشدین جلد اول ص 576۔580۔طبع اول 1988ء

② حوالہ مذکور جلد دوم ص 443۔444۔مطبوعہ محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور

③ عبقات جلد دوم ص 431۔432۔مطبوعہ: دارالمعارف اردو بازار لاہور

وہ لوگ تھے جنہوں نے صف اسلام میں نئی راہ قائم کی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان بدعتیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پناہ لے رکھی تھی۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارادے اور ایماء سے نہ تھا وہ لوگ اس درجہ آپ پر چھا چکے تھے کہ ان ہی کی بات چلتی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہیں۔

خلیفہ اس قدر بے بس ہو، یہ بات صحابہ اور تابعین کے تصور میں نہ گزر سکتی تھی۔ اس نے اس غلط فہمی کو جنم دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باختیارِ خود ان بدعتیوں کو پناہ دے رہے ہیں۔ یہ بات واقع میں غلط ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دامن قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے بالکل پاک ہے......''①

جن ''وجوہات'' کی بناء پر راقم الحروف کو ''ناصبی وخارجی'' کہہ کر اہل سنت سے خارج قرار دیا گیا تھا وہ ''وجوہات'' مذکورہ بالا اور دیگر علمائے اہل سنت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں؛ کیا وہ بھی اس ''فتویٰ'' کی زد میں آئیں گے اور انہیں ''ناصبی'' کا لقب دیا جائے گا؟

جبکہ بانی تحریک خدام اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب اپنی تحریرات کی رو سے خود ''فتویٰ ناصبیت'' کے سب سے زیادہ مستحق اور حق دار ہیں۔ یہاں چند ''عبارات'' ہدیۂ قارئین کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

جناب قاضی مظہر حسین صاحب بحوالہ ''خلافت وملوکیت'' ص 136 مودودی صاحب کی عبارت پر ''حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید مودودی'' کا عنوان قائم کر کے جواباً لکھتے ہیں کہ:

''لیکن اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفہ برحق ہونے کے مقام کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور جس ذہنیت کے تحت روافض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طعن وملامت کا نشانہ بناتے ہیں، اسی کے تحت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی جائے تو جس امر کو مودودی صاحب نے صرف ایک غلط کام قرار دیا ہے وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو مجروح کرنے کا بہت بڑا موجب بن سکتا ہے۔

کیونکہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ ملعون

① معیار صحابیت ص 60۔ طبع اول 1993ء، طبع چہارم ص 205

ومردود ہیں جیسا کہ آپ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے تو پھر بجائے اس کے حسبِ وعدہ خلیفہ برحق حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیں اور ان کی قوت وشوکت کو توڑنے کی کوشش کریں ان کو گورنری جیسے بڑے بڑے مناصب ملکی عطا فرما رہے ہیں یہ کیا پالیسی ہے؟

اس سے تو بظاہر اس شبہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں آپ کا بھی ہاتھ تھا اور اسی طرح کے وجوہات کی بناء پر خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بدترین مخالف بن گئے تھے اور آج بھی اس ذہن کے لوگ موجود ہیں۔ لہٰذا مسلک اہل سنت والجماعت کے مطابق یہی کہا جائے گا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کر لینے کے بعد ان کے کام کی ظاہری سطح کے پیش نظر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔ جو کچھ انہوں نے کیا دین کے لیے کیا اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کیا۔ سوائے اجتہادی خطاء کے ان کی طرف کسی امر کو منسوب کرنا اپنے ایمان کی بربادی کا موجب بن سکتا ہے کیونکہ ان سب صحابہ پر اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے۔ ﴿ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ﴾''

شیعی موقف:

شیعی موقف کے تحت تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کوئی عظمت باقی ہی نہیں رہتی کیونکہ بقول ان کے اگر آپ امام معصوم اور خلیفہ بلافصل تھے اور من جانب اللہ ان کی خلافت منصوص ہو چکی تھی تو پھر خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جنگ کیوں نہیں کی؟ اور ان کی خلافت کو 24 سال تک کیوں قبول کیا اور ان ہی کی اقتداء میں کیوں نمازیں پڑھتے رہے؟ مذہب شیعہ کی موجودہ اذان ونماز پر بھی عمل نہ کر سکے حتیٰ کہ اپنے دور خلافت میں بھی انہی حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نظام کی پیروی کی اور شیعہ مذہب کو نافذ نہ کر سکے لیکن دوسرے پہلو سے اپنی ماں اور تمام امت مسلمہ کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جنگ کرنے سے بھی اجتناب نہ کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی مقابلہ کیا حتیٰ کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ اگر آپ نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تقیّہ کیا تھا اور اس سے آپ کی عظمت شان میں کوئی فرق

نہیں پڑا تھا اور دین اسلام کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا تو ام المؤمنین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی تقیہ جیسی عبادت پر ہی عمل فرماتے تو اس قدر شدید خون ریزی سے امت بچ جاتی۔''①

حضرت موصوف اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

''یہ بھی عجیب فلسفہ امامت وخلافت ہے کہ جس نے غزوہ تبوک کی تکمیل کی اور آنحضرتؐ کے بعد اسی ہرقل شاہ روم کے لشکروں کو شکست دی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آنا چاہتا تھا وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح جانشین اور امت کا امام اول نہ تسلیم کیا جائے بلکہ اس کے ایمان میں بھی شک کیا جائے۔

لیکن جس نے 24 سالہ خلافت ثلاثہ کے بعد اپنے دور خلافت میں بھی ملک کفر میں سے کچھ بھی نہ فتح کیا ہو اور بزعم شیعہ اپنی خلافت بلافصل بھی چھنوا لی ہو اور 24 سال کا طویل عرصہ یوں بے بسی میں گزارا ہو کہ بظاہر دشمنانِ اسلام کے مذہب کا ہی پیروکار رہا اور اپنا سچا مذہب ظاہر کرنے کی بھی توفیق نہ ملی ہو (جس کو تقیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے)

تو ایسا شخص خواہ انفرادی علم وعمل اور زہد وتقویٰ میں کتنا ہی عظیم سمجھا جائے رحمت للعالمین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اول اور خلیفہ (بلا) فصل کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

بلکہ اس ماتمی نظریہ کی بناء پر تو حضرت علی المرتضیٰ اپنے عہد خلافت میں بھی برحق خلیفہ تسلیم نہیں کیے جاسکتے کیونکہ انہوں نے اپنے اقتدار میں بھی مذہب اہل سنت پر ہی عمل کیا اور وہ مذہب اہل بیت جس کو ماتمی گروہ اپنا سچا مذہب تسلیم کرتا ہے، اس کی نہ تبلیغ کی اور نہ ہی اس پر عمل کر سکے۔

ماتمیوں کے عقیدہ کے پیش نظر کیا اس سے زیادہ کمزور اور ناکام خلیفہ کی مثال اسلامی تاریخ پیش کر سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیر خدا کی عظمت شان بھی اس وقت تسلیم کی جاسکتی ہے جبکہ ان کو مذہب اہل سنت کے مطابق خلیفہ چہارم تسلیم کیا جائے۔''②

---

① بشارت الدارین بالصبر علی شہادت الحسین رضی اللہ عنہ ص 255-256۔ مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق لاہور۔ اگست 2012ء۔ طبع اول ستمبر 1974ء

② حوالہ مذکور ص ۴۷۴، ۴۷۵

قارئین کرام! مذکورہ عبارت کو غور سے پڑھیں اور انصاف کے ساتھ بتائیں کہ کیا اس سے ''ناصبیت'' ٹپکتی و جھلکتی نہیں ہے؟ جو لوگ آئے روز دوسروں پر ''ناصبیت'' کے فتوے لگاتے رہتے ہیں کیا وہ اس فتویٰ کی کالی چھینٹیں قاضی مظہر حسین صاحب پر بھی پھینک سکتے ہیں؟ یہ ملحوظ رہے کہ مذکورہ عبارت میں سارا تبصرہ خود موصوف کا اپنا ہے صرف یہ بات شیعہ کے تصور سے لکھی ہے کہ:

''اور بزعم شیعہ اپنی خلافت بلافصل بھی چھنوا لی ہو۔''

مذکورہ عبارت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واضح طور پر طنز کیا گیا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ ''بشارت الدارین'' کی تکمیل 12۔ رمضان المبارک 1394ھ مطابق 29 ستمبر 1974ء ہے۔

مولانا محمد علی سعید آبادی صاحب نے اپنے 80 صفحات پر مشتمل کتابچہ (بجواب خارجی فتنہ حصہ اول، طبع اول 1983ء) ''قاضی مظہر حسین چکوالی کے خارجی فتنہ کی اصل حقیقت'' میں موصوف کی مذکورہ زیر تبصرہ عبارت کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی توہین قرار دیا تو موصوف نے اپنی کتاب ''کشف خارجیت'' میں جواب دیتے ہوئے لکھا کہ:

''جو کچھ میں نے حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق مودودی صاحب کے بیان پر تبصرہ کیا ہے وہ الزاماً ہے......''①

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ''الزاماً'' لکھنے سے موصوف ہرگز بری الذمہ قرار نہیں دیے جاسکتے۔ ان کے تبصرہ میں ''طعن، طنز اور توہین'' واضح ہے۔

قاضی مظہر حسین صاحب دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ''باطل، جور، بغاوت، نافرمانی، معصیت اور گناہ'' کے الفاظ استعمال کر کے اسے ''صورتاً'' باطل، جور...... الخ کا نام دیتے تھے جبکہ ''بشارت الدارین'' کی مذکورہ عبارت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین کو ''الزامی جواب'' قرار دے کر ''توہین'' کا بھی اعتراف کرلیا۔

موصوف نے مولوی مہر حسین شاہ بخاری کی 22 صفحات پر مشتمل ''کھلی چٹھی'' کا جواب (188 صفحات پر مشتمل) ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے دیا جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے بجائے زیادہ تر اپنا دفاع کیا گیا ہے بلکہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ حضرت فاطمہ،

① کشف خارجیت ص 477۔ طبع 1985ء

حضرت علی ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم پر بھی ''طعن و تشنیع'' کی گئی ہے۔ یہی تو اصلی ناصبیت ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

''سوال یہ ہے کہ کیا مولوی مہر حسین شاہ صاحب بھی مسلمانوں کے سامنے صحابہ کرام کا یہی نقشہ پیش کرنا چاہتے ہیں؟ باقی رہا ڈھکو صاحب کا تبصرہ تو اس کا تفصیلی جواب تو انشاء اللہ تعالیٰ (ان شاء اللہ) مستقل کتاب میں دیا جائے گا۔ یہاں مختصراً یہ عرض ہے کہ پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ امام الائمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقشہ ان کی زوجہ مکرمہ حضرت فاطمۃ الزہراء نے کیا پیش کیا ہے جو شیعوں کے نزدیک معصومہ ہیں۔ چنانچہ شیعہ رئیس المحققین علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:......①

ترجمہ: پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر میں تشریف فرما ہوئیں تو انہوں نے ازروئے مصلحت بہادرانہ طور پر سید اوصیاء حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت سخت باتیں کیں اور فرمایا کہ تو اس بچے کی طرح پردہ نشین ہو گیا ہے جو ماں کے رحم (پیٹ) میں چھپا ہوا ہوتا ہے اور خائنوں کی طرح بھاگ کر گھر میں بیٹھ گیا ہے اور بعد اس کے تو نے زمانہ کے پہلوانوں کو موت و ہلاکت کی خاک میں ملایا ہے، ان نامردوں کے مقابلہ میں مغلوب ہو گیا ہے۔

اب ڈھکو صاحب ہی بتائیں کہ جب آپ کے نزدیک حضرت فاطمۃ الزہراء معصومہ ہیں اور گھر کی بھیدی بھی ہیں ان سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کون پہچان سکتا ہے لیکن انہوں نے برملا حضرت علی المرتضیٰ کو نامرد، بھگوڑے اور دشمنوں کے خوف سے چھپ جانے والا قرار دیا ہے اور معصومہ کا قول ڈھکو صاحب کے نزدیک یقیناً صحیح ہوگا تو کیا ڈھکو صاحب یہ نتیجہ ماننے کے لیے تیار ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے والے بلکہ آپ کے پروردہ ایسے ایسے صحابی بھی تھے......''②

معلوم نہیں کہ قاضی صاحب نے یہاں شیعہ مجتہد ڈھکو صاحب کا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی توہین پر مبنی اقتباس نقل کر کے انتہائی جارحانہ انداز و اسلوب میں مولوی مہر حسین بخاری پر حجت کس بنیاد پر قائم کی؟ بخاری صاحب نے تو اپنی ''کھلی چھٹی'' میں ڈھکو صاحب کا اشارتاً و کنایتاً بھی کہیں ذکر

① حق الیقین ص 203 طبع ایران

② دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص 73-75۔ طبع اول 1984ء طبع دوم مارچ 2014ء ص 67-68

نہیں کیا تھا۔شیعہ ''مجتہد'' نے یہ ''نقشہ'' اپنے ہم مسلک بھائیوں کے سامنے پیش کیا لیکن صد افسوس کہ قاضی صاحب نے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ''معصومہ'' کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مذکورہ نقشہ بحوالہ ڈھکو مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں ہے، نہ الزاماً اور نہ ہی صورتاً کیونکہ اس میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صریح توہین پائی جاتی ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی توہین کے بعد قاضی مظہر حسین صاحب کا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں طنزیہ انداز ملاحظہ فرمائیں۔موصوف زیر عنوان:

''حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لاکھوں روپے وظیفہ لیا''

لکھتے ہیں کہ:

''اور یہ وہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لاکھوں روپے وظیفہ لیتے رہے ہیں......اب اندازہ لگائیں اس دس سال کے عرصہ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کتنا مال حاصل کیا......''

اب مولوی مہر حسین شاہ صاحب ہی فرمائیں کہ کیا اس سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی ثابت نہیں ہوتی؟ اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست تھی تو سوال یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت نے (جو ارشاد نبوت کے تحت مع حضرت حسین رضی اللہ عنہ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دس سال کے عرصہ میں کروڑوں درہم وصول کیے ہیں اور وہ بھی اس بیت المال سے جس کے متعلق حضرت مولانا لعل شاہ صاحب اور ابوالاعلیٰ مودودی صاحب دونوں) کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کا تصرف ناجائز طور پر کرتے تھے۔العیاذ باللہ۔تو پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شرعی پوزیشن کیا رہے گی جنہوں نے آپ سے اتنا مال وصول کیا؟ مقام غور ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس غیر اسلامی سیاست کے سامنے کیوں ہتھیار ڈال دیے؟

کیا اس سلسلے میں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دیانت و امانت کو مجروح قرار دے کر یزیدی گروہ کا جواب دے سکتے ہیں؟

ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم الشان پیش گوئی کے تحت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی باہمی مصالحت اور پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے کروڑوں درہم وصول کرنے کے طرز عمل نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرافت، خیر خواہی اور دیانت وامانت جیسے اخلاق عالیہ کی پوری تصدیق کردی ہے اور سابقہ جو مشاجرات ومحاربات اجتہادی نوعیت کے تھے اور جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا سرزد ہوگئی تھی اور بعد میں آنے والوں کے لیے ایک قسم کی بدظنی کی گنجائش نکل سکتی تھی، حق تعالیٰ کی طرف سے یہ سارے انتظامات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لیے تھے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور یہی جمہور اہل السنت والجماعت کا مسلک حق ہے۔"①

قاضی صاحب اسی کتاب میں آگے چل کر حدیث "لا اشبع اللہ بطنہ" سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے "بددعا" ثابت کرنے والوں کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

"اور یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے ہی بسیار خور تھے تو ان کے دسترخوان سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات نے کیوں لطف اٹھایا ہے اور لاکھوں، کروڑوں روپے ان سے بطور عطایا و وظائف کیوں لیتے رہے ہیں کیا جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا لگی ہو اس کو یہ ائمہ اہل بیت اپنا محسن بنا سکتے ہیں؟ عبرت۔عبرت۔عبرت......

اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جامع دعا (اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا) کو تسلیم کرتے ہوئے بھی کیا یہ بات قابل تسلیم ہوسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "لا اشبع اللہ بطنہ" سے بددعا کی تھی، ہرگز نہیں۔

بلکہ درحقیقت یہ بھی آپ کے لیے دعائے رحمت تھی جس کی برکت سے آپ کو یہ شان ملی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسے مقبول بارگاہ بھی آپ کے دسترخوان سے لطف اندوز ہوتے رہے۔رضی اللہ عنہم اجمعین"②

مذکورہ عبارات میں واضح طور پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر "طنز وطعن" پایا جاتا ہے۔کیا "لاکھوں،

① دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص 104۔107۔طبع اول 1984ء،طبع دوم مارچ 2014ء ص 91۔94
② حوالہ مذکور طبع اول 1984ء ص 137، 143۔طبع دوم۔مارچ 2014ء ص 118، 123

کروڑوں دراہم بطور عطایا و وظائف اور دسترخوان سے لطف اندوزی'' کے ذکر کے بغیر حدیث ''**لا اشبع اللہ بطنہ**'' کا جواب نہیں دیا جا سکتا تھا؟

موصوف کے جارحانہ انداز و اسلوب اور شوخی تحریر سے یقینی طور پر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پر ''طنز و طعن'' ہی کا اظہار ہوتا ہے جس سے ان کی ناصبیت جھلکتی ہے۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (ابن مولانا محمد منظور نعمانی) نے جنوری 1992ء میں ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر...... ایک نئے مطالعے کی روشنی میں'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں اہل تشیع کے ایک ''اعتراض'' کا جواب ان ہی کی کتب سے دیا جس سے حضرت معاویہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے باہمی عمدہ تعلقات کا ثبوت مہیا ہوتا تھا لیکن قاضی مظہر حسین صاحب نے اس ''روایت'' پر جو تبصرہ کیا وہ بجائے خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی توہین ہے۔

سنبھلی صاحب کی پیش کردہ روایت (جسے قاضی صاحب نے بلفظہ نقل کیا ہے) میں صرف اس قدر ذکر تھا کہ:

''ایک مرتبہ یمن سے دمشق کو ایک سرکاری قافلہ بہت سا قیمتی سامان مثلاً یمنی چادریں، عنبر اور دیگر خوشبوئیات لے کر حسب معمول مدینے سے گزر رہا تھا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے روک کر تمام مال اتروا لیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھ کر بھیج دیا کہ:

ایسا ایسا قافلہ جو دمشق میں تمہارے خزانے بھرنے اور تمہارے باپ کی اولاد کا سامانِ عیش بننے کے لیے جا رہا تھا میں نے اسے روک کر اس کا مال لے لیا ہے کیونکہ مجھے ضرورت تھی۔''

مولانا سنبھلی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ہم یقین نہیں کر سکتے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایسی نامناسب زبان اپنے خط میں استعمال فرمائی ہوگی۔ گمانِ غالب ہے کہ خط کو یہ زبان ان حضرات کی عطا کردہ ہے جو اس بات کے روادار نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس سے بہتر زبان میں مخاطب ہوتا دیکھیں......''①

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زیر عنوان: ''تبصرہ'' لکھتے ہیں کہ:

① دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طبع اول 1984ء ص ۴۲، ۴۳

''مولانا موصوف نے شیعہ کتب کے حوالے سے جو روایت پیش کی ہے اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلم وتدبر تو ثابت ہوتا ہے لیکن اس سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم اسلامی شخصیت مجروح ہوتی ہے کیونکہ اس میں جو حکومتی قافلے کو راستے میں روکنے اور اس کے مال واسباب پر قبضہ کرنے کا ذکر ہے۔ یہ تو قزاقوں اور لٹیروں کا کردار ہے۔ کیا جنت کے جوانوں کے سردار ایسی سینہ زوری کی کاروائی کر سکتے ہیں......

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیت المال سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو باضابطہ وظیفہ دیا کرتے تھے تو ان کو ڈاکوؤں کی طرح اپنا وظیفہ وصول کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جس طرح مولانا موصوف کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایسے الفاظ سے خطاب نہیں کر سکتے اسی طرح وہی امام حسین رضی اللہ عنہ ایک ڈاکو کا کردار بھی نہیں پیش کر سکتے۔''①

قارئین کرام! اوپر سنبھلی صاحب کی منقولہ روایت کے یہ الفاظ کہ: ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے روک کر اس کا تمام مال اتروالیا'' اور اس پر قاضی صاحب کا تبصرہ جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی انتہائی توہین پر مبنی خودتراشیدہ جارحانہ نتیجہ ومفہوم اخذ کر کے اسے سنبھلی صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا یعنی: ''مال واسباب پر قبضہ، یہ تو قزاقوں اور لٹیروں کا کردار ہے، ان کو ڈاکوؤں کی طرح، امام حسین رضی اللہ عنہ ایک ڈاکو کا کردار بھی نہیں پیش کر سکتے''

انّا للہ وانّا الیہ راجعون... لاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم

یہی قاضی مظہر حسین صاحب خود بالکل غیر ضروری طور پر بے موقع وبے محل شیعہ مولوی ڈھکو صاحب کے حوالہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ نقل کر چکے ہیں کہ:

''تو اس بچے کی طرح پردہ نشین ہو گیا ہے جو ماں کے رحم میں چھپا ہوا ہوتا ہے اور خائنوں کی طرح بھاگ کر گھر میں بیٹھ گیا ہے اور بعد اس کے تو نے زمانہ کے پہلوانوں کو موت وہلاکت

---

① ماہنامہ حق چار یار لاہور نومبر 1992ء / مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کی کتاب واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، کا ایک ناقدانہ جائزہ ص 63،62۔ طبع جنوری 2014ء

کی خاک میں ملایا ہے ، ان نامردوں کے مقابلہ میں مغلوب ہو گیا ہے...... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا...... نے برملا علی المرتضیٰ کو نامرد، بھگوڑے اور دشمنوں کے خوف سے چھپ جانے والا قرار دیا ہے اور معصومہ کا قول ڈھکو صاحب کے نزدیک یقیناً صحیح ہوگا تو کیا ڈھکو صاحب یہ نتیجہ ماننے کے لیے تیار ہیں......'' ①

قاضی صاحب نے سنبھلی صاحب کی کتاب پر اپنے تبصرہ کی اشاعت سے پہلے اپنے داماد مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب (ابن امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ) کا تحریر کردہ تبصرہ ماہنامہ حق چار یار لاہور اکتوبر 1992ء میں شائع کرایا۔ داماد نے سنبھلی صاحب کی منقولہ زیر بحث روایت پر از خود توہین آمیز عنوانات قائم کر کے انتہا کر دی۔ جبکہ سنبھلی صاحب نے اس مقام پر سرے سے کوئی عنوان قائم نہیں کیا۔ بہر حال قاضی صاحب خود اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''میرے ناقدانہ جائزہ لکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ مولوی عبدالحق صاحب بشیر سلمہ نے بھی اس پر تبصرہ لکھا ہے اور دفتر والوں کی رائے یہ ہوئی کہ تبصرہ پہلے شائع کیا جائے اور ناقدانہ جائزہ بعد میں۔ اس لیے تبصرہ تو اکتوبر 92ء کے شمارے میں شائع ہوا اور ناقدانہ جائزہ اس کے بعد نومبر 1992ء میں شائع کیا گیا۔'' ②

مولانا عبدالحق خان بشیر کے ''عنوانات'' ملاحظہ فرمائیں:

''امام حسین رضی اللہ عنہ کا جارحانہ مزاج، حسین رضی اللہ عنہ ایک لٹیرا، امام حسین رضی اللہ عنہ کا نفاق۔''

''حسین رضی اللہ عنہ ایک لٹیرا'' کے عنوان کے تحت موصوف لکھتے ہیں کہ:

''کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تحمل ثابت کرنے کے لیے امام حسین رضی اللہ عنہ کو راہزن اور لٹیرا ثابت کرنا ضروری تھا (حالانکہ سنبھلی صاحب نے نہ تو یہ دونوں الفاظ استعمال کیے اور نہ ہی انہوں نے یہ کچھ ''ثابت'' کیا) ③

سنبھلی صاحب نے ان تبصروں کے جواب میں قاضی صاحب کو 3 نومبر 1992ء، 6 جنوری

---

① دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص 74۔ طبع اول 1984ء

② ناقدانہ جائزہ ص 45-46۔ طبع: ادارہ مظہر التحقیق لاہور جنوری 2014ء

③ ماہنامہ حق چار یار لاہور اکتوبر 1992ء ص 53/ ''ایک ناقدانہ جائزہ'' ص 130

1993ء کو خطوط لکھے۔① بعد میں سنبھلی صاحب نے اپنی کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' کے تیسرے ایڈیشن (فروری 2000ء) میں قاضی مظہر حسین صاحب اور مولانا عبدالحق خان بشیر کے ''الزامات'' کا جواب دیتے ہوئے وضاحت کی کہ:

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ خط و کتابت اور جس واقعہ کے سلسلے میں یہ خط و کتابت ہوئی وہ واقعہ، یہ سب کچھ شیعہ کتب کے حوالے سے درج کیا گیا ہے اور خاص طور سے اس لیے درج کیا گیا ہے کہ ان ہی لوگوں کے بیان سے ان کا یہ الزام غلط ثابت ہو جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ اچھا نہیں تھا اس کے سوا اس واقعہ اور خط و کتاب کو یہاں درج کرنے کا کوئی دوسرا مقصد کوئی معقول آدمی نہیں سمجھ سکتا۔

مگر کتاب کا پہلا ایڈیشن (اردو) شائع ہوا تو کچھ لوگ جن کو کتاب کا ٹھیٹھ روایتی انداز سے ہٹا ہوا ہونا، ناگوار گزرا ہے انہوں نے اس واقعہ اور خط و کتابت کو بیان کرنے کا یہ مطلب بھی نکال لیا ہے کہ مصنف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) ایک لٹیرا بتانا چاہتا ہے۔

ایسے لوگوں کو جواب تو کہاں دیا جا سکتا ہے، ہاں دعائے خیر ان کے لیے کی جا سکتی ہے۔''②

قارئین کرام! مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کی مذکورہ وضاحت پر مشتمل کتاب کا تیسرا ایڈیشن مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی وفات (26 جنوری 2004ء) سے قبل فروری 2000ء میں ان کی زندگی میں شائع ہوا اور باقاعدہ ان کی نظر سے بھی گزرا لیکن حافظ عبدالجبار سلفی صاحب نے ماہنامہ حق چار یار لاہور اکتوبر و نومبر 1992ء میں شائع شدہ مضامین مع سنبھلی صاحب کے خطوط (نومبر 1992ء، جنوری 1993ء) کو قاضی صاحب کی وفات کے دس سال بعد جنوری 2014ء میں ''......ایک ناقدانہ جائزہ'' کے نام سے شائع کر دیا جس میں سنبھلی صاحب کی مذکورہ ''وضاحت'' کا سرے سے کوئی ذکر نہیں کیا گیا جو امانت و دیانت کے اصولوں کے خلاف ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ عبارات کے تقابلی مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ کریں کہ کیا قاضی مظہر حسین

① ملاحظہ ہو: ناقدانہ جائزہ ص 41، 47

② واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر......ایک نئے مطالعے کی روشنی میں......جدید ایڈیشن اہم اضافوں اور ضروری ترمیمات کے ساتھ طبع سوم فروری 2000ء ص 55۔

صاحب خود اور مولانا عبدالحق خان بشیر و دیگر علمائے کرام مع حافظ عبدالجبار سلفی (جن کا حوالہ اس بحث میں آیا ہے) فتویٰ ''ناصبیت'' کے زیادہ مستحق قرار نہیں پاتے؟

کیا وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صریح توہین کے مرتکب نہیں ہوئے؟

کیا ان کی طرف سے ''الزاماً وصورتاً'' کی تاویل قابل قبول ہوسکتی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو دوسروں پر ناصبیت کے فتوے کیوں داغے جاتے ہیں؟

جن حضرات نے جس جس نام (اصلی، نقلی، عرفی اور قلمی) سے راقم الحروف پر گستاخِ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا الزام عائد کر کے ذہنی اذیت پہنچائی ہے ان کا معاملہ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیش کر دیا ہے:

''واللہ لا امحوا عنھم شیئًا ممّاقالوا بأنْ اسبّھم ولٰکن موعدی وموعدھم اللہ، فان کانوا کاذبین فاللہ اشد نقمة۔۔۔، ربّنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین''

قارئین کرام! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق الزامات واعتراضات کے نقل کرنے میں ترتیب زمانی کا قائم رکھنا ایک بہت ہی مشکل کام تھا۔ تاہم راقم نے عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ تک زمانہ اور اعتراض کی نوعیت کے اعتبار سے ترتیب قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ البتہ سال، مہینہ اور تاریخ سے تقدم وتاخر کا امکان ہے۔

راقم الحروف اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے اس کا بہتر فیصلہ اہل علم، غیر متعصب، غیر جانب دار، جذبہ حب صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرشار اور دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کے علمبردار قارئین کرام ہی کر سکتے ہیں۔ نیز ان سے یہ بھی درخواست ہے کہ وہ زیر نظر کتاب کے تمام مباحث کا مکمل یکسوئی، دلجمعی اور عمیق غور وفکر کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔ امید واثق ہے کہ انہیں اس سے کامل سکون اور اطمینان قلب حاصل ہوگا۔

راقم الحروف قاطع سبائیت وقادیانیت، فاتح ربوہ، فخر السادات ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری زید مجدہ کا بطور خاص شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار اخلاقی فرض سمجھتا ہے جنہوں نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود گراں قدر مقدمہ تحریر کر کے حوصلہ افزائی فرمائی۔

راقم محترم بھائی جناب سید محمد کفیل بخاری صاحب مدیر ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان اور دیگر معاونین کا بھی بے حد ممنون ہے جن کے مخلصانہ تعاون سے یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔

ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر جناب محمد فہد حارث صاحب ڈائریکٹر ''حارث پبلی کیشنز'' اور ان کے مخلص معاونین کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنہوں نے کتاب کی نہ صرف از سرنو خوبصورت کمپیوٹر کمپوزنگ کرائی بلکہ اپنے ادارہ سے طباعت کے جملہ مصارف برداشت کر کے اسے طبع بھی کروایا۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدارین**

طبع دوم (2010ء) میں ''تذکرہ خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' اور ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' دونوں کتابیں یکجا ایک ہی جلد میں شائع ہوئی تھیں، اب طبع سوم میں مؤخر الذکر کتاب کو طبع اول کے مطابق علیحدہ شائع کیا جا رہا ہے جس میں قارئین کرام تصحیح اغلاط، معمولی تغیر و تبدل اور تھوڑا بہت ''حک و اضافہ'' بھی پائیں گے۔ لہٰذا قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ آئندہ زیر نظر طباعت کا ہی حوالہ دیں۔

قارئین کرام! زیر نظر کتاب پہلی مرتبہ 1996ء میں ''بخاری اکیڈمی'' دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان نے شائع کی۔ بعد ازاں اپریل 2010ء میں جناب محمد عرفان الحسن خالد صاحب نے ''ادبیات۔ ادارہ مطبوعات سلیمانی'' سے شائع کی۔ چونکہ کمپوز شدہ ''کاپی'' ان ہی کے پاس محفوظ تھی اس لیے چھ ماہ بعد راقم کی اجازت کے بغیر ''مکتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی طرف سے صرف ''ناشر'' کے نام کی تبدیلی کے ساتھ بعینہ شائع کر دیا گیا جس کی اطلاع راقم کو ''ہفت روزہ ضرب مومن کراچی'' میں شائع کردہ اشتہارات کے ذریعے ہوئی۔ ①

علاوہ ازیں زیر نظر کتاب پر مذہبی رسائل اور روزنامہ اسلام میں تبصرے اور علمائے کرام اپنی تصدیقات بھی ثبت کر چکے ہیں۔ **الحمد للہ علٰی ذلک**۔ یہ تبصرے زیر نظر کتاب کے آخر میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

آخر میں باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ غلطیوں اور لغزشوں کو معاف کرے اور اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے اسے امت مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

29 ذی قعد 1440ھ / 2۔ اگست 2019ء

---

① ملاحظہ ہو: ہفت روزہ ضرب مومن کراچی 22 تا 28۔ اکتوبر 2010ء، 5 تا 11۔ نومبر 2010ء۔ 2 نومبر تا 8 نومبر 2012ء۔

از

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ

اصحابِ رسول ﷺ کی قدوسی جماعت میں امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ایک جلیل القدر شخصیت اور بمقتضائے نص قرآنی چھٹے موعودہ خلیفہ راشد ہیں، جن کے دورِ امامت وخلافت پناہ میں اسلام کی روشن کرنوں نے دنیا کے آخری سروں کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی خصوصیت وفضیلت ان کا صحابی رسول ہونا ہے۔ بعد کے زمانوں میں کوئی قطب، ابدال، ولی اور غوث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نعلین مبارک سے لگی خاک کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ افضل ہیں یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ تو حضرت امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ:

''واللہ ان الغبار الذی دخل فی انف فرس معاویۃ مع رسول اللہ ﷺ افضل من عمر بالف مرۃ، صلی معاویۃ خلف رسول اللہ ﷺ فقال رسول اللہ ﷺ: سمع اللہ لمن حمدہ، فقال معاویۃ رضی اللہ عنہ: ربنا لک الحمد فما بعد ھذا الشرف الاعظم''[1]

''اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ کی معیت صادقہ میں کفار سے جنگ کرتے ہوئے جو مٹی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے نتھنوں میں پڑ گئی تھی وہ بھی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی اقتدا میں نمازیں ادا کیں۔ آپ جب ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ''ربنا لک الحمد'' کہتے تھے اس کے بعد اس سے بڑھ کر اور شرف کیا ہوسکتا ہے؟۔''

---

① تطہیر الجنان ص 10-11

اس روایت کو علمائے متعصبین پڑھیں اور محدب شیشہ لگا کر پڑھیں اور اسی روایت پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوا پوری امت کے اعاظم اور آج کے نام نہاد اعاظم کا تمین حق، باطل پرست، مولویان عباد البطن کو پرکھیں اور پھر اپنی حیثیت بھی پہچانیں کہ جب ان کا کسی ایک رائے پر جمع ہو جانا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے برابر نہیں ہوسکتا تو وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گرد پا کو کیسے پہنچیں گے؟ ان کی نام نہاد بزرگی ہمارے سامنے تو ٹمٹمائے گی مگر ان کی مشیخت وفضیلت کا چراغ بے فراغ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت وحقانیت کے سامنے کیسے جلے گا؟

ان کے تمام مطاعن...... تاریخ، تجزیہ، روایت، درایت اور عقل سلیم ان کے منہ پر مارتی ہے۔ یہ ظالم و مارق سبائی ہوں، رافضی ہوں، خارجی ہوں، چک والی ہوں، محدث ہزاروی ہوں، مودودی ہوں یا ریڈ بلڈ شاہی، ان کے دجل وکذب اور وضع ودساست کی تاریکی انہی کے حصے میں آئے گی۔ اور ان ہی اعمال وافکار رذیلہ کے ساتھ یہ گروہ مجرمین اپنے رب کے حضور پیش کیا جائے گا۔

معیارِ حق صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو اللہ کے چنے ہوئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تزکیہ کیا، ان کے ظاہر و باطن کو اجالا، ان کی عدالت کی تصدیق کی، ان کو راشد وہادی بتایا، ان کو مومن حقیقی کہا، ان ہی کو **مفلحین و فائزین** کہا، ان کی دنیا کو معیار قرار دیا، عین دین فرمایا، ان کی آخرت پر اللہ کی رضا کی مہر لگادی، انہیں شک وارتیاب سے، وہم وگمان سے ماورا کر دیا اور ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پرتو بنا دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم ہی لفظ امت کے پہلے اور حقیقی مصداق ومظہر اور رضوان وجنت کی تمام بشارات کے اوّلین اور واقعی مستحق ہیں۔ یہی حضرات مقدمہ نبوت کی مثل ہیں۔ ان کی تصدیق سے ہی قرآن وحدیث اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہے۔ اور معاذ اللہ ان کی تکذیب سے ہی سب کی تکذیب۔ ان ہی حضرات کے ایمان وحقانیت کا اقرار بحکم اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے مدارِ اسلام وایمان ہے۔ اور ذریعہ ہدایت ونجات بھی۔ اور یہی حضرات باوجود غیر معصوم وغیر نبی ہونے کے بفرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

''**لا تتخذوھم من بعدی غرضا**'' ہر قسم کی تنقید وتردید اور تغلیط وتنقیص سے ہمیشہ کے لیے بالاتر ہیں اور ان کا بدگو و بدخواہ دین ودنیا میں ہمیشہ کے لیے ذلیل ومردود ہوکر رہے گا۔ امام اوّل بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر جناب وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ تک جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قابل صد ہزار احترام

وتکریم اور بعد از نبی ﷺ سب سے زیادہ واجب الاطاعت ہیں۔

اور جن لوگوں کو یہ لوگ معیار بناتے ہیں ان کی عاقبت کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے، ان کے اعمال تولے جائیں گے پھر کون ہے جو آفتابِ رسالت ﷺ کے ایسے ماہ مبین کے سامنے عجم کے چراغ جلا سکے۔ دیوبندی، بریلوی، مودودی اور سلفی غیر مقلد علماء معیارِ حق نہیں بلکہ معیارِ حق تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ سارے عجمی طبقے بتاتے پڑھاتے یہی ہیں کیونکہ ان کا رزق اسی اظہارِ عقیدت سے وابستہ ہے۔ مگر جوں ہی ان کی اس ژولیدہ فکر کی تردید کی جاتی ہے ان عجمی سکہ بند ڈبوں اور ڈبہ پیروں کو تنقید کی سان پر چڑھایا جاتا ہے تو یہ اعجام واستقام بزرگی کی دہائی ڈال دیتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حق سمجھ کر خلافت دی یا عنادی وخاطی سمجھ کے؟ خلیفہ رسول رضی اللہ عنہم سمجھ کے ان کی بیعت کی یا بادشاہ سمجھ کے؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بعد وہ واحد صحابی ہیں جن کی صحابہ ﷺ کے تمام طبقات نے بیعت کی۔ کیا انہوں نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو عنادی یا خاطی سمجھ کے بیعت کی؟ کیا کسی بڑے یا چھوٹے صحابی نے انہیں خاطی کہا؟ کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد مطلق نہ تھے؟ کیا ان کے اجتہاد کے سامنے کسی عجمی غیر مجتہد کی بات کو معتبر ومستند مانا جائے گا؟ میں پوچھتا ہوں کیا صحابی کے اجتہاد کے مقابلے میں ائمہ اربعہ کے اجتہاد کو فوقیت دی جاسکتی ہے؟ اور ایسا کبھی کسی نے کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو دلیل کیا ہے؟

تمہارے عجمی سازشی بزرگوں کی بات نہ مانی جائے تو بزرگوں کی گستاخی ہو جاتی ہے اور تم عجمی مریدین اور تمہارے عجمی بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہاد واجماع سے روگردانی بھی کریں تو تمہارا کچھ نہیں بگڑتا؟ تمہیں کچھ نہیں ہوتا؟ تمہارا ٹائٹل نہیں بدلتا؟ جو ہفوات تم عجمی لوگ لکھتے ہو یہی کوئی اور لکھے تو وہ شیعہ، رافضی، ملحد، زندیق لیکن تم دیوبندی، بریلوی، مودودی، سلفی جو چاہو کہتے لکھتے رہو، تم پکے اہل السنت والجماعت؟ سنت تو ان کے رشد وہدایت کو تسلیم کرنا ہے۔ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ ان کی اتباع کرو اور بغیر دلیل پوچھے اتباع کرو۔ تم یہ سب رویے چھوڑ کر، سنت مبارک ترک کر کے پھر سنی کے سنی اور تابعدار سنی؟ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت ومزاحمت کر کے پھر بھی اہل السنت والجماعت؟ واہ ری جماعت ترا کیا کہنا؟

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نصیحت فرماتے ہیں کہ:

''اے ابوذر! تو دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا، تُو ضعیف ہے''۔

اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

''ان ولیت امرا فاتق اللہ واعدل ''۔①

''اگر تجھے امت کی امارت سونپی جائے تو تقویٰ اختیار کرنا اور عدل کرنا''

غور طلب بات یہ ہے کہ عدل کی تلقین کی لیکن امارت کا مستحق سمجھا اور اس کا اہل جانا۔ مگر یہ امام باڑوی اور محرم الحرامی مولوی نہیں مانتا، یہ کیڑے نکالتا ہے، عیب چنتا ہے، خامیاں تلاش کرنے میں لگا ہوا ہے۔ ۵ ربیع الاول ۴۱ھ میں سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی بیعت معاویہ رضی اللہ عنہ ان عجمی سازشی ملاؤں اور ذاکروں کو مطمئن نہیں کرتی۔ انہیں یہ حق نظر نہیں آتا۔ ان کا حالِ زار تو دہلی کے اس مخنث جیسا ہے جسے وجد میں

ع مجنوں نظر آتی تھی لیلیٰ نظر آتا تھا

زیر نظر کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' محترم پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی شبانہ روز عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ موصوف اب علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں رہے۔ اس سے قبل ان کی مندرجہ ذیل کتب ''اصلاح معاشرہ، تعارف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟ فرقہ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ، اور تذکرہ خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' اہل علم سے داد تحسین وصول کر چکی ہیں۔

موصوف کی یہ نئی کاوش دفاعِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں اب تک لکھی جانے والی تمام کتب سے سبقت لے گئی ہے کیونکہ انہیں براہِ راست آٹھ برس تک عدالت کے کٹہرے میں بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کی توفیق نصیب ہوئی۔

اس کتاب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حلیم و جواد پر معاندین کی طرف سے عائد کیے گئے نئے اور پرانے اٹھاسی (سو/ 100) اعتراضات کے قرآن، حدیث، تاریخ اور اسماء الرجال کے حوالے سے کافی، شافی، دندان شکن، مسکت اور مدلل جوابات دے کر حقائق کو الم نشرح اور ''اعاظم کاتمین حق'' کی خوب نقاب کشائی کی گئی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بزرگ عالم یا پیر کی رائے کو غلط قرار دینے سے آدمی دین کے دائرے

① تطہیر الجنان ص 15

سے ذرا بھی خارج نہیں ہوتا۔ اگر دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی کی مشیخت مجروح ہو جائے اور صحابی کی ذات اور ان کا کردار نکھر کر سامنے آجائے تو یہ سودا سستا ہے اور اسی میں ایمان کی سلامتی اور نجاتِ دارین ہے۔

محترم قاضی صاحب کا لب ولہجہ علمی، اندازِ تخاطب عالمانہ وغیورانہ اور اعتراضات ومطاعن کا رد جس طرح کرنا چاہیے تھا ویسا ہی ہے۔ قاضی صاحب کی اس محنت کو اللہ پاک شرف قبولیت سے نوازے، اس کتاب باصواب کے حرف حرف پر اجر وثواب عطا فرمائے اور لغزشوں کو معاف فرمائے۔ (آمین)

دریا میں پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہنا بہت آسان ہے اور بہاؤ کے خلاف بہنا تیرا کی کہلاتا ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے عہد کی روش بد کے خلاف قلمی جہاد کیا ہے۔ اذہان وافکار کی تبدیلی اور دلوں کی دنیا آباد کرنا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے مگر قلمی صداقتیں ابھارنا تو انسانی بس میں ہے۔ موصوف نے اپنا اختیار پورا کیا ہے اور کشتی بحر مشیت میں ڈال دی ہے۔

یہ امر باعث اطمینان ومسرت ہے کہ محترم قاضی صاحب نے زیر نظر کتاب میں اہل السنت والجماعت کی وکالت وترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ انہوں نے موضوع کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی، نقلی، عقلی اور تاریخی تجزیہ کرتے ہوئے معاندین کے تمام مطاعن کا منہ توڑا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے نہ تو کسی کی دل آزاری مقصود ہے اور نہ بحث ومباحثہ۔ یہ تو صرف حقیقت، عقیدت اور محبت کے گلہائے رنگا رنگ ہیں۔ جنہیں براہین ودلائل سے مزین کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور بحر تاریخ سے اعماق جاں کو مہکانے والے موتی تلاش کر لانے کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے، کتاب پڑھنے والوں کے افکار واذہان کو مثبت تبدیلی سے نوازے، معاندین کو ہدایت دے، ان کے دلوں کے قفل کھولے، انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے منہ آنے کی جرأت سے بچائے اور ہم سب کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غیر مشروط اتباع، احترام اور دفاع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

گدائے کوئے معاویہ رضی اللہ عنہ

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن حسنی قادری بخاری

دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان — یوم السبت ۵ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ ۲۲ جون ۱۹۹۶ء
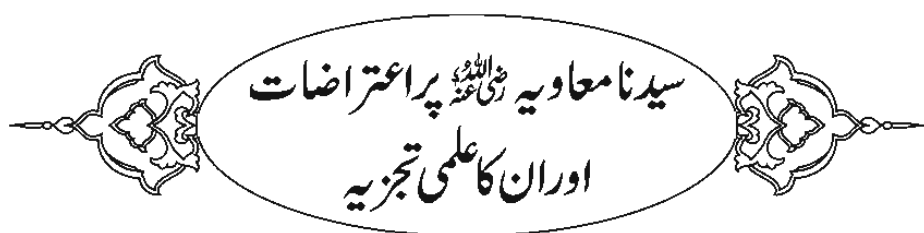
سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات
اور ان کا علمی تجزیہ

1

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبغوض قبیلے سے تھا

دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ اس اعتراض کی تائید میں مندرجہ ذیل آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں:

(1) ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا ﴾①

''کیا تو نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنہوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے ناشکری کی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد قریش کے دو فاجر قبیلے ہیں: بنو امیہ اور بنو مغیرہ۔ بنو مغیرہ نے اپنی قوم کو بدر میں لا کھڑا کیا اور انہیں ہلاکت میں ڈالا اور بنو امیہ نے احد والے دن اپنے کنبے والوں کو غارت کیا۔ بدر میں ابو جہل تھا اور احد میں ابو سفیان اور ہلاکت کے گھر سے مراد جہنم ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا یہ دونوں قریش کے بدکار ہیں۔ میرے ماموں اور تیرے چچا۔ میرے ممیال والے تو بدر کے دن ناپید ہو گئے۔ اور تیرے چچا والوں کو خدا نے مہلت دے رکھی ہے یہ جہنم میں جائیں گے جو بری جگہ ہے۔ انہوں نے خود شرک کیا دوسروں کو شرک کی طرف بلایا۔②

(2) ﴿وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَ نُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا﴾③

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''وقیل المراد بالشجرة الملعونة بنو امية۔ ''④

''لعنتی درخت سے مراد بنو امیہ ہے۔''

(3) ''عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ قال مات النبی ﷺ وهو یکره ثلثة احیاء ثقیف وبنی

---

① ابراهيم 28
② تفسیر ابن کثیر تحت الآیہ
③ بنی اسرائیل 60
④ خصائل معاویہ رضی اللہ عنہ ص 14

حنیفة وبنی امیة۔ ''①

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس حال میں وفات پائی کہ آپ تین قبیلوں سے ناراض وناخوش تھے: قبیلہ بنو ثقیف، قبیلہ بنو حنیفہ اور قبیلہ بنو امیہ''۔

(4) **''عن حمران بن جابر رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ویل لبنی امیة ثلاث مرات ''②**

''حمران بن جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تین مرتبہ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنو امیہ کے لیے ''ویل (ہلاکت)'' ہے۔''

(5) **''عن ابی برزة الاسلمی قال: کان ابغض الاحیاء الی رسول اللہ ﷺ بنو امیة وبنو حنیفة وبنو ثقیف۔ ''③**

''ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک مبغوض ترین قبیلے بنو امیہ، بنو حنیفہ، بنو ثقیف تھے۔''

(6) پیر سید نصیر الدین گولڑوی بروایت امام حاکم ارشاد نبوی ﷺ نقل کرتے ہیں:

''اھل بیتی سیلقون بعدی من امتی قتلا وتشدید واِنَّ اشدّ قومنا لنا بُغضاً بنو امیة وبنو مخزوم۔ ''④

پیر صاحب نے براہِ راست ''مستدرک'' کا حوالہ دینے کے بجائے اس حدیث کو ''اسعاف الراغبین'' برحاشیہ نور الابصار مصنفہ علامہ الشیخ محمد الصبان ص 175، مطبوعہ مصر سے نقل کیا ہے اور اس سے پہلے یہ یقین دہانی بھی کرائی ہے کہ:

''یاد رہے کہ ان کے ناقل شیعہ نہیں، خالص سنی ہیں مگر آپ کہیں گے کہ سنی بھی آدھے شیعہ ہوتے ہیں۔ اگر اہل بیت سے محبت اور عقیدت شیعیت ہے تو سنی ضرور شیعہ ہیں مگر بفضلہٖ تعالیٰ خارجی نہیں ہو سکتے۔''⑤

---

①مشکوٰة باب ذکر مناقب قریش

②الاصابہ مع الاستیعاب ص 353 ج 1 تحت حمران بن جابر

③④مستدرک حاکم ص 481 ج 4 تحت کتاب الفتن والملاحم ذکر ابغض الاحیاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

⑤نام ونسب ص 512 بار سوم 2001ء مطبوعہ گیلانی پبلشرز، درگاہ گولڑہ شریف

مندرجہ بالا اور اس قسم کی دیگر روایات کی روشنی میں یہ کہا جاتا ہے کہ قبیلہ بنو امیہ کی قرآن وحدیث میں مذمت بیان کی گئی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ لہٰذا وہ بھی آپ کے مبغوض ٹھہرے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس قبیلے سے نفرت، کراہت، بغض اور ناراضی ہو اسے قرب عطا نہیں کیا جاتا۔ خود آپ (ﷺ) کے طرز عمل ہی میں اس کا جواب بآسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک قرآن مجید میں بنو امیہ کی مذمت کا تعلق ہے تو پہلے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اپنی توضیح ملاحظہ فرمالیں:

''مراد ان لوگوں سے بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما کفار اہل مکہ ہیں اور قول ہے کہ مراد اس سے جبلہ بن ایہم اور اس کی اطاعت کرنے والے وہ عرب ہیں جو رومیوں سے مل گئے تھے۔ لیکن مشہور اور صحیح قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اوّل ہی ہے گو الفاظ اپنے عموم کے اعتبار سے تمام کفار کو شامل ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر اور کل لوگوں کے لیے نعمت بنا کر بھیجا ہے۔ جس نے اس رحمت کی قدردانی کی وہ جنتی ہے۔ اور جس نے ناقدری کی وہ جہنمی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پہلے قول کی موافقت میں مروی ہے۔ ابن کوا کے جواب میں آپ ﷺ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ بدر کے دن کے کفار قریش ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ ایک شخص کے سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا: مراد اس سے منافقین قریش ہیں۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ:

مجھ سے قرآن کی بابت کوئی کچھ بات دریافت نہیں کرتا؟ واللہ میرے علم میں اگر کوئی آج مجھ سے زیادہ قرآن کا عالم ہوتا تو گو سمندر پار ہو لیکن میں ضرور اس کے پاس پہنچتا۔

یہ سن کر عبداللہ بن کوا کھڑا ہو گیا اور کہا یہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمانِ خدا ہے کہ انہوں نے خدا کی نعمت کو کفر سے بدلا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا آپ نے فرمایا:

یہ مشرکین قریش ہیں۔ ان کے پاس اللہ کی نعمت ''ایمان'' پہنچی لیکن اس نعمت کو انہوں نے

کفر سے بدل دیا''۔①

اسی طرح ''الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ '' کی تفسیر میں موصوف لکھتے ہیں کہ:

''نفرتی درخت سے مراد زقوم کا درخت ہے۔ حضور ﷺ نے جب خبر دی اور قرآن میں آیت اتری کہ دوزخیوں کو زقوم کا درخت کھلایا جائے گا اور آپ نے اسے دیکھا بھی تھا تو کافروں نے اسے سچ نہ مانا اور ابوجہل ملعون مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا لاؤ کھجور اور مکھن اور اس کا زقوم کرو۔ یعنی دونوں کو ملا دو اور خوب شوق سے کھاؤ بس یہی زقوم ہے پھر اس خوراک سے گھبرانے کے کیا معنی؟''

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد بنوامیہ ہیں لیکن یہ قول بالکل ضعیف اور غریب ہے۔ پہلے قول کے ہی قائل تمام وہ مفسر ہیں جو اس آیت کو معراج کے بارے میں مانتے ہیں۔ جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، ابو مالک، حسن بصری وغیرہم رحمہم اللہ۔

بنوامیہ کی مذمت میں حسب ذیل روایت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے:

حدثت عن محمد بن الحسن بن زبالة، قال ثنا: عبدالمهيمن بن عباس بن سهل بن سعد، قال: ثني ابي، عن جدّي، قال:

''رسول اللہ ﷺ نے فلاں قبیلے والوں کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح ناچتے ہوئے دیکھا اور آپ کو اس سے بہت رنج ہوا۔ پھر انتقال تک آپ پوری ہنسی سے ہنستے ہوئے دکھائی نہیں دیئے اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔②

لیکن یہ سند بالکل ضعیف ہے۔ محمد بن حسن بن زبالہ متروک ہیں اور ان کے اسناد بھی بالکل ضعیف اور مجہول ہیں۔ لہٰذا یہ روایت سنداً و متناً، روایتاً و درایتاً مردود ہے۔ خود امام ابن جریر کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے کہ مراد اس سے شب معراج اور شجرۃ الزقوم ہے کیونکہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے''۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس توضیح ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا ﴾ سے کفار

① تفسیر ابن کثیر اردو پ 13 ص 76

② ابن جریر الجزء الخامس عشر تحت سورۃ الاسراء آیت 60

قریش مراد لیے گئے ہیں، بنوامیہ کی تخصیص محض سینہ زوری ہے۔

مستدرک حاکم کے حوالے سے اوپر نمبر 5 کے تحت جو روایت نقل ہوئی ہے اس کے راوی ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کی تمام مرویات اپنی مسند میں نقل کی ہیں مگر زیر بحث روایت میں بنوامیہ کے الفاظ نہیں پائے جاتے۔ صرف بنوحنیفہ اور بنوثقیف کا ذکر ہے۔①

امام حاکم کی کتاب مستدرک کتب حدیث کے طبقہ اولیٰ میں شامل ہے اور کہا جاتا ہے کہ موصوف نے اسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرائط پر ضبط کیا ہے لیکن اس کے باوجود اس میں کچھ روایات ایسی بھی جگہ پا گئی ہیں جو مذہب اہل تشیع کی تقویت کا باعث ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حقیقت میں مستدرک حاکم تیسرے درجے سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ امام حاکم تصحیح حدیث میں متساہل واقع ہوئے ہیں اور انہوں نے نہ صرف ضعیف اور منکر بلکہ موضوع احادیث تک کو صحیح قرار دے دیا ہے۔ ابوسعید المالینی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مستدرک میں ایک حدیث بھی صحیح نہیں۔ بہرحال ان کے متعلق اتنی بات تو مسلمہ ہے کہ اس کا ایک چوتھائی حصہ انتہائی ضعیف منکر اور موضوع احادیث پر مشتمل ہے۔ اور بعض روایات تو عقائد اہل سنت کے صراحتاً خلاف ہیں۔

اسی لیے بعض محدثین نے امام حاکم پر تشیع کا الزام عائد کیا ہے اور بعض نے کہا کہ روافض کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے انہیں بہت سی احادیث کے ضعف کا احساس نہ ہوسکا۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی ایک روایت کے تحت یہ الفاظ لکھے کہ:

"قلت قبح اللہ رافضیا افتراہ" میں کہتا ہوں کہ اس رافضی کا اللہ ناس کرے جس نے اس روایت کو گھڑلیا ہے۔

شیعہ علماء نے بھی اس بات کی تائید کی ہے کہ:

"یمیل الی التشیع...رافضی خبیث ... کان شدید التعصب للشیعة فی الباطن"۔②

"وھو من ابطال الشیعة وسدنته للشریعة ... وکان ابن البیع یمیل الی التشیع ...

① مسند احمد ج 4 تحت مسندات ابی برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ص 420

② اعیان الشیعہ ص 361 ج 9 تحت ابو عبداللہ حاکم

رافضی خبیث . . . کان شدید التعصب للشیعة فی الباطن و کان منحر فا عن معاویة واله متظاهرا بذالک ولا یعتذر منه . . . و ذکر ابن شهر اشوب فی معالم العلماء و صاحب الریاض فی القسم الاول فی عداد الامامیة علی ما نقل عنهما . . . ''①

''امام حاکم بہت بڑے شیعوں میں سے ہیں اور ان کی شریعت کے ستون ہیں۔ ان کا میلان شیعیت کی طرف تھا۔ رافضی خبیث ہے۔ باطنی طور پر متعصب شیعہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی آل سے منحرف تھا اور یہ بات اس کی علانیہ تھی اور اس کا کوئی عذر اس کی طرف سے نہیں کیا گیا۔ ابن شہر آشوب نے معالم العلماء میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور صاحب الریاض نے قسم اول میں اس کا تذکرہ کیا ہے جہاں اس نے شیعہ علماء کی تعداد بیان کی ہے۔ یہی ان سے منقول ہے۔''

امام حاکم کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی بعینہٖ یہی الفاظ نقل کیے ہیں:

''و کان منحر فا عن معاویة واله متظاهر ا بذالک ولا یعتذر منه''②

بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی ایک دوسری کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''امام حاکم، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سے سخت بیزار اور منحرف تھے۔ اسی وجہ سے ایک جماعت نے اس رویہ سے تنگ آ کر امام حاکم جس منبر پر تبرا کرتے تھے اسے توڑ دیا اور آئندہ کے لیے انہیں خطبہ دینے سے روک دیا۔ ان حضرات کا یہی مطالبہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں۔ ان کے خلاف بدزبانی نہ کی جائے۔ چنانچہ عبدالرحمن السلمی نے یہ مطالبہ امام حاکم تک پہنچایا اور کہا کہ آپ اپنے سابقہ رویہ سے معذرت کریں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کریں تاکہ آپ کے مسجد کی طرف نکلنے کی پابندی ختم ہو لیکن امام حاکم نے ''تقیہ'' کا سہارا لیے بغیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا نہ کرنے اور ان کی فضیلت بیان کرنے سے معذوری ظاہر کر دی کہ **''لا یجیء من قلبی، لا یجیء من قلبی''** ③

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ امام حاکم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

---

① الکنی و القاب ص170 ج2

② تذکرۃ الحفاظ ج3 تحت ابو عبداللہ الحاکم

③ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء ج17 ص174-175

''ثم ھو شیعی مشھور بذلک ... وقد قال ابن طاھر سالت ابا اسمعیل عبداللہ الانصاری عن الحاکم ابی عبداللہ فقال امام فی الحدیث رافضی خبیث ... قلت ان اللہ یحب الانصاف ما الرجل برافضی بل شیعی فقط''①

''پھر وہ شیعی ہے اور وہ اسی (وصف) کے ساتھ مشہور ہے۔ ابن طاہر نے کہا کہ میں نے ابواسماعیل عبداللہ انصاری رحمہ اللہ سے حاکم کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے کہ حدیث کا امام اور خبیث رافضی ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے حاکم رافضی نہیں صرف شیعہ تھا۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت میں (جسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے) صرف بنوحنیفہ اور بنوثقیف کا ذکر تھا لیکن امام حاکم نے اپنے تشیع اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کینہ کی بنا پر اس میں بنوامیہ کا اضافہ کر دیا۔

جہاں تک پیر نصیر الدین گولڑوی کی محولہ امام حاکم کی روایت کا تعلق ہے تو اس کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف کرنے والا یقیناً اس ارشاد نبوی ﷺ کا مصداق ہے کہ:

''من کذب علیّ فلیتبوا مقعدہ من النار۔ من تعمد علی فلیتبواء مقعدہ من النار من یقل علی مالم اءقل فلیتبواء مقعدہ من النار۔''②

''جس نے مجھ پر جھوٹ بولا یا جس نے میری طرف ایسا قول منسوب کیا جو میں نے نہیں کہا تھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔''

کیونکہ اس روایت کے متن میں سخت کثافت و عداوت پائی جاتی ہے جبکہ اس کے راویوں میں ایک راوی اسماعیل متروک ہے، دوسرا راوی ''فضل'' کذاب اور غالی شیعہ ہے، تیسرا راوی ''نعیم بن حماد'' ضعیف اور واضع الحدیث ہے، چوتھا راوی ''ولید بن مسلم'' مدلس ہے۔③

سخت تعجب ہے کہ پیر صاحب نے شیعوں، رافضیوں اور کذابوں کی اس روایت کو صحیح اور اس کے ناقل امام حاکم شیعی کو ''خالص سنی'' قرار دے دیا۔

---

① لسان المیزان ص 236 ج 5۔ میزان الاعتدال الذھبیج 3 ص 608

② صحیح بخاری کتاب العلم، رقم الحدیث 107، 108، 109

③ ملاحظہ ہو: تلخیص المستدرک ج 4 ص 478 کتاب الفتن والملاحم۔ میزان الاعتدال ج 3 ص 358، 347، تہذیب التہذیب ج 8 ص 530

ترمذی مشکوٰۃ اور الاصابہ کی روایت کا بھی یہی حال ہے امام ترمذی نے تو یہ صراحت کر دی ہے کہ

ھذا حدیث غریب لا نعرفه الا من ھذا الوجه

''یہ حدیث غریب ہے ہم اس ایک سند کے سوا اسے نہیں جانتے۔''

ایسی ضعیف، منکر اور موضوع روایات کی بنا پر قبیلہ بنو امیہ کے مبغوض ہونے کا ایک مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

علیٰ سبیل التنزل اگر ان روایات کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ان قبائل کا ہر شخص اور فرد ناپسند اور مبغوض ہے۔ اسی طرح کسی قبیلے، جگہ یا شہر کو پسند کرنے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اس قبیلے اور شہر کا ہر شخص محبوب اور پسند ہے۔ قبیلہ قریش آپ کا محبوب قبیلہ اور مکہ و مدینہ پسندیدہ شہر ہیں۔ لیکن ابولہب، ابوجہل اور دیگر کفار قریش جو مکہ کے رہائشی ہیں اور یہود و منافقین جو مدینہ کے باشندے ہیں آپ کو سخت ناپسند ہیں۔

اگر بفرض محال رسول اللہ ﷺ کو بنو امیہ سے نفرت اور بغض تھا تو پھر انہیں اپنے قرب سے کیوں نوازا؟ انہیں کلیدی مناصب پر کیوں فائز فرمایا؟ اور ان کے ساتھ نسبی تعلقات کیوں قائم کیے؟

آپ کی دو پھوپھیاں اور تین صاحبزادیاں بنو امیہ میں بیاہی ہوئی تھیں۔ اور خود آپ کے نکاح میں بنو ہاشم کی تو کوئی خاتون نہیں تھی۔ جبکہ بنو امیہ کی ایک خاتون کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب ''تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں ص 26 سے ص 28 تک بنو امیہ اور بنو ہاشم کے مابین نسبی تعلقات کے تحت 33 رشتوں کا ذکر کیا ہے۔ کیا جس قبیلے کے ساتھ بروایت مشکوٰۃ موت تک نفرت ہو وہ اس قسم کے سلوک کا مستحق ہو سکتا ہے؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں بنو امیہ کو عامل بنایا اور قبائل قریش میں سے ایسا کوئی قبیلہ نظر نہیں آتا جس کے عمال بنو عبد شمس سے زیادہ ہوں کیونکہ ایک تو ان کی تعداد زیادہ تھی۔ دوسری چیز اِن میں شرف و سیادت تھی۔ لہٰذا آپ ﷺ نے غلبہ اسلام کے وقت افضل الارض مکہ پر عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو عامل بنایا۔ اور نجران کا حاکم ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو بنی مذحج کے صدقات اور صنعاء اور یمن کا عامل

بنایا اور عثمان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو تیما اور خیبر اور عرینہ کی بستیوں پر عامل بنایا۔ اور ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کو پہلے بعض لڑائیوں میں امیر بنایا اور پھر بحرین کا حاکم بنایا۔ وہ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے بعد نبی ﷺ کی وفات تک اسی منصب جلیل پر فائز رہے۔ پھر نبی ﷺ کے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے بنوامیہ کو اعلیٰ مناصب پر فائز کیا اور یہ حضرات بنوامیہ کی قرابت سے متہم نہ تھے''۔①

مزید برآں بنوامیہ اور بنو ہاشم دونوں خاندانوں کے درمیان تعلقاتِ مصاحبت بھی قائم رہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے والد حرب بن امیہ جن کے پاس جملہ قبائل قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ تھا جناب عبدالمطلب کے دوست ہمدم اور ہم نشین تھے۔ ان دونوں کی باہمی دوستی بعد میں ان کی اولاد میں بھی قائم رہی۔ دورِ جاہلیت میں ابوطالب کے مراسم مسافر بن ابی عمرو بن امیہ کے ساتھ تھے ان دونوں کو باہم ندیم و ہم نشین کہا جاتا تھا۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہم نشین و دوست تھے۔ ان دونوں کا تاجرانہ کاروبار بھی مشترک تھا۔ اور مل کر تجارت کیا کرتے تھے۔ بنوامیہ اور بنو ہاشم کے درمیان ان تعلقات کی رو سے دونوں خاندانوں میں مودّت و محبت بخوبی واضح ہوتی ہے۔ پھر اسلام قبول کرنے کے بعد وحدت دینی کی وجہ سے ان تعلقات میں مزید اضافہ ہوگیا۔

مشہور محدث اور فقیہ علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی (متوفی 974ھ) اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی نتیجہ نکالنا، اس نتیجہ نکالنے والے کی جہالت پر اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کو مبادی علوم کی بھی درایت نہیں ہے چہ جائیکہ غوامض علوم ۔ کیونکہ اس نتیجہ سے لازم آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی خلافت کے قابل نہ ہوں اور معاذ اللہ اشرار میں سے ہو جائیں اور یہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے اور صریح الحاد ہے ...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے پر اور اسی طرح عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت کی صحت پر اور نیز بعد امام حسن رضی اللہ عنہ

① منہاج السنۃ ص175، 176 ج3

کے ترک خلافت کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحت خلافت پر اجماع ہے...... پس یہ نتیجہ باطل ہے، اس نتیجہ کا نکالنے والا جاہل یا معاند ہے جس کے کلام کی طرف التفات نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی فہم ناقص ہے اور اس کا کذب ثابت ہے...... پس اس پر غور کرو اور غفلت مت کرو تا کہ ملحدین کے فریب اور معاندین کے دھوکہ سے بچو۔''①

لہٰذا وہ تمام روایات جن میں قبیلہ بنو امیہ کے ساتھ عداوت، کراہت اور بغض کا ذکر پایا جاتا ہے روایتاً درایتاً غلط، منکر، موضوع اور ساقط الاعتبار ہیں۔

①تطهير الجنان مع الصواعق المحرقه ص 30۔31 مطبوعه مكتبه مجيديه ملتان۔ تنوير الايمان ترجمہ تطہیر الجنان از امام اہل سنت عبد الشکور لکھنوی ؒ ص 73۔74 مطبوعہ المکتبۃ العربیہ اردو بازار لاہور

2

والد معاویہ سیدنا ابوسفیانؓ اسلام اور پیغمبر ﷺ کے بدترین دشمن تھے

ناقدین صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے ہیں کہ وہ تمام زندگی اسلام کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے موقع پر ڈر کر اسلام قبول کیا حتی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ بھی ان کے نفاق کے قائل تھے۔ اس پروپیگنڈے سے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسی شخصیت بھی متاثر ہوگئی:

''قد اتفقوا الناس علی ان معاویة کان احسن اسلاما من ابیه ولم یتهم احد من الصحابة والتابعین معاویة بنفاق واختلفوا فی ابیه۔''①

یہ سبائی اور یہودی پروپیگنڈا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے اور انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر ڈر کر اسلام قبول کیا تھا۔ اہل سنت میں سے کچھ لوگ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اور بعض حضرات عدم تحقیق کی بنا پر ان کے دام فریب میں آ گئے۔ حتی کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسے محقق (جو ساری زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع اور رافضیت و یہودیت کا مقابلہ کرتے رہے) بھی یہ لکھ گئے کہ:

''لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام اپنے والد سے اچھا تھا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی انہیں ''نفاق'' کے ساتھ متہم نہیں کیا ''واختلفوا فی ابیه'' جبکہ ان کے والد کے بارے میں اختلاف ہے۔''

حالانکہ امام موصوف پیچھے یعنی صفحہ 215 جلد دوم پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ لکھ آئے ہیں کہ:

''وقد صاروا من المومنین۔'''' کہ تحقیق وہ مومنین میں سے ہو گئے۔''

---

① منہاج السنہ ج4 ص179

کچھ لوگ ابوسفیان رضی اللہ عنہ دشمنی میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ بغیر کسی موقع اور ربط کے بھی آں محترم پر تبرا کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے 31ھ، 32ھ، 34ھ میں علیٰ اختلاف الاقوال وفات پائی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی جبکہ واقعہ کربلا 10۔محرم 61ھ میں پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ واقعہ کربلا کا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں لیکن شاہ معین الدین ندوی کس ''خوبصورتی'' کے ساتھ آں موصوف کو زیر بحث لا رہے ہیں:

''اللہ اللہ یہ بھی نیرنگی دہر اور انقلاب زمانہ کا کیسا عجیب اور کیسا عبرتناک منظر ہے کہ جس کے نانا کے گھر کی پاسبانی ملائکہ کرتے تھے، آج اس کا نواسہ بے برگ ونوا، بے یار ومددگار کربلا کے دشت غربت میں کھڑا ہے...... ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔ دشمنانِ اسلام کی ساری قوتیں پاش پاش ہو چکی تھیں...... اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان جنہوں نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ بغض وعداوت اور دشمنی اور کینہ توزی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، بے بس ولاچار دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر کیے گئے تھے۔ ایک طرف ان کے جرائم کی طویل فہرست تھی۔ دوسری طرف رحمۃ للعالمین ﷺ کی شان رحمت وکرم۔ تاریخ کو معلوم ہے کہ سرکارِ رسالت ﷺ سے اس سنگین اور اشتہاری مجرم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تھا۔ قتل کی دفعہ عائد نہیں کی گئی، جلاوطنی کی سزا تجویز نہیں ہوئی، قید خانہ کی چاردیواری میں بند نہیں کیا گیا۔ بلکہ من دخل دار ابی سفیان فھو امن کے اعلانِ کرم سے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[1] کی عملی تفسیر فرمائی گئی۔
ایک طرف یہ رحمت، یہ عفو وکرم اور یہ درگزر تھا۔ دوسری طرف ٹھیک باون برس کے بعد زمانہ کا رخ بدلتا ہے، اور ایک دوسرا منظر پیش کرتا ہے۔ ایک طرف ان ہی ابوسفیان کے پوتے کی طاغوتی طاقتیں ہیں۔ دوسری طرف رحمت للعالمین کی ستم رسیدہ اولاد ہے۔ نبوت کا سارا کنبہ ابوسفیان کی ذریات کے ہاتھوں تہ تیغ ہو چکا ہے۔

[1] الانبیاء 107

کربلا کا میدان اہل بیت کے خون سے لالہ زار بنا ہوا ہے۔ جگر گوشہ رسول کی آنکھوں کے سامنے گھر بھر کی لاشیں تڑپ رہی ہیں۔ اعزہ کے قتل پر آنکھیں خون بار ہیں۔ بھائیوں کی شہادت پر سینہ وقف ماتم ہے۔ جواں مرگ لڑکوں اور بھتیجوں کی موت پر دل فگار ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی وحوش وطیور تک کے لیے امان ہے لیکن جگر گوشہ رسول کے لیے امان نہیں۔ اور آج وہی تلواریں جو فتح مکہ میں ٹوٹ چکی تھیں، دشت کربلا میں نوجوانانِ اہل بیت کا خون پی کر بھی سیر نہیں ہوئیں اور حسین رضی اللہ عنہ کے خون کی پیاس میں زبانیں چاٹتی ہیں......

یہ اسی رحمۃ للعالمین کا تشنہ لب نواسہ ہے کہ جب مکہ میں خشک سالی ہوتی تھی، تو رسول اللہ ﷺ کے پاس اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان آتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو، تمہاری قوم خشک سالی سے ہلاک ہوئی جا رہی ہے، خدا سے پانی کی درخواست کرو۔ آنحضرت ﷺ اپنے اس سب سے بڑے دشمن کی درخواست پر پانی کے لیے دعا فرماتے تھے...... ٹھیک باون برس کے بعد اسی رحمت عالم (ﷺ) اور دوست ودشمن کے سیراب کرنے والے کا نواسہ ایک قطرہ پانی کے لیے ترستا ہے اور ان ہی ابوسفیان کی ذریات کے حکم سے پانی کی ایک بوند اس کے خشک حلق تک نہیں پہنچنے پاتی ہے آہ! صاحب ﴿ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴾ کا نواسہ اور یوں تشنہ کام ہے۔''

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو! ①

اپنوں اور بیگانوں کے اس پروپیگنڈے سے ایک عام مسلمان کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بنو امیہ کے ایک ممتاز فرد تھے۔ ان کا نام صخر بن حرب اور کنیت ابوسفیان تھی۔ یہ عام الفیل سے دس سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے۔ بعض ازاں قریش کے قومی نظام میں ''عقاب'' یعنی علمبرداری کے عہدے پر فائز رہے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے قبل سپہ سالار قریش ہونے کی حیثیت سے اسلام کے مخالف تھے۔ لیکن ان کی مخالفت اتنی شدید نہ تھی جتنی کہ ابوجہل کی۔ اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ کے

① سیر الصحابہ حصہ ششم ص 203، 204، 207، 208 مطبوعہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

ساتھ ذاتی وخاندانی محبت رکھنے کے علاوہ مشرکین مکہ کی طرف سے آپ کے ساتھ بدسلوکی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی ایذا دہی میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کا نام شامل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس آپ کے ساتھ ان کی ہمدردی ثابت ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے وقت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو دارالامن قرار دیا تھا۔ کیونکہ وہ گھر مکی دور میں آپ کے لیے امن گاہ تھا۔''①

ابوجہل نے ایک دفعہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارا تو سیدہ نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے سیدہ کو ابوجہل سے انتقام دلوایا۔②

غزوۂ احزاب کے بعد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قلبی رجحان میں نمایاں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس کے بعد ان کا رجحان اسلام کی طرف ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد نبی ﷺ کے خلاف ان کا کوئی کردار نہیں رہا بلکہ اس دوران میں نبی ﷺ اور ان کے درمیان تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا رہا ہے۔

صلح حدیبیہ کی تجدید کے لیے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ آئے تو کافی دن ٹھہرے رہے اس دوران میں قریش نے اس خیال کا اظہار کیا کہ انہوں نے درپردہ اسلام قبول کرلیا ہے۔

بعد میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے مکہ سے باہر جاکر مرالظہر ان کے مقام پر علی الاعلان اسلام قبول کرلیا۔ اس طرح ''ان الاسلام یھدم ما کان قبله''③ کے تحت ان کے دورِ کفر کی مخاصمت اور مخالفت کی بنا پر طعن وتشنیع کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس عداوت کو مودت ومحبت میں تبدیل کرنے کا اعلان فرما دیا تھا:

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾④

''عجب نہیں کہ اللہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تم دشمنی رکھتے ہو دوستی پیدا کر دے۔ اور

① الاصابہ ص 179 ج 2
② نقوش رسول ﷺ نمبر ج 2 ص 95
③ صحیح مسلم کتاب الایمان
④ الممتحنہ: 7

اللہ قادر ہے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

رسول اللہ ﷺ ان کے اسلام قبول کرنے سے بہت زیادہ خوش ہوئے اور ان کے لیے اس اعزاز کا اعلان فرمایا:

''من دخل دار ابی سفیان فهو امن ''①

''جو شخص ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے گھر میں داخل ہوگا اس کے لیے امن ہے۔''

بعد ازاں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی معیت میں غزوات حنین وطائف میں حصہ لیا۔ غزوۂ طائف میں ایک تیر کے لگنے سے ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اِنْ شئت دعوت فردت علیک واِنْ شئت فالجنة قال: الجنة''②

''اگر آپ چاہیں تو میں دعا کروں اور آپ کو آنکھ واپس مل جائے۔ اور اگر چاہو تو اس کے عوض جنت پاؤ۔ انہوں نے کہا کہ جنت چاہیے''۔

نبی اکرم ﷺ کے ایک حکم کی تعمیل میں انہوں نے قبیلہ ثقیف کے بت کو پاش پاش کیا۔ آپ نے انہیں نجران کا عامل بنایا۔ آپ کی رحلت کے بعد سب سے پہلے انہوں نے ایک مرتد کو قتل کیا۔ عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں جنگ یرموک میں پورے کنبے کے ساتھ شرکت کی۔ جس میں ان کی دوسری آنکھ بھی اللہ کے راستے میں قربان ہوگئی۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پکے، سچے اور کامل مومن تھے۔ ان کی نسبی شرافت، نبی ﷺ سے قرابت اور اپنے قبیلے کی سرداری کی وجہ سے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ان کا اعزاز واکرام فرماتے تھے۔

ان حقائق کے باوجود جو لوگ انہیں مطعون کرتے ہیں۔ ان کے ایمان میں اظہارِ شک کرتے ہیں۔ اور انہیں اسلام اور نبی اکرم ﷺ کا سب سے بڑا اور بدترین دشمن قرار دیتے ہیں، وہ درحقیقت خود موذیِ رسول ﷺ اور اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔

①صحیح مسلم کتاب الجهاد باب فتح مکه

②الاصابه ص 179 ج2

3

والد معاویہ حضرت ابوسفیانؓ کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار

ناقدین صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جدی پشتی دشمن اسلام ثابت کرنے کے لیے ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے قبائلی عصبیت کے پیش نظر نہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کیا بلکہ ایک ہولناک قبائلی فساد کو جنم دینے کی فکر میں سیاسی جوڑ توڑ اور خلیفہ اول کے لیے حالات بگاڑنے شروع کر دیئے۔ تاکہ اپنے ناپاک قبائلی اور خاندانی منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ ①

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی عصبیت ہی کی بنا پر ان کی خلافت ناگوار ہوئی تھی۔ اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا تھا کہ قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی کیسے خلیفہ بن گیا۔ تم اٹھنے کے لیے تیار ہو تو میں وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا کہ تمہاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم کوئی سوار اور پیادے لاؤ۔ مسلمان سب ایک دوسرے کے خیر خواہ اور آپس میں محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ خواہ ان کے دیار اور اجسام ایک دوسرے سے کتنے ہی دور ہوں البتہ منافقین ایک دوسرے کی کاٹ کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں اور اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم لوگ انہیں کبھی اس منصب پر مامور نہ ہونے دیتے۔'' ②

وفاقی شرعی عدالت کے جج پیر کرم شاہ صاحب رقمطراز ہیں کہ:

---

① سیاست معاویہ ص 13 مؤلفہ مہر حسین بخاری آف اٹک
② خلافت و ملوکیت ص 97

''جب تمام لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہو گئے تو ابوسفیان بن حرب کو یارائے صبر نہ رہا اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو طعن و تشنیع سے بھڑکانا چاہا۔ کہنے لگا ابوبکر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تمہارا سربراہ اور امیر بنے وہ دونوں کمزور کہاں ہیں؟ وہ دونوں ذلیل کہاں ہیں؟ (یعنی علی اور عباس رضی اللہ عنہما) کیا وجہ ہے قریش میں جو سب سے چھوٹا قبیلہ ہے اس کا ایک فرد تمہارا حاکم بن جائے۔ پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان پر آیا اور کہنے لگا کہ ہاتھ آگے بڑھایئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ بخدا اگر آپ حکم دیں تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے کے لیے اس میدان کو شہسواروں اور پا پیادہ سپاہیوں سے بھر دوں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ باتیں سن کر اسے جھڑکتے ہوئے کہا اے ابوسفیان! تو بغیر غرض کے حرکت نہیں کرتا۔ تیرا مقصد صرف اسلام کو نقصان پہنچانا ہے میں تیری باتوں سے ہرگز مغرور نہیں ہوں گا۔ اور تو مجھے اپنے دام فریب میں پھنسا نہیں سکتا۔ آپ کا ابوسفیان کی اس پیشکش کو مسترد کر دینا اور اس کی اس حرکت کو اسلام دشمنی پر محمول کرنا اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ نے صدق دل سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت فرمائی تھی۔''①

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ نام نہاد سنی کس طبقے کی وکالت اور ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں کیونکہ یہ مشن سبائیوں اور یہودیوں کے سوا کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔

جس داستان کی بنیاد پر سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیا جاتا ہے۔ وہ روایتاً و درایتاً ہر اعتبار سے باطل ہے اگرچہ اسے صاحب الاستیعاب اور صاحب کنز العمال نے نقل کیا ہے مگر اس کا ماخذ جناب محمد ابن جریر طبری ہیں۔ جن پر تشیع کے الزام کو آج تک صاف نہیں کیا جا سکا۔ اور خود مودودی صاحب کے قول کے مطابق بھی موصوف شیعہ ہی ثابت ہوتے ہیں کہ:

''بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خم کے معاملے میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر بعض لوگوں نے انہیں خواہ مخواہ شیعہ قرار دے ڈالا۔ اور ایک بزرگ نے تو ان کو ''امام من ائمۃ الامامیۃ'' تک قرار دیا ہے۔ حنبلی ان کی زندگی ہی میں ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ ان کے

---

① مقالات ج 1 ص 307 زیر عنوان اسلام کا سیاسی نظریہ اور بیعت صدیقی

پاس جانے سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اور ان کی وفات کے بعد انہوں نے مقابر مسلمین میں
ان کو دفن تک نہ ہونے دیا حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں دفن کیے گئے۔''①

مودودی صاحب کے اس اقرار کہ ''طبری'' حدیث غدیر خم میں شیعہ مسلک سے متفق تھے'' کے بعد تا قیام قیامت موصوف کو ہرگز سنی ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسی بنیاد پر شیعی عمارت قائم ہے۔ جناب طبری شیعیت میں غلو رکھنے والے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا حقیقی بھانجا ابوبکر محمد بن عباس خوارزمی ایک بلند پایہ ادیب، ہجوگو شاعر اور غالی رافضی تھا۔ اس نے اپنے ننھیال میں (طبری کے والدین کے پاس) پرورش پائی اور آخر میں آل بویہ جیسے غالی شیعہ امراء کی سرپرستی میں رہا۔

جناب طبری کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض وعداوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی تاریخ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ واضح طور پر لعنة الله عليه کے الفاظ لکھے ہیں۔②

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''**ثقة صادق فيه تشيع و موالاة لا تضر**''③

''ثقہ وصادق ہیں مگر ان میں ''تشیع وموالاۃ'' پایا جاتا ہے جو مضر نہیں ہے۔''

یہاں ''تشیع وموالاۃ'' کے بعد ''لا تضر'' کا ''ٹانکا'' کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ قارئین کرام اس موضوع پر راقم الحروف کی 832 صفحات پر مشتمل کتاب ''امام طبری کون؟'' کی طرف مراجعت فرمائیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ابن جریر طبری کی وفات بعمر پچاسی یا چھیاسی سال ہوئی۔ اپنے گھر ہی میں دفن کیے گئے۔ کیونکہ حنبلی حضرات نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا اور انہیں رفض کی طرف منسوب کیا تھا۔''④

---

① خلافت وملوکیت ص 313
② تاریخ طبری ص 24، 28 ج 13
③ ميزان الاعتدال الجزء الرابع ص 73 تحت رقم 6902 طبع بيروت 1430ھ/2009ء
④ البدايه والنهايه ص 147 ج 11

مودودی صاحب نے یہ تو تسلیم کیا کہ طبری حدیث غدیر خم کے قائل تھے لیکن الزام رفض کی تردید میں لکھتے ہیں کہ:

''دراصل سب سے پہلے حنابلہ نے ان پر رفض کا الزام اس غصے کی بنا پر لگایا تھا کہ وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو صرف محدث مانتے تھے فقیہ نہیں مانتے تھے۔''①

موصوف کی یہ توجیہ حنابلہ پر الزام یا مذہب شیعہ سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔سوال یہ ہے کہ محدث اور فقیہ ماننے یا نہ ماننے کا رفض کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ الزام رفض کی جو اصل وجہ تھی وہ موصوف نے ابتدا میں بڑے نرم، دھیمے اور پیارے انداز میں نقل کر کے اپنے روحانی مرشد پر سے رفض کے الزام کی نفی کر دی کہ:

''بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خم کے معاملے میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انہیں شیعہ قرار دے ڈالا۔''

حالانکہ شیعہ اور سنی مسلک میں اختلاف کا بنیادی نکتہ ہی ''حدیث غدیر خم'' ہے۔ جو اس کا قائل ہے وہ یقیناً شیعہ ہے کیونکہ اس کے اقرار کے بغیر کوئی شخص شیعہ کہلا ہی نہیں سکتا۔ جب طبری اپنے وکیل صفائی مودودی صاحب کے بقول بھی ''حدیث غدیر خم'' کے قائل ثابت ہو گئے ہیں تو پھر ان کا سنی ہونا کیوں کر ممکن ہے؟

زیر بحث روایت اگر صحیح ہوتی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ قبائلی عصبیت کی بنا پر ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ناکام بنانا چاہتے تھے تو پھر اتنی طاقت اور قوت رکھنے کے باوجود انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیوں کیا؟ اموی اور قبائلی عصبیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اپنی یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دعوت دیتے۔

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی پیشکش کو اسلام دشمنی پر محمول کرتے ہوئے انہیں ڈانٹ پلا دی یا بقول مودودی صاحب ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا'' پھر تو انہیں خود وادی کو شہسواروں اور پیادوں سے بھر دینا چاہیے تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس پیشکش کو مسترد کر دینا ہی محل نظر ہے کیونکہ بموجب بعض روایات وہ خود

① خلافت وملوکیت ص 313

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے شاکی تھے۔ ان کے گھر میں بنو ہاشم کا اجتماع ہوتا رہتا تھا۔ اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق انہوں نے چھ ماہ تک بیعت بھی نہیں کی تھی۔ ایسے وقت میں ایسی پیشکش کو ٹھکرا دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت صدیقی سے شاکی تھے اور نہ ہی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی کوئی پیشکش کی تھی۔

پھر مودودی صاحب اور پیر کرم شاہ صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے بااخلاق اور باکردار و متقی شخص کی زبان سے کیا الفاظ کہلوا رہے ہیں کہ ''تمہاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے البتہ منافقین ایک دوسرے کی کاٹ کرنے والے ہوتے ہیں''۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک عمر رسیدہ شخص، سالار قریش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر کو (جن کی شرعاً تعظیم و تکریم لازم ہے) اسلام دشمن اور منافق کہہ سکتے تھے؟ کم از کم کوئی ''سنی'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ تصور نہیں کرسکتا کہ انہوں نے ایسے الفاظ کہے ہوں گے۔

مزید برآں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین یہ ''مکالمہ'' کب ہوا تھا؟ بیعت صدیقی کے چھ ماہ بعد تک حضرت علی رضی اللہ عنہ تو گوشہ نشین رہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد انہوں نے بیعت کی اب مذکورہ ''مکالمہ'' کے متعلق دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو یہ گفتگو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے پہلے ہوئی تھی یا بعد میں۔ ان ہر دو صورتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرض تھا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبے کے پیش نظر اس گفتگو سے خلیفہ اول بلافصل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کرتے مگر وہ آخر تک یہ فرض ادا نہ کرسکے۔

جبکہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بیعت صدیقی کے وقت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں موجود ہی نہیں تھے۔ وہ اس وقت نجران میں تھے وہیں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر سنی اور بعد میں واپس تشریف لائے تو اس صورت میں ان دونوں کے مابین گفتگو کس طرح ممکن ہے؟

اور اگر بفرض محال حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ''اسلام دشمن'' اور ''منافق'' تھے تو ان کے لیے اسلامی خلافت ہی کو ختم کرنے کا اس سے بہتر اور کون سا موقع ہوسکتا تھا جب پورا عرب اور سارے مسلمان مانعین زکوٰۃ، مدعیان نبوت اور ارتداد کے فتنوں کی لپیٹ میں تھے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما دونوں کا اس الزام سے

کوئی تعلق نہیں جو زیر بحث روایت میں ان پر عائد کیا گیا ہے۔ ہشام کلبی سے مروی یہ روایت لغو، بے بنیاد اور خلاف واقع ہے، نہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی کوئی پیشکش کی اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ جواب دیا جو مودودی صاحب اور پیر کرم شاہ صاحب نے سبائی و مجوسی مورخین کی اتباع و پیروی میں بغیر تحقیق کے نقل اور اس کی تشہیر کر کے امت مسلمہ کو خسر رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جیسے ایک جلیل القدر اور مجاہد صحابی سے سوء ظن میں مبتلا کرنے کی سعی نامشکور فرمائی۔

یہ ملحوظ رہے کہ اس قسم کی روایات ''ابومخنف اور ہشام کلبی'' سے مروی ہیں جن کے جلے بھنے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

4

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ......ابن آکلۃ الاکباد ہیں

سبائی مورخین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے لیے ''جگر خوارہ'' کا لقب ایجاد کیا۔ جب ان کے متبعین کو معلوم ہوا کہ یہ تو فارسی کا لفظ ہے تو انہوں نے اس کمی کو پورا کرتے ہوئے ''جگر خوارہ'' کے بجائے ''ابن آکلۃ الاکباد'' لکھنا شروع کر دیا۔

چنانچہ فیڈرل گورنمنٹ ڈگری کالج اسلام آباد کے شعبہ تاریخ کے پروفیسر سید محمد ذوالقرنین زیدی الہماء لکھتے ہیں کہ:

''ان کی والدہ ہندہ بنت عتبہ تھیں جنہوں نے بدر کے مشرک مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لاشے کا مثلہ کر کے آپ کا جگر چبایا تھا۔ اسی لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابن آکلۃ الاکباد (جگر چبانے والی کا فرزند) بھی کہا جاتا ہے۔''①

اس عربی اصطلاح کے سبائی واضعین نے تو اپنے آباء واجداد کے بھی کان کتر دیئے۔ انہوں نے تو صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبانے کا الزام عائد کیا تھا۔ مگر بعد کے سبائیوں نے یہ تاثر دیا کہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا معمول و مشغلہ ہی جگر چبانا تھا۔ اسی لیے انہوں نے (بصیغہ جمع) اکباد کا لفظ استعمال کیا۔

اس کہانی کی اصل حقیقت ملاحظہ فرمائیں:

چونکہ غزوہ بدر نے قریش اور مشرکین مکہ کی عزت خاک میں ملا دی تھی لہٰذا انہوں نے اپنا وقار بحال کرنے اور انتقام لینے کے لیے بھرپور تیاری کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی۔ جسے غزوۂ احد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جنگ بدر میں ستر رؤسائے قریش مارے گئے تھے۔ اس لیے ہر فرد نے اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔

---

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ کے آئینے میں ص 33

ابن ہشام کی روایت کے مطابق:

ان شہداء میں مہاجرین میں چار اور انصار کی تعداد ۶۵ تھی۔ جبکہ مشرکین کے مقتولین کی تعداد بائیس تھی۔ ان چار مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ لیکن ان تمام شہداء میں سے صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سبائی مورخین کی دسیسہ کاریوں کی وجہ سے یہ مشہور کر دیا گیا کہ انہیں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے شہید کرا کر اپنے والد، چچا اور بھائی کا انتقام لیا۔ نیز ان کا مثلہ کیا اور پیٹ چاک کر کے جگر نکال کر اسے کچا چبایا۔

مورخین اور سیرت نگاروں کے اقوال کی روشنی میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی حسب ذیل تفصیل سامنے آتی ہے:

(1) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی بن حرب (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

(2) حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کے غلام تھے۔

(3) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر ان کی آزادی موقوف تھی۔

(4) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر بقول بعض مورخین جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) نے اور بقول بعض سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے آمادہ کیا تھا۔

(5) بقول بعض مورخین سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے وحشی رضی اللہ عنہ سے وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر تو حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دے گا تو میں تجھے آزاد کر دوں گی جبکہ وہ ہند رضی اللہ عنہا کے غلام ہی نہ تھے۔ بلکہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور جبیر رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کو انہیں آزاد کرنے کا اختیار ہی حاصل نہ تھا۔

(6) اس کے علاوہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کیا خواتین میں سے صرف سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے ہی شرکت کی تھی؟

جبکہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے ساتھ مندرجہ ذیل خواتین کے نام بھی تاریخ میں محفوظ ہیں:

ام حکیم بنت حارث، فاطمہ بنت ولید، برہ بنت مسعود، ریطہ، سلافہ بنت سعد، خناس بنت مالک شریک ہوئی تھیں۔

مسلمانوں کی طرف سے بھی مندرجہ ذیل خواتین نے شرکت کی:

سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدہ ام سلیم، سیدہ فاطمہ، سیدہ ام سلیط، سیدہ ام عمارہ، سیدہ ہند بنت اثاثہ،

اور سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہن۔

(7) بقول مورخین مردوں اور عورتوں نے مل کر نہ صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا بلکہ دیگر لاشوں کا بھی مثلہ کیا تھا۔مگر معاندین صرف سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے ہیں۔آخر کیا وجہ ہے کہ انہیں سارے لشکر میں تنہا سیدہ ہند رضی اللہ عنہا ہی کیوں نظر آتی ہیں؟ جبکہ دیگر خواتین بھی قریش کی مقتدر عورتیں تھیں۔

(8) اس جنگ میں بنومخزوم کے متعدد مشہور جنگجو شریک تھے مثلاً عکرمہ بن ابی جہل، خالد بن ولید، اور حارث بن ہشام۔اوران کی بیویاں بھی ساتھ تھیں۔یہ سب افراد ابوجہل کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔لیکن ان میں سے کسی فرد کے بارے میں معاندین یہ تفصیل پیش نہیں کرتے۔

(9) تمام مورخین حتی کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ جب وحشی رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا: کہ کیا تو اپنا چہرہ مجھ سے نہیں چھپا سکتا؟ جس کے بعد وحشی رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے دوبارہ نہیں گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ میرے چچا کو وحشی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے۔

(10) سیدہ ہند رضی اللہ عنہا جنہوں نے بہ نسبت وحشی رضی اللہ عنہ کے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا تھا (وحشی رضی اللہ عنہ کو ان کے قتل پر آمادہ کیا، ان کا مثلہ کیا، ان کا جگر چبایا) مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ وحشی والا سلوک نہیں کیا۔

بلکہ ان کا "مرحبا بک" کے الفاظ کے ساتھ استقبال کیا۔ان کے پیش کردہ ہدایا وتحائف قبول کیے۔ان کے ہاں آمد ورفت جاری رکھی، ان کے خاوند کو عامل مقرر کیا، ان کے بیٹے کو کاتب وحی بنایا، ان کے لیے ہادی اور مہدی ہونے کی دعا کی، انہیں جنت کی بشارت دی، اور حلفاً اس سارے خاندان کے ساتھ محبت کے اقرار کے علاوہ ان کے معزز ہونے کی دعا بھی فرمائی۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا جرم تو معمولی تھا کیونکہ جب دو فوجیں لڑنے کے لیے میدان میں اترتی ہیں تو دونوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی طریقے سے اپنے مدمقابل پر غلبہ پائیں اور انہیں قتل کریں۔لیکن بدترین جرم تو یہ ہے کہ قتل کے بعد لاش کی بے حرمتی کی جائے، اس کا مثلہ کیا جائے، اس کے اعضاء کاٹے جائیں، اس کا جگر نکال کر چبایا جائے اور پھر ان بوٹیوں کا ہار بنا کر گلے میں لٹکایا جائے۔کم از کم ایسا بدترین مجرم قابل معافی نہیں ہوسکتا۔

رسول اکرم ﷺ نے کم تر ''مجرم'' کو اپنے سامنے آنے سے منع کیا اور بدترین مجرم کے ساتھ اعزاز واکرام کے ساتھ پیش آئے اس کی کیا وجہ ہے؟

(11) جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) جو وحشی (رضی اللہ عنہ) کے مالک تھے۔ جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر انہیں آمادہ کیا۔ اور پھر اس قتل کی خوشی میں انہیں آزاد بھی کر دیا۔ لیکن رسول اکرم ﷺ نے جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بھی وحشی (رضی اللہ عنہ) والا سلوک نہیں کیا بلکہ انہیں معاف کر دیا اور ان کے اسلام پر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔

(12) تاریخ وحدیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ مشرکین مکہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ بعض دیگر لاشوں کا بھی مثلہ کیا تھا۔ مگر رسول اللہ ﷺ سے ان مثلہ کرنے والوں کے ساتھ وحشی رضی اللہ عنہ والا سلوک ثابت نہیں ہے۔ صحیح بخاری سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتنی بات ثابت ہے کہ انہوں نے جنگ کے آخر میں یہ اعلان کیا تھا:

''تجدون مثلۃ لم امر بھا ولم تسؤنی'' کہ میدان میں مثلہ شدہ لاشیں ملیں گی۔ یہ حکم میں نے نہیں دیا تھا۔ اور نہ مجھے اس کا افسوس ہے۔

یہ روایت بھی ابن اسحاق سے مروی ہے۔ یہ شخص متعدد ائمہ حدیث کے نزدیک کذاب، مدلس اور مجوسی شیعہ تھا۔ اس کے باوجود حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قول میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں ہے کہ مثلہ کرنے والے کون تھے؟ کیا یہ سب مرد تھے؟ کیا سب عورتیں تھیں؟ کیا عورتیں اور مرد دونوں تھے؟ کیا ایک ہی عورت سیدہ ہند رضی اللہ عنہا اس کام میں شریک تھیں؟

تمام سبائی ومجوسی قطعاً یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ کام ''سیدہ ہند رضی اللہ عنہا'' کا ہے۔ ﴿وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾

ابن ہشام نے یہ کہانی اس طرح بیان کی ہے کہ:

''ہند بنت عتبہ چند عورتوں کو ساتھ لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشوں کے پاس آئی۔ اور ان کے ناک کان انہوں نے کاٹنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ ہند رضی اللہ عنہا نے ان کانوں اور ناکوں کے ہار بنا کر اپنے گلے میں پہنے اور اپنا سارا زیورا تار کر وحشی کو حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے انعام میں دیا۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جگر مبارک کو نکال کر اس نے اپنے منہ میں لے کر

چبایا۔ مگر وہ اس کو نگل نہ سکی۔ تب اس کو اگل دیا۔'' ①

دراصل سیرت ابن ہشام ابو محمد عبدالملک بن ہشام متوفی 213ھ کی اپنی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ وہ سیرت ابن اسحاق کی نئی ترتیب ہے۔ جب یہ کتاب سامنے آئی تو اس کتاب کے بعض واقعات پر اہل علم نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ اور ان اعتراضات کی وجہ سے سیرت النبی ﷺ پر یہ کتاب اپنے زمانے میں مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔ جسے بعد میں ابن ہشام نے بعض قابل اعتراض واقعات خارج کر کے اور بعض واقعات کا اضافہ کر کے نئے سرے سے مرتب کیا۔ لیکن اس کوشش کے باوجود بعض قابل اعتراض واقعات کتاب میں شامل کر دیے گئے۔

یہ کہانی متہم بالتشیع مورخ ابن جریر طبری ② نے اپنی تاریخ میں محمد بن اسحاق سے نقل کی ہے۔ ابن اسحاق سے اسے روایت کرنے والا سلمہ الابرش اور پھر اس سے نقل کرنے والا محمد بن حمید ہے۔ یہ دونوں افراد قطعاً ناقابل اعتبار ہیں۔ محمد بن اسحاق پر ''ائمہ اسماء الرجال'' نے جو ''جرح'' کی ہے وہ امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر نے اپنی کتاب ''احسن الکلام'' (جو اکابر علمائے دیوبند کی مصدقہ ہے) میں محفوظ کر دی ہے۔ تفصیل کے خواہش مند قارئین مذکورہ کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

ابن اسحاق نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے یہ روایت صالح بن کیسان سے سنی لیکن یہ 70ھ کے بعد پیدا ہوئے اور 140ھ میں انتقال کیا۔ یہ محمد بن اسحاق سے کچھ بڑے ہیں مگر انہوں نے اوپر کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ حالانکہ جنگ احد صالح بن کیسان کی پیدائش سے ستر سال پہلے واقع ہوئی تھی۔ ان کا قول اس سلسلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ وہ خود چشم دید گواہ نہیں بلکہ ممکن ہے کہ محمد بن اسحاق نے یہ کہانی وضع کر کے ان کی جانب منسوب کی ہو۔ اگر واقعتاً انہوں نے یہ کہانی بیان بھی کی تب بھی روایت منقطع ہوئی اور منقطع روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔ ③

---

① سیرت ابن ہشام اردو ص 438، مقبول اکیڈمی لاہور

② امام طبری سے متعلق مولفِ کتاب کے مؤقف سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ جمہور اہلسنت امام طبری کو امام اہلسنت مانتے ہیں البتہ چند علماء نے ان کی طرف تشیع کی نسبت کی ہے۔ (محمد فہد حارث)

③ امام مغازی محمد بن اسحق بن یسار کی شخصیت پچھلے 1200 سالوں سے منہج محدثین سے وابستہ اہل علم و احناف کے نزدیک مابہ نزاع ہے۔ علمائے اہلحدیث ان کو ثقہ و صدوق مانتے ہیں جب کہ احناف ان کو ان کے تفردات میں لائق استدلال نہیں جانتے۔ مولف مذکور چونکہ مسلک احناف سے تعلق رکھتے ہیں، اسی نسبت سے وہ امام محمد ابن اسحق کے غیر ثقہ و ثبت ہونے کے قائل ہیں۔ ادارے کا اس متعلق مولف مذکور کی رائے سے کلی متفق ہونا ضروری نہیں۔ (محمد فہد حارث)

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس روایت کے صالح کے علاوہ دیگر راوی سب ایرانی ہیں۔ اور تمام محدثین کے نزدیک ناقابل اعتبار ہیں۔ اس لحاظ سے بھی اگر اس کہانی پر غور کیا جائے کہ صالح کے سوا اسے کوئی دوسرا بیان نہیں کرتا۔ پھر ان سے ابن اسحاق کے سوا کوئی دوسرا راوی نہیں۔ پھر اس سے سلمہ الابرش، سلمہ سے محمد بن حمید رازی اور محمد بن حمید سے ابن جریر کے سوا اسے کوئی نقل کرنے والا نہیں ہے۔ اور ابن جریر کا انتقال 310ھ میں ہوا۔

گویا 70ھ کے بعد اس کہانی کی ابتدا ہوئی اور 310ھ تک ہر زمانے میں صرف ایک فرد کے سینے میں محفوظ رہی اور اس فرد واحد کے سوا کوئی دوسرا اس کہانی کو جانتا تک نہ تھا۔ اگر حقیقتاً یہ واقعہ پیش آتا تو اوّل تو اس کے متعدد چشم دید گواہ ہوتے پھر جوں جوں زمانہ بڑھتا جاتا لوگوں کی زبان پر یہ واقعہ عام ہو جاتا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ خالص مجوسی کہانی ہے۔

مزید برآں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو جنگ احد میں شریک تھے ان میں سے کوئی ایک فرد بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ اور قریش مکہ فریق مخالف میں سے بھی متعدد افراد نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں لیکن ان میں سے کوئی شخص بھی یہ کہانی بیان نہیں کرتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ میں یہ واقعہ خود وحشی رضی اللہ عنہ کی زبانی بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جسے ''اقبالی بیان'' کہا جا سکتا ہے اور بیان بھی اس شخص سے کر رہا ہے جس کے بھائی کے قصاص میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت عمل میں آئی لیکن اس میں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے کلیجہ چبانے کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی حسب ذیل امور کی نشاندہی ہوتی ہے:

(1) وحشی بن حرب (رضی اللہ عنہ) جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کے غلام تھے، انہوں نے انہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا تھا اور اس انعام کا وعدہ کیا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی صورت میں انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس قتل سے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا کوئی تعلق نہیں۔ نہ انہوں نے وحشی (رضی اللہ عنہ) کو قتل پر آمادہ کیا اور نہ وحشی (رضی اللہ عنہ) کی آزادی ان کے ہاتھ میں تھی۔

(2) اگر آزادی کے علاوہ اسے کوئی اور انعام دیا گیا ہوتا تو وحشی (رضی اللہ عنہ) اسے ضرور بیان کرتے۔ اس سے اس بات کا بھی ردّ ہو گیا کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے گلے کا ہار اتار کر اسے بطور انعام دیا تھا۔

(3) وحشی (رضی اللہ عنہ) ابتداء سے آخر تک جنگ کے دوران میں کفار کے ساتھ رہے اور ان ہی کے ساتھ مکہ واپس لوٹے لیکن وہ ناک کان کے ہار بنانے اور کلیجہ چبانے کی کوئی کہانی بیان نہیں کرتے۔

(4) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی (رضی اللہ عنہ) کا اپنے سامنے آنا پسند نہیں فرمایا۔

(5) قتل حمزہ رضی اللہ عنہ میں بقول مورخین تین آدمی برابر کے شریک ہیں۔ایک وحشی (رضی اللہ عنہ) جو قاتل ہیں دوسرے جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) جنہوں نے قتل پر آمادہ کیا اور آزادی کا وعدہ کیا۔تیسری ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے ناک کان کاٹے اور کلیجہ چبایا۔

(6) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی (رضی اللہ عنہ) کا سامنے آنا گوارہ نہیں کیا۔جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کا جرم وحشی (رضی اللہ عنہ) کی نسبت کم تر تھا۔لہٰذا فتح مکہ کے دن ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا اور نہ اس قسم کی کوئی پابندی عائد کی گئی۔مگر حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا جرم تو سنگین ترین تھا۔اس جرم کی موجودگی میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو جن چند افراد کے قتل کا اعلان کیا ان میں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا نام بھی شامل ہوتا لیکن بجائے اس کے کہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے قتل کا اعلان کیا جاتا یا اظہار بیزاری کیا جاتا، ان کے گھر کو دارالامن بنا دیا۔یہ اعلان خود اس بات کی شہادت ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبانے سے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا کوئی تعلق نہ تھا۔

علاوہ ازیں جب سیدہ ہند رضی اللہ عنہا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لیتے وقت یہ فرمایا کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کروگی تو سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ہم نے انہیں بچپن میں پالا تھا اور جب بڑے ہوئے تو آپ نے انہیں قتل کر دیا اس جواب پر بھی آپ نے انہیں قتل حمزہ یا مثلہ یا کلیجہ چبانے کے بارے میں کوئی یاد دہانی نہیں کرائی حالانکہ یہ اس بات کا بہترین موقع تھا۔ بلکہ آپ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سن کر مسکرا گئے۔یہ بات بھی اس کی واضح دلیل ہے کہ جگر چبانے کی کہانی بہت بعد کی وضع کردہ ہے۔

دراصل سبائیت و مجوسیت کا پروپیگنڈہ معاشرے میں اس قدر سرایت کر گیا ہے کہ آج اکثر واعظین، نام نہاد گدی نشینان، کالجوں، یونیورسٹیوں کے فضلاء اور سبائیوں کے ایجنٹ اس کہانی کو دہراتے چلے جارہے ہیں۔

اسلام کا عام اور بنیادی اصول تو یہ ہے کہ:

''ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ۔''①

''اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

لیکن ستم بالائے ستم یہ کہ خاندان بنوامیہ کو اس اسلامی قانون سے بھی مستثنیٰ سمجھا گیا اور زبردست پروپیگنڈے کے ذریعے سے یہ بات ذہن نشین کرا دی کہ ان کی زمانہ کفر کی برائیاں بھی جوں کی توں آج تک قائم ہیں۔ فیا اسفا۔ فیا حسرتا

① صحیح مسلم، کتاب الایمان

5

والدہ معاویہ رضی اللہ عنہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے ڈر کر اسلام قبول کیا

سید مہر حسین بخاری آف اٹک لکھتے ہیں کہ:

''یہ جگر خوارہ ہند بھی فتح مکہ کے بعد بادل نخواستہ مسلمان ہونے کے لیے آتی ہے...... بالآخر ہبل کے یہ بچاری چار و ناچار بظاہر مسلمان ہوئے کیونکہ موت یا اسلام کے سوا دوسرا کوئی ذریعہ بقا نہ تھا۔''①

جناب مودودی صاحب کے معتمد نعیم صدیقی سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جیسا کچھ قبول اسلام یہ تھا ظاہر ہے، پھر یہ گستاخانہ انداز کلام، کوئی بھی دوسرا ہوتا تو اسے گوارا نہ کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پایاں حلم تھا جس سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا تھا۔''②

صدیقی صاحب کے اس تبصرے سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سبائیت کا یہ مسموم پروپیگنڈہ ''مدعیانِ اہل سنت'' کو کس طرح متاثر کر چکا ہے۔

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف چوتھی پشت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو جاتی ہیں۔ وہ صاحب رائے، زیرک و ہوش مند، خود دار، نہایت فصیح اور قریش کی سردار عورتوں میں سے تھیں۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے بھائی ابو حذیفہ بن عتبہ اور بیٹی سیدہ رملہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (ام المومنین) کا شمار سابقین اوّلین میں ہوتا ہے۔ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں اپنے والد عتبہ کے خلاف لڑے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کی بھاوج لگتی تھیں۔ غزوۂ بدر کے بعد جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ جانے لگیں تو سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے باوجود اسلام سے عداوت رکھنے کے رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے پاس جا کر کہا کہ اگر کچھ زادِ راہ وغیرہ کی ضرورت ہو تو بے تکلف کہہ دو میں مہیا کر

① سیاست معاویہ رضی اللہ عنہ ص 16، 17

② محسن انسانیت ص 446

دوں گی۔

فتح مکہ کے دن اسلام قبول کرنے کی غرض سے جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایک ایسی عورت ہوں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئی ہوں اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچا مانتی ہوں۔ پھر انہوں نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور کہا میں ہوں ہند بنت عتبہ۔ ''**فقال رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **مرحبا بک**'' تو ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحبا (خوش آمدید) فرمایا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ صحیح بخاری میں کتاب المناقب باب ذکر ہند بنت عتبہ میں یہ روایت لائے ہیں کہ:

''ہند بنت عتبہ (رضی اللہ عنہا) آئیں اور کہا یا رسول اللہ! آج سے پہلے زمین پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں تھا جو میرے نزدیک آپ کے گھر سے زیادہ ذلیل اور ناپسند ہو۔ مگر آج صفحہ ہستی پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں جو میرے نزدیک آپ کے گھرانے سے زیادہ محبوب اور معزز ہو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**وایضا والذی نفسی بیده**۔''

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہی کیفیت اپنی بھی ہے۔''

جو خاتون بھری محفل میں علی الاعلان کہے کہ آج سے پہلے روئے زمین پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں تھا جو میرے نزدیک آپ کے گھر سے زیادہ ذلیل و ناپسند ہو وہ ڈر کر اسلام کیسے قبول کر سکتی ہے؟

اسلام قبول کرنے کے بعد سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے گھر آ کر کلہاڑے کے ساتھ گھر میں رکھے ہوئے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہا **کنا منک فی غرور** کہ تیری وجہ سے ہم دھوکے اور فریب میں مبتلا تھے۔ بنو ثقیف جیسے جنگجو اور بہادر اپنے بت کو پاش پاش نہ کر سکے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جا کر اس بت کے ٹکڑے کیے یہاں ایک خاتون ہیں جو ٹکڑے کرتے وقت اسے جھاڑ بھی پلا رہی ہیں۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ''**وایضا والذی نفسی بیده**۔'' ان کے حسن اسلام اور ایمان کی پختگی کی واضح دلیل ہے۔

جنگ یرموک میں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا پورا گھرانہ شریک تھا شوہر حضرت ابوسفیان، صاحبزادے حضرت یزید اور حضرت معاویہ، صاحبزادی سیدہ جویریہ اور داماد رضی اللہ عنہم سبھی دشمنانِ اسلام کے خلاف

---

[1] طبقات ابن سعد اردو، ص 319 ج 8 تحت ذکر ہند بنت عتبہ

برسر پیکار تھے۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا رومیوں کے خلاف مسلمانوں کو جنگ پر ابھارتی تھیں اور جوش دلاتے ہوئے فرماتی تھیں:

''عضدوا الغلفان بسیوفکم۔ ''①

''اپنی تلواروں سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔''

ایسی کامل الایمان خاتون جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرحبا فرمائیں، ان کے حق میں دعائے خیر فرمائیں اور ان کی عزت کی تمنا و آرزو کریں جبکہ ان کے نام نہاد نام لیوا سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے ایمان میں شک کریں اور نفاق کا طعن دیں۔ اگر ان میں نفاق ہوتا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جب سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہا تھا کہ آج روئے زمین پر کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو میرے نزدیک آپ کے گھرانے سے زیادہ محبوب ہو۔ یقیناً تردید فرما دیتے کہ آپ کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیتے۔ لہٰذا سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر یہ الزام غلط اور بے بنیاد ہے۔

① فتوح البلدان۔ البلاذری ج 1 ص 160

6

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر اعتراض

دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اس کا معنی کتے کا بھونکنا، گیدڑ اور لومڑی کا چیخنا'' وھو الانثی من الکلاب ''کتے کی مادہ یعنی کتیا کے ہیں۔''①

علامہ سعد الدین تفتازانی ''مسندالیہ'' کی تعظیم یا اہانت'' کے لیے اسے بطور معرفہ لانے کی کی ایک مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''رکب علی وھرب معاویہ''②

''علی سوار ہوئے اور معاویہ بھاگ گئے۔''

دارالعلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر مفسر، محدث اور استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ تفتازانی کی مذکورہ ''مکروہ'' مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''فالتعظیم ماخوذ من لفظ علیّ لاخذہ من العلوّ والاھانۃ ماخوذ من لفظ معاویۃ لانہ ماخوذ من العوٰی وھو صراخ الذئب والکلب ---والمتبادرأن المراد بعلیّ ومعاویۃ صاحبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولایخفی ما فیہ من سوء الادب فی حق سیدنا معاویۃ رضی اللہ عنہ والجرأۃ علیہ بما لا یلیق بمنصبہ بل لو حملنا ھما علی غیرھا لم یخل من سوء الادب لما فیہ من الایھام''③

''پس تعظیم لفظ ''علی'' سے ماخوذ ہے کہ اس میں علو (سربلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ ''معاویہ'' سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ ''عویٰ'' سے لیا گیا ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا

---

① سیاست معاویہ ص 8، خصائل معاویہ ص 536

② مختصر المعانی ص 71 تحت احوال المسندالیہ، تعریفہ بالعلمیہ

③ حاشیہ نمبر 10 مختصر المعانی ص 71

بھونکنا ہے--- علی اور معاویہ کے ناموں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی (یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو جرأت، بے ادبی اور گستاخی اس مثال میں پائی جاتی ہے وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ یہ بے ادبی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بلند پایہ منصب (صحابیت) کے بالکل خلاف اور نامناسب ہے۔

بلکہ اگر ہم اس کو ایک فرضی مثال پر محمول کرتے ہوئے علی و معاویہ نام والے دوسرے اشخاص مراد لیں تب بھی یہ مثال ''ایہام'' پائے جانے کی وجہ سے بے ادبی سے خالی نہیں ہے۔

از روئے لغت لفظ معاویہ کے حسب ذیل معنی ہیں:

(1) کسی چیز کو موڑنا یا مروڑنا۔

(2) عالم شباب میں قوت سے مد مقابل کا پنجہ مروڑ ڈالنا۔

(3) کسی کی مدافعت کرنا۔

(4) حمایت یا جنگ وغیرہ کے لیے لوگوں کو بلانا اور جمع کرنا۔

(5) آواز دے کر پکارنا۔①

اہل لغت نے خود ہی یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ معاویہ کا لفظ اگر معرف باللام (**المعاويه**) ہو تو اس کا معنی مادہ سگ یعنی کتیا کے ہیں۔ اور بغیر الف لام کے لوگوں کے علم (نام) کے طور پر ہو تو یہ معنی نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اعلام میں ابتدائی لفظی معنی مراد نہیں لیے جاتے۔ خصوصاً ان اعلام میں جو منقول عنہ کے درجے میں ہوں کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک میں چھٹی پشت میں ''کلاب'' کا لفظی معنی مراد لینے کی کوئی جرأت کر سکتا ہے؟

لغت میں ''فاطمہ'' کے معنی اونٹنی جس کا بچہ دودھ سے چھڑا دیا گیا ہو۔②

''الباقر'' کا معنی ہے گایوں کا ریوڑ۔③

---

①منتهى الادب ص 215، لسان العرب ج 8 ص 109، القاموس ص 896، تاج العروس ج 10 ص 260

②③مصباح اللغات ص 139

''**الجعفو**'' دریا، ندی اور بہت دودھ دینے والی اونٹنی۔①

''اویس'' بھیڑیا۔②

''عباس'' عبوسیت کا لغوی معنی برا منہ بنانا اور تیور چڑھانا ہے۔③

''جریر'' کا معنی ہے گھسیٹا۔ ''ابن جریر'' کا معنی ہے گھسیٹے کا بیٹا۔

جس طرح ان اسماء کا لغوی معنی مراد نہیں لیا جاتا اسی طرح بالفرض اگر معاویہ کے نام میں کوئی قباحت پائی بھی جاتی ہو تو پھر بھی لغوی معنی مراد نہیں لیا جائے گا۔

عویٰ کے معنی آواز دینے کے ہیں۔ عواھم کے معنی ہیں اس نے لوگوں کو آواز دی۔ تو معاویہ کے معنی ہوئے: ایسا ہر دلعزیز، مقبول ومحبوب اور صاحب اثر سردار جو لوگوں کو جب بلائے تو لوگ اس کی آواز پر فوراً حاضر ہو جائیں۔ یا وہ جو خلافت راشدہ رضی اللہ عنہم کے تقدس کی ''مدافعت'' میں کھڑا ہو جائے۔ جسے بلوائیوں، مفسدوں اور سبائیوں نے پامال کیا تھا۔

جانشین امیر شریعت سید عطاء المنعم شاہ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک نے کہا کہ معاویہ کا ترجمہ ''کتا'' ...... میں نے کہا: معاویہ کا لفظ مختلف جانداروں کے لیے مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ حیوانات میں معاویہ کا ترجمہ چیتا بھی آتا ہے، بھیڑیا بھی آتا ہے، کتا بھی آتا ہے، لومڑی بھی آتی ہے، گیدڑ بھی آتا ہے یعنی ہر وہ جانور جو چیخ پکار کر بولے عربی میں اسے ''معاویہ'' کہہ دیتے ہیں۔ اور انسانوں میں جو آدمی نوجوان ہو، نعرہ زن ہو، بہادر ہو، اس کو معاویہ کہتے ہیں۔

عرب میں ایک آدمی گزرا ہے، بہت بڑے قبیلے کا دادا ہے، اس کا نام تھا ''کلب'' کلب کے معنی کتے کے بھی ہیں، اور چیتے اور ریچھ کے بھی ہیں۔ جو جانور چیر پھاڑ کر رکھ دے وہ بہادر ہوتا ہے۔ کلب کے معنی صرف کتا نہیں اس کے کئی معنی ہیں۔ ہاں کتے کا مفہوم ذرا زیادہ عام ہے۔ اب عرب کے ایک پورے قبیلے کے دادا کا نام کلب ہے۔ کیا خیال ہے سارے کتے ہی تھے وہ؟

---

① مصباح اللغات ص90

② حوالہ مذکور ص20 ③ حوالہ مذکور ص548

انگریزی میں فوکس (Fox) لومڑ کو کہتے ہیں۔ لومڑ بھی کوئی نام ہوتا ہے؟ لومڑ کہیں گے کسی چالاک مکار آدمی کو''Leopard'' (لیوپرڈ) بڑے شیر کو کہتے ہیں۔ ہر زبان میں ایسے نام ہوتے ہیں۔ عربی میں بھی ہیں۔''اسد'' عربی میں شیر کو کہتے ہیں۔''غضنفر'' حملہ آور شیر کو کہتے ہیں۔''لیث'' حملہ کے لیے تیار کرنے والے شیر کو کہتے ہیں۔''اسامہ'' مطلقاً جنس شیر کو کہتے ہیں۔''①

دشمنانِ معاویہ لفظ معاویہ کے آخر میں''ۃ'' سے مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ''ۃ'' تانیث کے لیے ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بعض دفعہ اسماء اور اعلام میں''ۃ'' تانیث کے لیے نہیں ہوتی۔ یہاں اسم معاویہ میں بھی''ۃ'' ہرگز تانیث کے لیے نہیں ہے۔ جس طرح **عکرمة، طلحة، جارية، سارية، حمزة** وغیرہ سے کوئی بھی''ۃ'' تانیث کے لیے مراد نہیں لیتا۔

معاویہ نام عہد جاہلیت ہی سے عرب میں رائج چلا آ رہا ہے (کتب انساب میں اس کی بیسیوں مثالیں پائی جاتی ہیں) اور اہل زبان نے کبھی اس نام کو برا اور معیوب قرار نہیں دیا۔ بالفرض اگر عہد جاہلیت میں یہ نام لغوی معنی کے اعتبار سے برا بھی سمجھا جاتا تو لازم تھا کہ نبی اکرم ﷺ عہد اسلام میں اس کو تبدیل فرما دیتے کیونکہ آپ نے نام رکھنے کے متعلق امت کو یہ ہدایت دی ہے کہ:

''**تسموا باسماء الانبياء واحب الاسماء الى الله تعالىٰ عبد الله وعبد الرحمن**''②

''تمام انبیائے کرام کے ساتھ نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔''

اسی طرح وہ نام جن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور بندہ کی عبدیت کا اظہار ہو۔ ان کے علاوہ ایسے نام بھی رکھے جاسکتے ہیں جن سے شرک کی بو نہ آتی ہو یا جن سے بری بات کا یا بری عادت کا اظہار نہ ہو۔

---

① طلوع سحر ص 177، 178

② مشکوۃ باب الاسامی

حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ اس طرح کے نام رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ اگر کوئی برا سا نام ہوتا تو آپ اسے اچھے نام سے بدل دیتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

''ان النبی ﷺ کان یغیر الاسم القبیح ''①

''نبی کریم ﷺ برے نام تبدیل کر دیا کرتے تھے۔''

جاہلیت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی کا نام ''عاصیہ'' تھا تو آپ نے ان کا نام تبدیل کر کے ''جمیلہ'' رکھا۔ ایک لڑکی کا نام ''برہ'' تھا آپ نے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔ اسی طرح کسی نے ''غراب، عاص اور اصرم'' نام رکھے تو آپ نے انہیں بدل دیا۔

ایک شخص ''عبد شر'' حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

تیرا نام ''عبد خیر'' ہے۔②

سعید بن مسیب رحمہ اللہ اپنے دادا کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ان کا نام ''حزن'' تھا جب وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کیا نام ہے؟ کہا ''حزن'' آپ نے فرمایا: ''بل انت سھل '' بلکہ تمہارا نام سہل ہے۔''③

رسول اکرم ﷺ اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کی اطلاع پا کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ نومود کو دیکھا، پوچھا کیا نام رکھا؟ عرض کیا گیا: ''حرب'' فرمایا: نہیں اس کا نام ''حسن'' ہے۔④

بعد میں جب دوسرے نواسے تولد ہوئے تو آپ نے بچے کو دیکھ کر فرمایا کیا نام رکھا گیا؟ بتایا گیا ''حرب'' لیکن آپ کو یہ نام پسند نہ آیا تو آپ نے بدل کر ''حسین'' رکھا۔⑤

حرب کے معنی جنگ کے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ پسندیدہ نام تھا اسی لیے وہ بار بار یہی نام تجویز کرتے رہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دادا کا نام بھی حرب تھا۔

---

①مشکوۃ باب الاسامی

②ابو داؤد کتاب الادب باب فی تغییر الاسم القبیح

③مشکوۃ المصابیح

④سیر الصحابہ ص 13 ج 6

⑤حوالہ مذکور ص ۱۴۷

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ برے نام تبدیل فرما دیا کرتے تھے۔ لیکن معاویہ نام کے بارے میں آنحضرت ﷺ جیسے افصح العرب سے کوئی ممانعت اشارتاً کنایتاً بھی ثابت نہیں ہے۔ بلکہ عہد رسالت ﷺ سے لے کر آج تک یہ نام اہل اسلام میں بدستور رائج چلا آ رہا ہے۔

علاوہ ازیں نام تبدیل کرنے کے بجائے آپ بار بار پیار و شفقت کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس نام سے پکارتے، بلاتے اور دعائیں دیتے ہیں۔ [1]

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''**ذکر من اسمه معاوية**'' کے تحت مندرجہ ذیل اکابرین کا ذکر کیا ہے:

(1) معاویہ بن انس اسلمی
(2) معاویہ بن ثور بن عبادہ
(3) معاویہ بن جاہمہ
(4) معاویہ بن خدیج
(5) معاویہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف
(6) معاویہ بن حزن
(7) معاویہ بن حکم اسلمی
(8) معاویہ بن حیدہ بن معاویہ
(9) معاویہ بن ابی ربیعہ
(10) معاویہ بن سفیان بن عبد الاسد مخزومی
(11) معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب
(12) معاویہ بن سوید
(13) معاویہ بن صعصعہ
(14) معاویہ بن عبادہ بن عقیل
(15) معاویہ بن عبد اللہ
(16) معاویہ بن عروہ
(17) معاویہ بن عفیف مزنی
(18) معاویہ بن عمرو احوذی
(19) معاویہ بن عمرو الدیلی
(20) معاویہ بن قرمل
(21) معاویہ بن محصن
(22) معاویہ بن مرداس بن ابی عامر
(23) معاویہ بن معاویہ مزنی
(24) معاویہ بن مغیرہ
(25) معاویہ بن مقرن مزنی
(26) معاویہ بن نفیع
(27) معاویہ ثقفی

---

[1] تفصیل راقم کی کتاب: ''تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' ص 97 تا 109 میں ملاحظہ فرمائیں

(28) معاویہ عذری (29) معاویہ لیثی

(30) معاویہ ہذلی

(31) معاویہ والد نوفل①

دیگر کتب تاریخ وانساب میں بھی ان کے علاوہ کچھ مزید نام ملتے ہیں:

(1) معاویہ بن یزید بن معاویہ

(2) معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

(3) معاویہ بن عباس بن علی ابن ابی طالب

(4) معاویہ بن عبداللہ افطح بن محمد بن باقر بن زین العابدین

(5) معاویہ نمیری (6) معاویہ بن قرہ

(7) معاویہ بن مسلم (8) معاویہ بن مروان

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک داماد کا نام معاویہ تھا۔ آپ کی صاحبزادی رملہ پہلے ابوالہیاج کے نکاح میں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کے بیٹے معاویہ کے ساتھ ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں ایک شخص معاویہ بن صعصعہ تھا لیکن انہوں نے اس کا نام تبدیل نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے شاگردوں میں بھی معاویہ بن سعید الکندی الکوفی اور معاویہ بن سلمہ نفری موجود ہیں۔②

الغرض کتب تاریخ، انساب اور اسماء الرجال میں ''معاویہ'' نام کی بیسیوں شخصیات موجود ہیں۔ جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ، دیگر بزرگان امت، بنوامیہ، بنوہاشم اور دوسرے قبائل کے افراد شامل ہیں جن کے علمی اور عملی کارناموں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

ان میں سے کسی کے نام میں کوئی نقص اور عیب نہیں نکالا گیا۔ ان کے ناموں کو کبھی ہدفِ طعن نہیں بنایا گیا۔ یہ ساری دشمنی وعداوت، طعن وتشنیع اور بغض وعناد صرف اور صرف سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ کیا دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے کوئی جرأت کرسکتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد

① الاصابہ مع الاستیعاب ص 430-438 ج3

② تنقیح المقال مامقانی ص 223 ج3

بھائی معاویہ بن حارث بن عبد المطلب جن کی وفات پر ابو طالب نے مرثیہ پڑھا تھا:

فابکی معاویه لا معاوی مثله

نعم الفتی فی العرف لا فی المنکر

یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے معاویہ بن عباس یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داماد معاویہ بن مروان یا ان کے شاگرد معاویہ بن صعصہ، یا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے بھتیجے معاویہ بن عبداللہ یا حضرت باقر رحمہ اللہ کے پوتے معاویہ بن عبداللہ افطح یا حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے شاگرد معاویہ بن سعید الکندی اور معاویہ بن سلمہ نفری کا معنی لغت کا سہارا لیتے ہوئے لومڑی کا بچہ، کتیا اور کتے کا بھونکنا وغیرہ سے کرے؟ کیا یہاں پہنچ کر لغت تبدیل ہو جاتی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے اسم مبارک پر طعن و تشنیع کا کیا جواز ہے؟

علامہ ابن منظور افریقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''العوا اسم نجم ... وقال ابن کناسة هی اربعة کواکب ثلاثة مثفاة متفرقة والرابع قریب منها کانه من الناحیة الشامیة وبه سمیت العوٰی کانه یعوی الیها من عواء الذئب۔''①

''العوا ایک ستارے کا نام ہے اور ابن کناسہ نے کہا کہ وہ چار ستارے ہیں تین یکے بعد دیگرے الگ الگ ہیں اور چوتھا ان کے قریب ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام العوا رکھا گیا ہے۔ گویا ان کی طرف منہ کر کے بھیڑیے آواز دیتے ہیں۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق

''اصحابی کالنجوم''

''صحابہ صلی اللہ علیہ وسلم ستاروں کی طرح ہیں۔''

تو ان ستاروں میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ایک اہم ستارہ ہیں۔ اور جس طرح العوا ستارے کی طرف رخ کر کے بھونکنے والے بھونکتے ہیں۔ اسی طرح آسمانِ رشد و ہدایت کے اس اہم اور مرکزی ستارے پر بھی بھونکا جاتا ہے۔

---

① لسان العرب ج8 ص109

دشمنانِ معاویہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض وعناد کی وجہ ان کا ''معاویہ'' نام رکھا جانا ہرگز نہیں ہے۔ وہ اس نام کی حامل دیگر شخصیات کی طرح انہیں بھی برداشت کر سکتے تھے اگر وہ اپنے دور مسعود میں نصرانیت، یہودیت، سبائیت اور مجوسیت کو لوہے کے چنے نہ چبواتے...... اگر وہ اسلامی سلطنت کا رقبہ پینسٹھ لاکھ مربع میل تک نہ بڑھاتے...... اگر وہ منصب امارت وخلافت قبول نہ کرتے...... اگر وہ اسلام کا تحفظ اور مدافعت نہ کرتے۔ اگر وہ اسلام کی تبلیغ اور نشر واشاعت نہ کرتے...... اگر وہ مغرب اقصیٰ سے لے کر چین تک اسلام کا پرچم نہ لہراتے...... اگر وہ عبداللہ بن سبا کو لاتیں مار کر شام سے ملک بدر نہ کرتے...... اور اگر وہ خارجیت اور سبائیت کا قلع قمع نہ کرتے۔

لیکن صد آفرین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ تو وہ باطل سے دبے، نہ باطل کے سامنے جھکے، نہ انہوں نے باطل کے ساتھ مفاہمت اور کوئی سمجھوتہ کیا اور نہ وہ کبھی باطل اور سبائیت کی توقعات پر پورا اترے۔

کیونکہ ان کے نام ''معاویہ'' کے لغوی معنی یہ بھی ہیں کہ ''کسی چیز کو موڑنا یا مروڑنا'' اس لیے انہوں نے اسلام اور اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے نصرانیت، یہودیت، مجوسیت، سبائیت، ناصبیت اور خارجیت کو اپنے آہنی شکنجے میں کستے ہوئے مروڑ مروڑ کر ان کے بل کس نکال دیے جس کی ٹیسیں آج تک ان کی ذریت محسوس کر رہی ہے اور تا قیام قیامت کرتی رہے گی۔

7

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام نفاق پر مبنی تھا

دشمنانِ معاویہ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے۔ اور ان کے ساتھ کسی فضیلت کو جمع نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر حالات سے مجبور ہو کر اسلام لائے۔ جن کے بارے میں قرآن نے یہ اعلان کر دیا کہ:

﴿قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ [1]

''آپ کہہ دیجیے کہ یوم الفتح کو کافروں کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔''

(محمود شاہ محدث ہزاروی نے عدالت میں دورانِ جرح یہ سوال کیا تھا)

یہ اعتراض بھی ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا کرشمہ ہے۔ محولہ بالا آیت کفار کے متعلق نازل ہوئی۔ اور ''یوم الفتح'' سے مراد مفسرین کرام نے قیامت کا دن لیا ہے۔ اگر بقول معترض اس سے فتح مکہ کا دن مراد ہے اور آیت کی زد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین آتے ہیں تو آیت کے آخری الفاظ ﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ اس باطل اور مردود دعویٰ کی شدید تردید کر رہے ہیں۔

آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کو ''فتح مکہ'' کے دن ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ انہیں اس دن کے بعد مہلت ملے گی۔ یعنی وہ زندہ نہ چھوڑے جائیں گے۔ اگر بقول معترض اس آیت کا یہی مفہوم ہے تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کو فتح مکہ کے بعد مہلت نہ ملتی اور ان کے قتل کا اعلان کر دیا جاتا مگر سب کچھ اس کے برعکس ہوا۔ نہ صرف ان کا ایمان قبول کیا گیا بلکہ ان کے گھر کو ''دار الامن'' بھی قرار دیا گیا۔

اگر آیت کا تعلق فتح مکہ کے دن اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ ہی ہے تو پھر اس دن دو ہزار

---

[1] السجدہ: 29

افراد اسلام لائے۔ ان میں آپ ﷺ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ام ہانی رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ کیا وہ سب بھی العیاذ باللہ کافر ہی ٹھہرے اور ان کے ایمان نے انہیں کوئی نفع نہیں دیا؟ (تفو برتو اے چرخ گردوں تفو)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں اسلام کی آواز پہنچ چکی تھی۔ اور اس آواز پر آپ کی بہنیں سیدہ ام حبیبہ، سیدہ فارعہ، ماموں ابوحذیفہ بن عتبہ کے علاوہ دیگر قریبی رشتہ دار لبیک کہہ چکے تھے۔ رضی اللہ عنہم

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان حالات کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ جبکہ ان کے باقی افرادِ خاندان دیگر مشرکین کے ساتھ اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ انہوں نے اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود کبھی کسی موقع پر اور کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف حصہ نہیں لیا۔

غزوۂ بدر کے بعد مشرکین کی قیادت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئی تھی۔ جنگ احد خالص ایک انتقامی جذبے کے تحت لڑی گئی۔ باپ قائد تھے حتیٰ کہ خواتین نے بھی اس میں شرکت کی۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باوجود بہادری اور شجاعت کے اس میں شامل نہیں ہیں۔ جبکہ غزوۂ بدر میں رسول اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے داماد ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ابوجہل کی قیادت میں شرکت کرتے ہیں لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام کسی معرکے میں نہیں ملتا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ ابتدا ہی سے اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ومعاویۃ لم یعرف لہ قبل الاسلام اذی للنبی ﷺ لا بید ولا بلسان۔'' (1)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی طرف سے آپ کی ایذا دہی کا کوئی واقعہ ثابت نہیں ہے۔ نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے۔''

موصوف مزید لکھتے ہیں کہ:

''ولا یعرف عنہ ولا عن اخیہ یزید بن ابی سفیان انھما اذیا النبی کما یؤذیہ بعض

(1) منہاج السنہ الجزء الثانی ص 214

المشرکین۔''①

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ دونوں کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ثابت نہیں ہے جیسا کہ بعض مشرکین انہیں ایذا دیا کرتے تھے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد عمرۃ القضاء کے موقع پر 7ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ابن سعد، امام ذہبی، ابن حجر عسقلانی، ابن اثیر جزری، ابن کثیر، ابن حجر ہیتمی مکی، امام اہل سنت عبدالشکور لکھنوی، مفتی احمد یار خان بریلوی، اور ڈاکٹر احمد عبدالرحمن عیسیٰ امام جامعہ امام محمد بن سعود نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایمان نفاق سے پاک تھا۔ اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کتابت وحی کا منصب سونپا ان کے ہادی اور مہدی ہونے کی دعائیں فرمائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں کفر کے خلاف جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے ایک لشکر کا امیر مقرر کر کے شام کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے انہیں پورے صوبے شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا یہ سلوک آں محترم کے نفاق کو ثابت کرتا ہے؟

اس کی مزید تفصیل کتاب کے آخر میں زیر عنوان ''موت بحالت نفاق'' آ رہی ہے۔

---

①منہاج السنہ الجزء الثانی ص ۲۱۷

8

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طلقاء میں سے تھے

ناقدین صحابہ (رضی اللہ عنہم) حقارتاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ طلقاء میں سے تھے اور ''طلیق ابن طلیق'' تھے۔

چنانچہ سید ابوالاعلیٰ صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس خاندان کے جو لوگ دورِ عثمانی رضی اللہ عنہ میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے۔''طلقاء'' سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم ان ہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے۔''①

''طلقاء'' کی یہ تعریف کذب، افتراء، جہالت، ضد، تعصب، اور عناد پر مبنی ہے اسلام کسی خاندان کا نام نہیں تھا کہ دوسرے خاندان اس سے لڑ رہے تھے جس طرح اسلام میں تمام خاندانوں کے افراد شامل تھے اسی طرح کفر میں بھی سب کی نمائندگی تھی۔ اس اسلام اور کفر کے تصادم میں باپ بیٹا، داماد خسر، چچا بھتیجا، بھائی بھائی اور ماموں بھانجا ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آراء تھے۔ شرکائے بدر پر ہی ایک نظر ڈال لیں:

(1)	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (بھتیجا)	حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) (چچا)
(2)	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (خسر)	ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) (داماد)
(3)	ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ (بیٹا)	عتبہ (باپ)
(4)	حضرت علی رضی اللہ عنہ (بھائی)	عقیل (رضی اللہ عنہ) (بھائی)

① خلافت وملوکیت ص 109

(5) حضرت عمر رضی اللہ عنہ (بھانجا) ابو جہل (ماموں)

تاریخ میں اس طرح کی بیسیوں مثالیں پائی جاتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور کفر کے تصادم کو قبائلی اور خاندانی تصادم قرار دینا واقع کے خلاف اور نری جہالت ہے۔

فتح مکہ کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان بشرط صحت روایت خاندانوں اور قبیلوں کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ مکہ کے تمام باشندگان کے لیے تھا۔ ان میں اکثر خاندان اور قبائل ایسے تھے جن کے بعض افراد ضرور پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ لیکن ان میں سے باقی ماندہ افراد فتح مکہ کے دن یا اس کے کچھ عرصہ بعد مسلمان ہوئے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم جو سابقین اوّلین میں سے تھے ان کے خاندانوں کے بہت سے ایسے افراد ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے شخص کے والد بھی فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی معافی یافتہ خاندان کے فرد تھے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کی بہن سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی معافی یافتہ خاندان کے فرد تھے؟ اس طعن کو وسعت دیتے جائیں تو اس کی زد سے کون سا خاندان اور قبیلہ بچ سکتا ہے؟

''طلقاء'' کی اصطلاح جس واقعے سے ماخوذ ہے وہ کچھ یوں ہے کہ:

''فتح مکہ کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرما چکے تو حرم میں قریش کو منتظر پایا۔ آپ نے باب کعبہ کے دونوں بازو تھام کر فرمایا ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔ یاد رکھو کہ تمام مفاخر، تمام انتقامات، خون بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں:

''یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ و تعظیمھا بالآباء الناس من آدم و آدم من تراب۔''

''اے قوم قریش! اب جہالت کا غرور اور نسب کا افتخار اللہ نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم (علیہ السلام) کی نسل سے ہیں اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے بنے تھے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾[1]

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔''

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے قریشیو! تمہیں کیا توقع ہے کہ اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔ انہوں نے جواب دیا ہم اچھی امید رکھتے ہیں۔ آپ کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اقول لکم کما قال یوسف لاخوته ﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ﴾ اذهبوا فانتم الطلقاء۔''[2]

''میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو''۔

یہ واقعہ 8ھ کا ہے۔ آپ نے اس موقع پر خاندانِ معاویہ بنی امیہ کو نہیں بلکہ پورے قریش (بنو تیم، بنو عدی، بنو مخزوم، بنو خزیمہ، بنو اسد، بنو نوفل، بنو زہرہ، بنو امیہ اور بنو ہاشم) کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ تم سب کو معافی دے دی گئی تم آزاد ہو۔ ''طلقاء'' کا معنی یہ ہے کہ اب تم پر کوئی گرفت نہیں تم مکمل طور پر آزاد ہو۔ آپ ﷺ نے اس خطاب میں بار بار ''یا معشر قریش'' فرمایا۔

یہ خطاب خود بتلا رہا ہے کہ ''طلقاء'' صرف بنو امیہ نہ تھے۔ مولود کعبہ حکیم بن حزام، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی، عکرمہ بن ابوجہل، حضرت علی کے بھائی حضرت عقیل ہاشمی اور بہن ام ہانی رضی اللہ عنہم اور تقریباً دو ہزار افراد نے بھی اسی موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔ اور یہ سب طلقاء میں سے تھے۔

قریش کے لیے ''طلقاء'' یعنی معافی کا لفظ دراصل ان کی عظمت، منقبت اور فضیلت کا باعث

---

[1] الحجرات 12

[2] زادالمعاد ص 424 ج 1

ہے۔ یہ لفظ کسی طور پر مذمت اور تحقیر کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ مگر جن لوگوں کے دلوں میں ''بیماری'' ہے وہ اس لفظ کو برا معنی پہناتے ہوئے بطور تحقیر اور مذمت استعمال کرتے ہیں۔

حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی ''**طلقاء**'' کو بڑے بڑے اہم مناصب عطا فرمائے۔ عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا والی بنایا اور وہ تا زیست اس منصب پر قائم رہے۔ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو کعبہ کا کلید بردار رہنے دیا۔ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو بنی فراس کے صدقات پر عامل بنا کر بھیجا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابو سفیان رضی اللہ عنہ ''**طلقاء**'' میں سے تھے؟

تعجب ہے کہ مولانا محمد نافع صاحب (جنہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر دو جلدوں میں کتاب لکھی اور ناقدین معاویہ کے اعتراضات کے جوابات تحریر کیے) بھی خلاف واقعہ ان دو بزرگوں کو ''**طلقاء**'' میں لکھ گئے:

''ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ جو ''**طلقاء**'' میں سے تھے اور بنی امیہ کے رؤساء میں سے تھے۔ ان کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی اہم مناصب عنایت فرمائے...... حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جو ''**طلقاء**'' میں سے ہیں ان کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر کاتبان وحی مثلاً زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ساتھ کتابت وحی کے منصب پر فائز فرمایا...... مختصر یہ ہے کہ **طلقاء** حضرات عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حقارت و ذلت کی نگاہ سے ہرگز نہیں دیکھے جاتے تھے۔ بلکہ اسلام اور اہل اسلام کی نظروں میں صاحب وقار اور باعزت افراد تھے۔ اسی بنا پر **طلقاء** کو یہ مناصب عطا فرمائے گئے۔''①

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''**طلقاء**'' کا اطلاق ہرگز صادق نہیں آتا۔ اگرچہ ''**طلقاء**'' کا لفظ کسی صورت میں بھی باعث مذمت نہیں مگر پھر بھی یہ دو بزرگ اس لفظ کے مخاطبین میں قطعاً شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ اس خطبہ سے بہت پہلے وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور مکہ میں آپ کے داخل ہوتے وقت ان کے لیے اس اعزاز کا بھی اعلان کر دیا گیا تھا کہ:

''**من دخل دار ابی سفیان فھو امن**''②

---

① سیرت حضرت امیر معاویہ ص 54، 56 ج 2

② صحیح مسلم کتاب الجہاد، باب فتح مکہ

''جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوگا اس کے لیے امن ہے۔''

اردو دائرہ معارف اسلامیہ (مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور) کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

''ابوسفیان اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما نے شہر سے باہر آ کر اور علی الاعلان مسلمان ہو کر اطاعت قبول کر لی۔''①

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو اس سے بہت پہلے عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ (تفصیل اگلے جواب میں ملاحظہ فرمائیں)۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما خطبہ مکہ (جس میں طلقاء کا لفظ استعمال ہوا ہے) کے مخاطبین میں شامل نہیں ہیں۔ اور انہیں ''طلقاء'' یا ''طلیق ابن طلیق'' کے الفاظ سے مخاطب کرنا غلط، خلافِ واقع، ضد، تعصب، عناد اور جہالت پر مبنی ہے۔

① اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج 1 ص 827

9

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار مؤلفۃ القلوب میں ہوتا ہے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مالی امداد دیتے رہتے۔ جیسا کہ غزوۂ حنین کے مال غنیمت میں سے 100 اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا کی تا کہ وہ اسلام سے پھر نہ جائیں اس لیے ان کا شمار مؤلفۃ القلوب میں ہوتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ نوازش کرنے والوں میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ابوعبدالرحمن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد فتح مکہ کے دن ایمان لائے حنین میں شریک ہوئے آپ مؤلفۃ القلوب میں شامل تھے۔لیکن بعد میں پکے اور سچے مسلمان ہو گئے۔''①

صاحب مشکوٰۃ نے بھی انہیں مؤلفۃ القلوب میں شامل کیا ہے۔②

سید محمد ذوالقرنین زیدی لکھتے ہیں کہ:

''غرض کہ فتح مکہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے والدین نے اسلام قبول کیا اور آپ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔آپ نے مؤلفۃ القلوب حضرات کو خوش کرنے کی حکمت عملی اختیار فرمائی تا کہ ان لوگوں کے دلوں سے بغض اور عناد نکل جائے اور یہ حضرات ماضی کی تلخیوں اور شکستوں کے احساس کا گلا گھونٹ کر خدمت اسلام میں سچے دل سے لگ جائیں۔''③

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے مسلمانوں میں شمار کرنا خلاف حقیقت ہے۔صحیح بات یہ ہے کہ

---

① تاریخ الخلفاء اردو ص 287

② الاکمال فی اسماء الرجال تحت معاویہ بن ابی سفیان

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ کے آئینہ میں ص 32۔33

آپ عمرۃ القضاء کے موقع پر فتح مکہ سے ایک سال پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ چنانچہ علامہ محمد بن سعد رحمہ اللہ (متوفی 230ھ) لکھتے ہیں کہ:

''وكان يذكر انه اسلم عام الحديبية ''①

'حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے تھے کہ وہ حدیبیہ کے سال اسلام لائے''۔

مصعب زبیری رحمہ اللہ (متوفی 236ھ) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی روایت باسند نقل کی ہے:

''قال ابن سعد حدثنا محمد بن عمرو حدثني ابوبكر بن سبرة عن عمر بن عبدالله العنسي قال معاويه لما كان عام الحديبيه وصدوا رسول الله ﷺ عن البيت وكتبوا بينهم القضية وقع الاسلام في قلبي فذكرت لامي اياك ان تخالف اباك فاخفيت اسلامي فوالله لقد رحل رسول الله ﷺ من الحديبية واني مصدق به ودخل مكة عام عمرة القضية وانا مسلم وعلم ابو سفيان فقال لي يوما لكن اخوك خير منك وهو علٰى ديني فقلت لم ال نفسي خيرا...''②

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حدیبیہ کے سال جب کفار نے رسول اکرم ﷺ کو عمرہ کرنے سے روکا اور اس کی ادائیگی کا معاملہ ان کے درمیان آئندہ سال طے پا گیا تو اسلام میرے دل میں گھر کر گیا تھا۔ میں نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا تو انہوں نے مجھے تاکید کی کہ اپنے والد کی مخالفت سے اجتناب کرو۔ اس پر میں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ اللہ کی قسم! جب آپ ﷺ نے حدیبیہ سے کوچ فرمایا تو میں ان کی تصدیق کرنے والا تھا۔ اور جب آپ آئندہ سال عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے میں اس وقت مسلم تھا۔ میرے والد ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ایک دن مجھ سے کہا کہ تمہارا بھائی تم سے بہتر ہے جو میرے دین پر ہے تو میں نے کہا کہ میں نے اپنی ذات کے لیے بہتری

---

① طبقات ابن سعد ص 406 ج 3
② نسب قریش ص 124 تحت اولاد ابی سفیان رضی اللہ عنہ

حاصل کرنے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی۔"

ابن اثیر جزری رحمہ اللہ (متوفی 630ھ) لکھتے ہیں کہ:

"وکان معاویہ یقول انه اسلم عام القضیة وانه لقی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مسلما وکتم اسلامه من ابیه وامه۔"①

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام لائے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کی حالت میں ملاقات کی۔ اور اپنے اسلام کو والدین سے مخفی رکھا۔"

امام ذہبی رحمہ اللہ (متوفی 748ھ) لکھتے ہیں کہ:

"کان معاویة یقول اسلمت عام القضیة "②

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام قبول کیا۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی 774ھ) لکھتے ہیں کہ:

"اسلمت یوم القضیة ولکن کتمت اسلامی من ابی ثم علم فقال لی هذا اخوک یزید وهو خیر منک علی دین قومه ... قال معاویه : لقد دخل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مکة فی عمرة القضاء وانی لمصدق به۔"③

"میں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے عمرۃ القضاء کے دن اسلام قبول کیا لیکن والد سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ پھر انہیں اس کا علم ہو گیا تو مجھ سے کہا تمہارا بھائی یزید تم سے بہتر ہے جو اپنی قوم کے دین پر قائم ہے...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو میں ان کی تصدیق کرنے والا تھا۔"

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی 852ھ) لکھتے ہیں کہ:

"لقد اسلمت قبل عمرة القضیة"④

---

① اسد الغابہ ص 385 ج 4 تحت تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ
② دول الاسلام ص 28 ج 1
③ البدایہ والنہایہ ص 117 ج 8
④ الاصابہ ص 433 ج 3

''میں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے عمرۃ القضاء سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔''

ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ (متوفی 975ھ) لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے واقعہ حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کیا...... ایمان لانے کے وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمرۃ القضاء میں شریک تھے۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد رحمہ اللہ نے محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ کے مروہ کے پاس بال تراشے تھے۔ یہ روایت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ وہ عمرۃ القضاء کے موقع پر مسلمان تھے۔ کیونکہ بال تراشنے کا واقعہ عمرۃ القضاء کے موقع پر ہوا تھا۔ حجۃ الوداع میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالاجماع منیٰ میں سر منڈایا تھا۔'' (تطہیر الجنان ص 7 فی اسلام معاویہ)

امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ (م 1381ھ) لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قرشی اموی صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے''[1]

مفتی احمد یار خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ:

''صحیح یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاص صلح حدیبیہ کے دن اسلام لائے مگر مکہ والوں کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے رہے، پھر فتح مکہ کے دن اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے وہ ظہور ایمان کے لحاظ سے کہا جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ درپردہ جنگ بدر کے دن ہی ایمان لا چکے تھے مگر احتیاطاً اپنا ایمان چھپائے رہے اور فتح مکہ میں ظاہر فرمایا تو لوگوں نے انہیں فتح مکہ کے مومنوں میں شمار کر دیا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حدیبیہ میں ایمان لانے کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد رحمہ اللہ نے امام باقر رحمہ اللہ سے روایت فرمائی۔ نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو بخاری شریف نے بروایت طاؤس عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حجامت کرنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حجامت عمرۃ القضاء میں واقع ہوئی...... کیونکہ حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا۔ اور قارن مروہ

---

[1] ازالۃ الخفاء اردو ص 472 ج 1

پر حجامت نہیں کرواتے بلکہ منیٰ میں دسویں ذی الحجہ کو کراتے ہیں۔
نیز حضور ﷺ نے حج وداع میں بال نہ کٹوائے تھے بلکہ سر منڈوایا تھا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حجامت کی تھی۔ تو لامحالہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ حضور ﷺ کے سر شریف کے بال تراشنا عمرۂ قضاء میں فتح مکہ سے پہلے ہوا۔
معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ فتح مکہ کے مومنین میں سے ہیں نہ مؤلفۃ القلوب میں سے۔"①

سید مصطفی نجیب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"جہاں تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا تعلق ہے ان کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا...... رسول اللہ ﷺ کے چچا جو جنگ بدر کے قریب مسلمان ہو گئے لیکن اپنے اسلام کا اظہار فتح مکہ سے پہلے کیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ سے متصل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے لیکن اظہارِ فتح مکہ کے موقع پر کیا۔"②

ڈاکٹر احمد بن عبدالرحمن عیسیٰ رحمہ اللہ استاذ جامعہ امام محمد بن سعود لکھتے ہیں کہ:

"ویقول انه اسلم عام عمرة القضاء سنة ۷ھ وانه لقی رسول الله ﷺ بمکة مسلماً ولکن کتم اسلامه عن ابیه وامه ولیس هذا ببعید۔"③

"اور وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ انہوں نے عمرۃ القضاء کے سال ۷ھ میں اسلام قبول کیا اور انہوں نے مکہ میں آپ (ﷺ) سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا اور یہ بات کوئی بعید نہیں ہے۔"

دراصل ہمارے مورخین اور سبائیت زدہ علماء کا اس پر بس نہیں چل رہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کو کس طرح گرایا جائے۔ کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ کبھی ایمان کا قبل از فتح مکہ اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ کتمان ایمان کا الزام عائد کر دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرۃ القضاء کے موقع پر بمقام مروہ رسول اکرم ﷺ کے بال تراشے (اور

① امیر معاویہ ص 38، 40
② حماۃ الاسلام ص 163 ج 1
③ کتاب الوحی ص 3، 6

بروایت مصعب زبیری و ابن کثیر رحمہ اللہ علیہما ان کے اسلام کا ان کے والدین کو بھی علم ہو گیا) تو اخفائے ایمان کہاں باقی رہا؟

گویا ان کا ایمان بھی سانپ کے منہ میں چھچھوندر کی مثل ہو گیا ہے نہ اگلتے بنتی ہے اور نہ نگلتے بنتی ہے۔ اسی طرح سمجھدار حضرات نے یہ کہہ کر جان چھڑالی کہ وہ فتح مکہ سے قبل اسلام لائے۔

علاوہ ازیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ میں مستقل قیام بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا تھا کہ ''**لا هجرة بعد الفتح**'' فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ جبکہ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو ہجرت کی اجازت نہیں دی تھی۔

مزید برآں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم کی تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حتات بن بشر انصاری رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا۔①

شیعہ مورخین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن گرانے، انہیں ہجرت سے محروم رکھنے اور انہیں **مولفة القلوب** میں داخل کرنے کے لیے یہ کہانی بھی وضع کی کہ غزوۂ حنین کے مال غنیمت میں سے انہیں سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا کی گئی۔ غزوۂ حنین میں مال غنیمت کا حصول یہ بھی طبری اور مسعودی جیسے شیعہ مورخین کی کارستانی ہے۔ ورنہ صحیح مسلم میں حنین کے مال غنائم میں سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیئے جانے کا تو صراحتاً ذکر ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔②

اور نہ کسی دوسری حدیث ہی میں انہیں مال دینے کا ذکر ہے۔

اس کہانی کی تردید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جو صحیح مسلم اور اکثر کتب حدیث میں موجود ہے کہ:

جب فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند نے طلاق دی اور ان کی عدت گزر گئی تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم (رضی اللہ عنہما) نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوجہم تو اپنے کندھے سے اپنی لاٹھی کو علیحدہ نہیں کرتے

---

① رحمة للعالمين ص 368 ج 3 مؤلفہ قاضی سلمان منصور پوری رحمہ اللہ

② صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اعطاء المؤلفہ

یعنی سخت آدمی ہیں۔ اور معاویہ مفلس ہیں ان کے پاس مال وغیرہ کچھ نہیں۔ تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔①

ایسی صورت میں وہ مال غنیمت کہاں چلا گیا تھا؟ اور پھر جس وقت انہوں نے اسلام قبول کیا تھا انہیں کیا محتاجی تھی وہ ایک رئیس کے صاحبزادے تھے ان کی کمائی کہاں رہ گئی تھی؟ اگر وہ فتح مکہ کے بعد آ کر مدینہ آباد ہوتے تو اس وقت وہ اپنے مال ومتاع کو ساتھ لے جا سکتے تھے۔ ایسی صورت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو فی الواقع امیر ہونا چاہیے تھا۔ یہ تمام صورت حال اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ آپ فتح مکہ سے قبل جب اسلام لائے تھے تو سب کچھ مکہ چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔ اور حنین کے مال غنیمت میں سے انصار ومہاجرین کو کوئی مال عطا نہیں کیا گیا تھا۔ لہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا فقیر ہونا لازمی تھا۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''مولفۃ القلوب'' میں سے ہرگز نہیں تھے۔ بلکہ ان کا تعلق قبل فتح مکہ کے مسلمین میں سے تھا۔ اور اگر علیٰ سبیل التنزل یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت میں سے تالیف قلب کے لیے حصہ دیا گیا تھا تو پھر بھی ان کا مولفۃ القلوب سے ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بحرین کے غنائم میں سے اتنا مال عطا فرمایا تھا جسے وہ تنہا اٹھا بھی نہ سکتے تھے اس عطائے مال کی وجہ سے کوئی بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مولفۃ القلوب میں شمار نہیں کرتا۔

علاوہ ازیں تاریخ میں ''مولفۃ القلوب'' کے تحت دیگر قبائل کے افراد کے نام بھی ملتے ہیں مثلاً قبیلہ بنی اسد سے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ۔ اگر مولفۃ القلوب میں سے ہونا باعث تحقیر اور طعن وملامت ہے تو صرف بنوامیہ ہی کو مطعون ٹھہرانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ مالکی ابن العربی رحمہ اللہ نے واضح طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مولفۃ القلوب ہونے کی تردید کی ہے:

''اما معاویۃ فبعید ان یکون منهم فکیف یکون منهم؟''②

---

① صحیح مسلم کتاب الطلاق باب المطلقه ثلاثا لا نفقه لها

② احکام القرآن ص 395 ج 1 تحت مؤلفۃ القلوب

''یعنی یہ بات بعید ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''مولفۃ القلوب'' میں سے ہوں''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے بہت خوش ہوئے انہیں ''مرحبا'' کہا، انہیں کاتب وحی مقرر کیا اور انہیں اپنے مہمانوں کی خدمت پر مامور فرمایا تو ایسے مخلص اور معتمد شخص کی تالیف قلب کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

اصطلاح مولفۃ القلوب:

قرآن کریم نے مصارفِ صدقات کے تحت ''مولفۃ القلوب'' کا ذکر کیا ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ... اِلٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی... وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾①

اس سے یہ اصطلاح مشہور ہوگئی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مولفۃ القلوب جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں وغیر ذالک من الانواع۔ اکثر علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی۔''②

علمائے کرام نے اس کی چھ قسمیں بیان کی ہیں۔ دو کا تعلق کافروں سے ہے (جن سے بھلائی کی امید ہو یا جن سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو) اور چار قسمیں مسلمانوں سے متعلق ہیں۔

دشمنانِ صحابہ کا اس طعن سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ چونکہ یہ لوگ کافر تھے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دفع شر اور انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے مال عطا فرمایا کرتے تھے۔ اور سنی نما رافضی وسبائی معترضین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کو ضعیف و کمزور ثابت کرنے کے لیے اس طعن کا سہارا لیتے ہیں جبکہ یہ چیز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طرز عمل سے باطل ثابت ہوتی ہے۔

علی سبیل التنزل اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مولفۃ القلوب میں سے تھے تو پھر انہیں ''مولفۃ القلوب'' کی اس قسم میں شامل کرنا ہوگا جس کے متعلق علماء نے یہ وضاحت کی کہ ''ایسے لوگ جن کا اسلام اچھا اور پختہ ہو انہیں اس لیے مال دیا جائے تاکہ وہ عساکر المسلمین کی اعانت کریں۔''

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن لوگوں کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اکرام فرمائیں۔ ان کی تالیف قلب اور دل

① التوبہ 60 ② تفسیر عثمانی تحت الآیہ

دہی اور دل جوئی کا خیال رکھیں تو ایسے لوگوں کی اذیت قلبی اور ان پر طعن و تشنیع کسی بدترین دشمن رسول ﷺ کا ہی کام ہوسکتا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا محمد اسحاق ندوی صدیقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''مولفۃ القلوب'' کا یہ غلط مفہوم عام طور پر مشہور ہے کہ یہ وہ حضرات تھے جنہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لیے عطیات دیئے جاتے تھے۔ یہ مفہوم بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے۔ بلکہ شاید سبائی پروپیگنڈے کا اثر ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام مال کا لالچ دے کر نہیں پھیلایا گیا۔ نہ اس کا کوئی اعتبار ہے جس کی بنیاد سونے چاندی پر قائم ہو۔ اسلام میں یہ روا بھی نہیں کیا جاسکتا۔

درحقیقت یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے قبل اسلام آنحضور ﷺ اور دیگر مسلمانوں کو سخت ایذائیں پہنچائی تھیں۔ اسلام لانے کے بعد انہیں بجا طور پر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید نبی ﷺ کے قلب مبارک میں اس رنج کا شائبہ موجود ہوگا۔

سید المرسلین ﷺ ان کی طرف خصوصی توجہ فرما کر اور عطایا دے کر ان کے دل سے یہ شک مٹانا چاہتے تھے۔ محبت میں اس قسم کے شبہات کا پیدا ہونا صریحاً ناگزیر ہے خصوصاً اعزہ واقارب میں اور یہ حضرات حضور ﷺ کے اعزہ واقارب ہی تھے۔''①

مولفۃ القلوب کی اس تعریف کا اطلاق بھی حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گھر نبی کریم ﷺ کے لیے مکی دور میں بھی جائے پناہ تھا۔

اور آپ کی ایذا دہی کے متعلق ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ومعاويه لم يعرف له قبل الاسلام اذى للنبى ﷺ لا بيد ولا بلسان... ولا يعرف عنه ولا عن اخيه يزيد بن ابى سفيان انهما اذيا النبى ﷺ كما كان يؤذيه بعض المشركين۔ ''②

---

① اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت ص 161 ج 1

② منہاج السنہ ص 214، 217 ج 2

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے بھائی حضرت یزید رضی اللہ عنہ کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ثابت نہیں ہے......''

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار ''مولفۃ القلوب'' میں ہرگز نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان پر یہ الزام لغو اور باطل ہے۔

10

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہیں تھے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ کاتب وحی نہیں تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط لکھا کرتے تھے۔ صاحب مشکوٰۃ نے ان کے تذکرہ میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ:

''وقیل لم یکتب له من الوحی شیئا انما کتب له کتبة''①

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''قرآن لکھنا اور بات ہے اور قرآن پاک پر ایمان لانا اور بات ہے۔''②

پیر سید نصیر الدین گولڑوی رقم طراز ہیں کہ:

''امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما: امارت بنو امیہ کے بانی، بعض خطوط نبویہ کے کاتب تھے البتہ صحیح قول کے مطابق کاتب وحی نہ تھے۔''③

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کتابت وحی کی خدمات سرانجام دینا جہاں ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے وہیں ان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز بھی ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت کے لیے جو اسباب وجود میں آئے ان میں سے کتابت وحی ایک اہم سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ اسے فوری طور پر اپنے کاتبین سے لکھوا لیتے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی کا ایک باقاعدہ شعبہ قائم کر رکھا تھا۔ قریش کے سترہ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت ان کے گھرانے کے سات دیگر افراد بھی تھے۔ گویا کہ فن کتابت ان کا گھریلو شعبہ تھا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس فن میں ایک جدید طرز کتابت بھی پیدا کر لیا تھا۔ جسے خط دیوان کہا جاتا ہے۔④

① الاکمال فی اسماء الرجال تحت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ
② خصائل معاویہ ص 462
③ نام و نسب تحت اعلام متن کتاب کے سنین وفات ص 881، مطبوعہ گیلانی پبلشرز، دربار گولڑہ شریف
④ چند مکاتیب از مولانا عبدالقدوس ہاشمی

رسول اکرم ﷺ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتماد کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے انہیں کتابت وحی کے نازک، حساس اور اہم ترین منصب پر فائز فرمایا اور وہ ہمیشہ آپ کے اعتماد پر پورے اترے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آں محترم پر اس اعتماد کا اظہار اِن کی صلاحیت، قابلیت، دیانت اور ایمان کی عظیم شہادت ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے کتابت وحی کے لیے ایک جماعت منتخب کی جو خاص اہتمام کے ساتھ وحی کی کتابت کرتی تھی۔ مفتی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے لیکن ان میں سے زیادہ مشہور حضرات یہ ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم۔'' ①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گو دیر سے ایمان لائے تاہم وہ اپنی شبانہ روز محنت اور انتھک لگن سے ان سعادت مند حضرات میں بھی شامل ہو گئے جنہیں قرآن مجید ازبر یاد تھا۔

حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کتابت وحی پر سب سے زیادہ ذمہ داری کے ساتھ لگے رہے۔ فتح مکہ کے بعد پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کام کو لازمی درجے میں اختیار کر لیا۔ **فكانا ملازمين الكتابة بين يديه ﷺ في الوحي وغير ذلك**۔ یہ دونوں حضرات حضور ﷺ کے سامنے کتابت کے لیے ہر وقت موجود رہے خواہ وحی میں سے ہو یا اس کے علاوہ (حضور ﷺ کی کوئی بات) اس کے سوا ان کا کوئی اور کام نہ تھا۔'' ②

علامہ محمد خضری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ان کاتبین وحی میں جو لوگ زیادہ مشہور ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں: زید بن ثابت، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، یہ دونوں بزرگ ہمیشہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں وحی وغیرہ کی کتابت کیا کرتے تھے۔ اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا۔'' ③

①علوم القرآن ص 179
②جوامع السیرۃ ص 27
③تاریخ التشریع الاسلامی مترجم ص 10

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی کتاب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف ہی ان الفاظ سے کراتے ہیں:

''وهو معاويه بن ابی سفيان صخر بن حرب بن اميه بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصي القرشي الاموی ابو عبدالرحمن خال المومنين و كاتب وحي رسول رب العالمين ... وصحب معاوية رسول الله ﷺ وكتب الوحي بين يديه مع الكتاب ''①

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مومنوں کے ماموں اور اللہ تعالیٰ کی وحی کے کاتب ہیں۔ انہیں آنحضرت ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی اور دیگر کاتبین کے ساتھ آپ کے سامنے وحی کی کتابت کرتے رہے۔''

ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''كان زيد بن ثابت يكتب الوحي وكان معاوية يكتب للنبي ﷺ فيما بينه وبين العرب ای من وحي وغيره فهو امين رسول الله ﷺ علی وحی ربه۔ ''②

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صرف وحی لکھا کرتے تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وحی کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ اور اہل عرب کے درمیان خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اللہ کے رسول اور ان کے رب کی وحی کے امین ہیں''۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایمان واخلاص میں بڑھے ہوئے تھے۔ دعوتِ محمدیہ سے وابستگی اور اس کی طرف سے مدافعت میں بہتوں سے آگے تھے۔ رسول کریم ﷺ کا ان پر بڑا اعتماد تھا۔ آپ نے انہیں بلا کر کتابت وحی کی خدمت سپرد کی۔''③

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''صدر اسلام میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم ممتاز کاتب گزرے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ بزرگ قرآن اور

---

① البدایہ والنہایہ ص 117 ج8
② تطہیر الجنان ص 10
③ اعلام الاسلام ص 365

ان خطوط کی کتابت پر مامور تھے جو آپ ملوک اور امراء کے نام لکھواتے تھے۔''①

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔ امام مفتی حرمین احمد بن عبداللہ بن طبری نے خلاصۃ السیر میں ذکر کیا ہے کہ آپ کے تیرہ کاتب تھے۔ خلفائے اربعہ...... اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم۔

''وکان معاویہ وزید الزمهم لذلک واخصهم به ۔''''ان میں سے حضرت معاویہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو اس بارے میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی اور یہ دونوں اس کے زیادہ پابند تھے۔''

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ان کا کاتب وحی ہونا ثابت نہیں تو یہ امام احمد بن محمد قسطلانی رحمہ اللہ کے اس قول جو انہوں نے اپنی کتاب شرح صحیح بخاری میں بیان کیا ہے سے مردود ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

''معاویہ بن ابی سفیان کاتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔''②

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی ہیں۔''

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ان ہی کاتبان بارگاہ رسالت میں سے ایک حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہیں''۔③

حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمہ اللہ نے زیر عنوان

''اسامی نویسندگان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔''

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام ان کے کاتبوں میں لکھا ہے۔''④

علامہ سید محمود احمد رضوی بحوالہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

''ایمان لانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے، ہمہ وقت

---

①النظم الاسلامیہ مترجم ص162

②الناھیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ ص16 مطبوعہ استنبول ترکی

③مدارج النبوۃ مترجم ص930 ج2

④ تحقیق الحق ص222

پاس رہتے اور وحی الٰہی کی کتابت کرتے۔ حضور رسول اکرم ﷺ کا ان کے دل میں جو احترام تھا وہ حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہا۔'' ①

ڈاکٹر احمد عبد الرحمن عیسیٰ رحمہ اللہ استاذ جامعہ امام محمد بن سعود نے ''کتاب الوحی'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب تحریر کی ہے جو دار اللواء ریاض سعودی عرب سے شائع ہوئی۔ اس میں فاضل مولف نے کاتبین وحی کے دو گروہ ذکر کیے ہیں۔

وہ الفریق الاول کے تحت لکھتے ہیں:

''وهم كتاب التنزيل وغيرهم وهم ستة... معاوية بن ابی سفيان يكتب فی التنزيل الحكيم وفيما بين النبی ﷺ وبين العرب ... وكان هو (معاوية وزيد بن ثابت) ملازمين الكتابة بين يدی رسول الله ﷺ فی الوحی وغيره لا عمل لهما غير ذلک'' ②

''حضرت معاویہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے سامنے ہمیشہ پابندی کے ساتھ وحی وغیرہ کی کتابت کیا کرتے تھے۔ اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا۔''

بعض متعصب حضرات ایک قول کا سہارا لے کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہ تھے۔ بلکہ وہ آپ کے مکاتیب وفرامین لکھا کرتے تھے۔ اوّل تو اس قول کی مندرجہ بالا اقوال کی روشنی میں کوئی حیثیت نہیں۔ اور اگر علیٰ سبیل التنزل یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صرف آپ کے خطوط لکھا کرتے تھے تو کیا آپ کے مکاتیب مقدسہ کی کتابت کرنا اور وہ بھی آپ کے حکم کی تعمیل میں، کوئی معمولی شرف وسعادت ہے؟ کیا آپ کے اقوال وارشادات وحی خفی نہیں ہیں؟

صاحب مشکوٰۃ نے اکمال فی اسماء الرجال میں لکھا ہے کہ:

''وهو احد الذين كتبوا لرسول الله ﷺ وقيل لم يكتب له من الوحی شيئا انما كتب له كتبة۔'' ③

''اور وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ

---

① شان صحابہ ص 22
② کتاب الوحی ص 66
③ مشکوٰۃ ص 617

کے لیے کتابت وحی کے فرائض انجام دیئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے وحی سے کچھ بھی نہیں لکھا اور وہ صرف آپ کے خطوط لکھا کرتے تھے۔''

اس عبارت میں صاحب مشکوٰۃ نے اپنی تحقیق تو یہ پیش کی ہے کہ وہ کاتبین وحی میں سے تھے۔ اور اس کے مخالف قول کو انہوں نے ''قیل'' سے شروع کیا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس ''قیل'' کے قائل سبائی ہیں یا سبائیت زدہ۔

اس تفصیل سے واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی ہیں۔ جب انہیں یہ شرف حاصل ہو گیا تو ان کا مومن اور امین ہونا بھی خود بخود ثابت ہو گیا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے یہ بعید ہے کہ وہ یہ اہم ترین اور خالص دینی ذمہ داری کسی غیر مومن اور بد دیانت شخص کے سپرد کرتے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ان النبی ﷺ استکتبه وهو لا يستكتب الا عدلا امينا''①

''نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی بنایا تھا اور آپ ﷺ اسی کو کاتب بناتے تھے جو ذی عدالت اور امانت دار ہوتا۔''

کتابت وحی وہ شرف اور فضیلت ہے جس کے متعلق ارشادِ باری ہے:

﴿فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ﴾②

''قرآن مجید ان صفحات میں لکھا ہوا ہے جن کی تعظیم کی جاتی ہے۔ بلند (مقام پر) رکھا جاتا ہے اور جو پاک ہے اور ان کاتبوں کے ہاتھوں میں ہے جو ذی مرتبہ اور پاک باز ہیں۔ مارا جائے انسان کیسا ناشکرا ہے؟۔''

شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قرآن تو وہ ہے جس کی آیتیں آسمان کے اوپر نہایت معزز بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں اور زمین پر مخلص ایمان دار بھی اس کے اوراق نہایت عزت

---

① ازالۃ الخفاء ص573 ج1
② عبس 13-17

واحترام اور تقدیس وتطہیر کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں......یعنی وہاں اس کو فرشتے لکھتے ہیں اسی کے موافق وحی اترتی ہے اور یہاں بھی اوراق لکھنے اور جمع کرنے والے دنیا کے بزرگ ترین، پاکباز، نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں۔ جنہوں نے ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف وتبدل سے اس کو پاک رکھا ہے......یعنی قرآن جیسی نعمت عظمیٰ اور کاتبین کی کچھ قدر نہ کی اور اللہ تعالیٰ کا حق کچھ نہ پہچانا۔''①

اہل تشیع نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب وحی ہونا تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:②

بہرحال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب وحی ہونا مفسرین، محدثین، مورخین، اہل سنت اور اہل تشیع کے نزدیک ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا ایک بددیانت، فاسق، باغی، طاغی، غیر مومن، منافق، مشرک اور کافر کو ایسے اہم ترین، نازک ترین اور انتہائی حساس منصب پر فائز کیا جاسکتا ہے؟

اہل تشیع کے نزدیک مشرکین نجس العین ہوتے ہیں جیسے کتا اور خنزیر وغیرہ اور قرآن مجید میں بھی مشرکین کو نجس قرار دیا گیا ہے ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾③ اسی طرح یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ ﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؁﴾④ قرآن پاک کو صرف پاک افراد ہی ہاتھ لگائیں۔ ظاہر ہے کہ ظاہری نجاست وضو، غسل، اور دھونے سے زائل ہوجاتی ہے جبکہ باطنی نجاست کفر اور شرک پانی سے زائل نہیں ہوسکتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے مشرک اور کافر کو مسجد حرام کے قریب آنے سے منع فرمایا اور بغیر طہارت ظاہری وباطنی قرآن کو چھونے سے بھی منع فرمایا تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے شخص سے جو ظالم، باغی، فاسق، فاجر، منافق، مشرک، کافر غرض ظاہری ہی نہیں باطنی نجاست سے بھی آلودہ ہو، اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے قرآن مجید لکھوا سکتے ہیں؟

غیر مومن، بددیانت اور خائن ہرگز کاتب وحی نہیں ہوسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس منصب جلیل پر فائز کرنا ان کے کامل الایمان، اعلیٰ درجے کے امین، انتہائی قابل اعتماد صحابی ورفیق اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

---

① تفسیر عثمانی ص 788

② احتجاج طبرسی ص 92، معانی الاخبار ص 346، تنقیح المقال ص 222، ابن ابی الحدید ص 238 ج 1

③ التوبہ 28 ④ الواقعہ 79

11

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کا بد دعا دینا

دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ:

ایک دفعہ پیغمبر اکرم ﷺ نے کچھ لکھوانے کے لیے معاویہ کو طلب کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے معاویہ کو اطلاع دی۔ اور معاویہ نے کہا کہ آتا ہوں کھانا کھالوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے واپس دربارِ نبوی ﷺ میں اطلاع دی۔ کچھ وقفہ کے بعد پھر بلانے گئے۔ پھر وہی جواب ملا، تیسری بار گئے تب بھی یہی جواب تھا تو حضور ﷺ نے بد دعا دی ''لا اشبع اللہ بطنہ ''
''اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔''①

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے:

''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: کنت العب مع الصبیان فجاء رسول اللہ ﷺ فتواریت خلف باب قال: فجاء فحطانی حطأۃ وقال: اذھب ادع لی معاویۃ قال: فجئت فقلت: ھو یأکل قال: ثم قال لی: اذھب فادع لی معاویہ قال: فجئت فقلت: ھو یاکل فقال: لا اشبع اللہ بطنہ۔''②

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ میں ایک دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے مجھے تھپکا اور فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ۔ میں گیا پھر لوٹ کر آیا اور میں نے کہا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا جاؤ اور معاویہ کو بلا لاؤ۔ میں پھر لوٹ کر آیا اور کہا وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے''۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی روایت سے اس واقعہ کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

---

① سیاست معاویہ ص 110
② صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والادب، کتاب من لعنہ النبیؐ ﷺ ولیس ھو اھلا لھافھی لہ زکوۃ واجر

''قال اذهب فادع لي معاوية وكان كاتبه قال فسعيت فقلت اجب نبي الله ﷺ فانه على حاجة۔''①

''(نبی اکرم ﷺ نے ابن عباس ؓ سے) فرمایا: کہ جاؤ معاویہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ اور وہ ان کے کاتب تھے۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں میں جلدی گیا اور ان سے کہا اللہ کے نبی ﷺ کسی کام کے لیے آپ کو بلا رہے ہیں آپ ان کے پاس جائیں۔''

صحیح مسلم میں ''کتاب البر والصلة والادب'' (نیکی، سلوک اور ادب کے مسائل) کے تحت یہ باب قائم کیا گیا ہے:

''من لعنه النبی ﷺ ولیس هو اهلا لها فهی له زكوة واجر۔'' ''جس پر نبی اکرم ﷺ نے لعنت کی اور وہ لعنت کا مستحق نہ تھا تو اس کے لیے یہ چیز باعث رحمت اور اجر ہوگی۔''

صحیح مسلم میں اس مقام پر حسب ذیل روایات آئی ہیں:

(1) حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ دو شخص رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ سے کیا باتیں کیں۔ آپ کو غصہ آیا۔ آپ نے ان دونوں پر لعنت کی اور ان کو برا بھلا کہا۔ جب وہ باہر نکلے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان دونوں کو کچھ فائدہ نہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا اس وجہ سے کہ آپ نے ان پر لعنت کی اور ان کو برا بھلا کہا آپ نے فرمایا: کہ تجھے معلوم نہیں میں نے اپنے رب سے یہ شرط کر رکھی ہے کہ اے اللہ! میں ایک بشر ہوں تو جس مسلمان پر میں لعنت کروں یا اس کو برا کہوں تو اس کو پاک کر اور ثواب دے۔

(2) حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں ایک آدمی ہوں تو جس مسلمان کو میں برا کہوں یا لعنت کروں یا ماروں تو اس کو پاک کر دے اور اس پر رحمت کر۔

(3) حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ ام سلیم ؓ کے پاس ایک یتیم لڑکی تھی۔ آپ ﷺ نے اس لڑکی کو دیکھ کر فرمایا اللہ کرے تیری عمر بڑی نہ ہو۔ وہ لڑکی یہ سن

---

① مسند امام احمد ص 291 ج 1 تحت مسندات ابن عباس ؓ

کر ام سلیم ؓ کے پاس روتی ہوئی گئی ...... تو ام سلیم ؓ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ نے میری یتیم لڑکی کو بددعا دی۔ آپ نے پوچھا: کیا بددعا؟ ام سلیم ؓ بولیں وہ کہتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی عمر دراز نہ ہو۔ یہ سن کر آپ ﷺ ہنسے اور فرمایا: ''اے ام سلیم! تو نہیں جانتی میں نے شرط کی ہے اپنے رب سے کہ میں ایک آدمی ہوں خوش ہوتا ہوں جیسے آدمی خوش ہوتا ہے اور غصہ ہوتا ہوں جیسے آدمی غصہ ہوتا ہے تو جس کسی پر میں ایسی بددعا کروں جس کے وہ لائق نہیں تو اس کے لیے اسے سبب پاکی اور طہارت بنا اور قیامت کے دن اپنی قربت کا باعث بنا۔''

اس کے بعد امام مسلم ؒ حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں ''لا اشبع الله بطنه '' کی روایت لائے ہیں۔ جس کے متعلق امام نووی ؒ لکھتے ہیں کہ:

''امام مسلم ؒ نے اس حدیث سے یہ سمجھا کہ حضرت معاویہ ؓ اس بددعا کے مستحق نہ تھے۔ اس لیے انہوں نے اسے اس باب میں نقل کیا۔ لیکن ان کے علاوہ دیگر محدثین نے اسے حضرت معاویہ ؓ کے مناقب میں شمار کیا۔ کیونکہ حقیقت میں یہ بددعا ان کے حق میں دعائے خیر ہو گئی۔''①

ملا علی قاری ؒ لکھتے ہیں کہ:

''یہ ایسی بددعا ہے جس کا وقوع مراد نہیں ہوتا۔ عربوں کی عادت ہے وہ ایسی بات ازراہِ تلطف کہتے ہیں اس ارادہ سے نہیں کہ اس کا مدلول اصلی واقع ہو، نہ ایسا واقع ہونا ان کی تمنا ہوتی ہے۔''②

امام ابن اثیر جزری ؒ لکھتے ہیں کہ:

''امام مسلم ؒ نے اس حدیث کو حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں ذکر کیا اور اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ کا یہ قول بھی نقل کیا کہ ''میں نے رب پر یہ شرط کر رکھی ہے کہ میں بھی ایک بشر ہوں میں خوش ہوتا ہوں جیسے آدمی خوش ہوتا ہے اور غصہ ہوتا ہوں جیسے آدمی غصہ

---

① شرح مسلم، نووی ص 325 ج 2

② مرقاۃ ص 372 ج 5

ہوتا ہے تو جس کسی پر میں ایسی بددعا کروں جس کے وہ لائق نہیں تو اس کے لیے اسے سبب پاکی اور طہارت بنا اور قیامت کے دن اپنی قربت کا باعث بنا۔''①

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کی یہی تشریح کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ:

''امام مسلم رحمہ اللہ نے حدیث اول کے ساتھ دوسری حدیث اس لیے ذکر کی تا کہ اس کو فضیلت معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھا جائے۔''②

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بالکل ہی کوئی نقص و اعتراض واقع نہیں ہوتا کیونکہ

اوّلاً: اس میں کہیں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی ہو کہ آپ کو نبی ﷺ بلا رہے ہیں تو انہوں نے کھانا ترک نہ کیا ہو جبکہ اس میں یہ احتمال ضرور موجود ہے کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا اور پیغام پہنچائے بغیر از روئے حیا واپس آ کر آپ ﷺ کو اطلاع کر دی ہو اور اسی طرح دوسری مرتبہ بھی ہوا ہو۔

ثانیاً: اگر بالفرض ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں نبی ﷺ کا پیغام پہنچایا بھی ہو تو اس بات کا بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اس حکم میں گنجائش سمجھی ہو کہ یہ حکم فوری حاضری کا متقاضی نہیں ہے۔ (اصولیین اور فقہاء نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے) اور وہ اس وقت معذور ہوں۔

ثالثاً: اس بددعا میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ الفاظ نبی ﷺ کی زبان مبارک پر بلا قصد جاری ہو گئے ہوں۔

رابعاً: امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں خود صراحت کر دی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس دعا کے مستحق نہیں ہیں اور اسی لیے انہوں نے اس حدیث کو اس مقام کے تحت ذکر کیا ہے کہ جسے نبی اکرم ﷺ نے برا کہا ہو یا اس پر بددعا کی ہو اور وہ اس کا اہل نہ ہو تو اس کے لیے یہ چیز باعث اجر اور رحمت ہو گی۔''③

صحیح مسلم کی روایت میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت

---

① اسد الغابہ ص 386 ج 4
② البدایہ والنہایہ ص 120 ج 8
③ تطہیر الجنان ص 28، 29، الفصل الثالث مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان

معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع کی ہو اور وہ نہ آئے ہوں۔ جبکہ مسند احمد کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں اطلاع دی لیکن اصل واقعہ میں بار بار بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں۔ اور نہ اس روایت میں آپ کے اس جملے ''لا اشبع اللہ بطنہ'' کا کوئی ذکر ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قابل اعتراض جملہ کسی راوی نے اپنی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر شامل کر دیا ہے۔

اب اس ذات شریف کو تلاش کیجیے تو اصل عقدہ کھل جائے گا لیجیے وہ بزرگ ''عمران بن ابی عطاء اسدی واسطی قصاب ابوحمزہ'' ہیں جن پر ائمہ رجال نے نقد اور جرح کی ہے۔

ابوزرعہ اسے کمزور اور ضعیف کہتے ہیں۔ عقیلی کے نزدیک اس کی حدیث پر متابعت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس نے جو روایت نقل کی ہے اس کا کوئی متابع نہیں ملتا اور یہ روایت اس کے سوا کسی دوسرے راوی سے نہیں ملتی۔ ①

امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''**ولیس لہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ غیر ھذا الحدیث ھذا القصاب فلہ فی مسلم ھذا الحدیث وحدہ ولا ذکر لہ فی البخاری ۔**''②

''یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قول کو نقل کرنے والے ابوحمزہ قصاب متفرد، ضعیف اور کمزور ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کے سوا اس کی کوئی اور حدیث نقل نہیں کی اور نہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ذکر کیا ہے''۔ تو ایسے راوی کے قول کا کیا اعتبار؟

اگر ''لا اشبع اللہ بطنہ'' کا جملہ فی الواقع بددعا ہوتا اور نبی ﷺ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوتے تو اس کا کبھی تو اظہار فرماتے۔ بلکہ نبی ﷺ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک اور طرز عمل سے اس بات کی نفی ثابت ہو رہی ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس بددعا اور نبی ﷺ کی ناراضی کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو علم ہی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور کسی موقع پر اس بددعا کا ذکر کرتے۔

جہاں تک زیر بحث حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے (بشرطیکہ ابوحمزہ قصاب کی کارستانی نہ ہو) خود انہوں نے بھی کبھی اس جملے کو بددعا نہیں سمجھا کیونکہ وہ باوجود ہاشمی ہونے

---

① میزان الاعتدال۔ ذہبی ص 239 ج 3 کتاب الضعفاء الکبیر، عقیلی ص 299 ج 3 تحت عمران بن ابی عطاء
② شرح مسلم، نووی ص 325 ج 2 تحت باب من لعنہ النبی ﷺ

کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم وفضل اور اوصاف حمیدہ کے معترف رہے۔

ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے غلام نے شکایتاً کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں تو فرمایا:

''دعه فانه قد صحب رسول الله ﷺ قال اصاب انه فقيه ''①

''ان کی بات کو رہنے دیجیے کیونکہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف اٹھایا ہے انہوں نے درست عمل کیا ہے اس لیے کہ وہ دینی مسائل میں فقیہ ہیں۔''

اور ایک دوسری روایت میں فرمایا:

''اصاب ای بنی ليس احدمنا اعلم من معاوية''②

''اے بیٹے! انہوں نے درست کام کیا ہے ہم میں معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامی صلاحیت کے بارے میں فرمایا:

''مارأيت احدا كان اخلق للملك من معاوية (رضی اللہ عنہ)''③

''کہ میں نے حکمرانی کے لائق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی آدمی نہیں دیکھا''

اگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بددعا کا حامل سمجھتے تو پھر صرف ابوحمزہ قصاب جیسا ضعیف اور ناقابل اعتبار شخص ہی اس کا راوی نہ ہوتا بلکہ بہت سے قوی، ثقہ اور صدوق حضرات اسے روایت کرتے۔

اگر بالفرض زیر بحث روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بار بار طلب کیا جانا صحیح ہے تو یہ بھی ان کی منقبت کی دلیل ہے کیونکہ جب دو تین مرتبہ طلب کیے جانے کے بعد بھی حاضر نہ ہو سکے تو نبی ﷺ نے یہ کام کسی دوسرے کاتب سے کیوں نہ لے لیا۔ آپ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو بار بار طلب کرنا آں محترم کی حسن کارگزاری کی دلیل ہے کہ آپ ان کے کام سے انتہائی مطمئن تھے۔

①صحیح بخاری باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ
②السنن الكبرىٰ، بیهقی ص 26 ج3 باب الوتر
③البدایہ والنہایہ ص 135 ج8

اگر بالفرض ''لا اشبع اللہ بطنہ'' کا کلمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے جاری ہوا ہے تو بھی اس کے حقیقی معنی مراد نہیں لیے جا سکتے۔ کیونکہ عربوں کا اسلوب ہے کہ جب وہ خلاف توقع کوئی عمل دیکھیں تو بات کا رخ موڑنے کے لیے کوئی ایک آدھ سخت جملہ استعمال کر دیا کرتے ہیں۔ اور اس سے اس کا مدلول اصلی مراد نہیں ہوتا اور نہ اس کی تمنا کی جاتی ہے بلکہ اس قسم کے الفاظ پیار و محبت کے موقع پر بھی بولے جاتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:

''انا لمؤاخذون بما نتکلم به'' جو کچھ ہم بولتے ہیں کیا ہم اس پر پکڑے جائیں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ثکلتک امک یامعاذ۔''[1]

''تجھے تیری ماں روئے (یا گم کر دے) اے معاذ!''

ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمنا ہرگز نہیں تھی کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ ان پر روئے۔ اس قسم کی بات میں اس کے واقع ہونے کی آرزو نہیں ہوتی۔

ام سلیم رضی اللہ عنہا کی یتیم لڑکی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اللہ کرے تیری عمر بڑی نہ ہو۔[2]

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

جو آدمی کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ جنتی ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اگرچہ وہ زانی اور چور ہو؟ اس کے جواب میں تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگرچہ وہ زانی اور چور ہو''

اور پھر فرمایا: ''علی رغم انف ابی ذر (رضی اللہ عنہ)۔'' ''ابوذر (رضی اللہ عنہ) کی ناک خاک آلود ہو۔''

یہ ان کے لیے بددعا نہ تھی بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ از راہ شفقت و پیار فرمایا۔ اسی لیے ابوذر رضی اللہ عنہ جب بھی یہ روایت بیان کرتے، ساتھ ہی ''علی رغم انف ابی ذر (رضی اللہ عنہ)'' کے الفاظ بھی دہراتے۔

کسی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قاتله الله۔'' ''اللہ اسے غارت کرے''۔ کسی کے لیے فرمایا:

---

(1) مشکوۃ ص 14

(2) صحیح مسلم باب من لعنه النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیس هو اهلا لها فهی له زکوۃ واجر

''تربت یمینک، تربت یداک۔'' ''تیرے ہاتھ سوکھ جائیں اور بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے لیے فرمایا: ''عقرٰی، حلقٰی۔''

غرضیکہ ''قاتلہ اللہ، تربت یداک، تربت یمینک، عقریٰ، حلقیٰ ثکلتک'' وغیرہ الفاظ میں ان کا لغوی معنی مراد نہیں لیا جاتا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تورات کے اوراق پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان سے فرمایا:

''ثکلتک الثواکل۔'' ''تجھے رونے والیاں روئیں''۔ (لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ منع فرمایا نہ برا جانا)①

مذکورہ تمام الفاظ وکلمات سے بددعا مراد نہیں بلکہ پیار وشفقت کا اظہار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے الفاظ غیر ارادی کلمات کے زمرہ میں آتے ہیں اور یہ عربوں کا اسلوبِ بلاغت ہے کہ وہ ایسے مواقع پر ایسی بات کہہ جاتے ہیں۔

روٹی کھانا یا آہستہ آہستہ کھانا شرعاً بھی ممنوع نہیں تو ایک جائز فعل پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بددعا کیسے دے سکتے ہیں؟ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اسے بھی عرب اسلوب پر محمول کرنا چاہیے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا نہ فرماتے:

''کان معاویۃ ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا معاویۃ ما یلینی منک قال بطنی قال اللھم املأہ علما وحلما۔''②

''ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے تو آپ نے فرمایا: اے معاویہ! آپ کے جسم کا کون سا حصہ میرے نزدیک ہے۔ انہوں نے کہا: میرا پیٹ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اسے علم اور حلم سے بھر دے''۔

اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ کے لیے ''علم وحلم'' کی دعائے خیر کی گئی ہے۔ یہ زیر بحث روایت کے بالمقابل ہے کیونکہ اسی ''پیٹ'' کو اس روایت میں بددعا دی جا رہی ہے۔ اور اس

① مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ
② التاریخ الکبیر، امام بخاری ص 18 ج4

روایت میں اس کے لیے علم وحلم سے بھرنے کی دعا کی گئی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ جیسے اخلاقِ مجسم جب گالیاں دینے والوں، پتھر مارنے والوں اور غلاظت پھینکنے والوں کو بھی بددعا نہیں دیتے تو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بغیر کسی غلطی اور قصور کے کیوں کر بددعا دے سکتے ہیں؟

اہل تشیع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اکرم ﷺ کی اس دعا کہ ''اے اللہ ان کا پیٹ علم وحلم سے بھر دے'' پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ روایت غلط ہے کیونکہ علم کا مقام پیٹ نہیں بلکہ دل ودماغ ہیں تو حضور ﷺ یہ دعا کیسے کر سکتے ہیں؟

اس دعائے نبوی ﷺ میں ''بطن'' کا لفظ بطور محاورہ استعمال ہوا ہے۔ مراد یہی ہے کہ انہیں علم وحلم سے وافر حصہ عطا کر۔ دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوا اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ انہیں اس دعا کے مطابق یہ دونوں چیزیں (یعنی علم وحلم) کتنی وافر مقدار میں عطا کی گئیں۔ آں محترم کا چالیس برس تک امارت وخلافت پر فائز رہنا ہی اس کی بیّن دلیل ہے۔

علاوہ ازیں ...... اہل تشیع کے نزدیک یہی دعا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی فرمائی گئی۔ تو جو اعتراض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا جاتا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیوں نہیں ہوسکتا؟ رسول اکرم ﷺ نے جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرنے کا ارادہ فرمایا تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے شکایت کی کہ ''علی کا پیٹ بڑا ہے۔'' اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''اما علمت انه قد ملئی علما۔''[1]

''کیا تو نہیں جانتی کہ وہ علم سے بھرا ہوا ہے۔''

مجلسی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیٹ علم سے بھرا ہوا تھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ علم سے کیوں نہیں بھر سکتا؟

اس روایت پر درایتاً بھی یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق ''صعلوک'' یعنی مفلس تھے۔[2]

---

① بحار الانوار ص 32 ج 1۔ از ترجمان سبائیت ملا باقر مجلسی

② صحیح مسلم

ان کے پاس اتنا کھانا ہوتا ہی نہیں تھا جس پر اس قدر وقت لگتا۔ نیز اہل عرب تو لکھنؤ اور دہلی والوں کی طرح تناول کرنے میں ابھی تک تکلفات کے عادی نہیں۔

صحیح بخاری کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ:

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات میں اذان دیتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کھاؤ پیو جب تک ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) اذان نہ دیں'' پس بے شک وہ اس وقت اذان نہیں دیتے جب تک فجر نہ طلوع ہو جائے۔''

قاسم بن محمد (راوی) نے کہا:

''ولم یکن بین اذانهما الا ان یرقٰی ذا وینزل ذا۔''

''ان دونوں اذانوں کے درمیان بس اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ یہ چڑھے اور وہ اترے۔''

جب اتنے کم وقت (کہ ''یہ چڑھے اور وہ اترے'') میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سحری تناول فرما لیا کرتے تھے تو کیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بار بار آنے جانے کے دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کھانے سے فارغ نہیں ہو سکتے تھے؟

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ ''لا اشبع الله بطنه'' کا جملہ کسی راوی کا اضافہ ہے۔ اور اگر بشرط صحت روایت نبی ﷺ نے ارشاد بھی فرمایا ہو تو بھی یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بددعا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بطورِ اظہارِ تلخی محبوب اور بتقاضائے بشریت ہے جو آپ ﷺ ہی کی مبارک دعا سے طہارت و پاکیزگی اور رحمت و مغفرت میں تبدیل ہو گیا۔

12

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں

مشہور دشمن معاویہ رضی اللہ عنہ مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''نواصب نے معاویہ کو ایک جلیل القدر اور صاحب فضیلت صحابی ثابت کرنے کے لیے حدیثیں وضع کیں اور اس مقصد سے دفاتر کے دفاتر بھر دیئے ...... بنوامیہ کا جابرانہ دورِ حکومت تقریباً نوے سال رہا۔ تو اس کا اثر کافی لوگوں میں سرایت کر گیا اور معاویہ کو بدقسمتی سے ایک جلیل القدر صحابی تسلیم کر لیا گیا۔ جو اس امت کا بہت بڑا المیہ ہے۔ مگر جاننا چاہیے کہ ہر زمانہ میں بعض حق پرست لوگ بھی موجود رہے ہیں۔ چنانچہ محدثین کا اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔''

پیر سید نصیر الدین گولڑوی لکھتے ہیں کہ:

''چونکہ خارجی فضائل اہل بیت کی احادیث موضوع اور ضعیف قرار دیتے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ جن احادیث کو وہ صحت کا اعلیٰ معیار سمجھتے ہیں ان احادیث کے متعلق محدثین کی رائے بھی پیش کر دی جائے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''عن اسحق بن راھویہ انه قال لم یصح فی فضائل معاویة شیء ... وقد ورد فی فضائل معاویة احادیث کثیرة لکن لیس فیھا ما یصح من طرق الاسناد وبذلک جزم اسحق بن راھویہ والنسائی وغیرھما ۔''①

''اسحاق بن راہویہ سے مروی ہے انہوں نے کہا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے فضائل کی روایت میں کوئی روایت صحیح نہیں ہے......اور فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ میں بہت سی احادیث مروی

① نام ونسب ص 514، 515 مطبوعہ گیلانی پبلشرز، درگاہ گولڑہ شریف

ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت ایسی نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو اور اسحاق بن راہویہ (استاد امام بخاری)، نسائی وغیرہما نے بھی اسی بات کو پختہ ثابت کیا ہے۔''

مہر حسین بخاری اور دیگر معترضین کے الفاظ میں کذب، تضاد اور سخت فریب پایا جاتا ہے۔ ''بعض حق پرست'' اور ''محدثین کا اتفاق'' اسے کیا کہیے؟

اسحاق بن راہویہ اور امام نسائی کے علاوہ بقول لعل شاہ بخاری (واہ کینٹ) عجلونی، شوکانی، ابن جوزی، ملا علی قاری جبکہ علامہ عبدالعزیز فرہاروی کی تصریح کے مطابق شرح سفر السعادۃ میں مجد الدین شیرازی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی یہ لکھا ہے کہ:

''لم یصح فی فضائله حدیث۔'' ''''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔''[1]

ممکن ہے کہ ان بزرگوں کو صحیح روایات نہ ملی ہوں۔ کسی محدث کے حدیث سے بے خبر رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث موجود نہیں ہے۔ پھر یہ قول ''لم یصح فی فضائله حدیث'' نہ آیت ہے نہ حدیث، نہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا ارشاد ہے، اور نہ جمہور محدثین کا۔ جو خود ہی ثابت نہیں تو دوسرے کے لیے کیا مثبت ہو سکتا ہے؟ پھر امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور دیگر اکابر امت رحمہم اللہ کے مقابلے میں ان کی حیثیت ہی کیا ہے؟

فضائل کے باب میں عند المحدثین کسی حدیث کا کمزور یا ضعیف ہونا عیب نہیں سمجھا جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باب فضائل میں سے کتنی ہی احادیث کو خارج کرنا پڑتا اور موضوع احادیث کا تو ذکر ہی کیا ہے؟

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''فان ارید بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود لما مر بین المحدثین فلا ضیر فان فسحتها ضیقة وعامة الاحکام والفضائل انما تثبت بالاحادیث الحسان لعزة الصحاح ولا ینحط ما فی المسند والسنن عن درجة الحسن وقد تقرر فی فن الحدیث جواز العمل بالحدیث الضعیف فی الفضائل فضلا

---

[1] الناهیه ص 34

عن الحسن وقد رایت فی بعض الکتب المعتبرۃ من کلام الامام مجد الدین ابن الاثیر صاحب میزان الجامع حدیث مسند احمد فی فضیلۃ معاویۃ صحیح الا انی لا استحضر الکتاب فی الوقت۔

ولم ینصف الشیخ عبدالحق الدھلوی فی شرح سفر السعادۃ فانہ اقر کلام المصنف ولم یتعقبہ کتعقبہ علی سائر تعصباتہ۔ ''①

''پس اگر عدم صحت سے مراد عدم ثبوت ہے تو یہ قول مردود ہے اور اگر صحت سے صحت مصطلحہ عند المحدثین مراد ہے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس کا دائرہ تنگ ہے اور احادیث صحیحہ کی قلت کی وجہ سے بیشتر احکام وفضائل احادیث حسان ہی سے ثابت ہوتے ہیں اور مسند احمد اور سنن کی حدیث درجہ حسن سے کم تر نہیں اور فن حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر بھی عمل جائز ہے۔ حدیث حسن کی تو بات ہی اور ہے اور میں نے کسی معتبر کتاب میں امام مجد الدین بن اثیر رحمہ اللہ صاحب میزان الجامع کا قول دیکھا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مسند احمد کی حدیث صحیح ہے مگر وہ کتاب اس وقت ذہن میں نہیں رہی۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے شرح سفر السعادۃ میں انصاف نہیں کیا کیونکہ انہوں نے مصنف کے اس فقرے پر تعاقب نہیں کیا جیسا کہ اس کے دوسرے تعصّبات پر تعاقب کیا ہے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

(1) **''عن عبد الرحمن بن ابی عمیرۃ عن النبی ﷺ انہ قال لمعاویۃ اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھد بہ۔ ''②**

''عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! انہیں ہادی اور مہدی بنا اور ان کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت کر''۔

① الناھیہ ص 34
② جامع ترمذی کتاب المناقب باب مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ

(2) ''عن عمیر بن سعد قال لا تذکروا معاویۃ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اللھم اھدہ۔''①

''عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر وخوبی کے ساتھ ہی کیا کرو۔ کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ان کے حق میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! انہیں ہدایت فرما۔''

(3) ''اللھم علم معاویۃ الکتاب والحساب وقہ العذاب۔''②

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب وحساب کا علم عطا کر اور انہیں عذاب سے محفوظ فرما۔''

(4) ''کان معاویۃ ردف النبی ﷺ فقال یا معاویۃ ما یلینی منک قال بطنی قال اللھم املأہ علما وحلما۔''③

''ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے معاویہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر ہے۔ تو انہوں نے کہا: میرا پیٹ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اسے علم اور حلم سے بھر دے۔''

(5) ''ومعاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ احلم امتی واجودھا۔''④

''اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ میری امت میں سب سے زیادہ بردبار اور سخی ہیں۔''

(6) ''اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا قالت ام حرام قلت یارسول اللہ ﷺ انا فیھم قال انت فیھم''⑤

''میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس کے لیے جنت واجب ہوگی۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا میں بھی اس لشکر میں شامل ہوں

---

① جامع ترمذی کتاب المناقب باب مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ

② مسند امام احمد ص 127 ج 4 تحت مسندات عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ

③ التاریخ الکبیر، امام بخاری ص 18 ج 4

④ تطہیر الجنان ص 12

⑤ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب ماقیل فی قتال الروم

آپ ﷺ نے فرمایا: تو بھی اس میں شامل ہے۔''

شارحین صحیح بخاری، دیگر محدثین اور مورخین کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس بحری جنگ میں میں جنت کے بشارت یافتہ لشکر کے قائد کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مستقل فضیلت ہے جسے تمام مورخین نے روایت کیا ہے اور اس کی صحت میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔

لہٰذا یہ قول ''لم یصح فی فضائلہ حدیث'' یا ''لم یصح فی فضائل معاویہ شیء'' غلط ثابت ہو گیا۔

بعض معاندین امام نسائی رحمہ اللہ کے واقعہ کو بھی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہے۔

اہل شام نے محدث جلیل ابو عبدالرحمن احمد نسائی رحمہ اللہ سے مطالبہ کیا کہ انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث سنائیں تو آپ ﷺ نے کہا کہ ''لا اشبع اللہ بطنہ'' کے سوا مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا:

''اما یرضی معاویۃ بان یکون راسا براس ویطلب الفضل'' ''کیا معاویہ (رضی اللہ عنہ) اس پر راضی نہیں کہ برابر سرابر چھوٹ جائیں وہ فضیلت ڈھونڈتے ہیں پس اہل شام نے انہیں مارا حتی کہ وہ بیمار پڑ گئے اور اسی سے ان کی موت واقع ہوئی۔①

''لا اشبع اللہ بطنہ'' پر تفصیلی بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ کا قول اگر صحیح ہے تو اس کی نہ تو کوئی شرعی حیثیت ہے اور نہ وہ حجت ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ جیسے کروڑوں محدث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہیں۔ کہاں ایک صحابی اور کہاں امام نسائی؟

علامہ ابن خلکان رحمہ اللہ (متوفی 682ھ) نے امام نسائی رحمہ اللہ کے حالات میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

① الناھیہ ص 39

''وفی روایة اخری ما عرف له فضیلة الا لا اشبع الله بطنک کان یتشیع۔''①

''اور دوسری روایت میں ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی کوئی فضیلت نہیں جانتا مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اللہ تیرا پیٹ نہ بھرے۔'' اور امام نسائی رحمہ اللہ میں شیعیت تھی۔''

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''بستان المحدثین'' میں امام نسائی رحمہ اللہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے جسے معاندین خوب اچھالتے ہیں۔لیکن اس میں شاہ صاحب کا یہ تبصرہ بھی موجود ہے:

''یہ شافعی المذہب تھے،صوم داؤدی پر ہمیشہ عمل پیرا رہتے تھے بایں ہمہ کثیر الجماع تھے۔ چنانچہ چار عورتیں آپ کے نکاح میں تھیں اور ہر ایک کے پاس ایک ایک شب رہتے تھے ان کے علاوہ لونڈیاں بھی موجود تھیں۔''②

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''الا انه جاوز الحد فتکلم بما یتوهم طعنا علی الصحابی والبشر قد یخطی۔''③

''مگر یہ کہ وہ (امام نسائی رحمہ اللہ) حد سے نکل گئے اور ایسی بات کہہ دی جس سے صحابی پر طعن کا وہم ہوتا ہے خیر آدمی کبھی غلطی بھی کر جاتا ہے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا بذات خود ایک عظیم فضیلت ہے اور بیسیوں احادیث اور آیات اس پر شاہد ہیں۔ان کا صحابی ہونا اس قدر مسلمہ ہے کہ جناب مودودی صاحب باوجود انتہائی تعصب اور انحراف کے یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

''صحابی کی تعریف میں اگرچہ سلف میں اختلاف ہے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہر تعریف کے لحاظ سے شرف صحابیت حاصل ہے۔''④

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کتابت وحی کے منصب پر فائز ہونا ان کی وہ امتیازی فضیلت ہے جس میں

---

① وفیات الاعیان ص 177 ج 1
② بستان المحدثین ص 189
③ الناھیه ص 39
④ سیرت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ص 153

سوائے چند حضرات کے کوئی اور شریک نہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات حنین، طائف اور تبوک میں شرکت، آں محترم کا بعض انتظامی امور پر فائز ہونا اور آپ کے ساتھ نسبی تعلقات کی فضیلت اس پر مستزاد ہے۔ ان فضائل کے علاوہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فقیہ ہونا بھی ایک عظیم فضیلت ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب ''ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے تحت نقل کیا ہے۔

معترضینِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نکتہ رسی کی بھی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کے باب ''ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ'' قائم کرنے سے ایک مستقل طعن پیدا کرلیا کہ:

''امام موصوف نے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق فرمایا: ''مناقب فلاں'' یا ''فضل فلاں'' مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ''باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ۔'' اس سے معلوم ہوا کہ ان کی کوئی فضیلت ثابت نہیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب المناقب میں بہت سے باب قائم کیے ہیں بعض کے ساتھ ''مناقب فلاں'' بعض کے ساتھ ''فضل فلاں'' اور بعض کے ساتھ ''ذکر فلاں'' تحریر کیا۔ موصوف نے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ ''قابل اعتراض'' رویہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء کے ساتھ بھی وہی الفاظ لکھے مثلاً: باب ذکر عباس بن عبدالمطلب، باب ذکر عبداللہ بن عباس، باب ذکر حذیفہ بن یمان، باب ذکر اسامہ بن زید، باب ذکر عبداللہ بن سلام، باب ذکر جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم۔

کیا ان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی کوئی فضیلت ثابت نہیں۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے نام کے ساتھ ''مناقب'' کے بجائے ''ذکر'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

دراصل یہ عبارت کا تفنن ہے کہ کہیں مناقب اور فضائل فرمایا اور کہیں ذکر فرمایا۔ نیز ذکر سے مراد ''ذکر بالخیر'' ہے اور ذکر بالخیر بھی فضیلت ہی ہوتی ہے۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات بیان کی ہے:

''واما الجواب عما فعله البخاری فانه تفنن فی الکلام فانه فعل کذا فی اسامه بن زید وعبد الله بن سلام وجبیر بن مطعم بن عدی فذکر لهم فضائل جلیلة معنونة

بالذکر۔''①

''اور امام بخاری رحمہ اللہ کے طرز عمل کا جواب یہ ہے کہ یہ تفنن فی الکلام ہے چنانچہ انہوں نے اسامہ بن زید، عبداللہ بن سلام، اور جبیر بن مطعم بن عدی رضی اللہ عنہم کے فضائل جلیلہ ''ذکر فلاں'' کے ہی عنوان سے ذکر کیے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جاننا چاہیے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ایک شخص تھے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اور زمرۂ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بڑے صاحب فضیلت تھے۔ تم کبھی ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں مبتلا نہ ہونا ورنہ تم حرام کے مرتکب ہو گے۔''②

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''عدم فضیلت'' کا طعن باطل ہے۔

---

① الناھیہ ص 34

② ازالۃ الخفاء مترجم ص 571 ج 1

13

رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ واجب القتل تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اذا رأیتم معاویة علی منبری فاقتلوہ۔ ''①

معروف شیعہ سکالر غلام حسین نجفی لکھتے ہیں کہ:

''اذا رأیتم معاویة یخطب علی منبری فاقتلوہ۔ ''②

''جب تم معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو میرے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھو تو اس کو قتل کر دینا۔''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مروان سے فرمایا تھا کہ:

''میرے نانا نے فرمایا تھا کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اس کا پیٹ پھاڑ دینا۔''③

نجفی نے اس روایت کے لیے گیارہ کتب کے حوالے دیئے جن میں سے بعض کتب کے مولف پکے شیعہ اور رافضی ہیں اور جن کتب اہل سنت کا حوالہ دیا تو ان بے چارے سنی مؤلفین نے اس قول کو محض جواب دینے کے لیے نقل کیا۔

نجفی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے جواب میں لکھتا ہے کہ:

''ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ مذکورہ حدیث کتب اسلام میں نہیں ہے سفید جھوٹ ہے کیونکہ ہم نے اسے دس عدد کتب اہل سنت سے ثابت کر دیا ہے اور اس دشمن خدا کی روحانی ذریت کا جگر کباب کر دیا ہے۔''④

---

① میزان الاعتدال الجزء الثانی ص 537 تحت عبدالرزاق بن ھمام طبع بیروت، تاریخ الامم والملوک للطبری، الجزء الثامن ص 186۔ طبع بیروت

②③ خصائل معاویہ ص 120 ④ حوالہ مذکور ص 131

اس دشمن رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا اور جھوٹ باندھا تو ایسوں کے لیے "لعنة اللہ علی الکذبین" کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کافی ہے کہ:

"من کذب علی فلیتبوا مقعده من النار ۔"①

"جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔"

امام ذہبی رحمہ اللہ نے زیر بحث روایت کو تاریخ میں نقل کر کے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ:

"یہ موضوع یعنی گھڑی ہوئی ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔"

اس قسم کی روایات محض سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے اور انہیں نگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں مقہور ومبغوض ظاہر کرنے کے لیے وضع کی گئی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"وهذا الحديث ليس لها اصول ولم يثبت عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم ۔"②

"یعنی ان روایات کی کوئی اصل نہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی کے بارے میں اس طرح کا فرمان ثابت ہے۔"

محدث جلیل احمد بن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"زعم بعض الملحدة الكذبة الجهلة الاغبياء الاشقياء اخوان الضلالة والعناد والبهتان والفساد ان النبى صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رايتم معاوية على منبرى فاقتلوه وان الذهبى صحح هذا الحديث وليس الامر كما زعم بل ضل وافترى لم يصححه الذهبى انما ذكره فى تاريخه ثم بين انه كذب موضوع لا اصل له ۔"③

"بعض ملحدوں، جھوٹوں، جاہلوں، غبیوں، بدبختوں، فسادیوں، بہتان تراشوں، عناد اور ضلالت کے بھائیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ خیال کیا کہ انہوں نے یوں فرمایا: "جب تم میرے منبر پر معاویہ کو دیکھو تو اسے قتل کر دو۔"

---

① صحیح بخاری کتاب العلم رقم الحدیث 107

② تاریخ صغیر ص 70

③ تطهير الجنان ص 29

اور یہ کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے گمان کیا بلکہ انہوں نے گمراہی پھیلائی اور جھوٹ باندھا۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ہرگز صحیح قرار نہیں دیا۔ انہوں نے اسے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے پھر یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ جھوٹی، گھڑی ہوئی ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔''

اگر بفرض محال اسے بقول شیعہ رسول اللہ ﷺ ہی کی حدیث قرار دیا جائے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس ''حکم رسول'' کے مخالف گردانے جائیں گے کہ انہوں نے آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ حیرت ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے یہ حدیث سنی مگر کسی نے عمل نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک لشکر کا امیر مقرر کر کے شام کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف انہیں سابقہ پوزیشن پر بحال رکھا بلکہ کچھ دیگر علاقے بھی ان کی ماتحتی میں دے دیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی واقعہ تحکیم کے بعد اسی پوزیشن پر بحال کرتے ہوئے ان سے باقاعدہ مصالحت بھی کر لی۔

یہ ممکن ہے کہ ان تمام ادوار میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر رسول ﷺ پر نہ بیٹھے ہوں۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے منبر رسول ﷺ پر بیٹھنے کی راہ ہموار کی ان کے حق میں منصب خلافت سے دستبردار ہوئے اور ان کے ہاتھ پر اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ بیعت کر لی۔

اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا منبر رسول ﷺ پر جلوہ افروز ہونا ملاحظہ فرمائیں:

''عن حمید بن عبد الرحمن رحمہ اللہ انه سمع معاوية بن ابی سفيان عام الحج علی المنبر فتناول قصة من شعر و كانت فی يدی جرسی فقال يا اهل المدينة اين علماء كم سمعت النبی ﷺ ينهی عن مثل هذا ويقول انما هلكت بنو اسرائيل حين اتخذ نساء هم ۔''①

''حمید بن عبدالرحمن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو جس سال انہوں نے حج کیا منبر پر بیان کرتے ہوئے سنا اور آپ نے مصنوعی بالوں کا ایک

① صحیح بخاری کتاب الانبیاء، باب بلا عنوان، کتاب اللباس باب الوصل فی الشعر

لچھا پاسبان کے ہاتھ میں سے لے کر فرمایا کہ اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس (مصنوعی بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ جوڑنے) سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہو گئے جب ان کی عورتوں نے اس کو اختیار کیا۔''

''عن حمید بن عبد الرحمن بن عوف انه مع معاوية بن ابی سفيان يوم عاشوراء عام حج وهو علی المنبر يقول يا اهل المدينة اين علماء كم سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول لهذا اليوم هذا يوم عاشوراء ولم يكتب عليكم صيامه وانا صائم فمن شاء فليصم ومن شاء فليفطر ۔''[1]

''حمید بن عبدالرحمن بن عوف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حج کے سال عاشوراء کے دن منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن کے متعلق فرماتے ہوئے سنا کہ یہ دن عاشوراء کا ہے اس کا روزہ تم پر فرض نہیں کیا گیا اور میں روزے سے ہوں سو جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔''

صحیح بخاری اور موطا امام مالک سے یہ دو روایتیں پیش کی گئی ہیں جن میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر نہ صرف خطبہ دیا بلکہ عوام سے استفسار کیا کہ تمہارے علماء کہاں ہیں؟

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بھی ان مخاطبین میں شامل ہیں کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ دستبرداری کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ اور اگر بالفرض حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ خطبہ دیا گیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو بقول نجفی اس حدیث کے راوی ہیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا تو انہوں نے حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما انہیں قتل کرنے کے بجائے ان کے علم وعمل اور ان کی امامت وخلافت کی تعریفیں کر رہے ہیں۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زیر بحث روایت بہت بعد میں گھڑی گئی ہے۔

[1] مؤطا امام مالک، کتاب الصیام باب الصوم یوم عاشوراء

14

رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہنمی کہا ہے

دشمنانِ صحابہ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے کندھے پر یزید کو اٹھائے لے جارہے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ جہنمی پر جہنمی جا رہا ہے۔'' تو معلوم ہوا کہ یزید بھی جہنمی ہے اور معاویہ بھی۔

دشمنانِ صحابہ ہمیشہ بڑی عیاری اور مکاری کے ساتھ اس قسم کی وضعی داستانوں کو بزرگانِ ملت کی طرف منسوب کر کے اپنے مقصد و مشن میں کامیاب ہوتے رہے۔ یہ داستان بھی کسی یہودی، سبائی اور قرمطی نے شیخ فریدالدین گنج شکر رحمہ اللہ کی طرف منسوب کردی۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ اہل تشیع کی روایت میں ''جہنمی پر جہنمی سوار ہے'' کے الفاظ ہیں جبکہ اہل سنت کی روایت میں ''جنتی پر جہنمی سوار ہے'' کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

چنانچہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ کے ملفوظات نقل کر کے انہیں ''راحت القلوب'' کے نام سے شائع کیا۔ جس میں کسی دشمن کی سازش سے یہ کہانی بھی جگہ پا گئی ملاحظہ فرمائیں:

''ایک دن آنحضرت ﷺ باجمیع صحابہ کبار رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید کو اپنے کندھے پر بٹھائے سامنے سے گزرے۔ آنحضرت ﷺ ہنسے اور فرمایا: سبحان اللہ ایک دوزخی ایک بہشتی کے کندھے پر سوار ہو کر جارہا ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر کہا یا رسول اللہ! یہ تو معاویہ کا بیٹا ہے دوزخی از کجا است۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یا علی! یہ یزید بد بخت وہ ہے جو حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) اور میری تمام آل کو شہید کرے گا۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے تلوار نیام سے نکالی کہ ''ایشاں را بکشد'' مگر آنحضرت ﷺ مانع ہوئے کہ اے علی ایسا مت کر کہ اللہ کی تقدیر یہی فیصلہ کر چکی ہے یہ سن

کر علی رضی اللہ عنہ رونے لگے اور پوچھا یا رسول اللہ! آپ اس وقت ہمارے سر پر (زندہ) ہوں گے؟ فرمایا: نہیں۔ پھر پوچھا یاروں میں سے کوئی زندہ ہوگا؟ کہا: نہیں۔ پھر پوچھا فاطمہ ہوں گی؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا یا رسول اللہ! میرے غریبوں کا ماتم کون کرے گا؟ جواب دیا میرے امتی۔ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دونوں روئے اور شہزادوں کو سینے سے لگا کر بآواز بلند کہا کہ اے غریبو! ہم نہیں جانتے اس دشت میں تمہارا کیا حال ہوگا۔''①

اس کہانی کے ناقل ہیں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ اور ملفوظات ہیں حضرت فرید الدین شکر گنج رحمہ اللہ کے...... اب وہ کون سا چشتی ہوگا جسے ان خرافات کی صحت میں شک ہوسکتا ہے؟ جبکہ اس داستان و کہانی کے بے سروپا، کذب وافتراء، الزام وبہتان اور وضعی وجعلی ہونے میں کسی شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ بالاتفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اصح روایت کے مطابق یکم ربیع الاول 11 ھ میں ہوئی تھی جبکہ امیر یزید کی ولادت بعہد عثمانی 26 ھ میں ہوئی۔

یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ واقعہ سراسر جھوٹا ہے کسی سبائی اور مجوسی نے یہ لغو اور من گھڑت داستان ملفوظات میں شامل کر دی ہے تاکہ مسلمان بالعموم اور چشتی حضرات بالخصوص اس شخص کو دوزخی تسلیم کرلیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی تھی کہ:

''اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم ۔''②

''میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا ان سب کے حق میں مغفرت ثابت ہو چکی ہے۔''

ظاہر ہے یہ بشارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی بنا پر دی تھی اس لیے اس کی صداقت میں کوئی شک نہیں ہے اکثر کتب تاریخ وملفوظات میں (جو بزرگانِ دین کی طرف منسوب ہیں) اس قسم کی بے سروپا، لغو اور جھوٹی کہانیاں بکثرت پائی جاتی ہیں جو سبائیوں کی دسیسہ کاری کا نتیجہ ہے۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''واشتھر فی العامة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رای یزید یحملہ معاویہ فقال اھل الجنة

---

① انتھی بلفظہ راحت القلوب ص 85 مبطوعہ 1309ھ

② صحیح بخاری کتاب الجھاد

یحمل اهل النار ولیس بصحیح فان یزید ولد فی خلافة عثمان کما ذکره ابن الاثیر فی الجامع۔''①

''عام لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید کو دیکھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس کو اٹھائے ہوئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک جنتی ایک دوزخی کو اٹھائے ہوئے ہے۔ مگر یہ افسانہ غلط ہے اس لیے کہ یزید کی ولادت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی ہے۔ جیسا کہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے الجامع میں ذکر کیا ہے۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔ بلکہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء اور بہتان ہے۔

---

① الناهيه ص 30

15

حضرت معاویہ ؓ گانے کے شوقین تھے

دشمنانِ معاویہ (ؓ) نے ان کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جسے ہدفِ ملامت نہ بنایا ہو اور اس پر طعن وتشنیع کی بوچھاڑ نہ کی ہو۔ سابقہ کہانیوں کی طرح ایک مزید کہانی ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت ابو برزہ اسلمی ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ معاویہ اور عمرو بن عاص ؓ گانا گا رہے تھے۔ حضور ﷺ نے جو اِن کی آواز سنی تو فرمایا: اے اللہ! تو ان دونوں کو خوب اچھی طرح فتنہ میں مبتلا کر اور انہیں اچھی طرح آگ میں جھونک۔''①

یہ روایت جہاں حضرت معاویہ ؓ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے وہیں رسول اکرم ﷺ پر بھی شدید افتراء ہے۔ اس مفتری اور روایت کی صحت پر یقین کرنے والوں کا ٹھکانا یقینا جہنم ہوگا۔ روایت کے الفاظ خود بتارہے ہیں کہ یہ جھوٹی اور من گھڑت ہے۔

رسول اللہ ﷺ بنی نوع انسان کی ہدایت اور اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے، اگر بالفرض ان سے یہ غلطی ہو بھی گئی تھی تو آپ ﷺ کو اصلاح کرنی چاہیے تھی۔ انہیں سمجھانا چاہیے تھا کہ اسلام میں اس کی ممانعت ہے۔ آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو اور اس گناہ پر توبہ واستغفار کرو...... نہ کہ یہ بددعا کرنی چاہیے تھی کہ ''اے اللہ! تو ان دونوں کو خوب اچھی طرح فتنہ میں مبتلا کر اور انہیں اچھی طرح آگ میں جھونک۔''

اس کہانی کو بیان کرنے والے ''یزید بن ابی زیاد'' ہیں۔ امام ذہبی ؒ نے یہ روایت اسی یزید کے تعارف اور اس کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے نقل کی۔ یزید نے اس روایت کو سلیمان بن عمرو سے روایت کیا ہے اور ان کا تعارف کچھ اس طرح ہے کہ:

''سلیمان بن عمرو نخعی، اس کی کنیت ابو داود ہے یہ اپنے دور کا مشہور کذاب ہے۔ امام احمد بن حنبل ؒ فرماتے ہیں میں اس کے پاس گیا تو مجھ سے حدیث بیان کرنے لگا کہ مجھ سے

① بحوالہ مذہبی داستانیں ج 1 ص 462

یزید بن ابی حبیب نے بیان کی۔ میں نے سوال کیا آپ کی اس سے کہاں ملاقات ہوئی تھی؟ بولا اے احمق! میں بات سے قبل اس کا جواب تیار کر لیتا ہوں میری اس سے ملاقات باب الابواب یعنی آبنائے ہرمز پر ہوئی تھی۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ یحییٰ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ وضع حدیث میں مشہور زمانہ ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر کوئی کذاب نہیں گزرا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ قتیبہ اور اسحاق رحمہما اللہ کہتے ہیں کذاب ہے۔ یزید بن ہارون رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کی روایت بیان کرنا حلال نہیں۔

ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث وضع کیا کرتا تھا۔ ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بغداد کا باشندہ تھا۔ ظاہر میں بہت نیک تھا لیکن برملا احادیث وضع کرتا۔ حاکم لکھتے ہیں کہ یہ اپنے زہد و عبادت کے باوجود احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ حتی کہ شریک بن عبداللہ نخعی جو کوفہ کا ایک شیعہ ہے وہ بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ ہمارے چچا کا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولتا ہے۔''①

ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سلیمان تو اللہ کا ایک عذاب ہے۔②

یہ حال تو اس روایت میں یزید بن ابی زیاد کے استاد کا تھا اب ان کے ہونہار شاگرد کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں۔ کیونکہ زیر بحث روایت یزید سے آگے اس نے نقل کی ہے۔ ان حضرت کا ''اسم گرامی'' محمد بن فضیل بن غزوان ہے یہ بہت ہی مشہور شخصیت ہے۔ اور تمام کتب صحاح میں ان کی روایات موجود ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی حدیث اچھی ہوتی ہے لیکن ہے شیعہ۔ ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ تو آگ لگانے والا شیعہ ہے۔ ابن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں بعض محدثین اسے حجت نہیں سمجھتے۔ نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اس روایت کے دو راوی شیعہ اور ایک کذاب زمانہ۔ اس پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اور اغلب گمان یہ ہے کہ سلیمان بن عمرو نے وضع کی ہوگی لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ بعد کے سبائیوں نے وضع کر کے اس بے چارے ''سنی'' کی جانب منسوب کر دی ہو لیکن ابن

① میزان الاعتدال ص 216 ج2
② الجرح والتعدیل ص 132 ج4

عدی اور امام ذہبی رحمہ اللہ کی تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا مجرم یزید بن ابی زیاد کو قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کے ترجمے میں اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی اور برادر نسبتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر انہیں اپنی دعاؤں سے نوازا۔ جن میں بعض دعائیں گزشتہ صفحات میں نقل کی جا چکی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا:

''اللھم اجعله هادیا مهدیا واهدبه۔''① ''اے اللہ! انہیں ہادی ومہدی بنا اور ان کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت کر۔''

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس دعا کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''ولا ارتیاب ان دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستجاب فمن کان هذا حاله کیف یرتاب فی حقه۔''②

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقینا مستجاب ہے سو جس شخص کی یہ حالت ہو اس کے بارے میں شک کیے جانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کے حق میں آگ سے محفوظ رہنے کی دعائیں فرما رہے ہیں اور یہ ملعون ومردود آپ پر افتراء اور جھوٹ باندھتے ہوئے ''بد دعائیں'' نقل کر رہے ہیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''اللھم علم معاویة الکتاب والحساب وقه العذاب۔''③

''اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا کر اور انہیں عذاب سے محفوظ فرما۔''

اس روایت کو دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ وہ گانے کے شوقین تھے سراسر لغو، بے بنیاد اور سبائیوں ہی کا وضع کردہ ہے۔

---

① جامع ترمذی باب مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ
② مرقاۃ ص 438 ج 11
③ مسند احمد ص 127 ج 4

16

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مع اپنے بیٹے خطبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بائیکاٹ کیا

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک شیعہ مصنف کا یہ الزام نقل کیا ہے کہ:

''معاویہ اپنے بیٹے یزید کو لے کر چل دیئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ نہ سنا۔''[1]

ظاہر ہے کہ یہ الزام ایک شیعہ مصنف نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے تاکہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس کردار سے بھی آگاہ ہو جائیں کہ انہیں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت تھی؟ یہ کہنا تو بہت ہی مشکل ہے کہ وہ شیعہ ان پڑھ یا جاہل ہوگا کیونکہ وہ تو خیر سے ''مصنف'' ہے۔ اور ہر مصنف کے لیے کچھ نہ کچھ شرائط تو ہوتی ہی ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ شیعہ مصنف ہر شرط حتی کہ شرم وحیا سے بھی مستثنیٰ ہوتا ہے۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ ان کی بات حقیقت اور عقل ونقل کے خلاف سمجھی جائے گی۔ ان کا تو بس ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے تاکہ اسلام پر سے ہی اعتماد اٹھ جائے۔

معترض نے یہ نہیں بتایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس خطبے کے دوران میں سے اٹھ کر باہر نکل گئے تھے کیونکہ آپ کے خطبات جمعہ، عیدین اور حج وجہاد کے موقع پر ہوا کرتے تھے اور یہ بائیکاٹ یا واک آؤٹ کس خطبہ سے ہوا؟ اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہر خطبے سے اٹھ کر چلے جاتے تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے سخت موجب اہانت ہے کہ ہمیشہ دو شخص باپ بیٹا آپ کے خطبے کے دوران میں مجلس سے واک آؤٹ کرتے رہے اور آپ نے کبھی ان کی سرزنش بھی نہیں کی۔ بلکہ الٹا ایسے شخص کو اپنے ذاتی خطوط اور وحی کا کاتب بھی مقرر کر لیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے بردبار، حلیم اور صابر تھے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ سفر وحضر میں ساتھ رہے۔ غزوۂ حنین، طائف

[1] المنتقی ص 377

اور تبوک میں شریک رہے۔ وفود اور مہمانوں کی خاطر مدارات اور طعام و قیام کا اہتمام کرتے رہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ایک دفعہ انہیں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک قطعہ اراضی دینے کے لیے بھیجا۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حکم رسول ﷺ کی تعمیل میں تپتی ہوئی ریت پر ننگے پاؤں طویل سفر کرتے رہے۔ یہ بات آپ کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ محبت واطاعت کی واضح دلیل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو مشکل سے مشکل کام سرانجام دیئے۔ خطبہ سننا تو اتنا مشکل کام نہیں تھا۔

جہاں تک شیعہ مصنف کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ پکڑا اور باہر چل دیئے ...... تو یہ صریح کذب ہے۔ اس سے بڑا جھوٹ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ یزید کی ولادت عہد عثمانی 26 ھ میں ہوئی۔ عہد رسالت ﷺ میں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شادی ہی نہیں کی تھی تو کسی بچے کی ولادت کا کیا سوال؟

حافظ ابوالفضل ابن ناصر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد رسالت ﷺ میں رشتہ طلب کیا تھا مگر مفلس ہونے کی بنا پر ان کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ آپ کی شادی خلافت فاروقی رضی اللہ عنہ میں ہوئی اور یزید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں 27 ھ میں پیدا ہوا۔''

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''**فان یزید ولد فی خلافة عثمان کما ذکرہ ابن الاثیر فی الجامع**'' [1]

''یزید کی ولادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی جیسا کہ ابن اثیر نے الجامع میں ذکر کیا ہے''۔

حیرت ہے کہ ایک بچہ جو پندرہ بیس سال بعد پیدا ہوتا ہے اسے شیعہ حضرات عالم ارواح سے اٹھا کر محض نبی اکرم ﷺ کے خطبے سے واک آؤٹ کرانے کے لیے کس طرح مسجد نبوی میں پہنچا دیتے ہیں۔ ان ھذا من اعاجیب الزمن۔

---

[1] الناھیہ ص 30

17

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سود خور تھے

دشمنانِ صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ سود کھاتے تھے۔ لہٰذا وہ قرآن مجید کی ان آیات و احادیث کا (جن میں سود کی مذمت بیان ہوئی ہے) مصداق ہو کر ملعون، مغضوب اور جہنمی ہو گئے۔ (العیاذ باللہ)①

اب ملاحظہ فرمائیں وہ روایت جس کی رو سے ''سود خوری'' کا الزام عائد کیا گیا ہے:

''حدثنا یونس قال اخبرنا ابن وھب قال اخبرنی ابن لھیعة عن عبد اللہ بن ھبیرة السبائی عن ابی تمیم الجیشانی قال اشتری معاویة بن ابی سفیان قلادة فیھا تبر وزبرجد ولؤلؤ ویاقوت بستمأة دینار فقام عبادة بن صامت حین طلع معاویة المنبر او حین صلی الظھر فقال الا ان معاویة اشتری الربوا واکله الا انه فی النار الی حلقه۔''②

''(بحذف اسناد) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے ایک ہار چھ سو دینار میں خریدا جس میں سونے کے ٹکڑے، زبرجد، موتی اور یاقوت لگے ہوئے تھے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے یا ظہر کی نماز ادا کی تو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا آگاہ ہو جاؤ معاویہ نے سود خریدا اور اسے کھایا۔ آگاہ ہو جاؤ وہ حلق تک آگ میں ہے۔''

سود کی حرمت پر پوری امت کا اجماع ہے لیکن اس کی بعض جزئیات میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے مگر اس اختلاف کی بنا پر کسی نے بھی ان پر سود کی حلت اور ان کے جہنمی ہونے کا فتویٰ صادر نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سود کے متعلق رسول اکرم ﷺ کے احکام مجمل ہیں۔ اور معاملات کی تمام جزئی صورتوں کی ان میں تصریح نہیں ہے۔ اس لیے بہت سی جزئیات میں یہ شک واقع ہو سکتا ہے کہ

① سیاست معاویہ مؤلفہ مولوی مہر حسین بخاری ص 114، خصائل معاویہ مؤلفہ غلام حسین نجفی ص 433
② شرح معانی الآثار، طحاوی، کتاب الصرف باب القلادة ص 262 ج2

آیا وہ ربوا کی تعریف میں شامل ہیں یا نہیں۔ اسی بات کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے کہ:

''ان ایة الربوا من أخر ما نزل من القرآن وان النبی ﷺ قبض قبل ان یبینه لنا فدعوا الربوا والریبة۔''

''آیت ربوا قرآن کی ان آیات میں سے ہے جو آخر زمانہ میں نازل ہوئی ہے اور نبی ﷺ کا وصال ہو گیا قبل اس کے کہ آپ اس کے تمام احکام ہم پر واضح فرماتے لہٰذا تم اس چیز کو بھی چھوڑ دو جو یقیناً سود ہے اور اس چیز کو بھی جس میں سود کا شبہ ہو۔''

فقہائے کرام رحمہم اللہ کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ رِبٰوا صرف ان چھ اجناس میں ہے جن کا ذکر نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے یعنی سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور نمک۔ ان کے سوا دوسری چیزوں میں تفاضل کے ساتھ بلا قید کے ہم جنس اشیاء کا لین دین ہو سکتا ہے۔ یہ مذہب قتادہ، طاؤس، عثمان البتی، ابن عقیل حنبلی اور ظاہریہ کا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ حکم ان تمام چیزوں میں جاری ہوگا جن کا لین دین وزن اور پیمانہ کے حساب سے کیا جاتا ہے۔ یہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور ایک روایت کی رو سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ حکم سونے اور چاندی اور کھانے کی ان چیزوں کے لیے ہے جن کا لین دین پیمانہ اور وزن کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ یہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ اور ایک روایت اس باب میں امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ سے بھی منقول ہے۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ یہ حکم مخصوص ہے ان چیزوں کے ساتھ جو غذا کے کام آتی ہیں اور ذخیرہ کر کے رکھی جاتی ہیں۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

درہم و دینار کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ان میں علت تحریم ان کا وزن ہے۔ اور امام شافعی و مالک رحمہما اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ قیمت اس کی علت ہے۔

مذاہب کے اس اختلاف سے جزئی معاملات میں حکم تحریم کا اجرا بھی مختلف ہو گیا ہے۔ ایک چیز ایک مذہب میں سرے سے سودی جنس ہی نہیں ہے۔ اور دوسرے مذہب میں اس کا شمار سودی اجناس

میں ہوتا ہے۔ ایک مذہب کے نزدیک علت تحریم کچھ ہے اور دوسرے مذہب کے نزدیک کچھ اور۔ اس لیے بعض معاملات ایک مذہب کے لحاظ سے سود کی زد میں آ جاتے ہیں۔ اور دوسرے مذہب کے لحاظ سے نہیں آتے۔ لیکن یہ تمام اختلافات ان امور میں نہیں ہیں جو کتاب وسنت کے صریح احکام کی رو سے رِبوا کے حکم میں داخل ہیں بلکہ ان کا صرف متشابہات سے تعلق ہے اور ایسے امور سے ہے جو حلال وحرام کی درمیانی سرحد پر واقع ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی شرح صحیح مسلم میں باب الرِبوا کے تحت اس اختلاف کا ذکر کیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے ایک دوسرے طریق سے حضرت معاویہ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما کے اختلاف کو اس طرح بیان کیا ہے:

''ابوالاشعث کہتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ایک جنگ میں تھے تو اس جنگ میں ہمیں بہت سا سونا اور چاندی ہاتھ آیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا ''ان یبیعھا الناس فی عطیاتھم '' کہ لوگوں سے عطیات کے بدلے میں ان کے پاس یہ فروخت کیا جائے تو اس سے لوگوں میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہیں اس سے منع کر دیا تو لوگوں نے سونا چاندی واپس کر دیا۔ اس شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں بیان کرتے ہیں اور اس میں وہ آپ پر جھوٹ باندھ رہے ہوتے ہیں۔ ہم نے وہ احادیث نہیں سنیں تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اللہ کی قسم! ہم آپ سے احادیث بیان کریں گے ''وان کرہ معاویۃ رضی اللہ عنہ'' ''اگرچہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) ناپسند کریں'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جَو جَو کے بدلے، کھجوریں کھجوروں کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر اور دست بدست بیچے جائیں۔''[1]

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح مسلم میں باب الربوا میں اسی طرح نقل کیا ہے۔

---

[1] طحاوی باب القلادۃ ص 263 ج2

مذکورہ دونوں اور دیگر روایتوں میں بھی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نہیں پائے جاتے ''الا ان معاویة اشتری الربوا واکله الا انه فی النار الی حلقة ۔''

امام طحاوی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو بروایت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے۔ معلوم نہیں امام موصوف کو قابل اعتراض الفاظ پر مشتمل روایت کہاں سے مل گئی؟ جبکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی تمام مرویات نقل کی ہیں لیکن ان میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔

راقم نے متعلقہ حصہ بار بار دیکھا لیکن اس میں ''الا انه فی النار الی حلقه'' کے الفاظ نہیں مل سکے جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف کا ذکر موجود ہے۔①

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل اعتراض الفاظ کسی راوی کی کارستانی ہے آگے اس کی بھی نقاب کشائی ہو رہی ہے۔ (انتظار فرمائیں)

جہاں تک حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت کا تعلق ہے تو اس کے بعد امام طحاوی رحمہ اللہ خود لکھتے ہیں:

''فقد یجوز ان یکون تلک القلادة کان فیها من الذهب اکثر مما اشتریت به فکان من عبادة ما کان لذٰلک ویجوز ان یکون بیعت بنسیئة فانه قد روی عن معاویة (رضی اللہ عنہ) انه لم یکن یری بذلک بأسا۔''②

واقعہ کی صورت خود امام طحاری رحمہ اللہ نے بیان کی ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک جزئی مسئلہ دست بدست کی شرط میں اختلاف پیدا ہوا۔ ورنہ نفس مسئلہ میں دونوں متفق تھے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو حدیث سنی ہو اس میں ''یداً بید'' یعنی دست بدست کی قید نہ ہو، اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وہ شرط موجود ہو۔ کیونکہ اس وقت اس مسئلے میں احادیث عام نہ ہوئی تھیں۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ حدیث ہی نہیں تھی تو جہنم میں جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ نیز مسئلہ کا تعلق ادھار سے تھا۔ اور یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی وضاحت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاموشی خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اجتہادی اختلاف اسی وقت ختم ہو گیا تھا۔

① مسند احمد ج 5 ص 313 تا 330 تحت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
② شرح معانی الآثار باب القلادۃ ص 262 ج 2

اس قسم کی بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا اور انہوں نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے مسئلے کی توثیق کر دی جس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے رجوع کر لیا۔

''ثم رجع معاویة عن ذالک الی ما قاله عبادہ و ابو الدرداء حین کتب الیه عمر بما قالاہ۔ ''①

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حتی بلغ ذلک عمر فکتب الی معاویة ینهاہ عن ذلک فرجع . . . ''②

اس رجوع کے بعد وہ ''تہدیدی فتویٰ'' بھی خود بخود کالعدم ہو گیا۔ یہ رجوع فیصلہ فاروقی رضی اللہ عنہ کے احترام میں اور رفع اختلاف کے لیے تھا ورنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد اور اس کی مقبولیت کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ فقہ حنفی میں بھی اس کی صراحت ہے کہ اگر ہار میں سونا، چاندی، موتی اور یاقوت وغیرہ لگے ہوں تو اس ہار کو ایسی چیز کے بدلہ میں خریدنا جائز ہے جس کی قیمت سونے چاندی سے زائد ہو تا کہ سونے کے برابر سونا اور بقیہ اشیاء کے لیے بھی کچھ عوض بن جائے۔

''الاول ان یکون وزن الفضة المفردة ازید من وزن الفضة التی مع غیرها وهو جائز لان مقدارها یقابلها و الزائد یقابل الغیر فلا یفضی الی الربوا۔ ''③

''اول صورت یہ ہے کہ چاندی اکیلی کا وزن اس چاندی سے زیادہ ہو جس کے ساتھ دوسری چیزیں بھی لگی ہوئی ہیں اور یہ جائز ہے کیونکہ چاندی کے بدلے میں چاندی ہو جائے گی اور زائد دیگر اشیاء کے مقابلے میں آ جائے گا۔ لہٰذا اس پر سود کا اطلاق نہیں ہوگا۔''

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ملتی کہ اس میں سونا چھ سو دینار کے وزن کے برابر تھا یا کم وبیش۔ اس لیے ممکن ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ہار میں لگے سونے کو چھ سو دینار سے زائد یا کم سمجھ کر اسے ربوا قرار دیا ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوچا ہو کہ ہار کے سونے کے بدلے میں سونا اور زائد اشیاء کے مقابلے میں زائد رقم۔

①شرح المهذب ص 31 ج10
②اعلاء السنن ص 291 ج14
③عنایه شرح هدایه بر حاشیه فتح القدیر ص 375 ج5

اسی اصول کی تائید طحاوی کی حسب ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ:

''انه كان لا يرى باسا ان يباع السيف المفضض بمال دراهم باكثر مما فيه تكون لفضة والسيف بالفضل۔''①

''(حسن بصری رحمہ اللہ) اس خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص ایسی تلوار بیچے جس پر چاندی چڑھی ہوئی ہو اور اس کے بدلے میں اسے اتنے درہم عطا کرے جو وزن میں اس سے زائد ہو۔ یہ اس لیے جائز ہے کہ چاندی کے بدلے چاندی ہو جائے اور زائد درہم تلوار کا معاوضہ بن جائے لہذا یہ سود نہیں ہوگا۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہادی اصول تسلیم کیا ہے اگرچہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ردّ کیا ہے ملاحظہ ہو:

''اعلاء السنن ج 14 ص 228 تحت ''الرد على شيخ الاسلام ابن تيميه رحمہ اللہ في قوله بجواز بيع ما يتخذ من الفضة للتحلى متفاضلا بجعل الزائد مقابلا للصنعة'' ذهب شيخ الاسلام ابن تيميه رحمہ اللہ الى جواز بيع ما يتخذ من الفضة للتحلى متفاضلا وجعل الزائد مقابلا للصنعة وقد اطال الكلام فى ادلة شيخنا العلامة الفقيه خاتمة المحققين السيد نعمان الشهير بابن الألوسى البغدادى فى كتابه جلاء العينين فى محاكمة الاحمدين۔''②

مگر اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت کو سلام ہے کہ انہوں نے اس باب میں بحث ومناظرہ کا دروازہ بند کرتے ہوئے حضرت ابودرداء، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے نقطہ نظر کو تسلیم کر کے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔

اس پوری تفصیل سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت ورفعت دھندلانے کے بجائے مزید روشن اور نکھر کر سامنے آتی ہے (**ان كان فى القلب ايمان واسلام**) یہی وجہ ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ''قبرص'' کے غزوہ میں شریک ہوئے

---

①طحاوی ج 2 باب القلادة

②اعلاء السنن ص 288 ج 14، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ص 255 ج 3 مطبوعه هند

جو سب سے پہلا بحری حملہ تھا اور جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔اس غزوہ میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ تو غازی بن کر لوٹے مگر ان کی اہلیہ سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے شہادت پائی۔

مزید برآں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمیشہ معاون رہے اور انہیں دشمنوں کی سازشوں سے آگاہ کرتے رہے۔ جب عبداللہ بن سبا نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مشتعل کیا۔ پھر اس نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو بھی بھڑکانا چاہا تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ ابن سبا کو پکڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور فرمایا: ''**ھذا واللہ الذی بعث علیک اباذر**۔''①

اس تعاون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اختلاف ''رجوع معاویہ'' کے بعد رفع ہو گیا تھا۔

علاوہ ازیں ''**فرار من الطاعون**'' کے مسئلے سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رجوع کیا تھا جب دوران خطبہ میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر غلطی کی نشان دہی کی۔ بعد میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا یقین ہوا تو عصر کی نماز کے بعد منبر سے خود اعلان فرمایا کہ میں نے تم سے ایک حدیث ذکر کی تھی گھر جا کر پتا چلا کہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لہٰذا ان ہی سے استفادہ کرو کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔②

فقہاء اور محدثین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابوسعید خدری، عبادہ بن صامت اور ابودرداء رضی اللہ عنہم کی روایت ''ربوا'' کے رواۃ میں بھی شمار کیا ہے۔ مبسوط سرخسی میں ہے کہ:

''**مدار ھذا الحدیث علی اربعۃ من الصحابۃ عمر بن الخطاب وعبادۃ بن صامت وابی سعید ومعاویۃ**۔''③

اسی طحاوی کے حاشیہ پر مولانا محمد حسن سنبھلی رحمہ اللہ کا یہ اعتراف موجود ہے:

''**اعلم ان حدیث الربوا مشھور عن ستۃ عشر من الصحابۃ وھم عمر وعبادۃ بن صامت وابو سعید ومعاویۃ وبلال...**''

---

①ابن اثیر ص 57 ج3
②ابن عساکر ص 211 ج7 تحت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
③مبسوط سرخسی ص 110 ج12

علاوہ ازیں سود کے مسئلے میں ابتدائی حکم صرف یہ تھا کہ قرض کے معاملات میں جو سودی لین دین ہوتا ہے وہ قطعاً حرام ہے۔ چنانچہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے جو حدیث مروی ہے اس میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:

"انما الربوا فی النسیئة او فی بعض الالفاظ لا ربوا الا فی النسیئة ۔"

"یعنی سود صرف قرض کے معاملات میں ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی حدیث کی بنا پر ابتداء میں یہ فتویٰ دیا تھا کہ سود صرف قرض کے معاملات میں ہے۔ دست بدست لین دین میں نہیں ہے۔ لیکن بعد میں جب انہیں متواتر روایات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے نقد معاملات میں بھی تفاضل کو منع فرمایا ہے تو انہوں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

"رجع ابن عباس عن قوله فی الصرف وعن قوله فی المتعة "

اسی طرح حاکم نے حیان عدوی کے طریق سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بعد میں اپنے سابق فتویٰ پر توبہ واستغفار کی۔ اور نہایت سختی کے ساتھ ربوا الفضل سے منع کرنے لگے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی "رجوع ابن عباس رضی اللہ عنہما" سے متعلق تفصیل ذکر کی ہے۔ ملاحظہ ہو:①

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ابتدا میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی سوائے قرض کے معاملات کے دست بدست لین دین میں کمی بیشی کو جائز سمجھتے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے جب یہ روایت پیش کی تو انہوں نے رجوع کر لیا۔ یہ پوری تفصیل اسی طحاوی میں کتاب الصرف کی بالکل ابتداء میں موجود ہے۔ لیکن ان کے بارے میں کسی نے وہ فتویٰ نہیں دیا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دیا گیا۔ اگر اتنی خطرناک بات کہنے پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ہدفِ تنقید بنائے بغیر برداشت کیا جا سکتا ہے تو اس سے بہت چھوٹی بات پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ناقابل برداشت کیوں ہیں؟ (حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف واجتہاد سونے کے ساتھ ساتھ موتی اور جواہرات کی شمولیت کا تھا جس کے جواز کا

① اعلاء السنن ص 444 ج 14

فتویٰ فقہاء نے بھی دیا) پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی رجوع ثابت ہے۔

اب یہ معلوم کرنا باقی رہ گیا ہے کہ زیر بحث حدیث کے یہ الفاظ ''**الا ان معاویۃ اشتری الربوا واکلہ الا انہ فی النار الی حلقہ** '' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہیں یا کسی سبائی، کذاب اور دروغ گو راوی کا اضافہ ہے۔

اوپر یہ گزر چکا ہے کہ امام مسلم اور امام طحاوی رحمہما اللہ نے دیگر طرق سے یہ روایت بیان کی تو اس میں قابل اعتراض الفاظ موجود نہیں ہیں اور مسند احمد میں بھی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی مرویات میں ان الفاظ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔①

جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی دروغ گو اور سبائی نے ان الفاظ کو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا ہے ورنہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے قائد سردار، امیر اور امام کے بارے میں ایسے الفاظ کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بس ایک وقتی اختلاف تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''رجوع'' سے ختم ہو گیا تھا۔

مولانا محمد حسن سنبھلی رحمہ اللہ طحاوی کی زیر بحث روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''**لا یتوھم ان عبادہ وھو صحابی جلیل نسب اکل الربوا وھی کبیرۃ من اکبر الکبائر الی معاویۃ وھو من کبائر الصحابۃ خیارھم وفقھاء ھم مع ان الصحابۃ کلھم عدول مجتھدون علی ما قالوا**''②

''یہ وہم ہرگز نہ کیا جائے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سود جیسے اکبر الکبائر گناہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو خود کبار، خیار اور فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جبکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل اور مجتہد ہیں۔''

لہٰذا حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قابل اعتراض الفاظ یقیناً کسی سبائی اور رافضی راوی کا کرشمہ ہے۔

اب زیر بحث حدیث کا سلسلہ سند ملاحظہ فرمائیں:

''**حدثنا یونس قال اخبرنا ابن وھب قال اخبرنی ابن لھیعۃ عن عبداللہ بن**

---

① مسند احمد ص 313، 320 تحت حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
② شرح معانی الآثار ص 262 ج 2 حاشیہ

ھبیرۃ السبائی عن ابی تمیم الجیشانی۔''

اس سلسلہ سند میں صرف ''ابن لہیعہ'' کی ذات شریف کا تعارف پیش خدمت ہے جس سے روایت کی حقیقت بخوبی واضح ہوجائے گی۔

ابن لہیعہ 96ھ میں پیدا ہوا اور 174ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ پورا نام عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ حضرمی ہے۔ اس کی کنیت ابوعبدالرحمن ہے۔ منصور عباسی نے 155ھ میں اسے مصر کا قاضی مقرر کیا اور نو ماہ تک قاضی رہا۔ تیس دینار اس کی ماہانہ تنخواہ مقرر کی گئی۔ امام ابوداود، امام ابن ماجہ اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے اس سے روایات لی ہیں۔ لیکن امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی رحمہم اللہ نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی روایت نقل کر کے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ امام حمیدی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

''**کان یحیی بن سعید لا یراہ شیئا** ''یحییٰ بن سعید اس کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔

ابن مدینی رحمہ اللہ ابن مہدی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

''**لا احمل عنہ قلیلا ولا کثیرا** ''میں ابن لہیعہ سے تھوڑی یا زیادہ احادیث لینے کو تیار نہیں ہوں۔

نعیم بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے ابن مہدی کو کہتے ہوئے سنا کہ:

''**لا اعتمد بشیء سمعتہ من حدیث ابن لھیعۃ** ''مجھے اس حدیث پر کوئی اعتبار نہیں جو ابن لہیعہ بیان کرتا ہو۔

ابن قتیبہ نے کہا کہ:

''**کان یقرا علیہ ما لیس من حدیثہ یعنی فضعف بسبب ذلک** ''

یعنی ابن لہیعہ کے سامنے کچھ ایسی روایات پڑھی جاتی تھیں جو اس کی روایت کردہ احادیث نہ ہوتیں۔ اسی وجہ سے ابن قتیبہ نے اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ابن مدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بشر بن سری نے کہا:

''**لو رایت ابن لھیعہ لم تحمل عنہ** ۔'''' اگر تو ابن لہیعہ کو دیکھے تو اس کی کسی روایت کو مت لینا۔''

ابن معین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

''**کان ضعیفا لا یحتج بحدیثه کان من شاء یقول له حدثنا۔** ''

''وہ ضعیف ہے اور اس کی کسی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔''①

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی بہت سی روایات کو منکر قرار دیا ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ:

اس سے آخر میں جن لوگوں نے روایات لی ہیں ان میں سے بہت سی خلط ملط ہیں۔ اور ضعیف راویوں کو گرا کر ثقہ رواۃ کی جانب منسوب کیا کرتا ہے اور اسی طرح موضوع روایات بھی اس کی روایات میں داخل ہو گئیں۔

ابن عدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

وہ غالی شیعہ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں احادیث وضع کرتا تھا۔②

حاصل کلام یہ ہے کہ ابن لہیعہ ضعیف ہے اور احادیث میں سے ضعیف رواۃ کو گرا کر ثقہ رواۃ کی طرف منسوب کرتا رہتا ہے۔ اس کی اکثر روایات منکر ہیں اس کی حدیث پر کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے قلیل وکثیر کسی طور پر بھی کوئی روایت ذکر کرنا درست نہیں۔ اور اس کی کسی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔

اس تفصیل سے واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ زیر بحث روایت جس کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سود کا الزام عائد کیا گیا ہے اور انہیں حلق تک آگ میں دکھایا گیا ہے قطعاً حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت نہیں بلکہ اسی ابن لہیعہ کی کارستانی ہے۔ جس نے یہ قابل اعتراض الفاظ خود گھڑ کر انہیں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا۔

---

①تهذيب التهذيب۔ ابن حجر عسقلانی ص 374 ج5

②ميزان الاعتدال ص 475 ج2

18

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اندازِ زیست کسروانہ تھا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اسلامی طرز زندگی ترک کر کے کافروں کا انداز اپنا لیا تھا۔ چنانچہ ایک شیعہ پروفیسر سید محمد ذوالقرنین زیدی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عمر کی اس درویشانہ روش اور حکمت عملی نے حضرت معاویہ کو بڑی کڑی آزمائش میں مبتلا کیا۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جوں جوں امیر معاویہ کی گرفت حالات اور اقتدار پر مضبوط ہوتی گئی ویسے ویسے ان کی روش بدلتی گئی۔ وہ شانِ قیصر وکسریٰ پر للچائی ہوئی نگاہیں ڈالنے لگے۔ فلک بوس محلات ان کے ذہن کو پراگندہ کرنے لگے دولت اور اقتدار کی ہوس تیز سے تیز تر ہونے لگی۔ اب وہ ٹھاٹھ سے رہنے لگے...... اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ان پر کسروی رنگ غالب آ گیا۔ یہاں تک کہ انہیں عرب کا کسریٰ کہا جانے لگا۔''①

جناب مودودی صاحب بھی اسی نوعیت کا یہ مرثیہ پڑھتے ہیں:

''دوسری نمایاں تبدیلی یہ تھی کہ دورِ ملوکیت کے آغاز ہی سے بادشاہ قسم کے خلفاء نے قیصر وکسریٰ کا سا طرز زندگی اختیار کر لیا اور اس طریقے کو چھوڑ دیا جس پر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور چاروں خلفائے راشدین زندگی بسر کرتے تھے...... لیکن ملوکیت کا دور شروع ہوتے ہی اس نمونے کو چھوڑ کر روم وایران کے بادشاہوں کا نمونہ اختیار کر لیا گیا اس تبدیلی کی ابتداء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔''②

یہ اعتراض بھی ضد، تعصب، عناد اور بغض پر مبنی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرز زندگی میں ایسی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی جس کا مرثیہ مودودی صاحب نے پڑھا ہے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرز زندگی مودودی صاحب سے بھی بدرجہا زیادہ سادہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بار

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ کے آئینے میں ص 41
② خلافت وملوکیت ص 160، 161

بار پناہ چاہتا ہوں اس تقابل پر

فاین الثریا واین الثری

واین مودودی من معاویہ

؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قطع نظر مذہبی رفعت و بلندی کے پینسٹھ لاکھ مربع میل پر اور حجاز مقدس سے افریقہ اور بحر روم سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی وسیع وعریض اسلامی ریاست کے متفق علیہ اور ہر دلعزیز خلیفہ راشد تھے۔ پھر بھی مودودی صاحب کی ایک شیروانی اور اچکن آں محترم کے سارے لباس پر بھاری تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں بہت تواضع اور انکساری پائی جاتی تھی۔ ایک وسیع وعریض سلطنت کی فرماں روائی نے ان کے اندر تمکنت اور غرور پیدا نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے کم درجے کے لوگوں کو بھی کبھی نظر استخفاف سے نہیں دیکھا اور نہ کبھی اپنے اور عام مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق وامتیاز روا رکھا...... وہ عوام کے ہجوم میں بیٹھتے، ان کی فریادیں سنتے اور ان کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔ معمولی خچر پر سواری کرتے اور پھٹا ہوا کپڑا پہنے بازاروں میں گھومتے تھے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''یونس بن میسرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازار میں دیکھا ان کے پیچھے ایک غلام ہوتا تھا، ان کی قمیص پیوند لگی ہوتی تھی اور وہ وہی قمیص پہنے دمشق کے بازاروں میں گھومتے پھرتے تھے۔''

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب الزہد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''علی بن ابی حملہ کہتے ہیں کہ'' رایت معاویة علی منبر بدمشق یخطب الناس وعلیہ ثوب مرقوع '' کہ میں نے دمشق کی جامع مسجد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر خطبے دیتے ہوئے دیکھا اس وقت انہوں نے پیوند لگے کپڑے پہن رکھے تھے...... آپ کے وزراء اور دیگر معززین حکومت آپ کے پیوند لگے کپڑے حاصل کرنا چاہتے تھے جب کبھی آپ کا کوئی وزیر پیوند لگے کپڑے پہنے ہوئے مدینہ منورہ آتا تو لوگ فوراً انہیں پہچان لیتے اور منہ مانگے

پیسے دے کر انہیں خرید نے پر تیار ہو جاتے۔

دار قطنی نے محمد بن یحییٰ سے بیان کیا کہ ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئے اور مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور قبر کے درمیان نماز پڑھی۔ ان پر ایک چادر تھی جسے پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لی ہوئی تھی۔ جب ابوالحسن براد نے دیکھا تو فوراً پہچان لیا کہ یہ چادر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔''①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''کسرویت'' کا الزام اس واقعہ کی بنا پر لگایا جاتا ہے کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ صوبہ شام کے دورہ پر تشریف لے گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی قدر شان وشوکت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ تو آپ نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے عرض کیا ہم ایک ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بہت ہیں یہاں کے حالات کا تقاضا ہے کہ ہم دشمن کو مرعوب کرنے اور مسلمانوں کے وقار کو قائم رکھنے کے لیے ظاہری شان وشوکت سے رہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس عمل کو جاری رکھیں اور اگر آپ منع فرمائیں تو بند کر دیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جو اس موقع پر موجود تھے فرمایا کہ دیکھیں معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے آپ کو کس قدر خوبصورتی اور حکمت کے ساتھ بچا لیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی ان صلاحیتوں ہی کی وجہ سے ہم نے انہیں اتنی بڑی ذمہ داری سونپ رکھی ہے۔''②

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں خاموش ہو گئے اور انہیں غلط کار نہیں ٹھہرایا۔ کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایسا کرنے سے وہی مقصد تھا جو مذہب کا ہے۔''③

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس خاموشی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیصریت اور کسرویت کو محمود قرار دیا۔ کیونکہ اس سے ان کا مقصد فی الواقع کسرویت کی پیروی نہ تھی بلکہ اس سے بھی ان کا اصل مقصد دین اسلام کی سربلندی، اللہ کی رضا اور مسلمانوں کی خدمت ہی تھی۔ اگر فی

① العواصم من القواصم ص 209
② البدایہ والنہایہ ص 125 ج 8، استیعاب مع الاصابہ ص 397 ج 3
③ مقدمہ ابن خلدون فصل انقلاب الخلافہ الی الملک ص 360

نفسہٖ اس میں کوئی قباحت ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا سخت گیر حاکم اس پر خاموشی وسکوت اختیار نہ کر سکتا تھا...... کیونکہ انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے جرنیل کو معزول کر دیا۔ کوفہ کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یکے از عشرہ مبشرہ کو معزول کر دیا۔ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ گورنر مصر کو بالوں کا لباس پہنا کر بکریاں چرانے پر مجبور کر دیا۔ گورنروں کے لیے ہدایات جاری کیں کہ اعلیٰ گھوڑے پر سوار نہ ہوں، باریک لباس سے احتراز کریں، چھنا ہوا آٹا استعمال نہ کریں، دربان نہ رکھیں اور اہل حاجت کے لیے دروازہ کھلا رکھیں۔ ①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھرے مجمع میں خطبہ دیا کہ:

''اے اللہ! تو گواہ رہنا یہ گورنر اس لیے ہیں کہ لوگوں کو قرآن سکھائیں، تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی تعلیم دیں، وظائف تقسیم کریں، انصاف کریں اور مشکل میں میری طرف رجوع کریں۔'' ②

لوگوں سے فرمایا: میں نے گورنر اس لیے نہیں بھیجے کہ وہ تمہیں ماریں پیٹیں، تم سے تمہارے مال چھینیں بلکہ میں نے انہیں اس لیے بھیجا ہے کہ تمہیں تمہارا دین سکھلائیں، تمہیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعلیم دیں، جس شخص کے ساتھ اس کے خلاف عمل کیا گیا ہو وہ مجھ سے شکایت کرے۔ رب کعبہ کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اس گورنر سے ضرور بدلہ لوں گا۔ ③

اس قسم کے منتظم، مدبر، محتسب اور سخت گیر خلیفہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب پر خاموشی اختیار کرنا دراصل ان کے طرز عمل کی تائید اور تصویب ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسرویت اور قیصریت کی پیروی کیسے کر سکتے تھے جبکہ ان کا سارا دورِ امارت وخلافت ان کے خلاف جہاد میں گزرا۔ قیصر کے خلاف بھرپور جنگوں کے زمانہ میں صرف ایک پوشاک (جو فی نفسہٖ جائز اور مباح امور میں شامل ہے) کے استعمال سے ان پر کسروی رنگ کیسے غالب آ گیا؟ اور پھر پوشاک کا استعمال بھی ملی ضرورت کے پیش نظر

① طبری ص 207 ج 4
② محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص 9 ج 2
③ کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف ص 960

کیا گیا تا کہ کفر اہل اسلام کی انتہائی سادگی کو ان کی غربت اور افلاس کی دلیل نہ بنا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی اس شوکت کے اظہار میں منفرد نہیں تھے بلکہ روم اور ایران کی پرشکوہ سلطنتوں کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگانے والے سارے ہی سربراہان فوج حضرت خالد بن ولید، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور ان کے دوسرے رفقاء سب کے ہاں ہی اس کا اہتمام موجود تھا۔ ورنہ جہاں تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معمول کا تعلق ہے تو (ابن کثیر اور ابن العربی رحمہ اللہ کے حوالے اوپر گزر چکے ہیں) آپ ہمیشہ کئی کئی پیوند لگا لباس پہنتے تھے اور آپ کی درویشی کا یہ نشان پورے ملک میں پہچانا جاتا تھا۔ اور بسا اوقات لوگ تبرک کے طور پر ان سے یہ لباس مانگ لیتے تھے۔

لٰہذا دشمنانِ صحابہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کہ انہوں نے قیصر وکسریٰ کا طرزِ زندگی اختیار کر لیا تھا محض تعصب، ضد اور بغض وعناد پر مبنی ہے۔

19

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طاقت، اختیارات اور دولت میں اضافہ کیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم مزاجی اور کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی طاقت، اختیارات اور دولت میں خوب اضافہ کیا۔

چنانچہ سید محمد ذوالقرنین زیدی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہ سنہری مواقع فراہم کر دیئے جن کا انہیں مدتوں سے انتظار تھا...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کے اقتدار اور دبدبہ میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ وہ شاہانہ زندگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی شروع کر چکے تھے۔ اور اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم مزاجی اور مشفقانہ سلوک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے بڑے خوبصورت طریقے سے اپنے اختیارات، اپنی طاقت اور دولت میں اضافہ کرنا شروع کر دیا...... وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں صرف دمشق کے والی تھے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کی حکومت کی حدود دمشق سے نکل کر سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل ابیض تک پھیل گئیں۔ اس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام، دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور اسرائیل کے تمام علاقوں کے والی تھے۔''①

یہی اعتراض جناب مودودی صاحب بار بار دہراتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صرف دمشق کی ولایت پر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی گورنری میں دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔''②

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے

---

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص 49، 50

② خلافت و ملوکیت ص 108

کی گورنری پر مامور کیے رکھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانۂ خلافت میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا۔ یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھگتنا پڑا...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ انہوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جما لیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم وکرم پر منحصر ہو گیا۔''①

یہ اعتراض انتہائی لچر قسم کا ہے۔ حیرت ہے کہ جو چیز آں محترم کی صلاحیت اور قابلیت کی دلیل تھی، اسی کو دشمنانِ صحابہ نے موردِ طعن ٹھہرا لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ خاندان معاویہ رضی اللہ عنہ کا شام کے ساتھ دورِ جاہلیت سے گہرا تعلق چلا آ رہا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دادا (حرب) کے دادا (عبد شمس) کا قیام زیادہ تر شام ہی میں رہا۔ وہ مکہ میں بہت کم قیام کرتے تھے۔ اس سے قبل ان کے دادا قصیٰ کی پرورش بھی ان کے ننھیال بنی قضاعہ میں ہوئی تھی۔ یہ قبیلہ شام کی طرف آباد تھا۔ ان کے بیٹے اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے دادا امیہ تو دس سال تک مسلسل شام میں ٹھہرے رہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بغرض تجارت اکثر شام جایا کرتے تھے۔ غزوہ بدر اور صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی وہ شام گئے ہوئے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان اسفار میں بسا اوقات اپنے والد کے ہمراہ رہے۔ اور گھر میں بزرگوں کی زبانی بھی شام کے حالات سے گہری واقفیت حاصل کر چکے تھے۔ قبول اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ آپ نے انہیں کتابت وحی کے علاوہ دیگر انتظامی امور بھی سونپ رکھے تھے۔

خاندانِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی لیاقت وقابلیت اور شام کے حالات سے آگاہی کی بنا پر ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج سے فارغ ہو کر 12ھ میں مدینہ پہنچتے ہی شام کی مہم کے لیے جن خاص حضرات کو سپہ سالار بنا کر فوجوں کو روانہ کیا ان میں سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت یزید رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا۔

---

① خلافت وملوکیت ص 115

کان اول الامراء الذین خرجوا الی الشام۔ ①

اس کے فوراً بعد ہی انہوں نے حضرت یزید رضی اللہ عنہ کی کمک کے لیے ایک اور لشکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ کیا۔②

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں شام کے بعض علاقوں کے فتح کرنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بڑا قابل قدر حصہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظیم صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ابتداء میں انہوں نے اپنے بھائی کی ماتحتی میں صیدا، عرقہ اور بیروت وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی مہم میں مقدمۃ الجیش کے کمانڈر کی حیثیت سے شرکت کی۔ عرقہ تمام تر اِن ہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ اس کے علاوہ ساحلی علاقوں کے بہت سے قلعے بھی فتح کیے۔ پورا شام فتح ہو چکا تھا۔ صرف قیساریہ کا نہایت آباد اور پررونق شہر باقی رہ گیا تھا۔ جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زبردست جدوجہد کے بعد فتح کر کے فتح شام پر مہر ثبت کر دی۔

مولانا عبدالقیوم ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے مضبوط قلعے اور کفر کی پناہ گاہوں کو اسلام کے قدموں میں لا ڈالا۔ قیساریہ کا عظیم الشان معرکہ جس میں اسّی ہزار رومی مارے گئے تھے آپ رضی اللہ عنہ ہی کی شجاعت، تدبر اور عظیم الشان جنگی و ملکی قابلیتوں کا رہین منت ہے۔''③

حضرت یزید رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ محسوس کیا کہ روم جیسی عظیم الشان، متمدن اور بحر سیاست کی شناور طاقت و رحکومت سے مقابلہ آسان نہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان کے مقابلے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسی عظیم و عبقری شخصیت کو ان کی جگہ شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ جغرافیائی اعتبار سے شام کا خطہ بڑا ہی نازک اور حساس تھا چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے داخلی معاملات و انتظامات اور رومی سیاست کے خصوصی ماہر تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں مسلسل چار برس تک انتہائی کامیابی و کامرانی کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیئے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

① تاریخ طبری ص 28 ج 4 ② البدایہ والنہایہ ص 4 ج 7
③ تاریخ ملت حصہ سوم ص 26

''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے علاقے پر حکمران بنائے رکھا جو ایک اہم سرحد تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہاں نظم وضبط اور انتظام حکومت کا پورا حق ادا کر دیا۔ اور لوگ ان کی سخاوت اور بردباری سے شاداں وفرحاں رہے...... اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بہت سے حضرات اگرچہ ان سے بہتر اور افضل تھے۔ لیکن یہ مردِ آہن اپنے کمالِ عقل، افراطِ حلم، وسعت نفس اور تدبیر ورائے کی بے پناہ قوت کے اعتبار سے صحیح معنوں میں سردار اور امورِ جہانبانی کے لائق تھے۔ ملک شام کی بیس سالہ گورنری اور اس کے بعد بیس سالہ خلافت کے دوران میں اپنی پوری رعیت میں وہ ہر دلعزیز محبوب رہے۔''①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حمص کی گورنری پر بھی انہیں مقرر کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کا علاقہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شرحبیل رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضی کے سبب معزول نہیں کیا گیا البتہ ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت کے تحت ایسا کیا گیا۔②

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر جب ملک سے باہر پہنچی تو شکست خوردہ قوموں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ مخالف طاقتیں مملکت اسلامیہ پر ٹوٹ پڑیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاقے پر رومی فوجوں نے ایسی یورش کر دی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو دوسروں کی مدد کیا کرتے تھے اس وقت خود مرکز سے امداد لینے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ کم وبیش دس ہزار مجاہدین کی فوج ان کی امداد کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے بھیجی گئی۔③

اب معاملہ صرف دفاع کا نہ رہا بلکہ یہ سوال پیدا ہو گیا کہ دشمن کی موجودہ پوزیشن ختم کرنے کے بعد کیا ہماری جدوجہد صرف سرحدوں کی حفاظت کے انتظام تک محدود رہنی چاہیے؟ یا ایسا اقدام کرنا چاہیے کہ جس سے دشمنوں کی ہمتیں پست ہو جائیں اور وہ آئندہ اس طرح کی یورش کرنے کا تصور بھی نہ کر سکیں؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اولوالعزم کارناموں اور مدبرانہ ودلیرانہ اقدامات سے تمام

① سیر اعلام النبلاء ص 88 ج 3
② الفاروق از محمد حسین ہیکل ص 298 ج 1
③ تاریخ طبری ص 46 ج 5

سرحدوں کو رومیوں کے قبضے سے چھین کر اسلام کو دوبارہ بطور نذرانہ پیش کیا۔ اور ہمیشہ کے لیے رومی خطرات سے ملک کو محفوظ و مامون کر دیا۔

چنانچہ آپ نے بہترین اور آزمودہ کار جرنیلوں کو فوج کی کمان سپرد کر کے مختلف مقامات پر فوج کشی کا حکم دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایک لشکر لے کر رومی علاقے پر چڑھائی کر دی۔ رومی لشکر خوف زدہ ہو کر انطاکیہ و طرطوس کے تمام درمیانی قلعے چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ طرابلس، شام، عموریہ، شمشاط، ملطیہ، انطاکیہ، طرطوس، ارواڈ، روڈس اور صقلیہ آپ رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں حدودِ نصرانیت سے نکل کر اسلامی سلطنت میں داخل ہوئے۔

اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں فتح قبرص کی تڑپ انگڑائیاں لے رہی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کی فطرتِ عالمگیر تھی۔ آپ کی ہمت عالی کا تقاضا یہ تھا کہ عرب سے نکل کر یورپ اور افریقہ وغیرہ کو اسلام کے زیرِ نگین کر کے اشاعت اسلام کی راہیں پیدا کی جائیں۔ لہٰذا آپ کی دور اندیشی، فراست و بصیرت کا یہ فیصلہ تھا کہ اگر اسلام کو بحیثیت ایک نظام حیات کے دنیا میں غالب کرنا اور روم کی غیر اسلامی شوکت وسطوت پارینہ کو اپنے پاؤں تلے کچلنا ہے تو اس کے لیے اسلامی بحری بیڑے کو وجود میں لانا پڑے گا۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں ہی اس حقیقت و ادراک کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحری بیڑے کی تیاری اور بحری جنگ کی اجازت طلب کی مگر چونکہ وہ بری مہمات میں زیادہ مصروف تھے اس لیے نیا محاذ کھولنے کی اجازت نہ دی۔ پھر آپ نے عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں دربارِ خلافت سے بحری جنگ کی باقاعدہ اجازت طلب کر لی۔

ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا مدبر اس اقدام کی اجازت طلب کر رہا ہے تو لامحالہ اقدام کے لوازم سے بھی بخوبی آگاہ ہو گا۔ اور پیش آنے والے ''متوقع'' خطرات کا بھی اسے پورا پورا اندازہ ہو گا۔ لہٰذا قیصر روم کی طاقت سے ٹکرانے اور تمام خطرات سے نمٹنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف ان کی عسکری قوت اور مالی معاونت میں اضافہ کیا بلکہ ''ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحرابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر دیا۔''

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طاقت، اختیارات اور ولایت میں توسیع نہ کرتے تو پھر انہیں بحری جنگ کی اجازت ہی نہ دیتے۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ بحری جنگ کا ذمہ دار گورنر سندھ

کو بنایا جائے اور کراچی کو اس کے حوالے نہ کیا جائے ......تو وہ کس طرح بحری جنگ لڑ سکتا ہے؟ اسی طرح دمشق تک محدود رہ کر بحری جنگ لڑی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ حیرت ہے کہ مودودی صاحب نے کھلی آنکھوں کس طرح اعتراض داغ دیا کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی گورنری میں دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر دیا۔''①

اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کی ہمدردیاں یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ ہیں۔ نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بحری جنگ کی اجازت دیتے نہ ان کے اختیارات میں اضافہ کرتے اور نہ رومی مقبوضات پر اسلام کا پرچم لہرایا جاتا۔

موصوف کی خواہش تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو سرے سے کوئی ذمہ داری سونپی ہی نہ جاتی اور اگر کوئی عہدہ دینا ناگزیر ہوتا تو پھر صرف دمشق کے ایس، ایچ، او بنا دیئے جاتے اور کسی سبائی کو ڈی، آئی، جی مقرر کر دیا جاتا تاکہ وہ آزادی کے ساتھ دشمنانِ اسلام پر یلغار نہ کر سکتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بحری جنگ کی اجازت دینے کے بعد بحیثیت خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قوت اور اختیارات میں اضافہ کرنا فرض اور واجب تھا۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طاقت اور اختیارات میں توسیع خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور منشا کے مطابق ہے تو پھر یہ بات کس طرح موردطعن واعتراض بن سکتی ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشادگرامی ہے: ''اول جیش من امتی یغزون البحر فقد اوجبوا۔ ''②

''میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس پر جنت واجب ہو چکی ہے۔''

اس حدیث سے تو واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارتِ شام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ امارت تھی۔ کیونکہ ان ہی کے مبارک دور میں اور ان ہی کی زیر قیادت وہ بحری غزوہ واقع ہوا جس پر آپ نے خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں اظہارِ مسرت فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جس کام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں تو اس پر کوئی دشمن رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ناراض ہو سکتا ہے۔

① خلافت وملوکیت ص 108، 115
② صحیح بخاری کتاب الجهاد باب ماقیل فی قتال الروم

20

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کنز اور ذخیرہ اندوزی کو جائز سمجھتے تھے

دشمنانِ صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ شاہانہ زندگی بسر کرنے کے علاوہ قرآن و حدیث کے برخلاف سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی کے قائل تھے۔ جس کی بنا پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف آواز بلند کی اور غریبوں کے حقوق امیروں کے قبضے سے نکلوانے کے لیے جہاد شروع کر دیا۔①

یہ طعن اور اعتراض بھی بالکل بے اصل اور خلافِ واقع ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا شمار اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ وہ فطری طور پر درویش منش اور سادگی پسند تھے۔ ترکِ دنیا اور زہد و تقویٰ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ یہی فطری اوصاف تھے کہ انہوں نے دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ''مسیح الاسلام'' کا لقب پایا۔ موصوف خود تارکِ الدنیا تھے۔ جمع زر کو مطلقاً (اس پر زکوٰۃ دی گئی ہو یا نہ دی گئی ہو) حرام جانتے تھے اور قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کرتے تھے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾②

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں۔''

جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ موصوف کے اس طرز استدلال کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ اور فرماتے کہ اس آیت سے قبل یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے اس لیے اس آیت کا تعلق بھی ان سے ہے۔ اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ سے یہ مراد لیتے تھے کہ تمام کا تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے برعکس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سے صرف زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ مراد

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص 51 مؤلفہ سید محمد ذوالقرنین زیدی
② التوبہ: 34

لیتے تھے کہ ان کی ادائیگی کے بعد دولت جمع ہو جائے تو وہ حرام نہیں۔

اس اختلاف کے پیش نظر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سختی کے ساتھ نہ صرف اپنے نظریہ کی تبلیغ و اشاعت کرتے بلکہ ہر اس آدمی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے جو اِن کا حامی نہ ہوتا۔ ان کی سختی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ:

انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایک شخص کو صرف اس بات پر کہ ''جس نے زکوٰۃ ادا کردی اس نے اپنا فرض ادا کر دیا'' زخمی کر دیا تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ سپر اِن سے لے کر فرمایا: ابوذر! اللہ کا خوف کرو اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبان قابو میں رکھو۔ ①

ملا باقر مجلسی نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو: ②

انہوں نے اپنا معمول یہ بنا لیا کہ وہ امیروں کے پاس جاتے اور فرماتے: اے لوگو! تم فقیروں کی خبر گیری کرو۔ اور جن آیات میں جمع زر کی مذمت کی گئی ہے انہیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور عذاب آخرت سے ڈراتے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ان برملا تقریروں کا اثر یہ ہوا کہ غرباء نے امراء پر دست اندازی شروع کر دی جس سے ان کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ اور شام جیسے مستحکم، متحد اور متفق صوبے کے امن کو اندرونی طور پر خطرہ لاحق ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن سبا کو اس اختلاف کا علم ہوا تو وہ فوراً دمشق پہنچا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بار بار ملاقات کر کے انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مزید اکسایا۔ ③

اس کے بعد ابن سبا حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے بھی وہی باتیں کیں۔ تو انہوں نے اس کی باتیں سن کر فرمایا: ''من انت؟ اظنک واللہ یهودیا''

''تم کون ہو؟ اللہ کی قسم! تم تو یہودی معلوم ہوتے ہو۔'' ④ اس نے دیکھا کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ مجھے بھانپ گئے ہیں چنانچہ وہ وہاں سے اٹھ کر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بھی اس خبیث یہودی کی فطرت کو بھانپ گئے۔ لہٰذا وہ اسے پکڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ:

---

① تاریخ طبری ص 484 ج 4

② بحار الانوار ص 425 ج 22

③④ ابن اثیر ص 57 ج 3

''ھذا و اللہ الذی بعث علیک ابا ذر (رضی اللہ عنہ)۔'' ''اللہ کی قسم! یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو برانگیختہ کر کے آپ کے پاس بھیجا تھا۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعرض نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ ایک جلیل القدر صحابی رسول تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے نظریے پر ڈٹے رہے اور اس کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ رونما ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے تمام صورت حال سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دیا۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ فتنہ نے اپنی سونڈ ہلانی شروع کر دی ہے اس لیے تم اغماض اور مصالحت سے کام لو اور ابوذر (رضی اللہ عنہ) کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اس نظریے کو امت میں قبولیت حاصل نہیں ہو سکی۔ یہ ان کا ایک ''منفردانہ'' نظریہ تھا، کیونکہ اگر ذخیرہ اندوزی کو جائز سمجھنے کا الزام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد ہو سکتا ہے تو اس سے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور امت مسلمہ کیسے محفوظ رہ سکتی ہے؟

موصوف کے اس نظریہ کے پیش نظر بعض مورخین انہیں مزدک کی تحریک اور اس کے مکتب خیال سے متاثر سمجھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے انہیں ''اول اشتراکی فی الاسلام'' یعنی اسلام میں سب سے پہلا کمیونسٹ قرار دیا ہے۔[2]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی توہین اور تنقیص اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے کسی نظریہ کو زمانہ قدیم کے کسی باطل مذہب کے نظریہ سے مستفاد اور متاثر بتایا جائے؟

اس اختلافی مسئلے میں اہل تشیع کا نظریہ بھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے خلاف اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تائید میں ہے۔ حیرت ہے کہ پھر بھی آں محترم پر مذکورہ طعن کیا جاتا ہے۔

شیعہ مفسر محمد بن مرتضیٰ المعروف فیض کاشانی لکھتے ہیں:

''لما نزلت ھذہ الآیة وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ ... قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل من تؤدی زکوته فلیس بکنز وان کان تحت سبع ارضین و کل مال لا تؤدی زکوته

[1] البدایہ والنہایہ ص 155 ج 7

[2] فجر الاسلام، امین احمد ص 111۔ خیر الدین زرکلی، اعلام الرجال ص 136 ج 2 الدولة العربیة الاسلامیہ، علی حسن خربوطلی ص 103

فهو کنز و ان کان فوق الارض۔ ''①

''جب یہ آیت ﴿وَ الَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ کنز نہیں اگرچہ وہ ساتوں زمینوں کے نیچے ہو اور ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی اگرچہ وہ زمین کے اوپر ہی کیوں نہ ہو وہ کنز میں داخل ہے۔''

ملا فتح علی کاشانی (شیعہ مفسر) لکھتے ہیں کہ:

مراد بعدم انفاق عدم زکوٰۃ است۔ یعنی زکوٰۃ نمی دہند چہ درخبر آمدہ است کہ **''ما ادّی زکوته فلیس بکنز''** آنچہ زکوٰۃ آں دادہ اند گنج نیست و نیز از آنحضرت مروی است کہ **''کل ما لم تؤد زکوته فهو کنز و ان کان ظاهرا او کل ما ادیت زکوته فلیس بکنز و ان کان مدفونا فی الارض۔''**

وابن عباس وحسن وشعبی وسدی نیز برآیند وجبائی دریں باب دعویٰ اجماع کردہ۔''

''اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ کی عدم ادائیگی ہے یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ حدیث میں آیا ہے کہ وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے اگرچہ وہ مال ظاہر ہو۔ اور ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کی گئی ہو وہ کنز نہیں اگرچہ زمین میں دفن شدہ ہو۔ حضرت ابن عباس، حسن، شعبی اور سدی سے بھی یہی تفسیر مذکور ہے اور جبائی نے تو اس مفہوم پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔''

مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے مابین زیر بحث ''نزاعی مسئلہ'' اپنی کتاب سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' جلد اول (ص 179 تا 183) میں زیر عنوان ''ایک فقہی اختلاف'' رقم کیا ہے جس میں دونوں اطراف کے مواقف واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق) مدینہ طیبہ روانہ کر دیا گیا۔ جب آپ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر

---

① تفسیر صافی ص 699 ج 1

غفاری رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کی اور اس موقف سے رجوع کے لیے ارشاد فرمایا......لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر زہد کا غلبہ تھا اس بناء پر وہ اپنے موقف سے باز نہ آئے اور رجوع اختیار نہیں کیا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ طیبہ سے باہر ربذہ کے مقام پر اقامت اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور بقدر کفایت ان کے لیے مالی وظیفہ جاری کر دیا......''①

حضرت موصوف نے اپنی ایک دوسری کتاب میں ''مطاعن عثمانی'' کے تحت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ ان رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر صفت زہد اور ترک دنیا کا غلبہ تھا، وہ مسئلہ میں اپنی تحقیق کے خلاف بات برداشت نہیں کرتے تھے اور طبیعت ''مغلوب الغضب'' تھی، ان کی منفردانہ رائے تھی، اس مسئلہ کو وہ عوام میں علانیہ بیان فرماتے تھے جس سے عام لوگوں کے لیے پریشانی رونما ہونے لگی اور شدید اضطراب پیدا ہو گیا۔ بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم پر انہیں مدینہ منورہ بھیج دیا گیا؛ وہاں بھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنا موقف شدت سے بیان کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے متروکہ اموال کو ''کنز'' قرار دیتے ہوئے ان کی ''شرعی وعید'' (جو آیت: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ بھی بیان فرمائی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھایا تو جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ طیش میں آ گئے اور مغلوب الغضب ہو کر کعب رضی اللہ عنہ کو اپنی لاٹھی دے ماری۔'' تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:②

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کے درمیان باعثِ نزاع یہی تفسیری اختلاف تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو کسی نے قبول نہیں کیا۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد مال و دولت کا جمع کرنا کنز نہیں بالاتفاق اسلام کا نظریہ معیشت قرار دیا گیا۔ پھر اس بنیاد پر آں محترم پر مذکورہ الزام عائد کرنا سوائے خبثِ باطن کے اور کچھ نہیں۔

؎ تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

① سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' جلد اول ص 180
② ''فوائد نافعہ'' جلد اول ص 510 تا 517، مطبوعہ دار الکتاب اردو بازار لاہور۔ اگست 2005ء سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ مؤلفہ مولانا محمد نافع جلد اول ص 179 تا 183

21

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو سزائے موت دی

دشمنانِ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا یہ عجیب وغریب اعتراض ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اختلاف کو برداشت نہ کرتے ہوئے انہیں ایک ایسے اونٹ پر سوار کر کے مدینہ روانہ کیا جس کا پالان تکلیف دہ تھا۔①

روزنامہ جنگ کے جمعہ میگزین میں کسی ''حامد میر'' کا ایک مضمون ''زہر کے پیالے سے پھانسی کے پھندے تک'' شائع ہوا۔ جس میں سزائے موت کے مختلف طریقے بیان کیے گئے چنانچہ مضمون نگار لکھتے ہیں کہ:

''طلوعِ اسلام کے فوراً بعد سیاسی مخالفت کی بنا پر ایک صحابی کو نئے انداز میں سزائے موت دینے کا واقعہ موجود ہے۔ جن دنوں امیر معاویہ شام میں ''کاخ خضریٰ'' کی تعمیر میں مصروف تھے تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم اس محل کو اپنے پیسے سے بنوا رہے ہو تو یہ فضول خرچی ہے اور اگر بیت المال سے خرچ کر رہے ہو تو خیانت ہے اس کے بعد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے شہر کی ایک مسجد میں بھی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ لوگو! جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسلام کے منافی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو شام سے نکال دیا گیا۔

شامی حکومت نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے اونٹ پر سوار کروایا جس کی پشت پر کھردری لکڑی کا کجاوہ رکھا گیا تھا تاکہ دورانِ سفر میں انہیں مسلسل تکلیف ہوتی رہے۔ اونٹ کے ساتھ پانچ وحشی نسل کے غلام بھیجے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ شام سے مدینہ تک کا راستہ بغیر تکان کے مکمل کریں گے۔ چنانچہ مسلسل سفر اور اونٹ کی تیز رفتاری کے

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ کے آئینے میں ص 54

باعث ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی رانوں کا گوشت ادھڑ گیا۔ اور وہ بے ہوش بھی رہے۔ مدینہ پہنچتے ہی حضرت کو ان کے خاندان سمیت ''ربذہ'' کے مقام پر نظر بند کر دیا گیا۔

''ربذہ'' ایک ویران اور بے آب و گیاہ علاقہ تھا بھوک اور پیاس کے باعث یہاں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے دم توڑ دیا اور بعد میں خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی چل بسے۔ سیاسی مخالفت کی بنا پر ایک صحابی کو سزائے موت دینے کا یہ واقعہ تاریخ اسلام میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔''①

مضمون نگار جناب حامد میر صاحب تو بلا شک وشبہ بے حیائی، ڈھٹائی اور جہالت کی تمام حدوں کو پار کر گئے ہیں۔ لیکن روز نامہ جنگ کا ادارہ یقیناً اس ''علمی، تحقیقی اور منفرد'' مضمون کی اشاعت پر قابل ''مبارک باد'' ہے؟ معلوم نہیں کہ کتنے ہی سادہ لوح مسلمان اور قارئین اس ''تبرائی'' اور مکروہ مضمون سے متاثر ہوئے ہوں گے۔

اس اعتراض کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب اصل واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

پیچھے یہ گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور انہیں نہایت عزت واحترام کے ساتھ خدام کے ہمراہ مدینہ بھیج دیا۔ جب ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو یہاں کے معاشرتی اور تہذیبی حالات میں کافی تبدیلی آ چکی تھی۔ مدینہ منورہ میں جو سادگی اور بے تکلفی عہد نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اور دور شیخین میں تھی اس میں بڑا فرق آ چکا تھا۔ اب یہاں شاندار عمارتیں اور مکانات بن گئے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ رنگ دیکھا تو بولے اے مدینہ والو! ڈرو اس لوٹ مار سے اور ضرب وحرب سے جس کا ہنگامہ یہاں برپا ہونے والا ہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے یہاں بھی ماحول اپنے لیے سازگار نہ پایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں بہت سمجھایا اور کہا کہ آپ یہاں میرے پاس رہیں آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ اے ابوذر! آپ کے زہد وتقویٰ، نیک نیتی اور اخلاص کا ہر شخص اور خود میں بھی

---

① روزنامہ جنگ راولپنڈی، جمعہ میگزین ص 14۔ 30 جون تا 6 جولائی 1989

معترف ہوں۔لیکن آپ لوگوں پر بے جا سختی نہ کریں۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم لوگ بھی غنی اور تو انگر لوگوں سے اس وقت تک راضی نہ ہوں جب تک وہ اپنا مال ومتاع غرباء پر خرچ نہ کردیں۔

اس موقع پر کعب الاحبار نے کہا کہ جو شخص اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا کردے اس کو مال جمع کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غضب ناک ہو گئے اور کعب کو مارنا شروع کر دیا اور کہا اے یہودن کے بیٹے! تو اس قسم کی باتیں کرتا ہے تیری حیثیت ہی کیا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا: اے ابوذر! اللہ سے ڈرو اور اپنی زبان اور ہاتھ کو روکو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو یہاں بھی اجنبی محسوس کرتے تھے لہٰذا انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ:

''تاذن لی فی الخروج من المدینة فان رسول اللہ ﷺ امرنی بالخروج منها اذا بلغ البناء سلعا ۔''

''مجھے مدینہ سے باہر جانے کی اجازت دیجیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی سلع تک پہنچ جائے تو اس وقت مدینہ سے باہر چلے جانا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ عرض کیا کہ ''ربذہ'' میں جو ایک چھوٹا سا سرسبز وشاداب گاؤں تھا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑی خاطر ومدارات کے ساتھ رخصت کیا اور دو غلام، کچھ اونٹنیاں اور کچھ نقدی بھی عطا کی تا کہ وہ آرام کے ساتھ ''ربذہ'' میں اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن گزار سکیں۔①

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے ساتھیوں میں رہیں۔ورنہ مجھے آپ کے بارے میں جاہل لوگوں کی طرف سے اندیشہ ہے۔''②

① ابن اثیر ص 57 ج3۔البدایہ والنہایہ ص 155 ج7، طبقات ابن سعد ص 227 ج4
② سیر اعلام النبلاء ص 52 ج2

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ میں منتقل ہو جانے کو ابن سبا اور اس کی ذریت نے خوب اچھالا۔ اور اس واقعہ کو خوب ہوا دی کہ انہیں جلا وطن کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں اہل عراق کا ایک وفد ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملا اور یہ کہہ کر بھڑکانے کی کوشش کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آپ کے ساتھ نہایت ظالمانہ سلوک ہے۔ آپ کو پہلے شام میں نہیں رہنے دیا پھر مدینہ بلا کر وہاں سے بھی باہر نکال دیا۔ لہٰذا اگر آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک چلائیں تو ہم ہر طرح سے آپ کا ساتھ دیں گے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تم اس معاملہ میں دخل نہ دو اپنے حاکم کو بدنام نہ کرو۔ کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا وہ توبہ کی قبولیت سے محروم رہا۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مجھے تختہ دار پر بھی لٹکا دیتے تو مجھے کوئی عذر نہ ہوتا۔ ①

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نہایت صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

''اللہ کی قسم! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلا وطن نہیں کیا تھا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ابوذر! جب مدینہ کی تعمیرات سلع تک پہنچ جائیں تو تم مدینہ چھوڑ دینا۔ ایک شخص نے حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلا وطن کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: پناہ بخدا! ایسا کیوں ہوتا؟'' ②

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے باقی ایام ''ربذہ'' ہی میں گزارے۔ ماہ ذی الحجہ 32ھ میں انتقال سے قبل بیٹی کو وصیت کی کہ میرے انتقال کے بعد تمہیں چند آدمیوں کا ایک قافلہ جاتے ہوئے ملے گا تم اس قافلہ کو میرے انتقال کی خبر دینا۔ پھر جب وہ قافلہ میری تکفین و تدفین سے فارغ ہو کر جانے لگے تو تم میری طرف سے ان کو قسم دے کر اس بکری کو ذبح کر کے ان سب کو کھانا کھلانا۔ بیٹی نے وصیت پر عمل کیا۔ اتفاق سے یہ قافلہ جن حضرات پر مشتمل تھا ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ہوئی تو بے ساختہ رو پڑے اور بولے سچ فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ تنہائی کے عالم میں مرے گا اور اسی حالت میں قیامت میں اٹھایا جائے گا۔ اس کے بعد قافلے نے میت کو غسل دیا، تکفین و تدفین کی۔

① طبقات ابن سعد ص 228 ج 4
② سیر اعلام النبلاء ص 52 ج 2

پھر جب واپس جانے لگے تو صاحبزادی نے باپ کا پیغام پہنچا کر سب کو کھانا کھلایا۔ جب یہ قافلہ جو غالباً حج کرنے جا رہا تھا مکہ پہنچا اور وہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ کو سخت صدمہ اور ملال ہوا۔ مکہ سے واپسی میں ربذہ کا راستہ اختیار کیا۔ اور وہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لواحقین کو ہمراہ لے کر مدینہ پہنچے اور اپنے متعلقین کے ساتھ ہی ان سب کے قیام کا انتظام فرمایا۔①

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ:

''وقد ارسل عثمان بن عفان الی اهله فضمهم مع اهله ۔''②

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک کارندہ بھیجا تا کہ وہ مقام ربذہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال کو ان کے پاس لے آئے۔ جب وہ لے آیا تو آپ نے ان کو بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ ملا لیا''۔

یہ تھی واقعہ کی اصل صورت مگر دشمنانِ صحابہ نے اسے کس قدر بگاڑ کر اور مسخ کر کے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو شام سے مدینہ بلا کر پھر ربذہ کی طرف جلاوطن کر دیا اور وہاں وہ تنگ دستی کے عالم میں انتقال کر گئے۔ وہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی انتہائی گھناؤنا اور بالکل بے بنیاد اعتراض کیا کہ انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو محض سیاسی مخالفت کی بنا پر ایک انوکھے اور منفرد طریقے سے موت کی سزا دی۔ لعنة الله علی الکذبین۔

---

① طبری ص 308 ج8
② البدایہ والنہایہ ص 165 ج7

22

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اقتدار کی طمع میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد سے گریز کیا

سید محمد ذوالقرنین زیدی زیر عنوان ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد سے گریز کرنا'' لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس عالم تنہائی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام میں یہ خط لکھ کر بھیجا کہ اہل مدینہ نافرمان ہو گئے ہیں اور بیعت توڑ دی ہے۔ اس لیے آپ اپنی طرف سے شام کے جنگجو سپاہی تیز رفتار سواریوں پر جلد بھیجیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی امداد میں تاخیر محسوس کی تو انہوں نے یزید بن اسد بن کرز اور دیگر اہل شام کے نام خطوط تحریر کیے۔ جن میں ان سے امداد طلب کی گئی تھی کہ اگر تم کچھ امداد بھیج سکتے ہو تو بہت جلد بھیجی جائے کیونکہ یہ لوگ بہت جلد میرا خاتمہ کرنے والے ہیں...... لیکن اس تمام تلخ حقیقت میں سب سے المناک چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصلحت آمیز روش تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پر ان گنت احسانات کیے تھے لیکن انہوں نے اپنے محسن خلیفہ کے احسانات کا بدلہ بے مروتی اور حیلے سے دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا رویہ اور ان کی روش اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی موت کے ذمہ دار تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ ان کا جلدی خاتمہ ہو جائے تاکہ اپنے لیے راستہ ہموار کر سکے۔''[1]

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے کوسوں دور شام میں بیٹھے محض اس لیے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے ذمہ دار ٹھہرائے جا سکتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے فوجی دستہ روانہ نہیں کیا تھا تو کیا (بقولِ شیعہ ''شیر خدا، مشکل کشا'') حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم جو مدینہ میں موجود تھے جن کے سامنے مفسدین نے قصر خلافت کا طویل محاصرہ کیا ہوا تھا اور بالآخر ان کے خون سے اپنے ہاتھ بھی

[1] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص 63-67

رنگین کر لیے کیوں نہیں ذمہ دار ٹھہرائے جاسکتے؟

حقیقت یہ ہے کہ نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سانحہ کے ذمہ دار ہیں اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم جو مدینہ میں مقیم تھے اس واقعہ کے ذمہ دار ٹھہرائے جاسکتے ہیں۔ بلکہ یہ تمام کاروائی سبائیوں، مفسدوں اور شورش پسندوں کی ہے جنہوں نے پہلے ملک بھر میں عمال عثمانی رضی اللہ عنہ کے مظالم کا جھوٹا پراپیگنڈہ کیا اور بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقدس خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے۔

جہاں تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد سے گریز کرنے کا تعلق ہے تو وہ سراپا لغو اور بے بنیاد ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ میں انتہائی اصرار اور لجاجت کے ساتھ عرض کیا تھا کہ امیر المومنین! یہاں کی حالت انتہائی غیر اطمینان بخش ہے اس لیے آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیے۔ وہاں آپ کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ آپ نے فرمایا: معاویہ! ساری زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزری اب خواہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے پھر بھی میں جوارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ میں آپ کی حفاظت کے لیے شام سے کچھ فوج بھیج دیتا ہوں...... آپ نے فرمایا: معاویہ رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والوں پر مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ نہیں کرنا چاہتا...... سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے چلتے چلتے پھر کہا مجھے ناگہانی حادثے کا شدید خطرہ ہے...... آپ نے جواب دیا: ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ ①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رخصت ہو کر جب واپس تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں چند مہاجرین سے ان کی ملاقات ہوئی۔ جن میں حضرت علی، حضرت طلحہ، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ اس وقت سامانِ سفر آپ کے ساتھ تھا۔ تلوار گلے میں اور کمان کندھے پر رکھی ہوئی تھی۔ ان حضرات کو سلام کر کے کمان کے سہارے کھڑے ہو گئے اور ان حضرات کو مخاطب کر کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ باتیں کیں اور ان کی حفاظت کے متعلق بعض تجاویز دینے کے بعد کہا:

"انی قد خلفت فیکم شیخا فاستو صوا بہ خیرا۔" ②

① طبری ص 382 ج 3، ابن اثیر ص 79 ج 3، البدایہ والنہایہ ص 169 ج 7
② ابن اثیر ص 79 ج 3

''میں ایک ضعیف بزرگ کو آپ کے پاس چھوڑ کر جا رہا ہوں ان کی بھلائی کا ہر ممکن خیال رکھنا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس گفتگو کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

''وتکلم بکلام بلیغ یشتمل علی الوصاۃ بعثمان بن عفان والتحذیر من اسلامه الی اعدائه ثم انصرف ذاهبا۔''①

''ان حضرات کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس نازک مسئلے پر انتہائی بلیغ کلام کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور انہیں ان کے دشمنوں سے بچانے کی تاکیدات کیں اور پھر اس کے بعد سفر شام پر روانہ ہو گئے۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس فتنہ اور شورش کو دبانے اور مٹانے کے لیے سب سے زیادہ سرگرم رہے۔ اور بار بار امیر المومنین سے فوجی کاروائی کی اجازت طلب کرتے رہے۔ انہیں شام منتقل ہونے کی دعوت دی اور پھر واپس جاتے ہوئے اہل مدینہ اور کبارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی حفاظت کرنے کی تاکید کی۔ حیرت ہے کہ ایسے شخص پر قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔

جہاں تک اس روایت کا ذکر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حالات کے انتہائی سنگین اور ابتر ہو جانے کے بعد گورنروں اور امرائے عساکر سے امداد طلب کی لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قصداً تاخیر سے کام لیتے رہے۔

اس روایت کے آخری حصہ کے لغو اور باطل ہونے میں تو کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصلحت سے کام لیا ہو بلکہ وہ تو دربارِ خلافت سے اجازت کے منتظر تھے تاخیر کیسے کر سکتے تھے؟

اگر یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امداد طلب کی تھی تو اسی روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تعمیل کرتے ہوئے ایک لشکر روانہ کر دیا تھا جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے نقل کیا ہے:

''جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مختلف علاقوں کے خوارج اور مفسدین نے ان کے گھر

---

① البدایہ والنہایہ ص 169 ج 7 تحت 34ھ

کا محاصرہ کر لیا اور ان کا مسجد تک نکلنا بھی دشوار ہو گیا تو انہوں نے والیٔ شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، والیٔ بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ سے ان مفسدین کو مدینہ سے نکالنے کے لیے لشکر طلب کیا اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مسلمہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا۔ یزید بن اسد قشیری اور اہل کوفہ نے بھی دستے روانہ کیے۔ پھر جب ان مفسدین کو امدادی لشکر کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے محاصرہ تنگ کر دیا۔ یہ لشکر ابھی مدینہ کے قریب نہیں پہنچے تھے کہ ان کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچ گئی۔"①

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنے گورنروں سے امدادی لشکر طلب کرنا ہی محل نظر ہے۔ اگرچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اور دیگر مورخین نے اسے نقل کیا ہے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمہ اللہ اس امداد طلبی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"امیر المومنین نے گورنروں اور امرائے افواج کو خطوط لکھ کر ان کو صورت حال سے مطلع کیا اور امداد طلب کی۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اس امداد کا مقصد جنگ اور قتل وقتال ہرگز نہیں تھا۔ کیونکہ امیر المومنین ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے روادار نہیں ہو سکتے تھے کہ ان کی وجہ سے کسی ایک مسلمان کی بھی خونریزی ہو۔ بلکہ مقصد صرف یہ تھا کہ یہ سب آئیں گے تو باغی جان بچانے کی غرض سے خوف زدہ ہو کر خود بخود بھاگ جائیں گے۔"②

لیکن اس توجیہ میں کوئی وزن نہیں ہے اور نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اس آخری مرحلے میں امداد طلب کرنا درست معلوم ہوتا ہے۔ موصوف خود گھرے ہوئے ہیں غذا اور پانی تک اندر نہیں پہنچنے دیا جاتا۔ اور خطوط شام، بصرہ اور اہل کوفہ کو لکھے جا رہے ہیں جبکہ محاصرہ کرنے والوں میں بھی بصری اور کوفی شامل ہیں۔

مزید برآں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ سے امداد کیوں طلب نہیں کی۔ جبکہ وہ بار بار آپ سے درخواست بھی کر رہے تھے۔ ایسے نازک اور سنگین موقع پر قریب کے

① البدایہ والنہایہ ص 180 ج 7، تحت ذکر امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ
② عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ص 280

رفقاء کو چھوڑ کر دور دراز کے لوگوں سے امداد طلب کرنا بجائے خود ایک معمہ ہے۔ اسی لیے دشمنانِ صحابہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اہل مدینہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی رضامندی کے ساتھ عمل میں آیا۔

سوال یہ ہے کہ ایسے موقع پر جب امیر المومنین کی بانگ دہل توہین کی جا رہی تھی، آں محترم پر سنگ باری ہوتی رہی اور اس عصا کو بھی توڑ دیا گیا جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات شیخین اور خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گیارہ سال سے استعمال کر رہے تھے...... صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا کردار ادا کیا؟ کیا وہ ان باغیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے؟ کیا یہ سب کچھ ''منکر'' میں داخل نہیں تھا؟ کیا منکر کو ہاتھ، قوت اور زبان کے ساتھ ختم کرنے کا ابھی موقع نہیں آیا تھا؟

اس کے جواب میں یہی کہا جاتا ہے کہ انہیں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی کاروائی سے روک دیا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ بار بار اجازت طلب کرتے ہیں لیکن موصوف فرماتے ہیں کہ:

میں اپنی ذات کی حفاظت کے لیے قتال کی اجازت نہیں دے سکتا۔

اور قتال کی اجازت طلب کرنے والوں کو قسمیں دے کر واپس کرتے رہے۔ تلوار سے قتال کی اجازت طلب کرنے والوں میں زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ، سلیط بن سلیط وغیرہم رضی اللہ عنہم کے اسماء مورخین اور محدثین نے ذکر کیے ہیں۔ بلکہ ایک موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت باغیوں کے ساتھ لڑنے کے لیے باہر نکلی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتا چلا تو:

''فبعث الیھم یقسم علیھم لما کفوا ایدیھم و سکنوا حتی یقضی اللہ ما یشاء''

آپ نے ان کی طرف ایک آدمی بھیجا اور انہیں قسم دیتے ہوئے کہا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھیں اور کسی سے کوئی تعرض نہ کریں اور امن وسکون سے رہیں یہاں تک کہ امر الٰہی پورا ہو۔''

یہ حکم سن کر وہ سب اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مسلح ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت کے لیے آئے تو آپ نے انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''اگر تم لوگ مجھ پر حق سمجھتے ہوئے میری اطاعت کرنا چاہتے ہو تو اپنی تلواروں کو نیام میں کر

کے واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ ہم قتل وقتال نہیں چاہتے۔''①

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کیا: انصار مدینہ کی ایک جماعت دروازے پر حاضر ہے۔ اگر ارشاد ہو تو وہ جان تک کی بازی لگانے اور دوبارہ اللہ کی راہ میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھانے کو تیار ہے۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں جنگ کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔''

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: آپ کے حامیوں اور جان نثاروں کی ایک مضبوط اور طاقتور جماعت مدینہ طیبہ میں موجود ہے آپ مقابلے کی اجازت دیں۔

اسی طرح فرداً فرداً حضرت ابوہریرہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم اجازت طلب کرتے ہیں بلکہ ایک موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی منت کی کہ ہمیں مدافعت کی اجازت دی جائے تو آپ نے فرمایا:

اس وقت میرا سب سے بڑا حمایتی اور مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ اٹھائے۔②

مشہور تابعی محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جس وقت باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کیا ہوا تھا اس وقت سات سو کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس قصر خلافت میں موجود تھے۔ امیر المومنین اگر انہیں اجازت دیتے تو وہ باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا امیر المومنین اس وقت قصر خلافت میں جان نثاروں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ ہم وہی لوگ ہیں کہ خراسان سے افریقہ تک کوئی شخص ہماری تلواروں کی تاب نہ لا سکا۔ اگر اجازت ہو تو ان باغیوں کو ان کی شر پسندی کا مزا چکھائیں آپ نے جواب میں فرمایا:

اگر تم میں سے کسی ایک شخص کا بھی لڑنے کا ارادہ ہو تو میں اس کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے۔③

ان لوگوں کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ اور غیر آزاد کردہ غلاموں کی اتنی بڑی تعداد

---

① التمهيد والبيان في مقتل الشهيد عثمان ص 113، از محمد بن يحيٰ بن ابي بكر اندلسي
②③ طبقات ابن سعد ص 69،70 ج3

وہاں موجود تھی کہ اگر ان کو اجازت مل جاتی تو وہ دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے لیے بھی یہ جواب تھا کہ اگر تم لوگ میرا حق نمک ادا کرنا چاہتے ہو تو تمام ہتھیار اتار دو اور تم میں سے جو ہتھیار اتار دے گا وہ آزاد ہے۔①

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جس شخص پر میرا کوئی حق ہے میں اسے اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں وہ اپنا ہاتھ روکے رکھے اور اپنے گھر چلا جائے۔'' اور اس وقت آپ کے پاس اکابر رضی اللہ عنہم اور ان کے صاحبزادوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اور آپ نے اپنے غلاموں سے فرمایا:

''**من اغمد سیفه فهو حر۔**''②

''جس نے اپنی تلوار کو نیام میں رکھ لیا وہ آزاد ہے۔''

الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کی حفاظت کی خاطر مسلمانوں کے گروہوں میں جنگ وقتال کی اجازت نہیں دی اور امت مسلمہ کو اپنی ذات کے لیے خون ریزی سے بچا لیا اور خود شہید ہو گئے۔ اہل اسلام کے حق میں خیر خواہی کا یہ جذبہ بے مثال ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے موقع پر موجود اِن جان نثاروں کی پیش کشوں کو ٹھکرا کر شام، بصرہ اور کوفہ والوں سے امداد طلب کی تھی؟ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصداً کسی مصلحت کے تحت امداد سے ہاتھ روک لیا تھا؟ یا قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش کارفرما تھی؟

اور اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنروں سے امداد طلب کی تھی جس کے جواب میں انہوں نے بطور امداد فوجی دستے روانہ کر دیئے تھے مگر ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے جس کی وجہ سے یہ فوجی دستے اپنے اپنے علاقوں کو واپس ہو گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ فوجی دستے واپس کیوں ہوئے؟ انہیں تو مدینہ میں داخل ہو کر ان قاتلوں کو ٹھکانے لگانا چاہیے تھا ان فوجی دستوں کی آمد کا مقصد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی یا موت کی اطلاع حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ خلیفہ کی حفاظت اور مفسدین کو مدینہ سے باہر نکالنا تھا۔ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد تو اِن

① طبقات ابن سعد ص 70 ج 3
② البدایہ والنہایہ ص 182 ج 7

دستوں کی ذمہ داری میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اگر وہ فوجی دستے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جان کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم انہیں ان کی نعش کی حفاظت اور ان کی تکفین و تدفین کے عمل میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے تھا۔

اگر یہی دستے اس وقت مدینہ میں داخل ہو جاتے تو تاریخ میں ''جمل اور صفین'' کا کوئی نام نہ ملتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گورنروں سے امدادی لشکر طلب کرنے کا افسانہ بعد میں وضع کیا گیا۔ کیونکہ یہ روایت ''محمد بن سائب کلبی'' کی ہے۔① اور محدثین اور علمائے رجال کے نزدیک یہ ذات شریف انتہائی دروغ گو اور کذاب ہے۔②

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد سے گریز کیا تھا سراسر لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

---

①طبری ص 115 ج 5
②میزان الاعتدال ص 556 ج 3

23

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور بیعت سے انکار

ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ایجنٹ اس اعتراض کے ذریعے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر خوب طعن و تشنیع اور تبرا کرتے ہیں۔ چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''یہ اس بات کا صاف نوٹس تھا کہ شام کا صوبہ نئے خلیفہ کی اطاعت کے لیے تیار نہیں ہے...... اس کے صاف معنی یہ تھے کہ شام کا گورنر صرف اطاعت ہی سے منحرف نہیں ہے بلکہ اپنے صوبے کی پوری فوجی طاقت مرکزی حکومت سے لڑنے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے اور اس کے پیش نظر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ خلیفہ وقت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینا ہے۔ یہ سب کچھ اس چیز کا نتیجہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلسل ۱۶، ۱۷ سال ایک ہی صوبے اور وہ بھی جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم صوبے کی گورنری پر رکھے گئے۔ اسی وجہ سے شام خلافت عثمانیہ کے ایک صوبہ کی بہ نسبت ان کی ریاست زیادہ بن گیا تھا۔''①

یقیناً حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے مسلسل سترہ سال تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم صوبے کی گورنری پر برقرار رکھ کر جناب حضرت مودوی صاحب اور ان کے ہم خیال ہزاروں سبائیوں کے جذبات ''مجروح'' کیے ہیں۔ اگر وہ اتنے عرصہ تک گورنر نہ بنائے جاتے تو ان کی پوزیشن مستحکم نہ ہوتی، عبداللہ بن سبا کو لاتیں مار کر شام بدر نہ کیا جاتا۔ کاش مودودی صاحب حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر کسی درجے میں اعتماد کر لیتے کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ درست اور صحیح فیصلہ تھا۔

موصوف جس صوبے کو جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم قرار دے رہے ہیں کیا حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اس کی اہمیت سے بے خبر تھے؟ اسی اہمیت کے پیش نظر ہی تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور غیر معمولی قابلیت کے حامل شخص کا تقرر کیا تھا۔

رہا آں محترم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اور اطاعت نہ کرنا تو اس کی وجہ شام کی گورنری نہیں تھی

① خلافت وملوکیت ص 133

بلکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا رویہ تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کن حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی تھی؟ اور کیا صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت سے انکار کیا تھا یا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی بیعت نہ کرنے میں شامل تھے؟ ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں تھے۔لیکن جو لوگ مدینہ میں موجود تھے کیا ان سب نے بیعت کر لی تھی؟ کیا اس عدم بیعت سے وہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے؟

معتبر روایات کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت 18 ذی الحجہ 35 ھ میں جمعہ کے دن عصر کی نماز کے وقت بحالت صوم ہوئی۔ ①

اور ہفتہ کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان ان کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی پھر انہیں جنت البقیع کے قریب حش کوکب میں دفن کر دیا گیا۔ ②

بعض روایات کے مطابق ''تین روز تک نعش بے گور و کفن پڑی رہی'' ③

مختلف روایات کے مطابق ان کی نماز جنازہ حضرت زبیر، مروان، جبیر بن مطعم یا حکیم بن حزام نے پڑھائی۔ رضی اللہ عنہم۔ ④

اس دردناک اور المناک واقعہ کے بعد ان ہی باغیوں اور سبائیوں کا سرغنہ غافقی بن حرب پانچ دن تک مدینہ منورہ کی ''مسند امارت'' پر قابض رہا۔ پورے شہر کا نظم و نسق اس کے احکام کے تحت چلتا رہا۔ اور یہ شخص نمازوں میں امامت کے فرائض بھی سرانجام دیتا رہا۔ ان ہی سبائیوں نے خلیفہ کے تقرر کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ اور حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم پر اس منصب کو قبول کرنے کے لیے زور ڈالنا شروع کر دیا۔لیکن ان سب نے انکار کر دیا۔ پھر انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر وہ اس معاملے کو طے کیے بغیر واپس چلے گئے تو وہ محفوظ نہیں رہیں گے۔

چنانچہ وہ دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اس دفعہ مالک اشتر نخعی بھی ان کے ساتھ تھا اس

---

① البدایہ والنہایہ ص 190 ج 7
② طبقات ابن سعد ص 54 ج 3
③ تاریخ ملت جلد اول ص 349 مطبوعہ دار الاشاعت کراچی
④ مسند احمد ص 74 ج 1۔ کتاب التمہید والبیان ص 142

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اس کے بعد اس کے سب ساتھیوں نے بھی بیعت کر لی۔ مزید تفصیل کے لیے: **البدایہ والنہایہ جلد 7 ص 226 تا 229، باب "ذکر بیعة علی رضی اللہ عنہ بالخلافة"** کی طرف مراجعت فرمائیں۔ غافقی کے "حاکم و منتظم" مدینہ کے لیے "المرتضیٰ" مؤلفہ ابوالحسن علی ندوی ص 235، غافقی کے "امام صلوٰۃ" کے لیے تاریخ ملت جلد اول ص 253 مؤلفہ مفتی زین العابدین میرٹھی، خارجی فتنہ حصہ دوم مؤلفہ مولانا قاضی مظہر حسین طبع اول 1983ء ص 623 طبع سوم 2015ء باہتمام حافظ عبدالجبار سلفی ص 460 کے مطابق غافقی بن حرب ایک ہفتہ تک نمازیں پڑھاتا رہا۔

خلیفہ کے انتخاب کے لیے باغیوں کی تحریک اور اس میں ان کی حد درجہ دلچسپی کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس منصب کے قبول کرنے سے منع کیا۔ بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کی خیر خواہی کے پیش نظر یہ منصب قبول کر لیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ آپ کے ہاتھ پر سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے بیعت کی جو قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں پیش پیش تھے۔ بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلواروں کی نوک پر بھی بیعت کے لیے مجبور کیا گیا۔ باغی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لیے بجبر پکڑ کر لے گئے۔

قال طلحة بايعت والسيف فوق رأسي فقال سعد: لا أدري والسيف على رأسه ام لا، الا انى اعلم أنه بايع كارهاً۔ ①

"حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: میں نے اس حال میں بیعت کی ہے کہ تلوار میرے سر پر لٹک رہی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ تلوار ان کے سر پر موجود تھی یا نہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ طلحہ رضی اللہ عنہ سے زبردستی بیعت لی گئی تھی۔"

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دوسرے دن آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ مدینہ میں جس قدر مہاجرین وانصار تھے سب نے آپ کے ہاتھ پر برضا ورغبت بیعت کی اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے سوا، ان دونوں نے بلوائیوں کے جبر سے بیعت کی ...

① طبری ص 435 ج 4

آپ کے عہد خلافت میں کفار سے جہاد بالکل موقوف رہا اور اسلامی فتوحات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ آپ کا تمام زمانہ خلافت آپس کی لڑائیوں میں صرف ہو گیا۔''①

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زیر عنوان:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت'' لکھتے ہیں کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پانچ دنوں تک اہل مدینہ اور اس کے حاکم و منتظم غافقی بن حرب کو انتظار رہا کہ مسلمانوں کی سربراہی کے لیے کون آگے بڑھتا ہے۔۔۔''②

مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی لکھتے ہیں کہ:

''شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مدینہ منورہ کی فضا فتنہ وفساد کے غبار سے تاریک تھی۔ آفاقی (مصر، کوفہ اور بصرہ کے مفسدین) دارالخلافہ پر چھائے ہوئے تھے۔ اکابر صحابہ میں سے کچھ تو ملک کی فوجی و انتظامی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں سرحدات اور مختلف صوبہ جات میں منتشر تھے۔ کچھ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ معظمہ میں مقیم تھے اور کچھ مدینہ منورہ میں فتنہ وفساد کی گرم بازاری کو دیکھ کر مختلف اطراف میں نکل گئے تھے۔ تھوڑی سی تعداد مدینہ منورہ میں موجود تھی لیکن آفاقیوں کے غلبہ وتسلط نے آزادی فکر وعمل کا حق ان کے لیے محفوظ نہ رکھا تھا۔

شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ غافقی (امیر مفسدین مصر) مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں امامت کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اس دوران میں آفاقیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کے لیے تجویز کیا اور ان سے اس منصب کو قبول کرنے کی درخواست کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے تو انکار کیا لیکن جب دیکھا کہ اکابر صحابہ کی بھی یہی رائے ہے تو آپ نے اس بار گراں کی ذمہ داری کو قبول فرما لیا۔ سب سے پہلے مالک اشتر نے بیعت کی اس کے بعد دوسرے لوگوں نے۔۔۔''③

موصوف اس سے پہلے یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ:

① خلفائے راشدین ص 215۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی
② المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ص 235۔ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی
③ تاریخ ملت جلد اول ص 253۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی

''خلیفۃ المسلمین کے گلشن حیات کو تاراج کرنے کے بعد مفسدین نے کاشانہ خلافت کو لوٹا، پھر بیت المال پر ہاتھ صاف کیا۔ سارے مدینہ میں مفسدین کا راج تھا۔ دلوں پر ان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی اور زبانوں پر ان کے خوف سے مہر لگی ہوئی تھی۔''①

مولانا محمد نافع صاحبؒ زیر عنوان ''خلیفہ رابع کے انتخاب کا مسئلہ'' لکھتے ہیں:

''جن حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ان میں یہ مفسد لوگ کسی کو امیر منتخب کیے بغیر واپس لوٹنا اپنے لیے مہلک سمجھتے تھے اور اس میں اختلاف الناس و فساد امت کے خطرات تھے پس اس معاملہ میں وہ خود پریشان تھے کہ کس کو امیر بنایا جائے؟---

(ان مفسدین نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کر کے انہیں اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر ان کے انکار کے بعد)

یہ لوگ کسی دوسری شخصیت کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے لیے آمادہ نہ کر سکے یا انہوں نے کسی دیگر شخصیت کو اس منصب کے لیے موزوں نہ پایا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پھر حاضر ہو کر اصرار کرنے لگے ---- تو ان حالات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیعت لینا قبول فرما لیا---

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کثیرہ کا اس وقت اہل مدینہ پر رعب اور تسلط تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے والے اولین یہی افراد تھے کیونکہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے ایک گونہ اپنی سیاسی پناہ چاہتے تھے اور اس کے بغیر انہیں کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان مضطربانہ حالات کے تحت ان کی بیعت لینے سے گریز بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان سے اجتناب کرنا ان کے لیے دشوار تر تھا۔''②

علامہ خالد محمود ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد اس چال سے جمع ہوئے کہ یہ لوگ ان کی کوئی بات چلنے نہ دیتے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برسر عام برا بھلا کہتے

① تاریخ ملت جلد اول ص 249۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی
② سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ص 226-227

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں کہتے کہ میں تمہارے ان اعمال سے سخت نالاں ہوں......
اپنی زورآوری سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حال کر رکھا تھا کہ آپ کو جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی آپ انہیں پکڑتے کیوں نہیں تو آپ نے فرمایا:

"انی لست اجهل ما تعلمون ولكن كيف لی بقوة والقوم المجلبون علٰی حد شوكتهم يملكوننا ولا نملكهم"

ترجمہ۔"میں اس سے ناواقف نہیں جو تم جانتے ہو لیکن میری طاقت ہی کب ہے (کہ انہیں پکڑ سکوں) اور وہ اپنی پوری شوکت سے چھائے ہوئے ہیں وہ ہم پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں ہم ان پر حکومت نہیں کر رہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے بسی تھی جو انہوں نے آپ کے پورے ماحول پر مسلط کر رکھی تھی لیکن یہ لوگ دل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے خیر خواہ نہ تھے۔اس خاندان کی خیر خواہی کا دم اسی حد تک بھرتے جس حد تک بنوامیہ کو برا بھلا کہنے کا انہیں موقع مل سکے۔حبِ علی رضی اللہ عنہ سے غرض نہ تھی محض بغض معاویہ رضی اللہ عنہ درکار تھا اور ایسی پالیسی تھی کہ قومی بے وفائی پر یہ آج تک ضرب المثل چلی آرہی ہے۔"①

مذکورہ حقائق سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب کس ماحول اور کن حالات کے تحت عمل میں آیا تھا۔

لٰہذا یہ دعویٰ باطل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب آزادانہ ماحول میں ہوا۔اسی وجہ سے بہت سے لوگ بیعت علی رضی اللہ عنہ سے کنارہ کش رہے۔شام کا پورا صوبہ الگ رہا۔مدینہ سے بھی بعض افراد بیعت سے بچنے کے لیے دوسرے علاقوں کی طرف منتقل ہو گئے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت اکثر اہل مدینہ وہاں موجود ہی نہیں تھے۔②

①عبقات جلد دوم ص 431-432۔مطبوعہ دار المعارف لاہور
②البدایہ والنہایہ ص 197 ج 7

گویا بیعت علی رضی اللہ عنہ کے وقت خود باشندگانِ مدینہ کی اکثریت غیر حاضر تھی۔ کوفہ، بصرہ اور مصر کے صوبوں میں بھی ایک گروہ آپ کی بیعت سے کنارہ کش رہا۔ مصر کے ایک شہر ''خربتا'' کے دس ہزار افراد نے بیعت نہیں کی۔ ①

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مجبوراً اور مشروط بیعت کی جسے بعد میں توڑ دیا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت سے گریز کیا۔ اسامہ بن زید، ابوسعید خدری، قدامہ بن مظعون، صہیب، زید بن ثابت، محمد بن مسلمہ، حسان بن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخلد، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، نعمان بن بشیر، فضالہ بن عبید، عبداللہ بن سلام، رافع بن خدیج، اور مغیرہ بن شعبہ وغیرہم رضی اللہ عنہم مشہور ہیں۔ ②

اس فہرست سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ صرف ان ہی چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت سے گریز کیا تھا بلکہ مورخین نے بطور مثال یہ نام پیش کیے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اس فہرست کے آخر میں واضح طور پر یہ لکھ دیا او غیرھم امثالھم من اکابر الصحابہ رضی اللہ عنہم یعنی ان جیسے دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی بیعت نہیں کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بالمقابل شرکائے جمل و صفین کی تعداد سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں غیر جانب دار افراد کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اور اطاعت میں داخل نہیں تھے یا ان کی معیت میں محاربین علی رضی اللہ عنہ: اصحابِ جمل و صفین کے ساتھ قتال سے گریز کیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''فان اکثر من المسلمین اما النصف واما اقل او اکثر لم یبایعوہ ولم یبایعوا سعد بن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیرھما۔'' ③

''مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد نصف یا اس سے کم یا زیادہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی اور سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، اور نہ ان کے علاوہ کئی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی۔''

مودودی صاحب نے بھی مجبوراً اس قدر تسلیم کیا کہ:

① طبری ص 553 ج 3
② حوالہ مذکور ص 452 ج 3، البدایہ والنہایہ ص 227 ج 7
③ منہاج السنہ ص 237 ج 2

''صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے 17 یا 20، ایسے بزرگ تھے جنہوں نے بیعت نہیں کی...... بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہنا یہ طرز عمل اگرچہ ان بزرگوں نے انتہائی نیک نیتی کے ساتھ فتنے سے بچنے کی خاطر اختیار فرمایا تھا وہ بہرحال امت کے نہایت بااثر لوگ تھے۔ ان میں سے ہر ایک ایسا تھا جس پر ہزاروں مسلمانوں کو اعتماد تھا۔ ان کی علیحدگی نے دلوں میں شک ڈال دیے۔''①

بیعت نہ کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد کو بہت کم ظاہر کرنے کے لیے مودودی صاحب نے اپنی مخصوص اور متعصّبانہ ذہنیت کے پیش نظر یہ لکھا ہے کہ وہ 17 یا 20 تھے۔ لیکن اگلے ہی صفحہ پر بادلِ نخواستہ یہ لکھ دیا کہ وہ اتنے بااثر تھے کہ ان میں سے ہر ایک پر ہزاروں لوگوں کو اعتماد تھا۔ گویا کہ بقول مودودی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ ہزاروں مسلمانوں کی حمایت سے محروم ہو گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ ان کی وجہ بھی ان ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے میں ان لوگوں کی شرکت تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے کے لیے باہر سے آئے ہوئے تھے ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے بالفعل جرم قتل کا ارتکاب کیا تھا اور وہ بھی جو قتل کے محرک اور اس میں اعانت کے مرتکب ہوئے تھے۔ اور ویسے مجموعی طور پر اس فساد کی ذمہ داری ان سب پر عائد ہوتی تھی۔ خلافت کے کام میں ان کی شرکت ایک بہت بڑے فتنے کی موجب بن گئی۔''②

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اور امورِ خلافت میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی شمولیت اور دخل اندازی ہی کی وجہ سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت سے گریز کیا۔ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تنہا نہیں تھے جنہیں سب سے زیادہ مطعون کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ ان واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان مختلف شہروں میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت موجود نہ تھے۔ لیکن جو صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے ان میں سے کسی نے تو بیعت کر لی تھی اور کوئی غیر جانب دار تھا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتماع کے بعد ان

①② خلافت وملوکیت ص 122، 123

کا کسی امام پر متفق ہونے کا منتظر تھا۔ جیسے سعد، سعید، ابن عمر، اسامہ بن زید، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن سلام، قدامہ بن مظعون، ابوسعید خدری، کعب بن مالک، نعمان بن بشیر، حسان بن ثابت، مسلمہ بن مخلد، فضالہ بن عبید وغیرہم رضی اللہ عنہم جو صحابہ غیر موجود تھے وہ بھی انتقام عثمان رضی اللہ عنہ لینے سے پہلے بیعت پر راضی نہ تھے اور خلافت کا مسئلہ یوں ہی چھوڑے ہوئے تھے جب تک مسلمانوں کے اجتماع میں باہمی مشورہ سے کوئی امام مقرر نہ کیا جائے۔ ان کا گمان تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انتقامِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں خاموشی اختیار فرما کر نرمی برت رہے ہیں۔ معاذ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ گمان نہ تھا کہ خدانخواستہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف پیدا ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے میں ان کی بیعت منعقد ہو چکی تھی اس کے برعکس بعض لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ناتمام اور غیر صحیح ہے۔ کیونکہ ان کے ارباب حل وعقد مختلف شہروں میں بکھر جانے کی وجہ سے موجود نہ تھے۔ جس قدر موجود تھے وہ تھوڑے سے تھے اور مسئلہ بیعت اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب اس پر تمام ارباب حل وعقد کا اتفاق ہو جائے۔ غیر ارباب حل وعقد کی موجودگی میں یا بعض کی موجودگی میں کسی کی بیعت سے دوسروں کو تسلیم کرنا واجب نہیں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بے داغ اور بری ہیں۔ اگر تم نگاہِ انصاف سے دیکھو تو تمہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور آپ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو اختلاف پیدا ہوئے ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مجبور ہی ماننا پڑے گا۔''①

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ منعقد ہوگئی تھی لیکن اس پر مسلمانوں کا اتفاق نہ ہو سکا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ جن دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی انہیں آپ کی ذات سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ وہ صرف خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے خواہاں تھے۔ بدقسمتی سے یہی قاتلین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں پیش پیش تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابتدا میں مشروط بیعت کی تھی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

① مقدمہ ابن خلدون اردو ص 33، 34 ج 2 نفیس اکیڈمی کراچی

حاضر ہو کر باقاعدہ قصاص کا مطالبہ کرتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی جواب تھا:

''انی لست اجهل ما تعلمون ولکن کیف اصنع بقوم یملکوننا ولا نملکهم۔ ''①

''جس چیز کو آپ جانتے ہیں میں بھی اس سے بے خبر نہیں ہوں لیکن میں اس قوم سے کیسے نمٹ سکتا ہوں جس کو ہم پر قابو ہے اور ہمیں اس پر قابو نہیں۔''

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے دوسرے فریق کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بحیثیت ایک خلیفہ یہ عذر انتہائی کمزور تھا اور وہ صرف قصاص چاہتے تھے۔ ان حضرات کے مطالبہ قصاص سے ہی یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بن جانے پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اگر انہیں اعتراض ہوتا تو پھر ان سے قصاص کا مطالبہ ہی کیوں کرتے؟ وہ تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفوں سے قاتلین کی علیحدگی اور انعقاد خلافت میں ارباب حل وعقد کا اتفاق چاہتے تھے۔

اس بحث کا مقصد صرف وہ حالات پیش کرنے ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بطور خلیفہ انتخاب ہوا تھا اور جن کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عدم بیعت واطاعت کا اعتراض کیا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ العیاذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد نہیں ہوئی۔ ان کی خلافت بالکل اسی طرح برحق ہے جس طرح اس سے پہلے حضرات ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت تھی۔

بعد کے مسلمانوں کو اس سے اختلاف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس وقت موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس سے اختلاف کا حق نہیں تھا۔ وہ بلاشبہ صاحب رائے تھے۔ تمام حالات ان کے سامنے پیش آئے۔ لہٰذا انہوں نے طریق انتخاب سے اور وہ بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی شمولیت کی وجہ سے اختلاف کیا اور اس کا انہیں پورا پورا حق حاصل تھا۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہنگامی حالات میں منعقد ہوئی تھی۔ زیادہ تر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ارباب حل وعقد غیر موجود تھے اور بیعت میں بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نے جبر واکراہ سے کام لیا تھا۔ لہٰذا عدم مبایعین پر طعن وتشنیع اور الزام تراشی ضد اور تعصب پر مبنی ہے۔

تعجب ہے کہ ان حقائق کی موجودگی میں سپاہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سرپرست اعلیٰ مولانا ضیاء الرحمن

---

①ابن اثیر ص 100، ج 3

فاروقی رحمہ اللہ نے یہ کیسے لکھ دیا کہ:

''مدینہ منورہ کے تمام ارباب حل وعقد نے باہمی مشاورت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت میں تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ کچھ لوگوں کا اصرار تھا کہ خلافت کے بعد سب سے پہلا کام قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام ہونا چاہیے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کے استحکام پر انتقام کو موقوف کر دیا۔''①

موصوف کا یہ تبصرہ بالکل خلافِ حقیقت ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ عدم استحکام بیعت نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا یا عدم قصاص کی وجہ سے؟ امورِ خلافت میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی شمولیت ہی کی وجہ سے خلافت کو عدم استحکام لاحق ہوا تھا۔ اگر قصاص کو ترجیح دی جاتی اور اسے موقوف نہ کیا جاتا تو جمل وصفین کا تاریخ میں کہیں نام ونشان نہ ملتا۔ فریقین کے مابین نزاعی مسئلہ ''قصاص عثمان رضی اللہ عنہ'' کا تھا۔ خلافت کو خطرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں بلکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے تھا۔ جو پہلے بھی خلافت کا تقدس بری طرح پامال کر چکے تھے۔

ارباب حل وعقد کو مسئلہ خلافت میں باہمی مشاورت کا موقع ہی کب ملا تھا؟ اور پھر مدینہ میں ان کی تعداد کتنی تھی؟ کیا طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما ارباب حل وعقد میں سے نہیں تھے؟ کیا ارباب حل وعقد کو بھی تلوار کی نوک پر مجبور کیا جاتا ہے؟ کیا قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ارباب حل وعقد میں سے تھے؟

جناب فاروقی صاحب کا یہ لکھنا کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت میں تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے''

تو جن صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام عدم مبایعین میں شامل ہیں۔ کیا ان کا شمار ''اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں نہیں ہوتا؟ لہٰذا فاروقی صاحب کا یہ تبصرہ حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

اس دور کا صحیح نقشہ وہی ہے جو پیچھے ارباب سیر وتاریخ بالخصوص مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ، مفتی زین العابدین میرٹھی، مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ اور علامہ خالد محمود کے حوالے سے ہدیۂ قارئین کیا جا چکا ہے۔

---

① خلافت وحکومت ص 140

24

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطالبہ قصاص کا حق حاصل نہیں تھا

سیدنا معاویہ ؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ خونِ عثمان ؓ کے قصاص کے مطالبہ کا حق شرعاً مقتول کے بیٹوں کو حاصل تھا نہ کہ حضرت معاویہ ؓ کو۔

جناب مودودی صاحب نے اپنی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر اس اعتراض میں خوب رنگ بھرے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اس (حضرت عائشہ، حضرت زبیر، حضرت طلحہ ؓ) سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرزِ عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہ ؓ کا تھا۔ جو معاویہ بن ابی سفیان ؓ کی حیثیت سے نہیں بلکہ شام کے گورنر کی حیثیت سے خونِ عثمان ؓ کا بدلہ لینے کے لیے اٹھے۔ مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا۔ گورنری کی طاقت اپنے اس مقصد کے لیے استعمال کی۔ اور مطالبہ بھی یہ نہیں کیا کہ حضرت علی ؓ قاتلین عثمان ؓ کو مقدمہ چلا کر انہیں سزا دیں۔ بلکہ یہ کیا کہ وہ قاتلین عثمان ؓ کو ان کے حوالے کر دیں۔ تاکہ وہ خود انہیں قتل کر دیں۔ یہ سب کچھ دورِ اسلامی کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے۔

خون عثمان ؓ کے مطالبے کا حق اوّل تو حضرت معاویہ ؓ کے بجائے حضرت عثمان ؓ کے شرعی وارثوں کو پہنچتا تھا تاہم اگر رشتہ داری کی بنا پر حضرت معاویہ ؓ اس مطالبہ کے مجاز ہو بھی سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کے گورنر کی حیثیت میں۔ حضرت عثمان ؓ کا رشتہ جو کچھ بھی تھا معاویہ بن ابی سفیان ؓ سے تھا۔ شام کی گورنری ان کی رشتہ دار نہ تھی۔''[1]

[1] خلافت وملوکیت ص 125، 126

موصوف نے اپنی مخصوص ذہنیت کی وجہ سے اس عبارت میں جو زہر گھولا ہے اسے برداشت کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسی حوصلہ مندی اور بردباری درکار ہے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطالبہ قصاص کا حق حاصل نہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی بے کسی، بے بسی، کمزوری اور مجبوری ظاہر کرنے کے بجائے ابتداء ہی میں اس معاملے کو یہ کہہ کر ختم کر دیتے کہ آپ کو شرعاً مطالبہ قصاص کا حق حاصل ہی نہیں ہے اس کا حق تو مقتول کے شرعی وارثوں کو ہے۔ افسوس ہے کہ جو شرعی نکتہ اس وقت ''باب علم'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں سوجھا وہ چودہ سو سال بعد مودودی صاحب جیسے ''مفکر اسلام'' کو سوجھ گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو یہ نکتہ سب سے پہلے حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے موقف کے جواب میں اٹھانا چاہیے تھا۔ جب حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ جانے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم نے آپ کے ہاتھ پر صرف اس لیے بیعت کی ہے کہ آپ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام لیں گے۔ ہم یاددہانی کے لیے ایک مرتبہ پھر حاضر ہوئے ہیں۔ تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس ''زریں نکتے'' کو اٹھانے کا سنہری موقع تھا کہ آپ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا رشتہ ہے؟ مقتول کے شرعی وارثوں کو میرے پاس آنا چاہیے تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بقول مودودی صاحب یہ جواب دیا:

> ''بھائیو! جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی بے خبر نہیں ہوں مگر ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ خدا کی قسم! میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا حالات سکون پر آنے دیجیے تاکہ لوگوں کے حواس برجا ہو جائیں، خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق حاصل کرنا ممکن ہو جائے۔''①

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ وضاحت خود مودودی صاحب کا مسکت جواب ہے۔ موصوف کو یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ایک عام شخص اور فرد واحد کا قتل ہے۔ جس کے مطالبہ قصاص کا حق مقتول کے شرعی وارثوں کو ہے۔ یہ غلط فہمی نہیں بلکہ ''کج فہمی و غلط اندیشی'' ہے۔ اور ''خود فریبی'' نہیں بلکہ ''فریب دہی'' ہے۔

---

① خلافت و ملوکیت ص 127، 128

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے۔ اور خلیفہ عام رعایا کا ولی ہوتا ہے۔ لہٰذا خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ مملکت کا ہر فرد اور ہر مسلمان کر سکتا ہے۔ ورنہ پھر کسی خلیفہ یا حاکم کا خون محفوظ نہیں رہے گا۔ اسی لیے اس وقت مسلمانوں نے قصاص کی آواز بلند کی۔ حجاز، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام سب علاقوں سے یہ صدا گونجنے لگی کہ ان قاتلین کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ اس سے بڑھ کر اس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بجا طور پر خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبے کے حق دار تھے۔

مودودی صاحب بتکرار لکھتے ہیں کہ:

اگر بالفرض ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رشتہ داری کی بنا پر اس مطالبے کے مجاز بھی ہو سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کے گورنر کی حیثیت میں'' ......

اجی حضرت! جب پوری مملکت میں مطالبہ قصاص کی آواز گونج رہی تھی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بحیثیت گورنر بھی اس عوامی آواز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وجہ جواز پوری طرح موجود تھی۔ مگر پھر بھی انہوں نے بحیثیت گورنر یہ مطالبہ ہرگز نہیں کیا وہ پر امن طریقے سے خود بھی اور وفود کے ذریعے سے بھی مطالبہ قصاص کرتے رہے تا آنکہ انہیں اپنے دفاع میں تلوار اٹھانے پر مجبور کر دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو وہ شخص تھے کہ جن کی محض ''افواہِ قتل'' پر قصاص کی خاطر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو داؤ پر لگا دینے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ اس ''بیعت رضوان'' میں ایک واضح اشارہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون اتنا ارزاں نہیں کہ جب وہ بہے تو لوگ خاموش بیٹھے رہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل نہ صرف ایک مسلمان کا، ایک صحابی کا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سربراہ اور خلیفہ راشد کا قتل ہے بغیر کسی وجہ کے قتل ہے۔ مرکز اسلام مدینہ منورہ میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں قتل ہے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے ایک روزہ دار کا قتل ہے۔

مزید برآں اس سانحہ فاجعہ سے نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذاتی بے حرمتی ہوئی بلکہ ایک امام اور منصب خلافت کی بھی بے حرمتی ہوئی۔ جس کا سارا دبدبہ وجلال خاک میں ملا دیا گیا۔ ان وجوہات کی بنا پر خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کی اہمیت کس قدر زیادہ ہو جاتی ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اسی خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ تھا جس کے لیے چودہ سو قدسی صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر موت کی بیعت کی تھی۔ جس کی تائید رب

کائنات نے فرمائی تھی۔

اس کے ساتھ ساتھ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینا آیت کریمہ ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ﴾① کی نص صریح کے مطابق بھی فرض تھا لیکن آہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے (یہ اعتراض کر کے) مطالبہ قصاص کا حق بھی چھینا جا رہا ہے۔ یقینا چودہ سو سال بعد قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی اس سے بڑھ کر اور کیا حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے؟

اس تفصیل سے مذکورہ اعتراض تو ختم ہو ہی گیا ہے مگر پھر بھی ممکن ہے کہ کسی ''دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے مروڑ ابھی تک ختم نہ ہوئے ہوں اور وہ پھر یہی رٹ لگائے کہ مطالبہ قصاص کا حق صرف مقتول کے شرعی وارثوں کا ہے؛ آیئے ایک نگاہ اس پہلو پر بھی ڈالتے جائیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نسبی تعلق
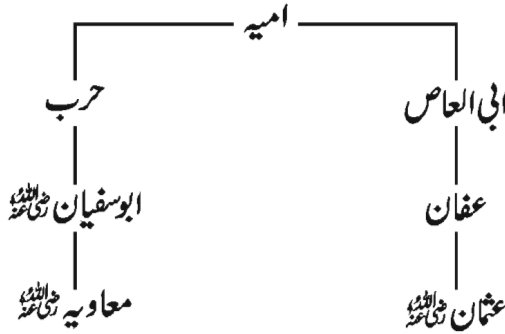
یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دادا ابی العاص اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دادا حرب دونوں حقیقی بھائی تھے۔ علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ رملہ رحمہا اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جناب عمرو رحمہ اللہ کے نکاح میں تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ولی تسلیم کیا ہے۔ شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک وفد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کو کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلوں گا

① البقرة:178

بشرطیکہ وہ یا تو خود قصاص عثمان رضی اللہ عنہ میں قاتلوں کو قتل کر دیں یا (اگر وہ خود نہ کر سکیں تو) ان کو میرے حوالے کر دیں اور دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی:

﴿وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ ①

اور جو شخص ظلماً مار دیا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے اس کے والی وارث کے لیے مضبوط حق۔ پھر وہ وارث (بدلہ لیتے وقت) مارنے میں زیادتی نہ کرے تو بلاشک وہی مدد یافتہ و غالب اور کامیاب رہے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص نہ لیا گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ضرور غالب ہوں گے'' ②

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس مطالبہ کی حمایت کی اور اس آیت سے استدلال فرمایا۔

اوپر تفصیل سے یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس مطالبہ میں تنہا نہیں تھے ان کے ساتھ جہاں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ شریک تھے۔ وہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے بھی شامل تھے۔ ایک صاحبزادے کا نام ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔ ان کے نکاح میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی پوتی سیدہ ام کلثوم بنت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہا تھیں۔ یہ ابان رحمہ اللہ بحیثیت ولی قصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ خاندان میں بڑے تھے اس لیے سب نے مل کر مطالبہ قصاص کی ذمہ داری انہیں سونپ دی تھی اور یہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ (جو اس مسئلے پر بات چیت کے لیے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کے پاس گئے ہوئے تھے) پر خود بھی واضح کر دیا تھا:

''انا ابن عمه و انا اطلب بدمه و امره الی ۔'' ③

''میں حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے چچا کا بیٹا ہوں اور میں ان کے خون کے قصاص کا طالب

---

① الاسراء: 33

② براۃ عثمان رضی اللہ عنہ ص 48

③ البدایہ والنہایہ ص 129 ج 8

ہوں اور یہ کام ولیوں کی طرف سے میرے ہی سپرد ہے۔''

اہل تشیع نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس حق کو تسلیم کیا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد سلیم بن قیس کوفی ہلالی عامری شیعی لکھتے ہیں کہ:

''ان معاویة یطلب بدم عثمان و معه ابان بن عثمان و ولد عثمان ۔''[1]

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کیا تو ان کے ساتھ ابان بن عثمان رحمہ اللہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دوسرے بیٹے بھی تھے۔''

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک شہری، ایک مسلمان، ایک بھائی، ایک ولی، ترجمانِ خاندان، صاحبِ رائے، ایک صحابی اور حتیٰ کہ ایک گورنر کی حیثیت سے بھی مطالبہ قصاص کے قانوناً اور شرعاً بجا طور پر حق دار تھے۔

[1] کتاب سلیم بن قیس شیعی ص 153، طبع نجف اشرف

25

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نظامِ کفر وشرک کے تحت قاتلین کی طلبی کا مطالبہ کیا

ناقدین صحابہ نے پہلے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطالبہ قصاص کا حق دار ہی نہیں سمجھا۔ اور پھر یہ الزام عائد کر دیا کہ انہوں نے قرآن وحدیث کے برخلاف نظامِ کفر وشرک اور ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے طریقے پر یہ مطالبہ کر دیا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔

چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس (عائشہ، حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم) سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرزِ عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا...... مطالبہ بھی یہ نہیں کیا کہ وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدمہ چلا کر انہیں سزا دیں بلکہ یہ کیا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ خود انہیں قتل کریں۔ یہ سب کچھ دورِ اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے...... (انہیں کوئی حق نہیں تھا کہ) وہ ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے طریقے پر یہ مطالبہ کرتے کہ قتل کے ملزموں کو عدالتی کارروائی کے بجائے مدعی قصاص کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ خود اِن سے بدلہ لے۔''①

پچھلے اعتراض کے جواب میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطالبہ قصاص کا حق حاصل تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا انہوں نے یہ مطالبہ ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے طریقے پر زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی کے تحت اور اسلامی احکام کو نظر انداز کرتے ہوئے کیا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی پر ''ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ'' کا الزام ایک ناپاک اور غلیظ جسارت ہے۔ جیسا کہ یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ اس معاملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تنہا نہیں تھے۔ ان کے ساتھ ان کے موقف کی حمایت میں بیسیوں جلیل القدر اصحاب تھے۔ مودودی صاحب نے دو فریق بتائے

① خلافت وملوکیت ص 125، 126

ہیں ایک حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کا اور دوسرا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا۔ انہوں نے پہلے فریق کے طرز عمل کو بھی ''غیر آئینی'' اور دوسرے فریق کے طرز عمل کو بھی ''بدرجہا'' زیادہ غیر آئینی قرار دیا۔

مذکورہ اعتراض کے تحت ہر دو فریق آتے ہیں کہ ان دونوں فریقوں نے ''ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ، زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی اور اسلامی احکام کے برعکس'' یہ مطالبہ کیا...... پھر اس اعتراض کی زد میں غیر جانب دار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آتے ہیں کہ انہوں نے اس نظام کفر وشرک، قبائلی بدنظمی اور ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے مقابلے میں حق (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی حمایت نہیں کی اور وہ گوشہ نشین ہو گئے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اے برادر! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معاملے میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ کم وبیش نصف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس معاملے میں ان کے شریک ہیں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑنے والے حضرات کافر یا فاسق سمجھے جائیں تو گویا نصف دین سے اعتماد اٹھ جائے گا جو اِن کی تبلیغی سرگرمیوں سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس قسم کی بات وہی بے دین کہہ سکتا ہے جس کا مقصود ہی ابطال دین ہو۔''①

اگر یہ روش ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ تھی تو پھر اس کے خلاف جہاد کرنا فرض اور واجب تھا۔ یہ ''فرض'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نے ادا کیا۔ جبکہ فریق ثانی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاویہ اور ان کے رفقاء رضی اللہ عنہم ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کو اپنا کر اور فریق ثالث (غیر جانبدار صحابہ رضی اللہ عنہم) حق کے ساتھ عدم تعاون کی بنا پر کس مقام پر پہنچ گئے؟ اس منطقی نتیجے کے اخذ واظہار پر قلم میں سکت نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس غیظ وغضب کا اظہار اس لیے کیا گیا ہے کہ انہوں نے قصاص کی دو صورتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیں:

ایک یہ کہ آپ خلیفہ منتخب ہو چکے ہیں تو اب آپ کا پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ: اپنے پیش رو مظلوم، شہید خلیفہ راشد کے خون کا قصاص لیں۔

① مکتوبات امام ربانی ص580 ج2

اور دوسری صورت یہ کہ اگر آپ کو کوئی مجبوری درپیش ہے تو قاتلین کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیں۔ یہ مطالبہ اس لیے کیا جا رہا تھا کہ قاتلین اور مفسدین و معاونین خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پناہ اور تحفظ میں تھے۔ بلکہ ان کی فوج اور شوریٰ میں شامل تھے۔ اور مزید ترقی کر کے سپہ سالار اور گورنر تک بن گئے تھے۔ اگر قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہ ہوتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے ہرگز یہ مطالبہ نہ کرتے۔ (اس کی مزید تفصیل اگلے اعتراض کے جواب میں آ رہی ہے)

اب یہ بات حل طلب ہے کہ کیا قصاص کی مذکورہ دو صورتیں خلافِ اسلام اور ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے تحت آتی ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ شریعت میں حسب حالات دونوں طریقوں کی گنجائش ہے یعنی قاتل کو حکومت اپنے اہتمام میں بھی قتل کر سکتی ہے اور اسے مقتول کے ورثاء کے بھی سپرد کر سکتی ہے تا کہ وہ خود اسے قتل کر دیں۔ قاتل کا مقتول کے ورثاء کے سپرد کرنا نہ تو ''قبائلی بدنظمی'' سے ''اشبہ'' ہے اور نہ یہ ''ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ'' کی پیروی ہے۔ اس کی مثال عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلافت راشدہ رضی اللہ عنہم دونوں زمانوں میں ملتی ہے۔

چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

(1) علقمہ بن وائل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے کہا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک شخص دوسرے کو رسّی سے کھینچتا ہوا لے آیا اور کہا کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کر دیا ہے آپ نے اس سے پوچھا کیا تو نے اسے قتل کیا ہے؟ اس نے کہا: **نعم قتلته** جی ہاں میں نے اسے قتل کیا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تو نے اسے کس طرح قتل کیا ہے؟ اس نے کہا میں اور وہ دونوں درخت کے پتے جھاڑ رہے تھے تو اس نے مجھے گالی دی مجھے غصہ آیا میں نے کلہاڑی اس کے سر پر ماری جس سے وہ مر گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے پاس دیت دینے کے لیے کچھ مال ہے؟ اس نے کہا میرے پاس اس کلہاڑی اور چادر کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تیری قوم کے لوگ تجھے چھڑوا لیں گے؟ اس نے کہا میری قوم کے پاس اتنی قدر نہیں ہے **انا اھون علی قومی** یعنی میں اپنی

قوم پر بہت ہلکا ہوں۔

فرمی الیہ بنسعتہ وقال دونک صاحبک آپ نے وہ رسّی (جس سے قاتل کو باندھ کر لایا گیا تھا) مقتول کے وارث کی طرف پھینکی کہ اسے لے جاؤ اور بھائی کے قصاص میں قتل کر دو۔ فانطلق بہ الرجل پھر وہ اسے لے کر چلا۔

وفی روایۃ فانطلق بہ وفی عنقہ نسعۃ یجرھا کہ وہ اسے گلے میں بندھی رسّی کے ساتھ کھینچتا ہوا لے گیا (بعد میں جب اس وارث کو معاف کرنے کے درجہ وفضیلت کا علم ہوا) فرمی بنسعتہ وخلی سبیلہ تو اس نے وہ رسّی پھینک دی اور اس کو چھوڑ دیا۔①

یعنی یہ باب قتل کے صحیح اقرار اور قاتل کو مقتول کے حوالے کرنے اور اس سے معافی کی درخواست کے استحباب کے بیان میں ہے۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من قتل متعمدا دفع الی اولیاء المقتول فان شاء وا قتلوا وان شاء وا اخذوا الدیۃ..."②

"جو کسی کو قصداً اور عمداً قتل کرے تو اسے مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا جائے پھر اگر وہ چاہیں تو اسے قصاص میں قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو اس سے دیت وصول کر لیں"۔

(3) علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً اس کے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔"③

---

① صحیح مسلم، کتاب القسامہ والمحاربین والقصاص والدیات، باب صحۃ الاقرار بالقتل والتمکین ولی القتیل من القصاص واستحباب طلب العفو منہ

② رواہ الترمذی بحوالہ مشکوۃ کتاب القصاص ص 301، الفصل الثانی

③ الدرایہ فی تخریج الہدایہ ص 360 بحوالہ "الفاروق" ص 436

(4) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سب سے پہلا مقدمہ جو پیش ہوا وہ عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جنہیں ہرمزان کے قتل میں پکڑا گیا۔ جرم ثابت ہونے پر ایک قول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں ہرمزان کے بیٹے کے سپرد کر دیا۔①

(5) حضرت امام مالک رحمہ اللہ ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ:

''ایک شخص نے دوسرے شخص کو لاٹھی کی ضرب سے قتل کر دیا تو اس پر امیر المومنین عبدالملک کے حکم سے قاتل کو مقتول کے وارث کے حوالے کر دیا گیا جس نے اس کو لاٹھی کی ضرب سے ہی قصاص میں قتل کر دیا۔''②

معلوم نہیں کہ مودودی صاحب جیسے ''مفکر اسلام'' نے کس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''قبائلی بدنظمی اور ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ'' جیسا مکروہ اور گھناؤنا الزام عائد کر دیا۔ کیا موصوف مذکورہ بالا روایات سے آگاہ نہیں تھے؟

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ قاتل کو حکومت اپنے اہتمام میں بھی قتل کر سکتی ہے اور اسے ورثاء کے سپرد بھی کیا جا سکتا ہے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی طلبی کا مطالبہ کیا بھی ہے تو وہ ہرگز اسلام کے خلاف نہیں تھا۔ اسے نہ تو ''زمانہ قبل اسلام'' کی قبائلی بدنظمی کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے اور نہ ہی اسے ''ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ'' کا طریقہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

---

① طبری ص 44 ج 5
② موطا امام مالک مایجب فی العمد

26

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا الزام عائد کیا

جناب سید مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''انہوں نے ایک صاحب کو اس کام پر مامور کیا کہ کچھ گواہ ایسے تیار کریں جو اہل شام کے سامنے یہ شہادت دے دیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ وہ صاحب پانچ گواہ تیار کر کے لائے اور انہوں نے لوگوں کے سامنے یہ شہادت دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔''①

موصوف نے یہ الزام عائد کرنے کے لیے ''الاستیعاب'' کا سہارا لیا ہے۔ اگر مودودی صاحب نے اپنی فکر و دانش اور اہلیت و صلاحیت کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی کردار کشی اور ان پر الزام تراشی اور بہتان طرازی ہی کے لیے وقف نہ کیا ہوتا تو اس روایت کی حقیقت بھی ان پر واضح ہو جاتی۔ لیکن دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کا مقصود ہی کب رہا ہے؟

اس زیر بحث روایت کے ذریعے سے مودودی صاحب نے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہی الزام عائد نہیں کیا بلکہ ایک دوسرے صحابی پر بھی انتہائی گھناؤنا الزام عائد کر دیا۔ کیونکہ وہ شخص جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گواہ ڈھونڈ لانے کی عظیم ذمہ داری سونپی تھی۔ وہ بھی ایک صحابی ہی تھے۔ چنانچہ اسی روایت میں اس شخص کا نام (جسے موصوف نے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا) شرحبیل بن سمط ہے۔ اس میں ان کی صحابیت کی بھی تصریح موجود ہے۔②

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (متوفی 463ھ) صاحب استیعاب نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ محض اسی ایک بات سے روایت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ مودودی صاحب بھی جانتے تھے کہ پانچویں صدی ہجری کا ایک شخص بغیر کسی سند کے اسے نقل کر رہا ہے تو اس روایت کی کوئی حیثیت ہی

① خلافت و ملوکیت ص 135
② الاستیعاب ص 589 ج 2

نہیں مگر پھر بھی انہوں نے اپنی ''بھرپور صلاحیتوں'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک لغو، ساقط الاعتبار اور بے سند روایت کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابہ رضی اللہ عنہما پر جھوٹا اور بالکل بے بنیاد الزام عائد کر کے عبداللہ بن سبا کی روح کو فرحت پہنچائی اور اپنے اندھے مقلدین کو مطمئن کرنے کے لیے ''الاستیعاب'' کا وزنی اور بھاری حوالہ دے دیا۔

علاوہ ازیں اس تگ ودو کے بعد جو پانچ گواہ تیار کر کے لائے گئے۔ ان میں بھی چار گواہ صحابی ہیں۔ (1) یزید بن اسد (2) بسر بن ارطاۃ (3) حابس بن سعد (4) ابوالاعور سلمی۔ انہیں صاحب استیعاب نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے۔ اور ابوحاتم رازی رحمہ اللہ کے حوالے سے عدم صحابیت کا قول بھی نقل کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کی صحابیت مختلف فیہ کہی جا سکتی ہے۔

اس الزام سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا کتنا مکروہ کردار سامنے آتا ہے جو صرف اہل تشیع کے ہاں ہی پایا جاتا ہے۔ ایک صحابی (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) نے دوسرے صحابی (شرحبیل بن سمط رضی اللہ عنہ) کو جھوٹے گواہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور اس غلط اور خلاف شرع حکم کی تعمیل میں چار صحابہ نہ صرف جھوٹی گواہی کے لیے تیار ہو گئے بلکہ انہوں نے علی الاعلان لوگوں کے سامنے جھوٹی گواہی بھی دے دی۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ کردار کسی ''مسلمان'' کے نزدیک قابل تسلیم ہوسکتا ہے؟

اس روایت کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات بھی کافی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سب کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سفیر حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی دمشق میں جاری سرگرمیوں سے ڈر کر کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا ایک سفیر آزادانہ ایسی سرگرمیاں جاری رکھ سکتا ہے؟ کیا سفارتی آداب کو نظرانداز کر کے ایک سفیر مخالف فریق کے ہاں جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں رائے عامہ ہموار کر سکتا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو جھوٹے گواہ تیار کرنے کے بجائے اس سفیر پر ہی پابندی لگانی چاہیے تھی۔ حیرت ہے کہ آں موصوف اپنے ہی ملک میں ایک شخص سے خائف ہو کر خلاف شرع امور کے مرتکب ہو گئے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہی سفیر جو دشمن کے شہر دمشق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اتنی سرگرمی دکھاتے ہیں۔ لیکن واپس آ کر ان سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ بلکہ طبری، ابن اثیر، ابن کثیر، اور ابن خلدون رحمہم اللہ کے بیان کے مطابق وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آ کر مل گئے۔

گویا کہ ایک اور صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ دیدہ دانستہ سب کچھ جانتے بوجھتے خلیفہ

راشد کو چھوڑ کر جھوٹ کی حمایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاون بن گئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس تکلف کی آخر ضرورت ہی کیا تھی؟ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا الزام ہی کب عائد کیا؟ ان کا مطالبہ تو صرف یہ تھا کہ یا تو قاتلین کو خود سزا دے دیں یا پھر انہیں مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے۔

بہر حال جس روایت کے سہارے مودودی صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر ایک مکروہ الزام عائد کیا ہے وہ روایتاً درایتاً اور نقلاً ہر لحاظ سے لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

27

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے کا بہانہ بنایا

جناب مودودی صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام بھی عائد کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ کی جائے۔''①

موصوف نے اس الزام سے یہ تاثر دینے کی مذموم کوشش کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہر صورت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کو بہانہ بنایا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مشورے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار قرار دے دیا۔ کیا حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اور دیگر ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کو بہانہ بنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی تھی؟

موصوف ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں اندھے ہو چکے تھے۔ اس لیے وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔ حالانکہ زیر بحث عبارت سے چند سطور پہلے اسی صفحہ پر یہ اقرار کر چکے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے (نئے گورنر کو چارج نہ دینے کے) بعد شام پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ اس وقت ان کے لیے شام کو اطاعت پر مجبور کر دینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ کیونکہ جزیرۃ العرب، عراق اور مصر اِن کے تابع فرمان تھے۔ تنہا شام کا صوبہ ان کے مقابلے پر زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتا تھا...... لیکن عین وقت پر ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے اس اقدام نے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں حالات کا نقشہ یکسر بدل دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف بڑھنے کے بجائے ربیع الثانی ۳۶ھ میں بصرے کا رخ کرنا پڑا۔''②

---

①② خلافت وملوکیت ص 134

موصوف کے اپنے قول کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بعد میں جنگ کرنے کا مشورہ کیا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو پہلے ہی شام پر چڑھائی کی تیاری کر چکے تھے۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا درمیان میں حائل نہ ہو جاتیں تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ کیا جنگ صفین کے موقع پر جزیرۃ العرب، عراق اور مصر ان کے تابع فرمان نہ تھے؟ کیا اس موقع پر صوبہ شام تنہا نہیں تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان نزاعی مسئلہ صرف یہ تھا کہ امت کے متفق علیہ خلیفہ کو جن لوگوں نے ظلماً اور بغیر کسی حجت کے شہید کیا ہے وہ سب لوگ احکامِ الٰہی کے مطابق واجب القتل ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس سے زیادہ کوئی مطالبہ نہ تھا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی طالبین قصاص کے اس موقف کو اصولی طور پر درست سمجھتے تھے۔ صرف تعجیل وتاخیر کا اختلاف تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بارہا قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی براءت کا اعلان فرمایا:

”واللہ ما قتلت عثمان (رضی اللہ عنہ) ولا امرت بقتلہ ولکن غلبت۔ “[1]

”اللہ کی قسم! میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا نہ ان کے قتل کا حکم دیا اور بات صرف یہ ہے کہ میرے پاس ان قاتلوں کو روکنے کی طاقت نہ تھی یعنی میں بے بس تھا۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

”وثبت ذالک عنہ من طرق تفید القطع عند کثیر من ائمۃ الحدیث وللہ الحمد والمنۃ۔“

کثیر ائمہ حدیث سے (برأت علی رضی اللہ عنہ از قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق) یہ روایت اس قدر اسانید کے ساتھ منقول ہے کہ یقین کے درجہ میں پہنچ گئی ہے۔[2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ تو بڑا صاف اور واضح تھا کہ آپ خلیفہ منتخب ہو چکے ہیں تو آپ کا پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ اپنے پیش رو مظلوم شہید خلیفہ کے خون کا قصاص لیں اور اگر قصاص نہیں لے سکتے تو قاتلین کو مقتول کے ورثاء کے سپرد کر دیں۔ قبل ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے مطالبہ قصاص پر فرما چکے تھے کہ:

---

① مصنف عبدالرزاق ص450 ج11 باب مقتل عثمان رضی اللہ عنہ البدایہ والنہایہ جلد7 ص193
② البدایہ والنہایہ ص193 ج7

بھائیو! جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی بے خبر نہیں ہوں مگر ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔①

علامہ خالد محمود صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد اس چال سے جمع ہوئے کہ یہ لوگ ان کی کوئی بات چلنے نہ دیتے تھے......

اپنی زور آوری سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حال کر رکھا تھا کہ آپ کو جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ: جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی آپ انہیں پکڑتے کیوں نہیں تو آپ نے فرمایا:

"انی لست اجهل ما تعلمون ولکن کیف لی بقوة والقوم المجلبون علٰی حد شوکتهم یملکوننا ولا نملکهم"

''میں اس سے ناواقف نہیں جو تم جانتے ہو لیکن میری طاقت ہی کب ہے (کہ میں انہیں پکڑ سکوں) اور وہ اپنی پوری شوکت سے چھائے ہوئے ہیں، وہ ہم پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں ہم ان پر حکومت نہیں کر رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے بسی تھی جو انہوں نے آپ کے پورے ماحول پر مسلط کر رکھی تھی لیکن یہ لوگ دل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے خیر خواہ نہ تھے۔ اس خاندان کی خیر خواہی کا دم اسی حد تک بھرتے جس حد تک بنو امیہ کو برا بھلا کہنے کا انہیں موقع مل سکے۔ حبّ علی رضی اللہ عنہ سے غرض نہ تھی محض ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' درکار تھا اور ایسی پالیسی تھی کہ قومی بے وفائی پر یہ آج تک ضرب المثل چلی آ رہی ہے۔''②

ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ طالبین قصاص کا مطالبہ تسلیم نہیں کر سکتے تھے تو اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے قصاص نہیں لیتے یا نہیں لے سکتے تو پھر قصاص کی کیا صورت ہو؟ کیا مطالبہ قصاص ترک کر دیا جائے؟ کیا خلیفہ کو بے بس اور مجبور پا کر مقتول کے وارث رو

---

① خلافت وملوکیت ص 127

② عبقات جلد دوم ص 431-432

دھو کر چپ ہو جائیں یا قصاص کی کسی متبادل صورت پر غور کیا جائے؟ چنانچہ اصحاب جمل نے اس کی متبادل صورت پر عمل کیا جس کے نتیجے میں جنگ جمل بپا ہوئی جس میں بقول مؤرخین طرفین سے 10 ہزار حضرات خون میں نہا گئے۔ جہاں تک فریق دوم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کا تعلق ہے تو اس کے متعلق مولانا محمد نافع صاحب لکھتے ہیں کہ:

''جب تک کہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ہیں اور ان کو شرعی سزا نہیں دی جاتی اس وقت تک ہم بیعت نہیں کر سکتے یا پھر دیگر صورت یہ ہے کہ قاتلین کو ہمارے حوالے کر دیا جائے تا کہ ان سے قصاص لیا جا سکے......

"حجة معاوية و من معه ما وقع معه من قتل عثمان مظلوما و وجود قتلته باعيانهم فی العسكر العراقی"

یعنی ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا لوگوں کی دلیل یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کر دیے گئے اور ان کے قاتلین بذات خود عراقی جیش میں موجود ہیں''①

حضرت موصوفؒ فریق اول کا موقف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

''امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مہاجرین اور انصار نے میری بیعت قبول کر لی ہے فلہذا اہل شام پر لازم ہے کہ وہ بھی میری بیعت کر لیں اور اطاعت قبول کریں۔ اگر یہ صورت اختیار نہیں کریں گے تو پھر قتال ہوگا۔

نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ موقف بھی تھا کہ فریق مقابل کے مطالبہ قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ پہلے وہ لوگ میری بیعت کریں پھر مطالبہ قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ پیش کریں اس کے بعد اس کا شرعی فیصلہ کیا جائے گا......

علمائے کرام نے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے پیش نظر یہ بات تھی کہ فریق مقابل ہمارے نزدیک اھل البغی میں سے ہے فلہذا جب تک یہ لوگ حق کی طرف رجوع نہ کریں ان کے ساتھ قتال لازم ہے۔''②

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے

① سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد اول ص 213۔214
② حوالہ مذکور ص 212

باقاعدہ بیعت کے بعد قصاص کا مطالبہ کیا تھا اور چار ماہ تک انتظار کے باوجود شنوائی نہ ہوسکی اور معاملہ جنگ پر منتج ہوا۔ اصل بات یہی صحیح معلوم ہوتی ہے جو مودودی صاحب اور علامہ خالد محمود کے حوالے سے اوپر گزر چکی ہے کہ قاتلین ''ہم پر چھائے ہوئے ہیں، وہ ہم پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں ہم ان پر حکومت نہیں کر رہے۔''

بہر حال طالبین قصاص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بار بار درخواست کی کہ آپ قصاص لیں یا قاتلین کو تحفظ فراہم نہ کریں اور انہیں اپنی صفوں سے الگ کر دیں۔ اس مطالبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس حد تک قصوروار ہیں اور ان پر یہ الزام کیسے عائد ہوسکتا ہے کہ وہ قصاص کو بہانہ بنا کر ہر حال میں جنگ پر ہی تلے ہوئے ہیں؟

طالبین قصاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس دعویٰ کو (کہ میرا قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں) درست تو سمجھتے تھے لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی مشاہدہ کر رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا الزام قبول کرنے کے لیے تو تیار نہیں ہیں مگر انہیں قاتلین کو اپنے ہاں پناہ بھی دے رکھی ہے وہ قاتلین سے قصاص لینے پر تو قادر نہیں لیکن مطالبہ قصاص کرنے والوں کے ساتھ ''قتال'' کو لازمی بھی قرار دے رہے ہیں؛ وہ مقتول خلیفہ کے ورثاء اور متعلقین کے مطالبہ کو تو درخور اعتناء نہیں سمجھ رہے لیکن انہوں نے قاتلوں کو فوج میں سپہ سالاری اور گورنری تک کے عہدے بھی دے رکھے ہیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقتول خلیفہ کے ولی الدم ہونے کی حیثیت سے بھی برداشت نہیں کر رہے لیکن قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو بقول مودودی صاحب ''بادلِ نخواستہ'' برداشت کر رہے ہیں۔

> ''جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنا رویہ بدل لیا۔ جنگ جمل تک وہ لوگوں سے بیزار تھے۔ بادل نخواستہ ان کو برداشت کر رہے تھے اور ان پر گرفت کرنے کے لیے موقع کے منتظر تھے...... لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقریب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے مالک اشتر نخعی اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیے درآں حالے کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔''[1]

---

[1] خلافت وملوکیت ص 146

اب سوال یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان بلوائیوں و باغیوں کا قاتل، مفسد اور فتنہ پرداز ہونا معلوم تھا تو پھر انہیں اپنے ساتھ لشکر میں کیوں شامل کیے رکھا؟ اور باغی فتنہ محمد بن ابی بکر اور مالک اشتر نخعی کی پوزیشن کو اتنا کیوں مضبوط کیا کہ وہ ہر جگہ، ہر مجلس اور ہر سیاسی و جنگی مہم میں آپ کے ساتھ رہتے بلکہ پیش پیش نظر آتے تھے۔ حتیٰ کہ انہیں گورنری تک کے عہدے سونپ دیے گئے۔ جس کی صفائی سے جناب مودودی صاحب نے بھی بالفاظ ذیل اپنی معذوری کا اعلان کر دیا:

''مالک اشتر نخعی اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا عمل ایسا تھا کہ جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔ اسی بنا پر میں نے اس کی مدافعت سے اپنی معذوری ظاہر کر دی...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔''①

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل سے چودہ سو سال بعد مودودی صاحب جیسے ''محب علی'' بھی مطمئن نہیں ہیں تو طالبین قصاص جن کی نگاہوں کے سامنے یہ سب کچھ ہو رہا تھا وہ کیونکر مطمئن ہو سکتے تھے؟

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب جناب مودودی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت و موقف نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''لیکن اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفہ برحق ہونے کے مقام کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور جس ذہنیت کے ساتھ روافض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طعن و ملامت کا نشانہ بناتے ہیں اسی کے تحت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی جائے تو جس امر کو مودودی صاحب نے صرف ایک غلط کام قرار دیا ہے وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو مجروح کرنے کا بہت بڑا موجب بن سکتا ہے کیونکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ ملعون و مردود ہیں جیسا کہ آپ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے تو بجائے اس کے کہ حسب وعدہ خلیفہ برحق حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیں اور ان کی قوت و شوکت کو توڑنے کی کوشش کریں ان کو گورنری جیسے بڑے بڑے

---

① خلافت و ملوکیت ص 348-346

مناصب ملکی عطا فرما رہے ہیں، یہ کیا پالیسی ہے؟ اس سے تو بظاہر اس شبہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں آپ کا بھی ہاتھ تھا......شیعی موقف کے تحت تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کوئی عظمت باقی ہی نہیں رہتی کیونکہ بقول ان کے اگر آپ امام معصوم اور خلیفہ بلافصل تھے اور من جانب اللہ ان کی خلافت منصوص ہو چکی تھی تو پھر خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جنگ کیوں نہیں کی؟ اور ان کی خلافت کو 24 سال تک کیوں قبول کیا اور ان ہی کی اقتداء میں کیوں نمازیں پڑھتے رہے؟ مذہب شیعہ کی موجودہ اذان و نماز پر بھی عمل نہ کر سکے حتیٰ کہ اپنے دور خلافت میں بھی انہی حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نظام کی پیروی کی اور شیعہ مذہب کو نافذ نہ کر سکے۔

لیکن دوسرے پہلو سے اپنی ماں اور تمام امت مسلمہ کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جنگ کرنے سے بھی اجتناب نہ کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ اگر آپ نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تقیہ کیا تھا اور اس سے آپ کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا اور دین اسلام کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا ام المؤمنین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی تقیہ جیسی عبادت پر ہی عمل فرماتے تو اس قدر شدید خون ریزی سے امت بچ جاتی۔''①

قاضی صاحب اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

''یہ بھی عجیب فلسفہ امامت و خلافت ہے کہ جس نے غزوہ تبوک کی تکمیل کی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی ہرقل شاہ روم کے لشکروں کو شکست دی جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آنا چاہتا تھا وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح جانشین اور امت کا امام اول تسلیم نہ کیا جائے بلکہ اس کے ایمان میں بھی شک کیا جائے لیکن جس نے 24 سالہ خلافت ثلاثہ کے بعد اپنے دور خلافت میں بھی ملک کفر میں سے کچھ بھی نہ فتح کیا ہو اور بزعم شیعہ اپنی خلافت بھی چھنوا لی ہو اور 24 سال کا طویل عرصہ یوں بے بسی اور بے کسی میں گزارا ہو کہ بظاہر دشمنانِ اسلام کے مذہب کا ہی پیروکار رہا اور اپنا سچا مذہب ظاہر کرنے کی بھی توفیق نہ ملی ہو (جس کو تقیہ

① بشارت الدارین ص 255-256۔ طبع دوم اگست 2012ء

سے تعبیر کیا جاتا ہے) تو ایسا شخص خواہ انفرادی علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں کتنا ہی عظیم سمجھا جائے رحمت للعالمین، خاتم النبیین ﷺ کا جانشین اول اور خلیفہ بلافصل کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟''①

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اصحاب جمل کے ''اقدام'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان بلوائیوں کو نیچا دکھانے کے بجائے اونچا کر دیا۔ یہ اسلام کے کس آئین وقانون کے موافق تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے؟ اس صورت حال نے فریق اوّل کو راست اقدام پر مجبور کیا۔ ان کو ہرگز گوارہ نہ ہوا کہ خلیفہ مظلوم کے قاتل یوں دندناتے پھریں کہ نہ حکومت ان پر کوئی دارو گیر کرتی ہے نہ جرم کی تحقیق کر کے سزا دیتی ہے۔ ایسی حالت میں خود حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تحقیق کر کے ان کو سزا دے۔ اگر مقتول کا وارث قصاص کا مطالبہ نہ کرے جب بھی حکومت بلوہ اور بغاوت کا جرم کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتی۔ بلوائیوں اور ڈاکوؤں کے لیے نص قرآن موجود ہے۔②

ان بلوائیوں کا بلوائی ہونا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا ان کی قتل وغارت گری کا منظر بھی ان کے سامنے تھا۔ پھر کسی کے دعویٰ اور مطالبہ کی شرعاً کوئی حاجت نہ تھی۔ حکومت کا فرض تھا کہ ان سب کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیتی۔ پھر قاتلین کو قتل کیا جاتا اور بقیہ کو ہاتھ پیر کاٹنے یا جیل ہی میں سختی جھیلنے کی سزا دی جاتی...... اگر کسی شورہ پشت باغی جماعت کے دبانے سے مرکزی حکومت عاجز ہو جائے تو کیا صوبائی گورنر کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ مرکز مجھے اجازت دے دے تو میں اس کی سرکوبی کے لیے کافی ہوں؟ اس کو زمانہ قبل از اسلام کی بدنظمی سے مشابہ قرار دینا ہمارے ناقد (یعنی مودودی صاحب) کی خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں۔''③

---

① بشارت الدارین ص 475۔474۔ طبع دوم اگست 2012ء

② المائدہ آیت 33

③ براۃ عثمان رضی اللہ عنہ ص 49، 50، 51

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے کا شوق ہوتا تو پھر کسی درجے میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ انہوں نے قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کو محض ایک بہانہ بنایا لیکن کوئی شخص ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کے لیے کبھی پیش قدمی کی ہو۔ آں محترم کے لیے بہت آسان تھا کہ وہ جنگ جمل کے وقت اپنی فوجیں لے آتے اور اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ان کا مقابلہ کرنا بہت ہی مشکل ہوتا۔ یا پھر وہ جنگ جمل کے ختم ہوتے ہی اپنی فوجیں حرکت میں لے آتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ اگر چاہتے تو جنگ نہروان کے بعد عراق پر حملہ کر دیتے لیکن انہوں نے یہ کام بھی نہیں کیا۔

وہ اگر چاہتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اپنی خلافت کا اعلان کر کے کوفہ پر حملہ کر دیتے لیکن انہوں نے اس سے بھی گریز کیا اور ہر موقع پر صبر و تحمل سے کام لیا اور ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ جنگ کی آگ نہ بھڑکے۔

جنگ صفین کے موقع پر بھی انہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نہ صرف لشکر علی رضی اللہ عنہ میں موجود ہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کا سپہ سالار بھی اشتر نخعی کو مقرر کیا ہے۔[1] ہرگز ابتداء نہیں کی اور مدافعانہ جنگ لڑی حتیٰ کہ اس جنگ کو بند کرانے کی سعادت بھی انہیں ہی حاصل ہوئی۔

اس تفصیل کی روشنی میں اس الزام کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مطالبہ قصاص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ایک بہانے کے طور پر استعمال کیا۔ یقیناً آں محترم پر یہ الزام عائد کرنا کسی مجوسی، سبائی اور اشتری کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو: ''علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ'' ص 252۔ مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی

28

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا تھا

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر فرات کے پانی پر پہلے قابض ہو چکا تھا انہوں نے لشکر مخالف کو اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے لڑ کر ان کو وہاں سے بے دخل کر دیا۔''①

شیعہ مورخین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کی خاطر یہ واقعہ نقل کیا ہے جسے مودودی صاحب نے ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی بنا پر قبول کرلیا۔

ابوحنیفہ دینوری نے لکھا ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے سے جاکر دریائے فرات کے پانی پر قبضہ کرلیا تھا اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا پانی بند کر دیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکریوں کو زیادہ پیاس لگی تو انہوں نے اشعث بن قیس الکندی کی قیادت میں ایک جماعت کو بھیجا تا کہ وہ پانی لائے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے کہا: ''موتوا عطشا کما منعتم العثمان الماء''۔ ''پیاسے مرو جس طرح تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پانی بند کیا تھا''۔ پھر فریقین میں جنگ ہوئی جس میں سینکڑوں آدمی قتل ہو گئے۔ اور پانی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قبضہ ہو گیا۔''②

یہ عجیب اتفاق ہے کہ باپ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے لشکر علی رضی اللہ عنہ پر دریائے فرات کا پانی بند کیا اور بیٹے نے لشکر حسین رضی اللہ عنہ پر۔

یہ داستان روایتاً و درایتاً لغو، بے بنیاد اور خلاف واقع ہے۔ بڑے ہی ظالم ہیں وہ لوگ جو ایسی لغو، بے بنیاد، بے سند، من گھڑت اور باطل روایات پر یقین کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص و توہین کا

---

① خلافت و ملوکیت ص 135

② اخبار الطوال ص 168۔ طبری ص 240 ج 5۔ مسعودی ص 186 ج 2

ارتکاب کرتے ہیں۔

جس شخص کی طرف بندشِ آب کا یہ واقعہ منسوب کیا جاتا ہے اس کی دانائی، فیاضی، عفو و درگزر اور حلم ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حد درجے تحمل مزاج اور انتہائی بردبار تھے۔ بارہا لوگ آتے، سخت سے سخت باتیں کہتے مگر آپ ذرا پرواہ نہ کرتے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ غصہ پی جانے سے زیادہ لذیذ اور شیریں چیز میرے لیے کوئی نہیں۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''رؤسائے عرب اور سرداران کے ساتھ کریمانہ برتاؤ رکھتے تھے ان کی سخت و ناملائم باتوں کو برداشت کرتے ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے۔ ان کے تحمل اور بردباری کی حد نہ تھی۔''①

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا:

''احلم من امتی و اجودھا۔''②

کہ معاویہ رضی اللہ عنہ میری امت میں سے سب سے زیادہ بردبار اور سخی ہیں۔

''اللھم املاء ہ علما و حلما۔''③ ''اے اللہ ان کے سینے کو علم اور حلم سے بھر دے۔''

ایسے حلیم اور بردبار شخص سے اس بات کی کیونکر توقع کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اور وہ بھی دریا کا پانی بند کر دیا ہوگا؟ نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس قدر عاقبت نا اندیش تھے اور نہ دریا ہی اتنا چھوٹا تھا کہ صرف گھاٹ پر قبضہ کرنے سے سارا دریا ہی ان کے قبضے میں آجاتا۔

علاوہ ازیں یہ روایت جن لوگوں نے وضع کی ہے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ فرات کے پانی پر قبضہ کرنے کا مشورہ انہیں عبداللہ بن سعد اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہما نے دیا تھا۔ جبکہ یہ دونوں حضرات جنگ صفین میں شریک ہی نہیں تھے۔④

بلکہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے متعلق واضح طور پر لکھا ہے کہ:

''وہ اس مشاجرت کے زمانہ میں دونوں سے الگ رہے۔ **ھو معتزل علیا و معاویۃ**۔ یہ

---

① تاریخ ابن خلدون ص 24 ج 2

② تطہیر الجنان ص 12

③ التاریخ الکبیر، امام بخاری ص 180 ج 4

④ ابن اثیر ص 282 ج 3۔ استیعاب ص 382 ج 1، ص 605 ج 2 البدایہ والنہایہ ص 113 ج 7، ص 214 ج 8

عجیب بات ہے کہ جو حضرات پانی پر قبضہ کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں وہ موقع پر موجود ہی نہیں۔ لیکن مودودی صاحب اور ان کے ہم نوا پھر بھی ایسی روایات کے ذریعے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام تراشی کر رہے ہیں۔''

مزید براں اس روایت کا ماخذ تاریخ طبری ہے۔ اور اس کے راوی جناب ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہیں اس ذات شریف کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''لوط بن یحییٰ اخباری قصہ گو ہے ''لا یوثق به'' اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ابو حاتم نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں ضعیف ہے، ابن معین کہتے ہیں ''لیس بثقة ولیس بشیء'' یہ ثقہ نہیں اور کچھ بھی نہیں۔ ابن عدی کا قول ہے ''شیعی محترق صاحب اخبارهم'' یہ تو جلا بھنا اور آگ لگانے والا شیعہ ہے اور شیعوں کا قصہ گو ہے۔''①

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''ابو عبید الآجری کا بیان ہے کہ میں نے ابو حاتم رازی سے اس کے بارے میں پوچھا تو ''فنفض یده''۔ ''انہوں نے اپنے ہاتھ کو جھاڑ دیا''۔ یعنی نفرت وحقارت کا اظہار کیا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا اس کے متعلق پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟۔''②

اس پر مستزاد یہ کہ لوط بن یحییٰ ہشام بن کلبی کا استاد اور جابر جعفی کا شاگرد ہے۔ یہ جعفی ملعون سبائی اور رافضی ہے۔ ''رافضی یشتم اصحاب النبی ﷺ''۔ ''اصحابِ رسول ﷺ کو گالیاں بکتا تھا۔''

امام شافعی رحمہ اللہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

میں نے جابر جعفی سے کوئی بات سنی پھر نکلنے میں جلدی کی۔ ''خفت ان یقع علینا السقف۔''۔ ''میں ڈرا کہ کہیں چھت ہمارے اوپر نہ گر پڑے۔''③

اس سیرت اور کردار کے حامل راوی پر اعتماد کر کے جناب مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام عائد کیا ہے۔ لیکن موصوف کو راوی کی سیرت وکردار سے کیا غرض؟ ان کا مقصد تو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون ٹھہرانا ہے۔

---

① میزان الاعتدال ص 240 ج 3 تحت لوط بن یحییٰ
② لسان المیزان ص 492 ج 4
③ میزان الاعتدال تحت جابر بن زید جعفی

29

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزامِ بغاوت

ناقدین صحابہ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک سنگین ترین الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ آں موصوف نے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کیا۔ کسی نے انہیں صورتاً اور کسی نے حقیقتاً باغی قرار دیا۔ مودودی صاحب نے ان کی بغاوت پر اجماع اور اتفاق نقل کر دیا۔

چنانچہ وہ بڑی تحدی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

''میرے علم میں کوئی ایک بھی فقیہ یا محدث ایسا نہیں ہے جس نے اس سے مختلف کوئی رائے ظاہر کی ہو۔ خصوصیت کے ساتھ علمائے حنفیہ نے تو بالاتفاق یہ کہا ہے کہ ان ساری لڑائیوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور ان کے خلاف جنگ کرنے والے بغاوت کے مرتکب تھے۔''①

علامہ ابن منظور رحمہ اللہ بغاوت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''بغاوت کا لغوی معنی زیادتی اور محاورہ ہے کہ ''آدمی نے ہم پر بغاوت کی'' یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص حق سے پھر جائے۔ اور ''بغی'' کا اصل مفہوم حد سے بڑھنا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو کہا میں تجھ سے ناراض ہوں۔ اس نے کہا کیوں؟

''قال لانک تبغی فی اذانک '' یعنی آپ اپنے کانوں کے معاملے میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ (یعنی دوسروں کی باتوں پر اعتبار کر لیتے ہیں) گویا اس شخص نے اپنی صفائی پیش کی کہ آپ کو جو میرے متعلق باتیں سننے کو ملی ہیں وہ غلط ہیں۔''②

ازروئے لغت ''بغی'' درمیانہ روی کی حد سے بڑھ جانے کی خواہش کو کہتے ہیں (خواہ حد سے

---

① خلافت وملوکیت ص 338

② لسان العرب ص 78 ج 14

تجاوز کر سکے یا نہ کر سکے) نیز بہت زیادہ بارش کو بھی کہتے ہیں۔''بغت السماء''۔''بادل اپنی حد سے بڑھ گیا''۔یعنی بہت زیادہ برسا۔

ابن فارس نے کہا کہ ''بغی'' کے معنی کسی شے کے طلب کرنے کے ہیں اور''الباغی '' طلب کرنے والے کے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''یاباغی الخیر اقبل ویاباغی الشر اقصر ۔''①

''اے خیر اور نیکی کے طلبگار آگے بڑھ اور اے برائی کے چاہنے والے باز آ جا۔''

بغاوت کی تعریف میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے، مالکیہ کے نزدیک قائم بالامر امام کی جائز باتوں کی طاقت کے بل بوتے پر نافرمانی کے ہیں۔②

شوافع کہتے ہیں کہ بغاوت مسلمانوں کا حاکم برحق کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے ،ترک انقیاد اور اظہارِ قوت کا نام ہے۔خواہ باغی کسی قسم کی توجیہ یا تاویل کریں۔حنابلہ کے نزدیک امام خواہ غیر عادل ہی کیوں نہ ہو پھر بھی طاقت کے بل بوتے پر اس کی اطاعت سے خروج بغاوت ہے۔احناف کے نزدیک بغاوت امام برحق کی اطاعت سے ناحق خروج کرنے کو کہتے ہیں۔③

بہر حال فقہ کی اصطلاح میں بغاوت کسی تاویل کی بنا پر ایک طاقتور جماعت کا خلیفہ کے خلاف خروج (یعنی ایسی مسلح اور جارحانہ مخالفت) کا نام ہے جس کا مقصد خلیفہ کو اس کے منصب سے معزول کرنا ہو۔

امام نیشاپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اعلم ان الباغیۃ فی اصطلاح الفقھاء فرقۃ خالفۃ الامام بتاویل باطل ۔''④

''واضح رہے کہ فقہاء کی اصطلاح میں باغیوں سے مراد ایسا گروہ ہے جو امام کی مخالفت باطل تاویل کی بنا پر کرے مگر اس کا بطلان ظنی ہو قطعی نہ ہو''۔

بغاوت کی حقیقت یہ ہے کہ رعیت کی طرف سے تشدد کے ذریعے سے مملکت کا تختہ الٹنے کی کوشش

①معارف الحدیث ص 94 ج 4
②تشریع الجنائی ص 673 ج 2
③شرح فتح القدیر ص 48 ج 4
④غرائب القرآن تحت الآیۃ: وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ... الحجرات

کی جائے۔سربراہ مملکت سے کسی معاملہ میں اختلاف رائے یا کسی جزوی معاملے میں اس کی اطاعت سے انکار یا آئینی ذرائع سے حکومت کو تبدیل کرنے کا مطالبہ یا اس کی کوشش کا نام بغاوت نہیں ہے۔ صرف آئین اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے کسی آئین میں بھی ان امور کو بغاوت میں شمار نہیں کیا جاتا۔

ارکانِ بغاوت تین ہیں:

(1) حاکم کے خلاف خروج کرنا (2) خروج میں طاقت کا استعمال (3) بدنیتی

باغیوں کی اقسام:

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک باغیوں کی چار قسمیں ہیں:

(1) ایک تو وہ باغی جن کے پاس اپنی بغاوت کے لیے کوئی توجیہ نہ ہو۔خواہ وہ صاحب شوکت ہوں یا نہ ہوں۔

(2) دوسرے وہ باغی جن کے پاس ان کی بغاوت کے لیے توجیہ تو ہو لیکن وہ صاحب شوکت وقوت نہ ہوں۔

(3) تیسرے وہ باغی جن کے پاس توجیہ بھی ہو اور طاقت وشوکت بھی جیسے کہ خوارج اور وہ لوگ جو خوارج جیسے عقائد رکھتے ہوں جو مسلمانوں کے خون کو حلال سمجھتے ہوں۔ان کے مال کو لوٹنا جائز سمجھتے ہوں ان کی عورتوں کو باندی بناتے ہوں اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہوں۔

(4) چوتھے وہ باغی جن کے پاس ان کی بغاوت کے لیے توجیہ ہو اور وہ صاحب شوکت بھی ہوں لیکن ان کے عقائد خوارج کی طرح نہ ہوں۔①

توجیہ سے مراد یہ ہے کہ باغی اپنی بغاوت کا کوئی سبب بتلائیں اور اس پر دلائل قائم کریں۔اس وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کا بیان کردہ سبب بغاوت صحیح ہے یا فاسد۔اگر صحیح ہے تو اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اگر فاسد ہو تو پہلے مذاکرات کے ذریعے سے ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔اس کے باوجود اگر وہ نہ مانیں اور مسلح مزاحمت کا راستہ اختیار کریں تو پھر ان کی تادیب کے لیے ان سے قتال کیا جائے گا۔

اس تفصیل کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرز عمل قانونِ شریعت کی نگاہ میں قطعاً بغاوت

① المغنی ص48 ج10

نہیں ہے۔ جن حضرات نے ان پر بغاوت کا اطلاق کیا ہے انہوں نے عدم اطاعت و بیعت، خلیفہ برحق کے ساتھ جنگ اور حدیث عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ میں ''الفئة الباغية'' کے الفاظ سے غلط استدلال کرتے ہوئے کیا ہے۔ (حدیث عمار پر مفصل گفتگو آگے آ رہی ہے)

جہاں تک عدم اطاعت کا تعلق ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کی اطاعت سے نہیں بلکہ اسے قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشروط کیا ہے نیز ان کو خلیفہ بنانے میں بھی زیادہ تر دخل باغیوں کا تھا۔ ان کے ہاتھ پر سب سے پہلے باغیوں کے سردار اور مفسدین کے سرغنہ مالک اشتر نخعی نے بیعت کی۔ جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے صاف کہہ دیا تھا کہ ''خلافت چھوڑ دو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے'' یہی وہ شخص تھا جو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لیے پکڑ کر لے گیا تھا۔ اور انہیں یہ دھمکی دی تھی کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو ایک وار میں پیشانی کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔

امام ابن کثیر دمشقی (م 774ھ) لکھتے ہیں کہ:

''و اهل الكوفة يقولون: اول من بايعه الاشتر النخعي و ذٰلك اليوم الخميس الرابع والعشرون من ذى الحجة۔'' ①

''اور اہل کوفہ کہتے ہیں کہ اشتر نخعی پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور یہ بیعت بروز جمعرات بتاریخ 24 ذی الحجہ (35ھ) میں ہوئی تھی۔''

اگر بالفرض سب سے پہلے بیعت نہ بھی کی ہو تو اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ بیعت کا عمل قاتلین اور مفسدین کی تحریک و سعی سے ہی تکمیل کو پہنچا۔ چنانچہ مولانا محمد نافع صاحب لکھتے ہیں کہ:

''جن حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ان میں یہ مفسد لوگ کسی کو امام منتخب کیے بغیر واپس لوٹنا اپنے لیے مہلک سمجھتے تھے...... قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کثیرہ کا اس وقت اہل مدینہ پر رعب اور تسلط تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے والے اولین یہی افراد تھے کیونکہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے ایک گونہ اپنی سیاسی پناہ چاہتے تھے اور اس کے بغیر انہیں کوئی چارہ کار نہیں تھا۔'' ②

---

① البداية والنهاية الجزء السابع ص 227۔ تحت ذكر بيعة علي بالخلافة

② سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ص 226۔227

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اب رہا اشتر نخعی کا قصہ تو وہ اسی طرح صحیح جس طرح ان لوگوں نے بیان کیا ہے مگر وہ نہ صحابی تھا، نہ صحابی زادہ، وہ تو کوفہ کا ایک فتنہ پرور اوباش تھا۔ اس نے حاکم وقت کا لحاظ نہیں کیا، خلیفہ کے عامل کی اہانت کی اور دوسروں کو بھی ورغلایا۔ اگر ایسے شورہ پشتوں سے حاکم وحکومت چشم پوشی کریں تو ایک فساد برپا ہوسکتا ہے۔ اشتر نخعی تو وہی ہے جس نے فتنہ کی بنیاد ڈالی اور بالآخر اس کی بھڑکائی ہوئی شورش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جام شہادت پلایا۔ مگر یہ اس کے بعد بھی فتنہ انگیزی سے باز نہ آیا۔

حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو اسی نے قتل کی دھمکیاں دے کر مدینہ چھوڑنے اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے دامن عافیت میں پناہ لینے پر مجبور کیا اور بالآخر جناب امیر رضی اللہ عنہ سے جنگ تک نوبت آئی۔ اشتر نخعی کی یہ ساری فتنہ سامانیاں اور یہ حرکتیں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بدنظمی کا موجب بنیں، یہ ہمیشہ جناب امیر رضی اللہ عنہ پر حکم چلاتا تھا۔ اس نے کبھی آپ کی ایسی اطاعت نہیں کی جیسی کسی خلیفہ وامام وقت کی، کی جانی چاہیے تھی۔ یہ باتیں نہ کوئی سربستہ راز ہیں نہ من گھڑت، تاریخ کے اوراق میں محفوظ اور زبان زد خلائق ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو اس کی اور اس کے دوستوں کی فرمائش پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو والی کوفہ اور جناب حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو داروغہ خراج بھی مقرر فرمایا مگر فتنہ پرداز سرشت نے نچلا نہ بیٹھنے دیا، سازشوں میں لگا رہا۔ اہل مصر سے ساز باز کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ بعض روایات میں تو یہ ہے کہ خود بھی قتل میں شریک تھا۔

قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ قیامت تک کے فتنہ کا سبب بنا اور اس فتنہ کے دروازے کھولنے والوں میں ایک نام اشتر نخعی کا بھی ہے۔ ایسا شخص تو قتل کر دیا جاتا تو مناسب تھا کہ امت سے فساد کی جڑ کٹ جاتی......''①

علامہ خالد محمود کے مطابق:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد اس چال سے جمع

① تحفہ اثناعشریہ اردو۔ ص 619۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی اکتوبر 1982ء

ہوئے کہ یہ لوگ ان کی کوئی بات چلنے نہ دیتے تھے......اپنی زور آوری سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حال کر رکھا تھا......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے بسی تھی جو انہوں نے آپ کے پورے ماحول پر مسلط کر رکھی تھی......''①

مولانا ابو الحسن علی ندوی کے مطابق:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پانچ دنوں تک اہل مدینہ اور اس کے حاکم و منتظم غافقی بن حرب کو انتظار رہا......حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ شام کی طرف بڑھے اور اشتر نخعی رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کر کے بھیجا......''②

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لیے پکڑ کر لایا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی مجبور کر دیا گیا انہوں نے مہلت مانگی۔ اشتر نخعی بولا: ضامن لاؤ ورنہ تلوار سے سر قلم کر دوں گا۔

یہ شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سخت ترین دشمن تھا اور چاہتا تھا کہ سب سے پہلے انہیں شام کی گورنری سے برطرف کیا جائے۔ اس کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ وہ کوفہ کی سبائی پارٹی کا لیڈر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے عمال کے خلاف فتنہ پھیلاتا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے اور اس کی پارٹی کے دس افراد کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیج دیا۔ جہاں انہیں بہت سمجھایا گیا کہ وہ مسلمانوں کی یکجہتی میں خلل انداز نہ ہوں۔ مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں خلیفہ کی منظوری سے امیر جزیرہ کے پاس بھیج دیا جس نے انہیں سخت سزائیں دیں بعد میں انہوں نے ''تقیہ'' کر کے اپنی جانیں آزاد کرائیں۔

اشتر نخعی نے عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں بہت بلوے کیے تھے وہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خائف تھا۔ اسی لیے انہیں سب سے پہلے شام کی گورنری سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔ جبکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انہیں معزول نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام عمال عثمانی رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کو مؤخر کر دیا۔ ان حالات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ آئینی طور پر خلیفہ بننے والا شخص ایسا فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ اسے

① عبقات جلد دوم ص 431-432
② المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ص 235، 252

تو سب سے پہلے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کو ترجیح دینی چاہیے تھی۔ اس لیے اس فیصلہ میں ان ہی باغیوں کا ہاتھ ہے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے۔ اور اس حکم کی تعمیل باغیوں کی اطاعت قبول کرنا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرانے کے لیے باغیوں نے ہی سازشی کردار ادا کیا تھا۔

ان حالات کے پیش نظر بحیثیت انسان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خدشہ صحیح تھا کہ خلافت کی پالیسی پر سبائی اور باغی اثر انداز ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنی بیعت کو قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشروط کر دیا۔

علاوہ ازیں تعمیل حکم کی آئینی پابندی تو اس وقت عائد ہوتی ہے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کر چکے ہوتے حالانکہ انہوں نے تو ان کی بیعت ہی نہیں کی تھی۔ بہر حال بیعت سے انکار کسی طور پر بھی بغاوت کے ہم معنی نہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی چھ ماہ تک بیعت صدیقی رضی اللہ عنہ میں تاخیر کی۔ ①

بعض دیگر با اثر جلیل القدر اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی...... اور ان حضرات کی عدم بیعت کو کسی نے بھی بغاوت قرار نہیں دیا۔ کیونکہ عدم اطاعت اور حکومت کا حکم ماننے سے انکار کر دینا ہمیشہ بغاوت کے مترادف نہیں ہوتا۔

مطلق اطاعت سے خروج کو بھی بغاوت نہیں کہا جاتا بلکہ اطاعت واجبہ سے خروج کو بغاوت کہا جاتا ہے اور پیش آمدہ صورت جس میں ایک گمراہ اور باغی گروہ (جس کے ہاتھ خون عثمان رضی اللہ عنہ سے رنگین ہیں) نظام خلافت میں شریک ہو، حکومت کے نظم و نسق اور اس کی پالیسی پر حاوی ہو، یا حاوی تو نہ ہو مگر اسے مرکزی اور کلیدی حیثیت حاصل ہو۔ اگر ایسی صورت میں مسلمانوں کی جماعت خلیفہ کی رائے اور اس کی پالیسی سے اختلاف کرے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقدام پر بھی بغاوت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کا مقصد حکومت کا تختہ الٹنا نہیں تھا اور نہ انہوں نے حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے، بلکہ جنگ ان پر مسلط کی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج جب شام کے قریب صفین میں پہنچ گئی تو اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا اور انہوں نے اپنے دفاع میں تلوار اٹھائی۔

اگر جنگ کی ابتداء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوئی ہوتی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت

---

① صحیح بخاری۔ کتاب المغازی باب غزوہ خیبر رقم الحدیث 4241

سے معزول کرنے یا خود اپنی خلافت کا دعویٰ کرنے یا ان کی بیان کردہ توجیہ فاسد ہوتی یا ان کا مطالبہ قصاص غلط ہوتا یا وہ امام کی اطاعت میں داخل ہوکر خروج کرتے تو ان پر بغاوت کا اطلاق درست ہوتا۔مگر ان کے خلاف تو ان میں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں کی جاسکتی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ میں پہل نہیں کی۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''لم یکن معاویة ممن یختار الحرب ابتداء بل کان من اشد الناس حرصا ان لا یکون قتال۔''①

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کی ابتداء نہیں کی بلکہ وہ تو اس بات کے شدید حریص تھے کہ مسلمانوں میں باہم قتال وخونریزی نہ ہو۔''

بہرحال یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میدانِ جنگ میں اپنے دفاع میں مجبوراً آنا پڑا۔

نیز ہر مومن بالقرآن اس بات کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور ہے کہ اولین باغی اور ظالم قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں؛ جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یقیناً مظلوم ہیں۔اصحابِ جمل بھی ان ہی ظالموں کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور اصحابِ صفین کا ہدف بھی یہی ''ظالم'' تھے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ''قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ''قتل کے ارتکاب سے ہی ''ظالم'' قرار نہیں پائے بلکہ ''ظالم'' تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج وبغاوت اور دورانِ محاصرہ اپنی مفسدانہ کاروائیوں کی بناء پر ہی بن گئے تھے۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ وہ اپنی ان ظالمانہ، باغیانہ، مفسدانہ اور شریرانہ کاروائیوں کے باوجود اپنی ''مظلومیت'' پر خود قرآن سے ہی استدلال کر بیٹھے۔ملاحظہ فرمائیں:

''......محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کے بالاخانے سے جھانک کر بلوائیوں سے کہا کہ:تم میرے پاس ایک شخص کو لاؤ میں اس کے ساتھ کتاب اللہ کی موافقت (میں فیصلہ) کرتا ہوں۔توانہوں نے صعصعۃ بن صوحان کو حاضر کیا اور وہ اس وقت جوان تھا۔تو آپ نے فرمایا: کیا تم میرے پاس اس کے سوا کسی اور کو نہیں لا سکتے۔اس

①منہاج السنہ ص220ج2

پر صعصعۃ بن صوحان نے کچھ تیز کلام کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم تلاوت کرو۔ تو صعصعہ نے ﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ... ﴾① جن لوگوں پر ظلم ہوا ہے انہیں جنگ کی اجازت دی جاتی ہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لست لک ولا لأصحابک ولکنها لی ولأصحابی'' یہ حکم نہ تیرے لیے ہے اور نہ ہی تیرے ساتھیوں کے لیے بلکہ یہ حکم میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا... ﴾ سے لے کر ﴿ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾② تک تلاوت فرمائی۔③

اس سے معلوم ہوا کہ بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ظالم سمجھ کر ان کے ساتھ قتال کے لیے آئے تھے۔

جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ آیت میں قتال کا حکم تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ حکم میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے ہے۔ لہٰذا طالبینِ قصاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مستدل آیت کی رو سے مظلوم اور بلوائی و قاتلین ظالم ہیں۔

امام ابن کثیر دمشقی (م 774ھ) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس ''قول'' کا حوالہ دیا ہے کہ:

''لا أ بایعه حتی یسلمنی قتلة عثمان فانه قتل مظلوما وقد قال الله تعالٰی: ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا④ وروی الطبرانی عن ابن عباس أنه قال: مازلت موقناً أن معاویة یلی الملک من هٰذه الآیة''⑤

''میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کروں گا جب تک وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل میرے حوالے نہ کردیں کیونکہ وہ ''مظلوماً'' قتل ہوئے ہیں (پھر بطور دلیل یہ آیت پڑھی کہ) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

جو شخص ظلماً مار دیا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے اس کے ولی، وارث کے لیے مضبوط حق (پھر وہ وارث بدلہ لیتے وقت مارنے میں زیادتی نہ کرے تو بلاشک وہی مدد یافتہ، غالب

①② الحج: 39-41
③ المصنف لابن ابی شیبہ جلد 21۔ ص 298۔ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ۔ کراچی
④ الاسراء: 33
⑤ البدایۃ والنہایۃ الجزء الثامن ص 21

اور کامیاب رہے گا)

امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا (کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص نہ لیا گیا تو) معاویہ رضی اللہ عنہ ضرور غالب ہوں گے۔''

جب کہ تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کے تحت یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

"واستنبطه من هذه الآية الكريمة، وهذا من الامر العجب"

''(حضرت عبداللہ بن عباس نے) اسی آیت کریمہ سے استنباط کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے غلبہ کا اعلان فرمایا اور یہ بہت ہی عجیب استنباط ہے۔''

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم ہیں اور ان کے قاتل یقیناً ظالم ہیں۔ جب کہ طالبین قصاص ان ہی ''ظالموں'' کے خلاف برسر پیکار رہے ہیں۔ علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنے کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"يقتل هذا فيها مظلوماً"[1]

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یقیناً مظلوم ہیں، ان کے قاتل یقیناً ''باغی، طاغی و ظالم'' ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ہیں۔ اصحاب جمل و صفین ان ہی ''ظالموں'' کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ''قصاص دمِ عثمان رضی اللہ عنہ'' کا مطالبہ کرتے رہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا وہ صاحب معاملہ تھے۔ حالات ان کے سامنے تھے۔ **الصحابة كلهم عدول** میں شامل تھے۔ فقیہ و مجتہد تھے اور انہیں امام عادل و خلیفہ راشد سے جنگ کرنے کا مسئلہ بھی معلوم تھا۔

پس اگر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا یا ان کے مقابلے میں آئے تو ان کے نزدیک اس چیز کی شرعاً گنجائش موجود ہو گی۔ بعد کے کسی بھی ''مفکر'' کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسئلہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ فریقین کے درمیان یہ جنگ صرف قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے پر ہوئی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایک گشتی مراسلے میں اس کا اقرار کیا:

---

[1] سنن الترمذی رقم 3708، مسند احمد رقم 5953

”والظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا في الاسلام واحدة لا نستزيدهم في الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا، الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء۔“①

”یعنی صفین میں ہمارے اور اہل شام کے درمیان جو جنگ ہوئی اس سے کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری دعوت اسلام ایک ہے۔ ہم اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کرنے میں نہ ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ ہماری اور ان کی دینی حالت ایک جیسی ہے۔ مگر خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے حالانکہ ہم اس سے بری ہیں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس گشتی مراسلے سے درج ذیل امور ثابت ہو گئے ہیں:

(1) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو خلافت کے امیدوار تھے اور نہ انہوں نے اقتدار ہی کی خاطر جنگ لڑی۔ بلکہ اس جنگ کی وجہ صرف خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص تھا اور یہ ان کا انسانی، قانونی اور مذہبی حق تھا۔

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس امر کی بھی وضاحت کر دی کہ ان کے اور ہمارے ایمان میں کوئی فرق نہیں۔ ہم اس میں برابر ہیں۔ جو لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کی نفی کرتے ہیں وہ درحقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کی نفی کرتے ہیں۔

اب قابل غور یہ بات ہے کہ جب فریقین تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ جنگ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہوئی تو کسی تیسرے فریق کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسے بغاوت کا نام دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ایک حامی کی زبان سے اہل شام کے متعلق نازیبا کلمات سنے تو فرمایا:

”لا تقولوا فانهم زعموا انا بغينا عليهم وزعمنا انهم بغوا علينا فقاتلناهم ۔“②

”کہ ایسے مت کہو کوئی کلمہ خیر ہی کہو۔ ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت (زیادتی) کی ہے اور ہم نے یہ گمان کیا ہے کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت (زیادتی) کی ہے۔ سو اس پر قتال ہوا۔“

یہاں بغاوت کی وضاحت بھی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرما دی کہ اس سے شرعی یا اصطلاحی بغاوت

①نہج البلاغہ ص 114 ج 2
②تاریخ ابن عساکر ص 329 ج 1، منہاج السنہ ص 61 ج 3

مراد نہیں۔ ورنہ وہ خود اپنے بارے میں کیسے فرما سکتے تھے کہ ''انہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے''۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کس طرح کر سکتے تھے؟

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شرعی یا اصطلاحی باغی نہ ہونا خود قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ إِلٰٓى أَمْرِ اللّٰهِ﴾[1]

''پھر اگر ان میں سے ایک جماعت دوسری جماعت کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کرے تو ان سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ نہیں آتے۔''

اس آیت کریمہ کی روشنی میں حالات کا جائزہ لیجیے:

اوّل: جنگ شروع ہوئی جس کا سبب مطالبہ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ تھا۔

دوم: جنگ ختم ہوگئی جس کی بنیاد صلح و مصالحت تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مطالبہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ سے دستبردار ہو گئے تھے؟ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ''مطالبۂ بیعت'' کو تسلیم کر لیا تھا؟

اگر وہ نہ تو اپنے ''مطالبۂ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ'' سے دستبردار ہوئے اور نہ ہی انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ''مطالبۂ بیعت'' تسلیم کیا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ بندی کیوں قبول کی؟ انہوں نے حکم الٰہی کی خلاف ورزی کیوں کی؟ از روئے قرآن ان کا فرض تھا کہ وہ اس وقت تک جنگ جاری رکھتے جب تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بغاوت ترک کر کے ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی بیعت و اطاعت قبول نہ کر لیتے۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنگ بندی اور مصالحت کو قبول کر لینے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز باغی نہ تھے۔ بصورت دیگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے قتال جاری رکھتے۔

سوم: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی آزاد مرضی سے امورِ خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپ کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ باغی تو کجا ہوئے بلکہ ''راشد و برحق'' ثابت ہو گئے۔

باقی رہ گئی جناب مودودی صاحب کی یہ بات کہ:

''خصوصیت کے ساتھ علمائے حنفیہ نے بالاتفاق یہ کہا ہے کہ ان ساری لڑائیوں میں حق

---

[1] الحجرات:9

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور ان کے خلاف جنگ کرنے والے بغاوت کے مرتکب تھے۔''[1]

تو مذکورہ بالا تفصیل سے ہی یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بغاوت کا اطلاق ہرگز درست نہیں۔قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔اور حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے طرزِ عمل سے بھی آں محترم کا باغی نہ ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔اگر بفرض محال علمائے حنفیہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی ہونے پر اتفاق بھی ہو جاتا ہے تو قرآن و حدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کے مقابلے میں اس ''اتفاق'' کی حیثیت ہی کیا ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ علمائے حنفیہ کے اتفاق کا دعویٰ ہی باطل ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی رحمہ اللہ اس دعویٰ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''دیدہ دلیری کی حد کر دی...... اصحابِ جمل و صفین کو باتفاق علمائے حنفیہ باغی کہنا اتنا بڑا جھوٹ اور افتراء ہے کہ جسے بولنے کے لیے جرأت کی بہت بڑی مقدار درکار ہے۔''

معلوم نہیں کہ معترض نے یہ ''اتفاق'' کس ذریعے سے معلوم کیا ہے۔لطیفہ یہ ہے کہ اپنی غلط بیانی کی تردید بھی انہوں نے خود ہی کر دی۔

چنانچہ شرح فقہ اکبر سے ملا علی قاری رحمہ اللہ کی طویل عبارت انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ 339 تا صفحہ 341 نقل کی ہے۔اس میں یہ بھی ہے:

''اہل سنت والجماعت میں اس امر پر اختلاف ہے کہ انہیں باغی کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔''

ان اہل سنت میں حنفی، شافعی وغیرہ کی کوئی تقسیم نہیں کی گئی ہے۔یہی نہیں بلکہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ جن کے قول کو معترض نے بطور سند پیش کیا ہے دوسری جگہ خود اس کے خلاف کہتے ہیں۔

درحقیقت فتح القدیر میں انہوں نے صاحب ہدایہ کے قول کی تشریح کر دی ہے۔اپنا مسلک نہیں لکھا۔اپنا مسلک اپنی مشہور کتاب ''مسایرہ'' میں ظاہر فرمایا ہے۔کتاب مذکورہ مطبوعہ مطبعة السعادة مصر 1347ھ ص 158 میں تحریر فرماتے ہیں:

''وما جرى بين معاوية وعلى رضی اللہ عنہما كان مبنيا على الاجتهاد ولا منازعة من معاوية

[1] خلافت وملوکیت ص 338

فی الامامۃ۔ ''یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما میں اختلاف اجتہادی نوعیت کا تھا۔ خلافت کے بارے میں کوئی نزاع نہ تھی۔ جب خلافت کے بارے میں نزاع نہ تھی تو بغاوت کے کیا معنی؟۔''①

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اصحابِ جمل و صفین کو مطالبہ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف دفاعی جنگ کرنے کی بنا پر ''باغی'' کہنا بالکل بے بنیاد اور لغو و باطل ہے۔

① اظہار حقیقت ص 427 ج 2

30

بوجہ قتل عمار رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی اور باطل پر ہونا ثابت ہو گیا

ناقدین صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی، طاغی، فاسق اور جہنمی ثابت کرنے کے لیے اس حدیث سے استناد کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ پیشین گوئی کی تھی کہ انہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ چونکہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقابلے میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے اس لیے قاتل گروہ ازروئے حدیث باغی ٹھہرا۔

چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہ رضی اللہ عنہم میں مشہور ومعروف تھا اور بہت سے صحابیوں رضی اللہ عنہم نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا تھا کہ علیہ السلام ''تقتلک الفئة الباغیة'' ''تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔''

متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں مذبذب تھے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لیے ایک علامت قرار دے لیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

''حدثنا مسدد قال حدثنا عبدالعزیز بن مختار قال حدثنا خالد الحذاء عن عکرمة قال لی ابن عباس ... کنا نحمل لبنة لبنة وعمار لبنتین لبنتین فرأہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجعل ینفض

---

[1] خلافت وملوکیت ص 136، 137

التراب عنه ويقول ويح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار۔"①

"مسدد، عبدالعزیز بن مختار، خالد حذاء عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا...... (مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے سلسلے میں) ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے تو انہیں نبی اکرم ﷺ نے اس حال میں دیکھا تو ان کے جسم سے مٹی جھاڑنے لگے اور یہ فرماتے تھے کہ عمار پر مصیبت آئے گی۔ انہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ ان کو جنت کی طرف بلاتے ہوں گے اور وہ انہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے۔"

صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں بسند ابراہیم بن موسیٰ، عبدالوہاب، خالد، عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما "**يدعوهم الى الجنة**" کے بجائے "**يدعوهم الى الله**" کے الفاظ آئے ہیں۔②

یہ حدیث مختلف کتب حدیث وسیر اور تاریخ میں نقل ہوئی ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ صحیح روایت اصح الکتب صحیح بخاری کی ہے۔

اس کے متعلق علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"**الخامس: قوله ﷺ في عمار: انه يدعوهم الى الجنّة وهم يدعونه الى النّار وبالضرورة ان الّذين دعاهم عمار الٰى ذلك هم فئة معاوية فحكمه ﷺ بانهم يدعونه الى النّار صريح في انهم على الضلال۔**

وجوابه ان ذلك انما يتم لو صح الحديث ولم يمكن تاويله، اما اذا لم يصح فلا يستدل به، والامر كذٰلك، فان في سنده ضعيفا، يسقط الاستدلال به، وتوثيق ابن حبان لايقاوم تضعيف من عداء له لاسيما وهو أعني ابن حبان معروف عندهم بالتساهل في التوثيق۔"③

"پانچواں اعتراض: آنحضرت ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا تھا کہ تم لوگوں کو

---

① صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التعاون في بناء المسجد۔ رقم الحدیث 447
② کتاب الجهاد والسير باب مسح الغبار عن الرأس في سبيل الله رقم الحدیث 2812
③ تطهير الجنان ص 35

جنت کی طرف بلاؤ گے اور لوگ تم کو دوزخ کی طرف بلائیں گے۔ اس سے بالبداہت معلوم ہوتا ہے جن لوگوں کو عمار رضی اللہ عنہ نے جنت کی طرف بلایا تھا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ وہ دوزخ کی طرف بلائیں گے۔ اس امر کی دلیل صریح ہے کہ وہ گمراہی پر ہوں گے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات اس وقت ثابت ہوگی جب کہ حدیث کو صحیح مان لیا جائے اور اس کی تاویل ممکن نہ ہو مگر جب کہ حدیث ہی صحیح نہ ہو تو اس سے استدلال کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور یہاں یہی کیفیت ہے کیونکہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے اور ابن حبان کا صحیح کہنا اور لوگوں کے ضعیف کہنے کو رد نہیں کر سکتا خصوصاً اس حال میں کہ ابن حبان صحیح کہنے میں سست (غیر محتاط) مشہور ہیں۔ ①

زیر بحث حدیث کی سند میں مندرجہ ذیل راوی ہیں:

مسدد، عبد العزیز بن مختار، خالد الحذاء اور عکرمہ۔

آیئے ائمہ اسماء الرجال کی زبانی راویوں کا حال معلوم کرتے ہیں: یہ ملحوظ رہے کہ یہاں صرف ''جرح'' کے الفاظ نقل کیے جاتے ہیں۔

''مسدد'' اس حدیث کو عبد العزیز بن مختار سے بیان کرتے ہیں۔

(1) عبد العزیز بن مختار:

امام ذہبی رحمہ اللہ احمد بن زہیر کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

''انہ لیس بشیء۔'' ②

''وہ کچھ بھی نہیں۔''

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وذکرہ ابن حبان فی الثقات، وقال: کان یخطی وقال ابن ابی خیشمہ عن ابن معین: لیس بشیء۔'' ③

---

① ترجمہ از امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی، تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان ص 84 مطبوعہ المکتبہ العربیہ لاہور

② میزان الاعتدال ص 554 ج 2 رقم 4873

③ تہذیب التہذیب ج 6۔ ص 356

''ابن حبان نے ان کا ذکر ''ثقات'' میں کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ خطا کرتے ہیں جب کہ ابن ابی خیثمہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ کچھ بھی نہیں۔''

(2) خالد بن مھران الحذاء:

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ابو حاتم نے کہا: ''لا یُحتَجُ بِه ''۔ ''یہ قابل احتجاج نہیں ہے''۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

ابن علیہ سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا کہ خالد اس کی روایت کرتا رہا اور ہم نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ ''ضعف ابن علیه امر خالد ۔''①

''ابن علیہ نے خالد کی بات کو ضعیف قرار دیا ہے۔''

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن زید سے خالد الحذاء کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ شام سے ہمارے پاس آیا۔ ہمیں اس کے حفظ پر انکار ہوا۔

عقیلی نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے طریق سے بیان کیا ہے کہ:

ابن علیہ سے خالد الحذاء کی ایک حدیث کے بارے میں کہا گیا ''فلم يلتفت اليه ابن عليه و ضعف امر خالد ۔'' تو وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے۔ اور اس کو ضعیف کہتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا کلام بظاہر اس وجہ سے ہے کہ حماد بن زید نے خالد حذاء کے حفظ میں تبدیلی کا ذکر کیا اور یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس نے سلطان کے عمل میں شرکت کر لی تھی۔②

(3) عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما...... اس کا نام عکرمہ البربری ابو عبداللہ المدنی مولیٰ ابن عباس ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

یحییٰ بکاء کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے شاگرد نافع سے یہ کہتے ہوئے سنا اے نافع!

①میزان الاعتدال ص593 ج1۔ رقم2359
②تھذیب التھذیب ص594۔ ج2

تجھ پر افسوس ! اللہ سے ڈرو ''لا تکذب علیَ کما کذب عکرمة علی ابن عباس '' مجھ پر جھوٹ نہ باندھنا جیسا کہ عکرمہ نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) پر باندھا ہے۔

سعید بن مسیب رحمہ اللہ بھی اپنے غلام سے اسی طرح کہا کرتے تھے۔

یزید بن ابی زیاد کہتے ہیں کہ:

میں علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا تو دیکھا کہ عکرمہ دروازے پر بندھا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا اس کو کیا ہوا؟ کہنے لگے: ''انه یکذب علی ابی۔'' ''یہ میرے باپ پر جھوٹ باندھتا ہے۔''

عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ:

میں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے پوچھا عکرمہ کا خیال ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ اس وقت حالت احرام میں تھے۔ وہ کہنے لگے اس خبیث نے جھوٹ کہا ہے۔

سعید بن مسیب، عطاء اور یحییٰ بن سعید انصاری رحمہم اللہ عکرمہ کو کذاب کہتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ

''لا یری عکرمه ثقه ویامر ان لا یؤخذ عنه '' عکرمہ کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس کی کوئی روایت نہ لی جائے۔

ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

امام مالک رحمہ اللہ عکرمہ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اور کہا کہ ''لا ازی لاحد ان یقبل حدیثه ۔'' میں اس کی حدیث کو قبول کرنے والا کوئی نہیں دیکھتا۔①

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

عبداللہ بن حارث، علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے تو دیکھا کہ عکرمہ دروازے پر بندھا ہوا ہے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ اللہ کا خوف کریں تو انہوں نے کہا: ''ان هذا الخبیث یکذب علی ابی ۔'' یہ خبیث میرے والد پر جھوٹ باندھتا ہے۔

① تھذیب التھذیب ص 267 ج 7

مصعب زبیری نے کہا کہ:

''کان عکرمۃ یزی رای الخوارج '' عکرمہ خوارج کا نظریہ رکھتا تھا۔

علمائے رجال نے عکرمہ کے متعلق مندرجہ ذیل آراء کا بھی اظہار کیا ہے:

''قال علی بن مدینی کان عکرمۃ یری رای نجدۃ الحروری... کان عکرمۃ یزی رای الاباضیہ (ای فرقۃ من الخوارج تنسب الی عبداللہ ابن اباض) ''①

یعنی عکرمہ حروریہ، صفریہ، اباضیہ اور خوارج کے نظریات رکھتا تھا۔خوارج اگر چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کے مخالف تھے لیکن ان کی اصل عداوت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی عداوت واقعہ تحکیم یعنی ثالثوں کی تقرری کے بعد شروع ہوئی جو بالآخر ان کے قتل پر منتج ہوئی۔

اس تفصیل سے زیر بحث حدیث کے رواۃ کی اصلیت وحقیقت اور سیرت وکردار واضح ہو گیا ہے۔جو راوی نا قابل اعتبار، لیس بشیء ، نا قابل احتجاج، حروری، صفری، اباضی اور خارجی ہوں تو ان کی روایت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟ ائمہ اسماء الرجال نے ''عکرمہ'' مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ''حروری ، صفری ، اباضی اور خارجی'' قرار دیا ہے تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انصاف کی توقع کیونکر رکھی جاسکتی ہے۔اسی عکرمہ نے ''من این تری اخذھا الحمار ''کے الفاظ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کر کے انہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کر دیا۔یعنی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت نماز وتر پڑھی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس گدھے نے ایک رکعت کہاں سے لیا ہے؟②

مودودی صاحب نے اس حدیث کے رواۃ میں ایک نام حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بھی نقل کیا ہے۔③

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے پوری سند کے ساتھ اس روایت کو نقل کر کے اسے موضوع

① میزان الاعتدال ص 103-106 رقم 5425۔ج 3 ، کتاب المعرفه والتاریخ ، فسوی ص 7 ، 12 تحت عکرمه مولی ابن عباس، ولکنه کان یری رای الخوارج الصفریه۔ الکامل لابن عدی تحت عکرمه مولی ابن عباس
② شرح معانی الآثار للطحاوی۔ ابواب الوتر۔ ص 199 ، فیض الباری ص 70 ج 4
③ خلافت وملوکیت ص 137

قرار دیا ہے:

''علقمہ اور اسود رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ ہم ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب وہ جنگ صفین سے واپس تشریف لائے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ''سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لعمار یا عمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ'' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمار (رضی اللہ عنہ) کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔''

علامہ سیوطی رحمہ اللہ اس روایت کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

''موضوع والمعلی متروک یضع وابو ایوب لم یشھد صفین ۔''①

کہ یہ سب من گھڑت روایت ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں ''معلیٰ بن عبدالرحمن'' ایسا راوی ہے جس کی روایت کو متروک کہا گیا ہے کیونکہ یہ اپنی طرف سے احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے مرکزی کردار ہیں سرے سے جنگ صفین میں شامل ہی نہیں ہوئے اور غیر جانبدار صحابہ رضی اللہ عنہم کے گروہ میں شامل رہے۔ وہ کس طرح جنگ صفین سے واپسی پر یہ حدیث بیان کر سکتے تھے؟

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ معلیٰ بن عبدالرحمن کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسے موت کے وقت استغفار کے لیے کہا گیا تو اس نے کہا: **لا ارجو ان یغفر لی وقد وضعت فی فضل علی سبعین حدیثاً** مجھے اپنی مغفرت کی کوئی امید نہیں کیونکہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ستر احادیث گھڑی ہیں۔ یا مجھے مغفرت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ میں نے ستر احادیث فضیلت علی رضی اللہ عنہ میں گھڑی ہیں۔ یعنی اتنی بڑی ''نیکی'' کے ہوتے ہوئے مجھے استغفار کی کیا ضرورت ہے؟

عبداللہ بن علی المدینی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ:

یہ ضعیف الحدیث ہے۔ اور اس کی روایت کی کوئی حقیقت نہیں اور ''کان یضع الحدیث'' احادیث گھڑا کرتا تھا۔

ابن ابی حاتم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

---

① کتاب اللآلی المصنوعہ فی الاحایث الموضوعہ، ص 212 ج1

''ضعیف الحدیث کان حدیثه لا اصل له ۔''

''یہ ضعیف الحدیث ہے اور اس کی روایت کی کوئی حقیقت نہیں۔''

امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

''ضعیف کذاب''۔ یہ ضعیف اور کذاب ہے۔''①

صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث میں دو مضمون بیان ہوئے ہیں:

ایک ''تقتله الفئة الباغية'' عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ اور دوسرا یہ کہ ''يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار'' وہ تو باغی گروہ کو جنت کی طرف دعوت دیتے ہوں گے جبکہ باغی گروہ انہیں جہنم کی طرف بلا رہا ہوگا۔

یہ دوسرا جملہ اگر فی الواقع آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے یعنی ''يدعوهم الى الجنة (وفی رواية: الى الله) ويدعونه الى النار۔'' تو اس جملے کا تعلق حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سابقہ ابتدائی اور آزمائشی دور کے ساتھ ہے۔ جسے راویوں نے اپنی کرشمہ کاریوں کی بناء پر جنگ صفین کے ساتھ جوڑ دیا۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ جملہ جنگ صفین سے متعلق نہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''یہ جملہ مستانفہ ہے جو قریش عرب اور مشرکین کے حال کو بیان کرنے کے لیے ہے۔

''واشارة الى المصائب التي اتت عليه من جهة قريش۔'' اور وہ مصائب جو قریش کی طرف سے ان پر دین توحید اختیار کرنے پر ڈھائے گئے تھے ان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اپنے رب کے ساتھ کفر پر مجبور کرتے تھے اور وہ انکار کرتے ہوئے کہتے تھے ''اللہ احد'' اللہ ایک ہے۔''②

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ جملہ صحیح بخاری کے اصل متن و نسخے میں موجود ہی نہیں۔ اسے بعد میں کسی راوی نے اپنی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر اصل حدیث کا حصہ بنا دیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مذکورہ الفاظ کی زیادتی حمیدی نے اپنی ''جمع'' میں ذکر نہیں کی۔ اور کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بالکل ہی ذکر نہیں کیا اور یوں ہی ابو مسعود نے بھی کہا۔

---

① تهذيب التهذيب ص 238 ج 10

② فيض البارى ص 52 ج 2

حمیدی کا کہنا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو یہ زیادتی ملی ہی نہ ہو۔ یا ملی ہو لیکن جان بوجھ کر اسے حذف کر دیا ہو۔ ہاں اسماعیلی اور برقانی نے اس حدیث میں مذکورہ زیادتی کی ہو۔

میں کہتا ہوں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے جان بوجھ کر حذف کیا ہے اور ایسا انہوں نے ایک باریک نکتے کی بنا پر کیا ہے وہ یہ کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے یہ اعتراف کیا کہ یہ زیادتی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی۔ ''**فدل علی انها فی هذه الروایة مدرجة**'' تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ مذکورہ زیادتی اس روایت میں بعد میں درج کی گئی۔ اور جس روایت میں یہ زیادتی ذکر کی ہے وہ بخاری کی شرط پر پوری نہیں اترتی اس زیادتی کو بزار نے **داود بن ابی هند عن ابی نضرہ عن ابی سعید** کی سند سے ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مسجد کی تعمیر میں ایک ایک اینٹ اٹھاتے وقت ذکر ہوئی۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے ساتھیوں نے یہ زیادتی بیان کی:

''**ولم اسمعه من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انه قال یا ابن سمیة تقتلک الفئة الباغیة**'' اور میں نے اسے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا ہو اے ابن سمیہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی قدر الفاظ حدیث پر اقتصار فرمایا جس قدر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے۔ ان کے سوا الفاظ کو ذکر نہیں کیا۔ ''**وهذا دال علی دقة فهمه وتبحر فی الاطلاع علی علل الحدیث**'' اور یہی چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ کتنے زیرک تھے اور حدیث کی علتوں پر انہیں کتنا عبور تھا۔''[1]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے بموجب بات صرف اتنی ہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دوسرے سب لوگوں سے زیادہ مشقت کرتے پایا جبکہ ان کے کپڑے بھی مٹی سے پرغبار تھے اور زیادہ تھکے ماندے معلوم ہوتے تھے تو آپ کی محبت نے جوش مارا اور ازراہِ ہمدردی آگے بڑھ کر ان کے کپڑوں سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا: اف اف عمار نے یہ اپنا کیا حال بنا

[1] فتح الباری ص 543، 542 ج 1۔ کتاب الصلوٰۃ باب التعاون فی بناء المسجد

رکھا ہے؟ اور بس۔ اس سے آگے عبارت الحاقی ہے اب اس راوی کو تلاش کرنا ہے جس نے قابل اعتراض الفاظ حدیث میں اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں تو تلاش اور جستجو کے بعد اس ذات شریف کا نام عکرمہ مولیٰ ابن عباس ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ ''یدعوھم الی الجنة ویدعونه الی النار'' صرف عکرمہ کی روایت میں ہی پائے جاتے ہیں اس کے سوا کوئی دوسرا راوی یہ الفاظ نقل نہیں کرتا۔ اس ذات شریف یعنی عکرمہ مولیٰ ابن عباس کا تعارف اوپر کرایا جا چکا ہے۔

البتہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں لیکن اس کی سند میں ایک راوی ''عبدالنور'' ہے جو جھوٹی روایتیں گھڑنے کے ساتھ ''متہم'' ہے۔

قابل اعتراض الفاظ کے مدرج اور الحاقی ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ''یدعوھم الی الجنة ویدعونه الی النار'' اس جملے میں تو یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اپنے مخالفین کو جنت کی طرف اور وہ انہیں جہنم کی طرف دعوت دیں گے اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور ان کے حامی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی دعوت جنت یا اللہ کی طرف نہیں تھی؟ کیا ان کی دعوت قرآن اور اسلام کے خلاف تھی؟ یا کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے؟ یا وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ جو جنگ جمل اور صفین میں ان کے مقابلے میں آئے؟

ظاہر ہے کہ یہ اپنے ہر مخالف کو جنت کی طرف بلاتے رہے۔ کیا ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص وغیرہم رضی اللہ عنہم جہنم کی طرف دعوت دیتے رہے؟ یدعوھم اور یدعونه کے الفاظ ہی اس کے مدرج ہونے کی شہادت دے رہے ہیں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک سپاہی تھے۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے مخالفین کو جہنمی اور ناری سمجھتے رہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقتولین صفین کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''قتلانا وقتلهم فی الجنة''①

---

① مصنف ابن ابی شیبہ ص 303 ج 15

ہمارے مقتولین اور ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے مقتولین دونوں جنتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گشتی مراسلے میں بھی وضاحت فرمائی کہ:

''ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری دعوت اسلام ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں ہماری اور ان کی دینی حالت ایک جیسی ہے۔''①

مخالفین کے متعلق خود حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا اپنا قول یہ ہے کہ:

''زید بن حارث کہتے ہیں کہ میں جنگ صفین میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں تھا اس طرح کہ میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے ٹکراتا تھا۔ ایک آدمی نے کہا: ''**کفر اهل الشام**'' شامیوں نے کفر کیا۔ تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: ''**لا تقولوا ذلک نبینا ونبیهم واحد وقبلتنا وقبلتهم واحدة**۔''②

''ایسا مت کہو ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہمارا اور ان کا قبلہ بھی ایک ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ بروایت سعد بن عامر قرظی ام عمار (جس نے ان کی پرورش کی تھی) کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو انہوں نے کہا میں اس بیماری میں نہیں مروں گا کیونکہ مجھ سے میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''**انی لا اموت الا قتلا بین فئتین مؤمنتین**'' کہ میں نہیں مروں گا مگر مومنوں کے دو گروہوں کے درمیان بصورت قتل۔③

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس قول میں بھی اپنے فریق مخالف کو مومن گروہ قرار دیا۔ شیعہ محدث ابوالعباس عبداللہ بن جعفر حمیری قمی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

''امام جعفر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے ان سے ان کے کفر کی بنا پر جنگ نہیں کی اور نہ

---

① نہج البلاغہ ص 114 ج 2

② مصنف ابن ابی شیبہ ص 290 ج 15

③ تاریخ الصغیر، امام بخاری رحمہ اللہ ص 42 تحت من مات بعد عثمان فی خلافة علی رضی اللہ عنہ رقم 312

انہوں نے ہمارے کفر کی وجہ سے ہمارے ساتھ جنگ کی۔ ''ولکنا رأینا انا علی حق ورأوا انهم علی حق'' لیکن ہم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور وہ اپنے آپ کو برحق سمجھتے تھے۔''①

ان حوالہ جات کی رو سے بھی زیر بحث حدیث کا دوسرا جملہ غلط ثابت ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''بعض محدثین نے اس حدیث پر جرح کی ہے بعض نے اس کی تاویل کی ہے اور باغی سے طالب (قصاص عثمان رضی اللہ عنہ) مراد لیا ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے رفقاء میں باغی لشکر کے شرائط نہیں پائے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آغاز کار میں ان سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ ارشاد ہوا کہ جب دو فریق لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دی جائے۔ پھر جو جماعت ظلم اور تعدی کی مرتکب ہو اس سے لڑا جائے۔ اسی بنا پر امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ اسے ''جنگ فتنہ'' قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ باغیوں سے اس وقت لڑنا جائز ہے جب وہ حاکم وقت کے خلاف نبرد آزما ہوں۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کا آغاز نہیں کیا تھا۔

اہل سنت کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ امام حق کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر اس شخص سے لڑا جائے جو اس کی اطاعت کے دائرہ سے خارج ہو۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ معصیت میں بھی اس کی اطاعت کی جائے۔ اس حالت میں اس کا ساتھ چھوڑ دینا افضل ہے۔

اسی بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اہل شام کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے وہ تین حال سے خالی نہیں:

(1) وہ عاصی ہوں گے۔

(2) خطا کار مجتہد ہوں گے۔

(3) یا اپنے اجتہاد میں صحت وصواب کے حامل ہوں گے۔

① قرب الاسناد، ص 45 ج 1

بہر کیف کوئی بھی صورت ہو اس سے ان کے ایمان میں اور جنتی ہونے میں قدح وارد نہیں ہوتی۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ صحیح حدیث صرف اتنی ہے باقی اضافہ سب جھوٹ ہے۔''①

زیر بحث حدیث کے نیچے کے راویوں سے قطع نظر یہ حدیث جن اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ان میں سے چار حضرات عثمان، حذیفہ، ابن مسعود اور ابو رافع رضی اللہ عنہم تو جنگ صفین سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ چار حضرت ابو ایوب انصاری، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم غیر جانب دار رہے۔ اب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی پانچ حضرات میں سے تین ابو قتادہ، خزیمہ بن ثابت اور ابو الیسر رضی اللہ عنہم جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور دو عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

اب قابل غور بات یہ کہ جن تین حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تو کسی صحیح باسند روایت سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے محض اس حدیث کی بنا پر حق و باطل کا اندازہ لگا کر ان کا ساتھ دیا ہو اور نہ ان سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انہوں نے حدیث کو مدار استدلال بنا کر دوسرے فریق کو باغی کہا ہو حالانکہ ان تین حضرات میں سے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے سوا حضرت ابو قتادہ سن 54ھ اور دوسرے ابو الیسر کعب بن عمرو سن 55ھ تک زندہ رہے؟ اگر بقول مودودی صاحب قتل عمار ''حق و باطل'' کے لیے نص صریح تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان غیر جانب دار صحابہ رضی اللہ عنہم نے حق کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ اور غیر جانب دار ہی رہ کر باطل کو کیوں تقویت پہنچاتے رہے؟ اور نہ ان دو حضرات عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے باطل (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے علیحدگی اختیار کر کے حق کا ساتھ دیا۔

پھر سب سے زیادہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا طرز عمل باعث الجھن ہے جب ''نص صریح'' کے ذریعے سے ''حق و باطل'' واضح ہو گیا تھا تو

اوّلاً: انہوں نے جنگ بندی کیوں قبول کی؟ اور قرآن کا بھی یہ حکم ہے کہ باغی گروہ جب تک اپنی بغاوت سے باز نہ آجائے اس وقت تک اس سے قتال جاری رکھا جائے۔

① المنتقی ذہبی اردو ص366، 576

ثانیاً: جب شہادت عمار رضی اللہ عنہ نے حق و باطل واضح کر دیا تھا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم (ثالثی) کیوں قبول کی؟

ثالثاً: جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی اور باطل پر ہونا نص صریح سے ثابت ہو گیا تھا تو ان سے قتال کرنے کے بجائے حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے حق میں دستبردار کیوں ہوئے؟

رابعاً: اگر نص صریح سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی ہونا واضح ہو گیا تھا تو تمام مسلمانوں کو ان سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ سب نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کی تائید وتصدیق کی اور اس سال کا نام ہی ''عام الجماعۃ'' پڑ گیا۔ یعنی قبل ازیں نظم حکومت میں جو انتشار اور خلفشار پیدا ہو گیا تھا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنتے ہی نظم وضبط اور اتحاد واتفاق میں تبدیل ہو گیا۔ کیا باغی اور باطل ایسے ہی سلوک کا مستحق ہوا کرتا ہے؟

خامساً: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کی تحسین وتصویب ثابت ہوتی ہے: ''ان ابنی هذا سيد لعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين۔''①

میرا یہ بیٹا سردار ہے شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرا دے۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کو مسلمانوں کا ایک عظیم گروہ فرما رہے ہیں۔

حضرت عمار 37ھ میں شہید ہوئے۔ حدیث میں ان کے قاتل گروہ کو ''فئة باغية'' کہا گیا ہے کہ صلح حسن 41ھ میں ہوئی۔ ''فئتين عظيمتين من المسلين'' سے بالاتفاق حضرت حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے گروہ مراد ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ پر ''فئة باغية'' کا اطلاق نص صریح ''فئة عظيمة'' کے خلاف ہے۔

سادساً: صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں یہ روایت آئی ہے کہ:

''لاتقوم الساعة حتى تقتتل فئتان دعواهما واحدة۔''②

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال نہ کریں۔ ان دونوں جماعتوں کی دعوت ایک ہوگی۔''

---

① صحيح بخاری كتاب الصلح

② حوالہ مذکور، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتقوم الساعة حتى تقتتل فئتان دعواهما واحدة

شارحین کے نزدیک دو عظیم جماعتوں سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جماعتیں ہیں اور آپ نے ان دونوں کی دعوت کو ایک قرار دیا ہے۔① اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ دونوں جماعتیں حق پر تھیں۔

سابعاً: صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

''تمرق مارقة عند فرقة من المسلمين يقتلهما اولى الطائفتين بالحق۔ ''②

''مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے وقت ایک گروہ امت سے نکل جائے گا اور اس کو وہ گروہ قتل کرے گا جو مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں حق سے زیادہ قریب ہوگا۔''

اس حدیث میں امت سے نکل جانے والے فرقے سے مراد بالاتفاق خوارج ہیں۔ آپ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا اختلاف حق اور باطل کا نہیں تھا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی برحق تھے۔

ثامناً: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللّٰهم اجعله هاديا مهديا واهدبه۔ ''③

کیا کوئی شخص ''ہادی ومہدی'' ہوتے ہوئے ''باغی، طاغی، باطل اور داعی الی النار'' بھی ہوسکتا ہے؟

تاسعاً: ایک روایت میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ:

''یا عمار! لا تقتلك اصحابی... ''④

''اے عمار! تجھے میرے کوئی صحابی قتل نہیں کریں گے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو قطعی اور یقینی طور پر صحابی ہیں تو انہیں کیونکر ''الفئة الباغية'' کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے؟

عاشراً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''لا تقوم الساعة حتى تقتتل فئتان دعواهما واحدة۔ ''⑤

---

①نووی شرح مسلم ص390 ج1

②صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اعطاء المولفة ومن یخاف علی ایمانه ... ج 1 ص342

③سنن الترمذی۔ رقم 3842

④ سیرت ابن ہشام حصہ سوم تحت تعمیر مسجد کے وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق نبوی پیش گوئی

⑤صحیح بخاری رقم الحدیث 6935، 7121

''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دو بڑی جماعتوں میں جنگ نہ ہو اور ان دونوں جماعتوں کی ''دعوت'' ایک ہوگی۔''

اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کی ''دعوت'' ایک ہی بتائی گئی ہے تو پھر انہیں کس طرح ''**یدعونہ الی النّار**'' کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس تفصیل سے روایتاً و درایتاً یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ پر ''**فئة باغية**'' اور ''**یدعوھم الی الجنة و یدعونہ الی النّار**'' کا اطلاق لغو، بے بنیاد، خلاف واقع اور واضح تبرا ہے۔

اب یہ معلوم کرنا باقی رہ گیا ہے کہ جب زیر بحث حدیث کے الفاظ (بشرط صحت روایت) کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز نہیں ہیں تو پھر کون سا گروہ اس حدیث کا مصداق ہوگا؟ آیئے اس گروہ کی نقاب کشائی بھی کرتے چلیں۔

علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ جنگ صفین میں آپ کی حیثیت ایک باغی کی نہ تھی۔ کیونکہ آپ نے اس کا آغاز نہیں کیا تھا اور جنگ کے لیے اس وقت آئے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفے سے نکل کر شام پر حملہ کرنے کے لیے نخیلہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمار کے قتل کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو اِن کو یہاں لائے۔

(خطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں) میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں جو مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مارے گئے ان کے قتل کے ذمہ دار قاتلین عثمان ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے فتنہ کے دروازہ کو کھولا اور عرصہ مدید تک اس کو ہوا دیتے رہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مابین جذبات حقد و عناد کے بھڑکانے کا موجب ہوئے اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سانحہ فاجعہ پیش نہ آتا تو جنگ جمل و صفین وقوع پذیر نہ ہوتیں۔ جس طرح یہ فتنہ پرداز احمق قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے مرتکب ہوئے اسی طرح اس واقعہ کے بعد تہ تیغ ہونے والے مسلمانوں کے قاتل بھی یہی لوگ ہیں۔ مقتولین میں نہ صرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بلکہ ان سے افضل لوگ بھی شامل ہیں مثلاً طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما۔ اس فتنہ پردازی

کا انجام یہ ہوا کہ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے دم لیا۔ حالانکہ یہ آپ کے لشکر میں شامل تھے۔

مذکورہ صدر بیان سے عیاں ہے کہ ذکر کردہ حدیث نبوی اعلام نبوت میں سے ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صفین میں لڑنے والے دونوں فریق زمرۂ مومنین میں شامل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ تاہم دونوں صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے رکن رکین تھے۔ اس دور میں جس قدر فتنے بپا ہوئے اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اس آگ کو ہوا دی۔ آنے والے ادوار میں تا قیام قیامت جو لوگ ان کے فعل کو سراہتے ہیں وہ ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ قاتلین عثمان ہی وہ باغی ہیں جو بعد میں قتل ہونے والے سب مسلمانوں کے ذمہ دار ہیں۔ اسی طرح بعد ازاں جو فتنے بپا ہوئے اس کا اصل سرچشمہ وہی فتنہ پرداز لوگ ہیں۔''①

علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ کی اس توضیح سے یہ ثابت ہو گیا کہ ''فئة باغية'' کے مصداق قاتلین عثمان ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل تھے یہ گروہ امت مسلمہ میں افتراق وانتشار کا بیج بو کر دعوت الی النار کا فریضہ سرانجام دے رہا تھا۔ یہی گروہ ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کیا ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے۔ جس نے جنگ جمل برپا کی۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا۔ پھر اسی گروہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکر کشی کی۔ اور یقیناً حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل بھی یہی گروہ ہے۔ حدیث میں بھی (بشرط صحت روایت) باغی گروہ ہی کو قاتل عمار بتایا گیا ہے۔ یعنی وہ قتل کی وجہ سے باغی نہیں ہو گا بلکہ وہ باغی تو پہلے سے ہو گا اور قتل بعد میں کرے گا۔ اور یہاں بھی یہی ہوا کہ انہوں نے بغاوت تو پہلے کی اور قتل کا ارتکاب بعد میں کیا۔

قدیم سیرت نگار ابن ہشام (م 213ھ) مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے متعلق زیر بحث حدیث یا ''پیش گوئی'' کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ:

''......اتنے میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما آئے، ان کے سر پر بہت سی اینٹیں رکھی ہوئی تھیں

① حاشیہ العواصم من القواصم ص 170۔ المنتقی اردو ص 366

اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ان لوگوں نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ میرے سر پر اتنا بوجھ رکھ دیتے ہیں جو مجھ سے اٹھایا نہیں جاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن سمیہ رضی اللہ عنہ! یہ لوگ وہ نہیں جو تجھے قتل کریں بلکہ تجھ کو باغیوں کا گروہ قتل کرے گا۔ ''**لا یقتلک اصحابی و انما تقتلک الفئة الباغیة**''

اس حدیث میں ''فئة باغیة'' کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جماعت باغیہ، جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوا کوئی اور جماعت تھی۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قطعی ہے۔ لہٰذا انہیں قاتل عمار کہنا ایسے ہی غلط ہے جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاتل عثمان کہنا۔ اسلام میں اوّلاً بالذات باغی جماعت وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی مرتکب ہو کر ''فئة باغیة'' کی حقیقی مصداق بنی اور اس گروہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کیا تھا۔ اسی لیے بعض حضرات نے مودودی صاحب کے محبوب مورخ جناب طبری کی ایک روایت کی رو سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی جنگ صفین میں شمولیت کو ہی غلط قرار دیا ہے اور وہ اس طرح کہ:

''جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کی غرض سے مصر بھیجا تھا تو ملعون باغی گروہ نے انہیں کسی شبہ کے سبب مصر سے مدینہ جاتے ہوئے راستہ میں قتل کر دیا اور پھر آگے چل کر اسی ملعون گروہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کیا۔''①

باغیوں کے لیے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو راستے سے ہٹانا نہایت ضروری تھا کیونکہ وہ باغیوں کی سازشوں سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ خود باغیوں کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ باغی یہ سمجھتے تھے کہ فریقین میں جب بھی صلح ہوگی تو قاتلین کا پتا چلانے میں یہ اہم کردار ادا کریں گے۔ اسی لیے انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اپنے راستے سے ہٹایا۔

مودودی صاحب بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو باغی اور بلوائی مانتے ہیں اور مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر بھی انہیں بالاتفاق باغی ہی سمجھتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں حدیث ''فئة باغیة'' کا مصداق قرار نہیں دیا جاتا۔

بعض حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کر کے ان پر خوب طنز کیا کہ جب حضرت

---

① طبری ص 104 ج5

عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع انہیں ملی تو انہوں نے فوراً یہ تاویل کی کہ کیا ہم نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے؟ انہیں تو اس نے قتل کیا ہے جو انہیں میدانِ جنگ میں ساتھ لایا اس پر یہ طعن کیا جاتا ہے کہ پھر اس طرح تو شہدائے بدر واحد کے قاتل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے جو انہیں ساتھ لائے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اگر سبائیوں کا وضع کردہ نہیں ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ فعل کی نسبت کبھی سبب فعل کی طرف کی جاتی ہے۔ جیسے ﴿ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ﴾[1]

ظاہر ہے کہ بے جان پتھر کسی کو کیا گمراہ کر سکتے ہیں مگر چونکہ یہ بت انسانوں کی گمراہی کا سبب بنے اس لیے گمراہی کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ان کی بصیرت کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ مختصر ترین تبصرہ میں اصل قاتلوں کی نشاندہی کر دی کہ نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ظلماً قتل کیا جاتا، نہ سبائی خلافت مرتضوی پر حاوی ہوتے، نہ جمل وصفین میں مصالحت کی فضا پیدا ہونے کے بعد جنگ چھڑتی اور نہ بے وجہ مسلمانوں کا کشت وخون ہوتا۔ لہٰذا ان تمام واقعات، تنازعات، اختلافات اور سانحات کا سبب ''الفئة الباغية'' یعنی قاتلین عثمان ہیں۔

شہدائے بدر واحد کے قتل کے ذمہ دار بھی وہ کفار تھے جو اِن جنگوں کا سبب بنے نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، جو صلح جو، امن اور عدل کے قیام کے لیے تشریف لائے تھے۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل (بشرط صحت روایت) درست ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا سبب یہی گروہ تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاویل بعد میں سبائیوں نے اپنی سیاسی اغراض کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی ثابت کرنے کے لیے ان کی طرف منسوب کی۔

اس تمام تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اسی گروہ نے قتل کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں قاتلین عثمان کی شمولیت کی بنا پر اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اور نہ ان کی بیعت کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قتل عمار رضی اللہ عنہ کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز باغی نہ تھے۔ نیز لشکر علی رضی اللہ عنہ میں شامل صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی انہیں باغی قرار نہیں دیا۔

لہٰذا یہ کہنا قطعاً غلط نہ ہوگا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی نہ ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور

---

[1] ابراھیم: 36

اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم حجت شرعیہ ہے۔ جو حضرات سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر انہیں باغی سمجھتے ہیں اس کی رو سے اوّل تو یہ لازم آتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول وعمل حجت نہیں۔ اور دوسری جانب صحابہ رضی اللہ عنہم کا العیاذ باللہ گمراہ ہونا لازم آتا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کا (سوائے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے) بھی گمراہ ہونا۔

اس لیے کہ انہوں نے کبھی بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ نہیں کہا کہ قتل عمار رضی اللہ عنہ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی ہیں۔ اب غیر جانب داری کی آخر کیا وجہ ہے؟ حضرات حکمین (ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما) کے سامنے بھی یہ نکتہ نہ اٹھایا گیا اور پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی یہ بات کسی کے سامنے پیش نہیں کی بلکہ ان کے حق میں دستبردار ہو کر اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ و دیگر احباب سمیت ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔

حیرت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کو تو یہ دلیل نہ سوجھی لیکن سبائی مورخین ابومخنف، کلبی، واقدی، دینوری، طبری، مسعودی اور ان کے ہم خیال لوگوں کو صدیوں بعد سینہ بہ سینہ علم باطن کے ذریعے سے یہ دلیل نظر آ گئی اور بعد کے ''سنی علماء'' نے طبری وغیرہ کو مفسر، محدث، مورخ اور محقق گردانتے ہوئے اس کی منقولہ ہر روایت پر ایمان لانا ضروری سمجھا اور تاویل در تاویل کے ذریعے سے صحابی رسول کو باغی اور طاغی تک کہہ دیا کہ وہ اس بغاوت میں معذور و مجبور تھے، ان سے خطا ہو گئی اور وہ زیر بحث حدیث کی رو سے مصالحت حسن رضی اللہ عنہما (40۔41ھ) تک یقیناً باغی تھے۔

جن ''اسلافِ متأخرین'' نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''باغی، طاغی، فاسق وجائر'' کے القاب سے یاد کیا ہے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ان ''اسلاف'' کی حیثیت ہی کیا ہے؟ ان ''اسلاف'' نے تو یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بدترین دشمن تھے، وہ بلوائیوں اور باغیوں کے ہمدرد تھے حتی کہ ان ہی کتب میں ان سے منسوب یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں:

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: ''عثمان صراحتاً کافر ہو گئے تھے''۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کی یہ بات ناپسند کی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا اے عمار! کیا آپ اس خدا سے منکر ہیں جس پر عثمان ایمان لائے تھے؟''[1]

---

[1] المنتقی ص575 تحت مشاجرات صحابہ میں کف لسان کی فضیلت

یہ عنوان خود بتا رہا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ چنانچہ باقی روایات کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے لیکن یہاں تو اسے تسلیم کرتے ہوئے یہ لکھ رہے ہیں کہ:

''ہم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ بعض اوقات ایک ولی اللہ اور مومن شخص دوسرے ولی کی ازراہِ خطا تکفیر کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوصف دونوں کے ایمان میں قدح وارد نہیں ہوتی۔''①

''ولیوں'' کا آخر ''تکفیر'' کے سوا اور کام ہی کیا رہ گیا ہے؟

اگر زیر بحث حدیث کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی کہا جا سکتا ہے تو کیا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے بموجب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ کافر کہا جائے گا؟

ہمارے نزدیک تو یہ سب قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی کارستانی ہے۔ اگر حضرت عمار رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد کے دشمن ہوتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان پر اعتماد کر کے تحقیقات کی غرض سے سبائیوں بلوائیوں اور باغیوں کے پاس مصر کیوں بھیجتے؟

محقق اہل سنت مولانا ابو ریحان عبد الغفور صاحب لکھتے ہیں کہ:

''قاتل عمار کی یہ سات نشانیاں ہیں جو کسی اور نے نہیں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں اور ارشاد بھی اس حدیث میں فرمائی ہیں جس کے حوالہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قاتل عمار اور پھر باغی بنایا جاتا ہے۔ ان نشانیوں کی روشنی میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل وہ گروہ بنتا ہے جو (1) غیر صحابی ہو (2) باغی ہو (3) داعی الی النار ہو (4) فی النار ہو (5) بدبخت ہو (6) شریر ہو (7) ناہنجار ہو...... اور یہ سب نشانیاں بعینہٖ سبائی مفسدوں میں پائی جاتی ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں میں ان میں سے کوئی ایک نشانی بھی نہیں پائی جاتی۔

لہٰذا حدیث قتل عمار کے حوالے سے ہی اگر کوئی قاتل عمار اور ''الفئة الباغية '' کا مصداق بنتا ہے تو وہ سبائیوں مفسدوں کا گروہ ہی بنتا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ قاتل عمار بنتے ہیں اور نہ ''الفئة

① المنتقی ص575 تحت مشاجرات صحابہ میں کف لسان کی فضیلت

الباغیۃ ‘‘ کا مصداق ہی۔ کیونکہ ان کو یہ کچھ بنانے کے لیے اسی حدیث کی رو سے ہی ضروری ہے کہ پہلے:

(1) ان کی صحابیت کا انکار کیا جائے۔

(2) ان کا باغی ہونا ثابت کیا جائے۔

(3) ان کو زیادہ نہیں تو کم از کم ان کے صفینی موقف کی حد تک تو ضرور ہی داعی الی النار کہا جائے۔

(4) ان کو فی النار مانا جائے۔

(5) ان کو یکے از اشقیاء و اشرار۔

(6) اور یکے از فجار قرار دیا جائے۔

اور اس کی جرأت کوئی سبائی تبرائی تو کر سکتا ہے کسی صحیح العقیدہ سنی سے اس کی توقع ہرگز نہیں رکھی جا سکتی۔ کیونکہ اہل سنت کے عقیدے کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ:

(1) صحابی ہیں نہ کہ غیر صحابی

(2) عادل ہیں نہ کہ باغی (ورنہ ان کو باغی کہنے والے ہی پھر ان کی بغاوت کی تاویلیں کرنے پر مجبور نہ ہوتے)

(3) داعی الی الجنہ ہیں نہ کہ داعی الی النار

(4) فی الجنہ ہیں نہ کہ فی النار

(5) یکے از سعداء ہیں نہ کہ یکے از اشقیاء

(6) یکے از شرفاء ہیں نہ کہ یکے از اشرار

(7) یکے از ابرار ہیں نہ کہ یکے از فجار۔

لہٰذا حدیث قتل عمار رضی اللہ عنہ کی رو سے ہی وہ (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) قاتل عمار رضی اللہ عنہ نہ ہوئے اور باغی ان کو اسی بنا پر بتایا جا رہا تھا جب وہ بنیاد ہی بے بنیاد ثابت ہوئی اور ثابت بھی اسی حدیث سے ہوئی تو ان کا باغی طاغی ہونا خود بخود بے بنیاد ہو گیا۔

الغرض جس حدیث کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قاتل عمار رضی اللہ عنہ بنا کر ’’الفئۃ الباغیۃ ‘‘ کا مصداق بنایا جا رہا ہے اسی حدیث سے علیٰ وجہ الکمال یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ

وہ حضرات نہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے اور نہ ''الفئة الباغية '' کے ہی مصداق۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل اور باغی سبائی مفسد حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل بھی تھے اور ''الفئة الباغية '' کا مصداق بھی۔①

تفصیل کے خواہش مند قارئین محقق اہل سنت مولانا عبدالغفور سیالکوٹی مرحوم کی مایہ ناز کتاب ''دفاعِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' از صفحہ نمبر 431 تا 494 کی طرف مراجعت کریں۔

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ زیر بحث حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اس حدیث کی تفسیر اور تشریح میں حضرات محدثین، مؤرخین اور شرّاح حدیث خاصے پریشان نظر آتے ہیں۔ پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ جنگ صفین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت تھی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں نے قتل اور شہید کیا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے اور اس حدیث کی روشنی میں اس کے ظاہری الفاظ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت اور لشکر کا'''' الفئة الباغية '' اور'' داعي الى النار '' ہونا ثابت ہوتا ہے جس سے ان کا مسلمان رہنا بھی مشکوک ہو جاتا ہے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی وجہ سے وہ باغی قرار پاتے ہیں۔ اور حقیقت میں وہ ان الزامات ('' باغی وداعی الی النار'') سے قطعاً بری الذمہ ہیں......

(موصوف ''اجتہادی خطاء'' کی بھی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:)

مگر ذیل کے حقائق پر نظر ڈالتے ہوئے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مخلص ساتھیوں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دامن حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے سے بالکل پاک وصاف ہے۔ نہ تو انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور نہ ہی وہ باغی اور داعی الی النار بنے......

الغرض یہ سب کارستانی سبائی پارٹی اور اسلام کے باغی فرقہ کی تھی کہ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتی رہی اور اندر سے اسلام کی جڑیں کاٹتی رہی......

① ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان، نومبر 1994ء

ان (حضرت عمار رضی اللہ عنہ) کے قاتلین میں کوئی بھی صحابی اور "داعی الی الجنۃ" نہ تھا بلکہ سبھی ہی شریر اور فتنہ گر اور اسلام کی بیخ کنی کرنے والے تھے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو نہ تو کسی صحابی نے قتل کیا اور نہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم اور رضا سے قتل ہوئے۔ قارئین کرام مندرجہ ذیل حقائق پر گہری نگاہ ڈالیں حقیقت بالکل واشگاف نظر آئے گی۔ چنانچہ مشہور محدث، مفسر، فقیہ، مؤرخ، لغوی اور نحوی امام احمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی (المتوفی 18۔ جمادی الاولیٰ 328ھ) اور علامہ المحدث السمہودی (المتوفی 911ھ) لکھتے ہیں:

"یا ابن سمیۃ لا یقتلک اصحابی ولکن تقتلک الفئۃ الباغیۃ "①

"اے ابن سمیہ رضی اللہ عنہ تجھے میرے صحابی نہیں قتل کریں گے لیکن تجھے تو باغی فرقہ اور باغی جماعت قتل کرے گی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تاریخی پیش گوئی سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نہ تھے بلکہ باغی جماعت تھی جنہوں نے اسلام دشمنی کے طور پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔

جو لوگ اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرتے اور یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی وجہ سے وہ لوگ باغی ہوئے ان کی بات درست نہیں ہے کیونکہ نحوی طور پر "الفئۃ الباغیۃ" موصوف اور صفت بن کر "تقتلہ" کا فاعل بنتا ہے اور فاعل کا وجود اپنے فعل سے پہلے ہوتا ہے۔ اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل گروہ پہلے ہی سے باغی تھا جنہوں نے قتل جیسے فعل کا ارتکاب کیا، نہ یہ کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی وجہ سے وہ باغی ہوا...... حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل پہلے سے ہی شریر، بدبخت اور مفسد تھے جب کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان لعنتوں سے پاک تھے......

اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی شامی فوج کو مسلمان سمجھتے تھے اور مسلمان دعوت الی الجنۃ دیتا ہے نہ کہ دعوت الی النّار۔ اس سے

---

① العقد الفرید ص 90، وفاء الوفاء ص 235 ج 1، سیرت ابن ھشام ج 1 ص 497

بھی ثابت ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور نہ ان کی شامی فوج۔ یہ کارروائی عبداللہ بن سبا کے یمنی شرارتیوں کی تھی......

ان تمام اندرونی و بیرونی قرائن اور شواہد سے روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کی شامی فوج اور کوئی دیگر صحابی نہ تھا بلکہ وہی شرارتی سبائی تھے جو اسلام اور اہل اسلام کے ذاتی دشمن تھے اور انہوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر اسلام کو مٹانے کی ناپاک کوشش کی۔ اسلام مٹا تو نہیں اور نہ قیامت تک مٹ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون ''

مگر اس میں اس خبیث اور باطل فرقہ (فئة باغية......داعی الی النّار، قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ) اور اس کی شاخوں نے رخنہ ضرور ڈالا اور منافقین اور مخالف اسلام قوتوں کے لیے راہ ہموار کی، اسلام کب مٹ سکتا ہے۔''[1]

---

[1] ''بخاری شریف کی چند ضروری مباحث'' ص 4 تا 13۔ مطبوعہ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ

31

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نیزوں پر قرآن بلند کرایا

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دوسرے روز 10 صفر کو سخت معرکہ برپا ہوا۔ جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی۔ اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھالے اور کہے کہ ''ھذا حکم بیننا وبینکم'' یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔ اس کی مصلحت حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے خود یہ بتائی کہ اس سے علی (رضی اللہ عنہ) کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی...... اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا۔ اس مشورے کے مطابق لشکر معاویہ میں قرآن نیزوں پر اٹھایا گیا۔

اور اس کا وہی نتیجہ ہوا جس کی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امید تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو مگر ان میں پھوٹ پڑ کر رہی اور آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ مجبور ہو گئے کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں۔''[1]

اس عبارت میں مودودی صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین میں حد کر دی۔ ان کے جذبہ اخلاص اور نیت پر شبہ کیا۔ سبائیت کی نہ صرف بھرپور ترجمانی کی بلکہ ''حق نمک'' بھی ادا کر دیا۔

موصوف نے یہ کہانی کس کتاب سے نقل کی اور اس کا راوی کون ہے؟ اس کا ذکر تو آگے آ رہا ہے یہاں تو صرف اس بات پر اظہارِ افسوس کرنا ہے کہ اس کہانی کو موصوف نے قرآن ہی کی طرح یقینی خیال کرتے ہوئے اپنے سوءِ ظن کا بھی اظہار کر دیا کہ ''اس کا صاف معنی یہ ہے کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی۔

---

[1] خلافت وملوکیت ص 139

قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا۔''

اگر موصوف پوری کہانی نقل کر دیتے تو اس مکروہ اور زہریلے تبصرے کی قطعاً کوئی گنجائش نہ پاتے۔ اسی لیے انہوں نے علمی خیانت اور بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حذف اور اختصار سے کام لیا اور اس میدان میں اپنے ہم خیال حضرات کو بھی مات دے دی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مشرف باسلام ہوئے جب وہ دولت ایمان سے سرفراز ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ نے اپنے دل کے ٹکڑے مدینہ کو پیش کر دیئے ہیں۔ آپ نے ان کے اسلام قبول کرنے پر ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جو اِن کی سیرت وکردار پر بہترین تبصرہ ہے کہ ''**اسلم الناس وامن عمرو بن العاص۔**''①

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان پر اعتماد کیا ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا۔ صدیق، فاروق، اور عثمان رضی اللہ عنہم کے معتمد رہے۔ مصر کا ملک ان ہی کی تیغ زنی کی یادگار ہے۔ افسوس ایسے جلیل القدر صحابی مودودی صاحب کے ''معیار اور کسوٹی'' پر پورا نہیں اتر سکتے یا پھر موصوف کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔

یہ پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صرف کفر کے مقابلے کے لیے پیدا ہوئے انہیں باہمی جھگڑوں سے سخت نفرت تھی۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ مسلمان باہمی خون ریزی سے بچ جائیں۔ امت کی خیر خواہی کے جذبے کے پیش نظر انہوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ایک شخص کے ذریعے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن بھیجا اور یہ بھی غلط ہے کہ قرآن کو نیزوں پر اٹھایا گیا کیونکہ اس طریقے میں قرآن کی توہین اور بے حرمتی پائی جاتی ہے۔ اور اس کی توقع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔

مودودی صاحب اگر اس روایت کے نقل کرنے میں بھی علمی بد دیانتی کا مظاہرہ نہ کرتے تو اس روایت میں بھی یہ الفاظ موجود تھے کہ:

''اہل شام کے ختم ہو جانے کے بعد وہاں کے قلعوں کی کون حفاظت کرے گا؟ اور اہل عراق کے فنا ہو جانے کے بعد وہاں کے قلعوں کی نگہبانی کون کرے گا؟''②

① مسند احمد ص 155 ج 4
② تاریخ طبری تحت 37ھ

اس کذاب راوی نے تو یہ الفاظ نقل کر دیئے مگر مودودی صاحب نے اپنی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر انہیں حذف کر دیا۔ موصوف کو ''درد اور غم'' اس لیے لاحق ہو رہا ہے کہ اس تدبیر سے جنگ کیوں ختم ہوگئی؟ مسلمانوں کی باہمی خونریزی کیوں بند ہوئی؟ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج شکست کے قریب پہنچ چکی تھی اسے از سرنو زندگی کیوں مل گئی؟

اجی حضرت! یہ معلومات آپ کو اسی تاریخ طبری سے مل جائیں گی کہ کون فتح کے قریب تھا اور کون شکست کے قریب؟ اگر شامی شکست کے قریب ہوتے تو لشکر علی رضی اللہ عنہ میں کبھی پھوٹ نہ پڑتی۔ کیونکہ بقول مودودی صاحب ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو''۔ کیا اس حکم علی رضی اللہ عنہ پر صرف اشتر نخعی نے عمل کیا اور جنگ جاری رکھی؟ باقی وفادار اور مخلص افراد نے اس حکم پر عمل کیوں نہیں کیا؟

اس سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ عراقی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ شامیوں کے مقابلے سے عاجز آ گئے تھے۔ اگر وہ اتنے ہی سورما ہوتے تو ضرور حکم علی رضی اللہ عنہ کی تعمیل میں جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچا کر دم لیتے۔ یا پھر واقعہ تحکیم کے بعد تازہ دم ہو جانے کے بعد دوبارہ مقابلے پر آ جاتے۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بار بار اپنی فوجوں کو فریق مخالف پر حملہ کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔

مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ عراقی ''سورماؤں'' کے متعلق زیر عنوان: ''شام کی طرف روانگی کا عزم اور جنگ سے عراقیوں کی بہانہ بازیاں'' لکھتے ہیں کہ:

> ''مقام نہروان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس آئے تو لوگوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی۔ آپ نے حمد وثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے بعد فرمایا:
>
> اللہ تعالیٰ نے تمہیں فتح مندی سے اعزاز بخشا لہٰذا ابھی بلا کسی وقفہ اپنے شامی حریفوں سے نمٹ لو۔ عراقی اس کے جواب میں کھڑے ہو کر کہنے لگے: اے ہمارے امیر المؤمنین! ہمارے تیر سب ختم ہو چکے ہیں، تلواریں کند ہو چکی ہیں، نیزوں کے سرے برچھیوں سے نکل گئے ہیں، ہمیں اپنے گھر واپس لے چلیے تا کہ ہم اچھی طرح سے تیاری کر کے اور تازہ دم ہو کر آگے بڑھیں۔

عراقیوں کا ہمیشہ یہی وطیرہ رہا ہے۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

عراقیوں کی سرد مہری دیکھی اور جنگ سے وہ روگرداں ہوئے تو ان کے سامنے تقریریں کیں جن میں ان کو ملامت بھی کی اور انجام کار سے ڈرایا بھی، جہاد پر راغب کرنے والی آیات پڑھ کر سنائیں اور دشمنوں سے مقابلہ پر آمادہ کیا مگر وہ جگہ سے نہیں ہلے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت ہی کرتے رہے اور اپنے شہروں میں حسب معمول سمٹے رہے، کچھ لوگ اِدھر اُدھر نکل گئے، مجبوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے گئے......

عراقیوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انصار میں پست ہمتی، بزدلی اور کمزوری نمایاں ہوئی۔ عراقیوں کے اس کمزور اور بزدلانہ موقف اور ان کی بہانہ بازی اور حیلہ جوئی کی تصویر حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس تقریر میں نظر آتی ہے جب انہوں نے اس صورت حال سے دل گرفتہ ہو کر ایک تاریخی خطبہ دیا ہے......

یہ تقریر (خطبہ) ایک اہم ترین تاریخی تقریر ہے جو ایک زخم خوردہ قائد کی زبان سے نکلی ہے۔ اس تقریر میں ایک طرف اپنی قوم پر عتاب ہے، دوسری طرف اپنے موقف کے صحیح ہونے کا یقین نمایاں ہے......

واللہ! اگر تم جاڑے اور گرمی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے کہیں زیادہ خوف زدہ ہو کر بھاگو گے۔ اے مرد نما لوگو جن میں مردانگی نام کو نہیں......تم نے اپنی نافرمانیوں سے میری ساری سیاست پر پانی پھیر دیا، غم و غصہ سے مجھے بھر دیا......''①

چنانچہ مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ واپس پہنچ کر شام پر چڑھائی کی پھر تیاریاں شروع کر دیں۔ اس زمانے میں انہوں نے جو تقریریں کیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امت پر ملوکیت کے مسلط ہو جانے کا خطرہ کس شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے۔ اور خلافت راشدہ رضی اللہ عنہم کے نظام کو بچانے کے لیے کس طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ ایک تقریر میں وہ فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم! اگر یہ لوگ تمہارے حاکم بن گئے تو تمہارے درمیان کسریٰ اور ہرقل کی طرح کام کریں گے'' ایک دوسری تقریر میں انہوں نے فرمایا: ''چلو ان لوگوں

① المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔ ص275تا278

کے مقابلے میں جو تم سے اس لیے لڑ رہے ہیں کہ ملوک جبابرہ بن جائیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنالیں''۔ مگر عراق کے لوگ ہمت ہار چکے تھے۔''①

مودودی صاحب! اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہ بھی ہوتے اور ایسی پردرد اور پرسوز تقریریں کرتے تو بھی اہل عراق کو فوراً اپنی جانیں قربان کر دینی چاہئیں تھیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک قائد، حاکم، سردار اور خلیفہ راشد کی حیثیت سے حکم صادر کر رہے ہیں اور امت کو پیش آمدہ خطرات سے آگاہ کر رہے ہیں تو انہوں نے حکم عدولی کیوں کی؟

موصوف خود اعتراف کرتے ہیں کہ:

''مگر عراق کے لوگ ہمت ہار چکے تھے۔''

سوال یہ ہے کہ جب وہ پہلے ہی فتح کے قریب تھے، انہیں جنگ میں آزما بھی چکے تھے تو دوبارہ مقابلہ کرنے میں کون سی رکاوٹ تھی؟ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب حملہ کا حکم دیا تو ان ہی عراقیوں میں بھگدڑ کیوں مچ گئی؟ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ فتح کے قریب تھے تو واقعہ تحکیم کے بعد غیر جانب دار حضرات پر اس کا یہ اثر ہونا چاہیے تھا کہ وہ ان کی خلافت کو قبول کر لیتے۔ لیکن ہوا یہ کہ مصر جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم تھی۔ تحکیم کے بعد اہل خربتا نے گورنر علی کے خلاف تلوار اٹھالی اور اسے قتل کر کے مصر کا شام کے ساتھ الحاق کر دیا۔

اس کے علاوہ کچھ دیگر علاقے بھی آزاد ہو گئے۔ یہ عجیب فتح تھی کہ بجائے مزید غلبہ اور تسلط حاصل کرنے کے اپنے زیر تسلط علاقوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ حقیقت یہ ہے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ عراقی شامی تلواروں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ یہاں کسی کی فتح وشکست کا معاملہ نہیں تھا بلکہ امت مسلمہ کو خون ریزی سے بچانا مقصود تھا۔

اگر لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قرآن بلند کرنا، اسے حکم بنانا بدنیتی اور جنگی چال پر مبنی ہوتا تو کیا (معاذ اللہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی جذبے کے پیش نظر جنگ جمل کے دوران میں قرآن بلند کرایا تھا؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو اس موقع پر کوئی نئی تدبیر نہیں نکالی بلکہ انہوں نے سنت مرتضوی پر ہی عمل کیا تھا۔

اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بطور چال قرآن بلند کرایا تھا اور اس

---

① خلافت وملوکیت ص 144، 145

سے ان کا مقصد دعوت الی القرآن اور قرآن کو حکم بنانا نہیں تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے فوجیوں کو لاکھ سمجھاتے رہے، کیا ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود قرآنی ہدایت کو نظرانداز کر دیا تھا؟ مودودی صاحب تو ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے جوش میں یہ سب کچھ کہہ گئے مگر وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اس طرح تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین کا بھی ارتکاب ہو گیا۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ دعوت الی القرآن کے جواب میں یہ طرز عمل اختیار کر سکتے ہیں؟ جبکہ قرآن نے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

﴿ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ﴾[1]

''کہ صلح کی طرف (اگر کافر بھی) مائل ہوں تو ہرگز انکار نہ کیجیے اور صلح کے لیے فوراً آمادہ ہو جایئے اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا جانتا ہے اگر وہ آپ سے دھوکا اور غداری کریں گے تو فکر نہ کیجیے اللہ آپ کے لیے بالکل کافی ہے۔''

قرآن تو کافروں کی صلح کی پیشکش کو مسترد کرنے سے منع کر رہا ہے اور مودودی صاحب تو یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا تھا۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ:

اوّلاً: قرآن کا نیزوں پر بلند کرانا بالکل غلط اور قرآن کی توہین ہے۔ اور

ثانیاً: ارسالِ قرآن کی تجویز امت مسلمہ کی خیر خواہی کے جذبے کے پیش نظر پیش کی گئی۔ اور اس میں ہرگز کوئی چال، فریب اور دھوکا نہیں تھا۔

مودودی صاحب نے یہ کہانی تاریخ طبری سے نامکمل نقل کی ہے اس کے راوی جناب ابومخنف لوط بن یحییٰ ہیں۔ اس ذات شریف کا حدود اربعہ اور اس کے متعلق علمائے رجال کی آراء پیچھے زیر عنوان ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا تھا'' گزر چکی ہیں۔ یہ شخص کذاب، مفتری اور آگ لگانے والا شیعہ ہے۔ یہ شخص 170ھ میں فوت ہوا، جنگ صفین 37ھ میں ہوئی۔ اس موقع پر اس کا باپ بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ حیرت ہے کہ مودودی صاحب نے ایسے کذاب اور

---

[1] الانفال: 61-62

اخبث راوی پر اعتماد کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کردار کشی کی ہے۔ اس روایت میں ابومخنف کا موجود ہونا ہی اس کہانی کے جھوٹا اور وضعی ہونے کے لیے کافی ہے اور اس روایت کے اگلے حصے میں جلیل القدر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے جو کچھ کہلوایا گیا ہے وہ بھی اس کے موضوع ہونے کی واضح دلیل ہے جسے مودودی صاحب نے نظر انداز کر کے اپنے الفاظ میں یوں ادا کیا کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو''

جبکہ اس روایت کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو اس ''جنگی چال'' کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ معاویہ، عمرو بن عاص، عقبہ بن ابی معیط، حبیب بن مسلمہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور ضحاک بن قیس ''لیسوا باصحاب دین ولا قرأن انا اعرف بھم منکم '' ان کو نہ دین سے کوئی سروکار ہے اور نہ قرآن سے کوئی تعلق۔ میں تم سے زیادہ ان لوگوں کو جانتا ہوں۔ میری آنکھ کے سامنے یہ جوان ہوئے۔ یہ جب بچے تھے تب بھی بدتر تھے اور اب جبکہ یہ جوان مرد ہو چکے ہیں بدترین مرد ہیں۔ انہوں نے قرآن نیزوں پر اس لیے نہیں اٹھائے کہ اس پر عمل کریں مگر یہ محض ان کی دھوکا دہی اور چال بازی ہے...... مگر شیعان علی نے کہا اے علی رضی اللہ عنہ جب آپ کو کتاب اللہ کی دعوت دی جا رہی ہے تو اسے قبول کرو...... ہمیں شامیوں کی یہ دعوت قبول ہے۔ اللہ کی قسم! یا تو آپ کو اس پر ضرور عمل کرنا ہوگا یا پھر ہم آپ کا بھی ضرور وہی حشر کریں گے (یعنی عثمان جیسا حشر)''①

یہ تھی وہ روایت جس کی بنا پر مودودی صاحب نے حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پر چال بازی کا الزام عائد کیا۔ کون تصور کر سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت نے ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مذکورہ کلمات ادا کیے ہوں گے؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب وحی مقرر کیا تھا؟ کیا جس کا قرآن سے کوئی تعلق نہ ہو، اسے یہ منصب سونپا جا سکتا ہے؟ کیا یہ لوگ ہمیشہ شریر رہے؟ کیا یہ جلیل القدر حضرات بدترین بچے اور بدترین مرد تھے؟ کیا حضرت

① طبری ص 358 ج3

علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ صرف اس لیے جنگ کی کہ وہ قرآن کو چھوڑ بیٹھے تھے؟ کیا ان حضرات نے قرآن دھوکا دہی کے لیے بھیجا تھا؟

افسوس مودودی صاحب نے جذبۂ ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' سے مغلوب ہوکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت وکردار سے مطابقت رکھنے والی روایات کونظر انداز کر دیا۔ ابومخنف کذاب کی اس غلط اور من گھڑت روایت کے مقابلے میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے ایک باسند روایت نقل کی ہے جس سے صحیح صورت حال سامنے آتی ہے۔

حضرت ابووائل بیان کرتے ہیں کہ:

''ہم لوگ صفین میں تھے۔ جب اہل شام کے ساتھ جنگ زور پکڑ گئی تو شامی فوج کا ایک دستہ ایک ٹیلہ پر چڑھ گیا۔ اس موقع پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''ارسل الی علی بمصحف فادعه الی کتاب الله فانه لن یأبی علیک فجاء به رجل فقال بیننا و بینکم کتاب الله . . . فقال علی نعم انا اولی بذلک، بیننا و بینکم کتاب الله۔''①

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قرآن بھجوا دیں اور انہیں کتاب اللہ کی دعوت دیں مجھے امید ہے کہ وہ ہرگز اس سے انکار نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ کی کتاب ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں میں لوگوں کو اس کی دعوت دینے کا زیادہ حق دار ہوں۔ ٹھیک ہے ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصلہ کرے گی۔''

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ:

''حبیب بن ثابت کہتے ہیں کہ میں ابووائل کے پاس کچھ پوچھنے کے لیے آیا تو انہوں نے کہا:

''کنا بصفین فقال رجل الم تر الی الذین یدعون الی کتاب الله فقال علی رضی اللہ عنہ نعم . . .''②

---

① البدایہ والنہایہ ص 272 ج 7

② صحیح بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الفتح باب قوله اذ یبایعونک تحت الشجرۃ

''کہ ہم جنگ صفین میں شریک تھے تو ایک شخص نے کہا کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔''

تیسیر القاری شرح صحیح بخاری میں ہے کہ:

''مسند احمد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کتاب اللہ پر عمل کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔''①

ان روایات سے وہ تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے جو ایک عام قاری کے ذہن میں حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے متعلق پیدا ہوئے تھے اور طبری کی اس روایت کی قلعی بھی کھل گئی جسے طبری (متوفی 310ھ) نے اپنی مخصوص شیعی ذہنیت کے پیش نظر ابو مخنف لوط بن یحیٰی (متوفی 170ھ) کذاب رافضی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

افسوس ہے کہ مودودی صاحب نے ابو مخنف کذاب کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے لیکن سبائیوں کا ایک گروہ جنگ بند کرنے پر مصر تھا۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کی دعوت قبول کرنے پر زور دے رہے تھے اور سبائیوں کا ایک گروہ اشتر نخعی کی قیادت میں جنگ جاری رکھنے پر مصر تھا۔ اور یہی بات صحیح بخاری، مسند احمد، سنن نسائی اور ابن کثیر کی صحیح روایات سے ثابت ہے۔

حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کرنے سے گریز کرتے رہے۔ جب سبائیوں کی سازش سے جنگ زور پکڑ گئی تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امت کی خیر خواہی کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا۔ انہوں نے فوراً اس پر عمل کرتے ہوئے ایک آدمی کو قرآن دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور آں محترم رضی اللہ عنہ نے اس دعوت کو قبول کر کے جنگ بندی کا حکم دے دیا۔ لیکن اشتر نخعی نے اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے جنگ جاری رکھی۔ جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ واپس بلا لیا۔ مگر مودودی صاحب نے اس حقیقت کے برعکس یہ لکھ دیا کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ...... مگر ان میں

①مسند احمد ص 570 ج 4

پھوٹ پڑ کر رہی اور آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ مجبور ہو گئے کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں۔''①

مودودی صاحب! اگر خلافت وملوکیت جیسی مبنی بر توہین و تنقیص کتاب لکھنے پر آج تک جماعت اسلامی میں کوئی پھوٹ نہیں پڑ سکی تو دعوت الی کتاب اللہ سے کیوں کر پھوٹ پڑ سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اہل عراق میں پھوٹ محض اس لیے پڑی کہ ان کا ایک گروہ شدید زخم خوردہ تھا اور دوسرا گروہ جنگ بندی میں اپنی موت تصور کرتا تھا۔

① خلافت وملوکیت ص 140

32

واقعہ تحکیم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چال بازی سے کام لیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے واقعہ تحکیم میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے معزول کرایا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بے وقوف بنایا، اپنی خلافت کا اعلان کرا کر معاہدہ ثالثی کی خلاف ورزی کرائی اور بہت بڑا دھوکا کیا۔

مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں ص 140 تا 145 چھ صفحات میں اس واقعہ پر خوب تبصرہ کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرا کیا، ان کی خوب غلطیاں گنوائیں، انہیں مخالف قرآن قرار دیا، اور غدار اور فاجر کہا اور کہلوایا......غرضیکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اس مہم میں نہ صرف اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں سے خوب کام لیا بلکہ دیگر دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی خدمات سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔

پھر جب انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں کوئی شخص ان امور کو ''اجتہاد'' کا نام دے کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی صفائی نہ بیان کر دے تو انہوں نے ''حفظ ما تقدم'' کے طور پر اس کا بھی دروازہ بند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

> ''جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اٹھانے کی تجویز سے لے کر اس وقت تک کی روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ''اجتہاد'' تھا......مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں۔ بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کے سبب سے اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے ''اجتہادات'' سے روک سکتے ہیں...... جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا۔ بلکہ صحابی کے

مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔لیکن اس پر رائے زنی کرنے والے کو لازماً یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے کہ غلط کو صرف غلط سمجھنے اور کہنے پر اکتفا کرے۔اس سے آگے بڑھ کر صحابی کی ذات کو بحیثیت مجموعی مطعون نہ کرنے لگے۔''①

موصوف کی یورش اور جارحیت سے قطع نظر واقعہ تحکیم کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں:

''فریقین میں جنگ بند ہو جانے کے بعد باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ دونوں طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کیا جائے۔اہل شام کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نام تجویز ہوا۔جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ثالث مقرر کرنا چاہتے تھے۔مگر اہل عراق نے سخت مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ''**لا نرضى الا بابی موسیٰ** ''② ہم ابوموسیٰ کے سوا کسی پر راضی نہیں ہیں۔آخر ان کے اصرار پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم بنانا پڑا، حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان پر مطمئن نہ تھے۔''③

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام مخلص رفقاء کو تو ان پر اعتماد تھا۔مگر مودودی صاحب مطمئن نہ ہو سکے انہیں تو صرف اشترنخعی پر اعتماد تھا جس کا نام جب بطور حکم پیش ہوا تو مخلصین نے سخت مخالفت کی کہ یہ جنگ کی آگ تو اسی کی لگائی ہوئی ہے۔

بہرحال حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ثالث مقرر ہو گئے۔جہاں تک ان کی قابلیت کا تعلق ہے تو ابوالاسود ابن یزید فرماتے ہیں:

''**لم ار بالکوفة اعلم من علی و ابی موسیٰ** رضی اللہ عنہما'' میں نے کوفہ میں حضرت علی اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما سے زیادہ عالم کسی کو نہیں دیکھا۔④

امام مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''**کان القضاء فی اصحاب رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم **فی ستة: عمر و علی و ابن مسعود و ابی ابن کعب و زید بن ثابت و ابی موسیٰ**۔''⑤

---

① خلافت وملوکیت ص 140
② البدایہ والنہایہ ص 276 ج 7
③ خلافت وملوکیت ص 140
④ تذکرۃ الحفاظ ص 106 ج 4
⑤ تاریخ اسلام، ذہبی ص 257 ج 2

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ اصحاب میں قضا منحصر تھی ان میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق فرمایا:

''صبغ فی العلم صبغة ثم خرج منه ۔''①

''وہ علم میں رنگ کر نکالے گئے تھے۔''

امام احمد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو لوگوں کو قرآن سکھانے کے لیے یمن بھیجا۔②

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کان من اجلاء الصحابة و فضلاء هم ۔''③

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جلیل القدر اور فضلائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے''۔

دوسرے حکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں اہل شام نے متفقہ طور پر مقرر کیا تھا۔ یہ بھی ایک جلیل القدر صحابی ہیں رسول اللہ نے ان کے متعلق فرمایا:

''اسلم الناس و امن عمرو بن العاص ۔''④

''لوگ اسلام لائے اور عمرو ایمان لائے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''ان عمرو بن العاص من صالحی قریش ''⑤

''یقیناً عمرو (رضی اللہ عنہ) قریش کے صلحاء میں سے ہیں۔''

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کان النبی یقربه و یدینه لمعرفة و شجاعة ۔''⑥

---

① تاریخ اسلام، ذہبی ص 257 ج 2
② صفوة الصفوة ص 225 ج 1
③ تاریخ اسلام ص 255 ج 2
④ مسند احمد ص 155 ج 4
⑤ البدایہ والنہایہ ص 26 ج 8
⑥ الاصابہ تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

''نبی اکرم ﷺ ان کے علم وعرفان اور شجاعت کی وجہ سے انہیں اپنے قریب رکھتے تھے۔''

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ابناء العاص مومنان یعنی هشام و عمرو۔''①

''عاص کے دونوں بیٹے ہشام اور عمرو مومن ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''تم اسلام میں ایک صائب الرائے آدمی ہو۔''②

چنانچہ ان کی اسی زیرکی اور تدبر کی وجہ سے آپ اکثر مہمات ان کے سپرد فرماتے بلکہ بعض مرتبہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر بھی انہیں امیر بنایا گیا۔③

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے ذہین، عبقری اور صاحب تدبیر انسان بھی ان کی اصابت رائے اور عقل ودانش کے معترف اور مداح تھے۔④

حضرت قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

میں نے ان سے زیادہ قرآن بیان کرنے والا، ان سے زیادہ شریف الخلق اور ان سے زیادہ یکساں ظاہر و باطن والا نہیں دیکھا۔⑤

الغرض یہ دونوں حکم جلیل القدر صحابی ہیں۔ عہد رسالت ﷺ سے خلافت عثمان رضی اللہ عنہ تک اہم مناصب پر فائز چلے آتے رہے۔ جنگی فتوحات میں بھی ان کا نمایاں حصہ ہے۔ اور ملک وقوم کے انتظامی معاملات بھی ان کے سپرد رہے۔ یہ زہد وعبادت اور علم وورع کے ساتھ ساتھ ماہر حرب وضرب اور سیاست کے میدان کے بھی شہسوار تھے۔ ہزاروں افراد ان کی ماتحتی میں کئی کئی سال گزار چکے تھے۔ ان کے اسی کردار کے پیش نظر انہیں ثالث تسلیم کیا گیا۔

اس وقت مخالف وموافق میں سے کسی نے بھی انہیں مغفل، ناسمجھ، کم عقل، بے شعور، مکار اور عیار نہیں کہا۔ اور نہ ان پر کسی قسم کا کوئی اعتراض ہی کیا ہے اگر ''مورخین'' کے بقول حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو

① مسند احمد ص 353 ج 4
② کنز العمال ص 186 ج 6
③ تهذيب التهذيب ص 156 ج 8
④⑤ استيعاب و اصابه تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

ناسمجھ قرار دیا جائے تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی الزام عائد ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے آدمی کو ثالث بنانے پر آمادہ ہو گئے جو اس قدر سادہ کم عقل اور بے وقوف تھے کہ فریق مخالف کی سازش کے شکار ہو گئے۔

ان حضرات کے ثالث مقرر ہو جانے کے بعد بالاتفاق حسب ذیل معاہدہ مرتب ہوا:

''یہ ہے وہ معاہدہ جو علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے مابین ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ معاہدہ تمام اہل کوفہ اور اپنے سب ساتھیوں مسلمانوں اور مومنین کی طرف سے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ معاہدہ تمام اہل شام اور اپنے سب ساتھیوں مسلمانوں اور مومنین کی طرف سے کیا ہے۔ ہم اللہ رب العزت اور اس کی کتاب قرآن حکیم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور اس کے سوا کسی اور چیز پر متحد نہیں ہوں گے۔ پس یہ دونوں ثالث جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اور کتاب اللہ میں نہ پانے کی صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عادلہ جامعہ غیر مفرقہ پر عمل کریں گے۔ اس کے بعد دونوں ثالثوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ اس کی پابندی کریں گے اور دونوں ثالث جو فیصلہ کریں گے تمام افراد امت اس میں ان کی مدد کریں گے......

جانبین کے مومنین و مسلمین پر اللہ کی طرف سے اس بات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاہدہ کو مانیں اور اس کے مطابق عمل درآمد کریں۔ نیز راست روی اور حالت امن برقرار رکھیں۔ ہتھیاروں کے استعمال سے اجتناب کریں۔ مسلمان جہاں چاہیں آئیں جائیں۔ ان کی جان، مال، اہل وعیال اور حاضر و غائب سب محفوظ ہیں۔ دونوں ثالثوں پر اللہ کی عائد کردہ ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس امت کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ کریں۔ اور امت کو دوبارہ جنگ یا تفرقے میں مبتلا کر کے معصیت کا ارتکاب نہ کریں۔ مدت فیصلہ رمضان تک ہے۔ اگر مزید تاخیر چاہیں تو دونوں ثالثوں کی باہمی رضامندی سے اس میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

ثالثوں میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو ہر گروہ کا سربراہ کسی دوسرے صاحب عدل و انصاف ثالث کا تقرر کر سکتا ہے...... مقام فیصلہ جہاں وہ سنایا جائے اہل کوفہ اور اہل شام کے درمیان مساوی ہو۔ ثالثوں کی مرضی کے بغیر کوئی شخص ان کے پاس نہ جائے۔ ثالث

حضرات جن لوگوں سے چاہیں گواہی لیں انہیں اجازت ہے لیکن ان کی گواہیاں معاہدہ کے کاغذ پر ثبت ہونی چاہئیں۔ پھر اس معاہدہ کی رو سے وہ اپنا فیصلہ قلم بند کریں اور جو آدمی معاہدے کی خلاف ورزی کر کے ہیر پھیر اور ظلم کا مرتکب ہو تو تمام اہل اسلام اس کے خلاف دوسرے فریق کی مدد کریں۔''①

اس معاہدہ پر دونوں جانب سے دستخط ہو گئے اور بہت سے گواہوں نے اپنی گواہیاں بھی ثبت کر دیں۔ اس معاہدے کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے علاقے میں چلے گئے۔ اپنی فوجیں منتشر کر کے حالت جنگ یکسر ختم کر دی گئی فیصلے کے لیے حکمین کو چھ ماہ کی مدت دی گئی۔ علامہ خضری کے مطابق معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی کہ فیصلہ سنانے کے وقت دونوں گروہوں کے امیر وہاں نہیں آئیں گے بلکہ ان کی طرف سے چار چار سو نمائندے حاضر ہوں گے۔

اس کے بعد دونوں ثالث چھ ماہ تک امت کی بہتری کے لیے مسلسل شب و روز غور وفکر کرتے رہے۔ اس دوران میں سیکڑوں لوگوں سے ملاقاتیں کیں حتیٰ کہ غیر جانبدار حضرات سے بھی مل کر ان سے مشورے حاصل کیے اور پھر دونوں نے معاہدہ کے مطابق ''**ثم یکتبان شهادتهما علی ما فی هذه الصحیفة**'' متفقہ فیصلہ تحریر کیا۔

معاہدہ تحکیم 13 صفر 37ھ کو لکھا گیا اور چھ ماہ بعد شعبان 37ھ میں بمقام اذرح فیصلہ سنانے کا تعین ہوا۔ فریقین کے چار چار سو نمائندے اور فیصلے کی اہمیت کے پیش نظر چند غیر جانبدار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس اہم فیصلے کو سننے کے لیے تشریف لائے۔ فیصلے کا اصل متن سبائی و مجوسی مورخین کی منشا و مرضی کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے تاریخ کے صفحات سے غائب کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ گالی گلوچ، سب وشتم، لعن طعن، ہاتھا پائی اور مار دھاڑ کو داخل کر دیا گیا...... لیکن قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام باتیں لغو، بے بنیاد اور خلاف واقع ہیں۔ فیصلہ سنائے جانے کے بعد کسی قسم کی ہنگامہ آرائی یا غل غپاڑہ نہیں ہوا اور تمام حضرات (ماسوائے دشمنانِ اسلام) سکھ کا سانس لیتے ہوئے اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے۔

کیونکہ اگر فیصلے کی وہ صورت ہوتی جو مودودی صاحب نے مجوسی اور سبائی راویوں اور مورخین کے تعاون سے بیان کی ہے تو بعد کے حالات اتنے پر سکون نہ رہتے۔ صرف گالیوں کا تبادلہ نہ ہوتا بلکہ

①تاریخ طبری ص 21 ج 4 تحت 37ھ

تلواریں اپنا کام دکھاتیں اور معمولی خراشیں نہ آتیں بلکہ لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے ......اور یہ امر واقع ہے کہ حکمین کے فیصلہ کے بعد خانہ جنگی رک گئی۔ جو اس چیز کی علامت ہے کہ فیصلہ صحیح ہوا تھا اور فریقین اس فیصلے پر مطمئن تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے:

''ایها الناس لا تکرهوا امارة معاوية فانكم لو فقدتموه رايتم الرؤس تندر عن كواهلها كانها الحنظل۔''①

''اے لوگو! امارت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناپسند نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے انہیں کھو دیا تو تم سروں کو شانوں پر سے حنظل کی طرح گرتے ہوئے دیکھو گے''۔

مختلف روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثالثوں نے اس فیصلے میں فریقین کے موقف کو اصولاً درست تسلیم کیا کہ دونوں فریق حق پر ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص واجب ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بالفعل درست ہے لیکن خلافت کے مستقل حل کو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کے ساتھ مشروط کر دیا...... نیز جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متفقہ فیصلہ سامنے نہیں آتا اس وقت تک دونوں فریق اپنے اپنے زیر نگین علاقوں کا نظم ونسق بدستور چلاتے رہیں۔ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے بھی یہی متن جاری کیا ہے:

''خلافت کا مسئلہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم پر چھوڑ دیا جائے۔ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دم تک راضی رہے۔ سردست حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں کا نظم ونسق علیحدہ علیحدہ چلاتے رہیں اور آپس میں امن وسلامتی سے رہیں۔''

اسی فیصلہ پر دونوں ثالثوں کا اتفاق تھا اور اسی پر فریقین بھی متفق ہو گئے۔

ان ثالثوں کا امت مسلمہ پر یہ عظیم احسان تھا کہ انہوں نے حسن ذہانت، خداداد بصیرت اور اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلمانوں کی باہمی جنگ وجدال اور باہمی خون ریزی کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی دھوکا اور چال بازی نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کے موقف کو قابل فخر قرار دیا گیا۔ ذوالرمۃ شاعر نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پوتے بلال بن ابی بردہ رحمہ اللہ

①البدایہ والنہایہ ص 131 ج 8

کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''آپ کے باپ نے لوگوں کی خواہش کے مطابق دین کو بچا لیا جبکہ دین کا محل گر رہا تھا۔ آپ نے اذرح کے دنوں میں دین کی بنیادیں مضبوط کر دیں اور ان جنگوں کو ناکارہ کر دیا جو خون بہا رہی تھیں۔''①

سبائیوں کے لیے یہ فیصلہ انتہائی ناقابل برداشت تھا۔ لہٰذا انہوں نے بعض علاقوں میں چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے چند واقعات رونما ہوئے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے 40ھ میں باقاعدہ مصالحت کر لی۔ جس کی رو سے ملک شام اور اس کے ملحقات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت قرار دیئے گئے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس مصالحت کے گواہ تھے۔ ''وانه كان شاهدا للصلح۔''②

لیکن اللہ کا شکر ہے کہ حضرات حکمین جناب مودودی صاحب کے مرتب کردہ ایجنڈے پر عمل نہ کر سکے لہٰذا ان کے معتوب ہو گئے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

''لیکن دومۃ الجندل میں جب دونوں حکم مل کر بیٹھے تو سرے سے یہ امر زیر بحث ہی نہ آیا کہ قرآن وسنت کی رو سے اس قضیہ کا فیصلہ کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن میں صاف حکم موجود تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کی صحیح صورت طائفہ باغیہ کو راہِ راست پر آنے کے لیے مجبور کرنا ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نص صریح نے متعین کر دیا تھا کہ اس قضیہ میں طائفہ باغیہ کون سا ہے۔ ایک امیر کی امارت قائم ہو جانے کے بعد اس کی اطاعت نہ کرنے والے کے بارے میں بھی واضح احادیث موجود تھیں۔ خون کے دعویٰ کا بھی شریعت میں صاف ضابطہ موجود تھا۔ جس کی رو سے دیکھا جا سکتا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنا دعویٰ ٹھیک طریقے سے اٹھایا ہے یا غلط طریقے سے۔ اور معاہدہ تحکیم کی رو سے دونوں صاحبوں کے سپرد یہ کام سرے سے کیا ہی نہیں گیا تھا کہ وہ خلافت کے مسئلے کا جو فیصلہ بطور خود مناسب سمجھیں کر دیں۔

---

① العواصم من القواصم اردو ص 292

② البدایہ والنہایہ ص 332 ج 7

مگر جب دونوں بزرگوں نے بات چیت شروع کی تو ان سارے پہلوؤں کو نظرانداز کر کے یہ بحث شروع کر دی کہ خلافت کا مسئلہ اب کیسے طے کیا جائے؟ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کے نزدیک اس معاملے میں کیا صورت مناسب ہو گی؟ انہوں نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہم ان دونوں حضرات (علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما) کو الگ کر کے خلافت کے مسئلے کو مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیں تاکہ وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک بات یہی ہے جو آپ نے سوچی ہے اس کے بعد دونوں صاحب مجمع عام میں آئے جہاں دونوں طرف کے چار چار سو اصحاب اور کچھ غیر جانبدار بزرگ موجود تھے۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ان لوگوں کو بتا دیجیے کہ ہم ایک رائے پر متفق ہو گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ دونوں ایک رائے پر متفق ہو گئے ہیں تو اس متفقہ فیصلے کا اعلان عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو کرنے دیجیے مجھے اندیشہ ہے کہ آپ دھوکا کھا گئے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم نے بالاتفاق ایک فیصلہ کیا ہے پھر وہ تقریر کے لیے اٹھے اور اس میں اعلان کیا کہ میں اور میرے یہ دوست (یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) ایک بات پر متفق ہو گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کو الگ کر دیں اور لوگ باہمی مشورہ سے جس کو پسند کریں اپنا امیر بنا لیں لہٰذا میں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کو الگ کرتا ہوں اب آپ لوگ اپنا معاملہ خود اپنے ہاتھ میں لیں اور جسے اہل سمجھیں اپنا امیر بنا لیں۔

اس کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا ان صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ لوگوں نے سن لیا۔ انہوں نے اپنے آدمی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو معزول کر دیا ہے میں بھی ان کی طرح انہیں معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ولی اور ان کے خون کے دعوے دار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنتے ہی کہا: ''مالک لا وفقک اللہ غدرت

وفجوت۔ ’’ ’’یہ تم نے کیا کیا خدا تمہیں توفیق نہ دے تم نے دھوکا دیا اور عہد کی خلاف ورزی کی۔‘‘

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بولے: افسوس تمہارے حال پر اے ابو موسیٰ! تم عمرو کی چالوں کے مقابلے میں بڑے کمزور نکلے۔ (حقیقت یہ ہے کہ حضرت سعد دومۃ الجندل تشریف ہی نہیں لے گئے تھے)①

......حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یقینا بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں اور انہوں نے اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ البتہ ان سے یہ دو کام ایسے سرزد ہو گئے ہیں جنہیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ...... یہ پوری کاروائی جو دومۃ الجندل میں ہوئی معاہدہ تحکیم کے بالکل خلاف اور اس کے حدود سے قطعی متجاوز تھی۔ ان حضرات نے غلط طور پر یہ فرض کر لیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے مجاز ہیں...... پھر انہوں نے یہ بھی غلط فرض کر لیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں ...... مزید برآں ان کا یہ مفروضہ بھی غلط تھا کہ وہ خلافت کے مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لیے حکم بنائے گئے ہیں......اسی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے فیصلے کو رد کر دیا اور اپنی جماعت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

سنو یہ دونوں صاحب جنہیں تم لوگوں نے حکم مقرر کیا تھا انہوں نے قرآن کے حکم کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حجت اور سنت ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلے میں دونوں نے اختلاف کیا ہے اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلے پر نہیں پہنچے ہیں۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ واپس پہنچ کر شام پر چڑھائی کی پھر تیاریاں شروع کر دیں۔ اس زمانے میں جو تقریریں کی ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امت پر ملوکیت کے مسلط ہو جانے کا خطرہ کس شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے۔ اور خلافت راشدہ کے نظام کو بچانے کے لیے کس طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ ایک تقریر میں وہ فرماتے ہیں خدا کی قسم! اگر یہ لوگ تمہارے حاکم بن گئے تو تمہارے درمیان کسریٰ اور ہرقل کی طرح کام

① البدایہ والنہایہ ص 282 ج 7

کریں گے...... ایک دوسری تقریر میں انہوں نے فرمایا: چلو ان لوگوں کے مقابلے میں جو تم سے اس لیے لڑ رہے ہیں کہ ملوک جبابرہ بن جائیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنا لیں...... مگر عراق کے لوگ ہمت ہار چکے تھے۔''①

مودودی صاحب نے واقعہ تحکیم کی یہ داستان تاریخ طبری سے نقل کی ہے اور اپنی چالاکی سے بعض الفاظ حذف کر دیے۔ طبری کی یہ روایت بھی خیر سے جناب ابومخنف لوط بن یحییٰ رافضی کذاب کی وضع کردہ ہے۔ اس ذات شریف کا حال پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ محض اسی بات سے روایت کی حقیقت تو واضح ہوگئی ہے لیکن یہاں حذف شدہ ریمارکس پیش کیے جاتے ہیں تاکہ عام قاری بھی صحیح صورت حال سے آگاہ ہو جائے۔

جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی باری پر سینکڑوں افراد مخالفین وموافقین کی موجودگی میں فیصلہ سنایا تو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چلائے کہ یہ بے ایمانی اور مکاری ہے اور کہا:

''**انما مثلک الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث قال له عمرو انما مثلک مثل الحمار یحمل اسفارا۔**''②

''تیری مثال بالیقین کتے کی سی ہے اگر اس پر بوجھ لادو تب بھی ہانپتا ہے یا اسے چھوڑ دو تب بھی ہانپتا ہے۔''

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا:

تیری مثال گدھے کی سی ہے جس پر بہت سی کتابیں لدی ہوئی ہوں۔'' اس کے بعد دونوں گروہوں کی آپس میں گالم گلوچ ہوئی اور ہاتھا پائی تک نوبت جا پہنچی۔

اس قسم کا کردار تو کسی عام مسلمان کے بھی شایانِ شان نہیں چہ جائیکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتگان اور امت کے راہنما اس کردار کے مالک ہوں...... اگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا جذبہ کارفرما نہ ہوتو معمولی سی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی پکار اٹھے گا ''**هذا بهتان عظیم۔**'' ''یہ بہت بڑا بہتان ہے۔'' اور یہ کسی دشمن اسلام، دشمن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم کی کاروائی ہے۔

① خلافت وملوکیت ص 141۔145
② طبری ص 52 ج 4

اگر ذرا بھی عقل وشعور سے کام لیا جائے تو ان روایات کی حقیقت بالکل بے غبار ہو جاتی ہے اور دشمنانِ اسلام کے مکر وفریب کا پتا چل جاتا ہے کہ انہوں نے ہماری تاریخ مسخ کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف غلط اور مکروہ واقعات کی نسبت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی عقیدت نہ رہے بلکہ ان کے دل ودماغ میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تو بے وقوف، کم عقل، مکار، فریبی اور قرآن وحدیث کے مخالف تھے۔ جب لوگوں کے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے نقوش باقی نہ رہیں گے تو نئی نسل کا اسلام پر سے اعتماد اٹھ جائے گا اور اسے کفر والحاد کی طرف لے جانا آسان ہو جائے گا۔

ایسی مسخ شدہ تاریخ کے حوالے سے مودودی صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حکمین نے اپنے فیصلے زبانی سنائے اور آناً فاناً یہ کارروائی مکمل ہو گئی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مکاری اور چالبازی سے کام لیتے ہوئے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو پہلے تقریر کی دعوت دی اور خود بعد میں تقریر کر کے دھوکا اور غداری سے کام لیا۔ حالانکہ یہ عقل ودانش اور اصول اسلام کے خلاف ہے۔ اس سے قبل جب بھی کہیں ایسے اہم فیصلے ہوئے وہ باقاعدہ لکھے جاتے اور وقت پر پڑھ کر سنا دیئے جاتے تھے۔ معاہدہ حدیبیہ اور اسی طرح دیگر معاہدے تحریری طور پر ہی ہوتے رہے۔

حیرت ہے کہ واقعہ تحکیم کا اتنا عظیم اور اہم فیصلہ بغیر تحریر کے زبانی سنا دیا جائے۔ ہرگز قرین قیاس نہیں بلکہ یہ ایک اہم فیصلہ تھا جس کے لیے تحریر لازمی تھی۔ اس پر گواہوں کے دستخطوں کا ثبت ہونا بھی ضروری تھا۔ اور پھر اسے اپنے اپنے سربراہ کے سامنے پیش کر کے ان سے ان کی منظوری حاصل کرنی بھی ضروری تھی۔ تاکہ فریقین آئندہ اس کے ہر جز کی پابندی کریں (جیسا کہ معاہدہ تحکیم کی شرائط سے واضح ہے) اور کسی فریق کی طرف سے اس فیصلے کی خلاف ورزی کا امکان ہی ختم ہو جائے۔

اگر چند درہموں کے لین دین کا معاملہ ہو تو اسے بھی قرآن کریم ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیتا ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ...﴾[1]

''اے ایمان والو! جب تم ایک مدت مقرر تک ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لو اور چاہیے کہ

[1] البقرة:282

تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک لکھے۔''

یہ عجیب المیہ ہے کہ امت مسلمہ کے دو عظیم گروہوں کے درمیان ایک بڑی جنگ (جس میں بقول مورخین فریقین کے ستر ہزار سے زائد افراد مارے گئے) کے بعد اور چھ ماہ کی طویل مدت کے غور وخوض کے نتیجے میں ایک فیصلہ ہو رہا ہے۔ نہ ثالث اسے تحریر کرتے ہیں اور نہ فریقین ہی اسے ضبط تحریر میں لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بس ان دونوں ثالثوں کو چار چار سو افراد پر مشتمل لشکر دے کر مقام اذرح میں اچانک اسٹیج پر بٹھا دیا جاتا ہے اور ایک فریق ان سے اپنے حسب منشاء فیصلے کا اعلان کرا دیتا ہے۔

سبائی فتنہ پردازوں اور مجوسی گویوں نے تاریخ کے صفحات سے فیصلے کا متن ہی حذف کر دیا تاکہ ان کی طرف بے ہودہ اور من گھڑت واقعات منسوب کر کے مسلمانوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی عقیدت سے منحرف کرنے کی جو کوشش کی جائے اس میں وہ متن حائل نہ ہو سکے۔ **فوا اسفا علی ھذا**

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ حکمین کا وہ فیصلہ اچانک اور زبانی نہیں تھا بلکہ تحریری تھا۔ اور اس پر باقاعدہ گواہوں کے دستخط بھی لیے گئے جس پر فریقین کو اس قدر اطمینان ہوا کہ پھر کبھی ان کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

33

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قاتل مومنین ہیں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ہزار ہا مسلمانوں کا خون کیا اور کرایا۔ نہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرتے اور نہ مسلمانوں کی اتنی خون ریزی ہوتی جبکہ ایک مومن کو قتل کرنے والا دائمی جہنمی ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ ①

''جو شخص کسی بھی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب ہو اور اس کی لعنت ہو اور اس نے اس کے لیے عظیم عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''قرآن پاک میں ایک ادنیٰ مسلمان کو قتل کرنے کی سزا جہنم ہے اور معاویہ نے حضرت علی کے ساتھ جنگوں میں اور آنجناب کے بعد اپنے ظالم گورنروں کے ذریعے سے عام مسلمان اتنے قتل کیے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔'' ②

اس بات کی پیچھے وضاحت گزر چکی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو جنگ ہوئی اس کی بنیاد مطالبہ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ تھا۔ پھر فریقین نے معاہدہ تحکیم قبول کر کے ثالثوں کا فیصلہ تسلیم کر لیا۔ اس جنگ میں جو حضرات طرفین سے قتل ہوئے ان کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے:

---

① النساء:93

② خصائل معاویہ ص 252

''سئل علی عن قتال یوم الصفین فقال قتلانا و قتلاھم فی الجنۃ۔''①

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو جنگ صفین میں قتل ہوئے تو انہوں نے فرمایا ہمارے اور ان (معاویہ رضی اللہ عنہ) کے مقتولین جنت میں جائیں گے۔''

مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خود ان کے ساتھیوں نے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے قتل ہو گئے تھے تو فرمایا:

''ھم المومنون۔'' ''وہ مومن ہیں۔''

''وفی روایۃ عن من قتل بصفین ماھم؟ قال ھم المومنون۔''②

عقبہ بن علقمہ کہتے ہیں کہ:

''میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں حاضر تھا۔ تو ان کی خدمت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے پندرہ قیدی گرفتار کر کے لائے گئے۔

''فکان من مات منھم غسلہ و کفنہ و صلی علیہ۔''③

''تو ان میں سے جو فوت ہو گیا اسے غسل اور کفن دیا گیا اور اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھی۔''

ان حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات ہی کی روشنی میں فریقین مومن تھے اور مقتولین جنتی۔ نیز یہ قتال سورۂ نساء کی محولہ بالا آیت (نمبر ۹۳) کے تحت نہیں آتا۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قاتل تسلیم کر لیا جائے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہزاروں مومن رفقاء کو قتل کیا ہے تو کیا یہی الزام خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عائد نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہزاروں مومن ساتھیوں کو قتل کیا ہے؟ جبکہ ان کا مومن ہونا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ تسلیم کر چکے ہیں۔ معترض کے اصول پر تو دونوں حضرات مومنوں کے قاتل ٹھہرے۔ جو سزا ایک قاتل کے لیے مقرر کی ہے تو دوسرا قاتل اس سزا سے کیونکر مستثنیٰ ہو سکتا ہے؟

بعض مورخین نے جنگ صفین میں طرفین کی فوجوں کی تعداد ایک جیسی بتائی ہے اور بعض نے

---

① کنز العمال ص 87
② منہاج السنہ ص 61 ج 2
③ تلخیص ابن عساکر ص 74 ج 1

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج کو زیادہ بتایا ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے دو روایتیں نقل کی ہیں ایک کی رو سے دونوں کی تعداد پچاس ہزار سے کچھ زائد تھی اور دوسری روایت کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج ایک لاکھ تیس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ ①

ایک دوسری روایت کے مطابق اہل شام کی کل تعداد ساٹھ ہزار اور اہل عراق کی ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔

''فقتل منهم عشرون الفا ومن اهل العراق ستون الفا'' ②

کہ اہل شام کی ساٹھ ہزار فوج میں سے بیس ہزار اور اہل عراق کی ایک لاکھ بیس ہزار میں سے ساٹھ ہزار افراد قتل کی بھینٹ چڑھ گئے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہزاروں مومنوں کے قاتل ہیں تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہزاروں مومنوں کا قاتل نہیں ٹھہرایا جا سکتا؟

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا محولہ بالا آیت کا اطلاق جنگ جمل کے مقتولین پر نہیں ہو سکتا؟ وہاں بھی فریقین کے ہزاروں افراد قتل کیے گئے۔ جو حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل ہوئے ان کے قاتل حضرت طلحہ، حضرت زبیر، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم ہیں تو کیا ان قاتلوں کے بارے میں بھی وہی فتویٰ ہوگا؟ کیا کوئی مسلمان اس کا تصور بھی کر سکتا ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنتی ہونا یقینی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ان کے جنتی ہونے کی نص قطعی وارد ہو چکی ہے۔ اسی طرح حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی یقینا جنتی ہیں۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نام بنام جنت کی بشارت دی اسی لیے ان کا شمار ''عشرہ مبشرہ'' میں ہوتا ہے۔

محولہ بالا آیت کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ مومن کے قتل کی تین صورتیں ہیں:

ایک تو اس لیے اسے قتل کرنا کہ یہ کیوں مسلمان ہوا ہے؟ یہ کفر ہے کہ اس میں ایمان سے ناراضی پائی جاتی ہے۔ اس آیت مذکورہ میں قتل مومن کی یہی صورت مراد ہے کیونکہ جہنم میں ہمیشہ رہنا صرف کافر کے لیے ہے۔

دوسری صورت عناداً (یعنی کسی مسلمان کو دنیوی عناد اور ذاتی دشمنی کی وجہ سے) قتل کرنا جیسے اکثر ہوتا رہتا ہے یہ فسق اور گناہ ہے۔

تیسری صورت غلط فہمی کی بنا پر مسلمانوں میں جنگ واقع ہو جائے اور مسلمان قتل ہو جائیں......تو

---

① البدایہ والنہایہ ص 260 ج 7
② حوالہ مذکور ص 274 ج 7

نہ یہ فسق ہے اور نہ کفر بلکہ غلط فہمی ہے۔

اس تیسری قسم کے لیے یہ آیت کریمہ ہے:

﴿وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا﴾ ①

''اگر مسلمانوں کے دوگروہ آپس میں جنگ کر بیٹھیں تو ان میں صلح کرادو۔''

اس آیت کریمہ میں قتال کے باوجود دونوں گروہوں کو مومن کہا گیا ہے اور ان کے درمیان صلح کرادینے کا حکم دیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ قتال کی وجہ سے طرفین میں سے لوگ قتل بھی ہوسکتے ہیں۔

مزید برآں جنگ جمل وصفین کے مقتولین کے قتل کی ذمہ داری قاتلین عثمان پر عائد ہوتی ہے۔

چنانچہ علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں جو مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مارے گئے ان کے قتل کے ذمہ دار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں اس لیے کہ انہوں نے فتنہ کے دروازوں کو کھولا اور عرصہ مدید تک اس کو ہوا دیتے رہے۔اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مابین جذبات حقد وعناد کے بھڑکانے کا موجب ہوئے۔اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سانحہ فاجعہ پیش نہ آتا تو جمل وصفین وقوع پذیر نہ ہوتے۔جس طرح یہ فتنہ پرداز احمق قتل عثمان کے مرتکب ہوئے اسی طرح اس واقعہ کے بعد تہ تیغ ہونے والے دونوں فریق زمرۂ مومنین میں شامل تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔تاہم دونوں صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے رکن رکین تھے۔اس دور میں جتنے فتنے بپا ہوئے۔اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اس آگ کو ہوا دی۔یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ قاتلین عثمان ہی وہ باغی ہیں جو بعد میں قتل ہونے والے سب مسلمانوں کے ذمہ دار ہیں۔

اسی طرح بعد ازاں جو فتنے بپا ہوئے ان کا اصل سرچشمہ بھی وہی فتنہ پرداز لوگ ہیں۔'' ②

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قاتل مومنین ٹھہرانا بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقع ہے۔

① الحجرات:9

② العواصم من القواصم ص170 بر حاشیہ

34

حدیث میں وارد لفظ ''امیر عامہ'' سے مراد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں

مشہور دشمن معاویہ (رضی اللہ عنہ) سید مہر حسین بخاری آف اٹک لکھتے ہیں کہ:

''ان احادیث نبویہ کی رو سے عمرو بن عاص اور معاویہ جنہوں نے امام برحق جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے غداری کی اور واقعہ تحکیم میں عہد شکنی اور غدر کیا۔ تو قیامت کے دن معاویہ صاحب اور عمرو بن عاص کی مقعدوں میں غدر کا جھنڈا نصب کیا جائے گا۔''①

عصر حاضر کے ایک اور بدترین دشمن معاویہ محمود شاہ محدث ہزاروی لکھتے ہیں کہ:

''مشکوٰۃ باب امر بالمعروف فصل دوم ابوسعید خدری کی مروی حدیث میں قیامت تک ہونے والے واقعات بیان فرمانا مذکور ہے جس میں ہے کہ ہر غادر عہد شکن کا قیامت کے دن ایک علم نشان ہوگا، جو بقدر اس کی دنیا میں عہد شکنی کے ہوگا اور کوئی بدعہدی عوام کے بل بوتے امیر عامہ کی غداری وغدرت کے برابر نہیں ہوگی...... (یہاں محدث ہزاروی نے امیر عامہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا) پھر امیر عامہ کے اپنے نامزد کردہ جانشین مکہ پر حملہ آور باغی یزید نے......''②

صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

(1) ''ان لکل غادر لواء یوم القیامة بقدر غدرته فی الدنیا ولا غدر اکبر من غدر امیر العامة یغرز لواءہٗ عند استه۔''③

(2) ''ان الغادر ینصب له لواء یوم القیامة فقال هذه غدرة فلان بن فلان ''④

(3) ''لکل غادر لواء یوم القیامة یعرف به۔''⑤

① سیاست معاویہ ص 39
② بحوالہ اثناعشریہ شیعہ ڈائجسٹ کراچی ص 49 تعارفی شمارہ 1402ھ/ 1982ء
③ مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف ص 437
④⑤ مشکوٰۃ کتاب الامارۃ ماعلی الولاۃ من تیسیر ص 232

(4) ''لکل غادر لواء عند استه یوم القیامة وفی روایة لکل غادر لواء یوم القیامة یرفع له بقدر غدره الا ولا غادر اعظم غدرا من امیر عامة۔''①

یہی حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے ابواب الفتن باب ما اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابه بما هو کائن الی یوم القیامة میں نقل کی ہے۔تقریباً ان تمام روایات کو صحیح مسلم میں کتاب الجهاد و السیر باب تحریم الغدر میں جمع کیا گیا ہے۔

(5) امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو امیر یزید کی بیعت توڑنے والوں کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے اس اقدام کی مذمت کی اور اپنے خاندان والوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''ینصب لکل غادر لواء یوم القیامة وانا قد بایعنا هذا الرجل (ای یزید) علی بیع الله ورسوله وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع الله ورسوله ثم ینصب له القتال وانی لا اعلم احداً منکم خلعه ولا بایع فی هذا الامر کانت الفیصل بینی وبینه۔''②

''قیامت کے دن ہر بدعہد کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا ہم نے اس شخص (یزید) کے ہاتھ پر اللہ اور رسول کی بیعت کی ہے۔ میری نظر میں اس سے زیادہ بدعہدی اور کوئی نہیں کہ ایک شخص کی اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی جائے پھر آدمی اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔ میں نہیں جانتا کہ تم میں سے جو شخص اس کو تخت خلافت سے معزول کرے گا اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق باقی رہے گا۔''

ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر دغاباز کے لیے ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا اور امیر عامہ سے بڑھ کر کوئی غادر نہیں ہوگا جو خلق اللہ کا حاکم ہو کر دغابازی کرے۔

لیکن امیر عامہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیسے مراد لیے جا سکتے ہیں؟ انہوں نے کس سے غداری کی؟ اور کیا غداری کی؟

①مشکوٰۃ المصابیح
②صحیح بخاری کتاب الفتن اذا قال عند قوم شیئا ثم خرج فقال بخلافه

اگر عدم بیعت کو غداری کا نام دیا جاتا ہے تو اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے پھر وہ اس عدم بیعت میں بھی اکیلے نہیں۔ ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ ان کے ساتھ اس کام میں شامل ہیں۔ پھر ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی بعض ایسے ہیں جنہوں نے بیعت کر کے توڑ دی جیسے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما۔ بظاہر ان کا ''جرم'' تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ہے کیونکہ وہ تو شروع سے ہی اطاعت میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ قصاصِ عثمان کی وجہ سے فریقین میں اختلاف واقع ہوا جو بعد میں مصالحت پر ختم ہو گیا۔

زیر بحث حدیث کے راوی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں خود ان کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اگر عدم بیعت کو بغاوت، عہد شکنی اور غداری سمجھا جاتا تو خود ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی عدم بیعت کی وجہ سے بغاوت اور غداری کے مرتکب ہو گئے ہیں۔ ①

یہی نہیں بلکہ انہوں نے جنگ جمل اور صفین میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا۔ جبکہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی اور ان کے معاون بھی رہے۔ علاوہ ازیں جب ان سے ان اختلافات و تنازعات کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''اقوام سبقت لهم سوابق و اصابتهم فتنة وردوا امرهم الى الله۔'' ②

''یہ وہ لوگ ہیں کہ ان سے بہت سے نیک اعمال پہلے ہی صادر ہو چکے ہیں۔ اب ان پر آزمائش آن پڑی ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔''

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدری اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ''امیر عامہ'' سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز مراد نہیں ہیں۔ یہ حدیث صحابہ رضی اللہ عنہم کو معلوم تھی لیکن انہوں نے کسی موقع پر اس کا اشارہ تک نہ کیا۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس حدیث سے یقیناً آگاہ ہوں گے۔ مگر وہ بھی اس بات کو کبھی زبان پر نہ لا سکے بلکہ اس وقت کے سبائیوں اور بلوائیوں کو بھی یہ ''علمی بات'' نہ سوجھ سکی۔ ورنہ اس سنہری موقع کو کب ضائع جانے دیتے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''عرب کا قاعدہ تھا کہ مشہور کرنے کے لیے بازار میں جھنڈا کھڑا کرتے تھے۔ دغا باز وہی

① البدایہ والنہایہ ص 227 ج 7
② مصنف ابن ابی شیبہ ص 275 ج 15

ہے جو وعدہ کرے پھر اس کو پورا نہ کرے اور اس حدیث سے دغا بازی کی حرمت نکلی۔ خاص کر اس شخص کے لے جو حاکم ہو کیونکہ اس کی دغا بازی سے ہزاروں خلق اللہ کو نقصان پہنچتا ہے...... قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا دونوں دغا بازیاں مراد ہو سکتی ہیں۔ ایک امام اور حاکم کی جو اپنی رعیت سے دغا بازی کرے...... یا جو امانت اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہے اس کے حق کو ادا نہ کرے یعنی عدل اور انصاف نہ کرے۔ خلق اللہ کو آسائش اور راحت نہ دے۔ ان کے جان اور مال اور حق پر ناحق ستم کرے۔ دوسری رعیت کی امام کے ساتھ کہ وہ بیعت کو توڑ ڈالیں اور بلا وجہ شرعی اس کی مخالفت کریں۔''

اس تشریح کی رو سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''امیر عامہ'' کا اطلاق ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ انہوں نے کسی سے بھی کوئی عہد شکنی نہیں کی۔ نہ انہوں نے اپنی رعایا پر کوئی ظلم کیا۔ نہ ان کے حقوق غصب کیے، نہ ان کے ساتھ کوئی ناانصافی کی اور نہ ان کے چالیس سالہ دورِ امارت وخلافت ہی میں رعیت میں سے کسی نے ان کی بیعت توڑی۔

ان کے ایفائے عہد کی ایک مثال خود صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی ہے:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل روم کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا اس دوران میں آپ اپنی فوجوں کو ان کی سرحدوں کے قریب اکٹھا کرتے رہے کہ جب مدت معاہدہ ختم ہو تو ان پر حملہ کر دیا جائے۔ جیسے ہی معاہدہ ختم ہوا آپ نے ان پر یلغار کر دی۔ اتنے میں ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے ہوئے کہا مومن کا شیوہ وفا ہے غدر نہیں۔ جب انہوں نے اس شخص کی طرف دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب دو قوموں میں کوئی صلح کا معاہدہ ہو تو اس معاہدہ کی مدت میں نہ تو کوئی قوم عہد کھولے اور نہ باندھے یہاں تک کہ مدت گزر جائے۔ راوی کہتے ہیں ''**فرجع معاویة بالناس**'' تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی فوجوں کے ساتھ واپس آ گئے۔''[1]

مشکوٰۃ کی اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایفائے عہد کی ایسی حیرت انگیز مثال بیان

---

[1] مشکوٰۃ باب الامان ص 347

ہوئی ہے جس کی نظیر ملنی بہت ہی مشکل ہے۔ عین اس وقت جبکہ تمام فوجیں فتح کے نشہ میں چور ہوں صرف ایک جملہ سن کر سارا علاقہ خالی کرنے کا حکم دے دیا اور سارا لشکر بغیر کسی حیل و حجت کے واپس لوٹ گیا۔

جہاں تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف اور رعیت کے ساتھ حسن سلوک کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"ما رأیت احدا بعد عثمان اقضی بحق من صاحب هذا الباب یعنی معاویة (رضی اللہ عنہ)۔"①

"میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق کو پورا کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔"

جلیل القدر تابعی اور محدث اعمش رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک دفعہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ان کے عدل و انصاف کا تذکرہ ہوا تو امام اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا:

"فکیف لو ادرکتم معاویة قالوا فی حلمه قال لا واللہ بل فی عدله۔"②

"کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے حلم میں نہیں بلکہ اللہ کی قسم! عدل وانصاف میں فائق تھے۔"

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"وفضائل معاویة فی حسن السیرة والعدل والاحسان کثیرة۔"③

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حسن سیرت اور عدل واحسان کے بارے میں کثیر الفضائل ہیں۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"والجهاد فی بلاد العدو قائم وکلمة اللہ عالیة والغنائم ترد الیه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو۔"④

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں دشمنوں کے ممالک میں جہاد جاری رہا اللہ کا کلمہ سربلند رہا اور اطراف واکناف میں غنائم کی ریل پیل رہی اور مسلمان ان کے زیر سایہ راحت وعدل

---

① البدایہ والنہایہ ص 133 ج8
② منہاج السنہ ص185 ج3
③ المنتقی ص388
④ البدایہ والنہایہ ص119 ج8

اور عفو و درگزر کی زندگی بسر کرتے رہے۔''

مسعودی جیسا شیعہ مورخ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ:

''حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے اخلاق میں ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ دن رات میں پانچ مرتبہ لوگوں کو ملاقات کی اجازت دیتے تھے...... کمزور، بدو، مریض، عورتیں اور بے سہارا لوگ ان کے پاس جاتے۔ کوئی کہتا مجھ پر ظلم ہوا۔ وہ کہتے اس کی مدد کرو۔ دوسرا کہتا مجھ پر زیادتی ہوئی ہے۔ وہ کہتے اس کے ساتھ آدمی بھیجو۔ تیسرا کہتا میرے ساتھ برا سلوک ہوا ہے وہ کہتے اس کے معاملے کی تحقیق کرو۔ پھر فرماتے: لوگ ہم تک نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات کو ہم تک پہنچاؤ تو کوئی آدمی کھڑا ہو کر کہتا کہ فلاں شخص شہید ہو گیا ہے وہ کہتے اس کے بچے کا وظیفہ مقرر کر دو۔ دوسرا آدمی کہتا فلاں آدمی اپنے گھر سے غائب ہو گیا ہے۔ وہ کہتے ان کا خیال رکھو اور ان کی ضروریات کو پورا کرو اور ان کی خدمت کرو۔''①

کیا اس طرح کی سیرت و کردار کے حامل شخص پر ''امیر عامہ'' کا اطلاق ہوا کرتا ہے؟

؎ تفو بر تو ای چرخ گردوں تفو

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''روزِ قیامت سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لواء الحمد ہوگا جو لوگ اس جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے شفاعت کے حقدار ہوں گے اور یہ لواء الحمد جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اٹھائیں گے۔ جبکہ معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے پاخانہ کے مقام میں غدر کے جھنڈے لواء الغدر نصب ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ماننے والے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے اور جنت میں جائیں گے اور معاویہ صاحب کے پیروکار اور حامی لواء الغدر کے نیچے ہوں گے اور اپنے ٹھکانے پر اپنے مقتداؤں کے پیچھے جائیں گے۔''②

یہ تو اوپر وضاحت ہو چکی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تو کسی صورت میں ''امیر عامہ'' کا اطلاق نہیں ہو سکتا...... اب سوال یہ ہے کہ پھر اس لفظ کا مصداق کون ہے؟

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے سبائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑی۔ ان کے خلاف

① تاریخ مسعودی اردو ص 55 ج 3
② سیاست معاویہ ص 39

غدر کیا، قصر خلافت کا محاصرہ کیا، خلیفہ وقت کو اذیتیں دیں، ان کا حق نہ پہچانا حتی کہ انتہائی بے دردی کے ساتھ انہیں شہید کر دیا گیا۔ تو ان سے بڑا ''غدارِ اعظم'' کوئی اور ہرگز نہیں ہوسکتا۔ زیر بحث حدیث میں یہی گروہ اور اس کے اگلے پچھلے تمام حمایتی مراد ہیں۔ ان ہی کے مقعد اور دبر میں روزِ قیامت لواء الغدر نصب ہوگا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی دنیا میں حدیث کی تعبیر کو بطور ریہرسل ان ظالموں، سبائیوں، باغیوں، مفسدوں، غنڈوں، اچکوں، اور اشتریوں کو دبر اور مقعد پر لاتیں مار مار کر پورا کر دکھایا۔ **(فجزاہ اللہ احسن الجزاء)**

جہاں تک ''لواء الحمد'' کا تعلق ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا تو اس کا عملی مظاہرہ بھی خود انہوں نے اسی دنیا میں کر دیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کر کے پھر بعد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبردار ہو کر ''لواء الحمد'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام محبّین اور متبعین کو شامل کر دیا ہے کہ یہ لوگ کل قیامت کے دن بھی اسی لواء الحمد کے نیچے ہوں گے۔

الحمد للہ محبّین معاویہ رضی اللہ عنہ حاملین ''لواء الحمد'' ہیں۔ اور دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ حاملین ''لواء الغدر'' ہیں۔ جس کا منظر اِس جہاں میں بھی ان کی رسوائی کی صورت میں سامنے آیا اور اُس جہاں میں اوّلین و آخرین کے مجمع میں بھی اس کا بھرپور عملی مظاہرہ ہوگا۔

35

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف عنادی تھا

اہل السنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کی نوعیت ''اجتہادی'' ہے۔ اہل تشیع کا تو ذکر ہی کیا لیکن بعض نام نہاد اہل سنت نے بھی فریقین میں سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہ صرف خطائے اجتہادی کی نسبت کی بلکہ اس خطا کو عنادی اور منکر قرار دے کر آں محترم پر باغی، طاغی اور فاسق کا اطلاق کیا ہے۔

مولانا سید لعل شاہ بخاری فاضل دار العلوم دیوبند آف واہ کینٹ لکھتے ہیں کہ:

''جمہور اہل سنت کا پہلا قول ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد مخطی ہیں اور خطا ان کی اجتہادی ہے۔'' ①

''جمہور اہل سنت کا دوسرا قول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر تھے یعنی خطا ان کی عنادی تھی۔'' ②

''دلائل کے لحاظ سے یہ دوسرا قول کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے بظاہر راجح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر تھے۔'' ③

پیر سید نصیر الدین گولڑوی رقم طراز ہیں کہ:

''اس میں شک نہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفہ برحق تھے اور اس پر اجماع امت ہے۔ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جو رویہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔ ان کے اس رویے کو محض خطائے اجتہادی قرار دے کر، موجب اجر وثواب سمجھنا محل نظر ہے۔ کسی شرعی مسئلہ میں حتی الوسع جدوجہد کے بعد اجتہادی غلطی کا

① استخلاف یزید ص 174
② حوالہ مذکور ص 180
③ حوالہ مذکور ص 188

معاملہ کچھ اور ہے مگر دنیوی اور ملکی امور میں ایسی اجتہادی خطا کو جو موجب فتنہ بنے، باعث اجر وثواب قرار دینا قرین دانش مندی وانصاف نہیں۔ ہمیں درجہ صحابیت کا لحاظ ہے اور ہم جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے اس طرز عمل کو اجتہادی کارنامہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں اہل السنت والجماعت کی چند نامور اور معتبر شخصیات کی عبارات ونظریات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

مشہور عاشق رسول اور عارف حضرت مولانا عبدالرحمن جامی نقشبندی فرماتے ہیں:

جمعے از بیعتش اِبا کردند
وندراں سرکشی خطا کردند

''ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کیا اور اس جماعت نے سرکشی میں خطا کی۔''

اپنی اسی تصنیف میں مولانا جامی ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

واں خلافے کہ داشت با حیدر
در خلافت صحابی دیگر
حق در آنجا بدست حیدر بود
جنگ با او خطائے منکر بود

''اور وہ دوسرا صحابی جو بسلسلہ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھتا تھا (یعنی جناب معاویہ رضی اللہ عنہ) اس وقت حق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف تھا اور ان سے جنگ کرنا خطائے منکر تھا یعنی ناپسندیدہ خطا تھی۔''①

جناب مودودی صاحب بھی حق اور باطل کے درمیان کسی تیسری چیز کے قائل نظر نہیں آتے۔ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف خود باطل پر کہتے ہیں بلکہ بڑی سختی کے ساتھ دوسروں سے بھی منوانا چاہتے ہیں۔ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کے ہاں ''خطائے اجتہادی'' کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

① نام ونسب ص 532-533 زیر عنوان ''اجتہادی خطا کی حقیقت''

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''لیکن جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اٹھانے کی تجویز سے لے کر اس وقت تک کی روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ وہ سب کچھ اجتہاد تھا...... یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کے سبب سے اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے اجتہادات سے روک سکتے ہیں......لیکن جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا......کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا بلکہ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔''①

مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی مزید بھڑاس نکالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے رونے سے تو دراصل یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ضمیر خود جانتا تھا کہ خلیفہ وقت سے لڑ کر انہوں نے کس خطائے عظیم کا ارتکاب کیا تھا۔''②

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے۔ ان کا مجتہد ہونا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی شہادت سے بھی واضح ہوتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہی گروہ کے ایک فرد عظیم کی شہادت ہے جو اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑ رہے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا: ''**دعه فانه قد صحب رسول الله ﷺ... قال اصاب انه فقيه۔**''③

''ان کی بات کو رہنے دیجیے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف اٹھایا ہے انہوں نے درست عمل کیا ہے۔''

فقیہ کے معنی عارف بالفقہ مع الدلائل کے ہیں جسے دوسرے لفظوں میں مجتہد کہتے ہیں۔ چنانچہ

---

① خلافت وملوکیت ص 143

② خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 106

③ صحیح البخاری باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ رقم الحدیث 3764-3765

اس کی شرح میں امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وانه عارف بالفقه يعني يعرف ابواب الفقه۔''①

''کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فقہ کے ماہر یعنی مجتہد ہیں۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے عظیم شخص کی اس عظیم شہادت کے بعد ان کے مجتہد ہونے میں کسی سبائی اور مجوسی ہی کو شک ہوسکتا ہے۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وما وقع من المخالفات المحاربات (بين علي ومعاويه رضی اللہ عنہما) لم يكن من نزاع في خلافته بل عن خطاء في الاجتهاد۔''②

''حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جو لڑائی جھگڑا ہوا وہ ان کی خلافت میں اختلاف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ خطائے اجتہادی سے تھا۔''

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

''اور جو لڑائیاں (جمل اور صفین) اور جھگڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہوئے۔ جیسے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا جھگڑا جو خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں بنی نضیر کی زمین کے بارے میں ہوا تو ان کے لیے اچھی توجیہات وتاویلات ہیں اور وہ توجیہ یہ ہے کہ بے شک وہ حضرات حق کے طلبگار تھے۔ لیکن بعض ان میں سے اپنے اجتہاد میں مصیب ہوئے اور بعض مخطی۔ اور اجتہادی خطا والے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ بلکہ وہ بھی اجر وثواب کا مستحق ہے۔ سلف صالحین کی یہی عادت رہی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے افعال کو نیک مقاصد پر محمول کرتے ہیں۔''③

یہ ملحوظ رہے کہ مشاجرات میں کسی جانب بھی غلطی کا تعین کرنا غلط ہے۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی لڑائی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی غلطی کو متعین کر دینا غلط ہے کیونکہ

---

① عمدۃ القاری ص 248 ج 16

② شرح عقائد ص 109

③ النبراس شرح لشرح العقائد ص 549

اجماع کا جو یہ فیصلہ ہے کہ اجتہاد میں صحیح وغلط دونوں کا احتمال ہوتا ہے غلطی کے تعین کی صورت میں باقی نہیں رہتا۔''①

پھر یہ بھی کوئی ضروری اور لازمی نہیں کہ جسے مجتہد مصیب کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مصیب ہو اور جسے مخطی قرار دیا جائے وہ حقیقت میں بھی مخطی ہو کیونکہ مصیب قرار دیے جانے کے باوجود خطا کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اور مخطی کہنے کے باوجود صواب کا احتمال ہو سکتا ہے یعنی صواب محتمل الخطا اور خطا محتمل الصواب۔ لہٰذا ایسی صورت میں کسی ایک فریق کو مجتہد مخطی کہنا، کہلوانا اور دوسروں سے جبراً منوانا محض سینہ زوری اور ذہنی ورزش ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''لازم نیست کہ امیر در جمیع امور خلافیہ محقق باشد و مخالف ایشاں بر خطا۔''②

''جاننا چاہیے کہ ضروری نہیں کہ تمام امور خلافیہ میں حضرت امیر (یعنی علی رضی اللہ عنہ) حق پر ہوں اور ان کا مخالف خطا پر......''

علامہ خفاجی رحمہ اللہ شرح شفا میں لکھتے ہیں کہ:

''انها امور وقعت باجتهاد منهم لا لاغراض نفسانية ومطامع دنيوية كما يظنه الجهلة۔''③

''یہ کچھ ایسے امور تھے جو اِن سے اجتہاداً صادر ہوئے ان کا منشا کوئی اغراض نفسانیہ نہ تھیں نہ ان کا مطمح نظر کوئی دنیوی امور تھے۔ جیسا کہ جاہلوں نے سمجھ رکھا ہے۔''

امام نووی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''واما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء واما الحروب التى جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب انفسها و كلهم عدول ومتأوّلون فى حروبهم وغيرها . . .''④

---

①مقدمہ ابن خلدون ص 37 ج 2 مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی
② مکتوبات ص 55 ج 2 مکتوب نمبر 36
③نسیم الریاض ص 467 ج 3
④نووی شرح مسلم ص 272 ج 2

''اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل اور نجیب صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں مگر جو جنگیں آپس میں لڑی گئیں تو ان میں سے ہر ایک گروہ کو ایک شبہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کے صواب پر ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں اور ان جنگوں وغیرہ کے اختلاف میں تاویل کرنے والے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی چیز بھی ان میں سے کسی کو وصف عدالت سے خارج نہیں کرتی کیونکہ وہ مجتہد ہیں۔''

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو اِن کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک محمل پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا وتعصب سے دور سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل واجتہاد پر مبنی تھیں نہ ہوا وہوس پر۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہ اور امیر رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑے ازروئے اجتہاد کے ہوئے ہیں اور اس قول کو اہل سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے۔ اور شارح مواقف نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس بات پر ہیں کہ وہ تنازعات ازروئے اجتہاد کے نہیں ہوئے...... معلوم نہیں اصحاب سے ان کی مراد کون سا گروہ ہے جب کہ اہل سنت اس کے برخلاف حکم دیتے ہیں اور قوم کی کتابیں خطائے اجتہادی سے بھری پڑی ہیں...... اور حضرت مولانا جامی نے جو خطائے منکر کہا ہے انہوں نے بھی زیادتی کی ہے۔ خطا پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے...... اے برادر! اس فتنہ کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور ان کے قاتلوں سے ان کا قصاص طلب کرنا ہے ...... اے برادر! اس امر میں بہتر طریق یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لڑائی جھگڑوں سے خاموش رہیں...... ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیے اور ان کے ذکر خیر کے سوا اور کچھ نہ بیان کرنا چاہیے۔''①

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جن کے بارے میں اہل تشیع بھی نرم گوشہ رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

''یہ وہ معاملہ ہے جن سے اللہ نے تمہارے ہاتھوں کو دور رکھا پھر تم اپنی زبانوں کو اس میں

---

① مکتوبات امام ربانی ص 577، 582 ج 2

کیوں ملوث کرتے ہو؟''

امام قرطبی رحمہ اللہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا صحابہ رضی اللہ عنہم اس وقت موجود تھے اور ہم غیر حاضر۔ وہ اس بات کو ہم سے بہتر جانتے تھے ہم نہیں جانتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جن امور میں متفق تھے ان میں ہم ان کی پیروی کرتے ہیں اور جن میں ان کا اختلاف تھا ان میں ہم توقف کرتے ہیں......''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''**تلک دماء طھر اللہ عنھا ایدینا فلنطھر عنھا السنتنا۔** ''

''یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا۔ پس ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے بچائے رکھیں۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''**لا یجوز ان ینسب الی احد من الصحابۃ خطاء۔** ''

''صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی طرف متعین طور پر خطا کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ انہوں نے ان امور میں اجتہاد سے کام لیا تھا۔ **وھم کلھم لنا ائمۃ** اور وہ سب ہمارے مقتداء ہیں اور ہمیں ان کے باہمی تنازعات کے متعلق رکنے کا حکم ہے **لا نذکرھم الا باحسن الذکر** اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کا ذکر خیر کے ساتھ کریں۔''①

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''مشاجرات صحابہ کے بارے میں کف لسان کرنے اور ان کے عیوب بیان کرنے سے رکنے پر اور ان کے فضائل و محاسن کے اظہار پر اہل سنت کا اتفاق ہے اور ان کا معاملہ جس طریقے پر واقع ہوا اللہ کے سپرد ہے۔''②

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ و حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا معاملہ حضرت ہارون و حضرت موسیٰ علیہما السلام جیسا

---

① الجامع لاحکام القرآن ص 321، 322 ج 16

② غنیۃ الطالبین

تھا......

ہم کو تو اب یہی لازم ہے کہ ان کی عیب چینی نہ کریں اور یوں سمجھیں کہ حضرت امیر علیہ السلام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اگر باہم کچھ مناقشہ ہوا بھی تو وہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت یوسف علیہم السلام اور ان کے بھائیوں اور حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام میں یہ جھگڑے اور قضیے ہوئے۔ یہ سب قصے کلام اللہ میں موجود ہیں انکار کی گنجائش نہیں ......مناقشات صحابہ نہ تو کلام اللہ میں مذکور ہیں نہ حدیث میں ان کا ذکر ہے۔ تاریخ میں ان افسانوں کا بیان ہے سو تاریخوں کا ایسا کیا اعتبار اور وہ بھی شیعوں کی تاریخ کا اعتبار؟'' ①

علامہ سید محمود احمد رضوی لکھتے ہیں کہ:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں جو لڑائیاں ہوئیں ایک مسلمان پر ان پر تنقید کرنا بہت ہی غیر مناسب ہے۔ ان کے جھگڑوں میں ہمیں حکم اور منصف بننے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یوں بھی ان کی شان میں جو مناقب وفضائل بیان ہوئے ہیں اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملے میں زبان کو بدگوئی وطعن سے بہر حال روکا جائے یہی اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے۔'' ②

یہ ملحوظ رہے کہ ''مشاجراتِ صحابہ'' کے بارے میں اہل السنت والجماعت کا اصل مذہب سکوت وتوقف ہے۔ اسی میں سلامتی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہر طرح کی بدظنی سے حفاظت ہے۔ اس کے بالمقابل صحابہ رضی اللہ عنہم کا تخطیہ وتصویب اہل سنت کا اصل مذہب نہیں بلکہ ایک رخصت اور ''مَخْلَص'' ہے۔ یعنی اصل تو یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجراتی اجتہادی صواب وخطا کو بھی زبان پر نہ لایا جائے لیکن اگر کسی وقت کسی ضرورتِ شرعیہ وشدیدہ کی وجہ سے اس موضوع پر کلام کرنا ہی پڑ جائے تو اجتہادی صواب وخطا سے زائد کوئی لفظ ہرگز نہ کہا جائے۔ مشاجراتی اجتہادی خطا کو خطائے منکر یا عنادی کہنا صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدظنی اور شیعیت کی حد میں داخل ہونا ہے جو انتہائی خطرناک ہے۔ شفیق مکرم، محقق

① اجوبہ اربعین ص 187-188
② شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم ص 40

اہل سنت مولانا ابو ریحان عبد الغفور سیالکوٹی، شیخ الحدیث دار العلوم فاروقیہ راولپنڈی نے اپنی مایہ ناز کتاب ''سبائی فتنہ'' جلد اوّل (ضخامت 701 صفحات) طبع دوم میں اس مسئلہ پر انتہائی جامع اور مکمل بحث کی ہے۔ تفصیل کے متلاشی قارئین اس کتاب کی طرف رجوع فرمائیں۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات وتنازعات کسی عناد اور عداوت کی بنا پر نہ تھے اور نہ یہ معرکے حق و باطل اور کفر واسلام کے تھے۔ بلکہ یہ اجتہادی اختلافات تھے۔

36

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو قتل کرایا

معترضینِ صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقبوضات پر تسلط حاصل کرنے کی غرض سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد کو قتل کرا کر اِن کی لاش کو گدھے کی کھال میں لپیٹ کر آگ میں جلا دیا۔ ①

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ایسا ہی وحشیانہ سلوک مصر میں محمد بن ابوبکر کے ساتھ کیا گیا۔ جو وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گورنر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جب مصر پر قبضہ ہوا تو انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا اور پھر ان کی لاش ایک مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلائی گئی۔'' ②

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک میں بصرہ، مصر اور کوفہ کے مفسدین نے حصہ لیا تھا۔ مصر میں اس تحریک کے روحِ رواں عبداللہ بن سبا، محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ تھے۔ ابن سبا اور محمد بن ابی بکر دیگر مفسدین کے ہمراہ حج بیت اللہ کے بہانے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ جبکہ محمد بن ابی حذیفہ پروگرام کے مطابق مصر میں ٹھہر گئے۔ اس وقت مصر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ گورنر تھے۔ جنہوں نے دربارِ خلافت کو ان کی سرگرمیوں سے آگاہ کر دیا۔ اس کے بعد والی مصر خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے روانہ ہو گئے۔ مگر ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی اطلاع ملی۔ چنانچہ وہ راستہ ہی میں رک گئے اور مدینہ طیبہ نہ آئے۔

اسی دوران میں مصر میں قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ سے پہلے ہی محمد بن ابی حذیفہ نے مصر پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر پر ایک جلیل القدر صحابی حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو والی مقرر کر دیا۔

① سیاست معاویہ ص 46
② خلافت وملوکیت ص 178

دیگر صوبوں کی طرح مصر میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامی کثیر تعداد میں موجود تھے۔ اور انہوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کو قصاص کے ساتھ مشروط کر دیا تھا کہ جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ نہیں لیا جاتا وہ بیعت نہیں کریں گے۔ مگر گورنر مصر نے اپنی بصیرت، دور اندیشی اور حکمت عملی سے حالات کو قابو میں رکھا اور موقع کی نزاکت کے تحت اہل خربتا سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اس لیے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

نیز انہوں نے اہل خربتا کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر وہ حکومت کے خلاف کسی کارروائی میں حصہ نہ لیں تو حکومت ان کی عدم بیعت پر اعتراض نہیں کرے گی۔ اس معاہدہ کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار غیر جانبدار یا حامیانِ عثمان رضی اللہ عنہ کی بالواسطہ طور پر حمایت حاصل ہوگئی اس سے والی مصر کی حکمت وبصیرت بھی واضح ہوتی ہے۔ لیکن بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک فرمان جاری کیا کہ اہل خربتا کو بیعت پر مجبور کیا جائے اور بصورت دیگر اِن سے جنگ کی جائے۔

والی مصر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی پالیسی، حکمت عملی اور اپنے دلائل و موقف سے آگاہ کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کے مشورے پر حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو گورنری سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو گورنر مقرر کر دیا۔ نئے گورنر نے چارج سنبھالتے ہی مشہور فتنہ پرداز اور قاتل عثمان رضی اللہ عنہ کنانہ بن بشر کے مشورہ پر اہل خربتا کو نوٹس بھیج دیا کہ یا اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور یا پھر ملک چھوڑ دو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں۔ بالفعل ہم کو چند دنوں کی مہلت دیں، ہم انجام کار پر غور کر لیں محمد بن ابی بکر نے ان کو مہلت نہ دی۔ ①

اس دوران میں حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے بھی محمد بن ابی بکر کو خط لکھا۔ محمد بن ابی بکر نے دونوں خط لپیٹ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیے اور آپ کو بتایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فوج کے ساتھ مصر کی طرف آرہے ہیں اور اگر آپ کو مصر کے علاقے کی ضرورت ہے تو میری طرف اموال و رجال کو بھیج دیجیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں چیزیں (یعنی اموال و رجال) بھیجنے کا وعدہ کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں چھ ہزار افراد پر مشتمل ایک دستہ اہل خربتا کی مدد کے لیے

---

① تاریخ ابن خلدون اردو ص 511-512 ج 1 ملخصاً مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔ اشاعت ہشتم مارچ 1981ء

بھیجا، اور انہیں اللہ سے ڈرنے، نرمی اور حوصلہ مندی کی ہدایت فرمائی۔ مقاتلہ کرنے والے کے خلاف قتال کرنے اور پیٹھ پھیرنے والے کو معاف کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کو صلح اور جماعت کے ساتھ رہنے کی دعوت دیں......

حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے خطوط کا جواب محمد بن ابی بکر نے دونوں کو الگ الگ دیا جس میں سخت کلامی سے کام لیا:

''وکتب محمد بن ابی بکر کتابا الٰی معاویة فی جواب ماقال وفیه غلظة ، وکذلک کتب الٰی عمرو بن العاص وفیه کلام غلیظ ''

جوابی خطوط سے محمد بن ابی بکر کے غصے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ابن ابی بکر نے لوگوں میں تقریر کی اور انہیں جہاد کی ترغیب دی: **''وقام محمدبن ابی بکر فی الناس فخطبهم وحثهم علی الجهاد... ''**①

پھر محمد بن ابی بکر فوج لے کر میدان میں آ گئے اور اس کے مقدمۃ الجیش کی کمان قاتل عثمان کنانہ بن بشر کے ہاتھ میں تھی۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کنانہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا جنگ شروع ہو گئی۔ کنانہ گھبرا کر پیادہ پا ہو کر لڑنے لگا اور لڑتے لڑتے کام آ گیا...... محمد بن ابی بکر جبلہ بن مسروق کے مکان پر جا کر چھپے۔ حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے مع اپنے ہمراہیوں کے پہنچ کر محاصرہ کیا محمد بن ابی بکر جوش مردانگی میں مکان سے نکل کر میدان میں آئے اور راہِ آخرت اختیار کی۔''②

طبری کی ایک روایت سے بھی اس واقعہ کی تائید ہوتی ہے اور طبری کی وہ روایت جسے مودودی صاحب نے نقل کیا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی لاش کو ایک مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دیا گیا اس کے راوی جناب ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہیں۔ ان کا تعارف پیچھے گزر چکا ہے تو ایسے کذاب اور رافضی کی روایت کا کیا اعتبار؟

علامہ خیر الدین زرکلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

① البدایہ والنہایہ ص 313-315 ج 7 تحت 38ھ
② تاریخ ابن خلدون اردو ص 544 ج 1

''لم یحرق و دفنت جثته مع راسه فی مسجد یعرف بمسجد ''زمام'' خارج مدینة الفسطاط قال ابن سعید و قد زرت قبره فی الفسطاط۔''①

''محمد بن ابی بکر کو جلایا نہیں گیا بلکہ ان کے جسم کو ان کے سر کے ساتھ ایک مسجد میں دفن کیا گیا۔ جس کو مسجد زمام کہتے ہیں اور جو فسطاط شہر سے باہر ہے، ابن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ان کی قبر فسطاط میں دیکھی۔''

یہ جنگ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی شدید خواہش کے مطابق ان کے خلاف لڑی گئی۔ جس میں محمد بن ابی بکر، کنانہ بن بشر، اوران کے دیگر ہمراہی جو محاصرہ عثمان رضی اللہ عنہ اور قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں براہِ راست شریک تھے اپنے انجام کو پہنچے۔

محمد بن ابی بکر کی والدہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ غزوۂ موتہ میں ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں اور 10 ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ان کے بطن سے محمد تولد ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً تین سال تھی۔ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ پھر بیوہ ہوگئیں۔ عدت کے بعد ان کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا اور یہ محمد بن ابی بکر اپنی والدہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر منتقل ہو گئے۔ جوان ہو کر یہ سبائی ٹولہ کے آلہ کار بن گئے اور قتل عثمان میں انہوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جن لوگوں نے براہ راست حملہ کیا تھا ان میں یہ بھی شامل تھے۔ بلکہ آں محترم کو داڑھی سے پکڑا۔ ان کے زخمی ہونے کے بعد گستاخانہ کلام کیا۔

''علی ایّ دین انت یا نعثل؟ غیّرت کتاب اللہ ... فتقدم الیه واخذ بلحیته... و شطحه بیده من البیت الی بیت الدار۔''②

''اے نعثل (عثمان)! تم کس دین پر ہو؟ تم نے کتاب اللہ کو تبدیل کر دیا ہے۔ آگے بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی پھر اس نے کمرے سے نکال کر حویلی کے دروازے تک گھسیٹا۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

① الاعلام ص 79 ج 7
② البدایہ والنہایہ ص 185 ج 7

''محمد بن ابی بکر تیرہ آدمیوں میں شامل ہو کر گھر میں داخل ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر ان کی داڑھی پکڑی اور جھٹکے مارے یہاں تک کہ میں نے ان کے داڑھوں کے ٹکرانے کی آواز سنی اور بولا کہ معاویہ تجھے نہ بچا سکا، ابن عامر تجھے نہ بچا سکا، تیرے خطوط تجھے نہ بچا سکے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اے میرے بھتیجے میری داڑھی چھوڑ۔
کہا (دوثاب نے) پھر میں نے اس کو دیکھا کہ اس نے حملہ کرنے کے لیے قوم میں سے خود ایک شخص کو بلایا۔ وہ اس کے پاس تیر (یا برچھی) لیے ہوئے جا پہنچا اور اس کو ان کے سر میں گھونپ دیا اور اس کو ٹھہرا دیا پھر (محمد بن ابی بکر) چلا گیا۔ پھر دوسرے لوگوں نے اندر پہنچ کر عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔''①

حافظ ابن عبد البر اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وکان ممن حضر قتل عثمان وقیل انه شارک فی دمه... وقیل انه اشار علی من کان معه فقتلوه۔''②

''محمد بن ابی بکر ان لوگوں میں سے ہیں جو قتل عثمان کے وقت موجود تھے اور کہا گیا ہے کہ یہ ان کی خون ریزی میں بھی شامل تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اشارے پر لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔''

طبری کی جس روایت سے مودودی صاحب نے اعتراض کیا ہے اسی روایت میں محمد بن ابی بکر کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ جب ان سے کہا گیا کہ میں آپ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں قتل کرنا چاہتا ہوں تو محمد بن ابی بکر نے کہا:

''وما انت وعثمان؟ ان عثمان عمل بالجور ونبذ حکم القرآن وقد قال اللہ تعالٰی وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ فنقمنا ذالک علیه فقتلنا... فغضب معاویة (ابن خدیج) فقدمه فقتله ثم القاه فی جیفة حمار ثم احرقه بالنار۔''③

① ازالۃ الخفاص 361-362ج4 مترجمہ مولانا اشتیاق احمد دیوبندی
② الاستیعاب مع الاصابہ ص 349 ج3
③ طبری ص 59 ج6 تحت 38ھ

''کہاں تم اور کہاں عثمان؟ بے شک عثمان نے ظلم کا راستہ اپنایا اور احکام کو پھینک دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ فیصلہ نہیں کرتا وہ فاسق ہے۔ ہم نے تو عثمان سے اسی لیے انتقام لیا ہے اور اسے قتل کر دیا ہے...... ادھر تو اور تیرے ساتھی عثمان کے اس طریقہ کو اچھا سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس گناہ سے بری کر دے گا اور تو اس کے گناہ میں شریک ہے اور اس کے گناہ کو بڑا کرنے والا ہے اور اپنے آپ کو اسی طریقے پر ڈالنے والا ہے...... یہ سن کر حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ غضبناک ہوئے اور آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔ پھر ایک مردہ گدھے کی کھال میں ڈال کر جلا دیا۔'' (اس روایت پر اوپر تبصرہ ہو چکا ہے)

مودودی صاحب نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وحشیانہ کاروائیاں ثابت کرنے کے لیے اس واقعے کا سہارا لیا ہے۔ لیکن اپنے مطلب کی آخری بات نقل کر دی اور بقیہ کہانی پر پردہ ڈال دیا...... جس کی رو سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی یہ شخص اپنے مخالفین کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ظالم، جائر، فاسق اور حکم قرآن کو پس پشت ڈالنے والا کہہ رہا ہے اور ندامت کے بجائے فخراً ان کے قتل کا اقرار کر رہا ہے اور پھر اس توقع پر کہ ہم نے یہ کام ثواب سمجھ کر کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کر دیں گے۔

محمد بن ابی بکر کے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے جرم میں شریک ہونے کی وجہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس کا نام لینے کے بجائے ''یا فاسق'' کہتے تھے۔

''و کان الحسن لا یسمیه باسمه انما کان یسمیه الفاسق۔'' ①

خود محمد بن ابی بکر کے بیٹے حضرت قاسم رحمہ اللہ قتل عثمان میں شرکت کی وجہ سے اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کیا کرتے تھے۔

''و کان القاسم بن محمد یقول فی سجوده اللهم اغفر لابی ذنبه فی عثمان۔'' ②

''حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ سجدے کی حالت میں کہا کرتے تھے اے اللہ! میرے باپ کا وہ گناہ معاف کر دے جو عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔''

① طبقات ابن سعد ص 83 ج 3
② ابن خلکان ص 59 ج 4

امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بات اچھی نہ ہوئی اندیشہ ہے کہ بنی ہاشم ہمارے مقابلہ پر آ جائیں لہٰذا اب جلدی کرو، میرے ساتھ چلے آؤ۔ پشت کی دیوار سے پھاند کر چلیں اور عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ دو شخص ان کے ہمراہ پشت کی دیوار سے مکان کے اندر پھاند ے۔ سب سے پہلے محمد بن ابی بکر حضرت عثمان کے پاس گئے اور آپ کی ریش مبارک پکڑ لی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے محمد بن (ابی) بکر اگر تمہارے والد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تم کو میرے ساتھ یہ برتاؤ کرتے ہوئے دیکھتے تو خدا کی قسم ان کو بڑا رنج ہوتا۔ یہ سن کر محمد بن ابی بکر کے ہاتھوں میں لرزہ پڑ گیا اور وہ پیچھے ہٹ گئے مگر وہ دونوں شخص جوان کے ساتھ تھے انہوں نے امیر المؤمنین کو ذبح کر دیا۔ ان کی بی بی صاحبہ حضرت نائلہ نے بہت شور کیا مگر ان کی آواز باہر تک نہ سنی گئی۔ آخر کوٹھے پر چڑھ کر انہوں نے آواز دی کہ اے لوگو! امیر المؤمنین شہید ہو گئے۔''①

مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے قیس بن سعد کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو والی بنا کر مصر روانہ فرما دیا۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ناتجربہ کار نوخیز جوان تھے۔ اہل مصر نے ان کی ولایت کو خفت کی نگاہ سے دیکھا اور یہ بعض امور میں جلد باز ثابت ہوئے اور صحیح طور پر اہل مصر پر اقتدار قائم کرنے میں ناکام رہے۔ خصوصاً خربتا کے علاقہ میں جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے اور ان کی مظلومانہ شہادت سے خاصے متاثر تھے ان لوگوں نے بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ ان حالات کی اطلاع جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچی تو انہوں نے الاشتر النخعی کو محمد بن ابی بکر کی معاونت کے لیے روانہ فرمایا۔ اشتر النخعی ابھی مصر میں نہیں پہنچے تھے کہ راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اشتر النخعی کی انتقال کی خبر موصول ہوئی تو آپ مغموم اور متأسف ہوئے......

یاد رہے کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور الاشتر النخعی دونوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ آوری اور

① خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ص 192-193۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

ان کے خلاف شورش میں بیشتر حصہ لیا تھا۔''①

صدر تنظیم اہل سنت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ زیر عنوان ''قاتلین امام کا عبرت ناک انجام'' لکھتے ہیں کہ:

''امام ابن جریر بواسطہ سری، مبشر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبد اللہ سے محمد بن ابی بکر کے متعلق سوال کیا کہ انہیں کس بات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کرنے پر آمادہ کیا؟ انہوں نے کہا: ''**الغضب والطمع**'' غصہ اور لالچ نے۔ میں نے کہا: کیسا غصہ اور لالچ ؟ کہا: اسلام میں اس کا جو مقام تھا، سو تھا۔ ''**غرّہ اقوام فطمع**'' اسے (سبائی) پارٹی نے فریب میں مبتلا کر دیا اور وہ امارت یعنی گورنری کے منصب کا لالچ کرنے لگا مگر عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ لالچ پورا نہ کیا تو وہ آپ کا مخالف ہو گیا۔

''**فصار مذمّماً بعد ان کان محمداً**'' پس وہ مذمم (مذمت کیا گیا) ہو گیا حالانکہ اس سے پہلے وہ محمد تھا۔ بہرحال ابن سبا کے جال میں پھنس کر محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بھی امام مظلوم کی مخالفت میں حصہ لیا سب سے پہلے اسی نے حضرت امام رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی اور آپ کی ریش مبارک پکڑ لی...... مگر قدرت نے اسے معاف نہ کیا اور اپنے انتقام کا ہدف بنایا۔②

یہ ملحوظ رہے کہ امام اہل سنت مولانا نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ کا یہ مضمون ان کی مایہ ناز کتاب ''شہادتِ امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ'' سے ماخوذ ہے جو قبل ازیں ''ہفت روزہ دعوت'' لاہور ''عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' نمبر (1963ء) میں شائع ہوا۔ بعد میں علامہ خالد محمود صاحب نے اس ''نمبر'' کو دوسرے ''نمبرات'' (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نمبر 1962ء، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نمبر 1962ء، حضرت علی رضی اللہ عنہ نمبر 1964ء کے ساتھ یکجا کتابی صورت میں ''خلفائے راشدین'' جلد اول کے نام سے 1988ء میں شائع کیا۔

مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ اور علامہ خالد محمود صاحب محمد بن ابی بکر کو ''قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ'' میں سے شمار کرتے تھے، اسی لیے انہوں نے ان کا ذکر ''قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا عبرت ناک

① سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ص 387۔388

② بحوالہ خلفائے راشدین ج 1 ص 579۔580 مؤلفہ علامہ ڈاکٹر خالد محمود اشاعت اول 1988ء مطبوعہ دار المعارف۔ الفضل مارکیٹ۔لاہور

انجام'' کے عنوان کے تحت کیا۔

جناب مودودی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر کا قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں اہم کردار تھا:

''لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔حتی کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیے۔ درآں حالے کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے...... مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔''①

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے کلی طور پر ہرگز بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا جو بالآخر اپنے انجام کو پہنچے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان کے قتل میں حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ شریک تھے نہ کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔ مگر مودودی صاحب کے ''انصاف'' کو داد دینی پڑتی ہے کہ اس واقعہ کو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وحشیانہ کارروائیوں میں شامل کردیا۔فوا أسفا علٰی هذا۔

---

① خلافت وملوکیت ص146، 348

37

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اشتر نخعی کو دھوکے کے ساتھ قتل کرایا

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے اشتر نخعی کو ان (محمد بن ابی بکر) کی مدد کے لیے بھیجا لیکن معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے انہیں راستے میں ہی شہید کروا دیا۔''①

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''مالک اشتر کو حضرت علی نے مصر پر اپنا گورنر بنا کر بھیجا...... معاویہ پر یہ بات گراں گزری۔ حضرت مالک اشتر کو معاویہ نے قتل کیا ہے اور حضرت مالک اشتر مومن کامل تھے۔ اور قرآن پاک کا فیصلہ ہے کہ جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے پس معاویہ کے ظالم ہونے میں شک نہ رہا۔''②

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''لوگ چاروں طرف سے محمد بن ابی بکر پر ٹوٹ پڑے۔ امیر المومنین کو یہ خبر معلوم ہوئی...... آپ نے اشتر کو لکھ بھیجا کہ جزیرہ میں کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے مصر فوراً چلے جاؤ۔ تمہارے سوا کوئی شخص مصر کی اصلاح کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس خبر سے مصر کے قبضے کی ناامیدی ہوگئی۔ کیونکہ اشتر کی چالوں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو واقفیت تھی۔ اتفاق پیش آیا کہ اشتر کوچ اور قیام کرتا جونہی قلزم کے افسر مال کے پاس پہنچا اشتر کا انتقال ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش سے حاکم خراج قلزم نے اشتر کو زہر دیا تھا۔ طمع یہ دلائی گئی تھی کہ خراج معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ دور از قیاس اور خلاف واقع روایت ہے۔

① سیاست معاویہ ص 46
② خصائل معاویہ ص 195، 196

محمد بن ابی بکر کو بھی اشتر کا حاکم مصر ہو کر آنا شاق تھا اور اس وجہ سے ذرا کشیدہ ہو گئے تھے۔
جب اشتر کے انتقال کی خبر امیر المومنین کو پہنچی تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ کر اس کے حق میں دعائے مغفرت کی اور محمد بن ابی بکر کو معذرت کا خط لکھا کہ میں نے اشتر کو حاکم مصر اس وجہ سے نہیں مقرر کیا تھا کہ تمہاری طرف سے مجھے کچھ بدظنی تھی بلکہ اس کی سیاست دانی اور کار آزمودہ ہونے کی وجہ سے میں نے مصر کی گورنری دی تھی لیکن اتفاق سے اس نے سفر آخرت اختیار کر لیا۔ ہم اس سے بے حد خوش تھے اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو اور ثواب دو چند عطا کرے۔'' ①

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور اشتر نخعی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے والے ''ظالموں، مفسدوں، سرکشوں اور باغیوں'' کے قائد تھے اور قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں براہ راست شریک تھے۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اب رہا اشتر نخعی کا قصہ تو وہ اسی طرح صحیح ہے جس طرح ان لوگوں نے بیان کیا ہے مگر وہ نہ صحابی تھا، نہ صحابی زادہ۔ وہ تو کوفہ کا ایک فتنہ پرور اوباش تھا۔ اس نے حاکم وقت کا لحاظ نہیں کیا، خلیفہ کے عامل کی اہانت کی اور دوسروں کو بھی ورغلایا۔ اگر ایسے شورہ پشتوں سے حاکم وحکومت چشم پوشی کریں تو ایک فساد برپا ہو سکتا ہے۔ اشتر نخعی تو وہی ہے جس نے فتنہ کی بنیاد ڈالی اور بالآخر اس کی بھڑکائی ہوئی شورش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جام شہادت پلایا مگر یہ اس کے بعد بھی فتنہ انگیزی سے باز نہ آیا۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو اسی نے قتل کی دھمکیاں دے کر مدینہ چھوڑنے اور ام المؤمنین کے دامنِ عافیت میں پناہ لینے پر مجبور کیا اور بالآخر جناب امیر رضی اللہ عنہ سے جنگ تک نوبت آئی۔ اشتر نخعی کی فتنہ سامانیاں اور یہ حرکتیں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بدنظمی کا موجب بنیں۔ یہ ہمیشہ جناب امیر رضی اللہ عنہ پر حکم چلاتا تھا۔ اس نے کبھی آپ کی ایسی اطاعت نہیں کی جیسی کسی خلیفہ وامام وقت کی، کی جانی چاہیے تھی۔ یہ باتیں نہ کوئی سربستہ راز ہیں نہ من گھڑت، تاریخ کے اوراق میں محفوظ اور زباں زدخلائق ہیں۔'' ②

---

① تاریخ ابن خلدون اردو ص 543 ج 1 نفیس اکیڈمی کراچی
② تحفہ اثنا عشریہ۔ اردو ص 619۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی

اسی لیے علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے یہ لکھا کہ اشتر نخعی کو زہر دینے کی روایت:

''دور از قیاس اور خلاف واقع ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ بھی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''فی هذا نظر۔''①

یہ واقعہ قابل تامل ہے اور اس کی صحت میں شک وشبہ ہے۔

طبقات ابن سعد میں سازش کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

''وولاه علی رضی اللہ عنہ مصر فخرج الیهما فلما كان بالعريش شرب شربة عسل فمات۔''②

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو مصر کا والی بنا کر بھیجا جب وہ العریش کے مقام پر پہنچا تو اس نے شہد کا شربت پیا اور فوت ہو گیا۔''

قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وفيها (38ھ) ولی علیٌ الاشتر المصر فمات بالقلزم من قبل ان يصل اليها۔''③

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو مصر کا والی بنایا مگر وہ قلزم کے مقام پر مصر پہنچنے سے قبل ہی فوت ہو گیا۔''

تاریخی روایات سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اشتر کی موت مسموم شہد پینے سے واقع ہوئی۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو مصر بھیجا تھا؟ اور کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے سازش کے تحت قتل کرایا؟

اوپر یہ بتایا جا چکا ہے کہ اگر اشتر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قابو میں آ جاتا تو اس کے سابقہ کردار کے پیش نظر آں محترم یہ سلوک ہرگز نہ کرتے کہ اسے مسموم شہد پیش کرتے بلکہ اسے عبرت ناک سزا دیتے تاکہ آئندہ کسی کو خلیفہ راشد کے قتل کی ہمت نہ ہو۔ لہٰذا آں محترم پر اس سازش کا الزام ہی بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقع ہے۔ جیسا کہ ابن سعد، ابن خیاط، ابن کثیر اور ابن خلدون رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

① البدایہ والنہایہ ص 312 ج 7 تحت 38ھ
② طبقات ابن سعد ص 148 ج 6
③ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص 174 ج 1

اگر بالفرض اشتر مصر پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا اور محمد بن ابی بکر سے چارج بھی لے لیتا تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا نقصان ہوتا؟ جب اشتر صفین میں سپہ سالار ہو کر ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تو مصر کی امارت ملنے پر وہ کیا کر لیتا؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس کا گورنر ہونا کیوں شاق گزرتا؟ آخر باقی علاقوں میں بھی تو ایسی انتظامی اور سیاسی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔

ابن خلدون رحمہ اللہ کے بیان سے اس معمے کے حل میں کچھ مدد ملتی ہے وہ یہ کہ:

''محمد بن ابی بکر کو بھی اشتر کا حاکم مصر ہو کر آنا شاق تھا اور اس وجہ سے ذرا کشیدہ ہو گئے تھے۔''

ظاہر ہے جو اس کی آمد سے متاثر ہو سکتا تھا اور جس پر اس کا آنا شاق گزرا وہی یہ کام کر سکتا ہے۔ جس طریقے سے اسے منظر سے غائب کیا گیا وہ کسی ''دوست'' کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ درست ہے کہ اشتر کی موت کسی سازش کے تحت ہوئی ہے تو اس میں محمد بن ابی بکر ہی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز اس طریقے سے اسے انجام تک نہ پہنچاتے۔

اب یہ بات حل طلب ہے کہ کیا اشتر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر بھیجا تھا؟ اور اگر انہوں نے ہی بھیجا تھا تو کس حیثیت میں؟ بحیثیت گورنر یا بحیثیت معاون؟ تو سوال یہ ہے کہ اگر اسے بحیثیت گورنر ہی بھیجا گیا تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیا فائدہ حاصل کرنا مقصود تھا؟ حامیانِ عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل خربتا کے خلاف تو کاروائی جاری ہی تھی محض اشتر کی وجہ سے اس میں کیا شدت آ سکتی تھی؟ جن مورخین نے اشتر کی گورنری کا فرمان نقل کیا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی عبارت اور مضمون خود اس کے جعلی اور وضعی ہونے کا اعلان کر رہا ہے کیونکہ اس میں فضول اور لایعنی باتوں کے علاوہ بے مقصد طوالت بھی ہے۔

خضری جیسے مورخ نے بھی اس فرمان کے متعلق یہ لکھ دیا ہے کہ:

''**والظاهر ان هذا العهد قد كتب بعد ذلك بازمان۔**''[1]

''یہ بات صاف ظاہر ہے کہ تقرری کا یہ فرمان بہت بعد کے دور کا لکھا ہوا ہے۔''

یہ بھی ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر میں کوئی فوج نہیں بھیجی۔

---

[1] محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص 77 ج2

اشتر نخعی از خود وہاں گیا لیکن پہنچ نہ سکا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے بھیجتے تو مصر کو بچانے کے لیے اسے اکیلا بھیجنے کے بجائے اس کے ساتھ کوئی مضبوط اور طاقتور لشکر روانہ کرتے جبکہ محمد بن ابی بکر نے دربارِ خلافت سے امداد کی باقاعدہ درخواست بھی کی تھی کہ یہاں کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ اور شہر کے سب لوگ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے ہیں تو ایسی صورت میں اشتر کو ایک فوج دے کر بھیجنا چاہیے تھا۔ لیکن تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اشتر نخعی کے قتل کا الزام بالکل لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

38

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عامل بسر بن ارطاۃ کے مظالم

دشمنانِ صحابہ نے بہت سی داستانیں وضع کر کے انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ جنہیں بعض ''سنی'' مورخین نے بھی مکھی پر مکھی مارتے ہوئے اپنی کتب میں نقل کر دیا ہے۔ ان ہی داستانوں میں ایک داستان حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے مظالم کے متعلق بھی شامل ہے جو بدقسمتی سے استیعاب، اسد الغابہ اور الاصابہ میں بھی جگہ پا گئی ہے۔ جس سے دشمنانِ اسلام نے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔

سید مہر حسین شاہ بخاری لکھتے ہیں کہ:

''واقعہ تحکیم کے بعد یوں تو معاویہ نے بیت المال کی لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت گری اور فساد فی الارض کو نقطہ عروج تک پہنچا دیا۔ جس کی بنا پر معاویہ کا شمار دنیا کے چند معروف دہشت گردوں، مفسدوں، اور تخریب کاروں میں ہونے لگا...... 40ھ میں معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی غرض سے خصوصی ہدایات کے ساتھ روانہ کیا...... بسر نے تقریباً تیس ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ تعداد ان لوگوں کے علاوہ ہے جنہیں جلا کر پھونک ڈالا تھا۔''①

شیعہ مجتہد غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو تخریب کاری اور فساد فی الارض کی خاطر یمن کی طرف بھیجا...... بسر لعین کے تمام مظالم پہلے معاویہ کی گردن میں ہیں کیونکہ قرآن میں بنی اسرائیل کے کم سن بچوں کے قتل کا فرعون کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اور فرعون بھی ان بچوں کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کرتا تھا۔ جس طرح فرعون کی فوج کے تمام مظالم کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ٹھہرایا ہے اسی طرح معاویہ بھی اپنی فوج کے مظالم کا ذمہ دار ہے۔''②

---

① سیاست معاویہ ص 47، 48

② خصائل معاویہ ص 225

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ:

''40ھ میں امیر معاویہ نے مشہور جفا کار بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ حجاز اور یمن روانہ کیا۔ وہ سیدھا مدینہ پہنچا ...... اس کے بعد بسر اہل مدینہ کے دلوں میں ہیبت بٹھانے کے لیے چند گھروں کو مسمار کرا کے مکہ پہنچا...... پھر یمن روانہ ہوا...... اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو صغیر السن بچوں کو قتل کیا۔ یہ مظالم ڈھانے کے بعد شام واپس ہوا۔''①

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

''اس سے بڑھ کر ظالمانہ افعال بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے کیے جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے حجاز و یمن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ سے نکالنے کے لیے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کے لیے مامور کیا تھا۔ اس شخص نے یمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گورنر عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ان بچوں کی ماں اس صدمے سے دیوانی ہوگئی۔ بنی کنانہ کی ایک عورت جو یہ ظلم دیکھ رہی تھی چیخ اٹھی کہ مردوں کو تو تم نے قتل کر دیا اب ان بچوں کو کس لیے قتل کر رہے ہو؟ بچے تو جاہلیت میں بھی نہیں مارے جاتے تھے۔ اے ابن ارطاۃ جو حکومت بچوں اور بوڑھوں کے قتل، بے رحمی اور برادر کشی کے بغیر قائم نہ ہو سکتی ہو اس سے بری کوئی حکومت نہیں......''②

ایک معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی ان واقعات کو پڑھ کر پکار اٹھے گا ''**سبحنک هذا بهتان عظیم**'' لیکن دشمنانِ اسلام کا تو مقصد ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدنام کرنا ہے۔ یہ واقعات عہد صحابہ رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتے ...... حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور کسی صحابی کے بارے میں کوئی دشمن اسلام ہی مظالم کے یہ فرضی واقعات مشہور کر سکتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''بسر بن ارطاۃ یا ابن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ...... ان کی کنیت ابو عبدالرحمن ہے۔ جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

---

① تاریخ اسلام ص 305 ج 1
② خلافت و ملوکیت ص 176

''کنا مع بسر بن ابی ارطاۃ فی البحر فاتی بسارق فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تقطع الایدی فی السفر۔''

''ہم دریا کے سفر میں بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے۔ ایک چور اِن کے سامنے لایا گیا تو بسر نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا سفر میں چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔''

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ''مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو صغیر۔'' ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ کم سن تھے۔'' دارقطنی کہتے ہیں کہ ''لہ صحبۃ۔'' ''ان کے لیے صحبت ثابت ہے۔''

ابن یونس کہتے ہیں کہ ''کان من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''۔ ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے''۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ''ولہ اخبار شھیرۃ فی الفتن لا ینبغی التشاغل فیھا''

''زمانہ فتن میں ان کے متعلق بہت سے قصے کہانیاں مشہور ہیں ان داستانوں کے ساتھ تشاغل نہیں رکھنا چاہیے۔''①

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''یہ من جملہ ان لوگوں کے ہیں جنہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے فتح مصر کے وقت بھیجا تھا۔''②

حقیقت یہ ہے کہ سبائیوں، بلوائیوں اور مفسدوں نے واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصالحت کو اپنے لیے پیغامِ موت سمجھا اور مملکت کے مختلف اطراف میں حامیانِ عثمان رضی اللہ عنہ اور طالبین قصاص کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ تاکہ ایک مزید جنگ جمل وصفین بپا ہوجائے۔ لیکن انہیں اپنے عزائم میں مکمل ناکامی ہوئی۔ اکا دکا اگر کوئی کاروائی ہوئی بھی تو وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہرگز نہیں تھی۔ صاحب استیعاب نے حضرت بسر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا:

''یا اھل المدینۃ! واللہ لو لا ما عھد الیّ معاویۃ ما ترکت فیھا محتلما الا قتلتہ۔''

''اے اہل مدینہ اللہ کی قسم! اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عہد نہ کیا ہوتا تو میں مدینہ میں ایک

① الاصابہ ص 148 ج 1 تحت بسر بن ارطاۃ
② اسد الغابہ تحت بسر بن ارطاۃ

بالغ بھی نہ چھوڑتا۔''

اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں سختی اور غارت گری سے منع کر کے بھیجا تھا اس بات کی تاریخ طبری کی ایک روایت سے بھی تائید ہوتی ہے:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مامور بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عامل ابو ایوب رضی اللہ عنہ مدینہ سے بھاگ گئے۔ بسر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اے اہل مدینہ! تمہارے لیے خوف کا کوئی مقام نہیں ہے۔ مجھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمہیں قتل کرنے یا تم پر کسی قسم کی سختی روا رکھنے سے منع کر رکھا ہے...... بسر رضی اللہ عنہ جب مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے تو ان کے خوف کی وجہ سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے وہاں سے نکل جانے کی کوشش کی۔ بسر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو انہیں پیغام بھیجا آپ کسی قسم کا خوف نہ کریں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سے کوئی بدسلوکی نہیں کر سکتا۔''①

حضرت بسر رضی اللہ عنہ پر حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صغیر السن بچوں کے قتل کا الزام بالکل ہی بے بنیاد ہے۔ جسے بڑھا چڑھا کر مودودی صاحب نے بیان کیا ہے کہ ''بچے تو جاہلیت میں بھی نہیں مارے جاتے تھے بنی کنانہ کی ایک عورت نے انہیں اس ظلم سے متنبہ کیا'' اس قصے کے وضعی اور من گھڑت ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ گورنر اور دیگر بہادر لوگ بسر رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ایک صنف نازک خاتون انتہائی جرأت کے ساتھ بسر رضی اللہ عنہ کو لعن طعن اور ملامت کر رہی ہے اور وہی ''ظالم'' شخص جس کے ہاتھ سے بے قصور بوڑھے اور بچے بھی محفوظ نہیں رہے لیکن یہ جری اور بہادر عورت مودودی صاحب کو ''اصل واقعہ'' بتانے کی غرض سے محفوظ رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''اگرچہ مورخین اور سیرت نگاروں کے ہاں یہ خبر بہت مشہور ہے لیکن

''**وفی صحته عندی نظر۔**''

''اس کی صحت میرے نزدیک نادرست، مشتبہ اور قابل تامل ہے۔'' یعنی ان روایات کے

---

① تاریخ طبری ج 3 حصہ دوم باب 23

صحیح ہونے میں مجھے کلام ہے۔

قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط نے اس واقعے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ حیرت ہے کہ اتنا مشہور، اہم اور سنگین واقعہ انہوں نے کیوں نظر انداز کر دیا۔①

صغیر السن بچوں کے قتل کی روایت جناب طبری نے بیان کی ہے جو متہم بالتشیع ہونے کی وجہ سے نا قابل اعتبار ہے۔ نیز وہ روایت بھی منقطع ہے کسی صحابی پر ایک صحیح السند روایت سے بھی الزام قائم نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ ایک منقطع اور وہ بھی مودودی یا طبری کی روایت سے؟

صاحب استیعاب نے اس روایت کو ابو مخنف کے حوالے سے بیان کیا ہے۔②

اس ذات شریف کا گزشتہ صفحات میں متعدد مرتبہ تعارف کرایا جا چکا ہے کہ مودودی صاحب کا یہ بزرگ اور مرشد جلا بھنا، کذاب اور آگ لگانے والا شیعہ ہے۔

اگر فی الواقع یہ ظلم ہوا تھا اور بچوں کی ماں ''دیوانی'' ہو گئی تھی تو ان بچوں کے باپ پر بھی اس کا کچھ اثر ہونا چاہیے تھا۔ اور باپ بھی ایک صاحب حیثیت، طاقتور گورنر اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چچازاد بھائی...... بسر رضی اللہ عنہ سے اس ظلم کا انتقام لینا یا اس کا مطالبہ کرنا تو رہا ایک طرف، اس ظلم عظیم پر محض زبانی بھی احتجاج نہیں کیا گیا۔ مورخین یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان واقعات کے بعد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان 40ھ میں باقاعدہ مصالحت ہوئی اور اس کی رو سے ملک عراق اور اس کے ملحقات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت قرار پائے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے مطابق:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس مصالحت کے گواہ تھے۔ ''وانه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) کان شاهدا للصلح۔''③

تعجب بالائے تعجب کہ انہوں نے اس موقع پر بھی اپنے دو کم سن بھتیجوں کے قتل پر احتجاج نہیں کیا...... پھر آگے چل کر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے تو اس موقع پر بھی یہ ظلم کی داستان سامنے نہیں آئی۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباس، عبیداللہ بن عباس اور دیگر ہاشمی

① تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص 182 ج 1 تحت 40ھ
② الاستیعاب مع الاصابہ ص 156 ج 1
③ البدایہ والنہایہ ص 322 ج 7

حضرات (رضی اللہ عنہم) کی موجودگی میں فریقین میں یہ معاہدہ طے پایا۔ اور اس کے بعد ان حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوستانہ و برادرانہ تعلقات قائم رکھے۔ ان کے ہاں آمدورفت جاری رکھی اور آں محترم سے تحائف، ہدایا اور عطایا بھی وصول کرتے رہے۔

ابن اثیر جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وانما کان الذی شھد صلح الحسن عبیداللہ بن عباس ''①

''عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صلح حسن کے وقت حاضر اور موجود تھے۔''

اس موقع پر بھی ایک باپ نے اپنے مظلوم و مقتول بچوں کے اہم ترین اور نازک ترین معاملے کو نہیں اٹھایا بلکہ اس ''قاتل اور ظالم'' فریق کے ساتھ بخوشی و رضا اتحاد کر لیا۔

شیعہ علماء نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صلح حسن سے پہلے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے تھے۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بلا قائد تنہا چھوڑ کر آ گئے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے چچا عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک پرچم دے کر بطور امیر جیش ایک مقام کی طرف روانہ کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف ایک لاکھ درہم ارسال کیے اس کے بعد عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وہی پرچم لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے اور ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور اس طرح ان کا لشکر بلا قائد اور سردار رہ گیا۔②

اگر ان کے بچے قتل ہوئے ہوتے تو وہ ایک لاکھ درہم لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اپنے مخالف سے مل سکتے تھے؟ کیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہہ سکتے تھے؟

''لیس احد منا اعلم من معاویۃ '''' ہم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔''③

اور امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق انہوں نے کہا:

''قد صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... اصاب انہ فقیہ۔'' ④

---

① الکامل، ابن اثیر جزری ص 194 ج 3

② رجال کشی ص 74 تحت عبداللہ بن عباس

③ بیہقی ص 26 ج 3 باب الوتر

④ صحیح بخاری باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ

''وہ صحابی اور فقیہ ہیں۔''

ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''ما رایت للملک اعلٰی من معاویۃ۔''①

اور بروایت ابن کثیر رحمہ اللہ:

''ما رایت اخلق للملک من معاویۃ۔''②

''کہ میں نے حکمرانی کے لائق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی آدمی نہیں دیکھا۔''

اور فرمایا کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہم پر بیس سال کے قریب حکمران رہے۔''

''فما أذانا علی ظھر منبر ولا بساط صیانتہ منہ لعرضہ واعراضنا ولقد کان یحسن صلتنا ویقضی حوائجنا۔''③

''انہوں نے نہ منبر پر اور نہ فرش پر کبھی کوئی اذیت دی۔ اپنی عزت اور ہماری عزت کی حفاظت کے طور پر آپ ہمارے تعلق کا پورا لحاظ کرتے اور ہماری ضرورتیں پوری کرتے۔''

علاوہ ازیں علمائے انساب نے دونوں خاندانوں کے درمیان ایک رشتہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی سیدہ لبابہ رحمہا اللہ کا نکاح پہلے جناب عباس بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ کربلا میں حضرت عباس رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد سیدہ لبابہ رحمہا اللہ کا نکاح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر زادے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے ساتھ ہوا۔④

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اس قدر ظلم ہوا ہوتا تو اس قسم کے تعلقات قائم ہو سکتے تھے؟ اور کیا سیدہ لبابہ رحمہا اللہ اپنے بھائیوں کے قاتل خاندان میں نکاح کر سکتی تھیں؟

اگر حضرت بسر رضی اللہ عنہ کے اقدامات کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام عائد کیا جا سکتا ہے تو کیا حضرت جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کی کاروائی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وہی اعتراض قائم نہیں ہو سکتا؟ اسی طرح

---

①تطہیر الجنان ص 24

②البدایہ والنہایہ ص 135 ج 8

③انساب الاشراف، بلاذری ص 68 ج 4

④ کتاب نسب قریش، مصعب زبیری ص 32 تحت اولاد عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

میں یہ روایت بھی تو موجود ہے کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لیے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو دو دو ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا۔ جاریہ نے نجران کی پوری بستی کو جلا کر بھسم کر ڈالا۔ اور بہت سے حامیان عثمان رضی اللہ عنہ کو الگ تہ تیغ کر دیا۔ پھر یہ صاحب مدینہ آئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو مسجد نبوی میں نماز پڑھانے میں مشغول تھے جاریہ کی آمد کی خبر پاتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ جاریہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا: ''واللہ لو اخذت ابا سنور لضربت عنقه'' کہ اللہ کی قسم! اگر بلی والا میرے قابو میں آ جاتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کس جرم کی پاداش میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپہ سالار نے اس سزا کا اعلان کیا؟

بصرہ میں جاریہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو جو چالیس سے زیادہ تھے زندہ جلا دیا تھا...... جاریہ نے عبداللہ بن عمرو حضرمی کا تعاقب کیا۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایک جگہ محصور کر لیا اور پھر انہیں آگ سے جلا دیا۔ ①

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جس گھر میں عبداللہ بن عمرو حضرمی اور اس کے ساتھی مقیم تھے اس کو جاریہ نے جلا ڈالا۔ جس سے بہت سے لوگ جل گئے...... اس شخص نے یمن پہنچ کر ہر اس شخص کو قتل کر کے آگ میں جلا دیا جو بیعت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف تھا۔ اس لیے جاریہ کا نام ہی ''محرق'' یعنی جلا ڈالنے والا ہو گیا۔'' ②

اگر حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے مظالم کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ موردِ الزام ٹھہرائے جا سکتے ہیں تو حضرت جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کے مظالم کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وہی الزام کیوں نہیں عائد ہو سکتا؟

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

① البدایہ والنہایہ ص 316 ج 7
② تاریخ اسلام، ذہبی ص 214 ج 2

''ہم ان زیادتیوں سے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو بری سمجھتے ہیں اور ان ناقابل اعتماد تاریخی روایات کی بناء پر ان حضرات میں سے کسی کو موردِ الزام قرار دینا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ ان روایات کی صحت کا کچھ پتہ نہیں۔''①

حقیقت یہ ہے کہ حضرت جاریہ بن قدامہ اور حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں۔ ظالم اور شقی نہیں بلکہ مجاہد اور غازی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی فتوحات میں حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کا بھی بہت حصہ ہے۔

افسوس کہ دورِ فتن کے ان فرضی مظالم کی تو خوب تشہیر کی جاتی ہے لیکن معلوم نہیں اس کے بعد دورِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے مجاہدانہ کارناموں سے کیوں آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں؟ جو رومیوں اور کافروں کے خلافِ عمل میں آئے تھے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ، امام ذہبی رحمہ اللہ اور دیگر مورخین رحمہم اللہ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ 43ھ میں حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے روم میں جہاد کیا اور دور تک چلے گئے۔ حتیٰ کہ قسطنطنیہ تک جا پہنچے پھر موسم سرما میں بھی حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے جہاد جاری رکھا اور ارض روم میں قیام کیا۔②

اگر بالفرض دورِ فتن میں ان سے کوئی ناپسندیدہ فعل بھی سرزد ہو گیا ہو تو کیا بعد میں خالص کفر کے خلاف یہ جہادی سرگرمیاں رائیگاں جائیں گی؟

دراصل ان فرضی مظالم پر مشتمل روایات ملحدوں، زندیقوں اور سبائیوں نے محض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدنام کرنے کی خاطر وضع کی ہیں۔ اگر ان وضعی داستانوں میں ذرا بھی حقیقت ہوتی تو پورے عالم اسلام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نفرت پھیل جاتی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کبھی ان کے حق میں دستبردار نہ ہوتے۔ اور نہ امت مسلمہ ہی ایسے شخص کو متفقہ طور پر خلیفہ مقرر کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کرتی۔

---

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص 50۔ طبع اپریل 1981ء
② البدایہ والنہایہ ص 24 ج 8۔ تاریخ اسلام، ذہبی ص 210 ج 2

39

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلم خواتین کو لونڈیاں بنایا گیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک الزام یہ بھی عائد کیا جاتا ہے کہ ان کے فرستادہ عامل بسر نے دیگر مظالم کے علاوہ مسلم خواتین کو گرفتار کر کے لونڈیاں بنایا۔ یہ شرعی احکام کی واضح خلاف ورزی ہے۔①

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس کے بعد اسی ظالم شخص کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمدان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ جو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضے میں تھا۔ وہاں اس نے دوسری زیادتیوں کے ساتھ ایک ظلم عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں انہیں لونڈیاں بنالیا۔ حالانکہ شریعت میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔''②

مودودی صاحب نے یہ روایت الاستیعاب کے حوالے سے نقل کی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (متوفی 463ھ) صاحب استیعاب نے ایک بلا سند اور دوسری باسند روایت بیان کی ہے:

(1) ''وفی هذه الخرجة التی ذکر ابو عمرو الشیبانی اغار بسر بن ارطاة علی همدان وسبی نساء هم فکن اول مسلمات سبین فی الاسلام وقتل احیاء من بنی سعد۔''

(2) ''انا احمد ابن عبد الله بن محمد بن علی قال نا ابی قال ثنا عبد الله بن یونس قال نا بقی بن محمد قال نا ابو بکر بن ابی شیبه قال نا زید بن الحباب قال حدثنی موسی بن عبیدة قال نا زید بن عبد الرحمن بن ابی سلامة عن ابی الرباب وصاحب له انهما

① خصائل معاویہ ص 246 مؤلفہ غلام حسین نجفی
② خلافت وملوکیت ص 176، 177

سمعا اباذر . . . فان نساء من المسلمات یسبین فیکشف عن سوقھن فایتھن کانت اعظم ساقا اشتریت علی عظم ساقھا فدعوت اللہ ان لا یدرکنی ھذا الزمان . . . ثم ارسل معاویۃ بسر بن ارطاۃ الی الیمن فسبی نساء مسلمات فاقمن فی السوق۔''①

مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب نے بجائے معذرت کے بڑی تحدی کے ساتھ اعلان کیا ہے کہ مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنانے کا واقعہ صحیح ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''میں سمجھتا ہوں کہ حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ابن اثیر جزری دونوں اتنے بلند پایہ محدث ومورخ ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا اس واقعہ کو نقل کر دینا اثبات مدعا کے لیے کافی ہے۔''

موصوف اپنے مدعا کو تقویت پہنچانے کے لیے ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ انہوں نے تہذیب التہذیب میں بسر کے حالات میں لکھا ہے:

''**فعل بمکۃ والمدینۃ والیمن افعالا قبیحۃ و لاہ معاویۃ الیمن و کانت بھا أثار غیر محمودۃ۔**''②

پھر اس عبارت سے غلط نتیجہ نکالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہی افعال قبیحہ اور آثار غیر محمودہ تھے جن کی تفصیل استیعاب اور اسد الغابہ میں بیان ہوئی ہے۔''

اگر ملک صاحب ضد، عناد، بغض اور تعصب کی عینک اتار کر خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی کے کلام میں ان الفاظ کا معنی ومفہوم تلاش کر لیتے تو وہ راہِ صواب کو پا سکتے تھے لیکن یہ ان کا مقصود ومطلوب ہی کب ہے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پر ایک مستقل اور ضخیم کتاب تحریر کی ہے ''**الاصابہ فی تمییز الصحابہ**'' اس کتاب کی جلد اوّل میں ''حضرت بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ'' کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ اس میں مسلم خواتین کا لونڈیاں بنایا جانا تو رہا ایک طرف، سرے سے حضرت عبیداللہ عباس رضی اللہ عنہما کے کم سن بچوں کے قتل کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ تہذیب التہذیب میں ان کے الفاظ

---

① الاستیعاب مع الاصابہ ص 157 ج 1، تحت بسر بن ارطاۃ
② خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 229

''افعالِ قبیحہ اور آثار غیر محمودہ'' کی تشریح و توضیح کا حق ملک صاحب کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ انہوں نے خود الاصابہ میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ:

''وله اخبار شهيرة في الفتن لا ينبغي التشاغل بها ''①

''بسر بن ارطاۃ کے متعلق دورِ فتن میں کئی تاریخی قصے (افعال قبیحہ اور آثار غیر محمودہ) مشہور ہیں لیکن ان کے ساتھ مشغول ہونا مناسب نہیں۔ یعنی ان خبروں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔''

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ صاحب استیعاب (متوفی 463ھ) کی پہلی روایت بے سند اور خود ان کا اپنا قول ہے لیکن ملک صاحب اسے بزور پوری امت سے یوں منوانا چاہتے ہیں کہ ''حافظ ابن عبد البر کا محض اس واقعہ کو نقل کر دینا اثبات مدعا کے لیے کافی ہے''۔

دراصل ملک صاحب سے قصداً یا سہواً یہاں مودودی صاحب کا نام رہ گیا ہے۔ ورنہ ان کے لیے ابن عبد البر اور ابن کثیر رحمہما اللہ سے بھی زیادہ بلند پایہ اور معتبر خود مودودی صاحب کی ذات گرامی ہے۔ جنہوں نے خلافت و ملوکیت میں اسے نقل کیا ہے کیونکہ اگر وہ روایت صحیح نہ ہوتی تو مودودی صاحب جیسے ''مجتہد، مجدد اور مفکر'' کبھی اسے نقل نہ کرتے۔

دوسری طویل روایت جس میں مختلف راوی ہیں۔ ان میں سے اکثر کے حالات سے کتب رجال خالی ہیں۔ یہاں صرف دو راویوں کے حالات پیش کیے جاتے ہیں:

(1) زید بن حباب: امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

امام احمد رحمہ اللہ نے اس کے متعلق کہا ہے: ''صدوق كثير الخطا'' سچا تو ہے لیکن غلطیاں بہت کرتا ہے۔② ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''قال ابن حبان و فيه نظر۔ ''③ ابن حبان نے کہا اس میں نظر ہے۔ یعنی اس کی روایت مشتبہ اور قابل تامل ہے۔ ''كان كثير الخطاء... واما روايته عن المجاهيل ففيها المناكير ''④ ''یہ بکثرت غلطیاں کرتا ہے اور اس کی جو روایات مجہول لوگوں سے ہیں تو ان میں مناکیر ہیں۔'' یعنی ان کا کیا اعتبار؟

---

① الاصابہ ص 148 ج 1 تحت بسر بن ارطاۃ
② میزان الاعتدال ص 362 ج 1
③ لسان المیزان ص 503 ج 2
④ تہذیب التہذیب ص 403 ج 3

لیکن زیر بحث روایت زید بن حباب، موسیٰ بن عبیدہ سے نقل کر رہا ہے۔ ایک تو زید بن حباب کا اپنا کردار اوپر بیان ہوا، اور دوسری بات یہ ہے کہ جس شخصیت سے وہ روایت کر رہا ہے وہ مجہول نہیں بلکہ مجروح ہے۔

(2) موسیٰ بن عبیدہ: موسیٰ بن عبید کے متعلق یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

''ہم اس کی حدیث سے بچتے ہیں''۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''لا تحل الروایة عندی'' میرے نزدیک اس کی روایت حلال نہیں۔ ابن معین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''لیس بشیء'' وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''لا احدث عنه'' میں اس سے کوئی حدیث بیان نہیں کرتا۔①

دو معروف راویوں کا حال تو بیان ہو چکا ہے جبکہ باقی راوی مجہول الحال ہیں۔ جس روایت کی سند کا یہ حال ہو تو اس سے یقینا کوئی دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم ہی استدلال کر سکتا ہے۔ لیکن ملک صاحب نے بڑی عیاری کے ساتھ راوی کے ضعف سے نظریں بچاتے ہوئے اپنی تائید میں ایک اور روایت پیش کر دی:

''لوگوں کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ یہ بات استیعاب کے سوا کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ سردست اسد الغابہ فی معرفة الصحابہ ص ۱۸۱ ج ۱ کا ایک اقتباس حاضر ہے۔

...... اس شخص (بسر رضی اللہ عنہ) نے یمن میں ہمدان کو تاخت و تاراج کیا اور وہاں کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا اسلام میں یہ پہلی عورتیں تھیں جنہیں لونڈیاں بنایا گیا...... باقی رہا کسی راوی کا ضعیف یا متکلم فیہ ہونا تو تاریخی بحث میں ہر قدم پر راوی کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش کرنا نہ ممکن ہے نہ آج تک کسی سے یہ ہو سکا ہے۔''②

ملک صاحب کی ذہانت وفطانت کو داد دینی پڑتی ہے۔ بحث یہ تھی کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی روایت میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف، مجروح ہے اور اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔ ملک صاحب اس جرح کا انکار یا تردید نہیں کرتے بلکہ ایک دوسری کتاب کا حوالہ دے مارتے ہیں۔ اب ان سے کون پوچھے کہ اجی حضرت! اگر ایک ''جھوٹ'' کو سو کتابوں میں نقل کر دیا جائے تو کیا وہ ''سچ'' کا درجہ اختیار کر لے گا۔

① میزان الاعتدال ص 213 ج 4۔ تہذیب التہذیب ص 356 ج 10
② خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 228، 229

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا سن وفات 463ھ ہے جبکہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ کا سن وفات 630ھ ہے۔ زیر بحث واقعہ 40ھ کا ہے۔ گویا پانچ سو نوے سال تک کے عرصے میں ابن اثیر رحمہ اللہ کے پاس کوئی راوی نہیں تو کیا ایسی بے سند روایت سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا ماخذ بھی استیعاب ہی ہے اسی لیے ملک صاحب خطیبانہ انداز میں بڑھک مارتے ہیں کہ:

''حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ابن اثیر جزری دونوں اتنے بلند پایہ محدث و مورخ ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا اس واقعہ کو نقل کر دینا اثبات مدعا کے لیے کافی ہے۔''

اس دلیل سے شاید جماعت اسلامی کے کارکن ہی مطمئن ہو سکتے ہیں۔ ملک صاحب راوی کے ضعف و کردار کو زیر بحث لانا ہی نہیں چاہتے۔ اسی لیے وہ لکھتے ہیں کہ:

''تاریخی بحث میں ہر قدم پر راوی کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش کرنا نہ ممکن ہے نہ آج تک کسی سے یہ ہو سکا ہے۔''

تو کیا پھر یہ ضروری ہے کہ ایسے بدکردار، بدطینت، کذاب، دروغ گو، رافضی اور سبائی راوی پر اعتماد کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے۔ ملک صاحب راوی کے ضعف کا اقرار بھی کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہتان اور الزام بھی عائد کرتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی روایت پر معمولی غور کرنے سے ہی اس کے من گھڑت اور موضوع ہونے کا علم ہو جاتا ہے ''ان گرفتار شدہ عورتوں کو خرید و فروخت کے لیے منڈی میں لایا گیا اور ان کے حسن و جمال کے مطابق خود مسلمانوں نے ان کی بولیاں لگائیں۔'' ایک مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی اس واقعہ کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی کردار تھا؟ کیا اس دور پر خیر القرون کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ کیا کسی مسلم معاشرے میں آج بھی یہ ممکن ہے کہ مسلمان خواتین کو گرفتار کر کے بازار میں لایا جائے اور ان کے حسن کے مطابق ان کی بولیاں لگائی جائیں؟ اس واقعہ کو دیکھنے اور بیان کرنے والے سیکڑوں ہونے چاہئیں تھے...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں اگر ایسا واقعہ ہوا ہوتا تو وہ ایک دن کے لیے بھی خلافت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتے تھے۔ کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ ایسے شخص کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو کر بیعت کر سکتے تھے؟ کیا جمیع صحابہ و تابعین برضا و رغبت ان کے ہاتھ پر

خلافت کی بیعت کر سکتے تھے؟

یہ مودودی صاحب اور ملک غلام علی صاحب ہی کا حوصلہ ہے جنہوں نے ایسے کذاب، مجروح اور مجہول الحال راویوں پر اعتماد کرتے ہوئے حضرت بسر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما پر ایسا گھناؤنا الزام عائد کیا ہے۔

نیز یہ وابستگانِ جماعت اسلامی ہی کی اندھی عقیدت ہے جنہوں نے ''خلافت وملوکیت'' جیسی زہریلی اور کذب وافتراء پر مبنی کتاب کو مودودی صاحب کے دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد بھی ہزاروں کی تعداد میں شائع کرا کر عام کیا۔

40

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سلطانِ جائر تھے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ ''سلطانِ جائر'' تھے۔ صاحب ہدایہ نے ان کے متعلق یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔

چنانچہ مودودی صاحب بحوالہ ہدایہ لکھتے ہیں کہ:

''ثم یجوز التقلد من السلطان الجائر کما یجوز من العادل لان الصحابة تقلّدوہ من معاویة والحق کان بید علیؓ فی نوبته۔''

''پھر سلطان جائر کی طرف سے عہدہ قضا قبول کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح سلطان عادل سے قبول کرنا جائز ہے۔ کیونکہ صحابہ نے حضرت معاویہ کی طرف سے عہدۂ قضا قبول کیا تھا۔ حالانکہ اپنی خلافت کی نوبت آنے پر حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔''

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

''یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جور کی تصریح ہے اور اس سے مراد عدالتی فیصلوں میں ان کا جور نہیں بلکہ ان کا خروج ہے۔''[1]

دراصل صاحب ہدایہ امام علی بن ابی بکر مرغینانی (متوفی 593ھ) نے یہ بات (سلطانِ جائر) ایک مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھی ہے کہ جس طرح ''سلطان عادل'' سے عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔ اسی طرح ''سلطانِ جائر'' سے بھی عہدہ ومنصب قبول کرنا جائز ہے۔ اور اس کی دلیل میں یہ بات پیش کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ عہدے اور مناصب صحابہ رضی اللہ عنہم نے قبول کیے تھے باوجود اس کے کہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔

صاحب ہدایہ خود امام اعظم رحمہ اللہ کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

---

[1] خلافت وملوکیت ص 338، 339

''وقوله (ای قول ابی حنیفة) وهو ظلم "ای میل عن سواء السبیل وهکذا یکشف عن مذهبه ان المجتهد یخطی ویصیب لا کما ظنه البعض۔''①

''امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول ''وھو ظلم'' میں ظلم سے مراد سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانا ہے۔ اور اس سے ان کا مذہب ظاہر ہوتا ہے کہ مجتہد خطا پر بھی ہوتا ہے اور صواب پر بھی۔ نہ جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے۔''

اس سے واضح ہو گیا کہ ''ظلم'' سے خود صاحب ہدایہ نے خطائے اجتہادی ہی مراد لی ہے اور خطائے اجتہادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی صادر ہو سکتی ہے۔

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''لازم نیست امیر رضی اللہ عنہ در جمیع امور خلافیہ محقق باشد ومخالف ایشاں بر خطا۔''②

''جاننا چاہیے کہ ضروری نہیں کہ تمام امور خلافیہ میں امیر یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔''

اہل سنت نے تو ان اختلافات کو اجتہادی قرار دیا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ''خطا'' کی نسبت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ لیکن مودودی صاحب نے تو واضح طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف غلطی کی نسبت کر دی۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام (قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو گورنری کا عہدہ دینا) ایسا نظر آتا ہے جس کو غلطی کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ...... مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری دینے کا فعل ایسا تھا جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔''③

مودودی صاحب نے تو یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ''خطائے اجتہادی'' نہیں بلکہ صرف ''خطا'' ثابت کی ہے جبکہ صاحب ہدایہ ''ظلم وجور'' سے خطائے اجتہادی مراد لے رہے ہیں۔ اگر خطائے

①ھدایہ۔ کتاب ادب القاضی ص 11 ج 3
② مکتوبات ص 55 ج 2۔ مکتوب نمبر 36
③ خلافت وملوکیت ص 146، 348

اجتہادی کے مرتکب پر مودودی صاحب، صاحب ہدایہ کے فتویٰ کی روشنی میں ''جائر'' کا حکم لگا رہے ہیں تو صرف ''خطا'' کے مرتکب پر کیا ''جائر'' سے زائد حکم نہیں لگے گا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''سلطانِ جائر'' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''سلطانِ عادل'' کہا گیا ہے...... مودودی صاحب کے نزدیک بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عدالتی فیصلوں میں ''جائر'' نہیں بلکہ خروج کی وجہ سے جائر ہیں۔ اور اسی بات کو انہوں نے فتح القدیر کے حوالے سے ثابت کیا ہے۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''هذا تصريح بجور معاوية والمراد في خروجه لا في اقضيته ثم انما يتم اذا ثبت انه ولى القضاء قبل تسليم الحسن له واما بعد تسليمه فلا۔''[1]

اس عبارت میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج۔ اس وجہ سے ان پر جائر کا اطلاق کیا گیا ہے...... دوسری بات یہ ہے کہ ان کا یہ ''جور'' تازیست نہیں تھا بلکہ صلح حسن رضی اللہ عنہ تک تھا۔ اس سے پہلے جو عہدے قبول کیے گئے وہ ''سلطانِ جائر'' کی طرف سے ہیں اور ان کا قبول کیا جانا بھی جائز ہے...... لیکن صلح حسن رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی حیثیت ''سلطانِ جائر'' کی بھی نہ رہی بلکہ سلطانِ عادل کی ہوگئی ہے۔ یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری سے قبل آں محترم ''جائر'' تھے اور دستبرداری کے بعد ''جائر'' نہ رہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری سے پہلے ''جائر'' ہونا بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس دور میں عہدے دیئے تھے۔

موصوف صاحب ہدایہ کی عبارت کی تشریح کر کے ان کے استدلال کو غیر تام بتا رہے ہیں یعنی صاحب ہدایہ نے جو دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جور کا فرض کیا ہے اس میں انہوں نے نہ کسی کو عہد قضاء دیا، نہ کسی نے لیا اور جس دور میں یہ لینا، دینا باقاعدہ پایا گیا تو وہ دور مصالحت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد کا ہے جسے بالاتفاق وبالاجماع ''دورِ عدل'' قرار دیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے اگرچہ ''ظلم'' کا معنی ''ميل عن سواء السبيل'' (یعنی سیدھے راستے سے

---

[1] فتح القدير شرح هداية ص 461 ج 5

ایک طرف ہٹ جانے کے) لیے ہیں اور اسے مجتہد کی خطا وصواب پر محمول کیا ہے لیکن ان کی یہ تاویل صحیح نہیں بنتی کیونکہ ''سلطانِ عادل'' کے مقابلے میں ''سلطانِ جائر'' کا ذکر کیا ہے اور سلطانِ عادل کے مقابلے میں سلطانِ جائر بمعنی مجتہد مخطی دنیا کے کسی لغت میں بھی نہیں ہے۔

یہ درست ہے کہ ''جور'' کا معنی صرف ظلم ہی نہیں بلکہ ''**میل عن الاستواء والاعتدال** '' بھی ہے لیکن بات تو مطلق جور کی نہیں ہو رہی بلکہ سلطانِ عادل کے بالمقابل سلطانِ جائر کے ''جور'' کی ہو رہی ہے جس کا معنی ظلم ہی بنتا ہے۔ اللہ صاحب ہدایہ کی اس خطا کو معاف فرمائے۔

مودودی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جائر ثابت کرنے کے لیے صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر کی آڑ لے رہے ہیں؛ یہ بزرگ تو صلح حسن رضی اللہ عنہ کے بعد بظاہر اس جور کے الزام سے دستبردار ہو گئے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک اب سلطانِ عادل اور خلیفہ عادل ہو گئے لیکن مودودی صاحب کے نزدیک تو آں محترم آخر وقت تک سلطانِ جائر ہی رہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اور یہ جو بعض فقہاء کی عبارتوں میں جور کا لفظ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جور کرنے والے امام تھے۔ تو اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں وہ خلافت کے حقدار نہ تھے نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق وضلالت ہے تاکہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو۔ اور نیز استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہو پرہیز کرتے ہیں۔

''**کیف یکون جائرا وقد صح انه کان اماما عادلا فی حقوق اللہ وحقوق المسلمین کما فی الصواعق۔**''[1]

''وہ کس طرح جائر ہو سکتے ہیں جبکہ یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امامِ عادل تھے جیسے کہ صواعق میں ہے۔''

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر صلح حسن رضی اللہ عنہ سے قبل بھی ''جائر'' کا الزام عائد کرنا بجائے خود ایک ''جور'' ہے۔ اسلافِ متأخرین کی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہے کہ وہ مشاجرات صحابہ کے مسئلے

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم

پر حکم اور قاضی بنیں۔ ان کے ہاں صرف یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ کیا ''سلطانِ جائر'' کی طرف سے عہدہ قضا قبول کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب بھی انہوں نے دے دیا کہ ہاں ایسا ہوسکتا ہے......لیکن اس جواب کی دلیل میں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو درمیان میں لاکر مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق اہل السنت والجماعت کے قوی ترین، راجح ترین اور مقبول ترین مسلک ''امساک، سکوت وتوقف'' کو نظر انداز کیا ہے اور یہ یقیناً تجاوز عن الحدود کے زمرے میں آتا ہے۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی مثال نہیں دی جاسکتی تھی؟ کیا ''جائر'' وہی کہلا سکتا ہے جو امام عادل کے مقابلے میں خروج کرے؟ کیا ایک مستقل امام جائر نہیں ہوسکتا؟ کیا اس ''جور'' کا تعلق خروج کے ساتھ ہی ہے؟ کیا صاحب ہدایہ کے نزدیک یزید امام عادل تھے؟ یزید کی طرف سے جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے عہدے اور مناصب قبول کیے تو کیا ان کا مناصب قبول کرنا غلط تھا؟

اسی زیر بحث عبارت کے بعد صاحب ہدایہ نے یہ لکھا ہے کہ:

''والتابعین تقلّدوا من الحجاج وھو کان جائرا ''[1]

کیا اس دلیل سے مسئلے کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا تھا؟ یہ تو پھر ''فرضی'' ظالم ہیں جبکہ تاریخ میں حقیقی ظالموں کی بھی کمی نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ اگر فرضی یا حقیقی ظالموں سے ہی دلیل اخذ کر لیتے تو کم از کم ایک جلیل القدر صحابی (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) مودودی صاحب جیسے لوگوں کا تختۂ مشق تو نہ بنتے......

مزید برآں......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نہ تو خروج ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ ان کا دعویٰ خلافت ہی، وہ تو صرف طالب قصاص عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ اور وہ یہ مطالبہ کرنے میں بھی حق بجانب تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ ان کے موقف کی حمایت میں تھے۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ثالثوں نے بھی اس موقف کو درست تسلیم کیا۔ وہ ایک عبوری اور مشاجراتی دور تھا۔ ہر فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا...... دشمنانِ اسلام کی سازش سے وقتی طور پر اختلاف رونما ہوگیا۔ جس پر حکمین کی دانش مندی سے قابو پالیا گیا اور ثالثوں کی متفقہ رائے (جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید حاصل تھی) سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نوبت (خلافت) ہی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے زیر تسلط علاقوں میں اختیارات سونپ دیئے گئے تھے۔ تو اس طرح آں محترم پر ''سلطانِ جائر''

[1] ھدایہ۔ کتاب ادب القاضی ص 104 ج3

کا اطلاق کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

پھر 40ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی باقاعدہ مصالحت کر کے شام اور دیگر علاقے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ انتظام کر دیے۔ ان حقائق کی موجودگی میں صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر کی اس بحث (کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حسن رضی اللہ عنہ سے پہلے ''سلطانِ جائر'' تھے اور صلح حسن رضی اللہ عنہ کے بعد ایسے نہیں رہے) کی ضرورت ہی کیا باقی رہ گئی ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو ''سلطانِ جائر'' کہنے سے بہتر یہی ہے کہ غلطی کی نسبت خود اِن اکابر ہی کی طرف کر دی جائے کیونکہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف واقع ہوا تھا وہ اجتہادی تھا اسے انہوں نے اپنی زندگی ہی میں طے کر کے باقاعدہ مصالحت کر لی تھی۔ اور ایک دوسرے کی حیثیت بھی تسلیم کر لی تھی۔

اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا، ان کی اطاعت و بیعت نہیں کی اور ان کے ''حکم معزولی'' کو تسلیم نہیں کیا تو جب اسی خلیفہ راشد نے اپنی مرضی اور اختیارات کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف دورِ عثمانی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن پر بحال کر دیا بلکہ ان کے مزعومہ ''دورِ جور'' کے توسیعی علاقے (مصر سمیت) ان کی تولیت میں دے دیئے تو اب انہیں ''سلطانِ جائر'' کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔ انصاف کا تقاضا اور بین الاقوامی ضابطہ بھی یہی ہے کہ جب کسی کے مطالبات کو درست تسلیم کر لیا جائے اور اسے سابقہ پوزیشن پر بحال بھی کر دیا جائے تو اس کے سابقہ اقدامات کا تخطیہ نہیں کیا جاتا کیونکہ خطا کا امکان تو ''سلطانِ عادل'' کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن اگر بالفرض ''سلطانِ جائر'' کے موقف کو صحیح تسلیم نہ کیا جائے اور اس کی حیثیت کو غیر آئینی قرار دیا جائے تو پھر بھی اس کے اٹھائے گئے اقدامات تقرر امرائے عساکر و قضاۃ اور غیر آئینی قاضیوں کے فیصلے محض اس بنیاد پر غیر آئینی قرار نہیں دیئے جا سکتے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے صاحب ہدایہ کی ایک بات کو نا مناسب کہا ہے جس میں ایک صحابی کے متعلق بدگمانی پائی جاتی ہے:

''جہاں تک حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے اس کا جواب صاحب ہدایہ نے یہ دیا ہے کہ:

''وکان ما رواہ تعلیما فظنہ ترجیعا''

یعنی حضور ﷺ نے تعلیم کی غرض سے شہادتین کو بار بار دہرایا۔
حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سمجھے یہ اذان کا جز ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ کی یہ توجیہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی فہم سے بدگمانی پر مبنی ہے جو مناسب نہیں۔'' ①

اگر بدگمانی کے شبہ کی بنا پر ان کے قول کو نامناسب کہا جا سکتا ہے تو کاتب وحی اور جلیل القدر صحابی کو ''جائر'' کہنے پر انہیں اپنی حدود سے تجاوز کرنے والا کیوں نہیں کہا جا سکتا؟

① درسِ ترمذی ص455 ج1

41

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش سے قتل ہوئے

دشمنانِ صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے عبدالرحمن بن ملجم کو زر و دولت کا لالچ دے کر اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کروایا تھا...... اور ان کی موت پر خوش ہوئے تھے۔①

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''میں علیٰ وجہ البصیرت یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی معاویہ اور اس کے ساتھیوں کی سازش کا نتیجہ ہے، 40ھ میں رشد و ہدایت کا چراغ شہنشاہِ ولایت معاویہ کی سیاست کا شکار ہو کر دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔''②

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین 40ھ میں ایک معاہدہ اور مصالحت ہوئی۔ لیکن یہ صلح اور قیامِ امن کی کوشش و خواہش دشمنانِ اسلام کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی۔ علاوہ ازیں جنگ نہروان میں خوارج کی قوت پارہ پارہ ہو چکی تھی اور وہ اپنے مقتولوں کا بدلہ بھی لینا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے باہمی مشاورت کے ساتھ تینوں بزرگوں (حضرت علی، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم) کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ان تینوں حضرات کو ایک دن (17 رمضان المبارک 40ھ) نمازِ فجر کے وقت شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ تینوں خارجی عبدالرحمن بن ملجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، برک بن عبداللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمرو بن بکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے اپنے اپنے ٹھکانے پر روانہ ہو گئے۔

حسن اتفاق کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے علالت کے باعث حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں بھیجا۔ چنانچہ ان کے نائب اس حملے میں شہید ہو گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

① خصائل معاویہ ص 91، 94
② سیاست معاویہ ص 49

زخمی ہو گئے۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی زخم سے تین دن بعد جام شہادت نوش کر گئے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر اٹھاون برس تھی اور مدت خلافت چار سال نو ماہ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے چار تکبیرات کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے دار الامارت میں دفن ہوئے۔①

اس سے اتنی بات تو واضح ہو گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے سابقہ لشکری اور مرید ومعتقد کے ہاتھوں دار الخلافہ کوفہ ہی میں شہید ہوئے۔ یہ سازش اور منصوبہ ان ہی لوگوں کا تھا جو امن وصلح کے دشمن تھے اور نہروان میں ان کے اعزہ واقارب بری طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پٹ چکے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو خود شدید زخمی ہونے کے باوجود کلمہ استرجاع اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھنے کے ساتھ ساتھ بے اختیار رونے لگے۔ ان کی اہلیہ سیدہ فاختہ کہنے لگیں پہلے تو ان کی مخالفت کرتے رہے اور ''الیوم تبکی علیه'' آج ان پر آنسو بہا رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا:

''انما ابکی لما فقد الناس من عمله وعلمه وفضله'' میں اس لیے روتا ہوں کہ آج لوگ کتنے علم وفضل اور فضل وبزرگی سے محروم ہو گئے۔②

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار صدائی سے باصرار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرنے کی خواہش کی۔ جس پر انہوں نے غیر معمولی الفاظ میں ان کی تعریف وتوصیف کی۔

''فبکی معاویة وقال رحم الله ابا الحسن، کان والله کذلک''

''تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت روئے اور کہا کہ اللہ ابوالحسن پر رحم کرے اللہ کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔''③

اس واقعہ کا انکار اہل تشیع بھی نہیں کر سکے۔ چنانچہ شیعہ مجتہد سید ہاشم حسین لکھتے ہیں کہ:

''فذرفت دموع معاویة علی لحیته فما یملکها هو ینشفها بکمه وقد احتنق القوم بالبکاء ثم قال معاویة رحم الله ابا الحسن کان والله کذلک۔''④

---

① طبری ص166 ج4، البدایہ والنہایہ ص330 ج7
② البدایہ والنہایہ ص15 ج8
③ الاستیعاب مع الاصابہ ص44 ج3 تحت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
④ حلیۃ الابرار ص345 ج1

''(حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سن کر) بے اختیار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آنسو جاری ہو گئے۔حتی کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اور وہ اپنی آستین سے انہیں خشک کرنے لگے۔ یہاں تک کہ قوم کے گلے روتے روتے بند ہو گئے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔''

اہل تشیع کی اس شہادت سے بھی یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے پر ہونے والا اختلاف ختم ہو کر باہمی محبت و مودّت میں تبدیل ہو گیا تھا۔

اگر بفرض محال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معمولی حصہ بھی ہوتا تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور دیگر ہاشمی حضرات اس سے ضرور آگاہ ہوتے۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کبھی ان کے حق میں دستبردار نہ ہوتے اور ان کے ہاتھ پر کبھی بیعت نہ کرتے بلکہ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خون کا انتقام لیتے۔

جب موقع پر موجود حضرات تا دم زیست اس سازش سے آگاہ نہ ہو سکے تو سید مہر حسین بخاری آف اٹک اور غلام حسین نجفی کو کس طرح ''الہام'' ہو گیا؟

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں شریک تھے سراسر غلط، لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

42

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصالحت منافقت پر مبنی تھے

دشمنانِ صحابہ اس مصالحت کا انکار تو نہیں کر سکتے البتہ وہ اس صلح کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مجبوری اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیادتی، منافقت اور صلح حدیبیہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ کی بوقت صلح نیت صحیح نہ تھی۔''①

سید مہر حسین بخاری لکھتا ہے کہ:

''اگرچہ امام حسن علیہ السلام نے بعض مصالح کے پیش نظر معاویہ بن ابی سفیان سے صلح فرمالی تھی تاہم قلبی تصفیہ نہیں ہوا تھا اور کدورتیں باقی تھیں۔''②

حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں ہی صلح کے شدید خواہش مند تھے۔ ان کے اسی جذبے کے تحت بموقع تحکیم اور پھر 40ھ میں بھی مصالحت ہوگئی تھی۔ لیکن یہ مصالحت سبائیوں اور مفسدوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے ایک اور صفین بپا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں لیکن وہ ان دونوں بزرگوں کی بصیرت سے ناکام ہوگئیں۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ثالثوں کے تقرر کے بعد سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مستقلاً شام ہی میں رہے۔ اور یہ ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے کبھی فوجی ضرورت کے تحت دمشق سے نکلنا ضروری سمجھا ہو یا عراق کی سرحد پر کوئی فوج متعین کی ہو...... جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ عراقی دوبارہ جنگ چھیڑنا چاہتے ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا اے عمرو! اگر اس طرف کے لوگوں نے ان لوگوں کو اور اس طرف کے لوگوں نے ان لوگوں کو قتل کر دیا تو لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟

① خصائل معاویہ ص 110
② سیاست معاویہ ص 51

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو بزرگ صحابی حضرت عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہما کو صلح کی پیشکش کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا بالآخر اِن دو بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہما کی ضمانت پر صلح کا معاملہ بخیر وخوبی طے پا گیا۔①

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''و كان معهما صحيفة بيضاء مختوم علی اسفلها و كتب اليه ان اكتب الی فی هذه الصحيفة التی ختمت فی اسفلها بما شئت هو لک۔ ''②

''اور ان دونوں کے ساتھ ایک سفید کاغذ تھا جس کے نیچے مہر لگی ہوئی تھی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف یہ لکھا کہ اس سفید کاغذ پر جس کے نیچے میری مہر ثبت ہے جو شرائط آپ چاہیں لکھ دیں وہ آپ کے لیے ہوں گی۔''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست وبصیرت اور سابقہ تجربے اور مشاہدے سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ان مفسدین (جو شہادت عثمان، جنگ جمل، صفین، نہروان، شہادت علی اور دیگر فسادات کا باعث بنے) سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی شخصیت نبرد آزما ہو سکتی ہے۔ تو کیوں نہ زمام خلافت انہیں سونپ کر قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی تکمیل اور اپنے شفیق نانا پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا مصداق بن جاؤں۔ اسی دوران میں ان کی فوج نے ان کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے آں محترم پر حملہ کر دیا۔ چادر اتار لی، مصلیٰ کھینچ لیا، جراح بن قبیصہ نے ران زخمی کر دی حتی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اسی زخمی حالت میں قصر ابیض میں مقیم ہو گئے۔

مختار بن ابی عبید نے اپنے چچا سعد بن مسعود سے کہا جو مدائن کے گورنر تھے۔ کیا تم کو دولت وعزت حاصل کرنے کا راستہ بتاؤں؟ کہا کیا مطلب؟ کہا حسن کو پکڑوا اور قید کر کے معاویہ کے پاس بھیج دو۔ سعد بن مسعود نے کہا خدا تجھے غارت کرے کیا میں نواسۂ رسول سے دھوکا بازی کروں؟③

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی فوج سے بیزار اور مایوس ہو گئے اور اس پر بالکل اعتماد نہ رہا اور حق یہ ہے کہ یہ لوگ اعتماد کے قابل ہی نہ تھے۔ کیونکہ یہ لوگ زبان سے وفادار اور عمل سے بے وفا ثابت ہو چکے

①صحیح بخاری کتاب الصلح
②ارشاد الباری تحت الحدیث
③البدایہ والنہایہ ص 14 ج 8

تھے۔ جلد ہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر ان کی سازش اور ان کے اصلی مقاصد کھل گئے۔ لہٰذا انہوں نے اپنا تاریخی کردار ادا کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا اور صلح کی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میرے لیے بہتر ہیں۔

شیعہ مجتہد طبرسی لکھتے ہیں کہ:

''یزید بن وہب جہنی کہتا ہے کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو مدائن میں نیزہ سے زخمی کیا گیا تو میں آپ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ درد کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ میں نے عرض کیا اے ابن رسول! لوگ اس معاملہ (مجوزہ صلح) میں حیران ہیں آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

تو امام نے فرمایا:

''اری واللہ معاویۃ خیر لی من ہؤلاء یزعمون انہم لی شیعۃ ابتغوا قتلی وانتہبوا ثقلی واخذوا مالی... ''①

''اللہ کی قسم! میں خیال کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے معاویہ میرے لیے بہتر ہیں۔ جو لوگ میرے شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہوں نے تو میرے قتل کا ارادہ کیا اور میرے مال ومتاع کو لوٹ لیا۔''

تاریخ اسلام میں صلح و جنگ کے بہت سے واقعات ہیں لیکن یہ صلح بڑی تاریخی، یادگار اور بہت ہی اہم تھی۔ جس کی پیش گوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی سعادت اور خوش بختی کہ اس کی تکمیل کا شرف انہیں حاصل ہوا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے اب سارے مسلمان ایک خلیفہ اور ایک ہی مرکز کے تحت پھر اکٹھے ہو گئے۔ اس لیے اس سال کا نام ہی ''عام الجماعۃ'' رکھا گیا۔ یعنی وہ سال جس میں عالم اسلام کا تشتت و افتراق ختم ہوا، بچھڑے ہوئے گلے ملے اور جہاد کا تلپٹ شدہ فریضہ از سر نو شروع ہوا۔

یہ عظیم مصالحت صرف اور صرف سبائیوں اور بچے کھچے قاتلین عثمان کے لیے پیغام موت تھی۔ اس عظیم الشان صلح سے یہودیوں، مجوسیوں، منافقوں، ابن ابی اور ابن سبا کے تربیت یافتہ مفسدوں کی

① الاحتجاج، طبرسی ص 148 تحت احتجاج حسن بن علی رضی اللہ عنہما

امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ جو امت مسلمہ میں انتشار اور خلفشار باقی رکھنے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نام کا خلیفہ بنا کر دولت و اقتدار پر قابض رہنے کے خواہش مند تھے۔ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شدید ترین توہین و تذلیل کی، ان کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے، انہیں **مسود وجوہ المسلمین ومذل المومنین وعار المومنین** کے خطابات سے نوازا۔

دشمنانِ صحابہ اس صلح کو منافقت اور کدورت پر مبنی ثابت کرنے کے لیے مشکوٰۃ (اور سنن ابی داؤد۔ کتاب الفتن، باب ذکر الفتن) کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ:

جس میں ''**امارة علی اقذاء وهدنة علی دخن**'' ... اور ''**هدنة علی دخن وجماعة علی اقذاء**'' کے الفاظ آئے ہیں۔①

''یعنی سلطنت وحکومت ہوگی جس کی بنیاد فساد پر ہوگی اور صلح کی بنیاد کدورت پر...... اس وقت صلح ہوگی ظاہر میں اور باطن میں کدورت ہوگی اور لوگوں کا اجتماع ناخوشی کے ساتھ ہو گا۔''

یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں قرب قیامت کی نشانیاں بیان ہوئی ہیں۔ اسی روایت میں راوی نے رسول اکرم ﷺ سے ''**هدنة علی دخن**'' کے متعلق پوچھا کہ ''**وما هی**'' اس سے کیا مراد ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''**لا ترجع قلوب اقوام علی الذی کانت علیه**'' کہ قوموں کے دل اس حال پر نہ ہوں گے جس پر پہلے تھے۔

یعنی لوگوں کے دل اتنے نرم نہ ہوں گے جیسے آغاز اسلام میں تھے۔

راوی نے پوچھا کہ **بعد هذا الخیر شر**۔ کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟ فرمایا ہاں اور وہ ایک اندھا بہرا فتنہ ہے۔ اس فتنہ کی طرف لوگوں کو بلانے والے ہوں گے۔ گویا وہ جہنم کے دروازے پر کھڑے لوگوں کو بلا رہے ہیں۔''

اس حدیث کا صلح حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو اس میں کسی کا نام ہے اور نہ اس میں کسی دور کی نشاندہی کی گئی ہے۔ امت مسلمہ اور فریقین تو اس صلح سے خوش ہوئے، صرف سبائیوں

① مشکوٰۃ کتاب الفتن الفصل الثانی ص 463

نے اس پر اظہارِ ناراضی کیا۔ لہٰذا منافقت اور کدورت اور بغض وعناد کا اطلاق بھی ان ہی پر ہوگا۔

حدیث میں قیامت کی ایک یہ علامت بتائی گئی ہے کہ اس دور میں کچھ لوگ فساد پر صلح کریں گے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ اس بات کا خیر القرون اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتگان سے کیا تعلق؟ جبکہ صلح حسن رضی اللہ عنہ کا تعلق صحیح بخاری کی اس روایت کے ساتھ ہے جس میں صراحتاً نام لے کر اس کی پیشین گوئی کی گئی ہے:

''ان ابنی هذا سید لعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔''[1]

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد نبوی کے منبر پر اس حال میں دیکھا کہ آپ کے پہلو میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ان کی طرف۔ پھر فرمایا بے شک میرا یہ بیٹا سید ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں صراحتاً امت مسلمہ کے لیے مفید اور منفعت بخش مصالحت کی بشارت دے رہے ہیں کہ یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ہوگی۔ اور اسے امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری میں نقل کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں اس صحیح اور صریح روایت کو ترک کرنے کی کیا وجہ ہے؟

علاوہ ازیں بخاری کی اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے لیے بھی وہی الفاظ وارد ہوئے ہیں جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کے لیے آئے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کا یہ عمل اگر غلط ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر انہیں ''سید'' کے اعزاز سے نہ نوازتے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صرف صلح ہی نہیں کی بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو کر اپنے رفقاء سمیت ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''ان معاویة کتب الی الحسن بن علی صلوات الله علیهما ان اقدم انت والحسین واصحاب علی فخرج معهم قیس بن سعد بن عبادة الانصاری فقدموا الشام فاذن لهم معاویة واعد لهم الخطباء فقال یا حسن قم فبایع فقام فبایع ثم قال للحسین علیه السلام

[1] صحیح بخاری کتاب الصلح، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی ان ابنی هذا سید...

قم فبایع فقام فبایع، ثم قال یا قیس قم فبایع فاالتفت الی الحسین ینظر ما یامرہ فقال یاقیس انہ امامی یعنی الحسن۔"①

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ آپ اپنے بھائی حضرت حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دیگر رفقاء کے ساتھ ہمارے ہاں تشریف لائیں جب یہ روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ جب شام پہنچے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ ان کے اعزاز واستقبال کے لیے خطباء بھی بلائے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کھڑے ہو کر بیعت فرمائیں۔ وہ کھڑے ہوئے اور بیعت کی۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ بھی کھڑے ہوں اور بیعت فرمائیں انہوں نے بھی کھڑے ہو کر بیعت کی۔ پھر حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے کہا آپ بھی کھڑے ہوں اور بیعت کریں تو حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا کہ وہ کیا حکم دیتے ہیں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے قیس! وہ یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ میرے امام ہیں جب انہوں نے بیعت کی تو آپ بھی بیعت کرلیں"۔

شیخ ابوجعفر الطوسی لکھتے ہیں کہ:

"واللہ الذی صنعہ الحسن بن علی کان خیرا لھذہ الامۃ مما طلعت علیہ الشمس۔"②

"حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ اس امت کے لیے ہر اس چیز سے بہتر تھا جس پر سورج کبھی طلوع ہوا۔"

اسی کتاب میں بیعت کے الفاظ بھی موجود ہیں "**فقام فبایع**" یعنی حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر بیعت کی۔

دونوں بھائی تادم زیست اس بیعت پر قائم رہے۔

حجر بن عدی رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص احباب میں سے تھے انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نقض بیعت پر متعدد بار آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو ہمیشہ مسترد کیا

---

① رجال کشی ص 102 تحت قیس بن سعد...

② بحار الانوار ص 164 ج 10، جلاء العیون تحت صلح امام دوم با معاویہ

اور فرمایا:

''انا قد بایعنا و عاھدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا''[1]

''ہم نے بیعت کی ہوئی ہے اور عہد کیا ہوا ہے اور اب ہمارے لیے بیعت توڑنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔''

یزید کی ولی عہدی کے مسئلے پر اختلاف کے باوجود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں توڑی آخر تک ان کے وفادار رہے اور اپنی بیعت پر قائم رہے۔

علاوہ ازیں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا آخر وقت تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تحائف و وظائف اور ہدایا وعطایا وصول وقبول کرتے رہنا بھی اس بات کی واضح شہادت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت خوشگوار وسازگار تھے اور وہ مصالحت، منافقت اور کدورت پر ہرگز مبنی نہ تھی۔

[1] اخبار الطوال ص 220

43

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شرائط صلح کی خلاف ورزی کی

دشمنانِ صحابہ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے شرائط صلح کی خلاف ورزی کی۔

چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے:

''صلح کے بعد معاویہ نے یہ بیان دیا تھا کہ تمام شرائط میرے قدموں میں ہیں انہیں پورا نہیں کروں گا۔''①

سید آل احمد رضوی لکھتے ہیں کہ:

''مگر دوسری طرف امیر شام معاویہ نے ایک شرط کی بھی پابندی نہ کی اور کیوں کرتے؟②

کتب تاریخ میں شرائط کی دفعات اور تفصیلات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ دشمنانِ اسلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام عائد کرنے کے لیے کچھ شرائط کا بعد میں اضافہ کیا۔ قدیم شیعہ مورخ احمد بن داود ابی حنیفہ دینوری (متوفی 282ھ) کے مطابق شرائط صلح حسب ذیل ہیں:

(1) کسی عراقی کو محض پرانی عداوت کی بنا پر نہیں پکڑا جائے گا۔

(2) ہر اسود واحمر یعنی بلا استثناء سب کو امان دی جائے گی۔

(3) اہل عراق کی بدزبانیوں کو برداشت کیا جائے گا۔

(4) علاقہ اہواز کا مکمل سالانہ خراج حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جائے گا۔

(5) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بیس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے گا۔

(6) وظائف وتحائف میں بنو ہاشم کو بنو عبد شمس (بنو امیہ) پر ترجیح دی جائے گی۔

---

① خصائل معاویہ ص 105

② الحسن بن علی ص 35

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے یہ شرائط حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیں جنہیں انہوں نے بغیر کسی ترمیم کے منظور کر لیا اور اپنے قلم سے اقرار نامہ لکھ کر اس پر شہادتیں ثبت کرا کے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا۔①

طبری (متوفی 310ھ) نے اپنے تشیع کی بنا پر ایک یہ روایت بیان کی ہے کہ:

(1) کوفہ کے بیت المال کی تمام رقم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دی جائے۔

(2) دارابجرد کا خراج آپ کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس طرح برسرعام سب وشتم نہ کیا جائے کہ آپ کے کانوں تک پہنچے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تینوں شرائط منظور کر لیں۔②

طبری کی دوسری روایت یہ ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگا کر ان کے پاس بھیج دیا تھا کہ آپ جو شرائط مجھے لکھ کر بھیجیں گے وہ مجھے منظور ہوں گی۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی شرائط دوگنی کر کے بھیج دیں۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مسترد کر دیا۔''

طبری کی اس دوسری روایت کو تمام مورخین نے موضوع اور غلط قرار دیا۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان شرائط پر عمل کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً تحائف وعطایا سے انہیں نوازتے رہے۔ نیز صحیح بخاری کی روایت کی رو سے بھی وہ غلط قرار پاتی ہے جس میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے شرائط حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیں جو انہوں نے فوراً قبول کر لیں۔③

طبری کی پہلی روایت کی تیسری شرط بھی بالکل من گھڑت اور موضوع ہے۔ اس کے الفاظ ہی اس کی لغویت کا واضح ثبوت ہیں۔ ''سرعام'' کی قید صاف دلالت کرتی ہے کہ یہ شرط بعد کے اذہان کی وضع کردہ ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے ''سب وشتم'' کے تحت آ رہا ہے۔

① اخبار الطوال ص 321 تحت مبایعة معاویة بالخلافة

② طبری ص 2 ج 7

③ صحیح بخاری کتاب الصلح

ملا باقر مجلسی نے دو مزید شرطوں کا بھی ذکر کیا ہے:

(1) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے صالحین رضی اللہ عنہم کی سیرت کے مطابق امورِ خلافت چلائیں گے۔

اس شرط (**السیرۃ الخلفاء الراشدین الصالحین**) کو لکھ کر شیعہ مجتہد نے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو صحیح اور درست قرار دے دیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ انہیں خلفائے راشدین صالحین سمجھتے تھے۔

(2) **ولیس لمعاویة بن ابی سفیان ان یعهد الی احد من بعده عهدا بل یکون الامر من بعده شوری بین المسلمین...**

معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کو اپنے بعد کسی سے اس معاملہ میں عہد نہیں لینا ہوگا بلکہ باہمی مشاورت سے کسی کو خلیفہ بنائیں گے۔①

شیعہ مجتہد نجم الحسن کراروی اس شرط کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ:

''امیر معاویہ جو میدانِ سیاست میں کھلاڑی اور مکر وزور کی سلطنت کے تاجدار تھے امام حسن علیہ السلام سے وعدہ اور معاہدے کے بعد ہی سب سے مکر گئے ...... معاویہ نے کسی ایک چیز کی بھی پروانہ کی اور کسی پر عمل نہ کیا۔''②

یہ شرط بھی بعد میں گھڑی گئی۔ اور حیرت ہے کہ اس پر اعتراض بھی اہل تشیع کر رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑنے کا عہد کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یزید کو ولی عہد بنا دیا ...... اہل تشیع کے اصول سے اس شرط کی خلاف ورزی کرنے پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تو سرے سے الزام عائد ہی نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک امامت وخلافت اصول دین میں سے ہونے کی وجہ سے منصوص من اللہ ہوتی ہے۔ شوریٰ کی صوابدید پر اسے ہرگز نہیں چھوڑا جا سکتا اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے شوریٰ پر نہیں چھوڑا تو انہوں نے کون سا غلط کام کر دیا؟

علاوہ ازیں اگر بقول شیعہ یہ شرط حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے لکھوائی تھی اور معاہدے میں بھی موجود تھی تو پھر امام دوم حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اہل تشیع کے بنیادی اصول (کہ خلافت وامامت منصوص من اللہ ہوتی ہے) کی خود ہی نفی کر دی ...... اب یا امام سچے ہیں یا پھر شیعہ سچے ہیں ...... اگر امام سچے ہیں تو پھر شیعہ

① بحار الانوار ص 124 ج 10 تحت کیفیت مصالحت حسن بن علی
② چودہ ستارے ص 193

جھوٹے ہیں کہ امامت منصوص نہیں ہوتی اور اگر شیعہ سچے ہیں تو پھر امام العیاذ باللہ جھوٹے ثابت ہوئے اور جھوٹے کی امامت کیسی؟ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام ''معصوم'' نہیں ہوتا اس طرح تو ان کا عقیدہ عصمت امام بھی غلط قرار پاتا ہے۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہد کیوں مقرر کیا تھا اس کا تفصیلی جواب آگے ''ولی عہدی یزید'' کے تحت آ رہا ہے۔ اگر ولی عہد مقرر کرنا یا اپنے بعد بیٹے کو جانشین نامزد کرنا غلط کام ہے تو یہی کام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کیا۔

شیعہ مصنف علامہ علی بن عیسیٰ الاربلی لکھتے ہیں کہ:

''ان علیا علیہ السلام اوصی بھا الیہ وافاض ردائھما علیہ۔''①

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی وصیت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے فرمائی اور انہیں امر خلافت کی چادر اوڑھائی۔''

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فعل غلط تھا؟ اور اگر غلط نہیں تھا تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فعل بھی قطعاً غلط نہیں ہے۔

مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ متاخرین نے ایک شرط یہ بھی بیان کی ہے کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''واشترط علیه الحسن ان یکون له الامر من بعده فالتزم ذلک کله معاویة۔''②

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بوقت صلح حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی لکھوائی تھی کہ ان کے انتقال کے بعد خلافت کا معاملہ میرے سپرد ہوگا اور انہوں نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا۔''

اس شرط کی رو سے دشمنانِ صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو عہد شکن ٹھہراتے ہیں کہ انہوں نے یہ شرط تسلیم کرنے کے باوجود خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دینے کے بجائے اپنے بیٹے یزید کی طرف منتقل کر دی۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (متوفی 463ھ) نے اس روایت کو بغیر سند کے نقل کیا ہے اور ایسی بے سند روایت کا کیا اعتبار؟ البتہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اسے باسند روایت کیا ہے:

① کشف الغمہ فی معرفة الائمہ جلد اول تحت ذکر امامة وبیعة علیہ السلام
② الاستیعاب مع الاصابہ ص 371 ج1، حرف الحاء

''قال ابن خیثمة حدثنا ھارون بن معروف حدثنا ضمرہ عن ابن شوذب قال لمّا قتل علی سار الحسن فی اھل العراق و معاویة فی اھل الشام فالتقوا فکرہ الحسن القتال وبایع معاویة علی ان یجعل العھد له من بعدہ . . . ''①

اس روایت کی سند میں ابن خیثمہ کے متعلق خود ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''قال عباس عن ابن معین لیس بشیء۔ ''②

''عباس، یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن خیثمہ کچھ بھی نہیں۔''

تقریب التھذیب میں اسے ''لین الحدیث'' یعنی حدیث بیان کرنے میں ضعیف کہا گیا ہے۔ اس سند کے آخر میں ایک راوی ''ابن شوذب'' ہیں یہ بزرگ 86ھ میں پیدا ہوئے اور 144ھ میں فوت ہوئے۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''قال ضمرة عنه مولدی 86ھ وقال غیرہ مات سنة اربعة واربعین مائة ''③

''ضمرہ نے عبداللہ بن شوذب سے روایت کی کہ میری ولادت 86ھ میں ہوئی اور اس کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ وہ 144ھ میں فوت ہوئے۔ مصالحت کی تاریخ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

(1) ربیع الاول 41ھ (2) ربیع الآخر 41ھ (3) جمادی الاولیٰ 41ھ۔''④

زیر بحث شرط وہ شخص بیان کر رہا ہے جو 86ھ میں پیدا ہوا۔ اگر بالفرض پیدا ہوتے ہی اس نے بطور ''کرامت'' سماعت کا ملکہ بھی حاصل کر لیا ہو تو پھر بھی پینتالیس سال پہلے کا واقعہ وہ کسی طرح بھی بیان نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ ابن شوذب نے یہ شرط کسی دوسرے سے سنی ہوگی۔ وہ ذات شریف کون ہے؟ اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ اور قدیم مورخین کی بھی رسائی اس بزرگ تک نہیں ہو سکی۔ لہٰذا یہ روایت قطع نظر دیگر نقائص کے منقطع ہے اور ایسی روایت قابل حجت نہیں ہوا کرتی۔

---

① الاصابہ ص 330 ج 1
② تھذیب التھذیب ص 178 ج 3، میزان الاعتدال ص 314 ج 1
③ تھذیب التھذیب ص 256 ج 5
④ البدایہ والنھایہ ص 18 ج 8۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص 187 ج 1

علاوہ ازیں شیعہ و مسلم مورخین میں سے بھی اس شرط کو کسی نے ذکر نہیں کیا۔ مثلاً یعقوبی، طبری، مسعودی، ابن اثیر، ابن کثیر، مرزا محمد تقی صاحب ناسخ التواریخ، ابوالحسن علی بن عیسیٰ الاربلی صاحب کشف الغمہ اور ہاشم بن محمد بن علی خراسانی صاحب منتخب التواریخ۔

حالانکہ یہ مورخین اپنی کتب میں ہر قسم کی رطب و یابس نقل کرنے میں ماہر ہیں۔ بدقسمتی سے ان تک بھی یہ شرط نہیں پہنچ سکی۔ یہ بات اس شرط کے من گھڑت اور موضوع ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اگر یہ شرط صحیح ہوتی تو مصالحت کے بعد کسی موقع پر کسی کی زبان سے ضرور سنی جاتی۔ کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یزید کی ولی عہدی کی مخالفت میں عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر وغیرہ رضی اللہ عنہما نے یہ دلیل تو دی کہ یہ طریقہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے خلاف ہے یا قیصر و کسریٰ کی سنت ہے۔ مگر یہ کسی نے نہیں کہا کہ آپ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے اس لیے اب ان کی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ ہونا چاہیے۔ خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے استحقاق اور یزید کی مخالفت میں بہت سے دلائل دیے۔ لیکن کسی موقع پر اس شرط کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یزید کی مخالفت میں یہ بھی ایک دلیل ہو سکتی تھی۔

علاوہ ازیں...... شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہما کو صلح کی اطلاع دے کر انہیں مدائن واپس آنے کا حکم دیا۔ انہوں نے فوج کو یہ معاہدہ پڑھ کر سنایا اور مجمع عام میں زبانی بھی اس صلح نامہ کی تصدیق کی...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کوفہ آ جانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں آ کر شرائط کی زبانی تصدیق بھی کر دی...... لیکن کسی موقع پر بھی زیر بحث شرط کا ذکر نہیں ہوا۔

اگر بالفرض بقول معترض کے یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ شرائط صلح میں مذکورہ شرط بھی تھی تو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عہد شکنی کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کی زندگی ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ اس لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کرنے یا نہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس شرط میں یہ بات بھی نہیں تھی کہ اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ زندہ نہ رہے تو خلافت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنا ہوگی۔ اگر ایسی شرط ہوتی تو تب اس کی خلاف ورزی ہوتی۔ مگر یہ شرط نہیں تھی لہٰذا خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی۔

مزید برآں...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خود یہ اعلان فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی امر میں

مجھ سے بدعہدی نہیں کی۔ قدیم مورخ ابوحنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ:

''لم یری الحسن والحسین طول حیاۃ معاویۃ منہ سوءا فی انفسھما ولا مکروھا ولا قطع عنھما شیئا کان شرط لھما ولا تغیر لھما من بر۔''①

''حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں ان کی طرف سے اپنے بارے میں کوئی برائی نہیں دیکھی نہ کسی قسم کی خلاف طبع کوئی بات دیکھی۔ نہ انہوں نے ان سے کی گئی کسی شرط کو ختم کیا اور نہ اچھے سلوک ہی کو ان سے جدا کیا۔''

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما یہاں خود اقرار کر رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے معاہدے کی کسی شرط کی خلاف ورزی نہیں کی تو معلوم نہیں کہ ان کے نام نہاد محبین کے پیٹ میں کیوں مروڑ اٹھ رہے ہیں؟

اب یہ بات حل طلب ہے کہ بعد کے دشمنانِ اسلام کو اس شرط کے وضع کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

دراصل اس شرط کے وضع کرنے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق زہرخورانی کا افسانہ تراشا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی تک کے لیے خلافت سے دستبردار ہوئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ خلافت دوبارہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حاصل ہو جائے۔ اس لیے انہوں نے زہر دے کر اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ (زہرخورانی کے الزام کا جواب آگے آ رہا ہے)

ان دلائل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شرائط صلح میں اس زیر بحث شرط کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ دشمنانِ اسلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عہد شکنی کا الزام عائد کرنے کے لیے یہ شرط وضع کی۔

① اخبار الطوال ص 225

44

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جبراً حکومت پر قبضہ کیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے تلوار کے زور سے عوام کی مرضی کے خلاف حکومت پر قبضہ کیا۔

چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں اور اگر مسلمان ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ بنتے۔ وہ بہر حال خلیفہ ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا۔ لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا۔ وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے اور وہ جب خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لیے بیعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

اس وقت اگر ان سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ وہ اپنے حاصل کردہ منصب سے ہٹ جاتے۔ بلکہ اس کے معنی خون ریزی اور بد نظمی کے تھے۔ جسے امن اور نظم پر ترجیح نہیں دی جاسکتی تھی۔''①

موصوف ایک تقریر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بغیر رضامندی عوام کے حکومت پر قابض ہو گئے تھے۔ ان کی حکومت میں مسلمانوں کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں رہا تھا۔''②

اس عبارت کو بار بار پڑھیے۔ یقین نہیں آتا کہ یہ مودودی صاحب جیسے ''مفکر اسلام'' کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کے خلاف تو ان کے قلم سے بغض و عداوت اور کینہ و عداوت ٹپکتی ہی رہتی ہے۔ لیکن اس عبارت میں تو انہوں

① خلافت و ملوکیت ص 158
② شہادت حسین کا حقیقی مقصد ص 23

نے اس وقت موجود تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی شدید توہین کر ڈالی...... ایسا کیوں نہ ہوتا کیونکہ اول الذکر کتاب تو انہوں نے اہل تشیع کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی غرض سے تحریر کی تھی۔ اور موخر الذکر تقریر خلافت وملوکیت کی تصنیف سے قبل موصوف نے ایک شیعہ لیڈر سید محمد علی زیدی ایڈووکیٹ کے مکان 14 ٹیمپل روڈ لاہور میں بعنوان ''علی کا راستہ حسین کا راستہ'' ارشاد فرمائی تھی۔

کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی رضامندی کے بغیر مسند خلافت پر قدم رکھا جا سکتا تھا؟ کیا صحابہ کرام اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم نے ڈر کر اور مجبور ہو کر بیعت کی تھی؟ دراصل مودودی صاحب نے یہ نظریہ خوارج سے مستعار لیا ہے۔ چنانچہ مصر کے مشہور مورخ علامہ محمد خضری لکھتے ہیں کہ:

''(خوارج کے نزدیک) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت پر بزور تسلط حاصل کیا...... مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر اقتدار و غلبہ حاصل کر لینے کے سبب سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے برأت یعنی بے تعلقی اور علیحدگی ظاہر کرتے ہیں۔''①

معروف دینی سکالر اور مدرسہ نصرت العلوم کے شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''خلافت راشدہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی نوعیت یہ تھی کہ انہوں نے طاقت کے زور سے اقتدار حاصل کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متوازی حکومت قائم کر لی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند اور ان کے نامزد کردہ جانشین حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست برداری اختیار کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی جس کے بعد ائمہ اہل السنت والجماعت کی تصریحات کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر خلیفہ برحق اور امیر المومنین بن گئے......''②

موصوف اپنے ایک ''اداریہ'' میں جنگ جمل وصفین پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''آج کی اصطلاحات کے حوالے سے دیکھا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ چند مطالبات پر تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ اپنی رِٹ قائم کرنے اور خلافت کو ان سے تسلیم کرانے کے لیے تھی......''③

---

① تاریخ التشریع الاسلامی مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی ص 194، 237

② انسانی اجتماعیت کے جدید تقاضے اور اسلام کا عادلانہ نظام۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور۔ 21 دسمبر 1979ء

③ ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ دسمبر 2013ء ص 5

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نہ تو اپنی خلافت تسلیم کرا سکے اور نہ ہی اپنی ''رِٹ'' قائم کر سکے بلکہ الٹا اپنے زیر قبضہ علاقے سے بھی بعض مقامات پر ہاتھ دھو بیٹھے۔

دراصل مولانا زاہد الراشدی صاحب کا یہ ''تجزیہ'' ہی غلط ہے اور اسے جدید ''اصطلاح'' کے ساتھ منطبق کرنا یقیناً باعث تعجب ہے۔ ''رِٹ'' چیلنج کرنے والوں کو جدید ''اصطلاح'' کے مطابق کیا کہا جاتا ہے اور ان کا شرعی حکم کیا ہے؟

سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کس کے ساتھ لڑ کر خلافت حاصل کی؟ جنگ صفین میں انہوں نے اپنے دفاع میں تلوار اٹھائی پھر اس جنگ کے بارے میں بھی متفقہ رائے یہ ہے کہ وہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر لڑی گئی نہ کہ مسئلہ خلافت پر...... خلیفہ تو وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد بنے اور وہ بھی بغیر لڑے بھڑے۔

اگر ارادۂ جنگ ثابت کر بھی دیا جائے تو اس میں بھی دفاعی پہلو ہی سامنے آئے گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی لشکر کشی کے جواب میں اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اس نقل و حرکت کی اطلاع جوں ہی لشکر حسن رضی اللہ عنہ میں پہنچی تو اس میں بھگدڑ مچ گئی اور انہوں نے آپس میں لوٹ مار شروع کر دی حتیٰ کہ اپنے امام اور خلیفہ کو بھی زخمی کر دیا۔ اس رویے سے بددل ہو کر اور امت کی خیر خواہی کے پیش نظر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی درخواست صلح کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ان کے حق میں نہ صرف خلافت سے دستبرداری اختیار کی بلکہ انہوں نے باقاعدہ بیعت خلافت بھی کر لی نیز تمام صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ نے بھی بغیر کسی جبر و اکراہ کے برضا و رغبت بیعت کی۔

تاریخ کے کسی کونے کھدرے سے بھی یہ بات نہیں دکھائی جا سکتی کہ کسی ''اشتر''، کسی ''حکیم بن جبلہ'' اور کسی ''غافقی بن حرب'' نے کسی کو تلوار کے زور سے بیعت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مجبور کیا ہو۔ صلح کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تڑپ، مراسلت، مشاورت، مذاکرات اور بالآخر شرائط کے لیے سادہ مختوم کاغذ فریق مخالف کے پاس بھیجنا خود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لڑ کر اور بزور خلافت حاصل نہیں کی۔ کیا کسی فریق مخالف کو جنگ کی دھمکی دے کر صلح پر آمادہ کیا جا سکتا ہے؟ جنگ کی دھمکی سے صلح نہیں ...... جنگ ہی ہوتی ہے۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ تنہا تو نہیں تھے۔ ان کے ساتھ چالیس ہزار کی تعداد میں مخلصین اور جان نثار موجود تھے۔ ان کے ساتھ لڑ کر خلافت کیوں کر حاصل کی جا سکتی ہے؟

مودودی صاحب کی زیر بحث عبارت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بھی شدید توہین پائی جاتی ہے کہ وہ اس قدر قوت وطاقت رکھنے کے باوجود ظالم، جابر، مفسد اور حریص کا راستہ روکنے کے بجائے اس کے حق میں دستبردار ہو کر خلافت ہی ان کے سپرد کر گئے۔

موصوف نے اسی عبارت میں بتکرار لکھا ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں۔ مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا۔ وہ بہرحال خلیفہ ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی۔ لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا، وہ اپنے زور سے خلیفہ بنے۔ ان کی حکومت میں مسلمانوں کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں تھا۔''

معلوم نہیں موصوف اس سے کیا چیز ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تھے اب سوال یہ ہے کہ انہیں خلیفہ کس نے بنایا تھا؟ بقول مودودی صاحب ''مسلمانوں نے تو انہیں خلیفہ نہیں بنایا تھا اور نہ مسلمان ان کے خلیفہ بننے سے راضی تھے''۔ پھر کیا عیسائیوں اور رومیوں نے انہیں خلیفہ مقرر کیا تھا؟ کیا کافروں کی رضامندی سے وہ خلیفہ بنے تھے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان انہیں بنانا نہ چاہیں اور نہ ان کی خلافت پر راضی ہوں مگر پھر بھی وہ بزور خلیفہ بن جائیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ زور اور طاقت کہاں سے آ گئی تھی؟ کیا مسلمانوں کی شمولیت اور عدم تعاون کے بغیر بھی کسی اسلامی مملکت میں خلافت پر قبضہ کیا جا سکتا ہے؟

کسی ملک وسلطنت کی امارت کو تو رہنے دیجیے، کیا ''جماعت اسلامی'' کی امارت بھی ایسے بھونڈے طریقے سے حاصل کی جا سکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی مرضی، خواہش اور تعاون سے خلیفہ بنے۔ پوری ملت اسلامیہ نے سکھ اور سکون کا سانس لیا اور سابقہ خانہ جنگی، انتشار اور بدامنی ختم ہونے پر خوشی منائی۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''واجتمع الناس علیه حین بایع له الحسن بن علی وجماعة ممن معه وذلک فی ربیع او جمادی سنة احدی واربعین فیسمی عام الجماعة... قال الاوزاعی

ادر کت خلافة معاوية جماعة من اصحاب رسول اللہ ﷺ لم ینتزعوا یدا من طاعة ولا فارقوا جماعة۔ ''①

''حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کی جماعت کے بیعت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہو گیا اور یہ واقعہ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کا ہے۔ پس اس سال کا نام ہی عام الجماعہ رکھا گیا۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پایا۔ لیکن نہ کسی نے ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا اور نہ جماعت ہی سے علیحدگی اختیار کی۔ یہاں تک کہ غیر جانبدار صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی بیعت نہیں کی تھی انہوں نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔''

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وبایع معاوية کل من کان معتزلا للقتال کابن عمر وسعد بن ابی وقاص ومحمد بن مسلمة۔ ''②

ملت اسلامیہ کے اس عظیم الشان اتحاد اور انتخاب کو اس وقت بھی صرف سبائیوں کی طرف سے نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور آج بھی ان کی اتباع وپیروی میں جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، ان کے ہم خیال اور ان کے معتقدین ومقلدین دیکھ رہے ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''عام الجماعۃ'' میں مدینہ منورہ آئے تو ان سے قریش کے لوگوں نے ملاقات کی اور کہا:

''الحمد للہ الذی اعز نصرک واعلی امرک۔ ''

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے آپ کی مدد کی اور آپ کا معاملہ بلند کر دیا۔''③

علامہ ابن حجر مکی ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

---

① الاستیعاب مع الاصابہ ص 398، 400 ج3
② فتح الباری ص 53 ج13
③ البدایہ والنہایہ ص 132 ج8

''غور کیجیے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم بننے کی بشارت دی اور انہیں احسان کرنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث ان کی خلافت کی صحت اور اس کے حق ہونے کو ثابت کرتی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد وہ اس کے مستحق تھے اور آپ کا انہیں احسان کا حکم دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی حکومت وخلافت حق تھی۔ ان کے تصرفات بھی حق تھے اور ان کے احکامات بھی خلافت کے صحیح ہونے کی وجہ سے درست تھے۔

''لا من حیث المتغلب لان المتغلب فاسق معاقب لا یستحق ان یبشر و لا ان یو مر بالاحسان فی ما تغلب علیه بل انما یستحق الزجر و المقت و الاعلام بقبیح افعاله و فساد احواله فلو کان معاویة متغلبا لاشار له الی ذلک او صرح له به فلما لم یشر له فضلا عن ان یصرح الا بما یدل علی حقیقته ما هو علیه۔ ''①

''یہ نہیں کہ آپ نے ان کی تعریف اس لیے فرمائی کہ وہ بزور خلیفہ بن گئے۔ کیونکہ زبردستی خلیفہ بننے والا فاسق اور قابل سزا ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ اسے خوشخبری کا حق دار سمجھنا چاہیے۔ اور نہ ایسے کو احسان کا حکم دیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ تو زجر اور سزا کا حق دار ہوتا ہے اور برے کاموں اور کرتوتوں کی بنا پر اس کی تشہیر ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زبردستی خلیفہ بنے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ اس طرف ضرور اشارہ فرماتے یا اس کی تصریح فرما دیتے اور جبکہ آپ نے اس کی طرف اشارہ نہ فرمایا چہ جائیکہ تصریح ملے بلکہ آپ ﷺ نے ان کی خلافت کے حق ہونے کی طرف اشارہ فرمایا:

''علمنا انه بعد نزول الحسن له خلیفه حق و امام صدق۔ ''

اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دستبردار ہونے کے بعد وہی خلیفہ برحق اور امام صدق تھے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ جبراً حکومت پر قابض ہونے والا فاسق اور قابل سزا ہوتا ہے۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بقول مودودی صاحب متغلب (یعنی بزور خلافت پر قبضہ کرنے والا) قرار دیا جائے تو ان کا فاسق ہونا بھی لازم آئے گا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ پر بھی فسق کا الزام

① الصواعق المحرقہ ص 219

عائد ہوگا جو سراسر قرآن کی تکذیب ہے۔

لیکن مودودی صاحب کو اس سے کیا غرض؟ بہر حال موصوف کا زیر بحث نظریہ قرآن، حدیث، اجماعِ امت اور سلف صالحین کے نظریہ کے سراسر منافی اور معارض ہے۔ جو یقیناً صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بے جا تعصب، ضد، عناد اور بغض پر مبنی ہے۔

45

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے اہل نہیں تھے

ناقدین صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا نااہل قرار دیتے ہیں اور اپنی تائید میں امام ابوبکر جصاص کی آیت ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ کی تفسیر پیش کرتے ہیں کہ وہ آیت ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ کے مصداق ہیں لہٰذا ظالم خلافت کا اہل نہیں ہوسکتا۔

"ان الظالم لا یکون اماما . . . فلا یجوز ان یکون الظالم نبیا و لا خلیفة لنبیٍّ و لا قاضیا۔"[1]

"بے شک ظالم امام نہیں ہوسکتا...... پس یہ جائز نہیں ہے کہ ظالم شخص نبی ہو یا نبی کا خلیفہ یا قاضی۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو مصالحت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد زندگی کی آخری سانس تک منصب خلافت پر فائز رہے۔ بیس سال تک بحیثیت گورنر اور تقریباً بیس سال تک ہی بحیثیت خلیفہ اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ان کی رعایا امام جصاص سے زیادہ شرعی مسائل سے آگاہ تھی۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی یہ عظیم نکتہ نہیں اٹھایا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صفاتِ عالیہ کے نظارۂ جمال کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے آپ کو پیدا ہی کشور کشائی و جہانگیری اور فرمانروائی و جہانبانی کے لیے کیا تھا۔ اور آپ کا خمیر اوصافِ سیادت و قیادت کے مایہ سے اٹھایا گیا تھا۔ بلکہ رب العزت نے آپ کے خاندان کو بھی ان صفات سے بہرۂ وافر عطا کیا تھا۔ بنو امیہ عموماً سیاست و تدبر، سیادت و قیادت اور انتظامی صلاحیت میں ممتاز و منفرد تھے۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ان صلاحیتوں کے پیش نظر اعلیٰ مناصب اور ذمہ دارانہ عہدوں پر متعین و فائز فرمایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ صفات جلیلہ میراث میں ملی تھیں۔ اگر حضرت

[1] احکام القرآن ص 69 ج 1

معاویہ رضی اللہ عنہ ''ظالم'' ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خلافت وحکومت کے لیے دعائیں کیوں ارشاد فرماتے؟ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم انہیں مناصب کیوں عطا کرتے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

(1) حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: ''اے اللہ! انہیں کتاب اور حساب کا علم سکھا اور عذاب سے محفوظ رکھ۔''①

(2) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یوں فرماتے ہوئے سنا کہ ''اے اللہ! انہیں ''الکتاب'' کا علم سکھا اور شہروں پر تسلط عطا کر اور عذاب جہنم سے محفوظ رکھ۔''②

(3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کی خوش خبری دی تھی...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس وقت خلافت کے مل جانے کی امید لگ گئی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تجھے حکومت مل جائے تو احسان کرنا۔''③

(4) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: ''اے معاویہ! اگر تو والی امر ہو جائے تو اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا۔''④

(5) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو وضو کرنے کا حکم دیا جب وہ وضو کر چکے تو آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ ''اے معاویہ! جب تو والی امر ہو جائے تو تقویٰ اور عدل اختیار کرنا۔''⑤

(6) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا: ''چند دن اور راتیں نہیں گزریں گی تا آنکہ معاویہ والی امر ہو جائیں گے۔''⑥

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دعاؤں پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مناصب سے بھی نوازا...... جب

① کنز العمال ص 87 ج 7، البدایہ والنہایہ ص 120 ج 8
② البدایہ والنہایہ ص 121 ج 8
③④⑤ تطہیر الجنان ص 15
⑥ ازالۃ الخفاء اردو ص 517 ج 4

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو آپ نے انہیں ایک قطعہ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا اس مقصد کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ:

''ان کے ساتھ جا کر وہاں سے ایک قطعہ زمین انہیں دے دیں۔''①

علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کان احد الذین استعملهم رسول الله ﷺ واستعان بهم . . . ''②

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے عمال میں سے تھے......

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت پر امیر بنا کر شام کی طرف روانہ کیا۔③

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی جگہ ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر فرمایا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں اس علاقے پر انہیں برقرار رکھا۔''④

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفے کی ایک جماعت سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

''رسول اکرم ﷺ معصوم تھے انہوں نے مجھے حاکم اور والی بنایا اور اپنے کام میں داخل کیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی مجھے حاکم بنایا۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی مجھے مقرر کیا۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی مجھے حاکم بنایا پس میں ان میں سے جس کے لیے والی بنا اور جس نے بھی مجھے والی بنایا وہ سب مجھ سے راضی رہے۔⑤

اب امام ابوبکر جصاص حنفی کی آیت ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

''ظالم امام نہیں ہوسکتا ...... یہ جائز نہیں ہے کہ ظالم شخص نبی ہو یا نبی کا خلیفہ یا قاضی ...... عبدالملک سے بڑھ کر عرب اور آل مروان میں کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا۔ اور نہ اس کے

---

① تاریخ الکبیر - امام بخاری ص 175 ج 4۔ الاصابہ مع الاستیعاب ص 592 ج 3

② العواصم من القواصم ص 81 بر حاشیہ

③ البدایہ والنہایہ ص 4 ج 7

④ الاصابہ ص 412 ج 3

⑤ تاریخ طبری ص 87 ج 5

عمال میں سے حجاج سے زیادہ کوئی کافر، ظالم اور فاجر تھا......''

موصوف پھر اس دور کے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اور تمام صحابہ و تابعین ان ظالموں کے ہاتھوں سے اپنے وظائف حاصل کرتے تھے لیکن اس بنا پر نہیں کہ وہ ان سے دوستی اور محبت رکھتے ہوئے یا ان کی خلافت، امامت اور امارت کو درست سمجھتے ہوئے بلکہ وہ اس خیال سے وظائف قبول کرتے تھے کہ یہ ان کے اپنے حقوق تھے جو ظالم اور فاجر لوگوں کے قبضہ میں تھے اور یہ طرز عمل ان کے ساتھ دوستی اور محبت کی بنا پر نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حضرات عبدالملک بن مروان کی بیعت توڑے ہوئے تھے۔ ان پر لعنت کرنے والے اور ان سے بیزار تھے۔''

''وکذلک کان سبیل من قبلهم مع معاویة حین تغلب علی الامر بعد قتل علی علیہ السلام وقد کان الحسن والحسین یاخذان العطاء وکذلک من کان فی ذلک العصر من الصحابة وهم غیر متولین له بل متبرء ون منه علی سبیل التی کان علیها علی علیہ السلام الی ان توفاه الله تعالٰی الی جنته ورضوانه فلیس اذا فی ولایة قضاء من قبلهم ولا اخذ العطاء منهم دلالة علی تولیتهم واعتقاد امامتهم۔ ''①

''اور اسی طرح ان (عبدالملک بن مروان اور حجاج) سے پہلے صحابہ و تابعین کا معاویہ کے ساتھ بھی یہی سلوک تھا جب وہ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد خلافت پر جبراً قابض ہو گئے تھے۔ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور جو صحابہ ان کے دور میں موجود تھے وظائف وعطایا تو قبول کرتے تھے مگر ان کے ساتھ بغیر دوستی اور محبت کے بلکہ ان سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنی جنت اور رضوان میں لے گئے۔ لہٰذا اس دور کے صحابہ و تابعین کا (عبدالملک، حجاج اور معاویہ جیسے اظلم، اکفر اور افجر لوگوں کے ہاتھوں سے) عہدہ قضا اور وظائف قبول کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حضرات ان سے دوستی اور محبت رکھتے تھے یا ان کی امامت و خلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔''

① احکام القرآن ص 69، 71 ج 1

مودودی صاحب نے خلافت وملوکیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت پر بزور قبضہ کرنے کا اگرچہ کوئی واضح حوالہ نہیں دیا (ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول مردود ہے) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے الفاظ میں جصاص کی ترجمانی کی ہے۔ بہرحال اس معاملے میں دونوں ''معتزلی'' یکساں نظریہ رکھتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت پر جبراً قبضہ کرنے کا جواب پیچھے گزر چکا ہے۔ یہاں معترض کے اس اعتراض کا جواب مقصود ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ظالم تھے اور ظالم خلافت وامامت کا اہل نہیں ہوتا۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ظالم ہوتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خلافت کے لیے دعائیں کیوں کرتے؟ پھر انہیں عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر عہد عثمان رضی اللہ عنہ تک مختلف مناصب اور ذمہ داریاں کیوں سونپی جاتیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے اظلم، اکفر اور افجر سے مصالحت کیوں کرتے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ایسے شخص کے حق میں دستبردار ہو کر اس کے ہاتھ پر بیعت کیوں کرتے؟

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آں محترم کا مسئلہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ پر اختلاف ہوا جو مصالحت علی وحسن رضی اللہ عنہما کے بعد ختم ہو گیا۔ لیکن جصاص اور مودودی نے مصالحت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد بھی انہیں متغلب اور ظالم قرار دے کر خلافت کا نااہل ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی۔ انہیں متغلب اور ظالم کہنا پوری ملت اسلامیہ کی شدید توہین ہے۔

اگرچہ ابوبکر جصاص فقہاً حنفی ہیں۔ لیکن عقیدتاً معتزلی ہیں جس طرح زمخشری صاحب کشاف فقہاً حنفی ہیں اور عقیدتاً معتزلی۔ اب کوئی شخص معتزلہ کی تفاسیر سے اہل سنت کے خلاف عقائد پیش کرنے لگے تو وہ ناقابل اعتبار اور قابل ردّ ہیں۔ عقیدہ کا مبحث معتزلہ کے حوالے سے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کسی معتزلی، خارجی، رافضی، سبائی، جصاص اور مودودی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق خیر اور حسن ظن کی توقع عبث ہے۔

جصاص کے اعتزال کے متعلق طبقات کی ہر کتاب میں تذکرہ موجود ہے لیکن کلیۃ الشریعہ جامعہ ازہر کے پروفیسر اور مصر کے ممتاز عالم ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے اپنی کتاب ''التفسیر والمفسرون'' میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری نے ''تاریخ تفسیر ومفسرین'' کے نام سے کیا ہے۔

موصوف نے اس کتاب میں ''حملة الجصاص علی معاویة'' (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر

جصاص کی یورش) کا عنوان قائم کر کے مختلف عبارات نقل کی ہیں اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں کہ:

''جصاص کا یہ طرز عمل سخت قابل اعتراض ہے۔ اچھا ہوتا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں ملوث نہ کرتے اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیتے۔ مذکورہ صدر آیات کو اپنے جذبات واحساسات کے سانچہ میں ڈھالنا بھی کوئی قابل تعریف کام نہیں۔''[1]

بہر حال جو شخص بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ''ظلم'' اور ''تغلب'' کی نسبت کرتا ہے اس سے بڑھ کر ''اظلم اور افجر'' کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

① تاریخ تفسیر ومفسرین ص604

46

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بدترین بادشاہ تھے

ناقدین صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کبھی تو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے لڑ کر اور بزور خلافت حاصل کی اور ان کے خلیفہ بننے میں مسلمانوں کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں تھا اور کبھی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان کا شمار خلفاء میں نہیں ہوتا بلکہ وہ ''شر الملوک'' میں سے ہیں۔ جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی اور یہ مدت ربیع الاول 41ھ میں ختم ہوگئی جبکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔''①

محمود شاہ محدث ہزاروی اس ملوکیت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

''امر دین کا نبوت و رحمت سے آغاز ہوا جو آپ کے وصال مبارک پر ختم ہوگیا۔ پھر خلافت و رحمت ہوگی جو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد ختم ہوگئی ''ثم کان ملکا عضوضا'' پھر ہونے والی ہے مملکت شاہی نہایت درندہ، خلق پر سخت مشقت و اذیت کا باعث، آفات و بلیات فتنوں کا مرکز، فسادات کا سرچشمہ، پھر وہ حکومت حد شکن ہونے والی ہے۔ تعدی اس کی سرشت ہی ہوگی۔ اور وہ جبری آمریت غاصبہ ہوگی اور وہ پوری امت کا فساد ہوگی......

خلافت راشدہ حقہ اس کی کھلی دلیل ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے ظاہری و باطنی عروج و بلندی کا موجب ہوا ہے۔ اور اس کے برعکس خلافت غاصبہ باطلہ نے اسلام اور اہل اسلام کے شیرازہ کو منتشر اور تتر بتر کر دیا۔''②

جس حدیث کی رو سے خلافت راشدہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو خلفائے اربعہ یا تیس سال

① خلافت و ملوکیت ص 148
② جامع الخیرات ص 337، 340

تک محدود کیا جاتا ہے وہ حدیث سفینہ ہے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ''خلافت تیس سال تک رہے گی پھر بادشاہی آ جائے گی۔ سعید بن جمہان کا بیان ہے کہ پھر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ آپ خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ دو سال، خلافت عمر رضی اللہ عنہ دس سال، خلافت عثمان رضی اللہ عنہ بارہ سال اور خلافت علی رضی اللہ عنہ چھ سال شمار کریں۔''①

جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بنو امیہ تو یہ گمان کرتے ہیں کہ خلافت ان کے پاس ہے اور اپنے آپ کو خلفاء میں شمار کرتے ہیں اس پر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بنو زرقاء جھوٹ بولتے ہیں ''بل هم ملوک من شر الملوک '' بلکہ وہ تو بدترین بادشاہوں میں سے ہیں۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو وہ روایتاً و درایتاً غلط ہے۔ اتنی اہم اور غیر معمولی خبر کو حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی روایت نہیں کرتا اسی طرح ان سے سعید بن جمہان کے سوا کوئی دوسرا بیان نہیں کر رہا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا انتقال 74ھ میں ہوا اور سعید بن جمہان 136ھ میں فوت ہوئے گویا کہ سعید بن جمہان نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے باسٹھ برس بعد انتقال کیا۔ معلوم نہیں کب، کہاں اور کس عمر میں سماع کیا ہوگا؟

روایت کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہو سکتا بلکہ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک حساب کر کے ایک خاص مقصد کے لیے اسے وضع کیا گیا ہے......

علاوہ ازیں اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت بھی غلط بتائی گئی ہے۔ وہ کسی طرح بھی چھ سال نہیں ہے۔

روایت کا آخری جملہ ''بل هم ملوک من شر الملوک'' بھی اس کے موضوع ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ اور یہ حدیث کے الفاظ بھی نہیں بلکہ راوی کی اپنی رائے ہے۔ نیز اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا گیا جبکہ اس روایت کو صحیح تسلیم کرنے والے بھی انہیں یہ مقام نہیں دیتے۔

①مشکوۃ کتاب الفتن ص 463

کیا حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یکے از ''ملوک من شر الملوک'' تھے؟ یہ ان پر بدترین الزام ہے۔

اگر ان کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہی حیثیت ہوتی تو وہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے ہاتھ پر کبھی بیعت نہ کرتے۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی تعداد بھی سعید بن جمہان کی اس کہانی سے آگاہ نہیں تھی؟

اگر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ روایت صحیح تھی تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کیوں نہیں کی؟ اور غیر جانب دار رہنے والوں میں کیوں شامل ہو گئے؟ ایسی صورت میں تو انہیں جنگ جمل و صفین میں سب سے آگے ہونا چاہیے تھا لیکن وہ تو پیچھے بھی کہیں نظر نہیں آتے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''**هذا حديث لا يصح**'' یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

مشہور محقق اسلام علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''کیونکہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے اس کا راوی سعید بن جمہان ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض نے اسے ثقہ کہا۔ امام ابوحاتم نے کہا کہ اس بوڑھے سے احتجاج نہ کیا جائے۔ اور اس کی سند میں حشرج بن نباتہ واسطی ہے بعض نے اسے ثقہ کہا ہے اور نسائی نے کہا کمزور ہے۔ اور عبداللہ بن احمد بن حنبل اس حدیث کو سوید طحان سے روایت کرتے ہیں اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تقریب میں کہتے ہیں کہ اس کی حدیث کمزور ہے۔''①

علامہ ابن العربی رحمہ اللہ نے اس کتاب کا نام ''العواصم من القواصم'' رکھا یعنی وہ چیزیں جو ایمان کو توڑ دیتی ہیں اور برباد کر دیتی ہیں، ان سے محفوظ رکھنے والے حقائق۔ اسی وجہ سے جدید عربی میں عاصمہ چھاؤنی کو کہا جاتا ہے۔ اور قواصم ''قاصمة'' کی جمع ہے۔ یعنی توڑ دینے والی۔ یعنی انسان کے لیے کمر توڑ حادثہ۔ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں یہ فرمایا ہے کہ ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے'' گویا ان کے نزدیک اس حدیث کی صحت کا قائل ہونا بھی ''کمر توڑ حادثہ'' سے کم نہیں ہے۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

---

① العواصم من القواصم اردو ص 326

حدیث ''الخلافة بعدی ثلاثون سنة'' کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے کیونکہ اس کی صحت پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی۔①

محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی'' اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے جیسا کہ ناقدین حدیث نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسلام کی چکی میرے بعد پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال تک چلتی رہے گی۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوسکتا کہ 37 سال کے بعد حکومت اسلام ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے بس یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اتنی مدت تک رہے گا۔ تو اس میں سات سال خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھی شامل ہیں۔ پھر ان کو خلفاء سے الگ کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟

نیز مسلم شریف کی حدیث صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دین اسلام معزز اور مضبوط رہے گا بارہ خلفاء تک جو سب قریش سے ہوں گے۔ ان بارہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً داخل ہیں کہ وہ صحابی ہیں اور ان کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی بہت تھا۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں حدیث میں ان بارہ کو خلفاء کہا گیا ہے ''ملک'' نہیں۔②

مفکر اسلام مفتی محمد اسحاق صدیقی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''خلافت صرف تیس سال باقی رہنے والی روایت ثابت ہی نہیں اور اگر بالفرض ثابت ہو تو علمائے محققین کے نزدیک ظاہر پر محمول نہیں بلکہ مؤوّل ہے...... لیکن راقم کے نزدیک یہ حدیث ثابت ہی نہیں اس لیے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔''③

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی جس روایت پر تیس سالہ خلافت راشدہ کی جو بلند و بالا عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ وہ بنیاد مٹی کا ایک ڈھیر ہے۔ اس تیس سالہ داستان کی تردید بہت سی احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے جن

① تاریخ ابن خلدون اردو ص 551۔ ج 1
② براۃ عثمان رضی اللہ عنہ ص 57
③ اظہار حقیقت ص 444 ج 3

میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(1) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں تھی۔ اور ایک نبی کے بعد دوسرے نبی ان کے جانشین ہوتے تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے جو بکثرت ہوں گے۔''①

اس حدیث میں آپ نے ''فیکثرون'' کا لفظ استعمال فرما کر واضح کر دیا ہے کہ آپ کے بعد جو خلفاء ہوں گے وہ دو چار نہیں بلکہ کثرت کے ساتھ ہوں گے۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اسلام بارہ خلفاء کے دور تک ہمیشہ غالب رہے گا۔ جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔''②

ابوداود کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ایسے بارہ خلفاء جن پر امت کا اجماع ہو۔③

اور طبرانی نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں کہ ان بارہ خلفاء کو کسی دشمن کی عداوت نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بے شک یہ امر خلافت قریش کے ہاتھ میں رہے گا جو شخص اِن سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل گرا دے گا (یہ امر اِن کے پاس اس وقت تک رہے گا) جب تک وہ دین کو قائم کرتے رہیں گے۔④

(3) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا ایک ترازو آسمان سے اتری جس میں آپ (ﷺ) کو اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو آپ ﷺ ترجیح لے گئے۔ پھر ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو تولا گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ترجیح لے گئے۔ پھر عمر و عثمان رضی اللہ عنہما

① صحیح بخاری کتاب الانبیاء۔ رقم الحدیث 3455
② صحیح مسلم کتاب الامارۃ۔ ج2 ص119
③ سنن ابی داؤد۔ کتاب الفتن ج2 ص239
④ صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش۔ رقم الحدیث 3500

کو تولا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ ترجیح لے گئے۔ پھر وہ میزان اٹھالی گئی۔ اس خواب سے رسول اللہ ﷺ مغموم ہوئے اور پھر فرمایا یہ خلافت نبوت ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے ملک وحکومت عطا کریں گے۔''①

کیا اس حدیث کا سہارا لے کر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت راشدہ سے خارج کر کے ملوکیت میں داخل کر سکتا ہے؟

الغرض رسول اللہ ﷺ تو فرما رہے ہیں کہ:

میرے بعد بکثرت خلفاء ہوں گے۔ بارہ خلفاء کے دور تک اسلام غالب رہے گا۔ یہ سب قریش میں سے ہوں گے انہیں کسی دشمن کی عداوت نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ سب سے بہتر میرا دور ہے۔ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی سے اللہ تعالیٰ فتح نصیب کریں گے۔ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں اور ان کا دور رشد وہدایت کا دور ہوگا وغیرہم۔

لیکن ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ آج خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کو ملوکیت، کاٹ کھانے والا دور، جبری آمریت غاصبہ اور خلافت غاصبہ باطلہ کہا جا رہا ہے، ان پر طعن وتشنیع کی جا رہی ہے اور ان کی خلافت کو غیر راشدہ کا نام دیا جا رہا ہے۔ جبکہ قرآن انہیں خیر امت قرار دے رہا ہے۔ انہیں سچا مومن کہہ رہا ہے۔ انہیں ''حِزْبُ اللّٰهِ، خَيْرُ الْبَرِيَّةِ، هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، هُمُ الْفَآئِزُوْنَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اور اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ'' کی سند عطا کر کے ان کی اتباع وپیروی کا حکم دے رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تمام دور رشد وہدایت کا دور ہے قرآن نے جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو راشد کہا یہ خلیفہ ہوں تب بھی راشد ہیں اور خلیفہ نہ ہوں تب بھی راشد ہیں۔ قرآن مجید میں اربعہ کا لفظ ہرگز استعمال نہیں ہوا کہ صرف چار راشد ہیں اگر خلفائے راشدین کو خلافت نہ ملتی تو کیا وہ راشد نہ ہوتے؟ راشد تو وہ از نص قرآن تھے۔ خلافت ان کا منصب ہو گیا اس لیے وہ خلیفہ راشد ہو گئے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو منصب خلافت کے حامل ہر صحابی کو خلیفہ راشد کہنا چاہیے۔

آیت استخلاف کو تختۂ مشق بناتے ہوئے ''تیس سال والی روایت'' کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کو خلافت راشدہ سے خارج کرنے کے لیے ہی وضع کیا گیا ہے۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

① مشکوٰۃ باب مناقب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ص 560

جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک ممتاز فرد ہیں۔

اس لیے وہ یقیناً ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق ﴿أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ میں شامل ہیں۔ اور دنیا کی کوئی طاقت ان سے اللہ کا عطا کردہ یہ اعزاز نہیں چھین سکتی۔ ان کے ذریعے سے قائم شدہ نظام حکومت کو خلافت راشدہ اور انہیں خلیفہ راشد کے سوا دوسرا کوئی نام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ اور جو لوگ انہیں زمرۂ خلفائے راشدین سے خارج کرتے ہیں وہ اس ارشاد باری تعالیٰ پر مکرر غور کر لیں:

﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

راقم نے 832 صفحات پر مشتمل اپنی کتاب ''عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن، حدیث، سلف صالحین کی آراء کی روشنی میں خلیفہ راشد ثابت کیا ہے۔ تفصیل کے شائقین کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔

زیر بحث حدیث کے دوسرے راوی سعید بن جمہان (جن کا مختصر تعارف اوپر کرایا جا چکا ہے) کے بارے میں علمائے رجال کی آراء ملاحظہ ہوں:

ابن ابی حاتم رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

''ولا یحتج به'' ''اس سے احتجاج نہ کیا جائے۔''①

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ:

''وفی حدیثه عجائب''②

''اس کی روایات میں عجیب وغریب باتیں ہوتی ہیں۔''

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''روی عن سفینة احادیث لا یرویها غیره'' ''سعید بن جمہان حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات بیان کرتے ہیں جو ان کے سوا کوئی دوسرا راوی ذکر نہیں کرتا۔③

ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی یہی قول ذکر کیا ہے۔④

① کتاب الجرح والتعدیل ص 10 ج 2
② تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ص 116
③ تہذیب التہذیب ص 14 ج 4
④ الکامل لابن عدی تحت سعید بن جمہان

السا جی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

''لا یتابع علی حدیثه''

''اس کی حدیث کا کوئی متابع نہیں پایا جاتا۔یعنی وہ ان چیزوں کے نقل کرنے میں منفرد ہیں۔''①

مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''ملک'' ثابت کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے۔اور ان کے نزدیک ''ملوکیت'' خلافت کی ضد ہے۔اس لیے انہوں نے ملوکیت میں تمام مفاسد ومعائب کو داخل کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خوب مطعون کیا ہے۔

موصوف کے نزدیک ملوکیت کے معنی زور، جبر، ظلم وتعدی، بے انصافی و بے اعتدالی اور خودغرضی اور خود پسندی کے ہیں۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ''خلافت وملوکیت'' تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔قرآن کریم، احادیث اور عام محاورات واستعمالاتِ عرب میں خلیفہ وخلفاء، امام وائمہ، ملک وملوک، سلطان وسلاطین اور امیر وامراء، یہ سب الفاظ اپنے مصداق میں مترادف اور ہم معنی ہیں۔

بادشاہت یا ملوکیت بذات خود کوئی بری چیز نہیں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی آیا ہے۔قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ آج کس کی بادشاہی ہے۔

جواب میں فرمایا:

﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ آج اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہے۔جو ایک ہی ہے اور غلبہ رکھنے والا ہے۔

﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ اللہ بلند ہے اور سچا بادشاہ ہے۔

نیز فرمایا:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ﴾ اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے اور اس کی ذات پاک ہے۔یہی ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ ہے۔یعنی لوگوں کا بادشاہ ہے۔

حدیث میں بھی اللہ کے لیے یہ لفظ آیا ہے:

---

① تہذیب التہذیب ص 14 ج 4

''انا مالک الملوک وملک الملوک'' میں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔①

بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے درخواست کی کہ ﴿ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا﴾ ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم جہاد کریں۔ انہوں نے بتایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا﴾②

''کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔''

اگر ملوکیت میں باعتبار ذات کوئی عیب ہوتا تو نہ وہ پیغمبر ان کے لیے کسی بادشاہ کی درخواست کرتے اور نہ اللہ تعالیٰ ہی اس درخواست کو شرف قبولیت بخشتے۔ بلکہ صاف فرما دیتے کہ ملوکیت ایک بری چیز ہے تم اس کی طلب کیوں کرتے ہو۔

ان ہی طالوت بادشاہ کے داماد حضرت داود علیہ السلام تھے جنہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ حضرت داود علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بادشاہی اسی طرح آئی تھی۔

﴿وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ﴾③

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾④

''اور وارث ہوا سلیمان داؤد (علیہما السلام) کا۔''

اور ﴿هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾⑤

''الٰہی! مجھے ایسی بادشاہی عطا کر جو میرے بعد بھی کسی کو نہ دی جائے۔''

اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقع پر بنی اسرائیل پر اپنے احسانات ذکر فرمائے ہیں اور ان میں جس طرح یہ احسان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں انبیاء پر انبیاء بھیجے اس کے ساتھ یہ احسان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بادشاہ بھی بنائے:

﴿اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾⑥

اس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ خلافت وملوکیت باہم مترادف ہیں۔ نہ تو خلافت سراپا خوبیوں کا

① مشکوۃ ص 323 ② البقرۃ:247
③ البقرۃ:251 ④ النمل:16
⑤ ص:35 ⑥ المائدہ:20

نام ہے اور نہ ملوکیت ہی سراپا برائیوں کا نام۔ ایک خلیفہ، راشد وارشد بھی ہوسکتا ہے اور ضال ومضل بھی۔ صالح وعادل بھی ہوسکتا ہے اور ظالم وسفاح بھی۔ اسی طرح ایک ''ملک'' صالح بھی ہوسکتا ہے اور مفسد بھی۔ خلافت، راشدہ عادلہ وحقہ بھی ہوسکتی ہے اور ضالہ و باطلہ بھی۔ اسی طرح ملوکیت حسنہ بھی ہوسکتی ہے اور سیئہ بھی۔

پس اگر ایک خلیفہ عادل ہے اور اس کی حکومت قرآن وسنت کے مطابق کام کرتی ہے تو وہ خلافت راشدہ یا اس کا حصہ ہے۔ اور اگر خلیفہ ظالم ہے اور اس کی حکومت قرآن وحدیث کے خلاف کام کرتی ہے تو وہ خلافت ضالہ اور باطلہ ہے۔ یہی حال ''ملک'' کا بھی ہے۔ اوپر بتایا گیا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

اور قرآن نے ایک مفسد ''ملک'' کا بھی ذکر کیا:

﴿وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴾[1]

''وہ ایک بادشاہ تھا جو لوگوں کی کشتیاں بزور چھین لیتا تھا۔''

اور ایسے ہی بادشاہوں کی مثال دیتے ہوئے ملکہ سبا کی زبانی بتایا گیا ہے:

﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا ﴾[2]

''کہ ظالم جب کسی بستی پر قبضہ کرتے ہیں تو اسے الٹ پلٹ کر پھینک دیتے ہیں۔''

جس طرح خلافت، راشدہ وحقہ وہ ہے جو علیٰ منہاج النبوۃ تشکیل پائے بالکل اسی طرح جس شاہی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شاہی بیان کریں (**الخلافة بالمدينة والملك بالشام**)، جسے پسند فرمائیں اور جس پر فخر کریں تو وہ ملوکیت بھی علیٰ منہاج النبوۃ ہی ہے۔ (اور جو حکومت علیٰ منہاج النبوۃ تشکیل پائے تو بالفاظ دیگر وہ خلافت راشدہ ہی ہے) جیسا کہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی روایت میں مذکور ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن دوپہر کو ان کے ہاں استراحت فرما رہے تھے کہ مسکراتے ہوئے نیند سے اٹھے اور خبر دی کہ انہیں ان کی امت کے کچھ لوگ دکھائے گئے ہیں جو سمندر کی موجوں پر سوار کفار کے خلاف جہاد کے لیے نکلے ہیں آپ نے وفور مسرت سے انہیں جنت

---

[1] کھف: 79
[2] النمل: 34

کی خوشخبری سنائی اور ان کے حق میں فرمایا کہ ''کالملوک علی الاسرة'' وہ ایسے ہیں جیسے بادشاہ اپنے شاہی تختوں پر بیٹھے ہوں۔''①

محدثین کے نزدیک اس حدیث کے مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء ہیں۔ گویا اگر وہ ''ملک'' بھی ہیں تو ان کی ملوکیت بھی خود باری تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ہے۔

بعد کی تاریخ میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ تک کتنے ایسے بادشاہ ہوئے جو صالح، عادل اور متقی تھے۔ مودودی صاحب نے خود سعودی ''ملک'' سے علاوہ وظائف وتحائف کے میڈل بھی وصول کیا۔ معلوم نہیں یہ چیزیں ان پر لعنت وتبرا کرتے ہوئے وصول کیں یا تولاً اور محبت کرتے ہوئے۔

زیر بحث روایت میں جو ''شر الملوک'' کے الفاظ آئے ہیں وہ

اولاً: (بشرط صحت روایت) راوی کی ذاتی رائے ہیں۔ اور

ثانیاً: ان سے بھی ملوکیت کا ناجائز اور باطل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس روایت میں بنوزرقاء کو تو ''شر الملوک'' کہا گیا ہے لیکن ملوکیت کو برا نہیں سمجھا گیا۔

اوپر یہ بات بدلائل ثابت کی جا چکی ہے کہ یہ حدیث روایتاً ودرایتاً ناقابل احتجاج ہے۔ کسی راوی نے بنوامیہ کو خلافت سے باہر رکھنے اور بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو زمرۂ خلفائے راشدین سے خارج کرنے کے لیے اسے وضع کیا ہے۔ جبکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق، عادل اور راشد ہیں۔

① صحیح بخاری کتاب الجهاد باب ماقیل فی قتال الروم۔ ص 392 ج 1

47

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ختم نبوت کے منکر تھے

دشمنانِ صحابہ نے طبری کی ایک روایت کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انکار ختم نبوت کا الزام عائد کیا ہے۔

چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''عمرو بن عاص ایک وفد لے کر مصر سے معاویہ کے پاس آیا اور راستے میں انہیں سکھا دیا کہ جب معاویہ کے پاس جاؤ تو اس پر خلافت کا سلام نہ کرنا۔ جب عمرو ان لوگوں سے پہلے معاویہ کے پاس پہنچ گیا اور معاویہ بھی عمرو بن عاص کی حرکت کو سمجھ چکا تھا تو معاویہ نے دربان سے کہا ان مصریوں کو ڈرا دھمکا کر لاؤ۔ میرا گمان ہے کہ عمرو ان کو کچھ سکھا کر لایا ہے۔ جب دربان ان مصریوں کو لایا تو سب سے پہلے ایک شخص ابن خیاط نامی داخل ہوا اور اس نے آتے ہی معاویہ سے کہا ''السلام علیک یا رسول اللہ'' بعد میں سب لوگ اسی طرح سلام کرتے رہے۔ عمرو بن عاص جب ان لوگوں کو دوبارہ باہر لے گیا اور ان سے کہا خدا تم کو رسوا کرے میں نے تمہیں معاویہ کے سلام سے بھی منع کیا تھا اور تم نے اسے نبوت کا سلام کر دیا......

ابن خیاط نے جب معاویہ کو ''السلام علیک یا رسول اللہ'' کہا تو اس نے برا کام کیا اور اس برائی سے روکنا اور حقیقت بتلانا معاویہ کے لیے ضروری تھا لیکن اس کا خاموش رہنا اور تردید نہ کرنا پسر ہند کے چھپے ہوئے نفاق کی دلیل ہے۔

اربابِ انصاف! مذکورہ واقعہ سے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ختم نبوت کے انکار کی تائید بھی ہوتی ہے۔ پس مرزا اور معاویہ میں فرق کرنا قوم معاویہ کی صوابدید پر ہے۔ ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ اراکین انجمن تحفظ ختم نبوت کو دعوت فکر ہے کہ آپ توپوں کا رخ کبھی شام کی

طرف بھی کر لیا کریں۔ کیونکہ ایک منکر ختم نبوت دمشق میں بھی دفن ہے۔''①

اس روایت کو بھی امام طبری نے نقل کیا ہے پھر چند دیگر مورخین نے اس کی اتباع میں اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے گویا ان سب کا ماخذ تاریخ طبری ہے۔ امام طبری کے حالات، عقائد ونظریات جاننے کے لیے راقم الحروف کی کتاب: ''امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز'' کی طرف مراجعت کریں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جناب طبری کا حوالہ اس واقعہ کے غیر صحیح اور غیر معتبر ہونے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ موصوف سے ان کی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''خیر'' کی کوئی توقع نہیں ہے۔

علاوہ ازیں زیر بحث روایت کا آخری راوی فلیح بن سلیمان (متوفی 168ھ) ہے۔ علمائے رجال نے اس پر جرح اور کلام کیا ہے کہ یہ ناقابل احتجاج ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف اور ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے کثیر الخطا کہا ہے۔②

پھر یہ بزرگ جس سے روایت لے رہے ہیں وہ مجہول ہیں کیونکہ فلیح ''اخبرت'' (مجھے خبر دی گئی) کے لفظ سے واقعہ مذکور بیان کر رہے ہیں ان کو خبر دینے والی ذات شریف کون ہے؟ کن عقائد ونظریات اور کس کردار کی حامل ہے؟ اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔

مزید برآں...... حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ اور عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں بھی مصر کے گورنر رہے۔ پھر عہد مرتضوی میں محمد بن ابی بکر گورنر مصر کی طالبین قصاص عثمان رضی اللہ عنہ پر بے جا سختیوں اور تشدد کی بنا پر 38ھ میں مصر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدود خلافت سے آزاد ہو کر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر انتظام آ گیا تو سہ بارہ اس کے گورنر مقرر ہوئے اور آں محترم اس منصب پر اپنی وفات 43ھ تک فائز رہے۔ پھر معلوم نہیں کہ انہوں نے کس مقصد کے لیے وفد بھیجا تھا؟

فلیح بن سلیمان اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک سو پچیس سال کا خلا ہے۔ جسے صرف ایک مجہول راوی کے ذریعے سے پُر کیا گیا ہے۔

یہ واقعہ درایتاً بھی غلط اور باطل ہے۔ کیا ایک صحابی گورنر خلیفہ کے پاس وفد بھیجتے وقت یہ ہدایات

---

① خصائل معاویہ ص 161، 162

② تھذیب التھذیب ص 304 ج 8 تحت فلیح بن سلیمان

دے سکتا ہے؟ پھر وہ وفد بھی اتنے غبی اور احمق افراد پر مشتمل ہے جو گورنر کی موجودگی میں اس کی ہدایات کو نظر انداز کر کے "**السلام علیک یا رسول اللہ**" کے الفاظ سے سلام کر رہا ہے؟

اگر بفرض محال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شوقِ رسالت میں سکوت اختیار کر لیا تھا تو جو گورنر خلافت کا سلام ناپسند کرتا تھا اس کی موجودگی میں رسالت کا سلام پیش کر دیا گیا تو اس موقع پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ضرور اپنا کردار ادا کرنا چاہیے تھا۔

پھر ختم نبوت کے انکار سے تو ایک مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو اس واقعہ کے بعد بھی سترہ سال تک وہ منصب خلافت پر کس طرح فائز رہے؟ مزید حیرانی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وفد کی آمد سے قبل ہی اپنے دربانوں کو اس کی سازش و چالاکی سے آگاہ کر کے یہ حکم بھی دے چکے تھے کہ تم انہیں مرعوب کرنے کی پوری کوشش کرنا۔ مگر ان دربانوں نے بھی تعمیل نہیں کی؟ بعد میں اگر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے وفد کی سرزنش اس وجہ سے کی کہ میں نے تمہیں سلام خلافت سے منع کیا تھا تم نے انہیں مزید عزت دے کر رسالت کا سلام پیش کر دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے فریضہ پر سختی کے ساتھ کاربند تھے۔ اس کی چند مثالیں زیر عنوان "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ریشمی لباس پہنتے تھے" آ رہی ہیں۔ اور سلام رسالت تو سب سے بڑا منکر تھا۔ اس پر تو خاموشی اختیار کی ہی نہیں جا سکتی تھی۔

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک شخص **ذوالخمار** کو اس کے ارتداد کی بنا پر قتل کر دیا تھا۔ ①

اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دورِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں جنگ یمامہ میں منکرین ختم نبوت اور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور ایک روایت کے مطابق مسیلمہ ان ہی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ②

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ وہ ختم نبوت کے منکر تھے سراسر لغو، بے بنیاد، خلافِ حقیقت اور دشمنانِ صحابہ کا وضع کردہ ہے۔

---

① تفسیر ابن کثیر تحت آیت: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ ... النساء: ۹۳۔
② فتوح البلدان، بلاذری اردو ص 140

48

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سبّ وشتم کا الزام

دشمنانِ صحابہ کے علاوہ بعض ''مدعیان اہل سنت'' بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے۔

چنانچہ جناب سید ابوالکلام صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ازاں جملہ بنی امیہ اور آل مروان کی ایک سب سے بڑی ہادم شریعت اور پر معصیت وفسق وعدوان بدعت شنیعہ وہ تھی جس کا انتقامانہ اتباع برادران شیعہ نے شروع کیا......یعنی سب سے پہلے سرزمین اسلام میں جو رحم ومحبت اور صلح واخوت ہی کی تخم ریزی کے لیے بنی تھی سب وشتم اور لعن وتبرے کا تخم انہوں نے بویا۔ مقدس مساجد اسلام میں جو صرف عبادت اور اطاعت الٰہی واذکار واشغال مقدسہ کے لیے بنائی گئی تھیں، اپنے اغراض نفسانیہ، منکرہ سیاسیہ سے اہل بیت نبوت اور امیر علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجنی شروع کی۔ اور جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں اس فعل شنیع منکر کو (کہ نہیں جانتا کہ اس کو کن لفظوں سے تعبیر کروں) داخل کر دیا چنانچہ تکبیر وتسبیح کی صداؤں میں خطیب منبر پر چڑھتے تھے اور تحمید وتقدیس وصلوٰۃ وتسلیم کے بعد آخر میں حضرت علی علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجتے تھے۔ اور پھر شمشیر ظلم سے لوگوں کی زبانوں کو اس طرح لرزاں وترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح فسق عظیم ومعصیت کبریٰ وہتک شریعت الٰہیہ کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔''[1]

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ

---

[1] الهلال ص 363 ج 2

کرتے تھے۔حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول ﷺ پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور ﷺ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔''①

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کا اس سے زیادہ مکروہ نقشہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنر دین واخلاق اور شریعت تو درکنار انسانی اخلاق سے بھی عاری تھے۔معترضین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شریعت کا مخالف، اخلاق کا دشمن، خطبہ جمعہ جیسے پاک عمل میں گندگی وغلاظت اچھالنے اور اچھلوانے والا اور مکروہ بدعات کا مرتکب قرار دے کر خود صحابہ رضی اللہ عنہم پر سب وشتم کی بوچھاڑ کردی ہے۔مودودی صاحب کا یہ مضمون پڑھ کر اہل تشیع نے بھی یہ گرہ لگائی کہ:

''بات یہ ہے کہ شیعوں کی تنقید کو سب وشتم قرار دیا جاتا ہے حالانکہ سنی حضرات بھی صحابہ کرام کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے۔ترجمان القرآن کے تازہ شماروں میں مولانا مودودی کے قلم سے خلافت راشدہ سے ملوکیت تک کا مقالہ شائع ہوا ہے۔مولانا نے اس مقالہ میں صحابہ کرام پر ہی نہیں بلکہ صحابہ کرام کے سرخیل یعنی خلفائے راشدین پر بھی تنقید فرمائی ہے۔اگر یہی تنقید ایک شیعہ کے قلم سے شائع ہوتی تو یقیناً صحابہ کرام پر سب وشتم قرار دی جاتی۔کیا مولانا مودودی صاحب پر بھی صحابہ کرام پر سب وشتم کرنے کا فتویٰ صادر فرما کر دیانت داری کا ثبوت فراہم کیا جائے گا؟''②

شیعہ حضرات کے مشورہ کے بغیر بھی اس وقت علمائے کرام نے اپنا فریضہ خوب ادا کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن ایسے تمام ہی مکروہات، قصوں، کہانیوں اور داستانوں سے پاک ہے جنہیں یہودیوں، سبائیوں اور مجوسیوں نے ایک خاص مقصد کے لیے تصنیف کیا ہے۔

① خلافت وملوکیت ص 174

② ہفت روزہ رضا کار لاہور 16 جولائی 1965ء

حدیث اور تاریخ کی جن روایات سے آں محترم پر سب وشتم کا الزام عائد کیا جاتا ہے ان کا مختصر تجزیہ ملاحظہ فرمائیں:

''عن سعد بن ابی وقاص قال امر معاویة بن ابی سفیان سعدا فقال ما منعک ان تسب اباتراب فقال اما ما ذکرت ثلاثا قالهن له رسول الله ﷺ فلن اسبه... ''①

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان (رضی اللہ عنہما) نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کو علی رضی اللہ عنہ پر سب کرنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میں تین باتوں کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمائیں انہیں سب نہیں کروں گا۔''

جب کہ مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری نے حدیث کے الفاظ:

''امّر معاویة بن ابی سفیان سعداً ''

کا یہ معنی کیا ہے کہ:

''(حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا......''②

اس اعتراض کے محدثین نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ یہاں ''امر'' کا لفظ ''ما'' استفہامیہ کے ساتھ آیا ہے جس کے معنی دریافت کرنے کے ہیں۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''فقول معاویة هذا لیس فیه تصریح بانه امر سعدا بسبه... ''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں کہ انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سب علی رضی اللہ عنہ کا حکم دیا ہو۔ انہوں نے تو ان سے وہ سبب دریافت کیا جو مانع عن السب تھا۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ آپ تورع اور احتیاط کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے یا کوئی خوف مانع ہے۔ یا اس کا کوئی اور سبب ہے۔ اگر آپ تورع وتقویٰ اور شانِ علی رضی اللہ عنہ کی بنا پر ایسا کرتے ہیں پھر تو آپ درست کرتے ہیں۔ اگر کوئی اور مانع ہے تو اس کا جواب دوسرا ہے۔③

---

①صحیح مسلم کتاب الفضائل، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ص 278 ج 2
② سیرت امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ'' ص 74۔ مرتبہ حافظ نور محمد انور
③شرح مسلم، نووی ص 278 ج 2 تحت باب فضائل علی رضی اللہ عنہ

ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ:

''یحمل السب علی التغییر فی المذهب فیکون المعنی ما منعک ان تبین للناس خطاءہ و ان ما نحن علیه اسد و اصوب و مثل هذا یسمّٰی سبًّا فی العرف . . . و اما معاویة فحاشاه من ذلک لما کان علیه من الصحبة والدین ذالفضل و کرم الاخلاق۔''①

''یہاں لفظ ''سبّ'' اپنے موقف اور رائے کے بدلنے پر محمول کیا جائے گا (گالی کے معنی میں نہیں) پس اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ آپ کو کس چیز نے روک رکھا ہے کہ لوگوں کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو غلط نہ کہیں اور یہ بات کہنے سے کہ جس بات پر ہم ہیں وہ زیادہ صحیح اور بہتر ہے۔ عرب عرفاً ایسے موقف کو بھی ''سبّ'' سے ذکر کر دیتے ہیں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت ان چیزوں سے بالاتر ہے ان کا صحابی ہونا، ان کی دیانت اوران کے اخلاقِ فاضلہ کے اعتبار سے یہ بات ان کے شایانِ شان نہیں۔''

علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''المعنٰی مامنعک ان تخطئه فی اجتهاد وتظهر للناس حسن اجتهادنا۔''②

''اس کا معنی یہ لیا جائے گا کہ آپ کو کس چیز نے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے خطا فی الاجتہاد اور ہمارے صواب فی الاجتہاد کو لوگوں کے سامنے لانے سے روک رکھا ہے۔''

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اس کی تاویل واجب ہے۔ یا تو یہ کہ سب سے ان کے اجتہاد کی غلطی اور ہمارے اجتہاد کی درستی کا اظہار مراد ہے...... یا یہ تاویل کی جائے کہ انہوں نے سبّ علی رضی اللہ عنہ کا حکم نہیں دیا بلکہ سبب مانع کو دریافت کیا ہے۔''

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ (م 1239ھ) زیر بحث حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''بعض طرف دار معاویہ بن ابوسفیان کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

---

① اکمال اکمال المعلم تحت الحدیث

② مجمع البحار ص 83 ج2 تحت ''سب''

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تم سخت کلامی نہیں کرتے اور تم نہیں سمجھاتے کہ قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف داری سے وہ دست بردار ہو جائیں اور ان پر قصاص جاری کرنے کے لیے ان کو ہمارے سپرد کر دیں۔''

لیکن اس توجیہ میں دو خدشے ہوتے ہیں۔ایک خدشہ یہ ہوتا ہے اس مضمون سے لازم آتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ حیات میں یہ گفتگو ہوئی اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سعد رضی اللہ عنہ کی ملاقات نہیں ہوئی۔اس واسطے کہ سعد رضی اللہ عنہ ابتداء فتنہ سے موضع عقیق میں جو کہ مدینہ منورہ سے باہر ہے گوشہ نشین رہے اور ان ایام میں مدینہ منورہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آنے کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح ہونے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے واسطے آئے اور اس وقت انہوں نے صرف مدینہ کے لوگوں سے ملاقات کی۔

اور دوسرا خدشہ یہ ہوتا ہے کہ جواب سعد رضی اللہ عنہ کا ''امالما ذکرت فلانا......الخ۔اس توجیہ کے صراحتاً منافی ہے۔اس واسطے کہ کسی شخص کے کثرت فضائل مانع نصیحت اور پند گوئی کے لیے مانع نہیں ہوتے بلکہ بہتر یہی ہے کہ اس لفظ سے اس کا ظاہر معنی سمجھا جائے غایۃ الامر اس کا یہی ہوگا کہ ارتکاب اس فعل قبیح یعنی سبّ یا حکم سبّ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صادر ہونا لازم آئے گا۔تو یہ کوئی اول، امر قبیح نہیں ہے جو اسلام میں ہوا ہے اس واسطے کہ درجہ سبّ کا قتل وقتال سے بہت کم ہے۔چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ:

''سبّاب المؤمن فسوق وقتاله کفر''یعنی برا کہنا مومن کو فسق ہے اور اس کے ساتھ قتال کرنا کفر ہے۔اور جب قتال اور حکم قتال کا صادر ہونا یقینی ہے اس سے چارہ نہیں تو بہتر یہی ہے کہ ان کو مرتکب کبیرہ کا جاننا چاہیے لیکن زبان طعن ولعن بند رکھنا چاہیے۔اسی طور سے کہنا چاہیے جیسا صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کی شان میں کہا جاتا ہے جن سے زنا اور شراب خمر صادر ہوا۔رضی اللہ عنہم اجمعین۔اور ہر جگہ خطاء اجتہادی کو دخل دینا بے باکی سے خالی نہیں ہے۔''[1]

---

[1] فتاویٰ عزیزی کامل ص 238-239

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ چونکہ وہ یکے از عشرہ مبشرہ اور ایام فتن میں غیر جانبدار رہے تھے اس لیے انہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے اور ان سے اپنے موقف کی درستی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کے غلط ہونے کے متعلق ان کی رائے پوچھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا تھا مگر یہاں انہوں نے واضح طور پر ان کے فضائل بیان کیے...... یہ فضائل سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش رہے کہ اختلاف ان کی فضیلت میں نہیں ہے بلکہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے پر ہے۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فی الواقع حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سبِّ علی رضی اللہ عنہ کا حکم دے رہے تھے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان سے بھی لاتعلق رہنا چاہیے تھا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے بیعت علی رضی اللہ عنہ سے توقف کیا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی باضابطہ بیعت کی اور ان کے معتقد ہو گئے۔

نیز ان کے عدل وانصاف کے متعلق فرمایا:

''ما رایت احدا بعد عثمان اقضی بحق من صاحب ھذا الباب یعنی معاویۃ۔ ''①

''میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا''۔

پھر ایک دفعہ شام گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پورا رمضان گزارا۔②

علامہ خالد محمود کی زیرنگرانی ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور کا جنوری فروری 1960ء میں ''امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نمبر'' شائع ہوا جس کے بعض مضامین کو بعد میں (شوال 1408ھ) ہفت روزہ ''دعوت'' کے منتظم ابوالفاروق حافظ نور محمد انورؔ نے ''سیرت امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے علیحدہ کتابی صورت میں شائع کیا۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث روایت سے متعلق نور الحسن شاہ بخاری کی ''تحقیق'' ہدیہ قارئین کر دی جائے؛ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

''اس روایت کے راوی مندرجہ ذیل ہیں:

قتیبہ بن سعید، محمد بن عباد، حاتم بن اسماعیل، بکیر بن مسمار اور عامر بن سعد......

① البدایہ والنہایہ ص 123 ج8
② حوالہ مذکور ص 72 ج8

امام مسلم رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے قتیبہ بن سعید ثقہ ہیں مگر محمد بن عباد پر جرح کی گئی ہے۔ اگر روایت کے لفظ قتیبہ بن سعید کے ہوتے تو محمد بن عباد پر جرح مضر نہ تھی لیکن اب قابل لحاظ ہے۔

(1) محمد بن عباد کے متعلق شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''صدوق یھم ''① ''سچا تو ہے مگر اسے وہم ہو جاتا ہے۔''

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے محمد بن عباد نام کے پانچ شخص پیش کیے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی ثقہ نہیں۔

1۔ محمد بن عباد بن سعد...... محسن بن عیسیٰ کہتے ہیں مجہول ہے اور ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں ''لا اعرفه '' میں اسے نہیں جانتا۔

2۔ محمد بن عباد المھلبی ...... حربی اور ایک جماعت کا قول ہے ''لم یکن بصیرا بالحدیث '' اسے حدیث میں کوئی درک نہ تھا۔

3۔ محمد بن عباد بن موسیٰ ...... ابن معین رحمہ اللہ ''لم یحمده '' ابن معین نے اس کی تعریف نہیں کی۔ ابن عقدہ نے کہا ''فی امرہ نظر '' اس کے معاملے میں شک ہے۔

4۔ محمد بن عباد...... ثوبان کہتے ہیں کہ مجہول ہے۔

5۔ محمد بن عباد...... ''ضعفه الدارقطنی '' دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔②

(2) حاتم بن اسماعیل...... محمد بن عباد کے شیخ حاتم بن اسماعیل بھی مجروح ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''زعموا انه کان فیه غفلة '' لوگوں کا گمان ہے کہ اس میں غفلت پائی جاتی ہے۔③

نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''لیس بالقوی '' یہ قوی نہیں ہے۔④

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''صدوق یھم '' سچا تو ہے لیکن اسے وہم ہو جاتا ہے۔⑤

(3) بکیر بن مسمار...... حاتم بن اسماعیل کے شیخ بکیر بن مسمار بھی مجروح ہیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ''قال البخاری فی حدیثه بعض النظر '' امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا اس کی حدیث میں کچھ شک ہے۔⑥

①تقریب التھذیب ص 4529
②میزان الاعتدال ج 3 ص 716 تا 720
③④حوالہ مذکور۔ رقم 1554
⑤تقریب التھذیب ص 85
⑥میزان الاعتدال ج 1 نمبر 1281

(1) بہر حال یہ روایت ایک ایسی روایت ہے جس کے ایک دو نہیں متواتر تین راوی مجروح ہیں۔ جرح وتعدیل کے ائمہ اور اکابر علمائے حدیث نے انہیں مجہول، مشکوک، ضعیف غافل اور وہمی کہا ہے۔

(2) پھر روایت بالمعنی ہے۔ جیسا کہ مسلم کے الفاظ ''وتقاربا باللفظ'' (اور دونوں کے الفاظ قریب قریب ایک ہیں) سے ظاہر ہے نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث کے یہ الفاظ قطعی طور پر امام مسلم رحمہ اللہ کے ان شیوخ میں سے کسی ایک کے نہیں۔

(3) بہت ممکن ہے کہ پہلے ثقہ راوی عامر بن سعد رضی اللہ عنہ نے ''ان تسب'' کے لفظ نہ کہے ہوں ان کے لفظ کچھ اور ہوں اور یہ ساری حاتم بن اسماعیل اور محمد بن عباد کی غفلت اور وہم کی کرشمہ کاریاں ہوں......

(4) ہو سکتا ہے کہ مضمون بھی کوئی اور ہو اور ان حضرات کو وہم ہو گیا ہو اور انہوں نے اپنی غفلت اور بے پروائی کی بنا پر اس مضمون کو ''ان تسب'' کے الفاظ سے تعبیر کر دیا ہو۔

تعجب کا مقام ہے کہ ایک ایسی روایت کے پیش نظر جس کے راوی، جس کا مضمون، جس کے الفاظ کوئی چیز بھی محفوظ و معتبر نہیں۔ راوی ہیں تو شدید مجروح، مضمون ہے تو مشکوک اور الفاظ ہیں تو موہوم۔ اس ذات پاک پر کیچڑ اچھالی جاتی ہے جس کی امانت وصداقت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ رضی اللہ عنہ

اس سے زیادہ ظلم وستم اور کیا ہو گا کہ وہمی اور غافل راویوں کی غفلت کا خمیازہ بھگتیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ صحابی ہی نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے امیر اور خلیفۃ المسلمین ہیں۔

کیا امت محمدیہ، یہ ظلم وستم کرتی چلی جائے گی؟ اور وہ برابر امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سبّ وشتم کی تہمت لگاتی چلی جائے گی؟

آخر اس میں کیا قباحت ہے کہ ہم اس الزام کا سارا بوجھ ان وہمی، غافل اور مجہول راویوں کے سر پر رکھ دیں اور امیر المؤمنین، امام المسلمین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بار گراں سے سبکدوش کر دیں؟

کیا حضور کریم ﷺ کے ایک کبیر وجلیل صحابی کے دامن اخلاق کو یوں بری طرح داغدار کرنا گوارا ہے مگر وہمی، غافل اور خاطی راویوں کو غافل، وہمی اور خاطی کہہ دینا گوارا نہیں؟ کیا ''نیک بخت'' مسلمانوں کے ''ذوق سلیم'' پر بار ہو گا اگر یہ ایک بے گناہ صحابی رسول ﷺ کو بدنام کرنے کی بجائے دو یا تین راویوں کو غافل اور وہمی کہہ دیا جائے اور راویوں پر شدید جرح کی موجودگی میں سرے سے اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا جائے......

روایت کے اعتبار سے تو اس حدیث کا کوئی اعتبار نہیں رہا اب ذرا بلحاظ درایت بھی بحث کر لیں:

ہر صاحب علم کو معلوم ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں امارت وولایت کے منصب پر فائز نہیں ہوئے......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخر عہد میں جب فتنوں کا آغاز ہوا تو انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی......اسی عزلت اور گوشہ نشینی کی زندگی میں 50ھ یا 55ھ کو وفات پائی۔ ان حالات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیوں انہیں کسی صوبے کا امیر بنانے لگے تھے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ گوشہء عزلت چھوڑ کر آخر عمر میں کیوں معاویہ رضی اللہ عنہ کی دعوت پر امارت قبول کرنے لگے تھے لہٰذا اس حدیث کا پہلا لفظ ''**أَمَرَ معاوية بن ابی سفيان سعداً** '' ہی واقع کے خلاف ہے۔

...... بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی خلوت گزینی اور خانہ نشینی کے بعد ......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے آپ کی ملاقات ثابت ہی نہیں لہٰذا اصول درایت کے پیش نظر بھی یہ روایت نہایت پادر ہوا اور بے بنیاد ثابت ہوتی ہے اور اس روایت کی بناء پر جو نہ اصول روایت کی بناء پر مضبوط و مستحکم ہو اور نہ اصول درایت کی بناء پر جاگزیں و متمکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایسی عظیم شخصیت کے کردار اور اخلاق کو داغدار کرنا بڑی خطرناک جسارت و بے باکی ہے جس کی کسی منصف مزاج انسان سے توقع نہیں کی جا سکتی۔''①

مسند امام احمد کی ایک روایت کی رو سے بھی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر برسر منبر بحکم معاویہ ''سبّ'' کرنے کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ لیکن اس قسم کی تمام روایات میں تعارض کے علاوہ ان کے

① سیرت امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص 75 تا 81

رواۃ کے متعلق ضعف، سوء حفظ اور تشیع کی تصریحات بھی ملتی ہیں۔ ایک طریق میں علی بن عاصم ایک راوی ہے جس کے بارے میں علمائے رجال نے یہ جرح نقل کی ہے...... یزید بن ذریع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں علی بن عاصم سے ملا۔ انہوں نے کئی احادیث خالد الحذاء سے روایت کیں۔ میں نے خالد سے ان روایات کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ان سب کا انکار کر دیا...... الفلاس رحمہ اللہ کہتے ہیں اس میں ضعف ہے...... یزید بن ہارون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم ہمیشہ اسے کذاب ہی جانتے ہیں...... ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں......نسائی رحمہ اللہ نے اسے متروک الحدیث کہا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ قوی نہیں...... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں سچا تو ہے مگر خطا کرتا ہے۔ اور خطا پر اصرار بھی کرتا ہے اور تشیع سے بھی متہم ہے۔ ①

مسند احمد ہی کی ایک دوسری روایت میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بھی سبِّ علی رضی اللہ عنہ کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب لکھتے ہیں کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بعض اصحاب سے کہا: کیا تم لوگوں کے ہاں منبروں پر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سبّ وشتم کا ارتکاب کیا جاتا ہے؟ لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم نہیں کیا جاتا اور کیا اس طرح ان پر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے تھے سب وشتم نہیں ہوتا؟ میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے تھے۔ ②

اس روایت میں اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے لیکن ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ واقعہ بھی چونکہ خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس لیے یہ کام بھی ان ہی کے حکم سے ہوتا رہا...... اسی لیے ملک صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''ان احادیث میں منبروں پر جس سب وشتم کا ذکر ہے وہ بالیقین عہد معاویہ (رضی اللہ عنہ) ہی سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک سال پہلے ۵۹ ھ میں ہوئی تھی۔'' ③

اس حدیث کی سند میں ایک مرکزی راوی ابو عبداللہ جدلی ہیں جس کے متعلق علمائے رجال کی آراء ملاحظہ ہوں:

① میزان الاعتدال، تقریب التھذیب تحت علی بن عاصم
②③ خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 109

محمد بن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ویستضعف فی حدیثه و کان شدید التشیع۔''①

''حدیث کے معاملے میں ضعیف قرار دیا گیا ہے اور اس میں شدید قسم کا تشیع تھا۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ابو عبد اللہ الجدلی شیعی ... بغیض۔''②

''ابوعبداللہ جدلی شیعہ تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتا تھا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

بیانِ حدیث میں ضعیف ہے اور اس میں شدید قسم کا تشیع تھا اس کے علاوہ وہ مختار ثقفی کی پولیس کا سربراہ تھا۔③

تعجب ہے کہ اس قماش کے راویوں پر اعتماد کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب علی رضی اللہ عنہ کا الزام عائد کیا جاتا ہے......اب چند تاریخی روایات ملاحظہ فرمائیں:

(1) محمد بن سعد لکھتے ہیں کہ لوط بن یحییٰ کلبی نے بیان کیا کہ بنی امیہ کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خلیفہ بننے سے پہلے تمام والیانِ مملکت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے اس سے منع کر دیا۔④

(2) امام طبری بسند ہشام بن محمد کلبی اور لوط بن یحییٰ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے جب 41ھ جمادی الاخریٰ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور انہیں بلایا اور کہا میں تمہیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں ان کا پورا کرنا تمہاری مرضی پر منحصر ہے لیکن ان میں سے ایک پر عمل لازمی ہے وہ یہ کہ علی رضی اللہ عنہ پر لعن طعن اور ان کی مذمت سے پرہیز نہ کرنا۔''⑤

---

①طبقات ابن سعد ص 159 ج6 تحت ابی عبد اللہ جدلی
②میزان الاعتدال ص 544 ج4
③تہذیب التہذیب ص 148 ج12 تحت باب الکنی ابو عبد اللہ الجدلی
④طبقات ابن سعد ص 293 ج5 مطبوعہ بیروت
⑤تاریخ طبری ص 141 ج6 تحت 51ھ۔ الکامل ابن اثیر ص 234 ج3 تحت 51ھ

(3) امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے مروان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے:

''جب وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا والی مقرر ہوا تو یہ ہر جمعہ کے خطبہ میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اس کے جواب میں کہا کہ تیرے باپ حکم پر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر لعنت کی۔ تُو اس وقت اس کی پشت میں تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''**لعن الله الحكم وما ولد۔** '' ''اللہ کی لعنت ہو حکم پر اور اس کی اولاد پر۔''①

ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت بے سند نقل کی ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ نیز اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی الزام عائد ہوتا ہے...... ابن اثیر رحمہ اللہ کا ماخذ تاریخ طبری ہے جبکہ اس کے راوی ہشام بن محمد کلبی اور لوط بن یحییٰ ہیں۔ اور ابن سعد نے بھی لوط بن یحییٰ ہی سے روایت نقل کی ہے۔

علمائے رجال نے کلبی اور ابو مخنف پر شدید قسم کی جرح کی ہے کہ یہ غیر معتبر، ضعیف و متروک، قصہ گو، اخباری، رافضی اور آگ لگانے والے شیعہ ہیں۔②

یہ ملحوظ رہے کہ کلبی اور ابو مخنف صرف اہل سنت کے نزدیک ہی شیعہ نہیں بلکہ خود علمائے شیعہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں:

''**انه لا ينبغي التامل في كونه (لوط بن يحيى) شيعيا اماميا۔** ''③

''لوط بن یحییٰ کے شیعہ امامی ہونے میں کسی کو شک نہ کرنا چاہیے۔''

ہشام بن محمد بن السائب کلبی...... ''**اماميا لا شبهة فيه۔**'' ''ہشام بن محمد کلبی کے امامی شیعہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔''④

افسوس کہ مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات نے ان خبیث، مردود، سبائی، رافضی، شیعہ، کذاب اور دروغ گو راویوں پر اعتماد کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مکروہ الزام عائد کیا اور ان کے

---

① البدایہ والنہایہ ص 259 ج 8

② لسان المیزان ص 492 ج 4، ص 197 ج 6۔ میزان الاعتدال ص 260 ج 2، 256 ج 3

③ تنقیح المقال ص 44 ج 2۔ اعیان الشیعہ ص 153 ج 1

④ حوالہ مذکور ص 303 ج 3۔ حوالہ مذکور ص 154 ج 1

متعلق قرآن وحدیث کے واضح احکام کو پس پشت ڈال دیا۔ مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب کو داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے کس عیاری کے ساتھ ان کذابوں کا دفاع کیا۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''عجیب بات ہے کہ جب سے خلافت وملوکیت لکھی گئی ہے ہر شخص کتب رجال کے دفتر لے کر بیٹھ گیا ہے اور ایک ایک روایت کے راویوں کے حالات سنا رہا ہے کہ وہ ایسا تھا اور ایسا تھا...... دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کتب تواریخ کا مطالعہ کرنا چاہے وہ پہلے اپنے پاس **لسان المیزان، تہذیب التہذیب، کتاب الجرح والتعدیل** وغیرہ کی ضخیم مجلدات رکھے اور پھر ہر روایت کے رجال کی چھان بین ان کتابوں میں کرتا رہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتب رجال تحقیق حدیث کے لیے مدون کی گئی ہیں اور ان کی تجریحات کو تاریخی روایات اور ان کے راویوں پر چسپاں کرنا اصولاً صحیح نہیں...... مولانا مودودی کی نقل کردہ زیر بحث روایت کا ایک راوی ابومخنف ہے جسے ابن عدی کے حوالے سے محمد تقی صاحب نے ''جلا بھنا شیعہ'' قرار دیا ہے۔ مولانا مودودی صاحب کے دوسرے ناقدین نے بھی اس راوی کو بے تحاشا گالیاں دی ہیں۔

اب حال یہ ہے کہ ابن جریر کی دورِ فتن کی تاریخ کا تقریباً اسی نوے فیصد حصہ اس راوی کی روایات پر مشتمل ہے اور اگر یہ سب کذب وافتراء ہے تو پھر تاریخ طبری کو ہاتھ لگانا بھی گناہِ عظیم ہونا چاہیے۔''①

اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنران کے حکم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ''سبّ'' کرتے تھے تو اس ''سبّ'' کی حقیقت امام بخاری رحمہ اللہ نے یوں بیان کی کہ:

''ایک شخص نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا فلاں شخص امیر مدینہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برسر منبر برا کہتا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ انہیں ''ابوتراب'' کہتا ہے۔ تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ ہنسے اور کہا اللہ کی قسم یہ نام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہے اور اس سے زیادہ انہیں پیارا کوئی نام نہیں تھا۔''②

① خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 114، 116، 117

② صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب مناقب علی بن ابی طالب۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی رضی اللہ عنہ

یعنی اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لقب سے پکارتا جو نبی کریم ﷺ کو بہت زیادہ پسند تھا تو سبائی و مجوسی اسے فوراً ''سبّ'' کے نام سے موسوم کر دیتے۔ ظاہر ہے کہ ''ابوتراب'' کہنا ''سبّ'' میں داخل نہیں ہے۔ البتہ اسے گالی سمجھنا یقیناً ''سبّ'' کہلائے گا تو اس طرح ابوتراب کہنے والا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں نہیں دے رہا بلکہ اسے ''سبّ'' سمجھنے والا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کر رہا ہے۔

''سبّ'' ایک عام لفظ ہے جو مختلف معانی و مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں گالی دینا، ناروا تنقید کرنا، مخالفین کے موقف کی تغلیط کرنا، اور عار دلانا بھی شامل ہے۔

چنانچہ علامہ ابن منظور رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''والسب العار ویقال صار هذا الامر سبة علیهم... ای عار یسب به۔ ''①

''سب کا معنی عار دلانا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کام ان لوگوں پر ''سبہ'' ہو گیا یعنی عار بن گیا۔''

صحیح بخاری میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''انی سابیت رجلا فعیرته بامه فقال لی النبی ﷺ یا اباذر عیرته بامه انک امرؤ فیک جاهلیة... ''②

''میں نے ایک آدمی کو سبّ کیا (کہ تو ایک سیاہ رنگ کی عورت کا بیٹا ہے) تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو نے اسے ماں کے متعلق عار دلائی ہے ابھی تم میں جاہلیت کا اثر باقی ہے۔''

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر جگہ لفظ سبّ گالم گلوچ کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ نیز یہ لفظ خود رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی منسوب ہے۔

آپ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے سفر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ ہدایت فرمائی کہ کل جب تم تبوک کے چشمے پر پہنچو تو تم میں سے کوئی شخص میرے پہنچنے سے پہلے اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ اتفاق سے دو ساتھی قافلہ سے آگے نکل کر چشمہ پر پہنچ گئے اور پانی پی لیا۔ جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو:

''**فسبهما النبی ﷺ۔** ''نبی اکرم ﷺ نے دونوں کو سب کیا۔''③

---

① لسان العرب ص 456 ج 1

② صحیح بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاهلیه

③ صحیح مسلم باب معجزات النبی ﷺ

امام مالک رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو بایں الفاظ نقل کیا ہے:

''فسبهما رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقال لهما ما شاء الله ان يقول۔ ''①

''تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سب کیا اور جو اللہ نے چاہا ان دونوں سے فرمایا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''فاى مسلم لعنته او سببته فاجعل له زكوة ورحمة ''②

''پس جس مسلمان کو میں لعنت کروں یا برا کہوں تو اسے اس کے لیے پاکی ورحمت کا باعث بنا دے۔''

کیا یہاں لفظ ''سبّ'' سے گالی مراد لی جاسکتی ہے؟ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ لفظ استعمال فرمایا:

''ان عمر بن الخطاب قال يوم الخندق وجعل يسب قريش . . . ''③

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ خندق کے دن کفارِ قریش کو سبّ کرنے لگے۔''

''فاستب علی وعباس رضی اللہ عنہما'' حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما دونوں نے ایک دوسرے کو سبّ کیا۔④

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے درج ذیل الفاظ نقل کیے:

''اقض بينی وبين هذا الكاذب الاثم الغادر الخائن۔''

''میرے اور اس جھوٹے، گنہگار، غدار اور خائن کے درمیان فیصلہ کیجیے۔''⑤

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سبّ وشتم کا الزام اس لیے عائد کیا جاتا ہے کہ ان کے کسی گورنر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''ابوتراب'' سے مخاطب کر دیا۔ اور یہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''الكاذب، الأثم، الغادر، الخائن'' کہہ رہے ہیں۔ اگر ابوتراب کہنا سب وشتم کی بوچھاڑ ہے تو مذکورہ بالا الفاظ کو کیا نام دیا جائے گا؟

---

① موطا امام مالک، باب الجمع بين الصلوتين فی الحضر والسفر
② صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والادب، باب من لعنه النبی صلی اللہ علیہ وسلم وليس هو اهل لها
③ جامع ترمذی باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوة
④ صحيح بخاری كتاب المغازی، باب حديث بنو نضير
⑤ صحيح مسلم كتاب الجهاد والسير باب حكم الفیء

مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے''① اولادِ علی رضی اللہ عنہ پر عظیم ظلم ہے۔ آج اگر جماعت اسلامی کا ایک عام رکن اتنا غیور ہوسکتا ہے کہ وہ مودودی صاحب پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرنے والوں سے وظائف وتحائف وصول نہیں کرسکتا۔ کیا اولادِ علی رضی اللہ عنہ میں اتنی غیرت بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے کانوں سے یہ گالیاں سن کر بھی تادم زیست بخوشی وظائف وتحائف، ہدایا وعطایا وصول کرتے رہے۔

یہ حقائق اسی تاریخ میں واضح طور پر موجود ہیں کہ حضرات حسنین، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس اور دیگر ہاشمی حضرات رضی اللہ عنہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لاکھوں روپے بطور سالانہ وظائف اور ہر آمدورفت کے موقع پر علیحدہ عطیات وتحائف وصول کرتے رہے۔②

اولادِ علی اور خاندانِ علی رضی اللہ عنہ کا یہ وظائف وتحائف وصول وقبول کرنا الزام سب وشتم کی واضح تردید ہے۔

اگر بقول مودودی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گورنر مدینہ ''مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دیتا تھا'' تو نہ صرف اولادِ علی رضی اللہ عنہ بلکہ تمام مسلمان سراپا احتجاج بن جاتے۔ (کیا شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک شخص بھی ''حجر بن عدی'' جیسا بہادر نہیں تھا؟) اور قاضی شرع کے پاس استغاثہ دائر کرتے جبکہ مدینہ کے قاضی بھی ایک ہاشمی بزرگ تھے۔

حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کو جب منصب قضا کے لیے ایک قاضی کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا۔ تابعین رحمہم اللہ میں سے مدینہ کے یہ پہلے قاضی مقرر ہوئے۔③

اس وضاحت کے باوجود جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سب وشتم کی نسبت کو درست اور صحیح سمجھے تو اسے پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس ''کام'' کی ابتداء اور آغاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تو گورنروں پر یہ الزام تھا کہ وہ خطبہ میں گالیوں کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق تاریخ یہ بتاتی ہے کہ وہ نماز کے اندر لعن طعن کرتے تھے۔

① خلافت وملوکیت ص 174

② البدایہ والنہایہ ص 41 ج 8۔ جلاء العیون در بیان نصوص امامت ومعجزات امام حسن رضی اللہ عنہ

③ طبقات ابن سعد ص 13 ج 5۔ کتاب الثقات، ابن حبان تحت عبداللہ بن حارث

مودودی صاحب کی یہ بات اگر صحیح ہے کہ ''اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا'' تو خود نماز جیسی اہم ترین عبادت کو اس گندگی سے آلودہ کرنا دین واخلاق کے لحاظ سے کس قدر زیادہ گھناؤنا فعل ہوگا؟

مودودی صاحب کے محبوب ترین مفسر، محدث، فقیہ اور مورخ حضرت علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں بایں طور دعائے قنوت پڑھتے تھے:

''اللهم العن معاوية وعمرا وابا الاعور السلمي وحبيبا وعبد الرحمن بن مخلد والضحاک بن قيس والوليد فبلغ ذلک معاوية فكان اذا قنت لعن عليا وابن عباس والاشتر وحسنا وحسينا... ''①

''اے اللہ! معاویہ، عمرو بن عاص، ابوالاعور سلمی، حبیب بن مسلمہ، عبدالرحمن بن مخلد، ضحاک بن قیس اور ولید پر لعنت نازل کر...... پھر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی قنوت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، اشتر اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما پر لعنت بھیجنی شروع کر دی۔''②

بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ وظیفہ نماز کے بعد بھی پڑھنا شروع کر دیا:

''ولهذا قنت امير المومنين علیہ السلام على معاوية وجماعة من اصحابه ولعنهم فى ادبار الصلاة۔''③

''اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرض نمازوں کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں پر لعنت بھیجتے تھے۔''

اس تفصیل سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ''نہایت مکروہ بدعت'' عہد ملوکیت میں جاری نہیں ہوئی بلکہ اس کا آغاز ''عہد خلافت راشدہ'' میں ہوا ہے۔ اور اس کا آغاز خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا۔

اب ملک غلام علی صاحب نے دارالافتاء منصورہ شریف سے جو فتویٰ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جاری کیا ہے اس کی زد میں تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے:

① تاریخ طبری تحت 37ھ
② کامل ابن اثیر ص 333 ج 3۔ البدایہ والنہایہ ص 284 ج 7 تحت 37ھ
③ ابن حدید شرح نہج البلاغہ ص 8 ج 3

''اگر اسے سب وشتم سمجھا جائے تو اس کے ساتھ نبی ﷺ کا وہ ارشاد گرامی بھی سامنے رکھا جائے جو صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں مروی ہے **المتسابان ما قالاہ فعلی البادی منھما ما لم یعتد المظلوم** '' دو آدمی ایک دوسرے کی بدگوئی کرتے ہوئے جو کچھ بھی کہیں اس کا بوجھ ابتداء کرنے والے پر ہے۔ جب تک کہ مظلوم حد سے نہ بڑھے۔''①

تاریخی روایات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک وفد کے سامنے یوں اعلان فرماتے ہیں کہ:

''معاویہ وہ ہیں جن کے لیے اللہ نے نہ دین میں کوئی فضیلت رکھی ہے نہ اسلام میں ان کا کوئی اچھا کارنامہ ہے۔ وہ طلیق ابن طلیق ہیں۔ ان احزاب میں سے ہیں (جو خندق کے موقع پر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے) اللہ اور اس کے رسول کے ہمیشہ دشمن رہے وہ بھی اور ان کے باپ بھی۔ **حتی دخلا فی الاسلام کارھین** یہاں تک کہ وہ دونوں اسلام میں بادلِ نخواستہ داخل ہوئے۔''

اسی روایت میں آگے یہ بات بھی مذکور ہے کہ:

وفد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوماً قتل ہوئے تو آپ نے فرمایا: نہ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ ظالم بن کر قتل ہوئے اور نہ یہ کہتا ہوں کہ مظلوم بن کر قتل ہوئے۔ اس پر وفد یہ کہہ کر چلا آیا کہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کو مظلوماً نہیں سمجھتا ہم اس سے بری ہیں۔②

طبری کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''معاویہ، عمرو بن عاص، حبیب بن مسلمہ، ابن ابی سرح اور ضحاک بن قیس دین اور قرآن سے تعلق رکھنے والے نہیں ہیں۔ میں انہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں اور ان کے ساتھ اس وقت بھی رہا ہوں جب یہ بچے تھے اور اس وقت بھی رہا ہوں جب یہ مرد تھے۔ یہ بچے تھے تو بدترین اور مرد تھے تو بھی بدترین۔''③

حیرت ہے کہ مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف

① خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 141
② تاریخ طبری ص 45 ③ حوالہ مذکور ص 24

منسوب ان اکاذیب کو درست سمجھتے ہیں:

''ان میں بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نامناسب الفاظ مذکور ہیں جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا بعض دوسرے اصحاب کے لیے استعمال کیے ہیں۔ میں معصوم عن الخطا نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سمجھتا ہوں نہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بہرحال انسان تھے۔ ان کے مقابلے میں مخالفت ومحاربت کی جو روش اختیار کی گئی اس کے نتیجے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل کا ملول ومکدر ہو جانا قدرتی بات ہے۔

اور ان کا یہ کہہ دینا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا کوئی اسلامی کارنامہ نہیں اور وہ اسلام میں بادل نخواستہ داخل ہونے سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن تھے اور طلقاء میں سے تھے۔ یہ ایک ناخوشگوار جوابی ردّعمل ہے۔ اگر اسے سب وشتم سمجھا جائے تو اس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد گرامی بھی سامنے رکھا جائے ...... کہ دو آدمی ایک دوسرے کی بدگوئی کرتے ہوئے جو کچھ بھی کہیں اس کا بوجھ ابتداء کرنے والے پر ہے جب تک کہ مظلوم حد سے نہ بڑھے۔''①

یہ جماعت اسلامی کے رہنماؤں اور کارکنوں ہی کا حوصلہ ہے کہ وہ ان کذابوں، دجالوں اور مفتریوں کی بیہودہ، لغو اور باطل روایات کی صحت پر ''کامل ایمان'' رکھتے ہیں اس کے نتیجے میں اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت وآبرو خاک میں مل جائے ...... مگر ان کذابوں اور دجالوں پر کوئی حرف نہ آنے پائے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں اس مکروہ الزام لعن وطعن اور سب وشتم سے بری ہیں۔ ان کی طرف اس فعل قبیح کی نسبت بھی ان کی توہین ہے اور اس الزام پر مبنی تمام روایات کذابوں اور مفسدوں کی وضع کردہ اور کذب وافتراء کا پلندہ ہیں۔ جنہیں صرف مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات نے اپنے سینے کے ساتھ چمٹا رکھا ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ ان روایات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ سب واضح جھوٹ ہے ان میں سے ایک حرف بھی وقوع میں نہیں آیا۔ ان واقعات کو بدعتی، مجنون اور اللہ تعالیٰ کی علانیہ نافرمانی کرنے والے لوگ نسلاً بعد نسلٍ روایت کرتے

---

① خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 141

چلے آ رہے ہیں۔''①

''امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ (کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں لعنت بھیجتے تھے) کی تردید کی ہے اور صاف لکھا ہے کہ ''ان ھذا لم یصح۔'' ''یہ صحیح نہیں ہے۔'' اور علامہ نصر نے لکھا ہے کہ اگر یہ دعا ایک حد تک صحیح مان بھی لی جائے تو غالباً بغیر لعن کے تھی حقیقت میں یہ امر خلافِ شان جناب امیر علیہ السلام معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی طرح بیٹھے ہوئے حریف کو کوسا کریں۔ (یہ آپ کی شان سے) کہیں ارفع ہے۔ میرے خیال میں جہاں تک مجھے تفحص سے معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ نہ تو امیر المومنین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن کیا اور نہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب موصوف پر۔ یہ لوگوں کا حاشیہ ہے۔''②

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ ''وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے تھے'' لغو، بے بنیاد، خلاف واقع اور سبائیوں مجوسیوں کا وضع کردہ ہے۔

① العواصم من القواصم ص 177

② محشّی تاریخ ابن خلدون اردو برحاشیہ ص 536 ج 1 مطبوعہ اکیڈمی کراچی اشاعت ہشتم مارچ 1981ء

49
استلحاق زیاد

ناقدین حضرت معاویہ ؓ پر ایک یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی اغراض کے لیے اپنے نسب میں شامل کر کے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔

چنانچہ ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:

''کیا زیاد بن سمیہ کا استلحاق اور اس کے لیے مجلس شہادت مقرر کرنی ایک اوّلین بدعت اسلام میں نہ تھی...... سمیہ جاہلیت کی ایک زانیہ وفاحشہ عورت تھی۔ ابوسفیان اس کے پاس رہا تھا اور اسی سے زیاد پیدا ہوا تھا۔ لیکن اغراض سیاسیہ سے اس کا پھر استلحاق کیا گیا...... مجلس شہادت بھی منعقد ہوئی تھی...... ایسی شہادتوں سے بالآخر غریب زیاد بھی شرما گیا......''①

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ ؓ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ زیاد طائف کی ایک لونڈی سمیہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہ ؓ کے والد جناب ابوسفیان ؓ نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی۔ حضرت ابوسفیان ؓ نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد ان ہی کے نطفے سے ہے۔ جوان ہو کر یہ شخص اعلیٰ درجے کا مدبر، منتظم، فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت ہوا۔ حضرت علی ؓ کے زمانہ خلافت میں وہ آپ کا زبردست حامی تھا اور اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔

ان کے بعد حضرت معاویہ ؓ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی

---
① الہلال ص 363 ج 2 مطبوعہ الہلال اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد ان ہی کا ولد الحرام ہے پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی لحاظ سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا۔ کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔''①

اس عبارت میں مودودی صاحب نے جس مکروہ انداز کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا یقین نہیں آتا کہ یہ انداز ولہجہ کسی ''اسلامی'' جماعت کے امیر کا ہوسکتا ہے؟ یہ موضوع انتہائی نازک اور حساس ہے موصوف کی عبارت نقل کرتے ہوئے بھی توبہ واستغفار کا وظیفہ جاری رہا اس سے بڑھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین کا اور کوئی تصور بھی نہیں ہوسکتا...... پھر موصوف کے وکیل صفائی جناب ملک غلام علی صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ'' میں ص 150 تا 184 پورے پینتیس صفحات پر مشتمل بحث میں اس کراہت میں مزید اضافہ کیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ جب یہی زیاد عہد مرتضوی رضی اللہ عنہ میں بحیثیت گورنر فارس کام کر رہا تھا تو اس میں کوئی عیب اور نقص نہیں تھا۔ لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے عامل مقرر کیا اور اس نے مفسدین کو ٹھکانے لگایا تو اس میں تمام برائیاں پیدا ہوگئیں۔ اگر فی الواقع زیاد بدکردار اور ولد الحرام تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے گورنری جیسا اہم منصب کیوں سونپا؟ کیا اس قماش کے لوگ ایسی عزت وتکریم کے مستحق ہوسکتے تھے؟

اس واقعہ کے متعلق علامہ عبدالرحمن بن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''سمیہ ام زیاد حارث بن کلدہ طبیب کی لونڈی تھی۔ ان ہی سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ پھر اس نے اس کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی کسی حاجت سے طائف گئے ہوئے تھے۔

''فاصابها بنوع من انكحة الجاهلية وولدت زيادا هذا ونسبته الى ابى سفيان واقرلها به الا انه كان بخفية۔ ''

وہاں انہوں نے جاہلیت کے مروجہ نکاح کی طرح سمیہ سے نکاح کیا۔ پھر اس مباشرت سے

---
① خلافت وملوکیت ص 175

زیاد پیدا ہوئے اور سمیہ نے زیاد کو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا اور انہوں نے بھی اس کا خفیہ اقرار کر لیا تھا۔''①

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ:

وہ جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک نکاح تھا۔''انما استلحق معاویة زیاداً لان انکحة الجاھلیة کانت انواعا . . . ''②

صحیح بخاری میں جاہلیت کے نکاح کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک موجودہ طریقہ پر نکاح کے علاوہ باقی تمام نکاحوں کو اسلام نے باطل قرار دے دیا۔③ لیکن ان نکاحوں کی اولاد کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔

زیاد کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے فتح مکہ کا سال لکھا ہے۔ بعض نے ہجرت کا سال اور بعض نے بدر کا دن ذکر کیا ہے۔ بہر حال زیاد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مشرف باسلام ہونے سے قبل پیدا ہو چکے تھے۔ اگرچہ اسلام نے اس جاہلی طریقہ نکاح کو منسوخ کر دیا تاہم اس کے نتیجے میں ہونے والی اولاد کو اپنے والد کی طرف ہی منسوب قرار دیا۔

علاوہ ازیں زیاد کے ماں جائے بھائی نافع کے متعلق حارث بن کلدہ کا یہ اقرار ثابت ہے کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ اسی لیے انہیں نافع بن حارث کہا جانے لگا لیکن تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ عبید یا حارث نے زیاد کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔

44ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مندرجہ ذیل دس گواہوں نے شہادت دی کہ زیاد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں:

(1) زیاد بن اسماء حرمازی
(2) مالک بن ربیعہ سلولی
(3) منذر بن زبیر
(4) جویریہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما
(5) مسور بن قدامہ باہلی
(6) ابن ابی نصر ثقفی
(7) زید بن نفیل الازدی
(8) شعبہ بن علقمہ

① تاریخ ابن خلدون ص 14 ج3
② الکامل ابن اثیر جزری ص 176 ج3
③ صحیح بخاری کتاب النکاح باب من قال لانکاح الا بولی

(9) بنو عمرو بن شیبان کا ایک شخص

(10) بنو مصطلق کا ایک شخص (یزید)①

ان گواہوں میں حضرت مالک بن ربیعہ سلولی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، جو بیعت رضوان کے شرکاء میں سے ہیں۔ ان گواہوں میں سے منذر بن زبیر نے بایں الفاظ گواہی دی کہ:

''انه سمع عليا يقول اشهد ان ابا سفيان قال ذلك۔ ''②

''میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔''

اس کاروائی اور تحقیق کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام مصلحتوں اور پروپیگنڈوں کی پروا کیے بغیر احترام شریعت میں نہ صرف زیاد کو اپنے نسب میں شامل کیا بلکہ ان کے بیٹے سے اپنی صاحبزادی کا نکاح بھی کر دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس استلحاق کے متعلق واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا:

''اما والله لقد علمت العرب انی کنت اعزها في الجاهلية وان الاسلام لم يزدنی الا عزّا وانی لم اتکثر بزياد من قلة ولم اتعزز به من ذلة ولكن عرفت حقا له فوضعته موضعه۔ ''③

''اللہ کی قسم سارا عرب جانتا ہے کہ میں جاہلیت میں بھی سب سے زیادہ عزت والا تھا۔ اور اسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا۔ لہٰذا نہ تو یہ بات ہے کہ میں نے زیاد کے ذریعے سے اپنی قلت کو کثرت میں تبدیل کیا ہو اور نہ میں کبھی ذلیل تھا کہ زیاد کی وجہ سے مجھے عزت مل گئی ہو۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کا حق پہچان لیا اور اس کے حقدار تک پہنچا دیا۔''

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد جن حضرات (عبدالرحمن بن حکم، ابن مفرغ، ابن عامر) نے اس استلحاق کی مخالفت کی تھی۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے طرز عمل پر معذرت و معافی طلب کرتے ہوئے اپنے اعتراضات سے رجوع کر لیا اور آپ نے انہیں معاف کر دیا۔④

①②الاصابہ ص 563 ج 1

③تاریخ طبری ص 163 ج 4

④الاستیعاب مع الاصابہ ص 551 ج 1، تاریخ طبری ص 163 ج 4

صحیح بخاری میں ہے کہ:

''ان زیاد بن ابی سفیان کتب الی عائشة . . . ''①

''زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف خط لکھا۔''

صحیح بخاری کے علاوہ موطا امام مالک ص 350، موطا امام محمد ص 196، طحاوی ص 509، ان سب کتب حدیث میں زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہی لکھا گیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ''زیاد بن ابی سفیان'' ہی لکھتی اور کہتی رہیں چنانچہ انہوں نے زیاد کے نام اپنے ایک خط میں یہ الفاظ لکھے:

''عن عائشة ام المؤمنین الی زیاد بن ابی سفیان۔ ''②

''ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ابوسفیان کے بیٹے زیاد کے نام۔''

مودودی صاحب نے اس الزام کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل بھی دی کہ:

''ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسی وجہ سے اس کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس سے پردہ فرمایا۔''③

یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سال وفات بھی وہی ہے جس سال استلحاقِ زیاد کا واقعہ ہوا تھا، یعنی 44ھ۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان کی وفات استلحاق سے پہلے ہوئی یا بعد میں...... ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے دونوں قول ذکر کیے ہیں لیکن ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وفات اس واقعہ سے پہلے ہوئی کیونکہ انہوں نے دوسرے قول کو لفظ قیل سے تعبیر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے اگر بالفرض ام المومنین رضی اللہ عنہا زندہ بھی ہوں تو پھر بھی زیاد کا مدینہ منورہ جانا مشتبہ ہے تو پردہ کرنے والا قول کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟

مودودی صاحب کی زیر بحث عبارت کے ایک ایک لفظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف غیظ وغضب اور بغض وعناد کا اظہار ہو رہا ہے۔

''زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔''

---

① صحیح بخاری ج 1 ص 230 کتاب المناسک باب من قلد القلائد بیدہ

② تہذیب ابن عساکر ص 114 ج 5

③ خلافت وملوکیت ص 175

یہاں ''افعال'' جمع (جو تین یا تین سے زائد کے لیے استعمال ہوتا ہے) کا لفظ لا کر یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شریعت کے مسلّم قواعد کی خلاف ورزی کا یہ ایک ہی فعل نہیں ہے بلکہ ان کے اس قسم کے بہت سے خلاف شرع افعال ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

ابن اثیر اور ابن خلدون رحمہ اللہ تو ''زنا'' کے بجائے لفظ ''نکاح'' استعمال کر رہے ہیں اور موصوف بار بار ''زنا'' کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ پھر ان کا ''تقیہ'' ملاحظہ ہو کہ اتنے مکروہ الزامات لگاتے وقت ''جناب، حضرت اور رضی اللہ عنہ'' کے القابات بھی لکھ رہے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی...... حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد ان ہی کے نطفہ سے ہے...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد ان ہی کا ولد الحرام ہے۔''

گویا موصوف اپنے قاری کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بے حد ادب واحترام کرتے ہیں۔ اگر یہی ادب واحترام ہے تو پھر دنیا میں بے ادبی و بے احترامی نام کی کوئی چیز نہیں۔

استلحاق زیاد کا واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چوتھے سال ۴۴ھ میں ہوا جب ان کی خلافت انتہائی مضبوط و مستحکم ہو چکی تھی۔ مملکت میں مکمل امن وامان قائم تھا۔ داخلی طور پر ہر قسم کا انتشار وافتراق ختم ہو چکا تھا۔ ان حالات میں زیاد کو اپنا مددگار بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ زیاد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز ہی میں زیر عتاب رہا۔ اس پر دورِ مرتضوی رضی اللہ عنہ میں فارس کے گورنر ہونے کی حیثیت سے بیت المال کی رقم خورد برد کرنے کا الزام تھا۔ اس کے بچے گرفتار ہو چکے تھے اور وہ خود قلعہ میں محصور تھا۔ اگر اسے کسی سیاسی غرض کے تحت ہی اپنے ساتھ ملانا تھا تو اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا تھا؟ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا...... اور جب چار سال بعد استلحاق کیا تو یہ قطعاً کسی سیاسی غرض کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ حق واضح ہو جانے کے بعد انہوں نے اسے حق دار تک پہنچا دیا۔

جہاں تک نفس مسئلہ اور شرعی قاعدے کا تعلق ہے کہ ''الولد للفراش وللعاهر الحجر'' تو

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ انہوں نے اس مسئلے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ لیکن آں محترم کے نزدیک ''استلحاق زیاد'' اس ''شرعی قاعدے'' کے تحت نہیں آتا تھا۔ اس کی واضح دلیل خود ان کا ایک فیصلہ ہے جسے محدث ابویعلی موصلی اور حافظ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ:

''نصر بن حجاج اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لڑکے خالد کے درمیان ایک بچے کے بارے میں تنازع تھا۔ خالد کہتے تھے کہ یہ بچہ ان کے غلام عبداللہ کا لڑکا ہے، جس کے بستر پر یہ پیدا ہوا اور نصر کا یہ کہنا تھا کہ ان کے بھائی کی وصیت کے مطابق یہ اس کے نطفے سے ہے۔ یہ جھگڑا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا:

''**سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الولد للفراش وللعاھر الحجر**'' کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بچہ اسی کا ہے جس کے گھر پیدا ہوا اور بغیر نکاح والے کے لیے پتھر کی سزا ہے تو اس پر نصر نے کہا: ''**فاین قضاء ک ھذا یا معاویۃ فی زیاد**'' تو پھر آپ نے زیاد کے استلحاق کا فیصلہ کیسے کیا؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''**قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر من قضاء معاویۃ**'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے بہتر ہے۔''①

اس روایت کی سند بھی اگرچہ متصل نہیں ہے تاہم حافظ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے اس کے رجال کو ثقات قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا استلحاق زیاد کے فیصلے سے رجوع ثابت کیا ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں ہے اس لیے کہ:

اوّلاً: زیاد کے مسئلے پر کوئی دوسرا دعویدار موجود نہیں تھا۔

ثانیاً: وہ بقول مورخین زمانہ جاہلیت کا ایک نکاح تھا اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے کا واقعہ تھا۔

ثالثاً: سمیہ نے خود زیاد کو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا تھا اور انہوں نے بھی اس کا محدود پیمانے پر اقرار کرلیا تھا۔

رابعاً: اس اقرار پر شہادتیں بھی لی گئیں۔ لہٰذا شرعی قاعدہ اپنی جگہ ثابت اور نافذ ہے اور استلحاق زیاد اپنی جگہ درست اور صحیح ہے۔

---

① مسند ابی یعلی ص 447 ج6 تحت مسندات معاویہ، مجمع الزوائد ص 14 ج5 تحت باب الولد للفراش

50

زہر خورانی حسن رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ایک خاص سازش کے تحت زہر دلوائی۔

چنانچہ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ نے زوجہ امام حسن کے پاس زہر بھیجا۔ پس ایک روز امام حسن علیہ السلام نے اپنی زوجہ سے پوچھا آیا دودھ کا تھوڑا شربت ہے کہ میں پیوں۔ اس نے کہا ہاں ہے۔ پس وہ زہر جو معاویہ نے بھیجا تھا دودھ میں ملا کر امام حسن علیہ السلام کو دے دیا۔ جب حضرت نے پیا اسی وقت اپنے بدن میں زہر کا اثر دیکھا۔

فرمایا: اے دشمن خدا! تو نے مجھے مارا خدا تجھے مارے قسم بخدا! میرے مارنے کا عوض تجھے نہ ملے گا اور اس (معاویہ) دشمن خدا اور رسول سے ہرگز نفع نہ پائے گی۔''①

بعض حضرات نے زہر خورانی کی نسبت یزید کی طرف کی۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کو مدینہ میں یزید نے خفیہ طور پر یہ پیام بھیجا کہ اگر حسن کو زہر دے دو تو میں تم سے نکاح کر لوں گا۔ اس فریب میں آ کر بدنصیب جعدہ نے آپ کو زہر دے دیا۔ جس کے اثر سے آپ شہید ہو گئے۔ جعدہ نے یزید کو لکھا کہ اپنا وعدہ پورا کرے جس کا جواب یزید نے یہ دیا ہے کہ جب تجھ کو میں حسن کے نکاح ہی میں گوارا نہیں کر سکا تو اپنے نکاح میں کس طرح گوارا کروں گا۔''②

تاریخ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سبب وفات اور سن وفات کے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے

① جلاء العیون مترجم ص 234 ج 1، تحت بیان کیفیت شہادت جناب امام حسن

② تاریخ الخلفاء اردو ص 282

ہیں۔ بعض کے نزدیک مرض سل کی بنا پر وفات ہوئی۔ بعض کے نزدیک عام بیماری سے اور بعض کے نزدیک زہر خورانی سے۔ اسی طرح سن وفات کے سلسلے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ 49ھ، 50ھ، 51ھ، 56ھ، 58ھ، 59ھ۔ زیادہ مشہور 50ھ کا قول ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام جس قدر سنگین اور نفرت انگیز ہے، اسی قدر روایتاً و درایتاً ضعیف، نا قابل اعتماد، کذب و افتراء اور بے بنیاد بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ الزام قدیم شیعہ کتب میں بھی نہیں پایا جاتا اور متاخرین کی جن کتب میں اس کا ذکر ہے تو ان میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی صراحت نہیں ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حدیث کے دفتر بے پایاں میں صحیح حسن تو بجائے خود، کوئی ضعیف روایت بھی ایسی موجود نہیں جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اس بہتان عظیم کا کوئی اشارہ بھی ملتا ہو۔ اس الزام کی لغویت کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ کسی طبقہ کے کسی بھی محدث نے اس روایت پر اعتماد کر کے اس قابل نہیں سمجھا کہ اسے اپنی کتاب میں جگہ دے۔ حاکم نیشا پوری نے باوجود تشیع کے، زہر سے موت کا واقع ہونا تو لکھا لیکن زہر دینے والے یا زہر بھیجنے والے کا کوئی اشارہ نہیں کیا۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے جعدہ کا نام لکھنے کے بعد کمزور اور مشتبہ الفاظ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے:

''وقالت طائفة كان ذلك منها بتدسيس معاوية اليها۔ ''①

''ایک گروہ کہتا ہے کہ جعدہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ پر زہر دیا تھا۔''

یہ جھوٹا گروہ وفاتِ حسن رضی اللہ عنہ کے تقریباً چار سو سال بعد پیدا ہوا اس کی روایت کا کیا اعتبار؟

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے صرف جعدہ کا ذکر کیا ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی اشارہ نہیں کیا۔② اسی طرح کتب طبقات کی قدیم ترین کتاب طبقات ابن سعد میں بھی کسی زہر دینے والے کا نام موجود نہیں۔

قدیم شیعی مورخ احمد بن ابی داود دینوری (متوفی 281ھ) وفاتِ حسن رضی اللہ عنہ کے تحت زہر کا بالکل ذکر ہی نہیں کرتے③۔

① الاستيعاب ص 144 ج 1 تحت الحسن بن علی
② اسد الغابہ تحت حسن بن علی
③ اخبار الطوال ص 221، ذکر موت الحسن بن علی

دوسرے شیعہ مورخ یعقوبی نے زہر دینے والے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ①

تیسرے شیعہ مورخ مسعودی (متوفی 346ھ) نے بروایت حضرت زین العابدین زہر سے موت کا واقع ہونا تو ذکر کیا ہے لیکن اس میں زہر دینے والے کا کوئی نام نہیں البتہ اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ:

''ذکر امرأۃ جعدۃ بنت الاشعث بن قیس الکندی سقتہ السم وقد کان معاویۃ دس الیھا۔'' ②

یہاں بھی لفظ ''ذکر'' سے الزام کی کمزوری واضح ہے۔

تاریخ طبری میں بھی یہ واقعہ موجود نہیں ہے۔

صاحب روضۃ الصفاء محمد بن حامد شاہ (متوفی 903ھ) نے اس الزام میں مزید کراہت پیدا کی کہ حضرت معاویہ نے امام حسن کی زوجہ جعدہ کو زہر آلود رومال دیا اور ہدایت کی کہ ان سے ہم بستری کے بعد اس رومال کو ان کی شرم گاہ پر مل دیا جائے جعدہ نے ہدایت کے مطابق عمل کیا اور اس سے امام حسن کی موت واقع ہوگئی۔ ③

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ان معاویۃ سم الحسن فھذا مما ذکرہ بعض الناس ولم یثبت ذلک ببینۃ شریعۃ او اقرار معتبر ولا نقل بجزم بہ۔'' ④

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا ہے جسے بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے یہ بات کسی واضح شرعی دلیل یا اقرار معتبر سے ثابت نہیں ہے اور نہ کسی نقل ہی سے ثابت ہے جس پر یقین کیا جا سکے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ (متوفی 748ھ) لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کھلایا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات کہی جاتی ہے (یہ شیعہ کا قول ہے جو بلا دلیل و ثبوت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتہام طرازی کرتے

---

① یعقوبی ص 216 ج2
② مروج الذھب تحت حسن بن علی
③ تاریخ روضۃ الصفاء ص 140 ج3 ذکر وفات امام حسن
④ منہاج السنہ ص 225 ج2

رہتے ہیں ۔ یا وہ لوگ اس کے قائل ہیں جو شیعہ کے دام فریب میں آ کر ان کے جھوٹے اقوال سے متاثر ہو جاتے ہیں) مگر دلیل و برہان سے ثابت نہیں ہوتی ...... باتفاق مسلمین شرعاً ایسی بلا دلیل بات کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس پر کسی کی مدح یا مذمت کا ترتب درست ہے۔''①

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''وقالت طائفة كان ذلك بتدسيس معاوية اليها . . . قلت هذا شيء لا يصح فمن الذی اطلع عليه۔''②

''ایک طائفہ نے زہر خورانی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش کا ذکر کیا ہے...... میں کہتا ہوں یہ بات بالکل صحیح نہیں ...... اس بات سے کون آ گاہ ہوسکتا ہے کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تو اصرار کے باوجود زہر دینے والے کا نام ظاہر نہیں کیا تھا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی 774ھ) لکھتے ہیں کہ:

''وعندی ان هذا ليس بصحيح وعدم صحته عن ابيه معاوية بطريق الاولٰى والاحزی۔''③ ''میرے نزدیک یہ بات کہ یزید نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوایا صحیح نہیں ہے اور ان کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس بات کی نسبت تو بطریق اولیٰ غلط اور غیر صحیح ہے۔''

علامہ عبدالرحمن ابن خلدون رحمہ اللہ (متوفی 808ھ) لکھتے ہیں کہ:

''وما ينقل ان معاوية دس اليه السم مع زوجته جعده بنت اشعث فهو من احاديث الشيعة وحاشا معاوية من ذلك۔''④

''اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کے ساتھ مل کر زہر دلایا تھا یہ سب شیعوں کی باتیں ہیں حاشا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات سے اس کا

---

① المنتقی اردو ص 388
② تاریخ اسلام، ذہبی ص 219 ج 2
③ البدایہ والنہایہ ص 43 ج 8
④ تاریخ ابن خلدون ص 182 ج 2

کوئی تعلق نہیں۔''

مشہور مورخ احمد شبلی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''ولکن ذالک الاتھام لم یثبت۔''①

''یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تہمت ہے جو بالکل ہی ثابت نہیں۔''

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی زہر دینے والے کے نام سے آگاہ نہیں تھے۔ پھر اہل تشیع اور ان کے ہم خیال حضرات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام کیوں کر معلوم ہو گیا؟

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی 852ھ) لکھتے ہیں کہ:

''فاتاہ الحسین بن علی فسالہ من سقاہ فابی ان یخبر رضی اللہ عنہ۔''②

''حضرت حسین رحمہ اللہ اپنے بھائی کے پاس آئے اور پوچھا کہ آپ کو زہر کس نے پلایا؟ لیکن انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔''

شیعہ مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ:

''فقال لہ الحسین یا اخی من سقاک قال وما ترید بذلک فان کان الذی اظنہ فاللہ حسیبہ وان کان غیرہ فما احب ان یوخذ بی بری فلم یلبث بعد ذلک الا ثلاثا حتی توفی۔''③

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے بھائی! یہ زہر کس نے دیا ہے؟ فرمایا اس سوال سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ اگر زہر دینے والا وہی شخص ہے جس کے متعلق میرا گمان ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ اگر کوئی دوسرا ہے تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کوئی بے قصور آدمی پکڑا جائے۔ اس کے بعد حضرت حسن زیادہ دن زندہ نہیں رہے اور تین دن کے بعد انتقال کر گئے۔''

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

''ثم دخلت علیہ من الغد وھو یجود بنفسہ والحسین عند راسہ فقال یا اخی من

---

① التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیہ ص 33 ج2

② الاصابہ ص 13 ج2

③ مروج الذہب ص 427 ج2

تَتَّهِمُ قال لم؟ لتقتله قال نعم۔ قال ان یکن الذی اظن فانہ اشد باسا و اشد تنکیلا و الا یکن فما احب ان یقتل بی بری ثم قطٰی علیہ السلام''۔①

راوی کہتا ہے کہ میں اگلے دن پھر حضرت حسن کے پاس گیا۔ اس وقت ان پر جان کنی کا وقت آیا چاہتا تھا۔ اور حضرت حسین ان کے سرہانے بیٹھے تھے تو انہوں نے پوچھا بھائی آپ کو کس پر شبہ ہے؟ حضرت حسن نے فرمایا کیوں پوچھتے ہو؟ کیا اسے قتل کرو گے؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا: اگر وہی ہے جو میرے خیال وگمان میں ہے تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ وہ ضرور اسے سزا دے گا اور اگر وہ نہیں تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے ایک بے قصور آدمی مارا جائے۔ یہ کہہ کر امام موصوف اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اس تفصیل سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے:

(1) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات مرض سل سے ہوئی۔

(2) زہر خورانی سے ہوئی۔

(3) ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا۔

(4) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارے پر یہ کام ہوا۔

(5) امیر یزید کی خواہش سے یہ کام ہوا۔

(6) حضرت حسن رضی اللہ عنہ خود یقینی طور پر زہر دینے والے کے نام سے آگاہ نہیں تھے۔

(7) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اصرار پر بھی انہیں آگاہ نہیں کیا گیا۔

اس تفصیل سے یہ بات تو قطعی طور پر واضح ہو گئی ہے کہ اگر بالفرض حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی موت زہر ہی سے ہوئی تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بالکل کوئی حصہ نہیں اور وہ کسی طور پر بھی اس فعل قبیح میں شریک نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں تھا۔ وہ برضا و رغبت ان کے حق میں دستبردار ہوئے۔ جس شخص نے خلافت حاصل کر کے اسے چھوڑ دیا ہو وہ دوبارہ اس کا امیدوار کیسے ہو سکتا ہے؟

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آئندہ کسی خطرے سے بچنا اور یزید کو بہر صورت ولی عہد بنانا ہی چاہتے تھے تو حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو زہر دلواتے ...... جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرات

① بحار الانوار ص 138 ج 44

حسین رضی اللہ عنہما اس مصالحت سے مطمئن تھے اور برضا ورغبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ نیز ان کے باہمی تعلقات بھی ہمیشہ خوشگوار رہے۔

شیعہ مورخ ابوحنیفہ دینوری یہ اقرار کرتا ہے کہ:

''ولم یری الحسن والحسین طول حیاۃ معاویۃ سوءاً فی انفسھما ولا مکروھا ولا قطع عنھما شیئا مما کان شرط لھما ولا تغیر لھما عن بر۔ ''①

''حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے پوری زندگی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی بدخواہی نہیں دیکھی نہ ان کا اپنے بارے میں کوئی ناپسندیدہ عمل دیکھا نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے ساتھ کیے گئے وعدوں میں سے کسی وعدہ کو توڑا۔ اور نہ ان دونوں کے ساتھ آپ نے کسی نیکی میں دریغ کیا۔''

ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ آپ کی طرف سے مجھ تک چند باتیں پہنچی ہیں آپ ان کی حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

''ومعاذ اللہ ان انقض عھدا عھدہ الیک اخی الحسن۔ ''②

''میرے بھائی حسن نے آپ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیے تھے ان کے توڑنے سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویۃ کل عام فیعطیہ ویکرمہ وقد کان فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیۃ مع ابن معاویۃ یزید فی سنۃ احدی وخمسین۔ ''③ ''جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے۔ آپ انہیں بہت سے عطیات دیتے اور ان کا بڑا اکرام کرتے تھے۔ 51ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ غزوۂ قسطنطنیہ کے موقع پر ابن معاویہ یزید

---

① اخبار الطوال ص 225

② مقتل ابی مخنف ص 6

③ البدایہ والنہایہ ص 150 ج8

کے ساتھ شامل لشکر تھے۔''

ابی مخنف لوط بن یحییٰ لکھتا ہے کہ:

''**وکان یبعث الیه فی کل سنة الف الف دینار سوی الهدایا من کل صنف۔**''①

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سالانہ دس لاکھ دینار حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بطور وظیفہ بھیجتے تھے۔ یہ وظیفہ تحائف اور دیگر ہدایا کے علاوہ تھا۔''

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زہر خورانی کی سازش میں شریک ہوتے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ فوراً بیعت توڑ دیتے، اظہارِ ناراضی کرتے، مقدمہ عدالت میں لے جاتے، بھائی کی نمازِ جنازہ گورنر معاویہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ سے پڑھانے کی خود درخواست نہ کرتے اور نہ ان سے نمازِ جنازہ ہی پڑھواتے، بھائی کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس کبھی ملاقات کے لیے دمشق تشریف نہ لے جاتے، ان سے تحائف، عطایا اور ہدایا وصول نہ کرتے، اور نہ یزید کی زیر قیادت غزوۂ قسطنطنیہ میں شرکت کرتے۔

اب یہ سوال ضرور حل طلب ہے کہ اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات زہر خورانی ہی سے ہوئی تو پھر یہ فعل کس کا ہوسکتا ہے؟

اس سلسلے میں بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کثرت کے ساتھ شادیاں کیں اور اسی کثرت کے ساتھ طلاقیں دیں جس کی بنا پر ان کا لقب ہی ''مطلاق'' پڑ گیا تھا تو انتقام کی آگ ان ''مطلّقات'' ہی کے دلوں میں بھڑک سکتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اس اندیشے کا اظہار کردیا تھا:

''**قال علی یا اهل العراق او یا اهل الکوفة لا تزوجوا حسنا فانه رجل مطلاق...**

قال علی مازال الحسن یتزوج ویطلق حتی حسبت ان یکون عداوة فی القبائل۔''② ''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے اہل عراق! یا اے اہل کوفہ! حسن (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اپنی لڑکیوں کا نکاح مت کرو کیونکہ وہ بہت طلاق دینے والے آدمی ہیں...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ متواتر شادیاں کرتے رہے اور طلاق دیتے رہے یہاں تک کہ مجھے اندیشہ گزرا کہ کہیں اس طرز عمل سے قبائل میں عداوت کی آگ نہ بھڑک اٹھے۔''

① مقتل ابی مخنف ص 7

② مصنف ابن ابی شیبہ ص 354 ج 5

اس پس منظر میں یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ یہ آپ کی کسی سابقہ بیوی کی سازش ہوگی ......لیکن یہ خیال بوجوہ درست نہیں ہے کیونکہ زہر خورانی کا الزام مطلقہ عورتوں پر عائد نہیں کیا گیا۔ اگر کسی دوسرے شخص کے گھر میں انہیں زہر پلایا جاتا تو مذکورہ خیال کسی حد تک درست ہوسکتا تھا۔ لیکن یہ زہر کا شربت تو انہیں اپنے ہی گھر اور اپنی زوجہ کے ہاتھوں ہی نوش کرنا پڑا۔

اس قسم کی حرکت کسی مطلقہ بیوی سے بھی نہیں ہوسکتی۔ چہ جائیکہ ایک ایسی بیوی سے جو شوہر کے حق میں نہایت ہی مطیع وفرماں بردار ہے۔ آخر اس عورت کو خود اپنا سہاگ اجاڑنے اور اپنا گھر پھونکنے کی کیا ضرورت تھی؟

یہ آپ کی بیوی سیدہ جعدہ بنت اشعث رحمہا اللہ پر بھی ایک بہتان معلوم ہوتا ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے گھر والوں پر کوئی قابو نہیں تھا اور ان کی بیوی آزادانہ طور پر یزید یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نمائندے سے ملاقات کرتی اور اس سے تحائف وصول کرتی اور یزید کے ساتھ نکاح کے عہد و پیمان باندھتی تھی (جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ کوئی عورت عدت کے اندر بھی کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح یا نکاح کرنے کا وعدہ نہیں کر سکتی کیا سیدہ جعدہ رحمہا اللہ اس قرآنی حکم سے نابلد تھیں) یا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ جاننے کے باوجود چپ سادھ رکھی تھی۔

اہل تشیع نے سیدہ جعدہ رحمہا اللہ پر یہ تہمت اس لیے لگائی کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھانجی تھیں۔ سبائی یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بھانجی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں چین وراحت کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہے۔

ظاہر ہے کہ زہر خورانی جیسے فعل قبیح کا صدور اِن ہی لوگوں سے ہوسکتا ہے جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دشمن تھے۔ جنہوں نے ان کے نیچے سے مصلیٰ کھینچ لیا تھا، ان کے کندھے سے چادر اتاری تھی، انہیں زخمی کیا تھا، ان کا مال واسباب لوٹا تھا، انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہونے کی وجہ سے عار المومنین، مسود وجوہ المومنین کے القابات سے نوازا تھا۔

اور جو انہیں مصالحت وبیعت کے بعد بارہا نقض بیعت پر آمادہ کر چکے تھے۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی کمالِ فراست وبصیرت کی بنا پر ان دشمنوں کے نرغے سے نکل کر مدینہ منورہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور زندگی کے آخری سال تک متواتر ہر سال اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ

دمشق حاضری دیتے رہے اور وظائف و تحائف بھی وصول کرتے رہے۔

یہ طرز عمل ان کوفیوں، مجوسیوں، اور سبائیوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا لہٰذا انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر نہ صرف ان تمام باتوں کا انتقام لے لیا بلکہ ان کی اولاد کو ''شرف امامت'' سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا۔

اس بات (کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سبائیوں نے ہی زہر دیا تھا) کی تائید ملا باقر مجلسی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے:

''اور فرمایا کہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ بعد ان کے بارہ خلفاء اور امام ہوں گے۔ گیارہ امام فرزندانِ علی و فاطمہ ہیں اور یہ سب تیغ یا زہر سے شہید ہوں گے۔''[1]

یعنی جو امام قتل ہو کر نہیں مرے گا لازماً اس کی موت پھر زہر ہی سے ہوگی۔ اسی لیے بارہویں امام بچپن ہی میں بھاگ گئے کہ اگر میں قتل نہ کیا گیا تو پھر مجھے زہر کے گھونٹ پینے پڑیں گے...... اس روایت کی وجہ سے حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو تو ان سبائیوں نے تلوار کے ساتھ شہید کیا۔ ایک بھاگ گئے اور باقی نو اماموں کو زہر دے کر اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر زہر خورانی کا مکروہ الزام بالکل لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

---

[1] جلاء العیون ص 368 ج 2

51

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفاتِ حسن رضی اللہ عنہ پر اظہارِ مسرت فرمایا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ:

''انہیں جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے حضرت مقدام بن معدی کرب، عمرو بن اسود اور بنی اسد کے ایک شخص کو اس سے آگاہ کیا...... یہ اطلاع پا کر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کلمہ استرجاع اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اس پر ایک شخص نے کہا ''اتعدها مصيبة'' کیا تو وفاتِ حسن رضی اللہ عنہ کو مصیبت سمجھتا ہے؟ دوسرے نے کہا ''جمرة اطفأها الله۔'' ''یہ ایک چنگاری تھی جسے اللہ نے بجھا دیا ہے۔''

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفاتِ حسن رضی اللہ عنہ پر اظہارِ مسرت کیا۔ چنانچہ سید لعل شاہ بخاری سنن ابی داود کی ایک روایت کے حوالے سے بغض معاویہ رضی اللہ عنہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اس روایت میں راوی نے مسامحت سے کام لیا اور ''اتعدها مصيبة'' کے سائل اور ''جمرة اطفأها الله'' کے قائل دونوں کی پردہ پوشی کی۔ کیونکہ ان کی گفتگو بے انتہا نفرت انگیز تھی۔ لیکن آنکھیں بند کر لینے سے حقیقتیں مستور نہیں ہوا کرتیں۔ ''اتعدها مصيبة'' کے قائل یقیناً حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) ہیں...... اس روایت سے معلوم ہوا کہ محفل معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی زیبائش و آرائش کس قسم کے عنادلِ خوش گلو کی نوا سنجی سے وابستہ تھی۔ لیکن کبھی کبھی مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ جیسے درویش کی تلخ نوائی مجلس کے رنگ کو پھیکا اور افسردہ کر دیتی۔ راوی نے رجل اسدی کے نام کا اظہار نہیں کیا۔ ہمیں بھی اظہار کی ضرورت نہیں ہم بھی بے نام لیے کہتے ہیں:

جو شقی حسن ابن علی کو (جمرہ) من نار کہتے ہیں

اللہ کی ہو پھٹکار ان پر، ہم سو بار کہتے ہیں''①

اب سنن ابی داود کی پوری روایت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''عمرو بن عثمان بن سعد حمصی، بقیہ، بحیر، خالد سے روایت ہے کہ مقدام بن معدی کرب، عمرو بن اسود اور ایک شخص بنی اسد میں سے جو قنسرین کا رہنے والا تھا۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے پاس آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقدام رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ کو حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی وفات کی خبر ہو گئی؟ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہا تو اس شخص نے کہا کیا یہ بھی تم کوئی مصیبت سمجھتے ہو؟ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا میں کیونکر اس کو مصیبت نہ سمجھوں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا یہ مجھ سے ہے اور حسین رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ سے...... تو اسدی نے کہا ایک انگارہ تھا جسے اللہ نے بجھا دیا۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا لیکن میں تو آج کے دن بغیر تم کو غصہ دلائے ہوئے اور تیری ناپسند تجھے سنائے ہوئے نہ رہوں گا۔

پھر کہا اے معاویہ! اگر میں سچ کہوں تو مجھے سچا کہنا اور جھوٹ بولوں تو مجھے جھوٹا کہنا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا میں ایسا ہی کروں گا۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سونا پہننے سے منع کرتے تھے انہوں نے کہا ہاں سنا ہے۔ پھر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑا پہننے سے منع کیا۔ کہا ہاں۔ میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درندوں کی کھالوں کے پہننے اور ان پر سوار ہونے سے منع فرماتے تھے۔ کہا ہاں! حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا پھر اللہ کی قسم اے معاویہ! میں یہ سب کچھ تمہارے گھر میں دیکھتا ہوں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں جانتا ہوں کہ میں تجھ سے نجات نہیں پاسکوں گا۔

خالد نے کہا پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کو اتنا مال دینے کا حکم دیا جو اِن کے دیگر دوساتھیوں کو نہ دیا اور ان کے بیٹوں کا بھی دوسو والوں میں حصہ مقرر کیا مقدام رضی اللہ عنہ نے وہ

① استخلاف یزید ص 233

مال اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا اور اسدی نے اپنے مال میں سے کسی کو کچھ نہ دیا۔ یہ خبر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ مقدام تو ایک سخی شخص ہے جس کا ہاتھ کشادہ ہے اور اسدی اپنی چیز کو اچھی طرح روکتا ہے۔''①

یہ ہے وہ روایت جس کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا جاتا ہے۔ اس میں کہیں بھی یہ بات موجود نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفاتِ حسن رضی اللہ عنہ پر خوشی کا اظہار کیا ہو۔ جنہوں نے ''اتعدها مصيبة'' اور ''جمرة اطفأها الله'' کہا وہ دونوں حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تھے اور مقدام رضی اللہ عنہ نے خود ہی اسے بات کا جواب دے دیا۔ اس روایت میں راوی نے یہ نہیں کہا کہ ''اتعدها مصيبة'' کے قائل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ صرف ناقدین معاویہ کا قیاس فاسد ہے۔

مسند احمد کی روایت (رقم 17189 جس میں نام کی تصریح ہے) کے الفاظ مختلف ہیں۔ اس میں ''جمرة اطفأها الله'' اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب تین اشیاء (سونا، ریشمی لباس اور درندوں کی کھالوں کے پہننے) کا ذکر نہیں ہے۔

نیز اس روایت میں ''بقية'' راوی کا عنعنہ اگرچہ اپنے شیخ سے نہیں لیکن آگے سند میں عنعنہ ہے اور ''تدلیس تسویہ'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی بھی مقام سے ضعیف اور مطعون راوی کو اڑا دیں تو صرف اپنے شیخ سے ''حدّثنا'' کے ساتھ روایت لینا کافی نہیں ہونا چاہیے ابوداؤد میں ''فقال رجل'' یعنی رجل مجہول نے کہا، کے الفاظ ہیں جبکہ مسند احمد کی روایت میں ''فقال له معاوية'' یعنی نام کی تصریح ہے۔ یہ بھی دونوں روایتوں میں ایک ''تعارض اور اضطراب'' ہے۔

محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ ''فقال له فلان اتعدها مصيبة'' کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''ولعله الرجل الاسدی او غيره''②

''اور شاید یہ بات کہنے والا وہ مرد اسدی ہے یا کوئی اور۔''

روایت میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ ''جمرة اطفأها الله'' کے الفاظ مرد اسدی کے ہیں تو یہ سوال بھی اسی کا یا اس کے کسی دوسرے ساتھی کا ہو سکتا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کو منسوب

① سنن ابی داؤد، كتاب اللباس باب فی جلود النمور ص 214 ج2
② بذل المجهود شرح ابی داؤد ص 64 ج6

کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ از خود انہیں وفات کی اطلاع دے رہے ہیں۔ اس پر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کلمہ استرجاع پڑھا اس میں کون سی غلط، منکر اور خلافِ شرع بات تھی جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہو''اتعدها مصيبة'' جبکہ شریعت میں ایسے مواقع پر ہی نہیں بلکہ ہر ناگوار چیز پر کلمہ استرجاع پڑھنے کا کہا گیا ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے کا تسمہ ٹوٹنے پر بھی یہ کلمہ پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ نیز ارشاد باری ہے کہ:

﴿ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾[1]

''جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور ہم نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم مدبر، عظیم سیاست دان اور صاحب حلم سے اس کی توقع کیوں کر ہو سکتی ہے کہ انہوں نے کلمہ استرجاع پر''اتعدها مصيبة'' کہا ہو۔

اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سونا، ریشم اور درندوں کی کھالیں پہننے اور ان پر سوار ہونے کا الزام بھی عائد کیا گیا ہے۔ اس کا مفصل جواب آگے''ریشمی لباس پہننے'' کے الزام کے تحت آ رہا ہے۔

پھر یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس قابل اعتراض جملے کا قائل نہیں سمجھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ان سے اس قدر مال اپنے اور اپنے بیٹے کے لیے ہرگز قبول نہ کرتے ...... پھر یہ بات کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ اگر بالفرض''اتعدها مصيبة'' کے قائل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں، انہیں تو حضرت مقدام رضی اللہ عنہ غصہ دلائے بغیر نہ رہ سکے۔ اور جو شخص ان کا اپنا ساتھی تھا، ان کے ساتھ ہی آیا اور ان کے ساتھ ہی واپس گیا اور جس نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شدید ترین توہین کی، (جمرة اطفأها الله) اس پر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کوئی اظہارِ ناراضی نہیں کیا...... بس صرف یہ کیا کہ اسے اپنے مال سے کچھ نہیں دیا۔ کیا وہ شخص صرف اسی بے اعتنائی کا مستحق تھا؟ اور سارا غصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نکال دیا...... اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس غصے کے جواب میں انہیں مالِ کثیر سے نوازا۔

علاوہ ازیں حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کی یہ روایت دیگر محدثین نے بھی بیان کی ہے لیکن اس میں نہ تو

---

[1] البقرة: 156

مرد اسدی کا ذکر ہے اور نہ یہ جملہ ''جمرة اطفأها الله'' ہی پایا جاتا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قابل اعتراض جملہ کسی ''راوی'' کا اضافہ ہے۔

مزید برآں اس واقعہ کی کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خاندان کو کوئی خبر نہ ہوئی اور وہ (حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن جعفر وغیرہم رضی اللہ عنہم) متواتر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضری دیتے رہے اور وظائف وتحائف وصول وقبول کرتے رہے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہی کیا تھا جو اِن کی وفات پر کلمہ استرجاع کا پڑھنا بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع ملی تو اس وقت آپ کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تشریف فرما تھے (جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سنتے ہی ان سے تعزیت کی۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''**فلما جاء الكتاب بموت الحسن بن علي اتفق كون ابن عباس عند معاوية وعزاه فيه باحسن تعزيته ورد عليه ابن عباس ردا حسنا كما قدمنا۔**''①

''جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کا خط آیا تو اتفاق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے۔ تو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وفات حسن رضی اللہ عنہ پر بڑے اچھے الفاظ میں تعزیت کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی نہایت ہی اچھے الفاظ میں اس کا جواب دیا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تعزیت کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:

''**لا يسؤك ولا يحزنك في الحسن بن علي فقال ابن عباس لمعاوية لا يحزنني الله ولا يسؤني ما ابقى الله امير المومنين۔**''②

''اللہ آپ کو تکلیف سے بچائے اور حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں غمگین نہ ہونے دے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ مجھے غمگین نہ ہونے دیں گے جب تک

---

① البدایہ والنہایہ ص 304 ج 8
② حوالہ مذکور ص 134

امیر المومنین باقی وسلامت ہیں۔''

بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تعزیت کے لیے بھیجا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وعزا بعبارة فصيحة وجيزة شكره عليها ابن عباس۔''①

''تو یزید نے فصیح عبارت اور عمدہ طریقے کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تعزیت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس پر ان کا شکریہ ادا کیا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سنن ابی داؤد کی زیر بحث روایت میں حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کے الفاظ ''الحسن منی والحسين من علی (رضی اللہ عنہ)'' میں نکارت ثابت کی ہے:

''فيه نكارة لفظاً ومعناً'' کہ اس میں لفظاً ومعناً نکارت پائی جاتی ہے۔②

کیونکہ یہ الفاظ دیگر روایات کے خلاف ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یہ فرمایا ''الحسين منی'' دونوں حقیقی بھائی ہیں دونوں ہی آپ کے نواسے ہیں اور دونوں سے آپ کا یکساں تعلق ہے۔

مزید برآں...... زیر بحث حدیث بقیہ بن ولید سے مروی ہے وہ جس راوی سے ''عن'' کے ساتھ روایت کرے تو محدثین اس کا اعتبار نہیں کرتے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''فاذا قال عن فليس بحجة'' جب وہ ''عن'' سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ ''لا يحتج به'' اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ ابو مسہر کہتے ہیں کہ ''احاديث بقية ليست نقية فكن منها على تقية۔'' ''بقیہ کی احادیث صاف ستھری نہیں ان سے بچ کر رہنا چاہیے۔

ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ ''لا احتج ببقية۔'' ''میں بقیہ کی روایت سے سند نہیں لیتا۔''③

---

① البدایہ والنہایہ ص 304 ج8
② حوالہ مذکور ص 36 ج8
③ میزان الاعتدال تحت بقیہ

امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

''اجمعوا علی ان بقیۃ لیس بحجۃ'' محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ بقیہ قابل حجت اور قابل استدلال نہیں ہے۔①

حافظ منذری رحمہ اللہ بھی زیر بحث روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''وفیہ اسنادہ بقیہ بن الولید وفیہ مقال۔''②

''اس روایت کی سند میں بقیہ ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے۔''

اس صورت میں ہم اصولاً پابند ہیں کہ اس روایت کو ترجیح دیں جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کی تائید ہوتی ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''فانا مامورون بحسن الظن بالصحابۃ ونفی کل رذیلۃ عنھم واذا انسدت الطرق نسبنا الکذب الی الرواۃ۔''③

سو بہتر یہی ہے کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بقیہ بن ولید کی وجہ سے لائق اعتبار نہ مانا جائے اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی روایت کو ترجیح دی جائے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے واقعی ایک صدمہ جانا تھا اور وہ ''اتعدھا مصیبۃ'' کے قائل ہرگز نہیں تھے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ زیر بحث حدیث میں قابل اعتراض الفاظ روایتاً ودرایتاً غلط ہیں۔ لہٰذا ایسی روایت کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر وفاتِ حسن رضی اللہ عنہ پر اظہار مسرت کا الزام لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

---

① تھذیب التھذیب ص 478 ج 1، الکامل ابن عدی ص 504 ج 2 تحت بقیہ بن ولید
② مختصر سنن ابی داؤد، منذری ص 70 ج 2
③ نووی شرح مسلم ص 90 ج 2

52

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی کو قتل کروایا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اہم اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حجر بن عدی کو بلاوجہ قتل کرنے کا حکم صادر کیا۔

چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس نئی پالیسی کی ابتداء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت حجر بن عدی کے قتل سے ہوئی جو ایک زاہد و عابد صحابی اور صلحائے امت میں ایک اونچے مرتبے کے شخص تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت اور سب و شتم کا سلسلہ شروع ہوا تو عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اس سے زخمی ہو رہے تھے۔ مگر لوگ خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتے تھے۔ کوفہ میں حجر بن عدی سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت شروع کر دی...... اس طرح یہ ملزم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے گئے اور انہوں نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔''①

حجر بن عدی کوفہ کے باشندے اور قبیلہ کندہ کے سردار تھے۔ مودودی صاحب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی صحابیت متفقہ تھی۔ جبکہ ان کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

''امام البخاری وابن ابی حاتم عن ابیه وخلیفة بن خیاط وابن حبان فذکروہ فی التابعین وکذا ذکرہ ابن سعد فی الطبقة الاولٰی من اهل الکوفة ''

امام بخاری، ابن ابی حاتم، ابن خیاط، ابن حبان اور ابن سعد رحمہ اللہ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔②

① خلافت وملوکیت ص 164، 165

② الاصابہ ص 313 ج 1 تحت حجر بن عدی

امام ابن کثیر رحمہ اللہ ابو احمد عسکری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''اکثر المحدثین لا یصححون لہ صحبۃ۔ ''①

''اکثر محدثین ان کے صحابی ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔''

کوفہ سبائی پارٹی کا خصوصی مرکز تھا۔ اس لیے یہ بھی سبائی فتنے کا شکار ہو گئے۔ یہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع اور عاملین عثمان پر علانیہ لعن طعن کرتے تھے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شکایت کرتے اور ان کے بارے میں زیادتی کی بات کہتے تھے۔ ان کے امراء پر تنقید کرتے، ان سے انکار پر جلدی کرتے، اس میں مبالغہ کرتے اور ان لوگوں سے دوستی رکھتے تھے جو اپنے آپ کو شیعان علی رضی اللہ عنہ ظاہر کرتے اور دین میں تشدد کرتے تھے۔''②

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہوئے ان کی پالیسیوں کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سرعام سب وشتم کرتے تھے۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں ان حرکتوں سے منع فرماتے تھے۔ سید شریف رضی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں میں سے بعض کو اہل شام کے بارے میں برا بھلا کہتے سنا۔ یہ جنگ صفین کے دن تھے۔ آپ نے کہا:

''انی اکرہ لکم ان تکونوا سبّابین . . . ولو قلتم مکان سبّکم اللھم احقن دمائنا ودمائھم واصلح ذات بیننا وبینھم۔ ''③

''میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں دو۔ کاش تم انہیں برا کہنے کے بجائے یہ دعا کرتے اے اللہ! ہماری اور ان کی جانوں کو بچا اور ہمارے اور ان کے مابین اچھے حالات پیدا کر۔''

علامہ خالد محمود لکھتے ہیں کہ:

''جس طرح محمد بن ابی بکر سبائیوں کے ہاتھ چڑھا، طبقہ تابعین کے اور کئی لوگ بھی ان کی

---

① البدایہ والنہایہ ص 50 ج 8
② حوالہ مذکور ص 54 ج 8
③ نہج البلاغہ ص 420 ج 1

سازشوں میں شریک ہو گئے۔ ان میں ایک شخص حجر بن عدی بھی تھا جو بظاہر صالح اور پرہیزگار تھا مگر اندر سے وہ سبائی فتنے کا شکار ہو چکا تھا۔ اس وقت تک یہ فتنہ محض ایک سیاسی فتنہ تھا، ابھی تک اس نے مذہب کی شکل اختیار نہیں کی تھی۔

حجر بن عدی کوفہ کے قبیلہ کندہ میں سے تھا اور تابعی تھا۔ بعض لوگوں نے اسے صحابی بھی کہا ہے مگر بیشتر محدثین اسے صحابی تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے اردگرد کچھ اور لوگ بھی تھے جن کا کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والیوں کو برا بھلا کہنا تھا۔ یہ شیعانِ علی رضی اللہ عنہ تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ان کے ساتھ تھے اور نہ ان میں سے تھے......

شیعی مؤرخ دینوری لکھتا ہے کہ یہ لوگ حجر بن عدی، عمرو بن حمق اور ان کے ساتھی تھے۔ انہوں نے الٹا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

''لم تمنعنا من شتمهم ولعنهم''

آپ نے فرمایا: ''كرهت لكم ان تكونوا شتّامين لعّانين ولٰكن قولوا اللّٰهم احقن دمائنا ودمائهم واصلح ذات بيننا وبينهم ''①

''مجھے ناپسند ہے کہ لعنت کرنے والے اور (اہل شام کو) گالی دینے والے بنو۔ اس کی بجائے تم یہ کہو: اے اللہ! ہمارے اور ان کے خون بچا اور ہم میں اور ان میں حالات اچھے پیدا کر......

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی اور خلافت ان کے سپرد کر دی تو جو شخص حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے اعتراض کرنے کے لیے ملا وہ یہی حجر بن عدی تھا۔ اس نے ان الفاظ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مخاطب کیا:

''يا ابن رسول الله لوددت انى مت قبل ما رأيت اخرجتنا من العدل الى الجور فتركنا الحق الذى كنا عليه ودخلنا فى الباطل الذى كنا نهرب منه واعطينا الدنية من انفسنا وقبلنا الخسيسة الّتى لم تلق بنا۔ ''②

''اے رسول اللہ کے بیٹے! کاش کہ میں مر جاتا اور اس صورت (صلح) کو نہ دیکھتا۔ تو نے

① اخبار الطوال ص 125

② حوالہ مذکور ص 220

ہمیں عدل سے نکال کر ظلم کی طرف جھونک دیا ہے۔ ہم نے اس حق کو جس پر ہم تھے چھوڑ دیا ہے۔ ہم اس باطل میں داخل ہو چکے ہیں جس سے ہم بھاگتے تھے۔ اور ہم نے اپنے نفوس کو کمینگی دی ہے اور ہم نے وہ خفت قبول کر لی ہے جو ہمیں اب تک نہ آئی تھی۔

ذرا غور کیجیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس نیک کام پر (جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سید فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا) جائز اور ظالم کہنے والا، انہیں تارکِ حق کہنے والا، انہیں داعی باطل کہنے والا کیا دل کی گہرائیوں سے اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے والا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر معلوم نہیں شیعہ علماء حجر بن عدی کے بارے میں کیوں نرم گوشہ رکھتے ہیں؟

حجر بن عدی کی یہ تمام کوششیں حبّ علی رضی اللہ عنہ یا خاندانِ رسول کی عظمت کے لیے ہرگز نہ تھیں۔ یہاں حبّ علی رضی اللہ عنہ سے غرض نہ تھی صرف بغض معاویہ رضی اللہ عنہ درکار تھا یا بنو امیہ اور بنو ہاشم کے خاندانی فاصلوں کو اور بڑھانے کی ایک یہودیانہ سازش تھی۔ پھر اس شخص نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کھڑا کرنے کی بھی کوشش کی۔

حجر بن عدی عبیدہ بن عمرو کو ساتھ لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا...... آپ حسن کا ساتھ چھوڑ دیں اور انہوں نے جو یہ صلح کی ہے اسے رہنے دیں۔ کوفہ اور دوسرے علاقوں سے اپنے ساتھیوں کو جمع کریں اور مجھے اور میرے اس ساتھی کو یہ کام سپرد کر دیں۔ معاویہ کو پتہ ہی اس وقت چلے جب ہم تلواریں لے کر اس پر جا پہنچیں......

آگے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جواب بھی سنیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی بات نہ مانی اور فرمایا:

"انا قد بایعنا و عاھدنا و لا سبیل الی نقض بیعتنا۔"[1]

"بے شک ہم نے (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی) بیعت کر لی ہے اور (ان سے) عہد باندھا ہے اب ہمارے پاس اپنی بیعت کو توڑنے کی کوئی راہ نہیں (اسے توڑنے کا کوئی جواز نہیں)"

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ حجر بن عدی باوجود لبادہ زہد و عبادت کے قانون کی نظر میں مفسد تھا۔ دورِ اول کی شیعیت یہی تھی اور ان کا موضوعِ سیاست بنو امیہ اور بنو ہاشم کے اختلافات کو بڑھانا

---

[1] اخبار الطوال: ص 220

اور بنو امیہ سے نفرت پھیلانا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس نے جنگ قادسیہ میں حصہ لیا تھا اور جنگ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طرفداروں میں تھا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پالیسی کو کھلے بندوں غلط کہتا اس کی ہر ممکن کوشش ہوتی کہ جس طرح بھی بن پڑے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کو سبوتاژ کیا جائے۔①

علامہ خالد محمود اپنی ایک دوسری کتاب کے ''انتساب'' میں لکھتے ہیں کہ:

''حجر بن عدی ایک صحابی نہ تھا، اس کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ یہ پہلا شخص ہے جو مذکورہ صلح کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھا اور اپنے امام پر زبردست جرح کی۔ پھر اس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسانے کی کوشش کی۔②

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس کی باتوں میں نہ آئے اور کہا ہم بیعت کر چکے ہیں ہمارے سامنے اب نقض بیعت کا کوئی جواز نہیں ہم کیوں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے نکلیں۔ حجر بن عدی نے ہر طرف سے ناکام ہو کر پھر خود بغاوت تیار کی، اس پر گواہوں کی شہادت ہوئی، بغاوت کا اس پر مقدمہ چلا اور اسے اس سزا (جرم) میں قتل کیا گیا۔ ہمارے لاکھوں سلام ہوں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پر اور ہماری برأت ہے حجر بن عدی کے اس عمل سے۔ ہم پاکستان میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح چاہتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس عظیم فیصلے کے خلاف ہر عمل بغاوت کو روکیں۔ سعادت مند ہیں وہ جو اس باب میں حسنی اور حسینی بنیں اور بدقسمت ہیں وہ جو حجری بن کر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے خلاف بغاوت کریں۔

حجر بن عدی صحابی نہ تھا نہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی دوسرے سے روایت لیتا تھا۔

''اکثر المحدّثین لایصححون له صحبة''③

اکثر محدثین اس کے صحابی ہونے کی تصدیق نہیں کرتے۔

ہم اس انتساب میں حجر بن عدی کے ہنگامہ پرور کردار سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔''④

① عبقات جلد دوم ص 430 تا 434 طبع اول 1962ء، طبع دوم 1987ء
② الاخبار الطوال ص 220
③ البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 50
④ معیارِ صحابیت ص 3-4۔ مطبوعہ مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور 1993ء

پھر جب 41ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ والی کوفہ مقرر ہوئے تو وہ اپنے خطبوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے رحمت کرتے اور ان کے قاتلوں پر لعنت کرتے تو اس کے جواب میں حجر بن عدی کہتے:

''بل اياكم ... انی اشهد من تذمون وتعيرون لاحق للفضل وان من تزكون وتطهرون اولی بالذم۔''①

''یعنی ان باتوں کے مستحق تم خود ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جن کی تم عیب جوئی اور مذمت کرتے ہو وہ باعتبار فضیلت تم سے زیادہ ہیں۔ اور جن کی پاکدامنی اور خوبیاں بیان کرتے ہو وہ مذمت کے زیادہ مستحق ہیں۔''

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ان سے درگزر کرتے اور انہیں زبانی نصیحت کرتے رہتے کہ اس طرز عمل سے اجتناب کریں۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ آٹھ سال تک کوفہ کے گورنر رہے حجر بن عدی اس سارے عرصے میں اسی طرح تنقید کرتے رہے۔

بعض اوقات لوگوں کو وظائف کی ادائیگی میں تاخیر ہو جاتی تو حجر بن عدی گورنر کی مذمت میں اٹھ کھڑے ہوتے...... ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنر کوفہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بیت المال سے کچھ اشیاء دارالخلافہ روانہ کر دیں تو جب یہ مال روانہ ہوا تو حجر بن عدی نے سواریوں کی لگام پکڑ کر مال رکوایا۔ پھر بھی گورنر نے کوئی سختی نہیں کی بلکہ عفو و درگزر سے کام لیا۔②

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی گورنری کے آخری دور میں ایک خطبہ دیا جس میں کہا اے اللہ! عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم کر اور ان سے درگزر فرما، انہیں ان کے نیک اعمال کی جزا عطا فرما۔ انہوں نے تیری کتاب پر عمل کیا، تیرے نبی کی سنت کی پیروی کی، ہمیں ایک کلمہ پر جمع کیا، ہمارے خون کی حفاظت کی لیکن خود مظلوم قتل کر دیئے گئے۔ ''اللهم فارحم انصاره واولياءه ومحبيه والطالبين بدمه ويدعو علی قتلته۔'' اے اللہ! عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنے والے، ان کے مددگار اور ان کے خون ناحق کا قصاص طلب کرنے والوں پر بھی رحم فرما۔ اس کے بعد ان کے قاتلین کے لیے بددعا کی...... یہ سن کر حجر کھڑے ہو گئے۔

---
① تاریخ طبری ص 141 ج 6
② البدایہ والنہایہ ص 50 ج 8

''فنعر نعرة بالمغيرة سمعها كل من كان فى المسجد و خارجا منه فقام معه اكثر من ثلثى الناس يقول صدق حجر۔''①

''انہوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس زور سے نعرہ لگایا کہ اسے مسجد کے اندر اور باہر والوں نے بھی سنا۔ اس کے ساتھ ہی موجود لوگوں میں سے دو تہائی لوگ ان کی ہم نوائی میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سب پکار اٹھے کہ حجر سچ کہتے ہیں۔''

شیعہ مورخ ابوحنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مغیرہ (رضی اللہ عنہ) جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھے ''فحصبه حجر بن عدى'' تو حجر بن عدی نے اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں ان پر کنکریاں پھینکیں۔''②

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کر دیا۔ زیاد نے اپنے خطبہ میں حمد وثنا کے بعد امیر المومنین کے حقوق کا ذکر کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور قاتلین پر لعنت بھیجی تو حجر حسب معمول کھڑے ہو گئے اور اپنی سابقہ باتوں کا اعادہ کیا۔ زیاد نے بعد میں انہیں اپنے پاس تنہائی میں بلا کر سمجھایا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

خطبے کے دوران میں حجر نے کنکریاں اٹھائیں ''فحصبه و قال كذب عليك لعنة الله'' انہیں زیاد پر پھینکا اور کہا تم جھوٹ بولتے ہو تم پر اللہ کی لعنت ہو۔''③

زیاد جب بصرہ جانے لگے تو کوفہ پر حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ یہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ انہوں نے سبائیوں کی حجر بن عدی کے پاس بکثرت آمد و رفت دیکھ کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی......لیکن بے سود...... پھر جب حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ خطبہ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھے تو حجر بن عدی نے اپنا عمل پھر دہرایا۔

ابوحنیفہ دینوری لکھتے ہیں:

''فحصبوه فنزل من المنبر فدخل القصر و اغلق بابه۔''④

---

① تاریخ طبری ص 141 ج6 تحت 51ھ
② اخبار الطوال ص 223
③ البدایہ والنہایہ ص 51 ج8
④ اخبار الطوال ص 223

''حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں نے ان پر بھی کنکریاں پھینکیں یہ منبر سے اتر کر قصر امارت میں گئے اور دروازہ بند کر دیا۔''

ان حالات کی جب زیاد کو اطلاع ہوئی تو وہ واپس کوفہ آئے اور مشہور صحابی عدی بن حاتم، جریر بن عبداللہ بجلی، خالد بن عرفطہ ازدی رضی اللہ عنہم اور چند دیگر شرفائے کوفہ کو اتمام حجت کے لیے حجر بن عدی کے پاس بھیجا۔...... حجر ان سب حضرات کے ساتھ اپنے ہی گھر میں عدم توجہی کے ساتھ پیش آئے اور یہ وفد اپنے مشن میں ناکام ہو کر واپس آ گیا۔

جمعہ کے دن حجر بھرپور تیاری کے ساتھ مسجد میں آئے۔ زیاد نے خطبہ میں حالات پر روشنی ڈالی۔ مفسدین کو نتائج سے خبردار کیا۔ حجر نے اس موقع پر بھی حسب معمول زیاد پر سنگ باری کی۔ زیاد نے پھر صبر وضبط سے کام لیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حالات سے آگاہ کیا۔ تو انہوں نے زیاد کو جواباً لکھا کہ حجر کو میرے پاس بھیج دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں زیاد نے حجر کو بلانے کے لیے چند آدمی بھیجے تو انہوں نے نہ صرف آنے سے انکار کیا بلکہ ان سب کو برا بھلا کہا اور گالیاں دیں۔①

زیاد نے دوبارہ ایک جماعت کو گرفتاری کے لیے بھیجا تو ان کے ساتھ مسلح تصادم پر اتر آئے اور فریقین کے درمیان لاٹھیوں اور پتھروں کا تبادلہ ہوا۔ حتی کہ سرکاری فوج عاجز اور ناکام ہوئی۔ اس جھڑپ میں حجر کے ایک ساتھی عمرو بن حمق فرار ہو گئے مگر حجر گرفتار نہ ہو سکے۔

پھر زیاد نے محمد بن اشعث کو ایک لشکر دے کر بھیجا اور بالآخر وہ گرفتار ہو گئے۔ زیاد نے کوفہ کے رئیسوں سے کہا:

''اشهدوا علی حجر بما رأیتم منه'' تم نے حجر کے متعلق جو کچھ دیکھا ہے اس کی شہادت دو۔

انہوں نے کہا حجر نے اپنے پاس لوگوں کو جمع کر لیا ہے۔ خلیفہ وقت پر علانیہ سب وشتم کرتے ہیں۔ لوگوں کو جنگ پر اکساتے ہیں۔ اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ

''ان هذا الامر لا یصلح الا فی آل ابی طالب... وان هؤلاء النفر الذین معه هم رؤس اصحابه وعلی مثل رایه۔''②

''آل ابی طالب کے سوا خلافت کا کوئی مستحق نہیں۔ اس کے ساتھی اس کی جماعت کے

① طبری ص 191 ج 4
② حوالہ مذکور ص 150 ج 6

سر برآوردہ لوگ ہیں اور وہ بھی اسی رائے اور عقیدے پر ہیں۔''

مورخین نے گواہوں کی تعداد ستر بتائی ہے ان میں پانچ نام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں: وائل بن حجر، کثیر بن شہاب، عامر بن مسعود، محرز بن حارثہ اور عبید اللہ بن مسلم رضی اللہ عنہم۔ زیاد نے حجر اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گواہوں کی رپورٹ کے ساتھ وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب رضی اللہ عنہما کی زیر تحویل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریری شہادت ملاحظہ کرنے کے بعد براہِ راست موجود گواہوں سے شہادت لی۔ جرم ثابت ہونے پر ان کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ حجر سمیت چھ افراد کو بمقام عذراء قتل کر دیا گیا۔ اور باقی قیدیوں کی سزا معاف کر دی گئی کیونکہ ان کے متعلق ان ہی گواہوں نے جو انہیں لے کر آئے تھے سفارش کی تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ آئندہ اپنی باغیانہ سرگرمیاں ختم کر دیں گے۔ جبکہ حجر سے اس قسم کی کوئی توقع نہیں تھی۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے ارقم، ابوالاعور اسلمی نے عتبہ بن اخنس، حمزہ بن مالک ہمدانی نے سعد بن نمران، حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ابن حوبہ کے لیے سفارش کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان تمام کی سفارش قبول کر کے انہیں چھوڑ دیا۔''①

اس حوالے سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ زیاد نے جن لوگوں کی زیر نگرانی حجر بن عدی اور ان کے رفقاء کو شام بھیجا تھا ان کی آپس میں کوئی عداوت نہیں تھی ورنہ کوئی بھی کسی کی سفارش نہ کرتا۔ صرف مالک بن ہبیرہ سکونی کی سفارش حجر کے حق میں رد کی گئی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حجر بن عدی کو بغاوت پر اکسانے والے اور ان کے خلاف گواہی دینے والے بھی کوفی تھے۔ حجر نے خود اس کا اقرار کیا تھا:

''ثم قال اللهم انا نستعينک علی امتنا فان اهل الکوفة شهدوا علينا و ان اهل الشام يقتلوننا۔''②

''(حجر نے قتل کے وقت یہ دعا کی) اے اللہ! ہم اپنے لوگوں کے خلاف تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ یقیناً کوفیوں نے ہمارے خلاف گواہیاں دیں اور شامیوں نے ہمیں قتل کر دیا۔''

---

① تاریخ الکامل، ابن اثیر ص 484 ج3 ذکر مقتل حجر بن عدی 51ھ
② حوالہ مذکور ص 485 ج3

کوفیوں کی غداری کا یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا ان کی ساری تاریخ ہی غداری کے واقعات سے پُر ہے۔ حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ غداری کی۔ بعد میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی غداری پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

قد خذلتنا شیعتنا کہ ہمیں ہمارے شیعوں نے ہی ذلیل ورسوا کر دیا ہے۔ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بھی کوفیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

''تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو خود تم ہی نے ہمیں قتل کیا اور خود ہی روتے ہو۔''①

اس سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حجر بن عدی کے اصل قاتل ان کے اپنے ساتھی کوفی ہی ہیں۔ یہی بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی:

''**لست انا قتلتهم انما قتلهم من شهد عليهم۔**''②

''میں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ انہیں ان لوگوں نے قتل کیا ہے جنہوں نے ان کے خلاف شہادت دی ہے۔''

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حجر بن عدی کی تحریک بغاوت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اسی طرح حجر بن عدی تو گرفتار ہو گئے لیکن ان کے دوسرے ساتھی جو اصل فتنے کا سبب تھے بدستور روپوش رہے......

حقیقت یہ ہے کہ جو شورش حجر بن عدی اور ان کے اصحاب نے کھڑی کر دی تھی اگر اسی کا نام ''حق گوئی'' اور ''اظہار رائے'' ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ''بغاوت ، فتنہ وفساد'' اور ''شورش'' کے الفاظ لغت سے خارج کر دینے چاہییں۔③

ہر منصف مزاج شخص حجر بن عدی کے کردار کی روشنی میں باآسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس قدر قصوروار تھے؟ ان کے بدترین مخالف کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اور امیر زیاد رضی اللہ عنہ صبر وتحمل اور حوصلہ مندی کے پہاڑ تھے۔ لیکن ایک مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات ہیں جو اِن حقائق کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو مجرم

① جلاء العیون ص 270 ج2
② طبری ص 208 ج4
③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص 70، 78 طبع اپریل 1981ء

گردانے ہوئے ہیں۔

حجر بن عدی کے قتل کے بعد باغیانہ سرگرمیاں کچھ عرصہ کے لیے ماند پڑ گئیں اور سازشی عناصر خفیہ کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔ حجر کے بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمن بھی ان ہی نظریات کے حامل تھے اور اپنے آپ کو متشیع کہتے تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کیا تھا جنہیں اس جرم کی پاداش میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ حجر کی طرح اگر ان کے بیٹے بھی بے قصور ہی قتل کر دیے گئے تو پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا فتویٰ ہوگا؟

مودودی صاحب نے اس بحث کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علی رضی اللہ عنہ سے برأت کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھیجو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور حجر نے کہا میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے۔''①

موصوف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حجر کے خلاف یہ ساری کارروائی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھجوانے کے لیے کی گئی تھی۔ جس نے لعنت بھیجی اسے چھوڑ دیا گیا اور جس نے انکار کیا اسے قتل کر دیا گیا۔ کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ حجر کے جن ساتھیوں کو رہا کیا گیا انہوں نے سبِ علی رضی اللہ عنہ کا ارتکاب کیا تھا؟ کیا حجر اور ان کے چند ساتھیوں کے سوا بقایا تمام حضرات سبِ علی رضی اللہ عنہ کے گناہ میں ملوث ہیں؟ معلوم نہیں کہ موصوف کذابوں اور دجالوں کی روایات پر اعتماد کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف نفرت کیوں پھیلاتے ہیں؟

یہ روایت (کہ جلادوں نے حجر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجنے کا حکم دیا تھا) بھی طبری نے ابومخنف سے نقل کی ہے جس کا حدود اربعہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس ذات شریف کا نام ہی (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف) روایت کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے۔

موصوف نے اس واقعہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افسردگی کا بھی ذکر کیا۔② لیکن جب انہیں اصل حقائق کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عذر قبول کر لیا۔ ''فلما اعتذر الیها عذرته۔''③

ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

①② خلافت و ملوکیت ص 168 ③ البدایہ والنہایہ ص 55 ج 8

سے دریافت کیا تو امیر المومنین نے کہا:

''انی رایت فی قتلهم صلاحا للامة... ''①

میں نے ان کے قتل میں امت کی بہتری اور ان کے چھوڑ دینے میں امت کا فساد محسوس کیا۔

''انی وجدت قتل رجل فی صلاح الناس خیرا من استحیائه فی فسادهم ''②

''لوگوں کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے ایک شخص کو قتل کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اسے عوام کے فساد کے لیے زندہ چھوڑ دیا جائے۔''

مخالفین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب اس روایت کا بھی بہت چرچا کرتے ہیں کہ:

''سیقتل بعذراء ناس یغضب الله لهم واهل السماء۔''③

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عنقریب عذرا کے مقام پر کچھ لوگ قتل کیے جائیں گے ان کے اس قتل پر اللہ تعالیٰ اور آسمان والے بہت غضبناک ہوں گے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''هذا اسناد ضعیف منقطع ''

اس کے راویوں میں ضعف اور سلسلہ سند میں انقطاع پایا جاتا ہے۔

مودودی صاحب حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے چار افعال ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کرے تو وہ اس کے حق میں مہلک ہو۔ ایک ان کا اس امت پر تلوار سونت لینا اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لینا درآں حالے کہ امت میں بقایائے صحابہ موجود تھے۔ دوسرے ان کا اپنے بیٹے کو جانشین بنانا حالانکہ وہ شرابی اور نشہ باز تھا۔ ریشم پہنتا اور طنبورے بجاتا تھا۔ تیسرے ان کا زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا حالانکہ نبی کا صاف حکم موجود تھا کہ اولاد اس کی ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو اور زانی کے لیے کنکر پتھر ہیں۔

①② البدایہ والنہایہ ص 55 ج 8

③ المعرفة والتاریخ، فسوی ص 320

چوتھے ان کا حجر اور ان کے ساتھیوں کا قتل کر دینا۔''①

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ایسی لغو، بے بنیاد اور خلافِ حقیقت بات ہر گز نہیں کہہ سکتے اور یہ روایت ان کی طرف بلاشبہ کسی مجوسی کی منسوب کردہ ہے۔

موصوف نے اس کے لیے ابن اثیر اور ابن کثیر رحمہما اللہ کا حوالہ دیا ہے جنہوں نے اسے بلا سند نقل کیا ہے جبکہ ان دونوں کا ماخذ تاریخ طبری ہے۔ اور طبری کی اس روایت کی سند میں جناب حضرت ابو مخنف لوط بن یحییٰ کذاب، رافضی اور بدترین دشمن صحابہ راوی تشریف فرما ہیں۔ ان کی موجودگی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف روایت کی صحت کا اقرار کوئی ''مودودی'' ہی کر سکتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں ''کف لسان'' کے قائل تھے۔ چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

''قال شهده اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغبنا وعلموا وجهلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا قال المحاسبی فنحن نقول كما قال الحسن۔ ''②

''یہ وہ جنگیں ہیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے اور ہم غائب تھے۔ وہ حالات سے آگاہ تھے اور ہم بے خبر۔ جن امور میں وہ اکٹھے رہے ہم ان کی اتباع کرتے ہیں اور جن جن امور میں مختلف ہوئے ہم ان میں توقف اختیار کرتے ہیں (کسی کو برا نہیں کہتے) حضرت محاسبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصری رحمہ اللہ نے کہی۔''

ایک اور موقع پر جب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ معاویہ اور اس کا گروہ جہنم میں جائے گا تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے غضبناک ہو کر کہا:

''لعنهم الله وما يدريهم انهم فی النار۔ ''

''ایسے لوگوں پر اللہ کی پھٹکار ہو انہیں کیوں کر معلوم ہوا کہ وہ جہنم میں ہیں۔''

ان اقوال کی روشنی میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا اپنا نظریہ واضح ہو گیا اور جو مودودی صاحب نے ان کا قول نقل کیا ہے تو وہ یقیناً کسی مجوسی، یہودی اور سبائی (ابو مخنف لوط بن یحییٰ) راوی کا آں موصوف پر بہتان ہے۔

① خلافت وملوکیت ص 165، 166

② الجامع الاحکام القرآن ص 322 ج16

53

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حمق کو قتل کروایا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے عہد جاہلیت کے وحشیانہ طریقے (لاشوں کی بے حرمتی اور سر کٹوا کر اسے سر عام گشت کرانا) کے تحت عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ کو قتل کے بعد ان کے سر کو گشت کرایا۔ چنانچہ جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور انتقام کے جوش میں لاشوں کی بے حرمتی کرنے کا وحشیانہ طریقہ بھی جو جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اسلام نے مٹا دیا تھا۔ اس دور میں مسلمانوں کے اندر شروع ہوا...... (حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بعد) دوسرا سر عمرو بن حمق کا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے تھے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں انہوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ زیاد کی ولایت عراق کے زمانہ میں ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی وہ بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے وہاں ایک سانپ نے ان کو کاٹ لیا اور وہ مر گئے۔ تعاقب کرنے والے ان کی مردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس لے گئے۔ اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق بھیج دیا۔ وہاں اسے بر سر عام گشت کرایا گیا اور پھر لے جا کر ان کی بیوی کی گود میں ڈال دیا گیا۔''①

موصوف کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب اسی واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

''لاش کا مثلہ اسلام میں جائز نہیں۔ صحابہ کرام کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے، ان کا مثلہ کیا گیا، کلیجے چبائے گئے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی لاشوں کو رسوا کرنے سے ہمیشہ منع فرمایا۔''②

پیچھے حجر بن عدی کی باغیانہ سرگرمیاں گزر چکی ہیں۔ عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ بھی ان کے اعوان و انصار

---

① خلافت و ملوکیت ص 177

② خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 333

بلکہ رؤسا میں سے تھے اور ان باغیانہ سرگرمیوں میں برابر کے شریک تھے۔ جب حجر کو گرفتار کیا گیا تو یہ اس موقع پر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

مودودی صاحب نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ زیاد نے انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بھاگ گئے۔ ان کے فرار ہونے سے بھی ان کی منفی سرگرمیوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ نیز موصوف نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حصہ لیا تھا۔''

کتب طبقات و تاریخ میں جہاں عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کی ''صحابیت'' کی تصریح ملتی ہے وہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں ان کی شمولیت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف ان کی طرف سے باقاعدہ منظم تحریک چلانے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ ابو عبداللہ محمد بن سعد الزہری (م 230ھ) لکھتے ہیں کہ:

''مصریوں کے سرگروہ چار تھے عبدالرحمٰن ابن عدیس البلوی رضی اللہ عنہ، سودان بن حمران المرادی، ابن البیاع اور عمرو بن الحمق الخزاعی رضی اللہ عنہ۔ عمرو کا نام اس قدر غالب تھا کہ لشکر اسی سے منسوب ہو گیا......''①

ابی جعفر القاری، مولائے ابن عباس مخزومی سے مروی ہے کہ وہ مصری لوگ جنہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا، چھ سو تھے۔ ان کے رئیس عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی رضی اللہ عنہ (انہیں بھی صحبت حاصل ہے)، کنانہ بن بشر بن عتاب الکندی اور عمرو بن الحمق الخزاعی رضی اللہ عنہ تھے۔②

''عبدالرحمٰن بن محمد بن عبد سے مروی ہے کہ محمد بن ابی بکر، عمرو بن حزم کے مکان کی دیوار پر چڑھ کے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اس کے ہمراہ کنانہ بن بشر بن عتاب، سودان بن حمران اور عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ بھی تھا......

عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز نے کہا کہ میں نے ابن ابی عون کو کہتے سنا کہ کنانہ بن بشر نے آپ کی پیشانی اور سر کے اگلے حصے پر ایک لوہے کی سلاخ ماری جس سے وہ کروٹ کے بل گر پڑے۔ پھر سودان بن حمران المرادی نے تلوار مار کے قتل کر دیا لیکن عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ

① طبقات ابن سعد اردو۔ جلد 3، سیرت خلفائے راشدین ص 165۔ زیر عنوان: ''عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ'' مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی
② حوالہ مذکور ص 169

کود کے عثمان رضی اللہ عنہ پر آیا، سینے پر بیٹھ گیا حالانکہ آپ میں تھوڑی جان باقی تھی۔ اس نے آپ کو نو زخم لگائے اور کہا کہ ان میں تین تو میں نے اللہ کے لیے لگائے ہیں اور چھ اس غصے کی وجہ سے جو میرے قلب میں ان پر ہے۔''①

امام محمد بن سعد آگے چل کر ''عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ......ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ کوفے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔ ہر حال میں ان کے ہمراہ رہے۔

اور یہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کر کے آئے تھے اور ان کی شہادت میں اعانت کی تھی۔ ان کو عبدالرحمٰن ابن ام الحکم نے جزیرے میں قتل کر دیا تھا اور سب سے پہلے جس کا سر لایا گیا وہ یہی تھے۔''②

خطیب بغدادی نے ابن سعد کے بارے میں لکھا کہ ''عندنا من اهل العدالة'' یعنی ہمارے نزدیک وہ قابل اعتماد مصنف ہیں۔ ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد ج 5 ص 321۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''تہذیب التہذیب'' میں ان کو صدوق کہا ہے۔ الصفدی نے ان کو معتبر لکھا ہے۔③ ابن العماد الحکری نے ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی عبادت، زہد و اتقاء کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ایک مدت تک یہ ہر دوسرے دن نفل روزے رکھا کرتے تھے۔ ابن سعد کی کتاب ''طبقات الصحابہ والتابعین'' کو قدیم مآخذ تاریخ ہونے کی حیثیت سے ہر زمانے کے مؤرخین کے نزدیک کافی اہمیت حاصل رہی ہے۔

قدیم مؤرخ امام طبری (م 310ھ) لکھتے ہیں کہ:

''......ان محمد بن ابی بکر تسوّر علی عثمان من دار عمرو بن حزم و معه کنانة بن بشر بن عتاب و سودان بن حمران و عمرو بن الحمق... واما عمرو بن الحمق فوثب علی عثمان فجلس علی صدره وبه رمق فطعنه تسع طعنات، قال

① طبقات ابن سعد اردو۔ جلد 3، سیرت خلفائے راشدین ص 171۔ زیر عنوان: ''عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ'' مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی
② حوالہ مذکور جلد 6۔ ص 58
③ الوافی بالوفیات جلد 3 ص 88

عمرو: فاما ثلاث منهن فانی طعنتهن اياه الله و أماست فانّی طعنتهن اياه لما كان فی صدری عليه۔ ''①

محمد بن ابی بکر، عمرو بن حزم کے گھر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی دیوار پر چڑھ گئے تھے۔ ان کے ساتھ کنانہ بن بشر بن عتاب، سودان بن حمران اور عمرو بن الحمق تھے......

عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ حملہ کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سینے پر بیٹھ گئے تھے جبکہ آپ میں کچھ جان باقی تھی۔ انہوں نے اس وقت آپ پر نیزے کے نو حملے کیے۔ عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ خود کہتے ہیں: میں نے ان میں سے تین حملے اللہ کے لیے کیے اور چھ حملے اس لیے کیے کہ میرے سینے کے اندر انتقام کی آگ بھڑکی ہوئی تھی۔''

حافظ ابن عبد البر (م 463ھ) لکھتے ہیں کہ:

''هوعمروبن الحمق والحمق هوسعدبن كعب هاجر الی النبی ﷺ بعد الحديبية وقيل بل اسلم عام حجة الوداع والاول اصح صحب النبیّ ﷺ... وكان ممّن سار الٰی عثمان وهو أحد الاربعة الّذين دخلوا عليه الدار... و أعان حجربن عدی ثم هرب فی زمن زياد الی الموصل... وأعان حجربن عدی ثم هرب فی زمن زياد الی الموصل... ''②

اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمرو کے بجائے ''الحمق'' کو صحبت حاصل تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بات عمرو رضی اللہ عنہ کی ہی ہو رہی ہے اور وہی مراد ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے والوں میں بھی شامل تھے اور وہ ان چار میں سے ایک تھے جو ان کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ بعد ازاں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف حجر بن عدی کی تحریک بغاوت میں ان کی مدد کی۔ پھر زیاد کے دور امارت میں وہ موصل کی طرف بھاگ گئے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (م 748ھ)، حافظ ابن کثیر دمشقی (م 774ھ)، علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) اور دیگر ارباب سیر و تاریخ نے بھی عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے ساتھ ساتھ ان کا قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں ملوث ہونا اور ان کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف حجر بن عدی کی تحریکِ بغاوت کے

---

① تاریخ الطبری جلد 2۔ ص 812۔ دار صادر۔ بیروت۔ لبنان 1429ھ/2008ء

② الاصابہ مع الاستیعاب جلد دوم ص 524۔ طبع بیروت

رؤسا میں سے ہونا تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والاعلام" للذهبی المجلدالثانی ص 424 ، "البدایه والنهایه جلد 8 ص 48، الاصابه مع الاستیعاب جلد 2 ص 533۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابن سعد، امام طبری، حافظ ابن عبدالبر، امام ذہبی، حافظ ابن کثیر، علامہ ابن حجر عسقلانی وغیرہم کے نزدیک عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ شرف صحابیت کے باوجود قتل عثمان رضی اللہ عنہ اور حجر بن عدی کی منفی سرگرمیوں میں بھی ان کے معاون رہے ہیں۔

اس کے برعکس بعض دیگر اکابر کے نزدیک قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں کوئی صحابی شریک نہیں تھا چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م 1176ھ) لکھتے ہیں کہ:

''امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بالاجماع صحیح ہے اور آپ ظلماً قتل ہوئے اور آپ کے قاتل فاسق تھے۔ کیونکہ قتل کے موجبات مضبوط ہونے چاہئیں۔ اور آپ سے ایسی کوئی چیز سرزد نہیں ہوئی (جس کی بنا پر آپ کا قتل جائز ہوتا)

''ولم یشارک فی قتله احد من الصحابة وانما قتله همج ورعاع من غوغاء القبائل وسفلة الاطراف والاراذل ''اور آپ کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہیں تھے۔ بلکہ آپ کے قاتلین کمینہ، ذلیل صفت، اوباش اور اطراف وجوانب کے سفلہ خصلت رذیل لوگ تھے۔''①

علامہ ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ان احدا من الصحابة لم یسع علیه ولا قعد عنه۔ ''②

''بلاشبہ کوئی صحابی بھی نہ تو آپ کی مخالفت میں سرگرم عمل ہوئے اور نہ آپ کی حمایت وحفاظت ہی کے فریضہ سے کنارہ کش ہوئے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (م 774ھ) لکھتے ہیں کہ:

''واما ما یذکره بعض الناس من ان بعض الصحابة اسلمه ورضی بقتله ، فهذا لایصح عن أحد من الصحابة أنه رضی بقتل عثمان رضی اللہ عنہ بل کلهم کرهه ومقته

---
① قرة العینین فی تفضیل الشیخین ص 144
② العواصم من القواصم ص 136

وسب من فعله ، ولكن بعضهم كان يود لو خلع نفسه من الامر ، كعمار بن ياسر ومحمد بن ابی بکر وعمرو بن الحمق وغيرهم ''①

''یہ جو بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو باغیوں کے حوالے کر دیا تھا اور آپ کے قتل سے وہ خوش تھے۔ تو یہ بات کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت نہیں۔ بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے قتل کو نفرت اور کراہت کی نگاہ سے دیکھا اور قاتلوں سے بہت ناراض ہوئے۔ اور جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا ان کے اس غلط فعل کی وجہ سے انہیں برا بھلا کہا۔ لیکن ان میں سے بعض جیسے حضرت عمار بن یاسر، محمد بن ابی بکر اور عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ وغیرہم چاہتے تھے کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔''

امام ابن کثیر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

''......ومع هذا كان أحد الاربعة الّذين دخلوا علٰى عثمان... وكان من جملة من أعان حجر بن عدى... ''②

......علاوہ ازیں عمرو بن الحمق ان چار اشخاص میں سے ایک تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر داخل ہوئے تھے......

اور وہ حجر بن عدی کے مددگاروں میں شامل تھے......

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م 728ھ) لکھتے ہیں کہ:

''فان خيار المسلمين لم يدخل واحد منهم فی دم عثمان لا قتل ولا امر بقتله وانما قتله طائفة من المفسدين في الارض من اوباش القبائل واهل الفتن۔ ''③

''حقیقت یہ ہے کہ اچھے مسلمانوں میں سے ایک بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک نہیں ہوا۔ نہ تو خود قتل کیا اور نہ قتل کا حکم دیا بلکہ انہیں مفسدین کی ایک جماعت نے شہید کیا جو اوباش قبائل اور فتنہ پرداز لوگوں پر مشتمل تھی۔''

حافظ سید محمد علی حسینی (آف انڈیا) لکھتے ہیں کہ:

① البدایہ والنہایہ ص 198 ج 7
② حوالہ مذکور جلد 8 ص 48
③ منہاج السنہ ص 186 ج 2 طبع بیروت۔ لبنان

''عمرو بن الحمق کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کے دو شخص تھے ایک تو وہی ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک پر برچھے کے گہرے گھاؤ لگائے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کو بھی گھاؤ لگوائے گئے۔

دوسری وہ شخصیت ہے جس کے بارے میں مولانا مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے تھے۔ صحابی عمرو بن الحمق کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ عمل کیا ہو...... یہ بات متفقہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں جو لوگ شریک تھے اور آپ پر ہاتھ اٹھائے تھے ان میں سے کوئی بھی شرف صحابیت سے مشرف نہیں تھا اس لیے صحابی عمرو بن الحمق کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حصہ لیا تھا صحیح نہیں ہے......''①

راقم الحروف کو عمرو بن الحمق نام کے دو شخص ہونے کے بارے میں کوئی اصل حوالہ نہیں مل سکا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کی سن وفات کے بارے میں تین قول لکھے ہیں کہ 50ھ، 51ھ، 63ھ (واقعہ حرّہ میں قتل ہوئے)②

اسی طرح ان کی وفات کی وجہ کے بارے میں بھی تین قول ہیں:

1۔ گرفتاری کے بعد خوف سے فوت ہوئے۔

2۔ سانپ کے ڈسنے سے فوت ہوئے۔

3۔ عبدالرحمٰن بن عثمان الثقفی حاکم موصل نے قتل کیا۔③

امام ابن سعد (م 230ھ)، امام طبری (م 310ھ)، امام ابن عساکر (م 574ھ)، ابن اثیر (م 630ھ)، ابن کثیر (م 774ھ)، ابن خلدون (م 804ھ)، ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) وغیرہم نے لکھا کہ:

عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے حاکم موصل نے قتل کیا۔ جبکہ دوسری روایات کے مطابق ان کی موت غار میں سانپ کے ڈسنے سے ہوئی۔

---

① تاریخ اسلام کے مسخ کردہ حقائق ص 65۔ مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی

②③ الاصابہ جلد دوم ص 533۔ تحت رقم 5818

مولانا سید مودودی صاحب نے طبقات ابن سعد جلد6ص25 ، الاستیعاب جلد2 ص440 ، تھذیب التھذیب جلد8ص24 ، البدایہ جلد8ص48 کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ:

''سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور انتقام کے جوش میں لاشوں کی بے حرمتی کرنے کا وحشیانہ طریقہ بھی جو جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اسلام نے مٹا دیا تھا اسی دور میں مسلمانوں کے اندر شروع ہوا۔''①

موصوف کے پیش کردہ حوالوں میں جہاں تک طبقات ابن سعد کا تعلق ہے تو اس میں سانپ کے ڈسنے کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ قتل کے بعد ''سر'' کے گشت کا ذکر ہے۔ ''الاستیعاب'' میں سانپ کے ڈسنے سے موت واقع ہو جانے کے بعد حاکم موصل کا سر کاٹ کر اسے کوفہ زیاد کے پاس پھر وہاں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق بھیجنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔

''فأخذ عامل الموصل رأسه وحمله الٰی زیاد فبعث به زیاد الٰی معاویة وکان اول رأس حمل فی الاسلام من بلد الٰی بلد. . . ''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تھذیب التھذیب میں بحوالہ ابن حبّان اور بسند ابومخنف لکھا ہے کہ:

''فأخذ عامل الموصل رأسه وحمله الٰی زیاد فبعث زیاد رأسه الٰی معاویة . . .
وذکر ابن جریر عن ابی مخنف ان عمرو بن الحمق کان من اصحاب حجر بن عدی یعنی فلذٰلک ارید قتله وحمل رأسه لمامات۔ ''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن حبان کے حوالے سے ''الاصابہ جلد 2۔ ص 533'' پر بھی یہی بات لکھی ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی صاحب کے ایک اہم ''ماخذ'' البدایہ والنھایہ جلد8ص48 سے اصل عبارت ہدیۂ قارئین کر دی جائے:

''اور اسی سن (50ھ) میں عمرو بن الحمق بن الکاہن الخزاعی کی وفات واقع ہوئی۔ انہوں نے فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کیا اور ہجرت کی ......

① خلافت وملوکیت ص 177

اوراس کے ساتھ ساتھ وہ ان چار اشخاص میں سے ایک تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر داخل ہوئے تھے پھراس کے بعد وہ شیعانِ علی رضی اللہ عنہ میں شامل ہو گئے اور جنگ جمل وصفین میں شریک ہوئے۔

اورعمرو بن الحمق ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک بغاوت میں) حجر بن عدی کی مدد کی تھی۔زیاد نے انہیں تلاش کیا تو وہ موصل کی طرف بھاگ گئے۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے موصل کے نائب کو پیغام بھیجا تو انہوں نے انہیں تلاش کرلیا جو ایک غار میں چھپ گئے تھے جہاں ایک سانپ کے ڈسنے سے وہ فوت ہو گئے تھے۔ان کارندوں نے ان کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا پھراس سر کو شام میں گھمایا پھرایا گیا اور یہ پہلا سر تھا جسے پھرایا گیا۔

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سر کو ان کی بیوی آمنہ بنت الشرید کے پاس بھیج دیا جو ان کے قید خانے میں محبوس تھی اور اس سر کو ان کی گود میں پھینک دیا گیا......

......فنهشته حية فمات فقطع رأسه فبعث به الٰى معاوية ، فطيف به فى الشام وغيرها ، فكان اول رأس طيف به۔ثم بعث معاوية برأسه الٰى زوجته آمنة بنت الشريد وكانت فى سجنه فألقى فى حجرها... "①

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ (م 235ھ) نے "شریک ، ابی اسحاق اور ہنیدہ بن خالد الخزاعی" کی سند سے عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کے سر کے متعلق تین روایات نقل کی ہیں:

"انّ اول رأس اهدى فى الاسلام رأس ابن الحمق اهدى الٰى معاوية "②

"انّ" کے سوا باقی الفاظ ایک ہی جیسے ہیں ، جبکہ ایک روایت میں اسی سند سے یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

"اول رأس اهدى فى الاسلام رأس ابن الحمق "③

① البدایہ والنہایہ الجزء الثامن ص 48۔مکتبۃ المعارف۔بیروت

② المصنف لابن ابی شیبہ۔جلد 18۔ص 200۔رقم الحدیث 34302۔ "کتاب السیر باب فی حمل الرؤوس" نیز "کتاب الاوائل باب اول مافعل ومن فعلہ" جلد 19۔ص 600۔رقم الحدیث 37172

③ "کتاب الامراء۔باب ماذکر من حدیث الامراء" جلد 16۔ص 118۔رقم الحدیث 31306۔ طبع "ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی"

اس روایت کو سب سے معتبر ''قرار'' دیا گیا ہے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ موت قتل سے واقع ہوئی یا سانپ کے ڈسنے سے یا پھر خوف طاری ہونے کی وجہ سے۔ دیگر روایات کی بناء پر اس روایت کو ''سانپ کے ڈسنے'' پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ جن روایات میں ''سر'' کے گشت کرانے کا ذکر پایا جاتا ہے ان کا تعلق ''سانپ کے ڈسنے'' سے ہی ہے البتہ اس ''معتبر'' روایت سے مودودی صاحب کے اعتراض کی تائید ہو جاتی ہے کہ ''سر'' کو گشت کرایا گیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک اسے پہنچایا گیا ہے۔

امام محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی (م 354ھ) نے سانپ کے ڈسنے سے موت کے وقوع کے بعد لکھا کہ:

''فأخذ عامل الموصل رأسه وحمله الى زياد ، فبعث زياد برأسه الى معاوية ، و رأسه اول رأس حمل في الاسلام من بلد الى بلد۔ ''①

امام ابن عساکر علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ (م 571ھ) نے لکھا ہے کہ:

عمرو بن الحمق کے سر کو ان کی بیوی آمنہ بنت الشرید کی گود میں رکھ دیا گیا جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کے قید خانے میں محبوس کر رکھا تھا:

''فحبسها معاوية في سجن دمشق زماناً حتىٰ وجّه اليها برأس عمرو بن الحمق فالقى في حجرها . . . ''②

قطع نظر اس کے کہ ''سر'' بیوی کی گود میں ڈالا گیا تھا یا نہیں لیکن مذکورہ روایات کو معتبر سمجھنے والوں کے نزدیک اتنی بات تو ثابت ہوگئی ہے کہ مرنے کے بعد حضرت عمرو بن الحمق کا ''سر'' جسم سے الگ کر کے اسے شام پہنچایا گیا لیکن اس فعل کا حکم دربار خلافت سے جاری ہونا ہرگز ثابت نہیں ہے۔ جبکہ مودودی صاحب نے بھی اس واقعہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ہی بتایا ہے اور یہ نہیں لکھا کہ ''سر'' کاٹنے کا حکم انہوں نے دیا تھا۔

جہاں تک بیوی کی گود میں ''سر'' کے ڈالے جانے کا تعلق ہے تو ابن کثیر نے اس روایت کی سند ذکر نہیں کی جبکہ امام ابن عساکر نے اسے ''**عن اسحاق بن ابی فروہ عن یوسف بن سلیمان عن**

① الثقات لابن حبان جلد 3 ص 275
② تاریخ دمشق لابن عساکر 40/69۔ طبع دار الفکر بیروت

جدته یعنی میمونة'' کی سند سے روایت کیا ہے۔''اسحاق بن ابی فروہ (اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروۃ) متروک راوی ہے۔

قال البخاری، ترکوہ ونهی احمدعن حدیثه، وقال ابوزرعة وغیرہ: متروک۔
وقال ابن معین وغیرہ: لایکتب حدیثه۔①

یوسف بن سلیمان مجہول راوی ہے: یوسف بن سلیمان عن جدته میمونة، و عنه اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروۃ مجھول ''②

اس سے بیوی کی گود میں ''سر'' ڈالے جانے کی روایت کی حیثیت تو واضح ہوگئی لیکن سر کے گشت کرانے کی تردید نہیں ہوسکتی جسے بعض علماء و مؤرخین نے معتبر روایات قرار دیا ہے۔

اس سے یہ حقیقت بھی طشت از بام ہوگئی ہے کہ حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کی موت کا واقعہ (خواہ کسی سبب سے بھی ہو) موصل کے ایک پہاڑ کے ''غار'' میں 50ھ یا 51ھ میں پیش آیا ہے۔

''معتبر روایات'' کی رو سے چند سوالات حل طلب ہیں:

1۔ کیا حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ غار میں اکیلے روپوش تھے؟
2۔ اگر ان کا کوئی رفیق تھا تو سانپ کے ڈسنے سے جب ان کی موت واقع ہوگئی تو پھر وہ رفیق کہاں چلے گیا تھا؟
3۔ کیا ایسے نازک موقع پر کسی رفیق کو بھاگ جانا زیب دیتا ہے؟

مذکورہ ''معتبر روایات'' سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ اس موقع پر اکیلے تھے، ''سانپ'' نے صرف ان ہی کو ڈسا جس سے ان کی موت واقع ہوگئی تھی لیکن اس سے تشنگی دور نہیں ہوتی کیونکہ یہ سوال اپنی جگہ اہم ہے کہ ''ڈسنے'' کے ساتھ ہی موت واقع ہوئی تھی یا کچھ وقت گزرنے کے بعد؟ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ''رفیق'' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے اپنے وفادار گھوڑے پر سوار ہوکر فرار ہوگئے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گھوڑا بھی ان کے ساتھ ''غار'' میں روپوش رہا۔ ایک یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکومت وقت کو حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ اکیلے مطلوب تھے یا ان کے ''رفیق'' بھی؟

① میزان الاعتدال جلد اول ص 193
② الاکمال فی ذکر من له روایة فی مسند الامام احمد، لأبی المحاسن محمد بن علی الشافعیم 765ھ ص 480

پیچھے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ بعض اربابِ سِیَر و تاریخ کے نزدیک حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف اور ان پر قاتلانہ حملہ کرنے والوں میں شامل تھے (جبکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مصر سے آنے والے چاروں گروہوں کے سپریم کمانڈر بھی تھے) اس سے کم ازکم یہ بات تو ضرور ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے والوں کے شریک کار تھے۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمل، صفین ونہروان میں شریک رہے۔ بعد ازاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست برداری کے بعد یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالف کیمپ بالخصوص حجر بن عدی کے گروہ میں شامل ہو گئے۔

گورنر کوفہ نے اس گروہ کی گرفتاری کا حکم دیا تو انہوں نے سرکاری دستے پر حملہ کر کے اپنے ایک ساتھی رفاعہ بن شداد کی معیت میں موقع سے بھاگ کر ''مدائن'' پھر موصل کے ایک غار میں روپوشی اختیار کر لی۔

امام طبری اس ''چھاپے اور فرار'' کے متعلق ''ہشام بن محمد، ابی مخنف، مجالد بن سعید عن الشعبی، زکریا بن ابی زائدۃ عن ابی اسحاق'' کی سند سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:

''......وزیاد لیس له عمل الّا طلب رؤساء اصحاب حجر فخرج عمرو بن الحمق ورفاعة بن شداد حتیٰ نزلا المدائن ثم ارتحلا حتیٰ اتیأ ارض الموصل فأتیا جبلاً فکمنا فیه وبلغ عامل ذلک الرستاق ان رجلین قد کمنا فی جانب الجبل فاستنکر شأنهما... فسار الیهما... فلمّا انتهی الیهما خرجا فأما عمرو بن الحمق فکان مریضاً... وامّا رفاعة بن شداد و کان شابا قویا... ''[1]

......اور اب زیاد کو ان رؤسا کی فکر ہوئی جو حجر کے اصحاب میں تھے۔ عمرو بن حمق اور رفاعہ بن شداد کوفہ سے نکل گئے، مدائن میں پہنچے پھر وہاں سے بھی چلے سرزمین موصل میں آئے یہاں ایک پہاڑ میں یہ دونوں چھپ رہے۔ اس گاؤں کے عامل کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ دو شخص اس پہاڑ کے دامن میں چھپے ہوئے ہیں، اسے ان دونوں پر اشتباہ ہوا......(عبداللہ بن بلتعہ

---

[1] تاریخ الطبری جلد 3 ص 979۔ طبع دار صادر بیروت 1429ھ/2008ء

اپنے ساتھ سواروں اور اہل شہر کو لے کر پہاڑ کی طرف آیا) جب ان دونوں شخصوں تک پہنچا تو وہ دونوں باہر نکل آئے۔ عمرو بن الحمق مریض تھے وہ تو اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے تھے ہاں رفاعہ بن شداد قوی ہیکل جوان تھا......

یہی واقعہ علامہ ابن اثیر الجزری (م 630ھ) نے بھی لکھا ہے:

"...فخرج عمروبن الحمق حتى اتى الموصل ، فساراليهما ، فخرجا اليه..."①

......پس عمرو بن الحمق نکلے یہاں تک کہ موصل پہنچے اور ان کے ساتھ رفاعہ بن شداد تھے۔ وہ دونوں وہاں ایک پہاڑی میں روپوش ہو گئے۔ عامل موصل کو ان کی خبر ہو گئی وہ ان دونوں کی طرف روانہ ہوا اور وہ دونوں اس کے مقابلے کو نکلے......

رئیس المؤرخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون (م 804ھ) نے بھی یہی واقعہ نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ ابن خلدون (اردو) حصہ دوم خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ ص 43۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے مدائن پھر موصل تک کا طویل سفر اپنے رفیق "رفاعہ بن شداد" کی معیت میں کیا اور وہ دونوں وہاں غار میں اکٹھے رہے۔ جن روایات میں سانپ کے ڈسنے سے عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کی موت کے واقع ہونے اور ان کے سر کے گشت کرانے کا ذکر ہے ان میں ان کے رفیق "رفاعہ بن شداد" کا کوئی اتہ پتہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اپنے قائد کو مردہ حالت میں چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے۔

ابو عاصم رفاعہ بن شداد الفتیانی الکوفی، عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ اور حجر بن عدی کے گروہ میں شامل تھے جب حجر بن عدیؒ کی گرفتاری کے لیے سرکاری اہلکار آئے تو ان کے ساتھ جھڑپ کے دوران، رفاعہ بن شداد، عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کی معیت میں بھاگ کر موصل کے ایک غار میں روپوش ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد (50ھ، 51ھ) عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ تو حاکمِ موصل کے کارندوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے جبکہ رفاعہ بن شداد ان کی مشاورت کے ساتھ یہاں سے بھی بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔

بعد ازاں وہ سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کی تحریک "التوابین" میں شامل ہو گئے اور ان ہی کی معیت

① الكامل فى التاريخ/تاريخ ابن اثير تحت سنة احدى وخمسين

میں شام کے قریب مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کے لشکر کے ساتھ بھرپور جنگ میں حصہ لیا۔ اس جنگ میں رفاعہ بن شداد اپنے چند ساتھیوں سمیت زندہ بچ کر واپس آئے۔ ①

شروع میں انہوں نے مختار بن ابی عبید کو اس کی جیل سے رہائی کے سلسلہ میں اسے اپنی حمایت کا یقین دلایا لیکن انہیں معلوم تھا کہ یہ شخص اندرونِ خانہ سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کا مخالف تھا اس لیے وہ اپنی قوم کے افراد کے ہمراہ عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ عامل کوفہ (جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقرر کردہ تھے) کے لشکر میں شامل ہو کر مختار کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ اس لشکر نے اپنا مشہور نعرہ ''یالثاراتِ الحسین رضی اللہ عنہ'' لگایا۔ یہ نعرہ سن کر رفاعہ بن شداد چونکے کیونکہ اسی نعرہ کے تحت انہوں نے سلیمان بن صرد کی قیادت میں اہل شام کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اس دوران ان کے ایک لشکری عابد وزاہد یزید بن عمیر بن ذی مران الہمدانی نے ''یالثاراتِ الحسین رضی اللہ عنہ'' (ہائے حسین رضی اللہ عنہ کا انتقام) کے جواب میں ''یالثاراتِ عثمان رضی اللہ عنہ'' (ہائے عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام) کا نعرہ لگایا۔ (یہ ملحوظ رہے کہ شمر بن ذی الجوشن بھی عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے) ''یالثاراتِ عثمانؓ'' کا نعرہ سن کر رفاعہ بن شداد نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم ایسے لوگوں کی حمایت میں لڑنے نہیں آئے ہیں جو عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینا چاہیں:

''فقال لهم رفاعة بن شداد: مالنا و لعثمان! لا أقاتل مع قوم يبغون دم عثمان ''

اس پر اس کی قوم کے بعض لوگوں نے اس سے کہا:

تم ہم کو (مختار کے) مقابلہ پر لائے، ہم نے تمہاری اطاعت کی۔ اب جبکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم پر تلواریں پڑ رہی ہیں، تم کہتے ہو کہ دشمن کا مقابلہ چھوڑ کر پلٹ جائیں، یہ نہیں ہو سکتا۔

قوم کی طرف سے یہ جواب سن کر رفاعہ بن شداد نے یہ ''رجز'' پڑھا:

''أنا ابن شداد على دين على لست لعثمان بن أروى بولى لأصلين (لأصطلين) اليوم فيمن يصلى بحر نار الحرب غير مؤتل '' (میں ابن شداد ہوں، دین علی رضی اللہ عنہ پر ہوں، میں عثمان بن اروی کا ساتھی نہیں ہوں۔ میں ضرور جنگ کی آگ کے سمندر کو بھڑکاؤں گا جس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔

پھر مختار کی فوج پر پلٹا، قتال کیا اور 66ھ میں مارا گیا۔ ②

---

① ملاحظہ ہو: کتاب الثقات لابن حبان م 354ھ جلد 4 ص 240

② تاریخ الطبری جلد 3۔ ص 1136 تحت ''ثم دخلت سنة ست وستين'' طبع دار صادر بیروت 2008ء

مذکورہ ''رجز'' سے معلوم ہوا کہ رفاعہ بن شداد عین قتل ہونے سے پہلے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شدید جذبات رکھتے تھے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

الکامل فی التاریخ لابن اثیر (م 630ھ) تحت 66ھ ، تهذیب الکمال للمزی (م 742ھ) ص 486-487۔ رقم الترجمه 1901۔ جلد ثانی ، تاریخ اسلام للذهبی (م 748ھ) جلد 5 ص 50 ، البدایه والنهایه لابن کثیر (م 774ھ) جلد 8۔ ص 267۔ تحت "ثم دخلت سنة ست وستین۔"

اس طرح 50ھ میں کوفہ، بعد ازاں موصل سے دو مرتبہ فرار اختیار کرنے والے عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کے دیرینہ ساتھی رفاعہ بن شداد بھی بالآخر 66ھ میں مختار بن ابی عبید ثقفی کے مقابلے میں قتل ہو گئے۔

لہٰذا عامل موصل کا عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کا (سانپ کے ڈسنے سے موت واقع ہو جانے کے بعد) سر کاٹ کر بصرہ، کوفہ، دمشق، شہر بہ شہر ''من بلد الی بلد'' گشت کرانے کا واقعہ محض ایک افسانہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس سے متہم کرنے کے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ جو حضرات اس روایت کو ''معتبر'' قرار دیتے ہیں اس سے مودودی صاحب کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض درست تسلیم کر لیا گیا ہے۔

ملک غلام علی صاحب سابق جج شریعت کورٹ لکھتے ہیں کہ:

> ''مولانا مودودی کا اصل اعتراض یہ ہے کہ اس دور میں لوگوں کے سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کا طریقہ مسلمانوں کے اندر شروع ہوا جو ''جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اسلام نے مٹا دیا تھا......''①

تاریخ طبری، تاریخ ابن اثیر اور تاریخ ابن خلدون کے حوالے سے اوپر جو یہ بتایا گیا ہے کہ عامل موصل اور اس کے کارندے جب عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ اور رفاعہ بن شداد کی گرفتاری کے لیے غار میں پہنچے تو وہ دونوں ان کے مقابلے کے لیے باہر نکلے، اس سے آگے روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ:

> ''عمرو بن الحمق مریض تھے، ان کے پیٹ میں پانی اتر آیا تھا وہ تو اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے تھے ہاں رفاعہ بن شداد قوی ہیکل جوان تھا وہ اپنے باوفا ''گھوڑے'' پر سوار ہو گیا اور عمرو بن الحمق سے کہا: میں آپ کی طرف سے لڑتا ہوں، عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا تمہارے لڑنے سے مجھے

① خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 232-233

کیا نفع پہنچے گا، اگر ہو سکے تو اپنی جان بچا کر نکل جاؤ۔
اس نے ان سب پر حملہ کر دیا، سب منتشر ہو گئے یہ نکل گیا اور گھوڑا اسے لے بھاگا......
عمرو رضی اللہ عنہ گرفتار ہو گئے پوچھا تو کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں وہ شخص ہوں جسے چھوڑ دو گے تو تمہارے لیے اچھا ہو گا اور اگر قتل کرو گے تو تمہارے لیے برا ہو گا۔ ان لوگوں نے بہت پوچھا مگر اس نے کچھ نہ بتایا۔ ابن ابی بلتعہ نے عامل موصل عبدالرحمٰن ثقفی کے پاس بھیج دیا، اس نے دیکھتے ہی عمرو رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا حال لکھ بھیجا۔
معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں اسے لکھا کہ: عمرو نے عثمان رضی اللہ عنہ پر تیر کی بھال سے جو اس کے پاس موجود تھی، نو طعن کیے تھے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ اس پر زیادتی کی جائے جس طرح اس نے عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کیے ہیں تو بھی نو طعن (وار) اس پر کر۔
اس حکم پر عمرو کو نکال باہر لائے اور نو طعن اس پر کیے گئے۔ پہلے یا دوسرے وار میں وہ مر گئے۔''①

امام طبری، امام ابن اثیر اور امام ابن خلدون نے یہی واقعہ نقل کیا ہے؛ اس میں نہ تو سر کاٹنے کا ذکر ہے اور نہ ہی سر کے موصل سے بصرہ، کوفہ اور دمشق گشت کرانے کا ہی کوئی اشارہ پایا جاتا ہے۔
یہ روایت اگر ابو مخنف وغیرہ کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے تو مرنے کے بعد سر کاٹنے کی روایت بھی تو ابو مخنف سے ہی مروی ہے؛ وہ کیونکر قبول کر لی گئی؟
شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:
''دوسرا واقعہ عمرو بن الحمق کا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا سر گشت کرایا، میں نے گزارش کی تھی کہ گشت کرانے کا قصہ مولانا (مودودی) کے دیے ہوئے چار حوالوں میں سے صرف البدایہ والنہایہ میں ہے۔ تہذیب التہذیب میں گشت کرانے کا قصہ نہیں مگر موصل سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کا قصہ موجود ہے۔ اس کے برخلاف طبری کی روایت میں نہ سر کاٹنے کا ذکر ہے نہ اسے لے جانے کا بیان ہے اور نہ گشت کرانے کا قصہ ہے بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ ''ہم عمرو بن الحمق پر زیادتی نہیں کرنا

① خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 232-233

چاہتے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نیزے کے نو وار کیے تھے'' تم بھی ان پر نیزے کے نو وار کرو۔ اس میں یہ الفاظ کہ ''ہم ان پر زیادتی نہیں کرنا چاہتے'' واضح طور سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہر زیادتی کی تردید کر رہے ہیں۔

میں نے یہ لکھا تھا کہ طبری کی روایت دوسری روایتوں کے مقابلے میں زیادہ قابل ترجیح ہے کیونکہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بردبارانہ مزاج سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ اس کے برعکس البدایہ والنہایہ کی روایت سند و حوالہ کے بغیر بھی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مزاج سے بعید بھی......

میری گزارش یہ ہے کہ طبری کی روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہر زیادتی کی تردید کر رہی ہے اور اس میں سر کاٹ کر بھیجنے کا بھی ذکر نہیں ہے تاہم اگر موصل کے عامل نے یہ سر بھیجا بھی ہو تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سے بری ہیں کیونکہ انہوں نے ہر قسم کی زیادتی سے صراحتاً منع فرما دیا تھا۔''①

شیخ الاسلام نے مودودی صاحب اور ان کے ترجمان ملک غلام علی صاحب کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام کے جواب میں بہ تکرار طبری کی اس روایت کو زیادہ قابل ترجیح قرار دیا۔ اس روایت سے جہاں یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے انصاف کے تقاضے کے عین مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر وار کرنے کے بدلے میں نیزے کے 9 وار کیے گئے مگر وہ پہلے یا دوسرے وار سے ہی وفات پا گئے،

وہیں یہ بات بھی ثابت ہوگئی ہے کہ عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک بغاوت میں حجر بن عدی کے معین و مددگار تھے اور ان کے ''رؤساء'' میں سے تھے۔ بالآخر چھاپہ کے وقت فرار ہو کر موصل کے ایک غار میں روپوش ہو گئے تھے اور یہ بات شرفِ صحابیت کے ہرگز منافی نہیں ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حجر بن عدی کی تحریک بغاوت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اس طرح حجر بن عدی تو گرفتار ہو گئے لیکن ان کے دوسرے ساتھی جو اصل فتنے کا سبب

---

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص 193۔194۔ طبع اپریل 1981ء

تھے بدستور روپوش رہے......

حقیقت یہ ہے کہ جو شورش حجر بن عدی اور ان کے اصحاب نے کھڑی کر دی تھی اگر اسی کا نام ''حق گوئی'' اور ''اظہار رائے'' ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ''بغاوت، فتنہ وفساد'' اور ''شورش'' کے الفاظ لغت سے خارج کر دینے چاہییں۔''①

شیخ الاسلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف حجر بن عدی کی تحریک کو ''بغاوت، فتنہ وفساد اور شورش سے تعبیر کرتے ہوئے ان کے روپوش اور بھاگ جانے والے ساتھیوں کو ''اصل فتنے'' کا سبب قرار دیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بھاگ جانے والے دوسرے ساتھی کون ہیں؟

پیچھے تاریخ الطبری، تاریخ ابن اثیر اور تاریخ ابن خلدون کا حوالہ گزر چکا ہے۔ حجر بن عدی کی گرفتاری کے موقع پر ''عمرو بن الحمق اور رفاعہ بن شداد'' بھاگ کر اولاً مدائن پھر موصل کے ایک پہاڑ میں چھپ گئے تھے۔

شیخ الاسلام نے بحوالہ طبری حجر بن عدی کے مفرور ساتھی عمرو بن الحمق کی موصل کے پہاڑ سے گرفتاری بعد ازاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے انہیں قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ میں نیزے کے وار سے وفات پا جانے کا ذکر کیا جس کا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔ موصوف نے طبری کی اس روایت کو دوسری روایتوں کے مقابلے میں زیادہ قابل ترجیح اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بردبارانہ مزاج سے زیادہ مناسبت رکھنے والی روایت قرار دیا ہے۔

قارئین کرام! امام طبری نے یہ روایت ''ہشام بن محمد عن ابی مخنف'' کی سند سے نقل کی ہے اور اس کے باوجود شیخ الاسلام نے اس روایت (جس میں عمرو بن الحمق کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نیزے کے 9 وار کرنے کے بدلے میں اتنے ہی ''وار'' کرنے کا ذکر کیا گیا ہے) کو زیادہ قابل ترجیح قرار دیا ہے۔ ''مجروح'' راویوں کی روایت سے متعلق شیخ الاسلام نے ایک اہم اصول بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''یہاں ہم پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے طبری کے حوالے سے حجر بن عدی کے قتل

---

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص 70، 78۔ طبع اپریل 1981ء

کے سلسلے میں جتنی روایات پیچھے ذکر کی ہیں ان میں سے بیشتر روایات ابو مخنف ہی کی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس مقام پر ہم اس کی روایت قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں؟
لیکن اس اعتراض کا جواب بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ ابو مخنف شیعہ اور حجر بن عدی کا حامی ہے لہٰذا اصول کا تقاضا ہے کہ ان روایات کو قبول کیا جائے جو حجر بن عدی کے خلاف جاتی ہیں کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حجر بن عدی کی بغاوت کے واقعات اس قدر ناقابلِ انکار تھے کہ ابو مخنف ان کا پرزور حامی ہونے کے باوجود ان کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوا۔
اس کے برعکس ابو مخنف کی جو روایات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو مجروح کرتی ہوں، انہیں ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی دشمنی بالکل واضح ہے اور ان کے مقدمے کو کمزور کر کے پیش کرنا اس کی عادت میں داخل ہے۔''①

مولانا مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی فاضل دیوبند و رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ:

''...... پھر عمرو بن حمق نے اپنے حماقت وضلالت کا ثبوت اس طرح دیا کہ ذی النورین کے سینہ مبارک پر چڑھ بیٹھا اور آپ کے نو زخم لگائے پھر کوئی شقی ازلی آگے بڑھا اور اس نے گردن مبارک کو جسم سے جدا کر دیا۔''②

اگر عمرو بن حمق صحابی ہیں تو پھر ان کے لیے ''حماقت وضلالت'' کے الفاظ استعمال کرنا ایک فاضل دیوبند مفتی کے لیے نہایت ہی خطرناک ہے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی فاضل دیوبند و رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن مجید کھلا ہوا تھا اور آپ اس کی تلاوت کر رہے تھے، اسی عالم میں محمد بن ابی بکر نے لپک کر امیر المؤمنین کی داڑھی پکڑ لی اور حد درجہ بدکلامی کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے! داڑھی چھوڑ دے اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ ہرگز اس کو پسند نہ کرتا۔ محمد بن ابی بکر بولا: میں تو آپ کے ساتھ اس سے بھی زیادہ سخت معاملہ کرنے والا ہوں۔ اس نے یہ کہا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر امیر المومنین کی پیشانی میں پیوست

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص 82
② تاریخ ملت جلد اول ص 249۔ طبع دار الاشاعت کراچی دسمبر 2002ء

کر دیا۔ پیشانی سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا جس سے ریش مبارک تر بہ تر ہو گئی......

اسی اثناء میں کنانہ بن بشر بن عتاب نے لوہے کی ایک لاٹ اس زور سے ماری کہ عثمان ذوالنورین تیورا کے پہلو کے بل گر پڑے۔ اب سودان بن حمران نے تلوار کا وار کیا اور عمرو بن الحمق نے سینہ پر بیٹھ کر نیزہ سے کئی بار مسلسل حملے کیے تو عالم اچانک تیرہ و تار ہو گیا اور حلم وحیا وصدق وصفا کے چمنستان میں خاک اڑنے لگی یعنی ثالث خلیفہ راشد امیر المومنین عثمان ذوالنورین کی روح پُرفتوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔''①

صدر تنظیم اہلِ سنت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری فاضل دیوبند لکھتے ہیں کہ:

''اور ایک سنگ دل عمرو بن حمق سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر پے در پے نیزوں کے زخم لگائے......''②

موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''عمرو بن الحمق یہ محمد بن ابی بکر کے ساتھ دیوار پھاند کر حضرت امام کو قتل کرنے والوں میں سے تھا۔ امام مظلوم کے جسم اطہر پر کودتا رہا۔ پھر سینہ اقدس پر بیٹھ کر نیزہ کے نو زخم لگائے۔

فوثب علٰی عثمان فجلس علٰی صدرہ وبہ رمق فطعنہ تسع طعنات...

اس کا حشر ملاحظہ ہو۔ علامہ کشی لکھتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کے لیے طلب کیا۔ یہ بھاگ کر ایک غار میں چھپ گیا لوگوں نے اس کا تعاقب اور تجسس کر کے اسے غار میں جا پکڑا اور اس کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔''③

یہ ملحوظ رہے کہ یہ مضمون قبل ازیں ہفت روزہ دعوت لاہور میں 1963ء میں ''سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نمبر'' میں شائع ہو چکا ہے۔ بعد میں چاروں نمبرات کو علامہ خالد محمود نے اپنے مقدمہ کے ساتھ

---

① عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ۔ الفیصل اکیڈمی فیصل آباد 1404ھ/ 1983ء ص 258-259

② شہادت امام مظلوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ ص 340۔ مطبوعہ دار التصنیف والاشاعت محلہ قدیر آباد، ملتان۔ 14 بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

③ خلفائے راشدین جلد اول ص 581۔ زیر عنوان: ''قاتلین امام کا عبرتناک انجام......قدرت انتقام لیتی ہے۔'' طبع 1988ء

''خلفائے راشدین'' جلد اول کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔

مولانا نور الحسن شاہ بخاری فاضل دیوبند ایک دوسری کتاب میں زیر عنوان: ''حکومت کے ساتھ مسلح تصادم'' لکھتے ہیں کہ:

''**فکان بینھم قتال بالحجارة والعصی** حجر اور اس کے ساتھیوں اور ان کے درمیان پتھروں اور لاٹھیوں سے لڑائی ہوئی۔ **فعجزوا عنه** سرکاری مہم حجر کے مقابلے میں عاجز و ناکام رہی۔

حجر واصحاب حجر اور سرکاری مہم کے درمیان جو لڑائی ہوئی اس میں حجر کا ایک ساتھی عمرو بن الحمق زخمی ہو گیا......

وزیاد لیس له عمل الّا طلب رؤسا اصحاب حجر فخرج عمروبن الحمق و... (رفاعه بن شداد) اب زیاد کا کام صرف حجر کے ساتھیوں کے رؤسا کو گرفتار کرنا تھا۔ عمرو بن الحمق اور رفاعہ بن شداد موصل بھاگ گئے۔ عمرو بن الحمق کو گرفتار کر کے حاکم موصل کے پیش کیا گیا انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نیزے کے نو چرکے دیے تھے لہٰذا اسے بھی نیزے کے نو چرکے لگاؤ۔ چنانچہ اسے نیزے کے نو چرکے لگائے گئے وہ پہلے یا دوسرے چرکے ہی میں مر گیا......

1۔ حجر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غالی اصحاب میں سے ہی نہیں تھا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دشمن تھا۔ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی حق پر نہیں سمجھتا تھا بلکہ انہیں سلطان جائر سمجھتا تھا۔

2۔ روافض وسبائیہ کی بڑی تعداد اس کے گرد و پیش جمع رہتی تھی جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل عمرو بن الحمق تک شامل تھے۔ اس کے جتھے کی تعداد تین ہزار سے متجاوز تھی اور یہ آہنی ہتھیاروں سے مسلح رہتے تھے......''①

ڈاکٹر علامہ خالد محمود، مولانا نور الحسن شاہ بخاری کے موقف کے ساتھ نہ صرف متفق ہیں بلکہ ان کی

① اجلہ اصحاب رسول کے خلاف مودودی صاحب کے، ظالمانہ، جارحانہ حملوں کا عادلانہ دفاع جلد دوم، ص285، 286، 291

اپنی تحقیق بھی یہی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''سوال: عمرو بن حمق کے قتل کا ذمہ دار کون ہے؟ کہا جاتا ہے یہ شخص فتح مکہ کے دن اسلام لایا لیکن کیا اس کا بھی کوئی ثبوت ملتا ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو یا کبھی یہ آپ کی مجلس میں آیا ہو؟ یا بعد میں اسکا کردار کیا رہا ہے؟

............سائل خبیب احمد جمال

جواب: عمرو بن حمق ان چار میں سے ہے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر وار کیا تھا۔ ابن سعد لکھتا ہے: **کان فی من سار الٰی عثمان و أعان علٰی قتله**

یہ ان (چار) میں تھا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی تھی اور ان کے قتل پر اعانت کی۔

حافظ ابن کثیر بھی لکھتے ہیں:

کان احد الاربعة الّذین دخلوا علٰی عثمان۔

یہ ان چار میں سے ایک تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوئے۔

یہ حجر بن عدی کے ساتھیوں میں سے تھا جب حجر بن عدی اپنے پانچ ساتھیوں کے ساتھ گرفتار ہوا تو یہ عمرو بن حمق موصل کی طرف فرار کر گیا۔ امیر موصل نے اسے گرفتار کیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا، آپ نے فرمایا:

انه زعم انه طعن عثمان تسع طعنات بمشاقص ونحن لانعتدی علیه فاطعنه کذالک ففعل به ذلک فمات فی الثانیة۔

ترجمہ۔ اس کا کہنا ہے کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نو زخم لگائے تھے اور ہم اس پر کوئی زیادتی نہیں چاہتے تم بھی اسے بھالے کے نو زخم ہی لگانا۔ اس عامل نے اسی طرح کیا مگر وہ دوسرے حملے میں ہی مر گیا۔

اور یہ روایت بھی ہے۔

هرب الی الموصل فدخل غاراً فنهشته حیّة فقتلته وبعث الی الغار فی طلبه وجدوه میتا۔

ترجمہ۔ وہ موصل کی طرف بھاگ گیا اور وہاں ایک غار میں گھس گیا وہاں ایک سانپ اس پر لپکا اور اس نے اسے مار ڈالا۔ جب لوگ اس کی تلاش میں غار پر گئے تو اسے مردہ پایا۔ پھر اس کا سر کاٹا گیا اور انہوں نے اسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔

وذلک انہ لدغ فمات فخشیت الرسل ان تتھم بہ فقطعوا رأسہ فحملوہ۔

ترجمہ۔ اور وہ اس طرح کہ اسے سانپ نے ڈسا اور وہ مرگیا۔ قاصد ڈرے کہ انہیں اس سلسلے میں کسی شبے سے نہ دیکھا جائے سو انہوں نے اس کا سر کاٹا اور وہ خود اسے لے کر وہاں گئے۔''①

مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ فاضل دیوبند، عمرو بن حمق کے متعلق مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''مندرجات بالا کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اگر عمرو بن حمق قتل ہوئے تو ان کے قتل کے اسباب وعوامل (بغاوت کے) موجود تھے۔ یہ ملحوظ رہے کہ موصوف پیچھے بین القوسین یہ وضاحت کر آئے ہیں کہ: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں شرکت اور حجر بن عدی کی شورشوں میں شمول'' (ص 186)

اور اگر سانپ کے کاٹنے سے ان کی موت واقع ہوئی ہے تو سر کاٹنے کا حکم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہی نہیں تھا، یہ تو حکام کا ذاتی فعل تھا جس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یقیناً ان کی سرزنش کی ہوگی جو عام مؤرخین نے ذکر نہیں کی اور قاعدہ یہ ہے کہ:

''**لایلزم من عدم ذکر الشیء ذکر عدم الشیء**'' فلہٰذا اس تنبیہ کا غیر مذکور ہونا اس کے انکار کی دلیل نہیں۔

دیگر گزارش:۔ یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولاۃ وحکام سے اس موقع پر کوئی گرفت نہیں کی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حاکم وقت کو بعض حالات کے تحت ایسے جرائم کو معاف کرنے کا حق نہیں۔ اس نوع کے واقعات کا وقوع تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی مؤرخین نے ذکر کیا ہے جس میں ان کے حکام کی

① عبقات جلد دوم۔ ص 444-445۔ مطبوعہ دار المعارف۔ لاہور

زیادتیوں اور تجاوزات پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوئی گرفت اور سرزنش کرنے کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

مثلاً جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو ایک دستہ فوج دے کر بسر بن (ابی) ارطاۃ سے معارضہ کے لیے نجران بھیجا تو اس نے وہاں نجران والوں کو سخت سزائیں دیں حتیٰ کہ ان کے قریہ کو جلا ڈالا اور حامیانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا......

اس طرح کے واقعات جانبین کے متعلق تاریخوں میں دستیاب ہوتے ہیں تاہم ان ہر دو حضرات (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) پر ہماری طرف سے اعتراض کرنا صحیح نہیں۔ بطور حاکم انہیں مواخذہ کرنے اور درگزر کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔''①

حضرت موصوف ایک دوسری کتاب میں زیر عنوان: ''عمرو بن الحمق الخزاعی متوفی 50/51ھ'' لکھتے ہیں کہ:

''عمرو بن الحمق عند البعض صحابی ہیں۔ معاہدہ حدیبیہ کے بعد یا حجۃ الوداع کے بعد اسلام لائے۔

عند المؤرخین مخالفین عثمان رضی اللہ عنہ میں سے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دست برداری خلافت چاہتے تھے۔

حجر بن عدی کے ساتھیوں میں سے تھے، مخالفانہ اقدامات میں برابر کے شریک تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں شریک تھے اور قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں اعانت کی، لیکن قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ میں ان کا شمار نہیں......

سطور بالا میں ہر دو حضرات حجر بن عدی الکندی اور عمرو بن الحمق الخزاعی کے مندرجہ کوائف پر نظر کرنے سے واضح ہے کہ ان کے نظریات خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے فرمودات کے خلاف و معارض تھے اور یہ لوگ اسلام کی متفقہ قوت کو پارہ پارہ کرنے کے درپے تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل اسلام کی اجتماعی قوت کو برقرار رکھنے اور افتراق و انتشار

① سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد دوئم ص 188۔ مطبوعہ تخلیقات لاہور۔ 1995ء

کے شر و فساد کو ختم کرنے کے لیے یہ اقدامات کیے تھے اور یہ فساد فی الارض سے بچنے کی اسلامی احکامات کی روشنی میں درست اور بہتر صورت تھی۔

مخالفین اس چیز کو ظلم و قہر کا رنگ دے کر موجبات لعن طعن شمار کرتے ہیں جو سراسر واقعات کے خلاف ہے......''①

یہ ملحوظ رہے کہ مولانا مفتی شیر محمد علوی صاحب نے ''فوائد نافعہ'' جلد اول، دوم (طبع اول) پر تبصرہ کرکے ان کے موقف کی نہ صرف بھرپور تائید کی ہے بلکہ انہیں اس کاوش پر مبارکباد پیش کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ماہنامہ حق چار یار لاہور جولائی 2002ء ص 46-47

مولانا محمد نافع صاحب نے یہ تبصرہ پڑھنے کے بعد ''مبصّر'' کے نام اپنے خط (محررہ، 27 جولائی 2002ء) میں لکھا ہے کہ:

''حق چار یار کے جولائی کے پرچے میں ''فوائد نافعہ'' ہر دو حصہ پر تبصرہ آ گیا ہے۔ بہت بہت شکریہ۔''②

معروف دینی سکالر، فاضل نصرت العلوم و متخصص فی علوم الحدیث کراچی مولانا حافظ مہر محمد میانوالوی اس سوال کہ:

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو موقع کا گواہ کون تھا؟

کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پروردہ محمد بن اسماء تھا کیونکہ یہی سب سے پہلے تیرہ مصری غنڈوں کا جتھہ لے کر حملہ آور ہوا، داڑھی پکڑ لی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: بھتیجے تیرا باپ تو میری داڑھی نہ پکڑتا پھر شرما کر پیچھے ہٹ گیا۔ کنانہ بن بشر بن عتاب، سودان بن حمران اور عمرو بن الحمق جو اس کے ساتھ گئے تھے، انہوں نے آپ کو شہید کیا......

پہلی گستاخی تو محمد بن ابی بکر نے کی مگر وہ باپ کا حوالہ سن کر شرمایا اور پیچھے ہٹا۔ پھر بدمعاشوں کا ایک گروہ اندر آیا جن کا سرغنہ عبد الرحمٰن بن عدیس، کنانہ بن بشر، عمرو بن

① فوائد نافعہ جلد اول ص 622-623۔ طبع دار الکتاب لاہور۔ اگست 2005ء
② مکاتیب نافع ص 319۔ ''رحماء بینھم ویلفیئر ٹرسٹ'' اکتوبر 2019ء

حمق، عمیر بن ضابی، سودان بن حمران، غافقی بن حرب تھے۔ غافقی بڑھ کر حملہ آور ہوا اور قرآن پاک کو پاؤں سے ٹھکرا کر پھینک دیا، کنانہ بن بشر نے آتے ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تلوار چلائی......

اس کے بعد ہی عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر برچھے سے 9 وار کیے......''①

یہ ملحوظ رہے کہ مذکورہ کتاب مولانا عرفان اللہ قاسمی دارالعلوم دیوبند، علامہ خالد محمود، مولانا محمد سرفراز خان صفدر اور قاضی مظہر حسین کی مصدقہ ہے۔

مذکورہ تاریخی اقوال نیز مفتی زین العابدین میرٹھی فاضل دیوبند، مولانا سعید احمد اکبرآبادی فاضل دیوبند، مولانا نورالحسن شاہ بخاری فاضل دیوبند، ڈاکٹر علامہ خالد محمود فاضل دیوبند، مولانا محمد نافع، فاضل دیوبند مولانا مہر محمد میانوالوی معتمد مولانا الیاس گھمن اور بالخصوص شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی کی تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ عمرو بن الحمق کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نیزے کے نو وار کرنے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف تحریک بغاوت میں سرگرم اور بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی پاداش میں سزا کا حکم جاری ہوا۔

قارئین کرام! مذکورہ ساری تفصیل مولانا مودودی صاحب کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کے جواب میں پیش کی گئی ہے جنہوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عمرو بن الحمق نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حصہ لیا تھا۔ بعد میں سانپ کے ڈسنے سے وہ مر گئے، تعاقب کرنے والے ان کی مردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس لے گئے، اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق بھیج دیا وہاں اسے برسرعام گشت کرایا گیا اور پھر لے جا کر ان کی بیوی کی گود میں ڈال دیا گیا۔②

ان روایات پر سیر حاصل گفتگو پیچھے گزر چکی ہے۔ تاریخی اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ چھاپے کے موقع پر فرار ہو کر براستہ مدائن شام کے سرحدی علاقے ''موصل'' کے ایک پہاڑی غار میں روپوش ہوئے اور ان کے ساتھ رفاعہ بن شداد بھی تھے جہاں سانپ کے ڈسنے یا قتل کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ بعد ازاں ان کا ''سر'' موصل سے بصرہ، کوفہ پھر دمشق پہنچا جہاں

① سیف اسلام بر دشمنانِ اسلام۔ص 381۔382۔طبع دوم مئی 1993ء
② خلافت وملوکیت۔ص 177

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بقول ابن کثیر اسے گشت کرانے کے بعد دمشق کی جیل میں محبوس ان کی بیوی کی گود میں ڈال دیا۔

روایات اس بات سے خاموش ہیں کہ ''سر'' کی تدفین کہاں ہوئی اور کس نے کی؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ''جسد'' کہیں بھی منتقل نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس کی تدفین موصل میں ہی ہوئی ہوگی۔

سوال یہ ہے کہ گرفتاری سے بچنے کے لیے ''موصل'' کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ جبکہ وہاں کے حاکم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے عبدالرحمٰن ثقفی تھے۔ کیا وہ ایک ''محفوظ'' مقام تھا؟

دنیا کے نقشے کی رو سے کوفہ سے مدائن 205 کلومیٹر ہے۔ مدائن سے موصل 441 کلومیٹر ہے، کل سفر 646 کلومیٹر بنتا ہے۔ اس دور میں یومیہ سفر کی رفتار 16 میل/ پونے چھبیس کلومیٹر تھی۔ دیگر حوائج سے قطع نظر کوفہ سے موصل تک یہ سفر 25 دن میں طے ہوا اور پورے راستے میں وہ انتظامیہ کی نظر سے ''اوجھل'' رہے۔

یہ درست ہے کہ دورِ مرتضوی رضی اللہ عنہ میں بالخصوص 38ھ تک ''موصل'' قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ایک محفوظ مقام تھا کیونکہ وہاں کا عامل اشتر نخعی تھا؛ پھر وہ علاقہ جلد ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر قبضہ آ گیا اور وہاں غار سے کچھ روپوش قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا تھا۔ معلوم نہیں کہ 50ھ میں عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ رفاعہ بن شداد کے ساتھ طویل سفر کر کے ایک غیر محفوظ مقام میں کیوں روپوش ہوئے؟

پھر یہ بات بھی بعید از فہم ہے کہ عامل موصل پہلے تو عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کے بارے میں براہِ راست حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے احکامات لیتے ہیں پھر ''سر'' کاٹ کر اسے بصرہ وکوفہ زیاد کے پاس بھیجتے ہیں جہاں سے وہ ''سر'' دمشق، شام پہنچا دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ موصل سے یہ ''سر'' براہ راست قریب تر مقام دمشق کیوں نہیں بھیجا گیا؟

موصل سے بصرہ کا سفر موجودہ دور کے مطابق 942 کلومیٹر، بصرہ سے کوفہ 446 کلومیٹر، کوفہ سے دمشق 918 کلومیٹر۔ کل 2306 کلومیٹر بنتا ہے۔ 16 میل یا پونے چھبیس کلومیٹر یومیہ کی مسافت کے حساب سے 90 دن میں حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کا ''سر'' موصل (براستہ بصرہ، کوفہ) سے شام (دمشق) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ دیگر حوائج ضروریہ اور قافلے کا مختلف شہروں اور منازل پر

قیام اس کے علاوہ ہے۔

اس روایت کو ''معتبر'' قرار دینے والوں کے نزدیک مودودی صاحب کا اعتراض درست قرار پاتا ہے۔کیا ''سر'' کے اتنے طویل سفر پر ''من بلد الی بلد ①، انّ اول رأس اهدی فی الاسلام رأس عمرو بن الحمق، اهدی الی معاویة ''② پر گشت کا اطلاق نہیں ہوتا؟ جبکہ اس روایت کے راویوں پر بھی جرح موجود ہے۔

کیا اس سے بہتر روایت وہ نہیں جسے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے سب سے زیادہ قابل ترجیح قرار دیا جس میں نہ سر کاٹنے اور نہ ہی اسے گشت کرانے کا کوئی ذکر پایا جاتا ہے؟

مؤرخین عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ کے سن وفات (50ھ، 51ھ، 63ھ در واقعہ حرّہ)، سببِ وفات (خوف، سانپ کے ڈسنے یا قتل) پر متفق نہیں ہیں۔

اسی طرح ان کے ''مسکن'' کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔حافظ ابن عبد البر (م 463ھ) نے لکھا کہ ''وسکن الشام ثم انتقل الی الکوفة فسکنها ''③، امام ابونعیم اصبہانی (م 430ھ) لکھتے ہیں کہ: ''سکن الکوفة ثم انتقل الی مصر ''④

علامہ ابن حجر عسقلانی نے قدرے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ:

''سکن الشام ثم کان یسکن الکوفة، ثم کان ممّن قام علی عثمان مع اهلها و شهد مع علی رضی اللہ عنہ حروبه ثم قدم مصر ''⑤

موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

''صحابی سکن الکوفة ثم مصر قتل فی خلافة معاویة ''⑥

وہ صحابی ہیں، کوفہ میں سکونت اختیار کی پھر مصر منتقل ہو گئے، خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں قتل ہوئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ سے اپنے

---

① الاستیعاب ② مصنف ابن ابی شیبہ
③ الاستیعاب مع الاصابہ جلد 2۔ص 524
④ معرفة الصحابة تحت رقم 2060 ⑤ الاصابہ جلد 2۔ص 533
⑥ تقریب التهذیب تحت رقم 5052 ص 733

آبائی علاقے مصر منتقل ہو گئے تھے جو ''موصل'' کے مقابلہ میں ان کے لیے ایک محفوظ مقام تھا وہیں قتل ہوئے اور وہیں پر ان کا مدفن ہے۔

سکونتِ مصر کی روایت بھی قابل ترجیح ہے اور کوفہ سے مدائن پھر مدائن سے موصل طویل سفر کر کے رفاعہ بن شداد اور گھوڑے کے ساتھ غار میں روپوشی کی بہ نسبت زیادہ قرین قیاس بھی ہے۔اس طرح سبب موت سے متعلق دونوں متضاد روایتیں بھی خارج از بحث ہو جائیں گی۔بہر حال مذکورہ روایات کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی بھی اعتبار سے کسی قسم کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

54 استخلافِ یزید

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب سے اہم اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے خلافت کو موروثی بنانے کی خاطر اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کیا۔

چنانچہ ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:

''ازاں جملہ بنی امیہ کا سب سے بڑا ظلم جو انہوں نے اسلام پر کیا تھا یہ تھا کہ خلافت راشدہ اسلامیہ کو جس کی بنا اجماع ومشورہ مسلمین پر تھی حکومت شخصی ومستبدہ وسلطنت ملکیہ وسیاسیہ میں تبدیل کر دیا۔ اور حکومت کی بنیاد شریعت پر نہیں رکھی بلکہ محض قوت اور سیاست پر۔
اور تاریخ اسلام تمام صغار وکبار واعالی وادانی اس پر متفق ہیں اور تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک سخت بدعت تھی اور مطابق ارشاد صادق ومصدوق علیہ الصلاۃ والسلام ''ملک عضوض'' کا آغاز تھا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سد باب کا پہلا دن ہے اور یہی دن ہے کہ تاریخ اسلام ہمیشہ اس پر ماتم وفریاد کرے گی۔''①

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ (حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ) نے دوسرے بزرگ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔ اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یزید بجائے خود اس مرتبے کا آدمی نہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے کوئی شخص یہ رائے قائم کرتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امت کی سربراہی کے لیے وہ موزوں

① الہلال ص 363 ج2 مطبوعہ الہلال اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

ترین آدمی ہے۔'' ①

موصوف نے نہ صرف مسئلہ ولی عہدی پر اعتراض کیا ہے بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر طمع ولالچ، بزدلی، حمایت باطل، خودغرضی اور مفاد پرستی کے الزامات بھی عائد کیے ہیں...... یہاں صرف مسئلہ ولی عہدی کی شرعی حیثیت اور امیر یزید کی اہلیت خلافت پر مختصر بحث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی رسول ہیں۔ انہوں نے امت کی خیر خواہی، دورِ فتن کے مخصوص حالات اور مسلمانوں میں آئندہ اختلاف وانتشار سے بچنے کے لیے اس وقت کے اہل حل وعقد کی رائے کے مطابق نیک نیتی سے یہ کام سرانجام دیا۔ جسے خلافِ اسلام اور شریعت کے متصادم ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اسلام میں تقرر خلیفہ کی چار شرعی صورتیں ہیں:

پہلی صورت: نص شارع علیہ السلام جیسے ''الائمة من قریش''

دوسری صورت: یہ ہے کہ خلیفہ سابق کسی کو اپنے بعد معین ونامزد کرے۔

تیسری صورت: اہل حل وعقد (اہل رائے، اہل علم، اہل عدل جو ملکی معاملات وسیاسیات پر درک وبصیرت رکھتے ہوں) کسی کو باہمی مشورے سے خلیفہ مقرر کردیں جو شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ، أَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ اور امورکم شوریٰ بینکم سے مستفاد ہے۔

چوتھی صورت: یہ ہے کہ کوئی عادل مسلمان کسی ظالم، فاسق اور محرف دین حاکم کو ہٹا کر خود تسلط وغلبہ حاصل کرلے۔

ان چاروں طریقوں میں سے مسلمانوں کا امام وخلیفہ جس طریقہ سے بھی مقرر ہو شرعاً جائز اور صحیح ہے۔ اہل سنت کی کتب عقائد میں تقرر امام وخلیفہ کی یہ چاروں صورتیں موجود ہیں۔ ②

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین میں سے کسی کا کوئی مستند ومعتبر قول نہیں ملتا کہ کسی امام اور خلیفہ کے بعد اس کا کوئی رشتہ دار باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ خلیفہ بنایا جائے تو اس کی خلافت ناجائز اور خلافِ شرع ہوگی۔ بلکہ اس کے برعکس اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

① خلافت وملوکیت ص 150

② النبراس شرح لشرح العقائد ص 538، ازالة الخفاء ص 23، 24 ج 1

’’کسی خلیفہ اور امام کی خلافت و امامت اہل سنت کے نزدیک یا تو اہل حل وعقد (علمائے اہل عدل، اہل رائے) کے اختیار وانتخاب سے ثابت ہوتی ہے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے یا امام سابق کی نامزدگی اور معین کرنے سے خلافت ثابت ہوتی ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نامزد کرنے سے ثابت ہوئی۔‘‘ ①

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

’’اسلام میں تقرر امام وخلیفہ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام سابق کسی کو معین ونامزد کردے اور اس کے جواز پر اہل السنت والجماعت کا اتفاق ہے۔‘‘ ②

قاضی ابویعلی محمد بن حسین الفراء رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

’’خلیفہ کے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی شخص کو اپنا ولی عہد بنائے۔ اس معاملہ میں ارباب حل وعقد کی موجودگی ضروری نہیں اس لیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نامزد کیا تھا اور یہ نامزدگی کرتے وقت ارباب حل وعقد کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھا۔‘‘ ③

امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

’’پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے صحیح ہوسکتا ہے ان میں سب سے پہلی اور سب سے افضل وصحیح صورت یہ ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد خلیفہ مقرر کر جائے۔ اس نامزدگی میں یہ برابر ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کے وقت۔ کیونکہ نص اور اجماع کے لحاظ سے یہ کسی صورت میں بھی ناجائز اور منع نہیں ہے۔‘‘ ④

علامہ عبدالرحمن ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

’’امام کی حقیقت یہی ہے کہ وہ قوم کے دینی ودنیوی مصالح پیش نظر رکھتا ہے۔ لہٰذا امام قوم کا بہی خواہ، مخلص، ہمدرد اور محافظ ہوتا ہے...... اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنا ولی

---

① شرح فقہ اکبر ص 175 ② النبراس ص 528
③ الاحکام السلطانیہ ص 9 تحت فصول فی الامامہ
④ الفصل فی الملل والنحل ص 169 ج 4

عہدی ہے اور نامزد شخص کو ولی عہد کہا جاتا ہے۔شریعت مطہرہ میں اجماع سے ولی عہدی کا جواز وانعقاد ثابت ہے۔اس سلسلے میں امام پر بدگمانی روا نہیں۔اگر چہ وہ اپنے باپ یا بیٹے ہی کو ولی عہد بنا جائے...... کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف بیٹے کی ولی عہدی پر بدگمانی کرتے ہیں۔حالانکہ کسی صورت میں بھی بدگمانی نہیں پیدا ہونی چاہیے خصوصاً جبکہ ولی عہدی کسی مصلحت یا کسی فساد سے بچنے کی غرض میں لائی گئی ہو۔ایسی صورت میں تو بدگمانی کا وہم بھی پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں ان کے بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا گیا تھا کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل لوگوں کے اتفاق کی وجہ سے اس معاملے میں ان کے لیے حجت تھا...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسروں کو چھوڑ کر یزید کو مصلحت کے تحت ولی عہد چنا تھا۔کیونکہ بنی امیہ کے اربابِ حل وعقد کا یزید کی ولی عہدی پر اتفاق ہوا تھا۔کیونکہ اس وقت بنی امیہ اپنے سوا کسی اور کے لیے خلافت نہیں چاہتے تھے۔بنو امیہ قریش تھے، انہیں تمام مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی اور یہی ارباب اقتدار تھے،اس لیے ان ہی میں سے ولی عہد چنا گیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی حسن ظن رکھنا چاہیے کیونکہ آپ کی عدالت اور صحبت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی تقاضا ہے اور پھر بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع اور ان کی خاموشی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بدگمانی سے بری ہیں کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ شان نہ تھی کہ وہ حق سے چشم پوشی فرمائیں اور مروت سے کسی کے ساتھ نرمی برتیں۔اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی یہ شان تھی کہ وہ اقتدار شاہی کے سامنے حق ماننے سے انکار کر دیں۔تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان بلند وممتاز ہے اور ان کی عدالت ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانیوں سے مانع ہے...... پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسی قسم کی ولی عہدی کا ظہور اِن دیگر خلفاء سے بھی ہوا جو حق پسند ہونے کے علاوہ حق پر عامل بھی تھے۔''①

علمائے سلف کی مذکورہ تصریحات کے مطابق خلیفہ عادل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دیانتاً امت کی خیر خواہی کے پیش نظر خلافت کے اہل کسی شخص کو اہل حل وعقد کی موجودگی کے بغیر بھی ولی عہد نامزد کر سکتا

① مقدمہ ابن خلدون ص 26، 28 ج 2۔اردو مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

ہے اگر چہ اس ولی عہد کے ساتھ اس کا باپ یا بیٹے کا رشتہ ہو...... البتہ خلیفہ کی وفات کے بعد ولی عہد کا مسلمانوں (اہل حل وعقد) کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔

جہاں تک استخلاف یزید کا تعلق ہے تو اسے کسی طور پر بھی خلافِ شرع نہیں قرار دیا جا سکتا...... یہ استخلاف باقاعدہ و باضابطہ طور پر اہل حق، اہل عدل، اہل رائے، اہل حل وعقد اور تمام صوبوں کے نمائندوں کے مشورے اور کامل استصواب عامہ کے بعد عمل میں آیا۔ جبکہ اس کے لیے خلیفہ کا اعلان اور صرف دمشق کے اہل حل وعقد کا مشورہ ہی کافی تھا۔

یزید کی ولی عہدی پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ افضل اور بہتر لوگوں کی موجودگی میں غیر افضل کو ولی عہد کیوں بنایا گیا؟ یہ اعتراض بھی بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ ان کے اس فعل سے پہلے حضرت حسن رضی اللہ عنہ صرف کوفہ کے اہل حل وعقد کی رائے و مشورہ سے خلیفہ مقرر ہو چکے تھے۔ حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان سے افضل لوگ موجود تھے۔ پھر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تو ان سے بھی افضل لوگ بقید حیات تھے۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ (متوفی 450ھ) لکھتے ہیں کہ:

''اکثر فقہاء اور متکلمین کا قول ہے کہ مفضول کی امامت افضل کے ہوتے ہوئے جائز ہے اور افضل کا وجود اس بات سے مانع نہیں ہے۔ بشرطیکہ مفضول میں امامت کی شرائط موجود ہوں جیسا کہ قضاء کے معاملے میں افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو قاضی بنانا جائز ہے۔''①

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے مسئلے میں یہی رائے تھی کہ افضل (جو اسلام، دین اور عبادت میں سابق ہے) کی موجودگی میں مفضول (جو قوت رائے اور معرفت کا حامل ہے) کی امارت درست ہے۔''②

اسی طرح باپ کے بعد بیٹے کا منصب خلافت پر فائز ہونا بھی جائز ہے۔ حضرت داود علیہ السلام کے بعد

① الاحکام السلطانیہ ص 8
② فتح الباری شرح صحیح البخاری ص 324 ج 7

ان کے صاحبزادے سلیمان علیہ السلام تاج وتخت کے وارث ہوئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے ''رحبعام'' خلیفہ ہوئے جو تقریباً سترہ سال تک عدل وانصاف کے ساتھ حکمرانی کرتے رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عمل سے بھی باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کا جواز ملتا ہے:

فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (جو انصار کے دستہ کے ہمراہ تھے) نے کہا کہ آج گھمسان اور خونریزی کا دن ہے تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کو ناپسند فرمایا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے اسلامی پرچم لے کر ان کے صاحبزادے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی کہ آپ اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو ولی عہد مقرر کر دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خلافت کے لیے تو میں نے خود کبھی خواہش نہیں کی۔ اپنی اولاد کے لیے کیسے یہ آرزو کروں گا؟

ظاہر ہے کہ یہ تجویز صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس میں پیش کی گئی اگر باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ بننا ناجائز، حرام اور قیصر وکسریٰ کی سنت ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہرگز وہ جواب نہ دیتے بلکہ صاف صاف فرما دیتے کہ باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ بننا ہی حرام ہے۔ میں اس فعل حرام کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہوں؟

علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے انتقال کے بعد ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر مقرر کر کے جانشینی کے جواز پر مہر تصدیق ثبت کر دی حالانکہ اس وقت ان سے افضل اور قابل لوگ موجود تھے۔

اس کے بعد باقاعدہ وباضابطہ طور پر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد کے بعد خلیفہ مقرر کیے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کیا آپ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے؟

تو آپ نے فرمایا:

''میں نہ تم کو اس کا حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ تم لوگ خود اچھی طرح دیکھ سکتے ہو۔''[1]

جبکہ اہل تشیع کا عقیدہ یہ ہے کہ:

---

[1] خلافت وملوکیت ص86

''حضرت علی نے حضرت حسن کو اپنا وصی، جانشین، اور ولی عہد بنایا اور خلافت وامامت کی چادر بھی انہیں پہنا دی۔''①

بقول مودودی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ حکم دیا اور نہ منع کیا۔ اگر باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ بننا ناجائز اور حرام ہوتا تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کتمان علم کا ارتکاب کر سکتے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو سختی کے ساتھ منع کرنا چاہیے تھا کہ یہ امر اسلام میں حرام اور قیصر وکسریٰ کی سنت ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو نامزد نہیں کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زخمی ہونے کے بعد یہ سوال کیا گیا: کیا ہم آپ کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں؟ آپ نے فرمایا: نہ میں ایسا کہتا ہوں، نہ انکار کرتا ہوں کہ تم خود بھی اسے نہ بنا سکو۔

یہ بات کتابوں میں ضرور ملتی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خود لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف بلایا اور آپ اس طرح خلیفہ بنے۔ طبقات ابن سعد میں ہے:

''ثم انصرف الحسن بن علی من دفنه فدعا الناس الی بیعته فبایعوه''②

خود اپنے آپ کو اقتدار کے لیے پیش کرنا عیب نہ سمجھنا چاہیے۔ انبیاء علیہم السلام ہر عیب سے پاک سمجھے جاتے ہیں۔ کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو نہ کہا تھا: ﴿اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ ③ سو جو لوگ اس روایت کی وجہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر ہوسِ اقتدار کا الزام لگاتے ہیں وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کیا کہیں گے؟ خلافت پوری قوم پر ہونی چاہیے۔ یہ سوال اس وقت اس لیے نہ اٹھا تھا کہ اس سے ایک سال پہلے (40ھ) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ تا آخری فیصلہ دونوں فریق اپنی اپنی حدود میں رہیں، کوئی دوسرے پر چڑھائی نہ کرے۔ 40ھ کو 'عام الھدنہ'' (مصالحت کا سال) کہتے ہیں اور 41ھ (40ھ) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ خالد محمود عفااللہ

---

① کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ص 531 ج1
② طبقات ابن سعد جلد3۔ ص 25
③ پ13 یوسف ع7

عنہ''①

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عہد اسلام میں باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کا آغاز حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''ملوکیت وموروثیت'' کا ذمہ دار قرار دیا جائے اور اس فعل کو حرام سمجھتے ہوئے یہ اعلان کیا جائے کہ پوری امت کے نزدیک یہ فعل مذموم ہے۔تو پہلی بات یہ ہے کہ پوری امت کو ولی عہدی کی تجویز کو قبول کرنے کے بجائے نہایت سختی کے ساتھ ردّ کرنا چاہیے تھا۔آخر ایک فرد خواہ کتنا ہی صاحب قوت کیوں نہ ہو پوری امت کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض یزید کو امت پر بزور مسلط کر ہی دیا گیا تھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پوتے معاویہ ثانی نے خلافت سے دستبردار ہو کر اس بحث کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔لیکن پھر حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے بعد یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا جسے خاندانِ علی رضی اللہ عنہ (بنوعباس) نے تحریک چلا کر ختم کر دیا۔

اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آل مروان یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بالفرض جو غلط روش قائم کی تھی اسے یکسر مٹا دیا جاتا اور خلیفہ کے تقرر کا صحیح اسلامی طریقہ نافذ کر دیا جاتا......لیکن ہوا کیا؟......تو تاریخ میں اس کا عکس ہی پایا جاتا ہے۔

یعنی ''سنت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی بظاہر مخالفت اور اسے ناپسند کرنے کے باوجود عملاً کوئی بھی اسے چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔اس کے بعد جتنی بھی حکومتیں آئیں ان میں سے کسی نے بھی اس غلط طریقہ کو ختم نہیں کیا۔

حکومت عباسیہ، حکومت امویہ اندلس، حکومت ادریسیہ مراکش، حکومت اغلبیہ افریقہ، حکومت زیادیہ یمن، حکومت طاہریہ خراسان، حکومت صفاریہ خراسان وفارس، دولت سامانیہ ماوراء النہر وخراسان، حکومت قرامطہ بحرین، حکومت علویہ وزیدیہ طبرستان، حکومت بنو بویہہ ودیلمیہ، حکومت طولونیہ، حکومت اخشید یہ مصر وشام، حکومت عبیدیہ مصر وافریقہ وشام، حکومت بنوحمدان موصل وجزیرہ وشام، حکومت غزنویہ افغانستان، حکومت ایوبیہ، حکومت مملوکیہ، حکومت زیریہ تیونس، حکومت ضمادیہ الجیریا،

① عبقات جلد دوم ص 423-424

حکومت مرابطین، حکومت اسماعیلیہ حشاشین، حکومت مغلیہ ایشیا، حکومت عثمانیہ ترکی، حکومت صفویہ ایران اور حکومت سعودیہ ان سب حکومتوں میں باپ، بیٹے اور بھائی وغیرہ کی جانشینی، ولی عہدی اور نامزدگی جائز ہی سمجھی جاتی رہی۔

علاوہ ازیں جنہیں ظاہری حکومتیں حاصل نہیں ہوسکیں تو انہوں نے روحانی خلافت وامامت کا سلسلہ جاری کر دیا۔ فرقہ اثناعشریہ کے ہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد بارہویں امام غائب تک اور فرقہ اسماعیلیہ کے ہاں محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق رحمہ اللہ کے بعد ہر جگہ باپ کے بعد بیٹا ہی جانشین نظر آتا ہے۔

پھر ''اہل سنت'' کے روحانی ومذہبی رہنما جو ولی عہدی یزید کے سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے میں ذرا بھی توقف وتامل نہیں کرتے۔ لیکن ان کے اپنے ہاں یہی ''رسم بد'' اور یہی ''ہادم شریعت بدعت'' بڑے زور شور اور دھوم دھام سے جاری وساری ہے۔

سلسلہ طریقت کے ہر مرکز، ہر آستانے، ہر تکیے، ہر گدی، ہر خانقاہ، ہر مدرسہ اور ہر مسجد (وللاکثر حکم الکل) میں بدرجہا افضل اور قابل ولائق لوگوں کی موجودگی کے باوجود باپ کے بعد بیٹا ہی مسند نشین ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ مذہبی وسیاسی جماعتوں میں بھی ''موروثیت'' اور ''سنت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی یاد اکثر تازہ ہوتی رہتی ہے۔

اوپر یہ بات ثابت کی جاچکی ہے کہ خلیفہ کا اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے لیکن اس کے لیے ''اہلیت خلافت'' لازمی شرط ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ولی عہدی یزید کے وقت ''بیٹے اور مفضول'' کی حیثیت سے نامزدگی کا سوال کہیں کہیں اٹھایا گیا لیکن ''اہلیت خلافت'' زیر بحث نہیں لائی گئی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امیر یزید کی نامزدگی اس حیثیت سے مختلف فیہ نہیں تھی اور وہ اس شرط پر پورا اترتے تھے۔ اگر ان میں خلافت کی اہلیت نہ ہوتی تو نہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ (بشرط صحت روایت) ان کا نام تجویز کرتے اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسے عام استصواب کے لیے پیش کرتے اور نہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ ہی ولی عہدی اور خلاف کی بیعت کرتے۔

علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اگر اہلیت کا معیار حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عادات وخصائل ہیں تو یہ وہ معیار ہے جس پر

ان کے سوا تاریخ اسلام میں کوئی خلیفہ پورا نہیں اترا۔حتی کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی۔اور اگر بالفرض ہم ایک ناممکن بات تصور بھی کر لیں کہ اب بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسا آدمی پیدا ہو سکتا ہے تو پھر بھی وہ ماحول پیدا نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو مہیا کر دیا تھا۔اور اگر اہلیت کا معیار یہ ہے کہ خلیفہ کی سیرت میں استقامت ہو، شریعت کا احترام ملحوظ ہو، اس کے احکام پر عمل ہو، لوگوں میں انصاف ہو، شریعت کا احترام ملحوظ ہو، اس کے احکام پر عمل ہو، لوگوں میں انصاف کیا جائے، ان کی مصلحت کو مدنظر رکھا جائے، دشمنوں سے جہاد کیا جائے، دعوتِ اسلامی کو دنیا میں پھیلایا جائے، لوگوں سے انفرادی اور اجتماعی طور پر نرمی کی جائے۔

تو جس دن یزید کی تاریخ چھان پھٹک کے بعد اپنی اصلی شکل وصورت میں سامنے آئے گی۔ جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں تھا تو اس دن معلوم ہو جائے گا کہ بہت سے ایسے لوگوں سے یزید کم نہیں تھا جن کی تعریف میں تاریخ اور مورخ رطب اللسان ہیں اور جن کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔'' ①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر یزید رحمہ اللہ کو پدری شفقت کی بنا پر نہیں بلکہ لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی وسیع وعریض سلطنت کے اہل حل وعقد کی تائید وحمایت اور مشورے سے اور انہیں خلافت کا اہل سمجھ کر نامزد کیا تھا۔

شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یا سعی اس کے لیے ہوئی تھی تو جبکہ حسبِ شروطِ صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ ان کی وفات ہو چکی تھی تو پھر اب ان عہود ومواثیق کی رعایت باقی نہیں رہی تھی جو کہ بحیثیت صلح ضروری تھی۔

اب اپنے اجتہاد اور رائے پر عمل کرنا رہ گیا تھا ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی وہ رائے کہ مستحق خلافت وہ شخص قریشی ہو سکتا ہے جس میں مادی قوت اور حسنِ تدبیر ہو اور یہ امر آج بنی

① حاشیہ العواصم من القواصم ص 345

امیہ میں عموماً اور یزید میں خصوصاً موجود ہے:

یزید کو متعدد معارک، جہاد میں بھیجنے اور جزائر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔اس کے فسق وفجور کا علانیہ ظہور ان کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی۔ایک وہ شخص جو فقیہ الاسلام ہے، حسبِ دعواتِ مستجابہ ہادی اور مہدی ہے، ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ کا مصداق اور ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ کا مظہر ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ اور ''الصحابی کالنجوم'' (الحدیث) ''اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوھم من بعدی غرضاً'' وغیرہ احادیث وآیات کا مورد ہے، کیا وہ کسی مجاہر بالفسق والعصیان کو عالم اسلامی کی رقاب اور اموال وغیرہ کا ذمہ دار کر سکتا ہے۔''[1]

غزوۂ قسطنطنیہ وہی ہے جس کے شرکاء کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی پیشین گوئی دی تھی کہ:

''**اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم۔**''[2]

(صرف صحیح بخاری میں یہ روایت سات مختلف ابواب میں آئی ہے) ''میری امت کا وہ سب سے پہلا لشکر جو قیصر کے شہر میں جنگ کریں گے ان سب کے حق میں مغفرت ثابت ہو چکی ہے۔''

محدثین ومورخین کے نزدیک اس لشکر کے قائد امیر یزید تھے ان کی زیر کمان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً ابوایوب انصاری، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم بھی شامل

---

[1] مکتوبات ص 270-271، مکتوب نمبر 88

[2] صحیح بخاری کتاب الجهاد باب ماقیل فی قتال الروم

وشریک تھے۔ ①

مشہور سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ ''بشارت مغفرت'' کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''بحر روم میں جس کو بحر اخضر اور بحر متوسط بھی کہتے ہیں یورپ اور ایشیا کی اور اب گویا اسلام اور عیسائیت کی حد فاصل ہے۔ اور اس زمانہ میں یہ رومیوں کی بحری قوت کی جولان گاہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ خواب راحت سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا اس وقت خواب میں میری امت کے کچھ لوگ تخت شاہی پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے دکھائے گئے۔ یہ بحر اخضر میں جہاد کے لیے اپنے جہاز ڈالیں گے۔

یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شاہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی چار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔'' ②

رسول اکرم ﷺ کی پیشین گوئیوں کے متعلق کم از کم ایک مسلمان تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ان کی حیثیت (العیاذ باللہ) کاہنوں، نجومیوں اور قیافہ شناسوں کی پیشین گوئیوں کی سی ہے جو کبھی صحیح ثابت ہو جائیں اور کبھی غلط۔ اور نہ اس بشارت مغفرت کو ان بشارتوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے جن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ اطلاع دی ہو کہ جس نے یہ کام کیا وہ جنت کا اور جس نے اس کے برعکس کام کیا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔ جو حضرات تاویلات فاسدہ وبعیدہ کا سہارا لے کر اس بشارت سے شرکائے جنگ میں سے کسی کو بھی خارج قرار دیتے ہیں وہ دراصل لاشعوری طور پر اہل تشیع کی پیروی کر رہے ہیں۔ ③

اسی غزوے کے دوران میں میزبان رسول ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہوتی ہے۔ امیر یزید رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور وصیت پر عمل

---

① صحیح بخاری ص 158 ج 1۔ قسطلانی ص 104 ج 5۔ عمدة القاری ص 198 ج 14۔ فتح الباری ص 103 ج 6۔ مسند احمد بن حنبل ص 416 ج 5۔ منہاج السنہ ص 252 ج 1۔ الاستیعاب مع الاصابہ ص 404 ج 1۔ طبقات ابن سعد اردو ص 61 ج 4۔ البدایہ والنہایہ ص 58 ج 8

② سیرت النبی ﷺ ص 601 ج 3

③ راقم نے اس حدیث پر اپنی کتاب ''تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں ص 291 تا 306 قدرے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے

کرتے ہوئے جب انہیں دشمن کی سرزمین میں دفن کیا تو شاہِ روم کی زبان سے یہ گستاخانہ جملہ نکل گیا کہ مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد ہم یہ لاش نکلوا کر کتوں کے سامنے ڈلوا دیں گے اس کے جواب میں قائدِ لشکر امیر یزید نے قیصر روم کو خبردار کرتے ہوئے کہا:

''یا اهل القسطنطنية هذا رجل من اكابر اصحاب محمد نبينا وقد دفنا حين ترون والله لئن تعرّضتم له لأهدمن كل كنيسة فى ارض الاسلام ولا يضرب ناقوس بارض العرب ابدا۔''①

''اے قسطنطنیہ کے باشندو! یہ ہمارے نبی کے جلیل القدر صحابی ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ ہم نے انہیں دفن کیا ہے...... واللہ اگر تم نے ان کی قبر کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا تو یاد رکھو پوری سرزمین اسلام میں ہر کلیسا منہدم کرا دوں گا۔ اور پھر پورے عرب میں کبھی ناقوس تک نہیں بج سکے گا۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک دعا بھی جو انہوں نے دورانِ خطبہ میں مانگی تھی امیر یزید کی اہلیت خلافت پر دلالت کرتی ہے:

''اللّٰهم ان كنت تعلم انى وليته لانه فيما اراه اهل لذلك فاتمم له ما وليته وان كنت وليته لانى احبه فلا تتمم له ما وليته۔''②

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے اس کو اس کی اہلیت کی بنا پر ولی عہد بنانے کا فیصلہ کیا تو میری اس خواہش کو پورا فرما دے اور اگر میں نے اسے اس لیے ولی عہد بنایا کہ مجھے اس سے پیار و محبت تھی تو اے اللہ! اس خواہش کو مکمل نہ فرمانا۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس دعا کو بایں الفاظ نقل کیا ہے:

''اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اس کی فضیلت و اہلیت کے پیش نظر ولی عہد مقرر کیا ہے تو اسے اس مقام تک پہنچا دے جس کی میں نے خواہش کی ہے اور اس کی مدد فرما۔ اور اگر مجھے اس کام پر صرف اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے تو اس کے مقام

---

① ناسخ التواریخ ص 66 ج 2

② البدایہ والنہایہ ص 80 ج 8

خلافت تک پہنچنے سے پہلے اس کی روح قبض کر لے۔''①

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اس کی صلاحیت واہلیت کی بنا پر ولی عہد بنایا تھا جیسے کہ ان سے روایت کی گئی۔''②

علامہ خالد محمود لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کے کہنے اور مشورہ دینے سے اپنے بیٹے کو جانشین نامزد کیا گو بیٹے کو بنانا اسلام میں منع نہیں اور اس کے انکار پر کتاب وسنت میں کوئی نکیر وارد نہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ افضل کام اس مہم کو شوریٰ کے سپرد کرنا تھا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی موقع پر جو کیا اس میں آپ نے افضل کو چھوڑ دیا اور افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کرنا شریعت میں منع نہیں ہے۔سو یہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہیں نہ اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملامت کیا جا سکتا ہے...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے اس موضوع میں یہ تھی کہ خلافت کے لیے اس شخص کو آگے کیا جانا چاہیے جو قوت کا مالک ہو، صاحب الرائے ہو، حالات اور وقت کے تقاضوں کو اچھی طرح جانتا ہو گو اسلام لانے میں اور حضرات اس سے سبقت لے گئے ہوں اور زہد وعبادت میں اس سے بڑھے ہوں......

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سفر آخرت پر روانہ ہونے کو تھے جب آپ نے سلطنت اسلامی کا یہ اہم فیصلہ کیا۔کیا آپ کے سامنے اس وقت دنیا کی کشش تھی؟ اس کے لیے آپ کے یہ الفاظ آج بھی تاریخ میں محفوظ ہیں جو آپ نے اپنی الوداعی دعا میں کہے:

''......اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اس لیے ولی عہد بنایا ہے کہ میں نے اس میں قابلیت دیکھی ہے تو ، تو اسے اس درجے تک پہنچا جس کی میں نے امید باندھی ہے اور اس کی مدد فرما۔

① تاریخ اسلام ص 267 ج 2
② النبراس ص 541

اور اگر مجھے اس پر اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے اور وہ اس کا اہل نہیں ہے تو، تو اسے اٹھا لے اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچے۔''

کیا آپ اب بھی اس گہرائی تک نہیں پہنچے جس تک اتر کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اجتماع کلمہ امت کی فکر کی تھی کہ کہیں آپ کے بعد سلطنتِ اسلامی کسی غیر مسلم نرغے میں نہ آ جائے اور کوئی بیرونی طاقت مسلمانوں کو نہ لپیٹ سکے......

اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر، فقیہ الامت، کاتب وحی صحابی کسی کھلے فاسق وفاجر کو اپنا جانشین مقرر کریں۔ ایسے وقت (آخری وقت میں) تو گناہگار بھی تائب ہوجاتے ہیں اور آخرت نظر آتے ہوئے کون ایسا ارتکاب کرسکتا ہے کہ شریعت کے ایک کھلے باغی کو امت کی گردنوں پر سوار کر جائے اور پھر یہ کام وہ شخص کرے جس کے دست حق پرست پر سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ دونوں بیعت کر چکے ہوں۔ حاشا وکلا ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ①

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس مجلس میں امیر یزید بھی آ کر بیٹھ گئے جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''اذا ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس۔''②

''جب بنو حرب اٹھ گئے تو لوگوں کے علماء اٹھ جائیں گے۔''

امام بلاذری رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:

''عامر بن مسعود جمحی کہتے ہیں کہ جب ایک قاصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر لے کر آیا تو ہم مکہ مکرمہ میں تھے ہم اٹھ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس چلے گئے وہ مکہ ہی میں تھے۔ ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے اور دستر خوان بچھ چکا تھا مگر ابھی کھانا نہیں آیا

① عبقات جلد دوم ص 425-428
② البدایہ والنہایہ ص 228 ج 8

تھا۔ ہم نے ان سے کہا اے ابن عباس! قاصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر لے کر آیا ہے اس پر وہ کافی دیر خاموش بیٹھے رہے، پھر انہوں نے کہا:

''اللھم اوسع لمعاویة اما و اللہ ما کان مثل من قبله ولا یاتی بعده مثله و ان ابنه یزید لمن صالحی اھله فالزموا مجالسکم واعطوا اطاعتکم وبیعتکم۔'' [1]

''یا اللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی رحمت کو وسیع فرما دے۔ اللہ کی قسم! وہ ان کی مثل نہیں تھے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اور ان کے مثل بعد میں کوئی نہیں آئے گا۔ اور بلاشبہ ان کے بیٹے یزید ان کے صالح اہل بیت میں سے ہیں لہٰذا تم اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو اور اپنی اطاعت اور بیعت انہیں دے دو۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے جہاں یزید کی اہلیت وصالحیت ثابت ہو رہی ہے وہیں ان کا لوگوں کو یزید کی بیعت واطاعت پر آمادہ کرنا بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

امیر یزید کی خلافت کے آخری دور میں سانحہ کربلا کے بعد ''واقعہ حرہ'' (63ھ) کے دوران میں جناب عبداللہ بن مطیع نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لخت جگر حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ سے کہا کہ یزید شرابی ہے، تارک صلوٰۃ ہے اور کتاب اللہ کے احکام کو توڑتا ہے، تو اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

''ما رأیت منه ما تذکرون وقد حضرته واقمت عنده فرأیته مواظبا علی الصلاة متحرّیا للخیر یسأل عن الفقه ملازماً للسنة۔''

''جو باتیں تم ان کے متعلق بیان کرتے ہو وہ باتیں میں یزید میں نہیں دیکھتا۔ میں ان کے پاس جاتا رہا ہوں ان کے ہاں قیام بھی کیا ہے تو میں نے انہیں نماز کی پابندی کرنے والا، نیکی کا متلاشی، فقہی مسائل دریافت کرنے والا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے تھامنے والا پایا ہے۔''

عبداللہ بن مطیع اور ان کے رفقاء نے کہا یہ سب امور اس نے آپ کو دکھانے کی غرض سے کیے ہوں گے۔ ابن حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: انہیں مجھ سے کیا ڈر اور طمع تھی؟ کیا اس نے تمہیں دکھا کر شراب پی

[1] انساب الاشراف ص 403 ج 4 قسم ثانی

تھی؟ اگر ایسا ہوا تو تم بھی اس کے ساتھ گناہ میں شریک ہو اور اگر اس نے تمہارے سامنے نہیں پی تو تمہارے لیے حلال نہیں کہ بغیر علم کے شہادت دو۔ انہوں نے کہا: اگرچہ ہم نے دیکھا نہیں لیکن یہ بات سچی ہے۔ حضرت نے فرمایا: اللہ تعالیٰ شہادت دینے والوں کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے۔

قرآن کا تو یہ ارشاد ہے کہ ﴿ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ ① ''ہاں جو لوگ گواہی دیں علم و یقین کے ساتھ۔'' لہٰذا مجھے تمہارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔

انہوں نے کہا: شاید آپ یہ بات پسند نہیں کرتے کہ سیادت کسی اور کو ملے، تو آیئے ہم آپ کو اپنا قائد و سردار تسلیم کرتے ہیں حضرت نے فرمایا: میں قتال کو نہ ماتحت ہو کر حلال سمجھتا ہوں اور نہ قائد بن کر۔

ابن مطیع کہنے لگے: آپ اپنے والد کے ہمراہ یزید کے والد کے ساتھ بھی تو جنگ کر چکے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: تم میرے والد جیسا آدمی لے آؤ میں تمہارے ساتھ مل کر جنگ کروں گا۔ ابن مطیع کہنے لگے چلیے آپ خود جنگ سے الگ رہیں مگر اپنے بیٹوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ حضرت نے فرمایا تم نے یہ کیسی بات کہی ہے؟ میں اگر انہیں تمہارے ساتھ بھیجوں تو یہ بھی خود جنگ کرنے کے مترادف ہے...... وہ کہنے لگے اچھا آپ جنگ کے لیے نہ جائیں لیکن یزید کے خلاف لوگوں کو اس پر آمادہ تو کریں۔

حضرت نے فرمایا: یہاں سے چلے جاؤ۔ میں جس بات کو خود جائز نہیں سمجھتا وہ دوسروں کو بھی نہیں کہوں گا...... وہ بولے ہم آپ کو مجبور کریں گے۔ حضرت نے فرمایا پھر میں لوگوں کو تلقین کروں گا کہ لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔ پھر آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔'' ②

اگر امیر یزید خلافت کے اہل نہ ہوتے یا شہادت حسین رضی اللہ عنہ میں ان کا کوئی حصہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی کے لیے انتقام لینے کا یہ بہترین موقع تھا...... حیرت ہے کہ سانحہ کربلا کے تقریباً تین سال بعد بھی یزید کی حکومت کے خلاف آل ابی طالب اور بنی عبدالمطلب میں سے نہ تو کسی نے کوئی حصہ لیا اور نہ امیر یزید کی بیعت توڑی۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

---

① الزخرف: 86

② البدایہ والنہایہ ص 233 ج 8

''کان عبداللہ بن عمر بن الخطاب و جماعات اهل بیت النبوۃ ممن لم ینقض العهد ولا بایع احدا بعد بیعته لیزید... لم یخرج احد من آل ابی طالب ولا من بنی عبدالمطلب ایام الحرۃ۔''①

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور اہل بیت نبوی کے کسی گروہ نے بھی نقض عہد نہیں کیا نہ یزید کی بیعت کے بعد کسی اور کی بیعت کی ...... آل ابی طالب (خاندانِ علی رضی اللہ عنہ) اور بنی عبدالمطلب میں سے کسی نے بھی ایام حرہ میں خروج نہیں کیا۔''

حتی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت علی بن حسین المعروف زین العابدین رحمہ اللہ نے بھی یزید کی بیعت و اطاعت سے ہاتھ نہیں کھینچے۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ابوجعفر (حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کے صاحبزادے) سے مروی ہے کہ ان سے یوم الحرہ کو دریافت کیا گیا کہ آیا ان میں کوئی آپ کے اہل بیت میں سے بھی نکلا تھا انہوں نے کہا کہ نہ اس میں آل ابی طالب میں سے کوئی نکلا اور نہ بنی عبدالمطلب میں سے۔ وہ لوگ اپنے گھروں ہی میں رہے۔ مسلم بن عقبہ (قائد لشکر یزید) نے کہا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں انہیں (زین العابدین کو) نہیں دیکھتا ...... والد کو جب معلوم ہوا تو وہ اس کے پاس آئے اس کے ہمراہ حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے دونوں بیٹے ابو ہاشم عبداللہ اور حسن بھی تھے جب اس نے والد کو دیکھا تو انہیں مرحبا کہا اور ان کے لیے اپنے تخت پر گنجائش کر دی...... اور کہا کہ امیر المومنین نے مجھے آپ کے ساتھ نیکی کی نصیحت کی ہے والد نے کہا کہ ''**صلی اللہ امیر المومنین (یزید) واحسن الجزاء**''۔ اللہ امیر المومنین کو اچھا صلہ دے۔ پھر اس نے ابو ہاشم اور حسن فرزندان محمد (محمد بن حنفیہ) کا دریافت کیا تو میں نے کہا کہ وہ دونوں میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ اس نے ان دونوں کو مرحبا کہا اور وہ سب اس کے پاس سے واپس ہوئے۔''②

---

① البدایہ والنہایہ ص 233 ج 8

② طبقات ابن سعد اردو ص 220 ج 5 تحت علی بن الحسین

63ھ میں جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے اس اقدام کی مذمت کی اور اپنے خاندان والوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''ینصب لکل غادر لواء یوم القیامة وانا قد بایعنا هذا الرجل (ای یزید) علی بیع اللہ ورسوله وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ ورسوله ثم ینصب له القتال وانی لا اعلم احدا منکم خلعه ولا بایع فی هذا الامر کانت الفیصل بینی وبینه''①

''قیامت کے دن ہر بدعہد کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا ہم نے اس شخص (یعنی یزید) کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے۔ میری نظر میں اس سے زیادہ بدعہدی اور کوئی نہیں کہ ایک شخص کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بیعت کی جائے پھر آدمی اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو...... میں نہیں جانتا کہ تم میں سے جو شخص اس کو تخت خلافت سے معزول کرے گا اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق باقی رہے گا۔''

امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن مطیع اور ان کے ساتھیوں کے پاس جا کر انہیں عدم اطاعت سے منع کرتے ہوئے یہ حدیث رسول سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ:

''جس شخص نے عہد اطاعت کر کے اسے توڑ دیا وہ قیامت کے دن اللہ کے روبرو اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی۔''

''ومن مات فلیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة''②

اور جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

---

① صحیح بخاری کتاب الفتن باب اذا قال عند قوم شیئا ثم خرج فقال بخلافه

② صحیح مسلم کتاب الامارة

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب ''الزہد'' کے حوالے سے یزید کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یزید کا مقام امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی نگاہ میں بہت بلند تھا۔ یہاں تک کہ اس کو آپ نے ان زاہد صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں شمار کیا ہے جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے۔ جن کے وعظ سے لوگ گناہ چھوڑتے ہیں۔ ہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یزید کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں درج کیا ہے اور پھر اس کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا تذکرہ کیا ہے یہ بات کہاں اور ان مورخین کا قول کہاں جو یزید کی طرف شراب نوشی اور فسق و فجور منسوب کرتے ہیں۔ کیا وہ شرم نہیں کرتے؟ اور اللہ تعالیٰ نے ان سے شرم و حیا چھین لیا ہے تو تم ہی نصیحت حاصل کرو اور فضلائے امت میں سے علماء اور بزرگ لوگوں کی پیروی کرو اور ان بے دین لوگوں اور پاگل انسانوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔ یہ لوگوں کے لیے بیان ہے اور متقی لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے اور سب تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔''①

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مودودی صاحب نے حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے یزید کے فسق و فجور اور شراب نوشی کی جو روایت لکھی ہے اس کے راوی جناب ابومخنف لوط بن یحییٰ رافضی کذاب ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ولم یکن مظھر الفواحش کما یحکی عنه خصومه۔''②

''یعنی یزید بن معاویہ میں وہ برائیاں بالکل نہیں تھیں جو دشمن ان سے منسوب کرتا ہے۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کل حدیث فیه ذم یزید بن معاویة فھو کذب۔''③

''ہر وہ روایت جس میں یزید بن معاویہ کی مذمت پائی جاتی ہو وہ جھوٹی ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

---

① العواصم من القواصم ص 371، اردو
② فتاویٰ ابن تیمیہ ص 41 ج 3
③ المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ص 220

''وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویۃ کلھا موضوعۃ لا یصح شیء منہ۔''①

''مورخ ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں جو احادیث روایت کی ہیں وہ سب موضوع ہیں ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔''

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ومن ذلک الاحادیث فی ذم معاویۃ وذم عمرو بن العاص وذم بنی امیۃ کذا فی ذم یزید والولید ومروان بن الحکم۔''②

''اس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، بنو امیہ، یزید، ولید اور مروان کی مذمت میں واردروایات جھوٹی اور موضوع ہیں۔''

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ شراب نوشی کے الزام کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اگر یہ کہا جائے کہ یزید شراب نوشی کرتا تھا تو ہم کہیں گے اس طرح کہنا دو شاہدوں کے بغیر جائز نہیں۔ اور اس کی شہادت دینے والا کون ہے؟ بلکہ معتبر لوگ تو اس کی عدالت کی شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ یحییٰ بن بکیر نے لیث بن سعد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ لیث نے کہا کہ امیر المومنین یزید فلاں تاریخ کو فوت ہوئے ......تو لیث نے یزید کو امیر المومنین اس وقت کہا جب کہ بنو امیہ کی سلطنت اور حکومت کا زمانہ گزر چکا تھا اور اگر فی الواقع ان کے نزدیک ایسا نہ ہوتا تو سیدھے الفاظ سے کہتے: یزید فوت ہوا۔''③

استخلاف یزید کے وقت حضرات: عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن زبیر اور حسین رضی اللہ عنہم نے اس طریق کار کے ساتھ اپنے اختلاف کا اظہار کیا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت کر لی جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اس سے پہلے وفات پا گئے تھے البتہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے موقف پر قائم رہے حتیٰ کہ

① البدایہ والنہایہ ص 231 ج 8
② موضوعات کبیر ص 107
③ العواصم من القواصم اردو ص 365

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بالکل آخر میں شام جا کر بیعت کی پیش کش کر دی تھی جسے ابن زیاد نے مسترد کر دیا تھا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ استخلاف یزید سے اختلاف کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی یزید کے فسق وفجور یا نااہلی کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یزید پر تنقید کا یہ اچھا موقع تھا۔ یہ حضرات یزید کو بچپن سے جانتے تھے حتیٰ کہ ان کی قیادت میں جہاد قسطنطنیہ اور بعض دیگر اہم مواقع پر موجود تھے۔ ''استخلاف'' کے مخالف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایسے موقع پر یزید کے فسق وفجور کو موضوع بحث نہ بنانا اور نہ ہی ان کی عدالت وصلاحیت سے انکار کرنا بلکہ صرف ''بیٹے'' کی حیثیت سے اعتراض کرنا یزید کے صلاح وتقویٰ اور ان کے اندر امارت وخلافت کی واضح دلیل ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یسیر (یا اُسیر یا بشیر علیٰ اختلاف الاقوال) کا تبصرہ بھی ہدیۂ قارئین کر دیا جائے:

''قال حميدبن عبدالرحمٰن دخلناعلٰى يسير رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حين استخلف يزيدبن معاوية ، فقال:اتقولون أن يزيد ليس بخير امّة محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، ولا افقه فيهافقهاً ، ولا اعظمها فيها شرفاً؟ قلنا نعم ، قال:وانااقول ذلک ولٰكن والله لئن تجمع امة محمد أحب اليّ من ان تفترق . . .''①

حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: جب یزید بن معاویہؒ کو خلیفہ نامزد کر دیا گیا تو ہم یسیر رضی اللہ عنہ یکے از اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، تو انہوں نے فرمایا:

کیا تم کہتے ہو کہ یزید امت محمدیہ میں نہ سب سے بہتر ہیں اور نہ سب سے بڑے عالم وفقیہ اور نہ ہی سب سے زیادہ عزت وشرف والے ہیں۔ ہم نے کہا: جی ہاں۔

یسیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور میں بھی یہی کہتا ہوں لیکن اللہ کی قسم! امت محمدیہ کا متحد ہونا اس کے متفرق ہونے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔ حضرت یسر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ جواب سے معلوم ہوا کہ وہ یزید کی فقاہت وشرافت کے معترف ہیں اور امت کے اتحاد کی خاطر یزید کی خلافت

---

①تاریخ خلیفه بن خیاط ص 217 ، الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 7ص 67 ، وانظر التاریخ الکبیر للبخاری جلد8ص 422، تاریخ الاسلام للذهبی جلد 4۔ص 169

انہیں محبوب و پسند ہے البتہ وہ یزید کو امت کا سب سے بڑا فقیہ اور سب سے زیادہ شرافت والا نہیں سمجھتے اور یہ بات ان کی صد فی صد درست ہے کیونکہ یزید کے خلیفہ بننے کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے بلکہ بعض تابعین بھی علم وفقہ اور عزت وشرف میں یزید سے زیادہ تھے۔

اس تمام تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو کسی طمع، لالچ، خودغرضی اور مفاد پرستی کی بنا پر جانشین نامزد نہیں کیا تھا بلکہ محض رضائے الٰہی کے حصول، امت مسلمہ کو انتشار وافتراق سے بچانے اور اس کی صلاحیت واہلیت کی بنیاد پر ولی عہد مقرر کیا تھا اور امیر یزید رضی اللہ عنہ کے متعلق شراب نوشی اور فسق وفجور پر مبنی روایات لغو اور بے بنیاد ہونے کے علاوہ جھوٹوں، کذابوں اور مفتریوں کی وضع کردہ ہیں۔ ورنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی انہیں اس منصب کے لیے ہرگز منتخب نہ کرتے اور اس وقت موجود سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم اور لاکھوں تابعین رحمہ اللہ بھی ایسے شخص کی ہرگز بیعت نہ کرتے۔

55

بیعت یزید میں جبر و اکراہ اور دھونس و دھاندلی

جناب مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں صفحہ 147 تا 153 بسلسلہ بیعت یزید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دھونس و دھاندلی، لالچ و رشوت، جبر و اکراہ اور تہدید قتل کے الزامات عائد کر کے خیر القرون اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کا انتہائی مکروہ نقشہ کھینچا ہے۔ جو روایتاً و درایتاً لغو، بے بنیاد اور خلاف واقع ہے۔

موصوف نے غیر معتبر، مفتری، کذاب اور مجہول الحال راویوں پر اعتماد کر کے شاگردانِ نبوت کی منصوص عظمت کو داغدار کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اس گئے گزرے اور غلبہ شر کے دور میں بھی ایک اسلامی معاشرے کا مجموعی و اجتماعی کردار ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ خیر القرون اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کردار ایسا ہو؟

''لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم'' کم از کم ایک مسلمان تو ان واہی روایات پر ہرگز اعتبار نہیں کر سکتا۔

کیا صحابہ رضی اللہ عنہم راشی اور مرتشی تھے؟ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم بزدل اور ڈرپورک تھے؟ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم فریضہ نہی عن المنکر کے تارک تھے؟ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم دنیوی مفاد کی خاطر اپنی عاقبت خراب کر سکتے تھے؟ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے جان کے خوف سے ایک فاسق و فاجر اور شرابی کی بیعت و اطاعت قبول کر لی تھی؟ کوئی مجوسی، سبائی اور رافضی ہی ان سوالات کے جوابات اثبات میں دے سکتا ہے۔

مودودی صاحب ایک شیعہ لیڈر کے مکان پر محرم کی مجلس سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو بیعت کر لی تھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں نہ کی؟ اور وہ ان کو مطعون کرتے ہیں حالانکہ جب کوئی مسلمان حکومت پوری طاقت سے قائم ہو تو اس کے

خلاف اٹھنا ہما شما کا کام نہیں۔ صرف وہ اٹھ سکتا ہے جو فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ اٹھے گا خواہ کچھ ہو جائے۔ جو لوگ ایسی بات کہتے ہیں ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے صفائی پیش کرنی چاہیے نہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا۔ اٹھنے والے سے صفائی پیش کرنے کا مطالبہ کرنے کا کیا موقع ہے؟ صحابہ کرام کی پوزیشن صاف کی جاسکتی ہے ہر شخص کا یہ کام نہیں تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نمونہ یہ ہے کہ مسلمان حکومت بگڑ رہی ہو تو مسلمانوں کا کام تماش بین بن کر بیٹھنا نہیں بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ اصلاح کے لیے کھڑا ہو جائے خواہ اکیلا ہی ہو اور خواہ کچھ نتیجہ ہو۔'' ①

موصوف نے یہ تقریر 10 جون 1962ء (محرم 1382ھ) برمکان سید محمد علی زیدی ایڈووکیٹ 14 ٹیمپل روڈ لاہور ایک مجلس عزا سے ''علی کا راستہ حسین کا راستہ'' کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ارشاد فرمائی تھی۔ جو بعد میں ہفت روزہ ایشیا اور ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور کے علی نمبر میں شائع ہوئی۔

اس عبارت سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یزید کو فاسق فاجر اور شرابی سمجھتے ہوئے محض جان کے خوف سے اس کی بیعت کر لی تھی۔ کیونکہ ایک طاقت ور حکومت کے خلاف اٹھنا ''ہما شما'' کا کام نہیں۔ یہ حسین رضی اللہ عنہ ہی کا کام ہے۔ اس کا مختصر جواب پیچھے ''استخلاف یزید'' کے تحت گزر چکا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بغیر کسی طمع و لالچ اور جبر و اکراہ کے برضا و رغبت بیعت کی تھی۔

اب جناب مودودی صاحب ہی کے قلم سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک اور نمونہ و کردار ملاحظہ فرمائیں:

''عراق، شام اور دوسرے علاقوں سے بیعت لینے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود حجاز تشریف لے گئے۔ کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا اور دنیائے اسلام کی وہ با اثر شخصیتیں جن سے مزاحمت کا اندیشہ تھا وہیں رہتی تھیں۔ مدینہ کے باہر حضرت حسین، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم ان سے ملے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔ اس طرح مدینہ

① شہادت حسین کا حقیقی مقصد ص 24

کا معاملہ آسان ہو گیا۔ پھر انہوں نے مکہ کا رخ کیا اور ان چاروں اصحاب رضی اللہ عنہم کو خود شہر سے باہر بلا کر ملے ان پر بڑی مہربانیاں کیں۔ انہیں اپنے ساتھ لیے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر تخلیہ میں بلا کر انہیں یزید کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا رہا ہوں۔ اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی، تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہو گی۔ پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو بلا کر حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ ان میں سے جو بھی میری بات کی تائید یا تردید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے۔

اس کے بعد وہ انہیں لیے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ، جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انہوں نے بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔ اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا۔ اہل مکہ نے بھی بیعت کر لی۔ اس طرح خلافت راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا۔ خلافت کی جگہ شاہی خانوادوں نے لے لی اور مسلمانوں کو اس کے بعد سے آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی۔'' ①

کسی صاحب علم کے لیے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ اس قسم کی روایت نقل کرے کیونکہ اس میں نری خساست، دنائت، غلاظت اور جہالت بھری ہوئی ہے۔ پھر روایت میں تو یہ ہے کہ یہ چاروں اصحاب خود انہیں شہر سے باہر جا کر ملے۔ موصوف اگر غلط بیانی نہ کرتے تو مدینہ میں ان حضرات سے ''درشت برتاؤ'' کی قلعی بھی کھل جاتی۔ کیونکہ ایک دفعہ جن سے درشت برتاؤ ہوا ہو وہ کیونکر دوبارہ از خود ان سے ملاقات کر سکتے ہیں اسی لیے وہ یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ:

''اس مرتبہ ان کا برتاؤ اس کے برعکس تھا جو مدینہ سے باہر ان سے کیا ان پر بڑی مہربانیاں کیں''۔

---

① خلافت و ملوکیت ص 152، 153

اگر وہ اس درشت برتاؤ اور مہربانیوں کی تفصیل دے دیتے تو ایک عام قاری بھی اس روایت پر یقین کرنے کے بجائے راوی کے منہ پر تھوک دیتا۔ کیونکہ اس احمقانہ روایت پر یقین کرنے کے لیے پہلے خود احمق بننا لازمی ہے۔

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ حکم بھی قابل غور ہے کہ ''ان میں سے جو میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے'' معلوم نہیں کہ مودودی صاحب نے کس ''حال'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مکر و فریب کا یہ گھناؤنا الزام عائد کر دیا...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تو خواہش یہ تھی کہ یہ لوگ میری تائید کریں لیکن کتنا احمقانہ حکم ان کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے کہ اگر تائید کے لیے بھی زبان کھولیں تو ان کا سر قلم کر دیا جائے۔

پھر مسجد حرام میں اہل مکہ کا اجتماع ہے جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ شریک ہیں، کسی کو نظر نہیں آ رہا کہ ان حضرات کے سروں پر جلاد ننگی تلواریں لیے ہوئے کھڑے ہیں تو ان کی رضامندی کا کیا معنی؟

تعجب بالائے تعجب یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے بیت اللہ میں بیٹھ کر عام اجتماع میں کس بے خوفی اور دیدہ دلیری کے ساتھ قصداً اور عمداً جھوٹا اعلان کیا کہ ''یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انہوں نے بیعت کر لی ہے لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔''

سخت حیرت ہے کہ اس جھوٹے اعلان پر ''دنیائے اسلام کی یہ با اثر شخصیتیں'' خاموش اور ساکت و جامد بیٹھی رہیں؟ آخر اظہارِ حق کا اس سے بڑھ کر اور کون سا موقع ہو سکتا تھا؟ پھر تخلیہ میں بھی نہیں بلکہ مجمع عام میں اور اپنے حامیوں، مددگاروں اور دوستوں کی موجودگی میں ''کتمانِ حق'' کا یہ ارتکاب؟ اگر یہ ان حضرات کی مدح و توصیف ہے تو معلوم نہیں کہ ''ذم'' کس بلا کا نام ہے؟

قرآن مجید نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ''خیر امت'' کا خطاب ان کے اسی وصف کی بنا پر دیا ہے کہ ﴿تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور ﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''وہ لوگ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں''۔ تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وصف سے محروم ہو گئے تھے؟ اگر بقول مودودی صاحب سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کا شمار ''ہما شما'' میں ہوتا تھا اور وہ حق گوئی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے...... مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نمونہ تو موصوف

نے پیش کیا ہے کہ:

''حالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ نکلے، کوئی ساتھ دے یا نہ دے وہ اکیلا ہی اٹھ کھڑا ہو۔''

سوال یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے جان نثاروں، ہمدردوں اور بہی خواہوں کی موجودگی میں اپنے اس کردار کا مظاہرہ کیوں نہیں کیا؟

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ خاموشی جان کے خوف سے اختیار نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے تو امت مسلمہ کے اتفاق کے پیش نظر یزید کی ولی عہدی کی بیعت پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔

بعد میں بیعت خلافت پر اختلاف کیا لیکن جب کربلا میں حقائق واضح ہو گئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے پر نہ صرف رضامند ہو گئے تھے بلکہ اس پر باقاعدہ عمل درآمد کے لیے کوفہ کے بجائے دمشق کا راستہ بھی اختیار کر لیا تھا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں تین شرطیں پیش کیں:

(1) یا آپ مجھے جہاں سے میں آیا ہوں وہاں واپس جانے دیں۔

(2) یا آپ مجھے کسی سرحد کی طرف بھیج دیں تاکہ میں کفار کے خلاف جہاد کرتا رہوں۔

(3) یا آپ مجھے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانے دیں تاکہ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر فیصلہ کر لوں۔

یہ تینوں شرطیں اہل السنت والجماعت اور اہل تشیع دونوں کی کتب میں پائی جاتی ہیں، تیسری شرط بالفاظ ذیل نقل کی گئی ہے:

(1) **فاضع یدی فی یدہ**

(2) **حتی اضع یدی فی ید یزید**

(3) **فاضع یدی فی یدیہ فیحکم فی ما رأی**

(4) **و أما أن اضع یدی فی ید یزید بن معاویة**

(5) **فناشدھم اللہ و الاسلام أن یسیروہ الی امیر المؤمنین یزید فیضع یدہ فی یدہ**

(6) **او ان اضع یدی علی ید یزید فھو ابن عمی یری فی رایہ**

(7) احملونی الی یزید لا بایعه[1]

جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ:

Hussain proposed the option of three honourble conditions that:

1- He should be allowed to return to Medina. OR

2- Be stationed in a frontier garrison against the Turks. OR

3- Safely conducted to the presence of Yazid.[2]

مذکورہ بالا دلائل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں یہ تیسری شرط پیش کر کے امیر یزید کی بیعت کے لیے اپنی رضا مندی کا اظہار کر دیا تھا۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بسلسلہ بیعت یزید دھونس و دھاندلی، جبر و اکراہ، رشوت و لالچ اور تہدید قتل کے تمام الزامات لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہیں۔

علاوہ ازیں دنیائے اسلام کی بااثر شخصیات، حضرت حسین، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم (جبکہ یہ 53ھ میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سفر حجاز 56ھ کے بعد کا ہے) کا بیعت یزید پر جان کے خوف سے رضا مند ہونا بھی کذب و افتراء پر مبنی ہے۔

مزید برآں اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ یزید رضی اللہ عنہ کی بیعت پر حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سمیت تمام عالم اسلام کا اتفاق تھا۔

---

[1] تاریخ طبری ص312 ج4۔ کامل ابن اثیر ص54 ج4۔ تہذیب تاریخ دمشق ص338 ج4 البدایہ والنہایہ ابن کثیر ص170 ج8۔ فتاویٰ ابن تیمیہ ص471 ج27۔ تاریخ ابن خلدون اردو ص106 ج2۔ تاریخ الخلفاء سیوطی اردو ص303۔ تاریخ اسلام، اکبر شاہ خان نجیب آبادی ص57 ج2۔ الاصابہ ص334 ج1۔ النبراس شرح لشرح العقائد ص541۔ تلخیص الشافی ص471۔ اعلام الوریٰ ص233۔ الامامه والسیاسه ص7 ج2۔ کتاب الارشاد ص210۔ بحار الانوار ص446 ج10۔ روضۃ الواعظین ص82 ج1 روح اسلام ترجمہ اسپرٹ آف اسلام از جسٹس امیر علی ص458

[2] History of Saracens Page 85

56

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دے دیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے گورنروں کو کھلی چھوٹ دے رکھی تھی اور انہیں قانون سے بالاتر قرار دے دیا تھا۔

چنانچہ جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دے دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کاروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کا گورنر عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک مرتبہ بصرے میں خطبہ دے رہا تھا ایک شخص نے دورانِ خطبہ میں اس کو کنکر مار دیا۔ اس پر عبداللہ نے اس کو گرفتار کرایا اور اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حالانکہ شرعی قانون کی رو سے یہ ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دیت تو بیت المال سے ادا کر دوں گا مگر میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔

زیاد کو جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرے کے ساتھ کوفے کا بھی گورنر مقرر کیا اور وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہوا تو کچھ لوگوں نے اس پر کنکر پھینکے۔ اس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرا دیے اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو (جن کی تعداد 30 سے 80 تک بیان کی جاتی ہے) گرفتار کرا کے اسی وقت ان کے ہاتھ کٹوا دیے۔ کوئی مقدمہ ان پر نہ چلایا گیا۔ کسی عدالت میں وہ نہ پیش کیے گئے کوئی باقاعدہ قانونی شہادت ان کے خلاف پیش نہ ہوئی۔ گورنر نے محض اپنے انتظامی حکم سے اتنے لوگوں کو قطع ید کی سزا دے ڈالی۔ جس کے لیے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا۔ مگر دربارِ خلافت سے اس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔''[1]

[1] خلافت وملوکیت ص 175، 176

معلوم نہیں کہ موصوف کو بدمعاشوں، بدقماشوں، غنڈوں، مفسدوں، باغیوں اور اوباشوں کے ساتھ اتنی محبت اور ہمدردی کیوں ہے؟ اور ہر بے حیا، لچے لفنگے، کذاب اور مفتری کی رپورٹ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو کیوں موردِ الزام ٹھہراتے ہیں؟ وہ یہ تسلیم بھی کرتے ہیں کہ جن مجرموں کے ہاتھ کاٹے گئے انہوں نے مسجد میں دورانِ خطبہ میں گورنر پر کنکر پھینکے لیکن حیرت ہے کہ موصوف ان کے اس فعل بد کی ذرا بھی مذمت نہیں کرتے۔ گویا یہ فعل ان کے نزدیک بڑے ''ثواب کا کام'' تھا۔ اسی لیے وہ الٹا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر برس رہے ہیں۔

موصوف جن ''شرفاء وصلحاء'' کے دفاع میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات وارد کرتے ہیں وہ اس سیرت وکردار کے مالک ہیں کہ وہ لوگ حسب معمول ایک ناپاک منصوبے کے تحت مسجد میں تشریف لاتے ہیں خطبہ جمعہ کی بے حرمتی کرتے ہیں، مسجد کا تقدس پامال کرتے ہیں، خطبے میں مداخلت کرتے ہیں، خطیب پر آوازے کستے ہیں، ہلڑ بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس پر روڑے اور کنکر پھینکتے ہیں۔

اور یہ کوئی عام خطیب نہیں بلکہ پورے صوبے کا والی اور گورنر ہے۔ ایسے سنگین مجرموں کے خلاف اگر کوئی کاروائی ہو تو معلوم نہیں کہ مودودی صاحب کیوں سیخ پا ہو جاتے ہیں۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو گورنر نے انہیں جو قطع ید کی سزا دی تھی وہ بہت نرم تھی۔ ایسا جرم تو بغاوت اور فتنہ انگیزی کے زمرے میں آتا ہے اور اس کے لیے شرعی اور قرآنی سزا قتل یا پھانسی یا مخالف اطراف سے ہاتھ پاؤں کاٹنا یا جلاوطنی ہے۔

ارشاد باری ہے کہ:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ①

''یہی سزا ہے جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو، ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کر دیے جائیں اس جگہ سے۔ یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں

---

① المائدہ:33

اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔''

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شانِ نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی اسی کی مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنا یا زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈہ سب شامل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک جرم ایسا ہے کہ جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔''①

مودودی صاحب نے ان واقعات کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اپنے گورنروں کو ظالمانہ کارروائیاں جاری رکھنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی تھی جبکہ یہ الزام بھی سراسر لغو اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ یہ ایک منقطع روایت ہے اور موصوف نے ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے پیش نظر استغاثہ کے اہم جز کو قصداً نقل بھی نہیں کیا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

''انّ نائبک قطع ید صاحبنا فی شبهة فأقدنا منه۔''

''آپ کے نائب نے ہمارے ایک ساتھی کا ہاتھ شبہ کی بنیاد پر کاٹ دیا ہے ہمیں اس سے قصاص دلوائیے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شریعت کے مطابق فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کو ہاتھ کی دیت ادا کر دی اور گورنر کو معزول کر دیا اور فریادی مطمئن ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

موصوف نے کمال ہوشیاری سے معزولی اور شبہ میں ہاتھ کاٹنا دونوں امور کا ذکر نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے شبہ میں کسی کا ہاتھ کاٹ دیا ہو تو از روئے شریعت ایسے حاکم کا ہاتھ قصاص میں نہیں کاٹا جائے گا۔ قرآن نے تو قتل خطا میں بھی قصاص نہیں رکھا:

﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

① تفسیر عثمانی تحت الآیہ

﴿يَّصَّدَّقُوا﴾①

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کے قتل پر قصاص کے بجائے دیت دلوائی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کی دیت بھی دلوائی اور گورنر کو معزول بھی کر دیا لہٰذا ان پر یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔

مودودی صاحب نے دوسرا واقعہ زیاد کے ظلم کا ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنے پہلے ہی خطبے میں 30 یا 80 آدمیوں کے ہاتھ کاٹ دیے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا...... راوی کو 30 اور 80 میں کوئی فرق بھی محسوس نہیں ہو رہا۔ اگر بالفرض تیس آدمیوں کے ہی ہاتھ کاٹ دیے جاتے تو کوفہ میں عظیم احتجاج ہوتا اور تمام مورخین اسے نقل کرتے کیونکہ یہ واقعہ ہرگز نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا۔ طبری نے اس کی جو سند نقل کی ہے تو اس میں مجاہیل بھی ہیں۔

علاوہ ازیں اس اہم ترین واقعہ کو قدیم شیعہ مورخین دینوری، یعقوبی اور مسعودی بھی نقل نہیں کرتے...... اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح ہے تو زیاد کا ذاتی فعل ہوسکتا ہے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک اطلاع پہنچائی گئی ہو اور انہوں نے کوئی کاروائی نہ کی ہو۔

زیاد کے پہلے خطبے میں حجر بن عدی نے حسب معمول کنکر پھینکے تھے۔ انہیں بھی زیاد نے تنہائی میں بلا کر وعظ و نصیحت کی۔ پھر وہ عمرو بن حریث کو اپنا نائب مقرر کر کے بصرہ چلے گئے۔ اس نائب کے ساتھ بھی حجر نے یہی سلوک کیا۔ اگر کنکر پھینکنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی تو سب سے پہلے حجر کے ہاتھ کاٹے جاتے۔ لہٰذا یہ واقعہ سرے سے ہی غلط ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ زیاد نے انہیں قطع ید کی سزا کیوں دی؟ اس جرم کا اقرار مودودی صاحب کو بھی ہے کہ انہوں نے دورانِ خطبہ میں گورنر پر کنکر پھینکے تھے۔ کیا یہ کوئی معمولی جرم تھا؟ اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

موصوف کا یہ دعویٰ بھی بالکل غلط ہے کہ:

> ''مقدمہ نہیں چلایا گیا کسی عدالت میں پیش نہیں کیے گئے اور کوئی قانونی شہادت بھی پیش نہیں کی گئی۔''

---

① النساء:92

اسی روایت میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ مسجد کے دروازے بند کر دیے گئے ملزموں کو صفائی کا پورا موقع دیا گیا اور ملزم کا فیصلہ خود ملزم ہی کے سپرد کر دیا گیا کہ وہ حلفیہ بیان دے کہ اس نے کنکر نہیں پھینکے پھر جس نے حلفیہ بیان نہیں دیا گویا اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا اس طرح وہ (بشرط صحت روایت) سزا کا مستحق ہو گیا۔

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمال ظلم کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کے تدارک میں بڑا اہتمام تھا۔ چنانچہ وہ روزانہ مظالم کی تحقیقات اور مظلوموں کی دادرسی کے لیے خانہ خدا میں بیٹھتے تھے اور بلا امتیاز ہر کس و ناکس اپنی اپنی شکایتیں پیش کرتا تھا۔ امیر انہیں سن کر ان کا تدارک کرتے تھے۔''

علامہ مسعودی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شبانہ یوم کے معمولات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''پھر امیر معاویہ گھر سے نکلتے اور غلام کو کرسی نکالنے کا حکم دیتے چنانچہ مسجد میں کرسی نکالی جاتی۔ اور ان کے سامنے مقدمات و حادثات پیش ہوتے۔ اس میں کمزور و ناتواں، دیہاتی، بچے، عورتیں، لاوارث سب پیش کیے جاتے (اور ان سب کی دادرسی ہوتی) پھر اشراف سے خطاب کرتے کہ تم لوگ اس لیے اشراف کہلاتے ہو کہ اس دربار میں اپنے سے کم رتبہ والوں پر تم کو شرف عطا کیا گیا ہے اس لیے جو لوگ ہمارے پاس نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات ہم سے بیان کرو۔''

دادرسی اور انسداد مظالم میں جس فرمانروا کا یہ اہتمام ہو اس کے متعلق ظلم و ستم کا الزام لگانا کہاں کا انصاف اور کہاں کی صداقت ہے؟''[1]

علامہ خالد محمود لکھتے ہیں کہ:

''جاریہ بن قدامہ پر لوگوں کو جلانے کا جو الزام ہے...... کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جاریہ (بن) قدامہ کو اس غیر شرعی اقدام پر کوئی سزا دی؟ نہیں۔ لیکن اس پر ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ملزم نہیں کر سکتے۔ افسران کو اس قسم کی غلطیوں پر ہٹایا تو جا سکتا ہے لیکن ان پر اس قسم کے

---

[1] سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم ص 124، 125 ج6

واقعات سے قصاص عائد نہیں کیا جاسکتا۔ عہدے کے غلط استعمال پر عام سزا نہیں دی جا سکتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جرنیل جاریہ بن قدامہ اس قدر ظالم تھا کہ جب یہ مدینہ آیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو ان دنوں مسجد نبوی کے امام تھے وہاں سے چلے آئے...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ عامل یقیناً بڑا ظالم تھا......

اب ان تمام مظالم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگانا یا بسر بن ارطاۃ کے مظالم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگانا صرف ان ہی لوگوں کا کام ہوسکتا ہے جو حکومت کی ذمہ داریوں، اسلام کے قانون قصاص اور بلووں میں ہونے والے فسادات اور واقعاتِ قتل کے قانونی تقاضوں کو نہ سمجھتے ہوں۔''[1]

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مظلومین کی دادرسی اور اِن پر ہونے والے مظالم کا تدارک کرتے تھے۔ اگر 30 یا 80 لوگوں کے ہاتھ کٹوائے گئے ہوتے تو اس ظلم عظیم کا تدارک کیوں کر نہ ہوتا۔

لہٰذا آں محترم پر یہ الزام کہ انہوں نے اپنے گورنروں کو کھلی چھوٹ دے رکھی تھی اور انہیں قانون سے بالاتر قرار دے دیا تھا سراسر لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

---

[1] عبقات جلد دوم ص 442-443

57

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں آزادیٔ اظہارِ رائے کا خاتمہ

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''دورِ ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیے گئے اور زبانیں بند کر دی گئیں اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لیے کھولو ورنہ چپ رہو۔ اور اگر تمہارا ضمیر ایسا ہی زوردار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید، قتل اور کوڑوں کی مار کے لیے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ جو لوگ اس دور میں حق بولنے اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے ان کو بدترین سزائیں دی گئیں۔ تاکہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے۔ اس نئی پالیسی کی ابتداء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت حجر بن عدی کے قتل سے ہوئی۔''①

کسی شخص کے دروغ گو اور کذاب ہونے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''آزادی اظہار رائے کے خاتمے'' کا الزام عائد کر دے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ صبر و تحمل کے پہاڑ تھے۔ تاریخ کی کسی گھسی پٹی روایت سے بھی یہ ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے کبھی کسی بدگو، کیچڑ اچھالنے والے اور برا بھلا کہنے والے کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی کی ہو۔ مودودی صاحب کو بھی آں محترم کے پورے دور میں صرف حجر بن عدی کی مثال نظر آئی۔ (ان کا تفصیلی ذکر پیچھے گزر چکا ہے)

خلیفہ وقت کو گالیاں دینا، خطبے کی بے حرمتی کرنا، مسجد کا تقدس پامال کرنا، خطیب جو گورنر اور والی ہے اس پر آوازے کسنا، خطبے میں رکاوٹ ڈالنا، گورنر پر روڑے پھینکنا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ظالم کہنا، ان کے قاتلوں پر درود بھیجنا، ان کے ساتھ برملا اظہارِ ہمدردی کرنا، ان کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کرنا...... اگر یہ سب کچھ ''حق'' ہے تو پھر دنیا میں ''باطل'' کا کوئی وجود ہی نہیں۔ حجر بن عدی کا واقعہ خود اظہارِ رائے کی آزادی کی ایک واضح دلیل ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلم اور عفو و درگزر ضرب المثل کے طور پر مشہور تھا۔ بارہا لوگ آتے، سخت

① خلافت و ملوکیت ص 162، 163

سے سخت باتیں کہتے مگر آپ ذرا پروانہ کرتے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ غصہ پی جانے سے زیادہ میرے لیے کوئی چیز لذیذ اور شیریں نہیں۔ اشتعال کے موقع پر بھی جوش میں نہ آتے۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''رؤسائے عرب اور سرداران کے ساتھ کریمانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ ان کی نالائم باتوں کو برداشت کرتے، ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے۔ ان کے تحمل و بردباری کی حد نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ ان کی حکومت و ریاست کو کسی قسم کی لغزش نہ ہوئی بلکہ بتدریج استقلال ہوتا چلا گیا۔''①

''ایک قریشی ان کے سامنے جا کر برا بھلا کہنے لگا تو انہوں نے اس کی بدزبانی سن کر فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! اس حرکت سے باز آ جا۔ امام شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عاقلان عرب چار ہیں معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہم)، زیاد۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حلم و خردمندی کی وجہ سے...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حلیم و عقیل ...... میں نے نہیں دیکھا...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کا حلم غصہ کے لیے تریاق تھا۔ ان کو دلوں کو جوڑنا خوب آتا تھا۔ اور یہی سبب ان کے استحکام حکومت کا ہوا۔''②

تابعین رحمہم اللہ میں حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ بھی صفت حلم میں بہت مشہور تھے کسی نے ان سے دریافت کیا کہ آپ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں زیادہ بردبار کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ واللہ تم بڑے جاہل معلوم ہوتے ہو۔ میرے اور ان کے حلم میں یہ فرق ہے کہ وہ پوری طاقت رکھتے ہوئے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہیں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بردباری کرتا ہوں لہٰذا میں ان سے کیسے بڑھ سکتا ہوں؟ یا ان کے برابر بھی کیسے ہو سکتا ہوں؟③

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری صرف اس حد تک ہوتی تھی جس سے دین، شریعت اور خلافت

① تاریخ ابن خلدون ص 24 ج 2
② تاریخ اسلام ص 22 ج 2۔ اکبر شاہ خان نجیب آبادی
③ العقد الفرید ص 165 ج 1

پر حرف نہ آتا ہو۔ دیگر امور میں بردباری اور عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ ان کے بعض عمال کی طرف تشدد کے جو چند واقعات منسوب ہیں ان میں بیشتر من گھڑت ہیں اور جو چند صحیح ہیں تو وہاں حکومت وخلافت کے استحکام کے لیے ایسا اقدام ناگزیر ہو گیا تھا۔

چنانچہ مورخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ان کے زمانے میں زیاد بن ابی سفیان اور بعض دوسرے عاملوں نے عراقیوں اور ایرانیوں پر کسی قدر سختی اور تشدد کو روا رکھا۔ لیکن ان عراقیوں اور ایرانیوں پر اگر یہ سختی اور تشدد نہ ہوتا تو ظلم تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا ایک نقص سمجھا جاتا'' ①

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ:

ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا اللہ کی قسم! خود بخود ٹھیک رہیں ورنہ ہم آپ کو درست کر دیں گے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**بماذا؟**'' کس کے ساتھ ٹھیک کرو گے؟ اس نے کہا ''**بالخشب**'' لاٹھی کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا: ''**اِذًا نستقیم**'' پھر تو ہم درست ہو جائیں گے۔ ②

ایک شخص نے دوران گفتگو میں آپ کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال کیے آپ نے کچھ دیر کے لیے اپنا سر جھکا لیا اور پھر اسے وعظ و نصیحت سے ایسا کرنے سے روکا۔ ③

ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت برا بھلا کہا جب آپ سے نوٹس لینے کو کہا گیا تو آپ نے فرمایا:

''**انی لاستحی من اللہ ان یضیق حلمی علی ذنب احد من رعیتی . . . انی لاستحی ان یکون ذنب اعظم من عفوی او جھل اکبر من حلمی۔**'' ④

''مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ کہیں میری بردباری پر کسی کا گناہ غالب نہ آ جائے ...... سفیان ثوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے میں شرم کرتا ہوں کہیں کسی کا جرم میری معافی سے اور کسی کی نادانی میرے حلم سے بڑھ نہ جائے۔''

① تاریخ اسلام ص 36 ج 2
②③ سیر اعلام النبلاء ص 102 ج 3
④ البدایہ والنہایہ ص 135 ج 8

ایک شخص دوران خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ درشت مزاجی کے ساتھ پیش آیا۔ آپ نے اس کے متعلق فرمایا:

''ان هذا احیانی احیاه الله '' اس شخص نے مجھے ہلاکت سے بچالیا اور زندگی عطا کی، اللہ اسے زندگی دے۔

اس پر ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اے مخاطب! تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس یکتا منقبت جلیلہ کو دیکھ اور اس پر غور کر۔ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے میں کس قدر حریص تھے۔ اور وہ اپنی ذات کے بارے میں کس قدر خوف زدہ تھے کہ کہیں ان سے کوئی معمولی سی بھی زیادتی سرزد نہ ہو جائے۔ ''فحماه الله و امنه رضی الله عنه '' پس اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور انہیں امن میں رکھا۔''①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبے میں رؤیت ہلال اور روزے کے بارے میں ایک رائے کا اظہار کیا۔ اسی وقت ایک شخص نے دریافت کیا کہ یہ آپ کی ذاتی رائے ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا یہ میری ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے یوں ہی سنا ہے۔②

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں تنقید اور اظہارِ رائے کی پوری آزادی تھی۔ انہوں نے نہ اس پر کبھی پابندی عائد کی، نہ کبھی اس کی حوصلہ شکنی کی، نہ ضمیروں پر قفل چڑھائے، نہ کسی کو قید کیا، نہ کسی کو قتل کیا اور نہ کسی کو کوڑوں سے پیٹا۔ بلکہ تنقید کو ہمیشہ خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کی۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ ان کے دور میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے، زبانیں بند کر دی گئیں اور حق گوئی کی سزا قید، کوڑوں اور قتل کی صورت میں دی گئی، بالکل لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

---

① تطهیر الجنان ص 27

② سنن ابی داؤد کتاب الصوم باب فی التقدم

58

دورِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں تقسیم مالِ غنیمت میں کتاب وسنت کی مخالفت

اس الزام کے تحت جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب وسنت کی رو سے پورے مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم ہونے چاہئیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے لیے الگ نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔''①

اس ساری داستان میں نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط کے ذریعے سے کوئی حکم دینا اور نہ اس حکم پر عمل درآمد کرانا ثابت کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اسی داستان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی مخالفت کی گئی۔ جب حکم کی تعمیل ہی نہیں ہوئی اور سونا چاندی الگ کیا ہی نہیں گیا تو پھر قرآن وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کیسے ہوگئی؟

بقول مودودی صاحب جب تقسیم کے معاملے میں پہلے ہی کتاب وسنت کی مخالفت کا حکم دے دیا گیا تھا تو باقی ماندہ مال کے لیے ''شرعی قاعدہ'' کے مطابق تقسیم کرنے کی تاکید کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

موصوف اگر تاریخ کی زبانی اصل واقعہ تحریر کر دیتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سرے سے کوئی اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا تھا۔ مگر حق بات کے اختیار کرنے میں صرف ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' حائل تھا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''خراسان میں زیاد کے نائب حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے زیاد کے حکم کے تحت جبل الاسل کے مقام پر جہاد کیا۔ بہت سے آدمی قتل ہوئے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ تو زیاد نے

① خلافت وملوکیت ص 174

ان کی طرف لکھا کہ امیر المومنین کی طرف سے یہ خط آیا ہے کہ مال غنیمت میں سے ان کے لیے سونا چاندی الگ کر لیا جائے۔ ''یجمع کله من هذه الغنیمة لبیت المال۔'' یہ سونا چاندی سب بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ اللہ کی کتاب امیر المومنین کے خط پر مقدم ہے...... پھر انہوں نے مال لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

''وخالف زیادا فیما کتب الیه عن معاویة وعزل الخمس کما امر الله ورسوله... ''اور انہوں نے زیاد کے اس حکم کی مخالفت کی جو اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے انہیں لکھا تھا اور صرف مال کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے مطابق الگ کیا۔''①

اس خط میں زیاد نے اس حکم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اگر فی الواقع دربارِ خلافت سے اس قسم کا کوئی حکم صادر ہوا ہوتا تو تمام گورنروں کی طرف بھیجا جاتا۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس حکم کی سرے سے کوئی تعمیل ہی نہیں ہوئی اور مالِ غنیمت کی تقسیم کتاب وسنت کے عین مطابق ہوئی۔ پھر حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اس حکم عدولی پر نہ زیاد کی طرف سے اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی باز پرس ہوئی۔ وہ بدستور خراسان کے حاکم رہے تا آنکہ اس واقعہ کے چار پانچ سال بعد 50ھ یا 51ھ میں ان کا طبعی موت سے انتقال ہو گیا۔

مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''امام حاکم نے بھی مستدرک ص 442 ج 3 پر ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ:

''وان معاویة لما فعل الحکم فی قسمة الفیء ما فعل وجه الیه من قیده وحبسه فمات فی قیوده۔''②

''جب حضرت حکم رضی اللہ عنہ نے تقسیم میں یہ طرزِ عمل اختیار کیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا فرستادہ بھیجا جس نے حکم رضی اللہ عنہ کو مقید ومحبوس کر لیا اور اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا۔''

امام حاکم کی اس روایت کی تائید کسی دوسری روایت سے نہیں ہوتی اکثر مورخین نے قید کے اس حکم کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ جبکہ بعض نے عتاب آمیز خط کی نسبت زیاد کی طرف کی ہے۔ علامہ ابن

① البدایہ والنہایہ ص 29 ج 8
② خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 84

حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی کہ زیاد نے اپنی مخالفت کی بنا پر عتاب آمیز خط نہیں لکھا۔ ①

امام ابن حجر رحمہ اللہ امام حاکم (متوفی 405ھ) کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''**هو شيعي مشهور بذلك**''

''وہ شیعہ ہیں اور اسی کے ساتھ مشہور ہیں۔''

ابو (ابن) طاہر نے کہا کہ:

میں نے ابو اسماعیل عبداللہ انصاری سے حاکم کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے کہ

''**امام في الحديث رافضي خبيث ... قلت ان الله يحب الانصاف ما الرجل برافضي بل شيعي فقط**'' حدیث کا امام اور خبیث رافضی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے حاکم رافضی نہیں صرف شیعہ تھا۔'' ②

اہل تشیع نے بھی حاکم کو شیعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ:

''**وهو من ابطال الشيعة وسدنته للشريعة**'' یہ بہت بڑے شیعوں میں سے ہیں اور ان کی شریعت کے ستون ہیں۔''**يميل الى التشيع ... صرّح من الفريقين بتشيعه...**'' اس کا میلان شیعیت کی طرف تھا۔ شیعہ، سنی دونوں اس کے تشیع کی تصریح کرتے ہیں۔

''**كان شديد التعصب للشيعة في الباطن ... وكان منحرفا عن معاوية واله متظاهرا بذلك ولا يعتذر منه**'' یہ باطنی طور پر متعصب شیعہ تھا معاویہ اور ان کے اہل سے علانیہ طور پر منحرف تھا۔ اور اس کا کوئی عذر اس کی طرف سے نہیں کیا گیا۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وہ شیعہ ہے رافضی نہیں۔ کاش وہ مستدرک نہ لکھتا۔''

''**وذكر ابن شهر اشوب في معالم العلماء وصاحب الرياض في القسم الاول في عداد الامامية على ما نقل عنهما۔**'' ③

''ابن شہر آشوب نے معالم العلماء میں اس کا ذکر کیا۔ اور صاحب الریاض نے قسم اول

① الاصابہ ص 30 ج 2 تحت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ
② لسان المیزان ص 232 ج 5
③ الکنی والالقاب ص 170 ج 2

میں اس کا تذکرہ کیا جہاں اس نے شیعہ علماء کی تعداد بیان کی ہے۔ یہی ان سے منقول ہے۔''

عصر حاضر کے شیعہ مجتہد محسن الامین نے بھی اسے شیعہ قرار دیا ہے۔ ①

امام ذہبی رحمہ اللہ نے حاکم کی ایک روایت ''وذکر مبارزۃ علی ''② پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''قلت قبح اللہ رافضیا افتراہ۔''

''میں کہتا ہوں کہ اس رافضی کو اللہ رسوا کرے جس نے یہ روایت خود گھڑی ہے۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ امام حاکم فریقین کے نزدیک متفقہ طور پر شیعہ ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف علانیہ طور پر بغض وعناد رکھتے تھے اور اس پر کوئی عذر بھی نہیں کرتے تھے۔

زیر بحث واقعہ کے متعلق ابن عساکر نے لکھا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے وزراء سے اس کے متعلق مشورہ کیا تو انہیں یہ رائے دی گئی کہ حکم (رضی اللہ عنہ) کو پھانسی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ان پر اس مال کے بقدر تاوان عائد کیا جائے۔

''فقال معاویۃ بئس الوزراء انتم ... اتأمرونی ان اعمد الی رجل آثر کتاب اللہ تعالٰی علی کتابی وسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سنتی فاقطع یدیہ ورجلیہ بل احسن واجمل واصاب فکانت ھذہ مما تعد من مناقب معاویۃ۔ ''③

''تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ برے وزراء ہو۔ کیا تم مجھے اس شخص کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا مشورہ دیتے ہو جس نے اللہ تعالٰی کے فرمان کو میرے خط پر ترجیح دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو میری بات سے مقدم کیا ہے اس شخص نے بہت اچھا عمدہ اور درست کردار ادا کیا ہے۔ یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں شمار کیا جاتا ہے۔''

علاوہ ازیں زیر بحث روایت سنداً بھی منقطع اور مرسل ہے۔ تو ایسی روایت کی رو سے کوئی شیعہ،

① اعیان الشیعہ ص 391 ج 9
② مستدرک حاکم ص 32 ج 3، کتاب المغازی
③ تاریخ بلدۃ دمشق تحت ترجمہ معاویہ جلد 59 ص 170

رافضی اور ناقد معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ایک جلیل القدر صحابی پر اعتراض کر سکتا ہے۔

مال کی تقسیم کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار بروایت حضرت عطیہ بن قیس رحمہ اللہ یوں بیان کرتے ہیں کہ:

''میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ اے لوگو! تنخواہیں تقسیم کرنے کے بعد جو کچھ بیت المال میں بچ گیا ہے اب میں وہ تقسیم کرنا چاہتا ہوں اور اگر اگلے سال بھی بدستور کچھ مال بچ سکا اور میں موجود ہوا تو اسے بھی تمہارے درمیان تقسیم کر دوں گا۔ ورنہ مجھے معتوب نہ کرنا اس لیے کہ یہ مال میرا نہیں ہے بلکہ اللہ کا مال ہے اور اسی نے تمہیں عطا کیا ہے۔'' ①

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے اپنا آدھا مال بیت المال میں جمع کرانے کی وصیت بھی کی تھی۔ ②

مزید برآں ...... یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام وخلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت ومفاد کے پیش نظر اپنی صوابدید کے مطابق تقسیم اور تصرف کر سکے...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کو اسی مصلحت کے تحت تقسیم فرمایا تھا۔ اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ادوار میں بھی ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں جن میں بعض حضرات کو ان کے حصے سے زیادہ مال دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسی ہی مصلحت کے تحت بصرہ کا سارا خزانہ ہی اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے بڑے بڑے قومی کام سرانجام دیے۔ فوجیں تیار کیں، جنگی بیڑے بنوائے، فتوحات میں مال صرف کیا، قلعے تعمیر کرائے، پولیس کے محکمہ کو ترقی دی، خبر رسانی کا محکمہ قائم کیا، دفاتر بنوائے، نہریں کھدوائیں، اسلامی نوآبادیاں قائم کیں، شہر بسائے، صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل بیت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے وظائف مقرر کیے، غرباء پر مال تقسیم کیا، عدالتوں پر صرف کیا اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے قومی اور اسلامی مفاد میں خرچ کیا۔

اگر یہ بے جا تصرف ہوتا تو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن یہ وظائف اور عطایا کیوں

---

① المنتقی ص 567۔ منہاج السنۃ ص 185 ج 1

② تاریخ طبری اردو ص 154 ج 4۔ انساب الاشراف تحت معاویۃ بن ابی سفیان

قبول کرتیں؟

علیٰ سبیل التنزل اگر محض غلط حکم دینے سے بقول مودودی صاحب کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا فتویٰ لاگو ہوتا ہے تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی اس کا اطلاق ہوگا؟ جنہوں نے قرآن کے خلاف حکم دیا تھا۔

چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں اس رائے کا اظہار کیا کہ کسی شخص کو نکاح میں چار سو درہم سے زیادہ مہر باندھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ ایک عورت نے انہیں وہیں ٹوک دیا کہ آپ کو ایسا حکم دینے کا حق نہیں ہے۔ قرآن ڈھیر سا مال (قنطار) مہر میں دینے کی اجازت دیتا ہے۔ آپ اس کی حد مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔''①

اگر بفرض محال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سونا چاندی اپنے لیے الگ کرنے کا حکم دیا تھا تو اس پر کسی نے عمل نہیں کیا اور اس حکم کو خلاف کتاب وسنت سمجھ کر ردّ کر دیا تھا...... بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس ''حکم عدولی'' کی تائید وتصویب فرما کر گویا اپنے حکم سے رجوع کر لیا تھا...... اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رجوع کے بعد قرآن کے حکم صریح کی خلاف ورزی کا الزام عائد نہیں ہوسکتا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیونکر موردِ الزام ٹھہرائے جاسکتے ہیں؟

لہٰذا آں موصوف پر مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا الزام لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

① خلافت وملوکیت ص 101

59

حضرت معاویہ ؓ کا اکل مال بالباطل کا حکم دینا

دشمنانِ صحابہ کی طرف سے حضرت معاویہ ؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ناحق قتل کرنے اور حرام مال کھانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور دشمن اسلام وصحابہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''خلیفہ کا کام ہے کہ لوگوں کو حرام کھانے سے منع کرے اور ناحق قتل کرنے سے روکے اور معاویہ عجیب خلیفہ تھا جو لوگوں کو حرام کھانے پر مجبور کرتا تھا۔''①

یہ اعتراض دراصل صحیح مسلم کی ایک روایت کی بنا پر کیا جاتا ہے جس میں عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا وہاں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ کعبہ کے سائے میں بیٹھے لوگوں کو احادیث سنا رہے تھے۔ جب ایک طویل حدیث کا یہ حصہ سنایا کہ:

''من بایع اماماً فاعطاه صفقة یده وثمرة قلبه فلیعطه ان استطاع فان جاء احد ینازعه فاضربوا عنق الاخر۔''

''جس نے کسی امام کی بیعت کی اور اس کے ہاتھ میں دست وفا اور دل کا خلوص دیا اسے چاہیے کہ اس کی پوری اطاعت کرے اگر طاقت رکھے۔ پھر اگر دوسرا امام اس کے ساتھ جھگڑا کرے تو تم اس دوسرے کی گردن مار دو۔''

یہ سن کر میں حضرت عبداللہ ؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا میں تم کو اللہ قسم دیتا ہوں آپ نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ انہوں نے اپنے کانوں اور دل کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا میرے کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا۔ میں نے ان سے کہا:

''ھذا ابن عمک معاویة یامرنا ان ناکل اموالنا بیننا بالباطل ونقتل انفسنا واللہ

① خصائل معاویہ ص 432

عزوجل یقول:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ۝ ﴾

قال فسکت ساعة ثم قال اطعه فی طاعة اللہ و اعصه فی معصیة اللہ عزوجل۔ ''

''کہ آپ کے یہ چچا کے بیٹے معاویہ ہمیں ایک دوسرے کا مال ناحق کھانے اور باہمی قتال کا حکم دیتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اپنے مال ناحق مت کھاؤ مگر تجارت کر کے باہمی رضامندی سے اور مت قتل کرو اپنی جانوں کو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ کچھ دیر تک خاموش رہے پھر فرمایا اللہ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اللہ کی نافرمانی میں ان کی نافرمانی کرو۔''[1]

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ راوی کی شکایت کا تعلق دورِ فتن کے ساتھ ہے جب حضرت علی اور حضرت معاویہ ؓ کے درمیان اختلاف عروج پر تھا۔ پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ نزاعی مسئلہ فقط ''قصاص عثمان ؓ'' کا تھا خلافت کے مسئلے میں نہ کوئی تنازع تھا اور نہ حضرت معاویہ ؓ خلافت کے مدعی تھے۔ بلکہ انہوں نے بیعت کو مسئلہ قصاص کے ساتھ مشروط کر رکھا تھا۔ زیر بحث حدیث (کہ خلیفہ اول کی بیعت پر قائم رہو اور دوسرے کی گردن اڑا دو) کا اطلاق ان پر تب ہوتا جب وہ اپنی خلافت کا دعویٰ کرتے۔ بعد میں جب حضرت علی ؓ نے آں محترم کے ساتھ مصالحت کر لی تو کسی دوسرے کو اب اعتراض کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نے کسی کو ''اکل مال بالباطل'' اور ''قتل نفس'' کا کوئی حکم نہیں دیا۔ راوی عبدالرحمن (جو غیر صحابی ہیں) نے حضرت علی ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی تھی اور کعبہ کے سائے میں حدیث سنانے والے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ حضرت معاویہ ؓ کے گروہ میں شامل تھے۔

اس لیے راوی عبدالرحمن نے اپنا موقف پیش کیا کہ جب حضرت علی ؓ خلیفہ مقرر ہو چکے ہیں تو ان کی اطاعت لازم ہے۔ اس حالت میں حضرت معاویہ ؓ کا اپنے لشکر پر مال خرچ کرنا اور آمادہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة الاول فالاول

جنگ ہونا ''اکل مال بالباطل اور قتل نفس'' کے حکم میں آتا ہے۔

یہ راوی کا اپنا خیال ہے جو بالکل خلاف واقع ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی تشریح میں اسے راوی کے گمان پر محمول کیا ہے۔ ①

اگر یہ امر واقع ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہرگز تعاون نہیں کر سکتے تھے۔

راوی کے اس سوال پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے جو عوام کے ہجوم میں بیٹھے تھے بڑا اصولی جواب دیا کہ اللہ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اللہ کی نافرمانی میں ان کی نافرمانی کرو۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث کا قابل اعتراض حصہ راوی کا اپنا اضافہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں یہ حصہ نہیں پایا جاتا۔ ②

علاوہ ازیں راوی کی تائید کسی دوسرے راوی یا کسی دوسری روایت سے بھی نہیں ہوتی۔

عبدالرحمٰن سے نیچے اس کا راوی زید بن وہب کوفی ہے جس کے متعلق علمائے رجال نے تصریح کی ہے کہ ''فی حدیثه خلل کثیر'' اس کی حدیث میں بہت خلل واقع ہوئے ہیں۔ ③

پھر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے اور وہ واحد متفقہ خلیفہ منتخب ہو گئے تو راوی کا اپنا گمان بھی باطل ہو گیا۔ ورنہ یہ لازم آئے گا کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور دیگر اہل بیت نبوی ''اموال باطلہ'' کا استعمال کرتے رہے۔

بہرحال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''اکل مال بالباطل اور قتل نفس'' کا الزام خلافِ واقع ہے۔

---

① شرح مسلم ص 126 ج 2

② سنن نسائی ص 165 ج 2 کتاب البیعة۔ سنن ابن ماجہ ص 293 باب السواد الاعظم من ابواب الفتن

③ تہذیب التهذیب ص 427 ج 3 تحت زید بن وهب الجهنی الکوفی

60

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے معاہد کی دیت میں سنت کی مخالفت کی

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دیت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کو بدل دیا۔ سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف خود لینی شروع کر دی۔''①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دیت کی تبدیلی کا الزام عائد کرنے کے لیے موصوف نے علمی بددیانتی اور عظیم خیانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی عبارت سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ ''دیت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کو بدل دیا'' کے الفاظ بھی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ہی کے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مذکورہ الفاظ نہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے ہیں اور نہ ان کی تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' ہی میں پائے جاتے ہیں۔ نیز بعد کے الفاظ بھی ابن کثیر رحمہ اللہ کے نہیں بلکہ امام زہری کے ہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''... وبه قال الزهري ومضت السنة ان دية المعاهد كدية المسلم وكان معاوية اول من قصرها الى النصف واخذ النصف لنفسه۔''②

''امام زہری نے اسی سند کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ سنت یہ چلی آ رہی تھی کہ معاہد کی دیت ایک مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسے نصف تک کم کر دیا اور بقیہ نصف خود اپنے لیے رکھ لی۔''

معلوم نہیں کہ مودودی صاحب نے ''دیت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کو بدل دیا'' ابن کثیر یا زہری کے کن الفاظ کا ترجمہ کیا ہے۔

---

① خلافت وملوکیت ص 173

② البدایہ والنہایہ ص 139 ج 8

جناب زہری نے یہاں دو دعوے کیے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوری دیت کو نصف کر دیا۔ اور دوسرا یہ کہ باقی نصف خود لینی شروع کر دی۔

مودودی صاحب تو پہلے سے ''بغض معاویہ'' میں ''جلے بھنے'' ہوئے تھے اس لیے انہوں نے ایک قدم بڑھاتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخالف سنت قرار دے دیا۔

جہاں تک زہری کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ انہوں نے دیت کی مقدار کم کر کے اسے نصف کر دیا جبکہ سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی۔ یہ دعویٰ بھی غلط ہے...... حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیت کی مقدار کم نہیں کی بلکہ اسی سنت طریقے کے مطابق قاتل سے پوری دیت ہی وصول کی ...... اور اگر بالفرض انہوں نے دیت کی مقدار نصف کر دی تھی تو پھر بھی موصوف کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ سنت صرف یہی تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی۔ بلکہ یہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء رحمہم اللہ میں مختلف فیہ رہا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دونوں قسم کی روایات منقول ہیں:

(1) ''دية الكافر نصف دية المسلم۔''①

''کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔''

(2) ''دية المعاهد نصف دية الحر۔''②

''معاہد ذمی کی دیت آزاد کی دیت سے نصف ہوگی۔''

(3) بعض روایات میں دیت کے بجائے ''عقل الكافر نصف دية المسلم'' کے الفاظ آئے ہیں۔③

مشہور مالکی فاضل ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں کہ ''ذمی کی دیت کے متعلق تین اقوال ہیں:

(1) ''ان ديتهم على النصف من دية المسلم۔''

''ان کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔''

یہ قول امام مالک اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ہے۔

(2) ''ان ديتهم ثلث دية المسلم۔'' ''ان کی دیت مسلمان کی دیت کا تہائی ہے''۔ یہ قول امام

① مسند امام احمد ص 180 ج 2 تحت عبداللہ بن عمرو بن عاص
② مشکوٰۃ باب الدیات الفصل الثانی
③ نیل الاوطار ص 64 ج 7

شافعی ؒ کا ہے اور یہی عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان ؓ اور تابعین ؒ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

(3) ''ان دیتهم مثل دية المسلمين۔''

''ان کی دیت مسلمانوں کی دیت کے برابر ہے۔'' یہ قول امام ابوحنیفہ، امام ثوری ؒ اور ایک جماعت کا ہے۔ اور یہی حضرت عمر، حضرت عثمان ؓ اور تابعین ؒ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔''①

اس عبارت سے تو معاہد کی دیت نصف کے بجائے ایک تہائی بھی ثابت ہو رہی ہے۔ اور اس کے قائلین میں حضرت عمر، حضرت عثمان ؓ تابعین ؒ کی ایک جماعت اور امام شافعی ؒ شامل ہیں۔ کیا اس نظریہ کے حاملین پر بھی سنت کی مخالفت کا فتویٰ عائد ہو گا؟

نصف دیت کا قول رسول اللہ ﷺ کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام مالک ؒ کا بھی ہے...... کیا انہوں نے بھی ''سنت'' کو تبدیل کر دیا تھا؟

حضرت معاویہ ؓ جن پر بڑے زور و شور کے ساتھ سنت کی تبدیلی کا الزام عائد کیا جاتا ہے انہوں نے تو نصف دیت کا مسلک اختیار ہی نہیں کیا مگر پھر بھی معاندین صرف ان ہی پر الزام عائد کرتے ہیں۔

مشہور مفسر قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ لکھتے ہیں کہ:

''اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہو۔ لفظ دیت مجمل ہے اس کی تفصیل نبی اکرم ﷺ سے مختلف طور پر مروی ہے۔ جس طرح مرد و عورت اور آزاد و غلام کی دیت کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح کافر اور مسلمان کی دیت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔''②

علامہ رشید رضا صاحب تفسیر ''المنار'' لکھتے ہیں کہ:

''غیر مسلم کی دیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کیونکہ روایات بھی مختلف ہیں اور

---

① بداية المجتهد ونهاية المقتصد ص 414 ج2

② تفسیر مظهری ص 193 ج2

صدر اول کے لوگوں کا عمل بھی مختلف رہا ہے...... حاصل بحث یہ ہے کہ قولی و عملی روایات مختلف و متعارض ہیں جن کی بنا پر فقہاء میں بھی اختلاف ہے۔ آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد عرف اور باہمی رضامندی پر ہے۔ سلف کا اختلاف بھی اسی بنا پر تھا۔''①

باقی رہا دوسرا دعویٰ کہ بقیہ نصف دیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود لینی شروع کر دی۔ تو یہ بھی سراسر باطل ہے اور بالکل اسی طرح کا الزام ہے جس طرح کہ مال غنیمت میں سے اپنے لیے سونا اور چاندی الگ چھانٹ لیا کرتے تھے۔ جس طرح وہاں ''بیت المال'' کے الفاظ موجود تھے اسی طرح یہاں بھی ''بیت المال'' کے الفاظ موجود ہیں۔ اگر ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر ضد، عناد اور تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہو تو اس کا کیا علاج ہے؟ جس زہری کے حوالے سے نصف دیت خود لینے کا الزام عائد کیا گیا ہے اسی زہری کی یہ روایت بھی ہے:

''زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے دور میں معاہد کی دیت مسلمان کے برابر سنت سمجھی جاتی تھی۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے **فجعل فی بیت المال نصفها و اعطٰی اهل المقتول نصفها** تو انہوں نے نصف دیت بیت المال کے لیے اور باقی نصف مقتول کے ورثاء کے لیے مقرر کر دی۔ پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے صرف نصف دیت کا فیصلہ کیا اور وہ نصف دیت جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے لیے مقرر کی تھی ساقط کر دی۔''②

امام ابوداود رحمہ اللہ بروایت ربیعہ بن عبدالرحمن لکھتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت میں جب یہ صورت پیش آئی تو انہوں نے فرمایا:

''ان کان اهله اصیبوا به فقد اصیب به بیت مال المسلمین فاجعلوا لبیت مال المسلمین النصف ولاهله النصف۔''③

---

① المنار ص 334، 336 ج5
② بدایة المجتهد ص 414 ج2
③ المراسیل لابن ابی داؤد ص 29 باب دیة الذمی

''کہ اگر ذمی کے قتل سے اس کے رشتہ داروں کو نقصان پہنچا ہے تو مسلمانوں کے بیت المال کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ پس نصف مسلمانوں کے بیت المال کے لیے اور باقی نصف مقتول کے رشتے داروں کے لیے مقرر کردو۔''

امام ابوبکر احمد بن عمرو کہتے ہیں کہ:

ذمی کی دیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ایک ہزار دینار تھی۔

''حتّٰی کان معاویة اعطٰی اھل القتیل خمس مائة دینار ووضع فی بیت المال خمس مائة دینار۔''①

''یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقتول کے رشتہ داروں کے لیے پانچ سو دینار اور بیت المال کے لیے پانچ سو دینار مقرر کیے۔''

مشہور محدث امام بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کان معاویة اعطی اھل المقتول النصف والقی النصف فی بیت المال۔''②

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دیت کا نصف مقتول کے ورثاء کو عطا کرتے تھے اور دوسرا نصف بیت المال میں جمع کر لیتے تھے۔''

اس تفصیل سے اگرچہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ زہری کی پہلی روایت جسے مودودی صاحب نے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا تھا کہ ''باقی نصف خود لینی شروع کر دی'' اس سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنی ذات نہیں بلکہ مسلمانوں کا بیت المال مراد ہے۔ مگر پھر بھی جو لوگ زہری کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دیت کے خود لینے کا الزام عائد کرتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف زہری کے قول سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ کیونکہ یہ ذات شریف بھی مشکوک ہے۔

چنانچہ خواجہ قمر الدین سیالوی لکھتے ہیں کہ:

''ابن شہاب زہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایت کرتا نظر آتا ہے اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی

① کتاب الدیات ص 46 باب دیة الذمی

② بیھقی ص 102 ج 8 باب دیة اھل الذمه

ہے...... آپ کی مزید تسلی کے لیے اسی محمد بن مسلم بن شہاب زہری صاحب کو کتاب منتہی المقال یا رجال بوعلی میں شیعوں کی صف میں بے نقاب بیٹھا ہوا دکھاتے ہیں۔ دیکھو کتاب رجال بوعلی، جہاں صاف لکھا ہوا ہے کہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری شیعہ ہے۔''①

امام زہری کے مفصل حالات جاننے کے خواہش مند قارئین راقم الحروف کی کتاب: ''عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ'' (از ص 303 تا 327) کی طرف مراجعت فرمائیں۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد کردہ ''تبدیلی سنت'' کا الزام بالکل لغو، بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔

اگر علی سبیل التنزل اسے صحیح بھی قرار دیا جائے تو بھی زیر بحث مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کے متعلق مختلف روایتیں منقول ہیں لہٰذا یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحیثیت ایک فقیہ اور مجتہد زیر بحث فیصلہ کیا بھی ہے تو بھی آں محترم پر سنت کی تبدیلی کا الزام ہرگز عائد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس سے آں موصوف کی فقاہت، ذہانت اور بصیرت واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے۔

حیرت ہے کہ دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اسی خوبی اور کمال کو نقص اور عیب سمجھ لیا۔

① مذہب شیعہ ص 93

61

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا

جناب مودودی صاحب اپنے مخصوص ''افکار'' کی وجہ سے اس الزام کو کچھ زیادہ ہی گھناؤنا بنا کر لکھتے ہیں کہ:

''سب سے بڑی مصیبت جو ملوکیت کے دور میں مسلمانوں پر آئی وہ یہ تھی کہ اس دور میں قانون کی بالاتری کا اصول توڑ دیا گیا...... یہ پالیسی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد ہی سے شروع ہو گئی تھی۔ امام زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفائے راشدین کے عہد میں سنت یہ تھی کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے نہ مسلمان کافر کا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آ کر اس بدعت کو موقوف کیا۔ مگر ہشام بن عبدالملک نے اپنے خاندان کی روایت کو پھر بحال کر دیا۔''①

موصوف کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام تراشی کا بہت ہی لطف آتا ہے دیت کے مسئلے میں بھی زہری کے حوالے سے آں محترم پر ''تبدیلی سنت'' کا الزام عائد کیا۔ یہاں بھی ایک مختلف فیہ اور مجتہد فیہ مسئلے میں اسے تبدیلی سنت اور بدعت سے موسوم کر دیا۔ جبکہ تاریخ کے اصل الفاظ یہ آئے ہیں:

''راجع السنة الاولی ''② ''یعنی پہلی سنت کو لوٹا دیا۔''

معلوم نہیں کہ ''سنت'' کا معنی بدعت کس لغت کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ پیچھے خواجہ قمر الدین سیالوی کے حوالے سے جناب امام زہری کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ وہ شیعہ ہیں...... یہ ممکن ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس الزام کو منسوب کرنے میں زہری کا ہی ہاتھ ہو۔ کیونکہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرات عمر، معاذ، معاویہ رضی اللہ عنہم سے یہ قول مروی ہے کہ انہوں نے مسلمان کو کافر کا

① خلافت وملوکیت ص 172، 173
② البدایہ والنہایہ ص 232 ج 9

وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث نہیں بنایا۔

یہی محمد بن حنفیہ، علی بن حسین، سعید بن مسیب، مسروق، عبداللہ بن معقل، شعبی، نخعی، یحییٰ بن معمر اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ سے بھی منقول ہے۔''ولیس بموثوق به عنهم'' لیکن ان حضرات کی طرف اس کی نسبت معتبر نہیں۔

اس لیے کہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لوگوں کے درمیان اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ ①

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی طرف اس قول کی نسبت ہی درست نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام یہ ہے کہ انہوں نے سنت کی مخالفت کرتے ہوئے ایک مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا۔ اس مسئلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جبکہ ایک کافر کے مسلمان کے وارث نہ ہونے پر سب ہی متفق ہیں۔

علامہ ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں کہ:

''مسلمان کے کافر کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور بعض فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے معاذ بن جبل اور معاویہ رضی اللہ عنہما اور تابعین رحمہم اللہ میں سے سعید بن مسیب اور مسروق رحمہما اللہ اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔''②

سید شریف جرجانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہو۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، حسن بصری، محمد بن حنفیہ، محمد باقر اور مسروق رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔''③

①المغنی ص 160 ج 7
②بدایۃ المجتہد ص 352 ج 2
③شریفیہ شرح سراجی ص 14

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اور یہ بات کہ کیا مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک وہ وارث نہیں ہوسکتا۔ اور اسی کو ہمارے علماء (حنفیہ) اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ لیکن یہ استحسان ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وارث ہو۔ اور یہی حضرت معاذ بن جبل اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اسی کو مسروق، حسن بصری، محمد بن حنفیہ، اور محمد بن علی بن حسین رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔''①

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے کوئی فیصلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے بہتر نہیں دیکھا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں اور وہ نہ ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے لیے ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہے مگر ان کے لیے ہماری عورتوں سے نکاح حلال نہیں اور یہی مذہب مسروق، سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی اور اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔''②

ابوالاسود الدئلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن میں تھے وہاں ایک یہودی مر گیا جس کا بھائی اسلام قبول کر چکا تھا۔ اس کی وراثت کا معاملہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''**ان الاسلام یزید ولا ینقص فورثہ**''③

''اسلام بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے کم نہیں ہوتا۔ پس اس مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا۔''

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''**حکی عن معاذ و ابن المسیب و النخعی انه یرث المسلم الکافر ولا عکس کما**

---

①عمدۃ القاری فی شرح البخاری ص 260 ج23
②فتح الباری ص 41 ج12
③مسند امام احمد ص 230 ج5 تحت حدیث معاذ بن جبل، مصنف ابن ابی شیبہ ص 374 ج11

یتزوج المسلم الکتابیة من غیر عکس۔''①

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب اور امام نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ایک مسلمان کتابی عورت سے تو نکاح کر سکتا ہے لیکن کتابی مرد مسلمان عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔''

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ مسلمان کے کافر کے وارث ہونے میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس میں متفرد نہیں بلکہ حضرات عمر، معاذ رضی اللہ عنہما، محمد بن حنفیہ، زین العابدین، محمد الباقر، حسن بصری، سعید بن مسیب، شعبی، مسروق، ابراہیم نخعی، عبداللہ بن معقل، یحییٰ اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان حضرات کی طرف اس قول کی نسبت ہی غلط ہے۔ اور اگر بالفرض یہ نسبت صحیح بھی ہے تو پھر بدعت اور ترک سنت کا الزام تنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیونکر عائد ہوسکتا ہے؟ مودودی صاحب نے باقی حضرات کے اسماء حذف کر کے بغیر کسی دلیل وثبوت کے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو موردِ طعن ٹھہرایا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ نسبت صحیح ہے تو پھر اسے خلافِ سنت اور بدعت قرار دینا بالکل غلط ہے۔ بلکہ یہ ایک فقہی اور اجتہادی اختلاف ہے جو مرجوح تو ہوسکتا ہے لیکن بدعت اور خلافِ سنت کسی صورت میں نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ انہوں نے سب سے پہلے ''مسلمان کو کافر کا وارث'' قرار دے کر بدعت رائج کی جو مسلمانوں کے لیے ''سب سے بڑی مصیبت'' تھی بالکل لغو، بے بنیاد، خلافِ واقع اور نری جہالت ہے۔

① تفسیر مظھری ص 42 ج 2

62

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بانی بدعات ہیں

جناب سید ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:

''آپ متعجب ہیں کہ میں نے اس ابتدائی عہد کو دور محدثات و بدعات کہا، لیکن شدید تعجب و دفور حیرانی سے اس کے جواب پر قادر نہیں۔ فیاللعجب۔ یہ جملہ لکھ کر جناب نے تاریخ اسلام کے نہیں معلوم کتنے ضخیم ابواب وفصول کو دنیا سے نابود کر دینا چاہا۔ یہ آپ کہاں ہیں اور کیا فرما رہے ہیں؟

کیا زیاد بن سمیہ کا استلحاق اور اس کے لیے مجلس شہادت مقرر کرنی ایک اوّلین بدعت اسلام میں نہ تھی؟ کیا خلافت علی منهاج النبوة کو حکومت اور ملک عضوض میں بدل دینا بھی بدعت نہ تھی؟ کیا مشورے کا سد باب ایک اشد شدید بدعت فی الدین نہ تھی؟ کیا مسلمانوں پر جنگ میں پانی روک دینا بھی بدعت نہ تھا؟ کیا سخت سے سخت مکر و خدع سے کام لینے میں بھی باک نہ ہونا، خفیہ دسائس سے مسئلہ حکمین کا فیصلہ کرنا، اپنے اغراض سیاسیہ کو ہر موقع میں شریعت پر ترجیح دینا اور اس کے لیے لوگوں کو خفیہ وعلانیہ بیت المال سے روپیہ دینا، شخصی طور پر بزور و جبر اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانا، عجمی شان وشکوہ اور علو و رفعت سے دربار آرائی کی اساسِ اوّلین قائم کرنا، مسجد میں اپنے لیے عام مسلمانوں سے الگ مقصورہ بنا کر نماز پڑھنا اور شمشیر برہنہ نگہبانوں کے حصار کے اندر سجدہ کرنا اور اسی طرح کی بیسیوں محدثات کو بھی بدعت تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ اور پھر یہ تو خود امیر معاویہ کے زمانے کے حالات ہیں۔ آگے چل کر جو کچھ ہوا اس پر نظر ڈالیے۔''①

سنت کی مخالفت بدعت ہی کہلاتی ہے۔ اس لیے جناب مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

---

① الہلال ص 364 ج 2

پر کہیں ''سنت میں تبدیلی''، کہیں ''سنت کی مخالفت'' اور کہیں صراحتاً ''بدعت'' کا الزام عائد کیا۔ توریث مسلم و کافر اور دیت کے مسئلے پر بھی ''بدعت'' کا اطلاق کیا۔ اس سے اگلے صفحے پر موصوف انتہائی غیظ و غضب میں ڈوب کر لکھتے ہیں کہ:

''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی......''①

کل بدعة ضلالة کے تحت ہر بدعت گمراہی ہے لیکن موصوف نے یہاں بریلوی علماء کے لیے استثنائی صورت کا امکان بھی ختم کر دیا کہ یہ بدعت حسنہ میں شامل نہیں بلکہ سیئہ اور مکروہ ہے۔ اور مکروہ بھی معمولی درجے کی نہیں بلکہ انتہائی درجے کی ہے جس کا ضلالت اور اس کے مرتکب کے ''فی النار'' ہونے پر سب ہی کا اتفاق ہے۔

سید مہر حسین بخاری آف اٹک بھی موصوف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے زیر عنوان ''معاویہ بانی بدعات'' لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے بعد جس طرح بدعت اور اہل بدعت کی تردید فرمائی ہے شاید ہی کسی اور چیز کی ایسی تردید فرمائی ہو۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ بدعت سے دین کا اصلی حلیہ اور صحیح نقشہ بدل جاتا ہے اور اصل و نقل اور حق و باطل کی کوئی تمیز باقی نہیں رہتی۔ بدعات کی بنیاد ملوکیت و آمریت اور جابرانہ طرز کا غیر اسلامی نظام ہے۔ لہٰذا یہ تمام بدعات کی جڑ ہے۔ اور یہ معاویہ کی آبیاری سے مضبوط و تن آور ہوئی۔''②

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ علامہ برکوئی کی کتاب **الطريقة المحمديه** اور علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی کتاب الاعتصام کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''اصل لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں خواہ عبادات سے متعلق ہو یا عادات سے۔ اور اصطلاح شرع میں ہر ایسے نو ایجاد طریقہ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد اختیار کیا گیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو نہ فعلاً نہ صراحتاً نہ اشارتاً۔ جو عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ

---

① خلافت و ملوکیت ص 174 ② سیاست معاویہ ص 117

کرام رضی اللہ عنہم سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً، صراحتاً یا اشارتاً وہ بھی بدعت نہیں ہو سکتی۔''①

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''**بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب وسنت اور قرون مشہود لها بالخیر میں نہ ہو۔ اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔**''②

مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو یعنی قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں اس کا ثبوت نہ ملے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانے میں اس کا وجود نہ ہو۔''③

علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال بدعت کی تعریف میں داخل نہیں ہیں۔ بدعت شرعی کی حد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ وہ خود بدعت کا موضوع کیسے بن سکتے ہیں؟ ان کا اپنا قول اور عمل خود امت کے لیے حجت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اور ان کے اقوال واعمال امت مسلمہ کے لیے حق وصداقت کا معیار اور پیمانہ ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ان کے جیسے ایمان کو مدارِ ہدایت فرمایا گیا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا...﴾④

''تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں۔''

اور ان کے طریقے سے انحراف واعراض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور عذابِ آخرت کا موجب قرار دیا گیا ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾﴾⑤

---

① سنت وبدعت ص 11، 12

② فوائد عثمانی ص 703 سورۃ الحدید

③ تعلیم الاسلام ص 27 ج 4

④ البقرۃ: 137

⑤ النساء: 115

''اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اس کو ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاتعبدوھا... ''①

''ہر وہ عمل عبادت جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عبادت نہیں جانا تم اسے عبادت کے طور پر عمل میں نہ لانا۔''

جب صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا خود بدعت ہے تو وہ خود بدعت کا موضوع کیسے ہوں گے؟

چنانچہ علامہ عبدالشکور سالمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''الکلام فی البدعۃ علی خمسۃ اوجہ: الکلام فی اللہ و الکلام فی کلام اللہ و الکلام فی قدرۃ اللہ و الکلام فی عبید اللہ و الکلام فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔''②

''بدعت پانچ طرح کی ہے:

1۔ اللہ کے بارے میں وہ بات کہنا جو پہلوں نے نہیں کہی۔
2۔ قرآن کے بارے میں نیا قول کرنا۔
3۔ اللہ کی قدرت میں لب کشائی کرنا۔
4۔ اللہ کے پیغمبروں کے بارے میں نئی بات کہنا اور
5۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر کسی قسم کی تنقید کرنا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اما اھل السنۃ و الجماعۃ فیقولون فی کل فعل و قول لم یثبت عن الصحابۃ ھو بدعۃ۔''③

''اہل السنت والجماعت ہر اس قول اور عمل کو جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو بدعت کہتے

① الاعتصام، امام شاطبی ص 54 ج 1
② التمھید ص 189
③ تفسیر ابن کثیر ص 156 ج 4

ہیں۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وہ افعال جنہیں جناب آزاد صاحب اور مودودی صاحب اور ان کے دیگر ہم خیال حضرات نے بدعات میں شمار کیا ہے ان پر تفصیلی بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے کہ ان امور کی آں موصوف کی طرف نسبت ہی غلط ہے۔

یا پھر وہ مجتہد فیہ امور میں سے ہونے کی بنا پر بدعت کے دائرے سے ہی خارج ہیں۔

البتہ اس تفصیل سے اتنی بات ضرور ثابت ہوگئی ہے کہ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور آزاد صاحب کاتب وحی اور جلیل القدر صحابی رسول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بدعت کی نسبت اور آں محترم پر شدید تنقید کر کے خود یقیناً ''ایک نہایت ہی مکروہ بدعت'' کے مرتکب ہوگئے ہیں۔

63

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مقصورہ میں نماز ادا کرنے کا الزام

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جامع مسجد میں اول آپ ہی نے مقصورہ (چھوٹا سا حجرہ) بنوایا۔''①

جناب سید ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں کہ:

''......مسجد میں اپنے لیے عام مسلمانوں سے الگ مقصورہ بنا کر نماز پڑھنا اور شمشیر برہنہ نگہبانوں کے حصار کے اندر سجدہ کرنا اور اسی طرح بیسیوں محدثات کو بھی بدعت تسلیم نہیں کیا جائے گا۔''②

یہ درست ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ایک چھوٹا سا چبوترہ یا حجرہ جسے مقصورہ کہا جاتا ہے بنوایا تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ کام سب سے پہلے انہوں نے ہی کیا تھا۔ ان سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد اس کام کا آغاز کر چکے تھے۔

علامہ سمہودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ان عثمان بن عفان اول من وضع المقصورہ من لبن واستعمل علیها السائب بن خباب وکان رزقه دینارین فی کل شهر۔''③

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کچی اینٹوں سے ایک مقصورہ تیار کرایا۔ اس کی نگرانی پر دو دینار ماہانہ پر سائب بن خباب مقرر تھے۔''

کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر محراب مسجد میں قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور اسی سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔ جس کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حفاظتی تدبیر کے پیش نظر یہ قدم اٹھایا جس کی شریعت میں کوئی

①تاریخ الخلفاء اردو ص 295
②الهلال ص 364 ج 2
③وفاء الوفاء ص 510 ج 2

ممانعت نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نائب اور اپنے اوپر قاتلانہ حملے کے بعد مقصورہ بنوایا تو انہیں از روئے شریعت اس کا حق حاصل تھا اور اس کی نظیر بھی پہلے سے موجود تھی۔

مورخ طبری نے بھی 40ھ کے تحت اس مقصورہ کا ذکر کیا ہے۔ ①

مقصورہ میں نماز کی ادائیگی بھی بالاتفاق جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ''الصلوٰۃ فی المقصورہ'' کے مستقل باب باندھے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب دمشق تشریف لے جاتے تو وہاں مقصورہ کے اندر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔

ان کے مولیٰ کریب نے بتایا کہ:

''انه رای ابن عباس یصلی فی المقصورة مع معاویة ''

کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مقصورہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ ②

یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ محدث عبدالرزاق نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعلق بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''عبداللہ بن یزید ہذلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

''رایت انس بن مالک یصلی مع عمر بن عبدالعزیز فی المقصوره ... '' میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔'' ③

آج ایران کے مذہبی راہنما آیت اللہ خامنہ ای اور اعلیٰ سطحی قیادت بھی سنت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عمل پیرا ہیں۔ بلکہ اپنے تحفظ کے لیے ان سے کئی گنا زیادہ انتظام کر رکھا ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس عمل میں متفرد نہیں ہیں۔ حضرت

① تاریخ طبری ص 86 ج 6

②③ مصنف عبدالرزاق ص 414 ج 2 باب الصلوٰۃ فی المقصورہ

عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا آغاز کیا تھا اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور اس میں نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلکہ دیگر جلیل القدر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نمازیں ادا کرتے رہے۔ اگر مقصورہ میں نماز کی ادائیگی بدعت میں شامل ہوتی یا شریعت میں اس کی ممانعت ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عمل کی مخالفت کرتے اور اس مقصورہ میں ہرگز نمازیں ادا نہ کرتے۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مقصورہ میں نماز کی ادائیگی کی وجہ سے بدعت کا الزام عائد کرتے ہوئے آں محترم کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

64

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھادی

دشمنانِ صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھادی تھی۔

چنانچہ سید مہر حسین بخاری آف اٹک لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ نے خدا اور رسول کے احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے بدھ کے دن نماز جمعہ پڑھی اور اپنے ماننے والوں کو کہا کہ سفر کے دوران میں جمعہ پڑھنا دشوار ہوگا لٰہذا بدھ کو ہی اس فریضہ سے فراغت حاصل کر کے خلیفۃ المسلمین و امیر المومنین سے بے فکری سے جنگ کے لیے میدان میں پہنچ جائیں گے۔ ﴿إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ﴾ کے مشابہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ یوم جمعہ کو اپنے باطل مقاصد کے تحت بدھ کے ساتھ تبدیل کرلیا۔ معاویہ کو مجتہد کہنے والے بتلائیں کہ یہ معاویہ کے اجتہاد کی کون سی قسم ہے؟ کیا یہ خدا اور رسول اور قرآن کے احکام کی تحریف نہیں ہے؟''①

عصر حاضر کا بدترین دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ کے لشکر کی اسلام سے ناواقفیت کی یہ حالت تھی اور معاویہ کی وہ اس طرح اطاعت کرتے تھے کہ معاویہ نے جنگ صفین کی خاطر جاتے وقت ان کو نمازِ جمعہ بدھ کے دن پڑھا دی۔''②

اسی نوعیت کی ایک روایت امام طبری نے بھی نقل کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہادت والے سال حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام سے ایک جعلی خط برائے تقرر امیر حج تیار کر کے لوگوں لوگوں کو حج کرایا پھر راز کھل جانے کے خوف سے وقوف عرفہ (حج

---

① سیاست معاویہ ص 103، 104
② خصائل معاویہ ص 546

کارکن اعظم)9 ذی الحج کے بجائے 8 تاریخ اور 9 تاریخ کو قربانی، رمی جمار، طواف زیارت تمام امور حج اپنے وقت سے ایک روز پہلے نمٹا دیے۔ ملاحظہ ہو:① یعنی 40ھ کا حج تمام شرکاء (صحابہ وتابعین) نے غلط تاریخ پر کیا۔ العیاذ باللہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر زیر بحث اعتراض اور طعن معترضین اور طاعنین کے اپنے جاہل اور احمق ہونے کی واضح دلیل ہے ورنہ کوئی معمولی دانش رکھنے والا بدترین دشمن معاویہ بھی اسے نقل کرنے کی ہرگز جسارت نہ کرتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ سے شام کے گورنر چلے آ رہے تھے اور اس واقعہ سے قبل سترہ سال تک نماز جمعہ پڑھاتے رہے۔ دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اہل شام کو کتاب وسنت کی تعلیم دیتے رہے۔ حیرت ہے کہ ایک لاکھ کے لشکر میں سے جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے کسی کو احساس نہیں ہوا کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ کن امور میں امیر کی اطاعت کر رہے ہیں؟ اس الزام پر یقین کرنے والا یا تو کوئی سب سے بڑا جاہل اور احمق ہو سکتا ہے اور یا پھر کوئی بہت بڑا کمینہ، ذلیل، بے حیا اور بے غیرت اور بدترین دشمن ہو سکتا ہے۔

مہر حسین بخاری نے یہ الزام تاریخ مسعودی اور نجفی نے مسعودی اور تذکرۃ الخواص (اہل سنت کی معتبر کتاب) کے حوالے سے عائد کیا ہے۔ اگرچہ مسعودی بھی دشمن معاویہ رضی اللہ عنہ ہے لیکن اول الذکر نے انتہائی بد دیانتی اور خیانت سے کام لیتے ہوئے اپنے الفاظ میں اپنے خبث باطن اور بغض وعناد کا اظہار کیا ہے۔ تاریخ مسعودی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

> "صفین سے واپسی پر کوفے کا ایک آدمی اپنے اونٹ پر دمشق میں داخل ہوا تو دمشق کا ایک آدمی اس سے الجھ پڑا اور کہنے لگا یہ میری اونٹنی ہے جو صفین میں مجھ سے چھین لی گئی تھی۔ ان دونوں کا معاملہ حضرت معاویہ تک پہنچا۔ دمشق کے آدمی نے پچاس آدمی شہادت کے لیے پیش کیے جو اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ یہ اونٹنی اس شخص کی ہے پس حضرت معاویہ نے کوفی کے خلاف فیصلہ کر دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اونٹنی اس آدمی کو دے دے۔ کوفی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے یہ اونٹنی نہیں یہ تو اونٹ ہے۔ حضرت معاویہ نے کہا جو حکم دیا

---

① تاریخ طبری جلد 3 ص 166۔ بیروت دار الکتاب العلمیہ

جا چکا ہے وہ نافذ ہو چکا ہے اور لوگوں کے منتشر ہو جانے کے بعد آپ نے خفیہ طور پر کوفی کی طرف آدمی بھیج کر اسے بلوایا اور اس سے اونٹ کی قیمت دریافت کی اور اسے دگنی قیمت دی اور اس سے حسن سلوک بھی کیا۔ اور اسے کہا کہ حضرت علی تک یہ بات پہنچا دو کہ میں ان ایک لاکھ آدمیوں کے ساتھ ان سے جنگ کر رہا ہوں جن میں کوئی آدمی اونٹنی اور اونٹ کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور ان کی اطاعت کا یہ عالم ہے کہ میں نے انہیں صفین کی طرف جاتے ہوئے بدھ کے روز جمعہ کی نماز پڑھا دی۔''①

امام المورخین ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی 346ھ میں فوت ہوئے۔ جبکہ جنگ صفین 37ھ میں ہوئی۔ یعنی موصوف تین سو سال پہلے کا واقعہ بغیر کسی سند کے بیان کر رہے ہیں...... یہ کہانی از اول تا آخر لغو اور جھوٹی ہے۔ جنگ صفین کے بعد ایک کوفی اونٹ پر سوار ہو کر (تفریح کی غرض سے) دمشق جا رہا ہے۔ کم از کم ایک ''کوفی'' تو اس سفر کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پھر پچاس آدمی جھوٹی گواہی دے رہے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت کوئی بھی اونٹ اور اونٹنی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جبکہ اس وقت عربوں کی گزر و بسر کا تمام تر دارومدار اسی جانور پر ہوا کرتا تھا اور وہ بڑے شوق سے اسے پالتے تھے۔

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی عجیب ہے کہ وہ صرف اس سے اونٹ واپس لے رہے ہیں جبکہ پچاس آدمیوں کی شہادت سے اس کا ڈاکو ہونا ثابت ہو چکا تھا۔ اس کوفی پر تو ڈاکہ زنی کی سزا جاری ہونی چاہیے تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسے خفیہ طور پر بلا کر دگنی قیمت بھی ادا کر دی اور یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ اہل شام اتنے بے وقوف ہیں کہ وہ اونٹ اور اونٹنی میں تمیز نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد اگلی کہانی شروع ہوتی ہے کہ یہ لوگ اللہ کے اتنے باغی اور سرکش ہیں کہ میں نے انہیں بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھا دی تو سب نے بلا چوں چرا اللہ کے مقابلے میں میری اطاعت کی۔

اس کہانی و داستان کے وضعی ہونے کے لیے اگرچہ اتنی بات بھی کافی تھی لیکن نجفی نے جو تاریخ مسعودی کو اہل سنت کی معتبر کتاب کہا ہے تو اس کی حقیقت معلوم کرنی بھی ضروری ہے۔

شیعہ مجتہد شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ:

''مسعودی ہذلی جس کا نام ابوالحسن علی بن حسین بن علی ہے، بہت بڑا شیخ اور مورخین میں سے

---

① مروج الذہب و معاون الجواہر اردو ص 57 ج3 مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

بزرگ، معتبر اور بہت بڑا عالم تھا......اس کی ایک کتاب مسئلہ امامت پر ہے جس میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت کے اثبات میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مروج الذہب بھی اسی کی تصنیف ہے۔ علامہ مجلسی نے مقدمہ میں اور بحار الانوار کی عبارت شروع کرنے سے قبل اس کا تذکرہ کیا۔ اور نجاشی نے اسی مسعودی کو اپنی فہرست میں ان راویوں میں شمار کیا ہے جو شیعہ مسلک رکھتے ہیں۔''①

شیعہ عالم سید ہاشم لکھتے ہیں کہ:

''ایک معروف عجمی عالم نے مسعودی کے بارے میں کہا کہ وہ شیعہ نہیں تھا اور دلیل یہ دی کہ اس نے مروج الذہب میں بنی عباس کے خلفاء کے مظالم اور عیوب پر لعن طعن نہ کرنے کے علاوہ ان کے فضائل ومحاسن بھی بیان کیے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسعودی امامی شیعہ ہے اور اس نے تاریخ نویسی میں ایک مورخ کا کردار سامنے رکھا اور مذہبی تعصب سے کام نہیں لیا۔ اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ دنیا کا بدبخت ترین آدمی بھی کچھ صفات ایسی رکھتا ہے جو قابل تعریف وستائش ہوں۔''②

شیعہ عالم محسن الامین لکھتے ہیں کہ:

''ابوالحسن علی بن حسین مسعودی صاحب مروج الذہب......شیخ طوسی اور نجاشی وغیرہ نے اس کے شیعہ ہونے پر نص وارد کی ہے۔ بارہ اماموں کی امامت کے اثبات پر اس کی کئی تصانیف ہیں۔

''علماء النجوم من الشيعة ... ومن افضل الموصوفين بعلم النجوم الشيخ الفاضل الشيعي علي بن حسين بن علي المسعودي مصنف كتاب مروج الذهب۔''③

شیعہ عالم عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں کہ: ''انه امامی ثقه وهو الحق۔''④

---

①الكنى والالقاب ص 221 ج4
②منتخب التواريخ مقدمه
③اعيان الشيعه ص 175-160 ج1
④تنقيح المقال ص 282 ج2

''یقیناوہ امامی شیعہ تھا اور یہی قول حق ہے۔''

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''رہا مسعودی تو بلا شبہ وہ معتزلی تھا مگر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ غالی شیعہ تھا...... تاہم تشیع اس میں تھا۔''①

مودودی صاحب نے اتنی بات تو تسلیم کر لی ہے کہ وہ معتزلی اور شیعہ تھا۔ البتہ غالی شیعہ نہیں تھا۔ اور دلیل یہ دی کہ:

''اس نے مروج الذہب میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ لیجیے۔ شیعیت میں غلو رکھنے والا آدمی شیخین کا ذکر اس طریقے سے نہیں کر سکتا۔''②

حیرت تو یہی ہے کہ مسعودی نے باوجود شیعہ ہونے کے تاریخ نویسی میں ایک مورخ کا کردار سامنے رکھا۔ لیکن مودودی صاحب نے تو ''مفکر اسلام'' ہونے کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کتاب وسنت کے واضح احکام کو نظر انداز کر دیا اور اہل تشیع کی طرف دست رفاقت بڑھاتے ہوئے موقف اہل سنت کے خلاف اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''خلافت وملوکیت'' مرتب کر ڈالی۔ بہر حال کسی مسعودی اور مودودی پر اعتماد کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو موردِ طعن نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

غلام حسین نجفی کا دوسرا ماخذ ''**تذکرۃ الخواص الائمہ**'' مولفہ سبط ابن جوزی ہے۔ جسے اس نے اہل سنت کی معتبر کتاب کہا ہے۔

شیعہ عالم شیخ عباس قمی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''ابومظفر یوسف بن مرغلی سبط ابن جوزی بغدادی ایک عالم فاضل اور مورخ تھا۔ تذکرۃ الخواص الائمہ اس کی تصنیف ہے جس میں ائمہ اہل بیت کے خصائص مذکور ہیں۔ وہ کٹر رافضی ہے۔''③

امام ذہبی رحمہ اللہ سبط ابن جوزی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''شیخ محی الدین کہتے ہیں کہ جب میرے دادا کو اس کی موت کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا:

---

①② خلافت وملوکیت ص 310

③ الکنی والالقاب فارسی ص 297 ج3

''لا رحمه الله كان رافضيا''۔ اللہ اس پر رحم نہ کرے یہ رافضی تھا۔''①

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''میں اسے ثقہ خیال نہیں کرتا بلکہ وہ باتونی تھا۔''ثم انه ترفض كان رافضيا'' پھر وہ شیعہ ہوگیا...... وہ رافضی تھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے استاد عیسیٰ کی وجہ سے حنفی ہوگیا تھا...... (تو انہوں نے کہا کہ) میرے (عسقلانی کے) نزدیک''انه لم ينقل عن مذهبه الا في الصورة الظاهرة''

اس کا حنفی بننا بناوٹی اور ظاہری تھا۔''②

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ انہوں نے بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھائی تھی شیعوں، رافضیوں اور سبائیوں کا عائد کردہ ہے جو روایتاً و درایتاً لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

① میزان الاعتدال ص 333 ج 3

② لسان المیزان ص 328 ج 6

65

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ جہراً پڑھنے پر پابندی عائد کردی تھی

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''بے شک علی کا مذہب تمام نمازوں میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا تھا۔ لیکن معاویہ صاحب نے برسر اقتدار آ کر بلند آواز سے بسم اللہ کہنے پر پابندی عائد کردی۔ اس لیے کہ یہ علی کا مذہب تھا جو درحقیقت نبی کا مذہب تھا۔ اور معاویہ آثار علی کی آڑ لے کر آثار اسلام کو محو کرنے کے درپے تھے۔ یہ بھی اسلام کے خلاف دین ابوسفیانی رائج کرنے کے لیے معاویہ کی سیاست ہے۔''①

غلام حسین نجفی نے بھی اپنی کتاب میں زیر عنوان ''حاکم شام اور بسم اللہ کی چوری'' اس الزام کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ نہ پڑھنے کی بدعت کا معاویہ بانی ہے۔②

سید مہر حسین کے قلم سے یہ الزام کچھ عجیب معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ مولوی سید لعل حسین بخاری کے شاگرد ہیں اور سبط ابن جوزی اور محمود شاہ محدث ہزاروی کی طرح بظاہر ''حنفی'' ہونے کے بھی مدعی ہیں جبکہ احناف بسم اللہ جہراً پڑھنے کے قائل ہی نہیں......

دراصل تسمیہ کے جہراً یا سراً پڑھنے کا مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ میں مختلف فیہ رہا ہے اور اختلاف کی نوعیت بھی جواز یا عدم جواز کی نہیں بلکہ محض افضل اور مفضول کی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سرے سے تسمیہ کے مشروع ہونے کے قائل ہی نہیں۔ نہ جہراً اور نہ سراً۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تسمیہ مسنون ہے۔ جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراً۔ امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام اسحٰق رحمہم اللہ کے نزدیک بھی تسمیہ مسنون ہے۔ البتہ اسے ہر حال میں سراً پڑھنا افضل

① سیاست معاویہ ص 105
② خصائل معاویہ ص 410، 411

ہے۔ خواہ نماز جہری ہو یا سری۔

اس مسئلے میں بعض اہل ظاہر مثلاً امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم ؒ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں اور بعض شافعی محققین نے بھی اس مسئلے میں مسلک حنفی کو اختیار کیا ہے۔

زیر بحث مسئلے میں احناف اور شوافع کے درمیان زبانی اور تحریری مناظرہ بازی جاری رہی اور مختلف علماء نے اس مسئلے پر مستقل کتابیں تحریر کیں۔ امام دارقطنی ؒ نے شوافع کی تائید میں اور حافظ جمال الدین زیلعی ؒ نے احناف کی تائید میں بڑے جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ یہاں ان مذہب کے دلائل سے بحث مقصود نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ ؓ اور فقہاء ؒ کے درمیان مختلف فیہ اور مجتہد فیہ رہا ہے جس سے کسی پر بھی کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا۔

زیر بحث الزام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ نماز میں تسمیہ کے جہراً پڑھنے کے قائل نہیں تھے۔ احناف اور حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک تسمیہ کا پڑھنا سرے سے مشروع ہی نہیں ہے تو امت کی اس غالب اکثریت کو کیونکر باطل پر ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ کیا یہ سب دین ابوسفیانی رائج کرنا چاہتے تھے؟

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ:

''صلیت مع رسول اللہ ﷺ وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منهم یقرا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔''①

یہی روایت سنن نسائی میں بالفاظ ذیل آئی ہے:

''صلیت خلف رسول اللہ ﷺ وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منهم یجهر ببسم اللہ الرحمن الرحیم۔''②

امام ترمذی ؒ نے بھی اسے بروایت ابن عبداللہ بن مغفل ؓ روایت کیا ہے:

''وقد صلیت مع النبی ﷺ ومع ابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منهم یقولها فلا تقلها اذا انت صلیت فقل الحمد للہ رب العالمین۔''③

① صحیح مسلم ص 172 ج 1 باب حجة من لا یجهر
② سنن نسائی ص 144 ج 1، کتاب الافتتاح ترک الجهر ببسم اللہ الرحمن الرحیم
③ جامع ترمذی ترک الجهر ببسم اللہ الرحمن الرحیم

امام طحاوی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

''عن ابن عباس فی الجھر ببسم اللہ الرحمن الرحیم قال ذلک فعل الاعراب ''①

معانی الآثار میں بروایت ابووائل رضی اللہ عنہ یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ:

''کان عمر و علی لا یجھران ببسم اللہ الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بالتامین۔ ''②

صحیح مسلم، سنن نسائی، جامع ترمذی اور شرح معانی الآثار کی مندرجہ بالا روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے اربعہ، عبداللہ بن عباس، انس بن مالک اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بسم اللہ کو جہراً نہیں پڑھتے تھے۔ اور یہی مسلک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ کا ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متفرد نہیں ہیں۔

اگر وہ متفرد بھی ہوتے پھر بھی ایک صحابی، ایک فقیہ اور ایک مجتہد ہونے کی حیثیت سے ان پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ دارقطنی کی جس روایت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ترک بسم اللہ کا الزام عائد کیا جاتا ہے وہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ کو ترک کرنے پر مہاجرین اور انصار نے کہا کہ آپ نے نماز میں چوری کی ہے یا بھول گئے ہیں۔ ③

اس سے امام شافعی رحمہ اللہ یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ اگر بسم اللہ کا نماز میں جہراً پڑھنا ضروری نہ ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اعتراض نہ کرتے...... حافظ جمال الدین زیلعی رحمہ اللہ نے اس کا مفصل جواب دیا ہے کہ

اولاً: یہ حدیث سنداً و متناً مضطرب ہے۔

ثانیاً: یہ روایت کئی وجوہ سے معلول ہے۔ ایک تو اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں رہتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قدومِ مدینہ کے وقت ان کا مدینے آنا ثابت نہیں۔ دوسرے اس لیے کہ جن علمائے مدینہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا وہ خود اخفائے تسمیہ کے قائل تھے اور ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا معلوم نہ ہوسکا جو جہر کا قائل ہو پھر وہ جہر کا مطالبہ کیسے کرسکتے تھے؟④

دوسرے بہت سے محدثین نے بھی تصریح کی ہے کہ جہر بسم اللہ کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ روافض جہر بالتسمیہ کے قائل تھے۔ اور ان کے

---

①② شرح معانی الآثار باب قرأۃ بسم اللہ الرحمن فی الصلوٰۃ

③ دارقطنی ص 311 ج 1۔ باب وجوب قرأۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلوٰۃ والجھر بھا

④ نصب الرایہ ص 353 ج 1

بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ ''اکذب الناس فی الحدیث'' ہیں۔

چنانچہ انہوں نے جہر بسم اللہ کی تائید میں بہت سی احادیث گھڑی ہیں۔ چنانچہ بیشتر احادیث جہر میں سند کا مدار کسی نہ کسی رافضی پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخین نے جہر بسم اللہ کی روایات تخریج نہیں کیں۔

حافظ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اگر اس باب میں کوئی روایت صریحہ سنداً ثابت ہوتی تو میں دو مرتبہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اسے اپنی صحیح میں ضرور ذکر کرتے۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ حنفیہ پر اعتراض کرنے میں خاصی دلچسپی لیتے ہیں اور انہیں ''قال بعض الناس'' سے یاد کرتے ہیں۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ترک جہر بالتسمیہ کی وجہ سے ہرگز موردِ الزام نہیں ٹھہرائے جا سکتے۔

66

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو الحمار کہا

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا ثابت ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی وتر کی تین رکعتیں ہی سنت طریقے پر پڑھتے تھے۔ آج مذاہب اربعہ میں وتر کی تین رکعتیں ہی رائج ہیں۔ لیکن معاویہ صاحب وتر کی صرف ایک رکعت سنت نبوی اور تعامل صحابہ سے انحراف کر کے پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ معاویہ ایک وتر کیوں پڑھتا ہے؟ تو فرمایا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ اس گدھے نے یہ بات کہاں سے لی ہے؟ محمد بن اسماعیل بخاری نے معاویہ کا دفاع کرتے ہوئے اس کا مرتبہ بڑھانے کی جو ناکام کوشش کی تھی، حنفی، سنی، محدث، فقیہ و مجتہد (امام طحاوی) نے اس دفاعی حصار کو پاش پاش کر دیا اور معاویہ کو درجہ اجتہاد سے اتار کر درجہ حماقت پر کھڑا کر دیا۔''①

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''کسی نے ابن عباس سے پوچھا کہ معاویہ ایک وتر پڑھتا تھا انہوں نے مارے خوف کے فرمایا کہ ''انه فقيه'' کہ وہ مرد فقیہ اور مجتہد تھا۔ پھر کسی نے خلوت میں یہی مسئلہ پوچھا تو ابن عباس نے فرمایا: ''من این تری اخذها الحمار'' کہ ایک وتر پڑھنے کا حکم اس گدھے نے کہاں سے لیا تھا۔''②

ہر دو حضرات نے امام طحاوی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ تبرا بکا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسے بروایت عکرمہ نقل کیا ہے:

''انه قال كنت مع ابن عباس عند معاوية يتحدث حتى هزيع من الليل فقام معاوية

① سیاست معاویہ ص 104
② خصائل معاویہ ص 459

فر کع رکعۃ واحدۃ فقال ابن عباس من این تری اخذھا الحمار۔ ''①

رکعات وتر میں اختلاف فقہی، فروعی اور اجتہادی ہے۔

رسول اکرم ﷺ سے تعداد رکعات کے بارے میں مختلف روایات ثابت ہیں اور ایک رکعت سے لے کر سترہ رکعات تک کا ذکر موجود ہے۔②

علمائے کرام نے ان کے درمیان بطریق احسن تطبیق دی ہے۔ ان روایات میں ''ایتار'' صرف صلوٰۃ الوتر کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور پوری صلوٰۃ اللیل کے بارے میں بھی۔ وتر کی تعداد رکعات کے بارے میں ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک وتر ایک سے لے کر سات رکعات تک جائز ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اور عام طور سے ان حضرات کا عمل یہ ہے کہ دو سلاموں سے تین رکعات ادا کرتے ہیں دو رکعتیں ایک سلام کے ساتھ اور ایک رکعت ایک سلام کے ساتھ۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے رکعت واحدہ سے وتر کے جواز پر زور دیا ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک رکعت وتر جائز تو ہے لیکن انتہائی مرجوح ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک روایت شافعیہ کے مطابق ہے اور ایک روایت حنفیہ کے مطابق۔

احناف تین رکعات ایک سلام کے ساتھ کے قائل ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یکے از عشرہ مبشرہ سے بھی ایک رکعت وتر مروی ہے۔③

''عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ الوتر رکعۃ من اخر اللیل۔ ''④

''عن ابی ایوب قال قال رسول اللہ ﷺ الوتر حق علی کل مسلم فمن احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدۃ فلیفعل۔ ''⑤

---

① طحاوی ج1 ص199 باب الوتر

② سنن نسائی جلد اول ص248 تا 251، کتاب قیام اللیل وتطوع النھار، باب کیف الوتر بواحدۃ، باب الوتر بثلاث، باب کیف الوتر بخمس، باب کیف الوتر بسبع، باب کیف الوتر بتسع، باب کیف الوتر باحدی عشرۃ رکعۃ، وباب کیف الوتر بثلاث عشرۃ رکعۃ

③ موطا امام مالک ص110، باب الامر بالوتر

④ مشکوٰۃ ص111، باب الوتر

⑤ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ، مشکوٰۃ ص112، باب الوتر الفصل الثانی

بعض روایات کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود بھی ایک رکعت کے قائل تھے۔
ابومجلز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''سالت ابن عباس عن الوتر فقال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول رکعة من آخر اللیل۔''①

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ (حضرات سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، ابوایوب انصاری، عبداللہ بن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم) وتابعین وفقہاء رحمہم اللہ سے بھی وتر کی رکعات کی تعداد مختلف بیان ہوئی ہے۔ اور ائمہ کا سب کے جواز پر اتفاق ہے۔ صرف افضل ومفضول اور راجح ومرجوح کا اختلاف ہے۔ تمام اہل سنت کا متفقہ نظریہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ برحق ہیں آج تک شوافع اور اہل حدیث کے ہاں مسلسل وتر کی ایک ہی رکعت پڑھی جا رہی ہے لیکن کسی نے ان کے لیے ''حمار'' کا لفظ استعمال نہیں کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے امام، قائد اور خلیفۃ المسلمین کے متعلق یہ لفظ کیونکر استعمال کر سکتے ہیں؟ جبکہ وہ خود بھی ایک رکعت وتر کی حدیث کے راوی ہیں۔

طحاوی کی زیر بحث روایت سے پہلے یہ روایت بھی موجود ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شکایت کی کہ معاویہ ایک وتر پڑھتے ہیں انہوں نے فرمایا:

''انہ اصاب'' انہوں نے درست کام کیا ہے۔②

علاوہ ازیں زیر بحث روایت کے بعد امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسی سند سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں حمار کا لفظ نہیں پایا جاتا:

''حدثنا عمران وذکر باسنادہ مثلہ الا انہ لم یقل الحمار۔''③

''عمران نے ہی ہم سے اسی سند کے ساتھ روایت بیان کی لیکن اس میں ''حمار'' کا لفظ نہ کہا''۔ گویا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ''حمار'' والی روایت صحیح نہیں۔

دوسری قابل غور یہ بات ہے کہ ''الحمار'' کا قائل کون ہے اور اس کا مخاطب کون ہے؟

اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہے اور ''الحمار'' کے قائل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی ہیں تو اس لفظ کے مخاطب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ

① صحیح مسلم ص 257 ج 1 باب صلوٰۃ اللیل
②③ طحاوی ص 199 ج 1 باب الوتر

اولاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود بھی ایک رکعت وتر کی حدیث کے راوی ہیں۔

ثانیاً: انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل کی تصویب بھی کی ہے: ''اصاب معاویة۔''①

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام سے فرمایا:

''دعه فانه قد صحب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ... قال اصاب انه فقيه۔''②

''ان کی بات کو رہنے دیجیے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف اٹھایا ہے...... انہوں نے درست عمل کیا ہے اس لیے کہ وہ دینی مسائل میں فقیہ ہیں۔''

سنن بیہقی میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''اصاب ای بنی ليس احد منا اعلم من معاوية۔''③

''اے بیٹے جو کچھ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے کیا ہے صحیح ہے کیونکہ ہم میں سے معاویہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔''

اس مقام پر امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''فهذه شهادة الصحابة بفقهه و دينه و الشاهد بالفقه ابن عباس۔''④

''پس یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور دین داری کی گواہی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے لوگ ان کے فقیہ ہونے پر شاہد ہیں۔''

ثالثاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عمر میں بھی تقریباً سترہ سال چھوٹے تھے۔ اور وہ اس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ:

''ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يوقّر كبيرنا۔''⑤

''جو آدمی ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب وحی ہونا اور ان کے حق میں لسان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر شدہ

---

①طحاوی ص 199 ج 1 باب الوتر
②صحيح بخاری باب ذکر معاويه
③السنن الکبریٰ بیهقی ص 26 ج 3 باب الوتر
④المنتقیٰ ص 388
⑤جامع ترمذی، معارف الحدیث ص 124 ج 6

دعائیں بھی معلوم تھیں۔لہٰذا وہ ان کے حق میں ''الحمار'' کا لفظ کسی صورت میں استعمال نہیں کر سکتے تھے۔

رابعاً: مصالحت علی وحسن رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات نہایت ہی خوشگوار رہے۔ان کے ہاتھ پر بیعت کی، ان سے وظائف وتحائف اور عطایا وہدایا وصول وقبول کرتے رہے۔دمشق تشریف لے جاتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا فرماتے۔①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر اگر کوئی اعتراض کرتا تو یہ فرماتے:

''**ما كان معاوية على رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم متهما۔**''②

''کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں کسی کے ہاں متہم نہیں ہیں۔''

بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تو یہاں تک فرمایا کہ:

''ابن ہند (معاویہ رضی اللہ عنہ) کتنے اچھے ہیں ہم پر بیس سال کے قریب حکمران رہے۔آپ نے ہمیں نہ منبر پر نہ فرش پر کبھی کوئی اذیت دی۔اپنی عزت اور ہماری عزت کی حفاظت کے طور پر آپ ہمارے تعلق کا پورا لحاظ کرتے اور ہماری ضرورتیں پوری کرتے۔''③

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامی صلاحیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''**ما رايت للملك اعلى من معاوية۔**''④

اور بروایت ابن کثیر رحمہ اللہ:

''**ما رأيت اخلق للملك من معاوية۔**''⑤

کہ ''میں نے حکمرانی کے لائق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ اللہ آپ کو تکلیف سے بچائے اور حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں غمگین نہ ہونے دے۔

---

① مصنف عبدالرزاق ص 414 ج2
② مسند امام احمد ص 102 ج4 تحت حدیث معاویہ
③ انساب الاشراف، بلاذری ص 68 ج4
④ تطہیر الجنان ص 24
⑤ البدایہ والنہایہ ص 135 ج8

''فقال ابن عباس لمعاویة لا یحزننی ولا یسؤنی ما ابقی اللہ امیر المومنین''

تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً کہا اللہ تعالیٰ مجھے غمگین نہ ہونے دیں گے اور مجھے کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے جب تک امیر المومنین باقی اور سلامت ہیں۔

پھر جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع ملی تو فرمایا:

''اما واللہ ما کان مثل قبلہ ولا یاتی بعد مثلہ۔ '' ''اللہ کی قسم! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے سے پہلے خلفاء کی مثل تو نہیں تھے لیکن ان جیسا بھی کوئی ان کے بعد نہیں آئے گا۔''①

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ لفظ ''الحمار'' کے قائل اگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی ہیں تو پھر اس کے مخاطب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز نہیں۔ اب یہ بات حل طلب ہے کہ پھر اس لفظ کا مخاطب کون ہے؟

روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خود ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بلکہ ایک دفعہ ان کے بیٹے علی (بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم) نے ان کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔

''فذکرت ذلک لابی فقال یا بنی ھو اعلم''②

پھر ایک دفعہ کریب (مولیٰ ابن عباس) نے اس خیال سے ان کے سامنے ایک رکعت وتر پڑھنے کا ذکر کیا کہ وہ ان کی برائی بیان کریں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''اصاب معاویة'' کہ معاویہ نے درست کام کیا ہے۔

طحاوی کی جس روایت میں ''من این تری اخذھا الحمار'' کے الفاظ پائے جاتے ہیں اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کی روایت کرنے والا ان کا غلام عکرمہ ہے۔ اگر لفظ ''الحمار'' کے قائل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی ہیں تو پھر ''الحمار'' کا مخاطب یقیناً عکرمہ ہے۔

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عکرمہ کو غلط اور بے محل شکایت کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ''من این تری اخذھا الحمار؟'' گدھے! تو نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے کہاں سے دیکھ لیا؟''۔ ظاہر ہے کہ ایک وتر پڑھنے پر اخلاقاً وشرعاً یہ لفظ بولا ہی نہیں جا سکتا۔ جب ایک غلام نے

① انساب الاشراف، بلاذری ص 3 ج 4۔ الامامہ والسیاسہ ص 213
② فتح الباری ص 87 ج 7 باب ذکر معاویہ

ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفۃ المسلمین پر تنقید کی تو اس کی سرزنش کرتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا: گدھے! تیری یہ جرأت و جسارت! تو ان کے فعل پر اعتراض کر رہا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی اور جو فقیہ اور مجتہد بھی ہیں۔ انہوں نے یقینا درست کام کیا ہے۔

''من این تری اخذھا، الحمار '' کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''اے گدھے (یعنی احمق)! تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ انہوں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے یہ ایک وتر کہاں سے لیا ہے؟'' یعنی حدیث سے ہی لیا ہے پھر ان پر اعتراض کیسا؟

اور یہ توجیہ مناسب بھی ہے کہ جس طرح کریب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معائب بیان کرانے کی غرض سے یہ شکایت کی تھی تو آپ نے اس فعل کی تصویب فرمائی۔ جب عکرمہ نے یہی شکایت کی تو آپ نے اسے سختی کے ساتھ ڈانٹتے ہوئے ''حمار'' کہا اور ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خبث باطن کی وجہ سے اس لفظ کا مخاطب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دے دیا۔

اور اگر بالفرض حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس فعل کی وجہ سے تنقید کی تو لفظ ''الحمار'' یقینا کسی معاویہ رضی اللہ عنہ دشمن راوی کا اضافہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بہتان و افتراء بھی ہے۔ یہ معاویہ رضی اللہ عنہ دشمن راوی جناب عکرمہ مولیٰ ابن عباس ہے۔ اس کے عقائد اور کردار ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''عبداللہ بن حارث کا قول ہے کہ میں علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں عکرمہ باب الحش کے قریب زنجیروں میں بندھا پڑا تھا۔ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے سے عرض کیا ''الا تتقی اللہ '' کیا آپ اللہ سے نہیں ڈرتے۔

انہوں نے فرمایا: ''فان ھذا الخبیث یکذب علی ابی ''[1] ''کہ یہ خبیث میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے۔''

امام سعید بن مسیب رحمہ اللہ (متوفی 94ھ) نے اپنے غلام برد سے فرمایا:

''یا برد لا تکذب علیَ کما کذب عکرمۃ علی ابن عباس ''[2]

''اے برد! مجھ پر اس طرح جھوٹ نہ بولنا جس طرح عکرمہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر

---

[1] تھذیب التھذیب ص 267 ج 7 تحت عکرمہ
[2] حوالہ مذکور ص 268 ج 7

جھوٹ بولا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے شاگرد نافع سے کہتے ہیں:

"اتق اللہ ویحک یا نافع ولا تکذب علیّ کما کذب عکرمۃ علی ابن عباس۔ "

"اے نافع! اللہ سے ڈرو اور مجھ پر کوئی جھوٹ نہ بولنا جس طرح عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بولا ہے۔"

مصعب بن ثابت زبیری سے مروی ہے کہ عکرمہ خوارج کی سی رائے رکھتے تھے۔ انہیں مدینے کے کسی والی نے طلب کیا اور داود بن حصین کے پاس پوشیدہ کر دیا۔ ان ہی کے پاس ان کی وفات ہوئی۔ لوگوں نے کہا عکرمہ کثیر العلم و کثیر الحدیث اور دریاؤں میں سے ایک دریا تھا۔ ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ لوگ ان کے ثقہ ہونے کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ ①

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"یعقوب حضرمی نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ ایک بار عکرمہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگا اس مسجد میں جتنے لوگ ہیں وہ کافر ہیں۔

"وقال کان یری رای الاباضیۃ" اور راوی نے کہا وہ اباضیہ (خوارج کا ایک فرقہ) کا ہم خیال تھا۔" ②

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے عکرمہ کی توثیق کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ:

"کذبہ مجاھد وابن سیرین ومالک ... قال احمد کان یری رای الخوارج الصفریۃ وقال ابن المدینی کان عکرمۃ یری رای نجدۃ الحروری۔ "③

"مجاہد (متوفی 100ھ)، ابن سیرین (متوفی 110ھ) اور امام مالک رحمہ اللہ (متوفی 179ھ) نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا۔ ابن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے عقائد حروریوں کے تھے۔"

خالد بن قاسم البیاض سے مروی ہے کہ عکرمہ اور کثیر عزہ شاعر کی وفات 105ھ میں ایک ہی

---

① طبقات ابن سعد ص 280 ج 5 اردو
② میزان الاعتدال ص 90 ج 3
③ کتاب معرفۃ الرواۃ المتکلم فیھم ص 148، 242 تحت عکرمہ

روز ہوئی۔ لوگوں نے دونوں کی موت میں متفق ہونے اور رائے میں مختلف ہونے پر تعجب کیا، عکرمہ کے متعلق گمان کیا جاتا تھا کہ ان کی رائے خوارج کے موافق تھی اور کثیر شیعی تھا۔ عقیدہ رجعت (واپسی حضرت علی رضی اللہ عنہ) پر ایمان رکھتا تھا۔ ①

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ عکرمہ جھوٹا بھی تھا اور خارجی، اباضی اور حروری بھی...... یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بدترین دشمن تھے۔ لہٰذا زیر بحث روایت میں ''من این تزی اخذها الحمار'' کے الفاظ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہرگز نہیں ہیں بلکہ اسی خبیث، کذاب اور خارجی کے ہیں۔

اور اگر بفرض محال یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ زیر بحث روایت کے تمام راوی بشمول عکرمہ صدوق، ثقہ اور معتبر ہیں اور ''الحمار'' کا لفظ کسی راوی کا اضافہ بھی نہیں ہے۔ (جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتا) تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ یہ کسی غالی، متعصب دشمن معاویہ رضی اللہ عنہ کا اضافہ ہے جو اس نے اپنے عقائد ونظریات سے مجبور ہو کر حنفیت کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کا ارتکاب کیا ہے۔

یا پھر اس بہانے قائلین ایک رکعت (شوافع اور دیگر حضرات) کو ''حمار'' کہنا چاہتا ہے۔ جصاص جیسے لوگ جو فقہاً حنفی تھے اور عقیدتاً معتزلی (جنہوں نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فاجر، ظالم اور کافر قرار دے دیا) اس کی واضح مثال ہیں۔

راقم الحروف اگرچہ حنفی المسلک ہے لیکن اسے امام طحاوی رحمہ اللہ کے دفاع سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع اور عزت زیادہ عزیز ہے...... امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسی کتاب میں ایک اور کذاب راوی ابن لہیعہ کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حلق تک جہنم میں دکھایا ہے۔ ②

تعجب بالائے تعجب یہ کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول ''اصاب انه فقیه'' کو ''تقیہ'' پر محمول کیا ہے۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ رکعات وتر کے مسئلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے مختلف اقوال ہیں اور یہ فروعی، فقہی اور اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس میں نہ تو کسی کو مخالف سنت یا تارک سنت قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کو مورد طعن ہی ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ لیکن اپنے موقف کو صحیح اور

① طبقات ابن سعد اردو ص 280 ج 5
② طحاوی ص 262 ج 2 کتاب الصرف باب القلادة

درست ثابت کرنے کا یہ طریقہ بالکل ہی غلط ہے جس میں جوش اور تعصب کا شکار ہو کر صحابی رسول، کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ "الحمار" کہہ دیا جائے۔

چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"وقد یجوز ان یکون قول ابن عباس اصاب معاویة علی التقیة له ای اصاب فی شیء آخر لانه کان فی زمنه۔"①

موصوف نے رکعات وتر کی بحث میں "عجیب" ترتیب قائم کی ہے۔ پہلے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں "اصاب معاویة" نقل کیا ہے پھر اس کی تائید میں یہ روایت لائے ہیں:

"**قال ابن عباس من این تری اخذها الحمار**" کہ اس حمار نے ایک رکعت کہاں سے لی؟

پھر انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی تین رکعت کی روایت اسی سند کے ساتھ پیش کی جس میں "**الحمار**" کا لفظ نہیں کہا گیا...... اور پھر اس کے بعد انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی صراحتاً توہین پر مبنی روایت نقل کی کہ:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے ماتحت تھے اس لیے وہ حق بات کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔ انہوں نے بطور "تقیہ" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کی تائید وتصویب کی...... ان کی زبان پر تو "**اصاب معاویة**" کے الفاظ تھے لیکن دل میں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کسی دوسری بات کی تصویب کا قصد کیا ہوا تھا۔" **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**

حیرت ہے کہ عصر حاضر کے ایک جلیل القدر محدث علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے بھی امام طحاوی کی اس مبنی بر توہین روایت کی تائید کر دی۔

چنانچہ وہ صحیح بخاری کی روایت "**اصاب انه فقیه**" کے تحت فرماتے ہیں کہ:

"قلت ولیس فیه تصویب له بل اغماض ونحو تسامح عنه وعند الطحاوی فقام معاویة فرکع رکعة واحدة وقال ابن عباس من این تری اخذها الحمار وراجع تمام البحث من کشف الستر فان الکلمة شدیدة۔"②

---

① طحاوی ص 199 ج 1 باب الوتر
② فیض الباری ص 70 ج 4

''میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول ''اصاب انه فقیه''میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تائید وتصویب نہیں ہے بلکہ ''چشم پوشی'' اور تسامح ہے۔ اور طحاوی کے نزدیک یہ بات ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے ایک رکعت پڑھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس ''حمار'' نے ایک رکعت کہاں سے لے لی؟...... یقیناً یہ ایک سخت کلمہ ہے۔''

گویا موصوف کے نزدیک (بشرط صحت نسبت) طحاوی کی یہ روایت صحیح ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نہ صرف تقیہ اور چشم پوشی کی بلکہ ان سے تسامح واقع ہوا ہے۔ اور صحیح بخاری کی تدریس کے دوران میں طلبہ حدیث کے سامنے لفظ ''الحمار'' پر صرف اتنا تبصرہ فرمایا کہ یہ ایک سخت کلمہ ہے۔

حیرت ہے کہ ''اصاب انه فقیه'' کہنے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ''لیس فیه تصویب له بل اغماض ونحو تسامح عنه'' کے الفاظ سے گرفت ہوسکتی ہے۔ اور ''الحمار'' پر نہ اسے حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا تسامح کہا جاتا ہے اور نہ اسے کسی دوسرے راوی کی کینہ توزی قرار دیا جاتا ہے۔ فقط ''فان الکلمة شدیدة'' کہہ کر بحث ختم کر دی جاتی ہے اور وہ عظیم طلبہ حدیث بھی اس فصیح وبلیغ تبصرے پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت میں باب ذکر معاویہ کے تحت ''اصاب انه فقیه'' کی روایت لا رہے ہیں اور عصر حاضر کے شارح بخاری اس تصویب کی تغلیط فرماتے ہوئے طحاوی کی اس قابل اعتراض روایت سے استدلال فرما رہے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تو ''تقیۃً'' تصویب کی۔ ان کا اصل قول تو یہ ہے کہ ''من این تزی اخذها الحمار۔''

حالانکہ طحاوی کی اس روایت کی تصویب سے حضرت معاویہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں کی توہین ہوتی ہے...... کاش یہ شارح بخاری رواۃ کی جامہ تلاشی لیتے، عکرمہ کے چہرے سے نقاب الٹتے اور اپنے طلبہ کی راہنمائی ان روایات واحادیث کی طرف کرتے جن سے تین رکعت کا اثبات تو ہوتا تھا مگر توہین صحابہ رضی اللہ عنہم کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔

سخت حیرت ہے کہ موصوف نے اس نازک اور علمی بحث کو کس قدر ''ایجاز'' سے کام لیتے ہوئے صرف تین سطروں میں اور کس جارحانہ انداز میں سمو دیا:

"قلت و لیس فیه تصویب له بل اغماض و نحو تسامح عنه . . . و قال ابن عباس من این تری اخذها الحمار۔"

دار العلوم دیو بند کے ایک جلیل القدر محدث، مفسر اور استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ علامہ تفتازانی کی ایک مثال کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"و لا یخفٰی ما فیه من سوء الادب فی حق سیدنا معاویة رضی اللہ عنہ و الجرأة علیه بما لا یلیق بمنصبه۔"①

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو جرأت اور بے ادبی اس مکروہ مثال میں پائی جاتی ہے وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں جو ان کے منصب صحابیت کے لائق نہیں ہے۔"

حضرت شیخ الہند کی اس عبارت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن الفاظ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا دوسرے کسی صحابی کی توہین و بے ادبی کا صرف وہم بھی ہو سکتا ہو ان کا لکھنا اور بولنا جائز اور درست نہیں۔ تو لفظ "الحمار" جس سے صریح توہین ہو اس کا استعمال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

معلوم نہیں کہ راوی کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف "تقیہ" کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ایک منصف مزاج، عادل، خلیفہ راشد، کاتب وحی، ہادی ومہدی اور احلم امت تھے...... ایک عام بدو مسجد میں دورانِ خطبہ میں انہیں مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اللہ کی قسم! آپ خود بخود ٹھیک رہیں ورنہ ہم آپ کو سیدھا کر دیں گے...... اس گستاخانہ انداز کے جواب میں آں موصوف فرماتے ہیں کس کے ساتھ ٹھیک کرو گے؟ اس نے کہا ڈنڈے کے ساتھ۔ تو فرمایا پھر تو ہم درست ہو جائیں گے۔②

ایک اور شخص نے دورانِ گفتگو میں ناشائستہ الفاظ استعمال کیے تو آپ نے کچھ دیر کے لیے سر جھکا لیا اور پھر بڑے پیار سے اسے سمجھایا۔③

ایک اور شخص نے آپ کو سخت برا بھلا کہا...... کسی نے سختی کرنے کا مشورہ دیا تو فرمایا مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ کہیں میری بردباری پر کسی کا گناہ غالب نہ آ جائے...... میں شرم محسوس کرتا ہوں کہ کہیں کسی کا جرم میری معافی سے اور کسی کی نادانی میرے حلم سے بڑھ نہ جائے۔④

① حاشیه مختصر المعانی ص 71 تحت احوال المسند الیه تعریفه بالعلمیة

②③ سیر اعلام النبلاء ص 102 ج 3

④ البدایه و النهایه ص 135 ج 8

ایک اور شخص کی درشت مزاجی پر فرمایا کہ اس شخص نے مجھے تباہی و بربادی سے بچا کر زندگی عطا کی، اللہ اسے زندہ رکھے۔ ①

کہاں یہ عام لوگ...... اور کہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما؟ سنت مٹ رہی ہو، دین تباہ ہو رہا ہو، منکر کا نہ صرف ارتکاب ہو رہا ہو بلکہ علانیہ اس کی تبلیغ ہو رہی ہو اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما امر بالمعروف کے فریضے کے تارک ہوں یا کسی مصلحت و مداہنت سے کام لیں۔ بلکہ تقیہ (منافقت) پر مجبور ہو جائیں ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے۔

آں موصوف پر تقیہ کا الزام لگانا سراسر ظلم اور بدترین تبرا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق صحیح مسلک وہی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں باب ذکر معاویہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں تحت باب الوتر بیان کیا ہے کہ:

''قد صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . . . اصاب انه فقيه . . . اصاب اى بنى ليس احد منا اعلم من معاوية'' اس میں کسی تقیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جلیل القدر محدثین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول ''اصاب انه فقيه '' کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت میں شمار کیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''لان ظاهر شهادة ابن عباس له دالة على الفضل الكبير۔ ''②

علامہ عینی رحمہ اللہ شارح بخاری لکھتے ہیں کہ:

''باب ذكر معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما . . . مطابقة للترجمة من حيث ان فيه ذكر معاوية وفيه دلالة ايضا على فضله . . . قوله انه اى معاوية فقيه يعنى يعرف ابواب الفقه۔''③

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ لکھے ہیں کہ:

''وهذا من أجل مناقب معاوية . . . فصدور هذا الوصف الجليل لمعاوية من اعظم

① تطهير الجنان ص 27
② فتح الباری، باب ذکر معاویہ
③ عمدة القاری ص 663 ج 7 باب ذکر معاویہ

مناقبه كيف وقد صدر له من حبر الامة وترجمان القرآن وابن عم رسول الله ﷺ وابن عم علي والقائم بنصرة عليّ في حياته وبعد وفاته وصح ذلك عنه في البخاري الذي هو اصح الكتب بعد القرآن...

ان معاوية مجتهد بل انه من اعظم المجتهدين واجلهم ... واذا تقرر ان عمر وعليا وابن عباس رضی اللہ عنہم اتفقوا على ان معاوية من اهل الفقه والاجتهاد اندفع ما طعن كل طاعن عليه وبطل سائر النقائص المنسوبة اليه ومما يتعلق بقول ابن عباس وقع زجرا لعكرمة المنكر على معاوية ايتاره بركعة بما حاصله ان معاوية صحب النبي ﷺ فحل عليه من لحظه وكماله ما صاربه من العلماء الفقهاء الحكماء فهو اعرف بحكم الله فيما يفعله من المعترضين عليه۔

واذا تاملت هذا الوصفين الذين صحا في البخاري عن ابن عباس في حق معاوية علمت انه لا مساغ لاحد في الانكار في معاوية فيما اجتهد فيه فظهر له انه الحق۔''①

''(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی رسول اور فقیہ کہنا) یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی منقبت ہے...... یہ وصف جلیل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حَبر الامت، ترجمان القرآن، ابن عم رسول ﷺ اور ابن عم علی رضی اللہ عنہ اور ناصر و مددگار علی رضی اللہ عنہ یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صادر ہوا ہے اور صحیح بخاری میں مروی ہے جو قرآن کے بعد تمام کتابوں سے زیادہ صحیح ہے۔

یقیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد ہیں بلکہ اعظم مجتہدین میں سے ہیں۔ اور جب یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم تینوں اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہ اور مجتہد ہیں تو طعن کرنے والوں کا طعن دفع ہو گیا اور تمام وہ نقائص جو اِن کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں باطل ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو یہ کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے اس سے مقصود عکرمہ کو تنبیہ کرنا تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک رکعت وتر پڑھنے

① تطہیر الجنان واللسان ص20، 21 طبع مکتبہ مجیدیہ ملتان

کے باعث معترض تھے۔ مطلب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ تھا کہ حضرت معاویہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے اور آپ کی نظر کیمیا اثر کے فیض سے وہ علمائے فقہاء میں سے ہیں۔ پس وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے متعلق اللہ کے حکم سے بہ نسبت معترضین کے زیادہ واقف ہیں۔

جب تم دونوں صفتوں کو جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں غور کرو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی شخص کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ان کے اجتہادات کے متعلق اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ جو کام انہوں نے کیے ان کے نزدیک وہی حق تھے۔''

علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی اور علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہم اللہ کی مذکورہ بالا تشریحات وتوضیحات سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ صاحب فیض الباری کی تشریح ''قلت ولیس فیه تصویب له بل اغماض ونحو تسامح عنه ... من این تری اخذها الحمار'' سے آں موصوف کی توہین ومذمت......

عام علمی حلقوں میں ''فیض الباری'' کو محدث کبیر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تصنیف سمجھا جاتا ہے لیکن یہ خلافِ واقع ہے۔

دراصل اسے حضرت موصوف کے شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ نے ان کے لیکچروں کی مدد سے حضرت رحمہ اللہ کی وفات کے بعد شائع کیا۔ موجودہ کتاب کے سرورق پر یہ تصریح موجود ہے: ''من امالی الفقیه المحدث الاستاذ الکبیر'' ''یعنی فقیہ محدث اور استاذ کبیر کے لیکچروں سے۔''

ظاہر ہے کہ جب کوئی آدمی فن مختصر نویسی سے ناآشنا ہو اور سرعت نویسی سے کام لے تو عبارت میں تسامح ہو جاتا ہے۔ مثلاً حدیث اذان بلال رضی اللہ عنہ میں خود مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ نے اعتراف واقرار کیا ہے کہ میں نے حضرت شاہ صاحب کی طرف یہ جملہ منسوب کیا ہے کہ ''اخرج ابو داود ما یدل علی رجوعه'' اور میں نے یہ جملہ فیض الباری میں درج کیا ہے حالانکہ بعد میں باوجود تلاش کے مجھے یہ جملہ ابوداؤد شریف میں نہیں ملا۔ ناظرین کتاب سے بھی درخواست ہے کہ وہ ابوداؤد شریف میں یہ حدیث تلاش کریں اگر نہ ملے تو اس جملے کا اندراج میری اپنی غلطی ہے۔ تنقید کرنے والا اس کو حضرت شیخ

کی غلطی قرار دے گا حالانکہ متعصب یہ نہیں سوچتا کہ تیزی سے املاء کرنے میں ایسی غلطیاں ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ ①

حاشیہ کے اس نوٹ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر کے نوٹ لینے میں مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ سے غلطیاں ہو جاتی تھیں ...... موصوف نے فیض الباری کے مقدمے میں درج ذیل امور کا خود بھی اعتراف کیا ہے:

(1) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ درس میں بہت تیزی سے بولتے تھے جس کی وجہ سے مجھے آپ کی مراد و مقصد کے سمجھنے اور ضبط کرنے میں سخت دشواری پیش آتی تھی کیونکہ اس کے لیے جید حفظ، مکمل تیقظ، حدید نظر، سریع قلم، سیال ذہن و بالغ فکر کی ضرورت تھی جو کم کسی کو حاصل ہوتا ہے۔

(2) کبھی ہم آپ کے کلام کی طرف پوری توجہ کرتے تھے تو املاء رہ جاتا اور کبھی کتابت کی طرف توجہ کرتے تو آپ کی بات پوری نہ سن سکتے تھے۔

(3) میں نے مقدور بھر سعی کی کہ آپ کی پوری بات ضبط کرلوں مگر یہ بات میرے مقدور سے باہر رہی۔ اس لیے بہت سی اہم باتیں ضبط کرنے سے رہ گئیں بلکہ بسا اوقات علماء اور کتابوں کے ناموں میں تصحیف اور نقل مذاہب میں تحریف بھی ہوگئی۔

(4) مجھے بڑی تمنا تھی کہ میں اس تالیف کو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں جمع کر لیتا کہ حضرت رحمہ اللہ اس کو ملاحظہ فرما کر اصلاح فرما دیتے مگر یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔

(5) میری پوری سعی کے باوجود اس میں قسم قسم کے اغلاط و سہو ہو گئے ہیں۔

(6) میں جہاراً وسراً ہر طرح سے بتلا چکا ہوں کہ مجھے تمام مباحث میں مراجعت اصول اور تصحیح نقول کی فرصت نہیں ملی۔ جبکہ اس کے لیے طویل فرصتوں کی ضرورت تھی البتہ نقول صحاح ستہ کی تصحیح میں میں نے زیادہ اعتنا کیا ہے۔

(7) میں پوری سچائی کے ساتھ اقرار کرتا ہوں کہ میں درس کے اندر ضبط وتحریر میں خطاؤں سے سالم نہیں رہا۔

(8) اگر کہیں کسی بحث کے اندر لہجہ کی تیزی یا ترفع کی شان وغیرہ دیکھو تو اس کو صرف میری طرف

① فیض الباری ص 70 ج 4 بر حاشیہ

منسوب کرنا کیونکہ وہ سب میری سوءِ تعبیر اور خباثت نفس کا اثر ہوگا۔

فیض الباری کی پہلی اشاعت کے موقع پر تصحیح پروف کا مشکل ترین کام حضرت مولانا السید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے سرانجام دیا اور بعض غلط عبارات کی نشاندہی انہوں نے اپنے مقدمے میں کر دی جو ابتدائی طباعتوں میں شامل کتاب رہا۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی طرف بکثرت انتسابات مشکوک ومشتبہ نظر آتے ہیں...... باوجود سعی مشکور کے مؤلف (مولانا بدر عالم) یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ انہوں نے حضرت کے امالی ومشکلات علوم وتراجم رجال وغیرہ کو بنقیرہ وقطمیرہ جمع کر لیا ہے۔ اور آپ کے فوائد علمیہ ونظریات عمیقہ میں سے کسی کو نظر انداز نہیں ہونے دیا۔''①

یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ لاہور سے فیض الباری کا جو ایڈیشن شائع ہوا۔ اس میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کے اس مقدمے میں حذف والحاق کا عمل کر کے مذکورہ عبارت کو بالفاظ ذیل تبدیل کر دیا گیا ہے کہ:

''حضرت کے تمام ہی مشکلات علوم وتراجم رجال، فوائد مختلفہ ونظریات عمیقہ کا احاطہ کر لیا ہے حتیٰ کہ امالی شیخ میں سے کوئی کلمہ بھی بغیر احصاء وضبط کے نہیں چھوڑا۔ اور خود مولف (مولانا بدر عالم صاحب) نے جو اپنے مقدمے میں (اس کے خلاف) لکھا ہے وہ محض ان کی تواضع اور کسر نفسی ہے، اور کچھ نہیں۔''②

حضرت مولانا احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں کہ:

''فیض الباری میں اب بھی بہت سی مسامحات واغلاط ہیں جن میں کچھ کی نشاندہی بھی اصحاب تصانیف نے کی ہے۔ یہ بھی عدم مراجعت اصول اور عدم واقفیت تراجم رجال کا نتیجہ ہے۔ جبکہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ایسی اغلاط سے مبرا تھے اور ان کی طرف ان کی نسبت کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔ اس لیے پاکی داماں کی حکایت طویل کرنے سے بہتر ہے کہ مراجعات اصول اور مطالعہ تراجم رجال کر کے ان خامیوں کا ازالہ کیا جائے اور اس خوش فہمی کا سہارا نہ لیا جائے کہ خود حضرت مولف (مولانا بدر عالم) نے جن خامیوں

① مقدمہ فیض الباری مطبوعہ مصر
② فیض الباری ص 31، 32

کا اعتراف کر لیا تھا وہ محض تواضع اور کسر نفسی تھی۔ پھر یہ کہ مولانا بنوری رحمہ اللہ کے مقدمہ میں جو حذف والحاق کیا گیا ہے اس کی معذرت شائع کی جائے۔ یا اس کو لکھنے والے صاحب خود اپنی طرف منسوب کریں۔''①

بہر حال یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ طحاوی اور فیض الباری کی زیر بحث عبارت سے دشمنانِ صحابہ کے موقف کو تقویت پہنچتی ہے اور اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلسانِ ابن عباس رضی اللہ عنہما ''**الحمار**'' کہلا کر اور خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف خطا، تسامح، اغماض اور تقیہ کی نسبت کر کے تنقید بر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

حیرت ہے کہ جو لوگ ''سلف'' پر ادنیٰ تنقید بھی برداشت نہیں کر سکتے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی صریح اور واضح تنقیص پر کس طرح چپ سادھ لیتے ہیں؟ دراصل یہ بیماری اس وقت پیدا ہوئی جب ''اکابر'' کو عملاً معصوم قرار دے دیا گیا۔ یہ اکابر تو اس بات کے مجاز ہیں کہ وہ جب چاہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تغلیط و تنقیص کر ڈالیں لیکن جب کوئی غلطی کی نسبت ان اکابر کی طرف کرتا ہے تو پھر اس پر ''گستاخ اکابر'' کا فتویٰ داغ دیا جاتا ہے۔ اگر خطاء، تسامح، اغماض اور تقیہ کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ''الحمار'' کی نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی جا سکتی ہے تو خود ان اکابر کی طرف خطاء کو منسوب کرنے پر اکابر کی ''گستاخی'' کا فتویٰ کیوں؟

---

① ماہنامہ بیّنات شوال المکرم 1406ھ جولائی 1986ء

67

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ قبل از صلوٰۃ عید دیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عید کی نماز میں نماز سے قبل خطبہ دیا۔ عبدالرزاق نے اپنی تصنیف ''مصنف'' میں اس کو بیان کیا ہے۔ ①

اب مصنف عبدالرزاق کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

''قال ابن شهاب اول من بدأ بالخطبة قبل الصلاة معاوية۔'' ②

''ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ وہ پہلے شخص جنہوں نے نماز سے قبل خطبہ سے آغاز کیا وہ معاویہ ہیں۔''

یہ روایت روایتاً و درایتاً غلط ہے...... اس کے راوی جناب ابن شہاب زہری ہیں۔ یہ حضرت اس قول میں متفرد ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرا کوئی بھی اسے روایت کرنے والا نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف موصوف کی روایات ہرگز قابل اعتبار نہیں ہیں۔ خواجہ قمرالدین سیالوی رحمہ اللہ نے کتب شیعہ سے ثابت کیا ہے کہ ابن شہاب زہری شیعہ ہیں۔ ③④

ایک شیعہ راوی کے قول کا سہارا لے کر ایک صحابی رسول رضی اللہ عنہ پر خلاف سنت طریقہ اختیار کرنے اور بدعت رائج کرنے کا الزام وہی عائد کرسکتا ہے جس میں رفض کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم بدعت کا موضوع کیسے بن سکتے ہیں؟ اس پر تفصیلی بحث پیچھے ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بانی بدعات ہیں'' کے الزام کے تحت گزر چکی ہے۔

درایتاً بھی یہ الزام لغو، بے بنیاد اور خلاف واقع ہے کیونکہ:

① تاریخ الخلفاء سیوطی اردو ص 295

② مصنف عبدالرزاق ص 284 ج 3 رقم 5646، باب اول من خطب ثم صلی

③ مذہب شیعہ ص 93

④ اس متعلق ادارہ محترم قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب سے اختلاف رکھتا ہے، امام ابن شہاب زہری ائمہ محدثین میں سے ہیں اور نہایت جلیل القدر امام اہلسنت وتابعی ہیں۔ ان کی طرف تشیع کی تہمت قطعی غیر درست ہے۔ (محمد فہد حارث)

اولاً: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تقریباً بیس سال بحیثیت گورنر اور بیس سال تک ہی بحیثیت خلیفہ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس چالیس سال کے عرصہ میں وہ عیدین کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے رہے۔ اور اسے سننے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اگر یہ نیا کام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شروع کرتے تو اس کے راویوں کی تعداد بھی کثیر ہوتی۔ لیکن یہاں سوائے زہری کے کوئی دوسرا راوی دستیاب نہ ہوسکا۔

ثانیاً: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متبع سنت تھے۔ کسی کو سنت کے خلاف کام کرتا دیکھتے تو فوراً منع کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو نماز عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا تم یہ نماز پڑھتے ہو حالانکہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں ہم نے انہیں یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ بلکہ عصر کے بعد ان دو رکعتوں سے آپ کو منع کرتے سنا ہے۔ ①

ایک مرتبہ دس محرم کو مدینہ میں منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''یا اهل المدینة! این علماء کم '' اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ یوم عاشوراء ہے اللہ نے اس کا روزہ تم پر فرض نہیں کیا ہے البتہ میں روزہ سے ہوں۔ لہٰذا جو شخص چاہے روزہ رکھ لے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔'' ②

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے وہ دعا لکھ کر بھیج دو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے تو انہوں نے جواباً لکھا کہ:

''لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر۔ اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد۔'' ③

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز کے متعلق حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ شہادت دیتے ہیں کہ:

''ما رأیت احداً بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اشبه صلوة برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من امیر کم هذا یعنی

---

① صحیح بخاری باب ذکر معاویہ

② حوالہ مذکور و صحیح مسلم کتاب الصوم

③ صحیح بخاری کتاب القدر باب لا مانع لما أعطی الله رقم الحدیث 6615، کتاب الاذان۔ باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔ رقم الحدیث 844 و صحیح مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ

معاویۃ۔''①

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ سے زیادہ مشابہت رکھنے والی نماز پڑھنے والا تمہارے امیر یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مشہور صحابی حضرت سائب بن خلاد انصاری رضی اللہ عنہ کو (جنہوں نے ان کے ساتھ مقصورہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد اسی جگہ سنت ادا کیے تھے) ایسا کرنے سے منع کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ فرض نماز کے ساتھ کوئی دوسری نماز نہ ملائیں، جب تک کوئی کلام نہ کر لیں یا اس جگہ سے ہٹ نہ جائیں۔②

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متبع سنت تھے دوسروں کو خلاف سنت کام کرنے سے منع کرتے تھے اور خود بھی دوسروں سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ لہٰذا ان پر قبل نماز عید خطبہ پڑھنے کا الزام عائد کرنا غلط ہے۔

علاوہ ازیں جس کتاب کے حوالے سے یہ الزام عائد کیا گیا ہے اس کی بعض روایات بھی ساقط الاعتبار ہیں۔ کیونکہ جناب زہری کی طرح صاحب مصنف عبدالرزاق میں بھی تشیع پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اِن کی جس روایت سے کسی صحابی پر طعن وارد ہوتا ہو وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ابن عدی نے کہا کہ عبدالرزاق فضائل میں ایسی احادیث لاتا ہے جس میں کسی نے اس کی موافقت نہیں کی۔ اور دوسروں کی عیب جوئی میں مناکیر وارد کیں۔ علماء نے اسے تشیع کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں نے مخلد شعیری سے سنا وہ کہتے تھے کہ:

میں عبدالرزاق کے پاس بیٹھا تھا کہ ''فذکر رجل معاویۃ فقال لا تُقَذِرْ مجلسنا بذکر ولد ابی سفیان'' ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو عبدالرزاق نے کہا ہماری مجلس کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندا نہ کرو۔''③

---

①تطهیر الجنان ص 24

②مشکوٰۃ ص 105، باب السنن وفضائلها

③میزان الاعتدال ص 127 ج 2

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''نسبوہ الی التشیع ... تشیع فیہ۔''①

''اسے شیعیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس میں تشیع پایا جاتا تھا۔''

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وکان یتشیع''②

''اس میں تشیع پایا جاتا تھا۔''

شیعہ عالم شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ:

''فاظھر لی محبۃ آل رسول اللہ ﷺ وتعظیمھم والبراءۃ من عدوھم والقول بامامتھم۔''③

''(سہیل نے کہا) اس نے میرے سامنے رسول اللہ ﷺ کی آل کی محبت ظاہر کی اور ان کی تعظیم کا اظہار کیا، ان کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا اور ان کی امامت کا قول نقل کیا۔''

شیعہ عالم عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں کہ:

''عبدالرزاق بن ہمام یمانی صنعانی ...... صنعاء یمن کا باشندہ تھا۔ شیخ نے اسے اپنے رجال اصحاب صادق سے شمار کیا ہے اور کہا کہ عبدالرزاق دونوں یعنی امام باقر اور امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے اور محمد بن ابی بکر بن ہمام کے ترجمہ میں ایک طویل روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ

''کونہ من علماء الشیعۃ بل کونہ فرید عصرہ فی العلم '' کہ وہ ایک شیعہ عالم تھا بلکہ اپنے دور کا علم میں یکتا تھا۔ ''وکان یتشیع من التاسع'' اور اس میں نویں فرقے کی تشیع پائی جاتی ہے۔''④

①تھذیب التھذیب ص313 ج6
②تاریخ الکامل، ابن اثیر ص406 ج6
③الکنی والالقاب ص427 ج2
④تنقیح المقال ص150 ج2 من ابواب العین

عبدالرزاق کا تشیع، سنی اور شیعہ دونوں کے ہاں مسلمہ ومتفقہ ہے۔① پھر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس قدر بغض رکھتا ہے کہ آں محترم کے ذکر سے اس کی مجلس گندی ہو جاتی ہے تو ایسے شخص کی روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کیوں کر قبول کی جاسکتی ہے؟

مزید برآں کتب حدیث میں چند دیگر حضرات کے متعلق بھی روایات ملتی ہیں کہ انہوں نے صلوٰۃ عید سے پہلے خطبہ دیا چنانچہ:

(1) نمازِ عید سے پہلے خطبہ دینے کا ثبوت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتا ہے۔②

(2) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اس کا آغاز کیا تھا:

''اول من بدأ بالخطبة قبل الصلوٰة يوم الفطر عمر بن الخطاب۔''③

اس روایت میں زہری بھی نہیں ہیں اور اس کا متابع ایک دوسری کتاب میں بھی پایا جاتا ہے۔

''كان الناس يبدؤن بالصلوٰة ثم يثنون بالخطبة حتى اذا كان عمر واكثر الناس فى زمانه وكان اذا ذهب يخطب ذهب جفاة الناس فلما راى ذلك عمر بدأ بالخطبة حتى ختم بالصلوٰة۔''④

(3) نماز سے پہلے خطبہ عید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے:

''اول من خطب قبل الصلاة عثمان صلى بالناس ثم خطبهم يعنى على العادة فرأى ناساً لم يدركوا الصلوٰة ففعل ذلك اى صار يخطب قبل الصلوٰة۔''⑤

اس روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نماز سے پہلے خطبہ دینے کی وجہ مذکور ہے کہ انہوں نے دور دراز سے آنے والے لوگوں کی رعایت کے لیے خطبہ کو مقدم کیا۔ تاکہ بعد میں آنے والے حضرات نماز

---

① امام عبدالرزاق کو بعض محدثین نے تشیع سے متہم کیا ہے۔ البتہ ان کے ثقہ وثبت ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق امام عبدالرزاق کا جو قول کتب اسماء الرجال میں منقول ہے جس کی طرف مولف کتاب نے اشارہ کیا ہے، اس ضمن میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص سے متعلق ان کی روایت ماننے میں تامل کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ دیگرے وہ اپنی احکام وسنن کی روایات میں لاریب ثقہ وثبت ہیں۔ (محمد فہد حارث)

② مسند احمد عن عبداللہ بن زبیر

③ مصنف عبدالرزاق ص 283 ج 3 باب اول من خطب ثم صلی

④ مصنف ابن ابی شیبہ ص 171 ج 2 من رخص ان يخطب قبل الصلوٰة

⑤ رواہ ابن المنذر باسناد صحیح الی الحسن البصری، فتح الباری ص 376 ج 2 باب المشی والرکوب الی العید والصلوٰۃ قبل الخطبة

میں شریک ہو سکیں۔ پھر نماز کے بعد خطبہ مسنونہ پڑھا گیا۔

(4) حضرت مروان کے بارے میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

''ان اول من خطب قبل الصلوٰۃ مروان بن الحکم''①

''یعنی مروان پہلے شخص ہیں جنہوں نے نماز سے قبل خطبہ دیا۔''

صحیحین کی روایت میں یوں مذکور ہے کہ:

''ایک مرتبہ عید کے دن حضرت مروان عیدگاہ تشریف لائے اور (نماز سے پہلے) منبر پر چڑھنے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان کا کپڑا پکڑ کر کھینچا لیکن وہ منبر پر چڑھ ہی گئے اور نماز عید سے پہلے خطبہ شروع کر دیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! تم نے تبدیلی کر دی۔ حضرت مروان نے کہا جو بات آپ جانتے ہیں وہ گزر گئی ...... حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا۔ حضرت مروان نے کہا بات یہ ہے کہ لوگ نماز عید کے بعد بیٹھتے نہیں اس لیے میں نے نماز عید سے پہلے خطبہ دے دیا۔''②

(5) ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے زیاد نے کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وروی ابن المنذر عن ابن سیرین ان اول من فعل ذلک زیاد بالبصرۃ۔''③

(6) خطبہ قبل نماز عید حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف بھی منسوب ہے۔

مسند احمد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ قبل نماز عید کی حدیث کے راوی بھی یہی ہیں۔ علامہ بنوری رحمہ اللہ نے بحوالہ ابن قدامہ حضرت عثمان اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فعل کی عدم صحت نقل کی ہے:

''وقال ابن قدامة وروی عن عثمان وابن الزبیر انهما فعلاه ولم یصح ذلک عنهما۔''④

---

① جامع ترمذی باب فی الصلوۃ العیدین قبل الخطبة

② صحیح بخاری کتاب العیدین باب الخروج الی المصلی بغیر منبر و صحیح مسلم کتاب العیدین نحوہ

③ فتح الباری ص376 ج2 باب المشی والرکوب الی العید والصلوٰۃ قبل الخطبة

④ معارف السنن ص428 ج2

مذکورہ بالا روایات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ خطبہ قبل صلوٰۃ عید کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رائج نہیں کیا۔ بلکہ ان سے پہلے بشرط صحت روایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمر، حضرت عثمان بھی شروع کر چکے تھے اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت مروان رضی اللہ عنہما اور زیاد کے متعلق بھی نماز عید سے پہلے خطبہ کا ذکر ملتا ہے۔

علاوہ ازیں خطبہ قبل صلوٰۃ کی روایات میں سخت تعارض پایا جاتا ہے اور فقہائے کرام نے ان روایات سے خطبہ قبل صلوٰۃ کا جواز ثابت کیا ہے۔ چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر نماز سے پہلے خطبہ دے دیا پھر بھی درست ہے اگرچہ خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر نماز سے پہلے خطبہ دے دیا تو نماز درست ہے اور خطبہ کالعدم۔ ①

حقیقت یہ ہے کہ عیدین کی نماز کے بعد ہی خطبہ مسنون ہے اور اسی پر امت کا اجماع رہا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر یصلون فی العیدین قبل الخطبة ثم یخطبون۔'' ②

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خطبہ سے قبل عیدین کی نماز پڑھتے تھے پھر بعد میں خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔''

جمہور امت کا بھی اسی پر اتفاق ہے اور جن روایات میں اس کے خلاف پایا جاتا ہے وہ شاذ اور متعارض ہیں۔

نیز ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے خلاف سنت طریقے کے خلاف صرف حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے احتجاج کیا...... اسی احتجاج سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سنت کو تبدیل کرنے والے ہوتے تو ضرور ان کے خلاف بھی احتجاج ہوتا۔

اگر بالفرض یہ روایات صحیح ہیں تو پھر ان کی اصل صورت وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ

---

① معارف السنن ص 427 ج 4

② جامع ترمذی باب فی صلوٰۃ العیدین قبل الخطبة

میں بیان ہوئی ہے کہ کچھ دور دراز کے لوگ نماز عید سے پہلے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان کی رعایت کے لیے خطبہ کو مقدم کیا گیا اور نماز کے بعد باقاعدہ مسنون خطبہ دیا جاتا رہا پھر بھی اس فعل پر مواظبت ثابت نہیں ہے کبھی کبھی ایسا ہوا ہوگا۔

جبکہ ہمارے ہاں تقریباً تمام ہی مساجد وعیدگاہوں میں اس فعل پر مواظبت پائی جاتی ہے یعنی نماز سے پہلے کچھ وعظ ونصیحت اور مسائل بیان کیے جاتے ہیں اور نماز کے بعد خطبہ دیا جاتا ہے اور اس میں بھی وہی غرض ہے کہ زیادہ لوگ نماز میں شریک ہوسکیں۔ لہٰذا اس نیت سے یہ فعل ہرگز موجب طعن نہیں ہے۔

68

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ عید سے قبل اذان کا اضافہ کیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے نمازِ عید کے لیے اذان کا اضافہ کیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بروایت سعید بن مسیب لکھتے ہیں کہ

''عید میں اذان دینا بھی آپ ہی کی ایجاد ہے۔''①

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''(عیدین کی نماز) یہ اذان واقامت کے بغیر ادا کی جاتی ہے یہی سنت طریقہ ہے اور آج بھی مسلمانوں کے تمام فرقے اسی طرح نماز عیدین ادا کرتے ہیں مگر معاویہ صاحب نے نماز عید کے لیے اذان کا رواج شروع کیا...... یعنی معاویہ صاحب نے ایک نئی بدعت ایجاد کی بلکہ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ بدعات کا موجد ہی معاویہ ہے۔''②

''شاہ جی'' جمع خاطر رکھیے! اور اپنی تصحیح نماز وعقائد کی فکر کیجیے۔ اس معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمل وہی تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تھا۔ وہ خود بھی متبع سنت تھے اور دوسروں کو بھی اس کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ خلاف سنت امور سے خود بھی اجتناب کرتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ جب کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو اسے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کرتے تھے۔

ایک دفعہ غالباً مدینہ منورہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھائی تو کچھ لوگوں نے اس کے بعد نوافل ادا کرنے شروع کر دیئے۔ بعد میں آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اس طریقے کا نہ تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور نہ ہم نے انہیں ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس کے متعلق روایت کرتے ہیں۔

پھر آپ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے اس کی حقیقت دریافت کی تو انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا

---

① تاریخ الخلفاء 295

② سیاست معاویہ ص 105

حوالہ دیا۔ تب آپ نے ام المومنین سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز (بعد العصر) ہمارے گھر میں ادا فرمائی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس نماز کے متعلق وضاحت کی تھی کہ میں نے یہ وہ دو رکعت ادا کی ہیں جو ظہر کے بعد مجھ سے کسی ضروری کام کی وجہ سے ترک ہوگئی تھیں۔ ①

ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں جمعہ کے دن عید آ گئی تو آپ نے اس کے متعلق حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے کبھی عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمعہ اور عید کو ایک ہی دن اکٹھا پایا ہے۔ تو انہوں نے کہا جی ہاں! پھر آپ نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نمازیں کس طرح ادا فرمائیں۔ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نماز عید ادا فرمائی۔ اس کے بعد باہر سے آئے ہوئے لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص ہمارے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا چاہتا ہے وہ ٹھہر جائے اور نماز ادا کر لے۔ ②

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عبادات کو سنت طریقہ کے مطابق ادا کرنے کے لیے دوسروں سے بھی مسائل پوچھا کرتے تھے لہٰذا آپ کا عمل عیدین کی نماز میں بھی مطابق سنت تھا......

نماز عید کے لیے ایجاد اذان کے الزام کی نوعیت بھی خطبہ قبل صلوٰۃ عید کی سی ہے۔ ایک شاذ روایت کی بنا پر آں موصوف پر یہ الزام ہرگز عائد نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو لوگوں کا ایک جم غفیر اسے روایت کرتا۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل اس کے مطابق ہوتا تو وہ ضرور اسے تمام صوبوں میں نافذ کراتے۔ جبکہ روایات میں بغیر اذان واقامت کی صراحت بھی موجود ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے بغیر اذان واقامت نماز عید پڑھاتے تھے۔

”انہ صلی یوم عید بغیر اذان و اقامۃ۔“ ③

نمازِ عید کے اذان اور اقامت کے بغیر ہونے پر اجماع ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی طریقہ تھا۔ لہٰذا کسی شاذ روایت کی بنا پر اجماع اور طریقہ نبوی کی مخالفت ثابت نہیں کی جاسکتی۔

① مصنف ابن ابی شیبہ ص 351 ج2
② سنن دارمی ص 200 باب اذا اجتمع عیدان فی یوم
③ مصنف عبدالرزاق ص 278 ج3 مصنف ابن ابی شیبہ ص 168 ج2

علاوہ ازیں ...... خطبہ عید قبل صلوٰۃ کی طرح اذان کے متعلق بھی مختلف اقوال ہیں ...... علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''ولا نعلم فی ھذا خلافا ممن یعتد بخلافه الا انه روی عن ابن الزبیر انه اذّن واقام وقیل اول من اذّن زیاد وھذا دلیل علی انعقاد الاجماع قبله علی أن لا یسنّ لھما اذان ولا اقامة۔ ''①

اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اذان اور اقامت دونوں کا اضافہ کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زیاد پہلا شخص ہے جس نے اذان کا آغاز کیا ...... زیاد کے متعلق یہ قول علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ ②

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''اول من احدث الاذان'' کے بارے میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں:

فقیل معاویه، وقیل زیاد، وقیل ھشام، وقیل مروان وقیل عبداللہ ابن الزبیر۔ ③

یہاں بھی روایات میں تعارض پایا جاتا ہے اور بصیغۂ مجہول قیل سے ذکر کیا گیا ہے اس قیل کا قائل کون ہے؟ اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ ایسی مجہول شاذ اور مرسل روایات کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بدعت کا الزام عائد کرنا اور انہیں مطعون ٹھہرانا کسی بدترین دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کا کام ہوسکتا ہے۔

البتہ یہ بات ممکن ہے کہ ان حضرات نے ''اعلام بطریق مخصوص'' یعنی اذان و اقامت کا اہتمام تو نہ کیا ہو لیکن لوگوں کی اطلاع کے لیے عام اعلان کبھی کبھار کرا دیا ہو اور کسی جاہل، احمق یا کسی دشمن معاویہ رضی اللہ عنہ راوی نے اسے اعلام مخصوص یعنی اذان سے تعبیر کر دیا ہو۔

صلوٰۃ تراویح، صلوٰۃ کسوف، اور صلوٰۃ استسقاء جو بغیر اذان و اقامت جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، جس طرح ان نمازوں کے لیے عام اعلان مشروع ہے اسی طرح صلوٰۃ عید میں بھی اعلانِ عام کے ذریعے سے لوگوں کو آگاہ کرنا صحیح اور درست ہے۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ انہوں نے صلوٰۃ عید کے لیے اذان کا اضافہ کیا، سراسر لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

---

① المغنی ص 235 ج2۔ معارف السنن ص 429 ج4

② عمدۃ القاری ص 282 ج6 باب المشی والرکوب الی العید والصلوٰۃ قبل الخطبة بغیر اذان واقامة

③ فتح الباری ص 377 ج2 باب المشی والرکوب الی العید والصلوٰۃ قبل الخطبة

69

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیٹھ کر خطبہ دیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے جمعہ کا خطبہ بیٹھ کر دیا۔ ورنہ اس سے پہلے خطبہ میں قیام مسنون تھا۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ:

''شعبی کہتے ہیں کہ اول وہ شخص جس نے بیٹھ کر خطبہ دیا آپ (معاویہ) ہی ہیں کیونکہ آپ بہت لحیم شحیم ہو گئے تھے۔ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا دشوار تھا اور آپ کا پیٹ بھی بہت بڑھ گیا تھا۔'' ①

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور دشمن معاویہ سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا ''لا اشبع الله بطنه'' کے اثر سے معاویہ بہت زیادہ کھایا کرتا تھا۔ منہ تھک جاتا تھا لیکن پیٹ نہ بھرتا تھا۔ مال حرام کثرت سے تھا۔ اس لیے کھا کھا کر موٹا ہو گیا تھا اور توند آگے بڑھ گئی تھی۔'' ②

خطبہ حالت قیام میں ہی دینا مسنون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔

''كان يخطب قائما ثم يجلس ثم يقوم فيخطب قائما۔'' ③

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے۔ پھر اٹھ کر کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

''كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم يخطب قائما ثم يقعد ثم يقوم كما تفعلون الأن۔'' ④

---

① تاریخ الخلفاء ص 295

② سیاست معاویہ ص 120

③ صحیح مسلم ص 283 ج 1

④ صحیح بخاری ص 125 ج 1 باب الخطبة قائماً

''آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے تھے جیسے آپ اب کر رہے ہیں۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی عام معمول یہی تھا کہ وہ کھڑے ہو کر ہی خطبہ دیتے تھے۔لیکن کبھی شاذ ونادر بشرط صحت روایت بیٹھ کر خطبہ دینے کی نوبت آئی بھی تو ایسا کسی تکلیف کے باعث ہوا۔ اور عذراً بیٹھ کر خطبہ دینا ہرگز ناجائز اور غلط نہیں ہے۔ عالمگیری اور بحر الرائق وغیرہ میں (بلا عذر) بیٹھ کر خطبہ دینے کو صرف مکروہ کہا گیا ہے۔

صاحب قدوری لکھتے ہیں کہ:

''فان خطب قاعداً أو علی غیر طهارة جاز ویکره۔'' ①

نماز میں قیام، رکوع اور سجود کو فرض قرار دیا گیا ہے لیکن بحالت عذر قیام کے بجائے قعود اور رکوع وسجود میں اشارہ سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''صل قائما فان لم تستطع فقاعداً فان لم تستطع فعلٰی جنب۔'' ②

''کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر اس کی استطاعت نہ رکھو تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو پر لیٹ کر پڑھ لو۔''

اسی حدیث میں نسائی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

''فان لم تستطع فمستلقیا لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها۔''

''اگر پہلو پر لیٹ کر بھی نہ پڑھ سکو تو سیدھے لیٹ کر پڑھ لو۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی بساط سے زیادہ کا حکم نہیں دیتے۔''

عذر کی حالت میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیٹھ کر نماز ادا فرمائی تھی:

''صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلف ابی بکر فی مرضه الذی مات فیه قاعداً۔'' ③

خطبہ میں قیام کا درجہ نماز میں قیام کے درجے سے بہر حال کم ہے اگر نماز کا ''فرض قیام'' قعود

---

① قدوری باب صلوٰۃ الجمعه

② سنن ابی داؤد ص 137 ج 1 باب فی صلوٰۃ القاعد

③ جامع ترمذی

سے ادا ہو جاتا ہے تو خطبہ کا ''مسنون قیام'' عذر کی بنا پر بحالت قعود کیوں ادا نہیں ہو سکتا؟

یہ بحث اس الزام کو درست تسلیم کرنے کی صورت میں ہے ورنہ جس روایت سے یہ اعتراض کیا جا رہا ہے وہ بجائے خود مشکوک و مشتبہ ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ عذر کی وضاحت بھی موجود ہے:

''کان معاویة استاذن الناس فی الجلوس فی احدی الخطبتین وقال انی کبرت وقدا ردت اجلس احدی الخطبتین فجلس فی خطبة الاولٰی۔ ①

قال: اول خطب قاعداً معاویة قال ثم اعتذر الی الناس ثم قال انی اشتکی قدمی۔''②

عبدالرزاق صاحبِ مصنف کی حقیقت پیچھے ''خطبہ قبل صلوٰۃ عید'' کے تحت گزر چکی ہے۔ پھر اس روایت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معمول تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ لیکن ایک دفعہ پاؤں میں تکلیف کی وجہ سے لوگوں سے معذرت طلب کرتے ہوئے پہلا خطبہ بیٹھ کر دیا اور دوسرا خطبہ بدستور کھڑے ہو کر ہی دیا۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات نقل کی ہے:

''کان معاویة بن ابی سفیان اول ما اعتذر الی الناس فی الجلوس فی الخطبة الاولٰی فی الجمعة ولم یصنع ذلک الا لکبر سنه وضعفه۔''③

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کا پہلا خطبہ بیٹھ کر دیا اور لوگوں سے معذرت بھی کی اور یہ کام ان سے کبرسنی اور ضعف کی بنا پر ہوا۔''

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ بڑھاپا، کبرسنی اور ضعف صرف پہلے خطبے کی حد تک تھا اور دوسرے خطبے میں اس کا اثر زائل ہو جاتا تھا؟ اور کیا اس کے بعد آپ کا ہمیشہ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ وہ پہلا خطبہ قعوداً اور دوسرا قیاماً دیا کرتے تھے؟ آخر یہ کیسا ضعف اور بڑھاپا تھا جو صرف پہلے خطبے کے دوران ہی میں اپنا اثر دکھایا کرتا تھا۔

پھر اس کے بعد کسی روایت میں کوئی صراحت نہیں کہ وہ نمازِ جمعہ کی امامت خود فرماتے تھے یا کسی

---

① مصنف عبدالرزاق ص 188 ج3
② السنن الکبریٰ، ص 197 ج3 کتاب الجمعة قائماً
③ کتاب المعرفة والتاریخ، فسوی ص 479 ج2

نائب کو حکم دیتے تھے اور اگر خود نماز پڑھاتے تھے تو کیا دونوں رکعتوں میں قعود کرتے تھے یا کسی ایک رکعت میں؟......اگر ایک شخص کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے پہلا خطبہ کھڑے ہو کر نہیں دے سکتا (جبکہ خطبہ کا مختصر پڑھنا اس کے آداب میں سے ہے) تو وہ نماز میں قیام پر کیسے قادر ہوگا؟

اس بحث کا حاصل یہی ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کبھی بیٹھ کر خطبہ دیا بھی ہے تو اس کی وہی صورت ہے جو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ پاؤں میں کچھ شکایت ہو جانے کی وجہ سے پہلا خطبہ بیٹھ کر دیا اور عذر رفع ہو گیا تو دوسرا خطبہ حسب معمول کھڑے ہو کر ہی دیا۔ باقی ساری باتیں دشمنانِ صحابہ نے ''زیب داستاں'' کے لیے بڑھا دی ہیں۔

علاوہ ازیں زیر بحث روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگر ایک آدھ دفعہ بیٹھ کر بھی خطبہ دیا تو اس سے پہلے آپ نے لوگوں کے سامنے بیٹھنے کی وجہ بیان کر دی تھی جسے قبول بھی کر لیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس فعل پر نہ اس وقت اور نہ بعد میں کسی نے نکیر کی۔

اس کے برعکس سنن نسائی کی ایک روایت میں ایک واقعہ اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ:

''کعب بن عجرہ کہتے ہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور عبدالرحمن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہے تھے تو انہوں نے کہا:

''انظروا الی هذا یخطب قاعدا'' لوگو! اس کی طرف دیکھو یہ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے۔''[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تو اس قسم کی روایت صحاح میں نہیں پائی جاتی۔ اور چند دیگر کتب (**مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبه وسنن الکبریٰ للبیهقی**) میں موجود بھی ہے تو وہاں عذر کی وضاحت بھی موجود ہے ورنہ عبدالرحمن بن ام الحکم کی طرح ان کے خلاف بھی احتجاج ہوتا۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بیٹھ کر خطبہ دینے کا الزام سرے سے عائد ہی نہیں ہو سکتا۔

---

[1] سنن نسائی ص 207 ج 1۔ قیام الامام

70

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے متعۃ الحج سے منع کیا تھا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حج تمتع سے منع کیا تھا۔ چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''واول من نهى عنه معاوية''

اور سب سے پہلے معاویہ نے متعۃ الحج سے روکا ہے...... عبادت الٰہی سے روکنا اور منع کرنا یہ بھی حکم خداوندی سے بغاوت ہے اور اس قسم کی بغاوتوں سے معاویہ کا اعمال نامہ پُر ہے۔''①

نجفی علیہ ما علیہ کو عبادت سے کیا غرض؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سارا غصہ اس لیے نہیں ہے کہ انہوں نے متعۃ الحج سے منع کیا ہے بلکہ اسے تو اپنا روایتی ''متعہ'' یاد آ گیا ہے جس کا آں محترم کے دور میں تصور تک مٹا دیا گیا تھا۔

حج تمتع، افراد اور قران کی طرح حج کی ایک قسم ہے تمام فقہاء کے نزدیک ان میں سے ہر ایک قسم جائز ہے۔ اختلاف صرف افضلیت میں ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سب سے افضل قران ہے پھر تمتع اور پھر افراد۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک سب سے افضل افراد ہے پھر تمتع پھر قران۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تمتع سب سے افضل ہے جس میں سوق ہدی نہ ہو۔ پھر افراد پھر قران۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

''عن ابن عباس قال تمتع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وابوبكر وعمر وعثمان واول من نهى عنه معاوية۔''②

اور سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

---

① خصائل معاویہ ص 431

② جامع ترمذی کتاب الحج باب ماجاء في التمتع

''یقول ابن عباس هذا معاویة ینهی الناس عن المتعة۔''①

ان روایات کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک جائز امر سے منع کیا ہے۔ معترض اور طاعن کی دانش وفہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''نهی عن المتعة'' کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ بھلا جو امر جائز ہو، سنت ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار فرمایا ہو اور قرآن مجید میں اس کا ذکر ہو تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے کام سے کیونکر روک سکتے ہیں؟

روایت کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمتع سے منع فرماتے تھے بلکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تمتع سے روکا۔ جبکہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے تمتع سے منع کیا۔ جامع ترمذی میں اسی باب میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ:

''فقال الضحاک فان عمر بن الخطاب قد نهی عن ذلک۔''②

''ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بے شک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا تھا''۔

سنن نسائی میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ:

''قال الضحاک: فان عمر بن الخطاب نهی عن ذلک''③

بلکہ نسائی میں اسی مقام پر ایک اور خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں:

''نهی عثمان عن التمتع۔''④

اگر تمتع سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منع کیا ہے تو ان ہی کتب حدیث میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طرف بھی ''نهی عن التمتع'' کا قول منسوب ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معاملے میں متفرد نہیں ہیں۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نهی عن التمتع کا الزام عائد ہو سکتا ہے تو حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اس سے کیونکر مستثنیٰ ہو سکتے ہیں؟

اس سے یہ بات خود بخود ثابت ہوگئی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان ''تمتع'' کی مراد مختلف تھی۔ حج تمتع سے کسی نے بھی منع نہیں کیا تھا اور کر بھی کیسے سکتے تھے کیونکہ ''اصطلاحی تمتع'' کا جواز خود قرآن سے ثابت ہے: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾⑤

① سنن نسائی ص 12 ج 2 کتاب مناسک الحج باب التمتع
② جامع ترمذی کتاب الحج، باب ما جاء فی التمتع
③④ کتاب مناسک الحج باب التمتع ⑤ البقرۃ:196

اوپر یہ بتایا جا چکا ہے کہ فقہاء حج کی تمام اقسام افراد، تمتع اور قران کے جواز پر متفق ہیں تاہم ان کے مابین افضلیت کا اختلاف ہے۔ اور یہی اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی تھا۔ ائمہ مجتہدین نے اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اپنے اپنے ذوق کے مطابق خوب توجیہات کی ہیں جو شروحات میں دیکھی جا سکتی ہیں بالخصوص اعلاء السنن جلد نمبر 10 باب افراد الحج و العمرۃ (یہاں ان کے نقل کرنے کا موقع نہیں ہے)

ان ابحاث وتوجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ جن روایات میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے نہی عن التمتع منقول ہے ان میں ''فسخ الحج الی العمرہ'' مراد ہے۔ جس کا جواز حجۃ الوداع کے ساتھ خاص تھا (لیکن بعض کے نزدیک یہ حکم عام اور سب کے لیے تھا جو اختلاف کا باعث ہوا) ورنہ اصطلاحی تمتع کے جواز میں کسی کو کوئی شبہ نہ تھا۔

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد بھی حج تمتع سے روکنا نہ تھا بلکہ اس میں ''نہی عن التمتع'' سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک فتویٰ کا ردّ تھا جو اس بات کے قائل تھے کہ:

''من جاء مهلا بالحج فان الطواف بالبيت يصيره الى عمرة شاء او ابى''

یعنی جو شخص حج افراد کا احرام باندھ کر آئے تو طواف بیت اللہ سے فسخ الحج الی العمرہ ہو جائے گا وہ چاہے یا نہ چاہے۔

جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ مشہور ہوا اور اس کی وجہ سے لوگوں میں اضطراب پیدا ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کے لیے لوگوں پر زور دیا کہ وہ صرف حج افراد کا احرام باندھیں اور عمرہ کو اس کے ساتھ جمع نہ کریں، نہ بصورت قران اور نہ بصورت تمتع۔ ان کا مقصود تمتع یا قران سے روکنا نہ تھا بلکہ اس مسئلے کو واضح کرنا تھا کہ بغیر عمرہ کے حج افراد بلا کراہت درست ہے۔ ①

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''نہی عن التمتع'' کا الزام لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

① اعلاء السنن، شیخ ظفر احمد عثمانی ص 270 ج 10، باب افراد الحج و العمرۃ

71

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی رعیت ناراض تھی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ تمام خلفاء میں سب سے پہلے ان کی رعیت ان سے ناراض ہوئی۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''سب سے اول رعیت آپ (معاویہ) ہی سے ناراض ہوئی اس سے قبل کسی خلیفہ سے رعیت ناخوش نہیں ہوئی۔''①

معلوم نہیں کہ موصوف کو یہ اطلاع کن ذرائع سے حاصل ہوئی۔ اور تعجب اس پر ہے کہ انہوں نے ایک مفسر، ایک محدث اور ایک مورخ ہوتے ہوئے اس بات پر کس طرح یقین کرلیا۔

موصوف ایک کثیر التصانیف بزرگ ہیں اور تقریباً ہر علم وفن میں ''مجتہدانہ'' شان رکھتے ہیں۔ لیکن تصحیح حدیث میں بہت ''متساہل'' اور علوم حدیث میں ''حاطب اللیل'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کی کتب ''الاتقان، الدر المنثور اور الخصائص الکبریٰ'' ہر قسم کی رطب ویابس احادیث کا مجموعہ ہیں۔ اپنی کتاب ''الجامع الصغیر'' کی ابتدا میں خود یہ تحریر کیا ہے کہ اس کتاب میں کسی کذاب یا وضاع کی حدیث نقل نہیں کروں گا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس میں بہت سی موضوع احادیث بھی نقل کر دیں۔ یہاں تک کہ ان میں بعض احادیث ایسی بھی ہیں جنہیں خود علامہ سیوطی نے ''اللآلی المصنوعہ'' میں موضوع قرار دیا ہے۔ فن تفسیر، حدیث اور فقہ میں جس شخص کا یہ حال ہو تو ''تاریخ'' میں اس کا کیا حال ہوگا؟

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''والجهاد فی بلاد العدوّ قائم وکلمة الله عالیة والغنائم ترد الیه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو۔''②

① تاریخ الخلفاء اردو ص 295، تحت اولیات امیر معاویہ
② البدایہ والنہایہ ص 119 ج 8

''عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں دشمنوں کے ممالک میں جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ بلند رہا اور اطراف واکناف سے غنائم کی ریل پیل جاری رہی اور مسلمان (رعیت) ان کے زیر سایہ راحت وعدل اور عفو ودرگزر کی زندگی بسر کرتے رہے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کان سیرۃ معاویۃ مع رعیتہ من خیار امیر الولاۃ وکانت رعیتہ یحبونہ وقد ثبت فی الصحیحین عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم۔''[1]

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی رعیت کے ساتھ برتاؤ اور سلوک ایک بہترین حکمران کا سا برتاؤ تھا۔ آپ کی رعایا آپ کے ساتھ محبت کرتی تھی اور صحیحین (بخاری ومسلم) میں یہ حدیث ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے حکمرانوں میں سے سب سے بہتر حکمران وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے، اور تم ان کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے مدبر اور صاحب بصیرت خلیفہ تھے امن پسند رعایا کے ساتھ ان کا سلوک نہایت مشفقانہ تھا۔ رعایا پر نرمی اور سختی کے متعلق ان کا اصول بقول ایک شیعہ مورخ یہ تھا کہ:

''لا اضع سیفی حیث یکفینی سوطی ولا اضع سوطی حیث یکفینی لسانی ولو ان بینی وبین الناس شعر ما انقطعت قیل وکیف یا امیر المومنین؟ قال کانوا اذا مدوھا خلیتھا واذا خلوھا مددتھا وکان اذا بلغہ عن رجل ما یکرہ قطع لسانہ بالاعطاء۔''[2]

''جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا۔ اور جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا۔ لوگوں نے پوچھا امیر المومنین یہ کیسے؟ فرمایا جب وہ لوگ اس کو کھینچیں

---

① منہاج السنہ ص 189 ج 2
② الفخری ص 95

تو میں ڈھیل دے دوں اور جب وہ ڈھیل دیں تو میں کھینچ لوں۔ اور جب کسی آدمی کی کوئی ناگوار بات معلوم ہوتی تھی تو عطایا و ہدایا کے ذریعے سے اس کی زبان بند کر دیتے تھے۔''

یہی اثناعشری شیعہ مورخ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دنیوی معاملات میں بہت ہی دانا تھے۔ فرزانہ و عالم تھے۔ حلیم و باجبروت حکمران تھے۔ سیاست میں کمال حاصل تھا اور دنیوی معاملات کو سلجھانے کی اعلیٰ استعداد رکھتے تھے۔ فصیح و بلیغ تھے۔ حلم کے موقع پر حلم اور سختی کے موقع پر سختی بھی کرتے تھے لیکن حلم بہت غالب تھا۔

ایک عادل اور کامیاب حکمران کے لیے رعایا کی شکایات سننا اور اس کی دادرسی کرنا نہایت ضروری ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں اتنا اہتمام تھا کہ وہ روزانہ مسجد میں بیٹھ کر عام رعایا کو بلا استثناء آزادی سے اپنی شکایات پیش کرنے کا موقع دیتے تھے۔''

ایک متعصب شیعہ معتزلی مورخ مسعودی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شب و روز کے معمولات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''پھر وہ گھر سے نکلتے ...... مسجد کی دیوار کے ساتھ کرسی پر بیٹھ جاتے ...... تو ان کے سامنے مقدمات پیش ہوتے۔ اس میں کمزور و ناتواں، دیہاتی، بچے، عورتیں، لاوارث سب پیش کیے جاتے۔ ان میں سے کوئی کہتا مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ حکم دیتے اس کو عزت دو اور اس کا تدارک کرو۔ اور کوئی کہتا مجھ پر زیادتی ہوئی ہے وہ کہتے اس کے ساتھ کسی کو تحقیقات کے لیے بھیج دو......''①

شیعہ مورخ جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ:

''مجموعی طور پر حضرت معاویہ کی حکومت اندرون ملک بڑی خوش حال اور پرامن تھی اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بڑی کامیاب تھی۔''②

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رعایا کی بہتری اور دیکھ بھال کے لیے ہر قبیلہ میں سے ایک شخص متعین کیا

---

① مروج الذهب ص 423 ج 2

② بحوالہ حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق ص 252

جو روزانہ گشت کر کے ان کے مسائل و حالات معلوم کرتا کہ ''کیا تمہارے قبیلے میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ کیا رات کو کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا؟ کیا کوئی مہمان تو نہیں ٹھہرا؟ پھر ان کے نام لکھ کر بیت المال سے وظیفہ جاری کر دیا جاتا تھا۔①

غیر مسلم رعایا کے ساتھ بھی ان کا سلوک نہایت مشفقانہ اور عادلانہ تھا انہیں بعض ذمہ دار حکومتی مناصب پر بھی فائز کیا۔ اور ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کا ہر طرح خیال کرتے تھے۔ نیز ان کے مذہبی مراسم میں بھی کبھی دست اندازی نہیں کی ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ''یوحنا'' گرجے کے پاس ایک مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گرجے کو مسجد میں شامل کرنا چاہا لیکن عیسائیوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تو انہوں نے بھی اپنا ارادہ ترک کر دیا۔②

حکومتی ضرورت کے تحت ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وردان (مولیٰ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) کی طرف لکھا کہ قبطی قوم کے ہر فرد پر ایک قیراط کا اضافہ کر دیں۔ وردان نے جواباً لکھا کہ:

''**کیف ازید علیهم وفی عهدهم ان لا یزاد علیهم**'' میں کیسے اضافہ کر سکتا ہوں جبکہ معاہدہ میں یہ بات درج ہے کہ ان پر ٹیکس نہیں بڑھایا جائے گا۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حکم واپس لے لیا اور ان کے ساتھ مزید رواداری کے ساتھ پیش آئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے حقوق کی بھی رعایت کرتے ہوئے ان کے خورونوش اور سردیوں اور گرمیوں کی مناسبت سے صحیح لباس مہیا کرنے کی ہدایات جاری کیں۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے خلیفہ ہارون الرشید رحمہ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

خلفاء قیدیوں کے ان حقوق کا ہمیشہ خیال رکھتے رہے۔

''**واول من فعل ذلک علی بن ابی طالب کرم الله وجهه بالعراق ثم فعله معاوية بالشام۔**''③

''سب سے پہلے عراق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ قدم اٹھایا پھر شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

① منہاج السنہ ص 185 ج3
② فتوح البلدان، بلاذری ص 131
③ کتاب الخروج، امام ابو یوسف ص 150

نے اس پر عمل جاری رکھا۔''

رعایا کے ایک فرد عبدالرحمن بن زید نے ایک قطع زمین کے تنازع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف قاضی فضالہ بن عبید انصاری رحمہ اللہ کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ سماعت کے بعد قاضی موصوف نے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور عبدالرحمن بن زید رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

''فنقبل ما قلت '' ہمیں آپ کا فیصلہ قبول ہے۔ ①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسی طرز عمل کی بنا پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یکے از عشرہ مبشرہ فرمایا کرتے تھے:

''ما رأيت احداً بعد عثمان اقضى بحق من صاحب هذا الباب يعني معاوية۔ ''②

''میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق کو پورا کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔''

مشہور فاضل سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ کی خدمت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ان کے عدل وانصاف کا تذکرہ ہوا تو انہوں نے فرمایا:

''كيف لو ادركتم معاوية؟ قالوا في حلمه؟ قال لا والله بل في عدله۔ ''③

''اگر تم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو پالیتے تو تمہیں فرق معلوم ہو جاتا۔ سامعین نے کہا ان کی بردباری کے متعلق؟ فرمایا: نہیں اللہ کی قسم! ان کے عدل وانصاف کے متعلق۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تقریباً بیس سال تک بحیثیت گورنر اور بیس سال تک ہی بحیثیت خلیفہ اپنے فرائض سرانجام دیئے۔ تقریباً پینسٹھ لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی وسیع سلطنت میں کسی صوبہ، کسی شہر اور کسی قریہ میں رعایا نے کبھی ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے کسی گورنر کے خلاف بھی کبھی کوئی تحریک نہیں چلی اور نہ کبھی کوئی شورش ہی اٹھی۔

پھر شورش کے اٹھنے کو بھی رعیت کی ناراضی کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف

---

① انساب الاشراف، بلاذری ص 112
② البدایہ والنہایہ ص 133 ج 8
③ منہاج السنہ ص 185 ج 3

شورش نہیں اٹھی؟ کیا ان سے اوران کے گورنروں سے ''رعایا'' راضی تھی؟ کیا ان کا محاصرہ نہیں کیا گیا؟ کیا ان کی رعایا نے انہیں انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید نہیں کیا؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف شورشیں نہیں اٹھیں؟ کیا انہیں بھی ان کی رعایا نے شہید نہیں کیا؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کی رعایا نے سازش نہیں کی؟ کیا ان کی رعایا نے انہیں شہید نہیں کیا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ معلوم نہیں کہ پھر ان کی رعایا کی ناراضی کا علم جناب سیوطی کو کیسے ہو گیا؟ اور آں محترم پر کس طرح یہ الزام عائد کر دیا گیا کہ سب سے پہلے رعیت ان ہی سے ناراض ہوئی تھی اور ان سے قبل کسی خلیفہ سے رعیت ناخوش نہیں تھی۔

البتہ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ آں محترم سے ایک طبقہ ضرور ناراض تھا۔ اور اس کی ذریت بھی آج تک مسلسل ناراض ہی چلی آ رہی ہے۔ جنہیں مسلمانوں کا اتحاد ناگوار تھا، جو خلافت کو غیر مستحکم کرنا چاہتے تھے، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر علانیہ تبرا کرتے تھے، جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے تھے اور جو اسلام کی نشر و اشاعت اور ترقی کو کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس طبقہ کو نہ صحابہ رضی اللہ عنہم راضی کر سکے اور نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ...... بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اعلان فرما دیا:

﴿وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ ①

اور ہرگز خوش نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی یہاں تک کہ آپ پیروی کرنے لگیں ان کے دین کی۔

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ ②

ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو۔

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ طبقہ کیوں کر راضی ہو سکتا تھا؟ اس لیے ''دل کھول'' کر ان کے خلاف اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی جس سے کچھ ''اہل سنت'' بھی متاثر ہو گئے۔

① البقرة:120
② المائدہ:82

72

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کا الزام

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مسند احمد کی ایک روایت کے حوالے سے یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ شراب پیتے اور پلاتے تھے۔ سید مہر حسین بخاری نے ''سیاست معاویہ رضی اللہ عنہ'' ص 113 پر اور غلام حسین نجفی نے ''خصائل معاویہ'' ص 391 پر یہ روایت نقل کی ہے۔ محمود شاہ محدث ہزاروی نے بھی مذکورہ روایت کی فوٹوسٹیٹ عدالت میں پیش کی۔ وہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

''حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا زید بن الحباب حدثنی حسین حدثنا عبداللہ بن بریدہ۔ قال دخلت انا و ابی علی معاویۃ فاجلسنا علی الفرش ثم اتینا بالطعام فاکلنا ثم اتینا بالشراب فشرب معاویہ ثم ناول ابی ثم قال ما شربتہ منذ حرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال معاویۃ کنت اجمل شباب قریش و اجودہ ثغرا و ماشیء کنت اجد لہ لذۃ کما کنت اجدہ و انا شاب غیر اللبن او انسان حسن الحدیث یحدثنی۔''①

''عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے ہمیں فرشی قالین پر بٹھایا۔ پھر ہمارے لیے کھانا لایا گیا ہم نے کھایا۔ پھر شراب لائی گئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے پیا، پھر میرے والد کو (جام شراب) پکڑایا۔ پھر انہوں نے کہا کہ جب سے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے میں نے نہیں پی۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نوجوانانِ قریش میں زیادہ خوبصورت اور خوش طبع تھا۔ میں عالم شباب میں دودھ اور ایسے انسان سے جو مجھ سے عمدہ گفتگو کرے زیادہ لذت والی چیز کوئی اور نہیں پاتا تھا۔''

اس روایت کی بنا پر ایک جلیل القدر صحابی رسول، کاتب وحی اور خلیفۃ المسلمین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کا الزام عائد کیا جاتا ہے جبکہ یہ روایت سنداً، متناً، روایتاً اور درایتاً صحیح نہیں ہے۔

① مسند احمد بن حنبل ص 347 ج 5

اولاً: ''فشرب معاوية ثم ناول ابی ثم قال ما شربته منذ حرمه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شراب پی پھر میرے والد کو پیش کی پھر کہا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کی ہے میں نے نہیں پی۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اگر ''ثم ناول ابی'' کے بعد ''ثم قال'' کا فاعل ''ابی'' یعنی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا جائے (کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں شراب پیش کی تو انہوں نے کہا کہ میں نے جب سے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے نہیں پیا) تو ''ثم قال'' کا استعمال نحواً غلط ہے اسے ''فقال'' ہونا چاہیے تھا اس سے معلوم ہوا کہ ''ثم قال'' کا فاعل ''ابی'' نہیں ہے بلکہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ثانیاً: پھر یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف روایت یہ بتا رہی ہے کہ انہوں نے شراب پی...... دوسری طرف پینے والا خود اعلان کر رہا ہے کہ میں نے اسے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے نہیں پیا۔ یعنی پی بھی رہے ہیں اور انکار بھی کر رہے ہیں۔ اس سے روایت کا تناقض اور تعارض ثابت ہو رہا ہے۔ اگر شرب خمر کا اقرار کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ''ثم قال ما شربته...'' کے الفاظ کسی راوی کا اضافہ اور الحاق وادراج ہے۔

ابن ابی شیبہ (متوفی 235ھ) اور حافظ نور الدین علی بن ابی بکر رحمہ اللہ (متوفی 807ھ) کی روایت میں یہ الفاظ نہیں پائے جاتے جبکہ دونوں جگہ عبداللہ بن بریدہ ہی راوی ہیں۔

حافظ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ:

''وفی کلام معاویہ شیء ترکته'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام میں کچھ حصہ میں نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اس میں زیادتی پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے اسے ترک کیا گیا ہے:

''عن عبدالله بن بریدة قال دخلت انا و ابی علٰی معاویة فاجلسنا علی الفراش ثم اتینا بالطعام فاکلنا ثم اتینا بالشراب فشرب معاویه ثم ناول ابی ثم قال معاویة کنت اجمل شباب قریش... وفی کلام معاویة شیء ترکته۔''①

''حدثنا عبدالله بن بریدة قال دخلت مع ابی علٰی معاویه فاجلس ابی علی السریر واوتی بالطعام واطعمنا واوتی بشراب فشرب فقال معاویة ما شیء کنت استلذه

① مجمع الزوائد ص 42 ج 5 کتاب الاطعمه

وانا شاب فاخذه اليوم الا اللبن فانی اخذه كما اخذه قبل اليوم والحديث الحسن''①

ثالثاً: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ''ثم قال ما شربته... ''کسی راوی کا الحاق اور ادراج ہے تو پھر یہ بات حل طلب ہے کہ کھانے کے بعد محفل میں ''واوتی بشراب'' یا ''اتینا بشراب'' میں لفظ ''شراب'' سے کیا چیز مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ لفظ اردو زبان کا نہیں جو عام طور پر ''خمر حرام'' کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے...... تو لغت عربی میں اس کے معنی یہ ہیں:

''الشراب'' ہر ایک ایسی چیز جو پی جاتی ہو۔ اس کی جمع ''اشربه'' ہے یعنی کھانے کے بعد کوئی پینے کی چیز لائی گئی۔ جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیا...... پھر وہ مشروب میرے والد کو پکڑایا...... اس کے بعد کیا ہوا؟ اس کا روایت میں کوئی ذکر نہیں...... کیا حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسے پیا ہے یا نہیں؟

رابعاً: اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مجمع الزوائد کی روایت میں یہ جملہ موجود نہیں ہے۔ لیکن مسند احمد کی زیر بحث روایت میں موجود ہے اور اگر اسے ادراج راوی نہ سمجھا جائے تو قواعد کی رو سے اس قول کے ''ابی'' یعنی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ قائل (کہنے والے) نہیں ہو سکتے لازماً اس کے قائل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہوں گے تو اس طرح روایت کے مفہوم میں تعارض پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ تعارض اس توجیہ سے رفع ہو سکتا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مشروب حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو دیا تو ان کا کیا رد عمل تھا؟ کیا انہوں نے اسے پیے بغیر واپس کر دیا تھا؟ کیا انہوں نے اس پر کسی ناراضی کا اظہار کیا تھا؟ کیا انہوں نے حرمت خمر کی آیات و احادیث پڑھ کر سنائی تھیں؟ کیا انہوں نے ''نهی عن المنكر'' کا فریضہ ادا کیا تھا؟ کیا انہوں نے اس مجلس سے احتجاجاً واک آؤٹ کیا تھا؟ کیا انہوں نے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس فعل سے آگاہ کیا تھا؟

ان تمام امور کی کوئی وضاحت نہیں ہے بلکہ قرائن سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے پی کر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو دیا تو انہوں نے بھی پیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وضاحت کر دی کہ ''ما شربته منذ حرمه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم'' جس شراب کو رسول

① مصنف ابن ابی شیبہ ص 94، 95 ج 11 تحت ماذکر من حديث الامراء والدخول عليهم

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے اسے میں نے کبھی استعمال نہیں کیا۔ اس توجیہ سے نہ ادراجِ راوی تسلیم کرنا پڑتا ہے اور نہ عبارت ہی میں کسی قسم کا کوئی تناقض و تعارض پیدا ہوتا ہے۔

خامساً: اس محفل میں جو مشروب پیا گیا کیا وہ ''اصطلاحی شراب'' تھی یا وہ مشروب تھا جس کا جواز ثابت ہے۔

شراب کی مختلف اقسام ہیں مثلاً گندم، جو، انگور اور کھجور سے تیار کردہ شراب۔ احناف کے نزدیک انگور سے تیار کی گئی نشہ آور شراب حرام ہے۔ دوسری شرابوں میں اگر سکر کی حد تک نہ پی جائے تو جواز کا قول ہے۔ اس دور میں نبیذ کا رواج تھا اور یہ پھلوں منقیٰ اور شہد سے تیار کی جاتی تھی جو شرعاً حلال تھی۔

حضرت بریدہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے طریق الری میں ''خمر'' یعنی شراب پی۔

اسی روایت میں آگے یہ وضاحت موجود ہے کہ:

''قال ابو الفضل اهل المدينة ومكة يسمون النبيذ خمرا والذى عندنا انه راى بريدة يشرب نبيذا فى طريق الرى فقال رأيته يشرب خمرا۔''

''ابو الفضل کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اور اہل مکہ نبیذ کو خمر سے موسوم کرتے تھے اور ہمارے نزدیک حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو طریق الری میں نبیذ پیتے دیکھا گیا ہے تو اسے راوی نے یوں بیان کیا کہ میں نے انہیں ''خمر'' پیتے ہوئے دیکھا ہے اور ابو الفضل نے اس کی وضاحت کی کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے ''خمر'' کا استعمال نہیں کیا بلکہ نبیذ پی جسے راوی نے خمر کا نام دیا ہے۔''

مگر مسند احمد کی روایت میں تو ''خمر'' کا لفظ ہی نہیں۔ وہاں صرف شراب کا لفظ آیا ہے (اتينا بشراب) اور اس شراب سے ''خمر'' (جو حرام ہے) کوئی دشمن صحابہ ہی مراد لے سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض خمر کا لفظ بھی موجود ہوتا تو اس سے اہل مکہ اور اہل مدینہ کی اصطلاح کے مطابق نبیذ ہی مراد لی جاتی۔

سادساً: اگرچہ زیر بحث روایت میں شراب کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس سے ''خمر'' مراد لی ہی نہیں جاسکتی کیونکہ قطع نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے، ایک عام دنیوی حکمران جو شراب کا عادی بھی ہو، برسر محفل ''شراب'' نہیں پی سکتا۔ چہ جائیکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا عظیم سیاست دان

اس کا ارتکاب کرے جن کے تدبر کے دشمن بھی قائل تھے۔

علاوہ ازیں شارحین حدیث نے ''شراب'' سے ''نبیذ'' مراد لی ہے چنانچہ شارح مسند احمد بن حنبل، احمد عبدالرحمن البنّا الساعاتی رحمہ اللہ (متوفی 1351ھ) لکھتے ہیں کہ:

''یحتمل ان هذا الشراب کان من النبیذ الماخوذ من غیر العنب وان معاویة شرب منه قدراً لا یسکر وقد روی عن ابی بکر وعمر وبه قال ابو حنیفة ان ما اسکر کثیره من غیر العنب یحل ما لا یسکر منه ''①

''اس بات کا احتمال ہے کہ جو شراب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے استعمال کی وہ ''نبیذ'' ہو جو انگور کے سوا کسی اور چیز سے بنائی گئی ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مقدار میں پیا ہو جو ''سکر'' پیدا نہیں کرتا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ انگور کے سوا کسی چیز کی بنی ہوئی شراب اس قدر پینا حلال ہے جس سے نشہ نہ آئے۔''

سابعاً: اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی ہے کہ انگور کے سوا کسی اور چیز سے تیار کی گئی شراب (نبیذ) اس مقدار میں استعمال کرنا جس سے نشہ نہ آتا ہو حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زیر بحث روایت میں ''شراب'' کے لفظ سے بشرط صحت روایت نبیذ مراد لی گئی ہے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تو صرف اس کا جواز مروی ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ اور حسن بصری رحمہما اللہ سے تو نبیذ کا استعمال اور پینا ثابت ہے:

(1) ''عن موسیٰ بن طریف عن ابیه قال وکان علی بیت مال علی ابن ابی طالب ان علیا شرب نبیذا اجرة خضراء۔''②

''موسیٰ بن طریف اپنے والد (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیت المال کے نگران تھے) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سبز رنگ کے گھڑے (مٹکے) سے نبیذ پیا۔''

① الفتح الربانی شرح مسند احمد بن حنبل الشیبانی ص 115 ج 17
② طبقات ابن سعد ص 171 ج 7 تحت طریف

(2)''عن منذر الثوری عن ابن الحنفیة انه کان یشرب نبیذا۔''①

''منذر ثوری رحمہ اللہ ابن حنفیہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبیذ نوش کیا کرتے تھے۔''

(3)''حدثنا ابو العریان خالد بن بسیط قال دعینا الی دعوۃ فیھا الحسن البصری فاکلنا فاتی نبیذ فشرب الحسن و شربنا۔''②

''ابو العریان خالد بن بسیط کہتے ہیں کہ ہمیں ایک کھانے کی دعوت دی گئی اس میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بھی شریک تھے۔ ہم نے کھانا کھایا پھر نبیذ لائی گئی تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور ہم نے اسے پیا۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ اس دور میں دعوتِ طعام کے بعد نبیذ کا استعمال بطور مشروب ہوا کرتا تھا جس کی شرعاً اجازت تھی اگر حضرات ابوبکر، عمر، علی رضی اللہ عنہم، محمد بن حنفیہ، حسن بصری اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ پر نبیذ کے استعمال اور جواز کے فتویٰ سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیوں کر موردِ الزام ٹھہرائے جا سکتے ہیں؟

علاوہ ازیں مسند احمد کی روایت کی سند میں بھی چند راوی ایسے ہیں جو نا قابل اعتبار ہیں...... ملاحظہ فرمائیں:

زیر بحث روایت کے تین راویوں (زید بن حباب، حسین بن واقد اور عبداللہ بن بریدہ) کے متعلق کتب اسماء الرجال میں نقد پایا جاتا ہے۔

(1) زید بن حباب: امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''قال ابن معین احادیثہ عن الثوری مقلوبۃ و قال احمد صدوق کثیر الخطاء۔''③

''ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی امام ثوری رحمہ اللہ سے بیان کردہ احادیث میں تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ سچا تو ہے لیکن غلطیاں زیادہ کرتا ہے۔''

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''زید بن حباب کے بارے میں نباتی نے الحافل میں ذکر کیا اور کہا کہ وہ ابو معشر سے

①طبقات ابن سعد ص 85 ج5 تحت محمد بن حنفیہ
②کتاب الکنی، دولابی ص 30 ج2 تحت کنیت ابو العریان
③میزان الاعتدال ص 362 ج1

روایت کرتا ہے "یخالف فی حدیثه" اور اس کی حدیث میں مخالفت کرتا ہے۔ نبانی یعنی ابن حبان کہتے ہیں کہ "وفیه نظر" اور اس میں کلام کیا گیا ہے۔"①

"کان کثیر الخطاء" بکثرت غلطیاں کرتا ہے۔ "یعتبر حدیثه اذا روی عن المشاهیر واما روایته عن المجاهیل ففیها مناکیر" جب وہ مشاہیر سے روایت کرے تو وہ معتبر ہوگی اور اس کی مجاہیل سے روایت میں "مناکیر" ہیں۔

(2) حسین بن واقد مروزی: امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"واستنکر احمد بعض حدیثه وحرک راسه کانه لم یرضه لما قیل انه روٰی هذا الحدیث۔"②

"امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی بعض احادیث کو منکر بتایا ہے اور سر جھٹک کر کہا کہ وہ اس سے راضی نہیں، جب ان سے کہا گیا کہ یہ حدیث حسین بن واقد نے روایت کی ہے۔"

عقیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"ذکر ابو عبداللہ حسین بن واقد فقال واحادیث حسین ما اری ای شیء هی ونفض یده۔"③

"ابو عبداللہ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس حسین بن واقد کا ذکر ہوا تو انہوں نے کہا کہ حسین بن واقد کی احادیث کیا چیز ہیں؟ اور اپنے ہاتھ کو جھاڑ دیا یعنی اس کی مرویات کا کوئی اعتبار نہیں"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ مرو کا قاضی اور اچھے لوگوں سے تھا۔ بسا اوقات روایات میں غلطی کر جاتا ہے۔

عقیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو منکر کہا...... اور اثرم نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس کی احادیث میں زیادتی پائی جاتی ہے۔

① لسان المیزان ص 503 ج 2
② میزان الاعتدال ص 257 ج 1
③ الضعفاء الکبیر عقیلی ص 251 ج 1 تحت حسین بن واقد المروزی

''ما ادری ای شیء هی و نفض یده''①

''میں نہیں جانتا وہ کیا چیز ہے؟ اور اپنا ہاتھ جھاڑ دیا۔''

(3) عبداللہ بن بریدہ: احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ عبداللہ نے اپنے باپ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے سماعت کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ جو عام روایتیں اپنے والد سے بیان کرتا ہے میں ان کو نہیں جانتا۔ اور اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیا...... ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ عبداللہ اپنے بھائی سلیمان سے اتم ہے لیکن ان دونوں نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا۔ اور عبداللہ جو احادیث اپنے باپ سے بیان کرتا ہے وہ منکر ہیں۔②

زیر بحث روایت کے راویوں کے متعلق مذکورہ بالا اقوال سے بھی یہ واضح ہو گیا ہے کہ اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ اس قسم کی روایت سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ پر الزام عائد کیا جا سکتا ہے۔

مزید براں درایتاً بھی اس روایت کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''شرب خمر'' کا الزام لغو اور باطل ہے کیونکہ:

اولاً: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی، کاتب وحی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی، مجاہد فی سبیل اللہ، حامل بشارت جنت و مغفرت، متبع کتاب و سنت اور مواخذۂ قیامت سے ہر وقت لرزہ براندام رہنے والے تھے۔③

جس شخص کا فکر آخرت اور خشیت الٰہی سے یہ حال ہو کیا وہ علانیہ برسر محفل شراب پی سکتا ہے؟

ثانیاً: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کتب حدیث میں شراب کی حرمت پر کئی احادیث مروی ہیں۔ ابن ماجہ نقل کرتے ہیں کہ:

''یعلی بن شداد بن اوس سے روایت ہے کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''کل مسکر حرام علی کل مومن''④

---

①تهذیب التهذیب ص 374 ج2 تحت حسین بن واقد

②حوالہ مذکور ص 185 ج5 تحت عبداللہ بن بریدہ

③جامع ترمذی باب ماجاء فی الریاء والسمعه

④سنن ابن ماجه ص 251، ابواب الاشربه باب کل مسکر حرام

''ہر نشہ آور چیز ہر مومن پر حرام ہے۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

''عن معاویة قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فاجلدوہ فان عاد فاجلدوہ فان عاد الرابعة فاقتلوہ۔ ''①

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جو شراب پیے اس کو کوڑے لگاؤ۔ پھر پیے تو پھر اس پر حد لگاؤ۔ پھر اس کا اعادہ کرے تو پھر اسے کوڑے لگاؤ۔ اور اگر چوتھی مرتبہ پیے تو اسے مار ڈالو۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''شرب خمر'' کے بارے میں یہ نظریہ و اعتقاد ہے اور اسی مسند احمد بن حنبل میں منقول ہے:

حیرت ہے کہ دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو غیر ثقہ، غیر معتبر اور کذاب رواۃ کی ایک مبہم، غیر واضح اور سنداً و متناً و روایتاً و درایتاً غلط روایت تو نظر آجاتی ہے اور آں موصوف کا اپنا یہ واضح اور غیر مبہم قول نظر نہیں آتا۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کا الزام لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

① مسند احمد بن حنبل ص 93 ج 4 تحت حدیث معاویہ

73

حضرت معاویہ ؓ ریشمی لباس پہنتے تھے

شیعہ مصنف ڈاکٹر نور حسین جعفری سیالوی لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ ریشمی لباس پہنا کرتا تھا جس کو جناب رسول خدا ﷺ نے مردوں پر حرام کر دیا تھا۔''①

سنن ابی داود کی ایک روایت کے حوالے سے بھی حضرت معاویہ ؓ پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے...... حضرت مقدام بن معدی کرب ؓ کی طویل روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ ؓ سے کہا:

''فانشدک باللہ ھل سمعت رسول اللہ ﷺ نھی عن لبس الحریر قال نعم . . . قال فو اللہ لقد رایت ھذا کلہ فی بیتک۔''②

''میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشمی لباس پہننے سے منع کیا تھا...... فرمایا...... ہاں...... حضرت مقدام ؓ نے کہا پھر اللہ کی قسم اے معاویہ! میں یہ سب کچھ تمہارے گھر میں دیکھتا ہوں۔''

یہ طویل روایت پیچھے ''وفاتِ حسن ؓ پر حضرت معاویہ ؓ کا اظہارِ مسرت'' کے تحت گزر چکی ہے۔ وہاں تفصیل کے ساتھ بتا دیا گیا تھا کہ یہ روایتاً و درایتاً غلط ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی بقیہ بن ولید ہے۔ یہ جس راوی سے ''عن'' کے ساتھ روایت کرے تو محدثین اس کا اعتبار نہیں کرتے۔

امام ذہبی ؒ لکھتے ہیں کہ:

''**فاذا قال عن فلیس بحجۃ**'' جب وہ ''عن'' سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں ہے۔

ابو حاتم ؒ کہتے ہیں کہ:

① ثبوت خلافت ص 295 ج 2

② سنن ابی داؤد ص 214 ج 2 کتاب اللباس فی جلود النمور

''لا یحتج به'' اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔

ابو مسہر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

''احادیث بقیة لیست نقیه فکن منها علی تقیة'' بقیہ کی احادیث صاف ستھری نہیں ان سے بچ کر رہنا چاہیے۔

ابن خزیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

''لا احتج ببقیة''

''میں بقیہ کی روایت سے سند نہیں لیتا۔''①

امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

''اجمعوا علی ان بقیة لیس بحجة'' محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بقیہ قابل حجت اور قابل استدلال نہیں ہے۔②

حافظ منذری رحمہ اللہ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اس روایت کی سند میں جناب بقیہ بن ولید ہیں جن پر جرح کی گئی ہے۔''③

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے مگر اس میں قابل اعتراض جملہ موجود نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی راوی کا ادراج والحاق ہے۔④

علی سبیل التنزل اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ اور مجتہد فیہ ہے۔ جس کی وجہ سے کسی کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ریشمی کپڑے پر بیٹھنا، ریشمی تکیہ اور پردوں کے لیے اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے۔

زیر بحث روایت کے اس قابل اعتراض جملے کے تحت مولانا فخر الحسن صاحب لکھتے ہیں کہ:

''قال ابو حنیفة لا باس بافتراش الحریر والنوم علیها وکذا الوسادة والمرافق

---

①میزان الاعتدال تحت بقیہ بن الولید

②تھذیب التھذیب، ابن حجر ص 478 ج1۔ الکامل ابن عدی ص 504 ج2 تحت بقیہ بن الولید

③مختصر سنن ابی داؤد، منذری ص 70 ج2

④السنن الکبریٰ، بیھقی ص 277 ج3

والبسط والستور اذا لم یکن فیھا تماثیل . . .''①

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ریشم کے بچھونے اور اس پر سونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح ریشم کے تکیے، بچھونے اور پردے میں بشرطیکہ ان میں تصاویر نہ ہوں کوئی حرج نہیں ہے۔''

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے براہِ راست حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ریشم پہننے کا کوئی الزام نہیں لگایا۔ صرف اتنا کہا کہ یہ سب میں آپ کے گھر میں دیکھتا ہوں۔ اور اس میں بھی کوئی صراحت نہیں ہے کہ گھر سے مراد کیا ہے؟ کیا عورتیں ریشم استعمال کرتی ہیں؟ کیا یہ ناجائز ہے؟ کیا گھر کے دیگر افراد اسے استعمال کرتے ہیں؟ کیا بچھونے، تکیے اور پردوں میں استعمال ہوتا ہے؟ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے گھر میں کیسے دیکھ لیا؟ جس محفل میں تشریف فرما ہیں وہاں تو انہیں کوئی قابل اعتراض چیز نظر نہیں آئی؟ روایت میں ان امور کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔

اگر بالفرض انہیں کسی معتبر ذریعے سے معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے گھر میں ریشم استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد بچھونے، تکیے اور پردے بھی تو ہو سکتے ہیں۔ اس روایت میں تو حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ یہ سب کچھ میں آپ کے گھر میں دیکھتا ہوں۔ لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت میں ایک خاتون حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہتی ہے:

''مجھے خبر ملی ہے کہ تم گودنے والی، گدوانے والی، چہرے پر سے بال اکھیڑنے والی، خوبصورتی کے لیے دانتوں پر موجن کرنے والی، اللہ کی پیدائش میں تغیر کرنے والی عورت پر لعنت کرتے ہو...... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں کیوں نہ اس پر لعنت کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہو اور وہ کتاب اللہ میں بھی موجود ہو۔ اس عورت نے کہا میں نے پورا قرآن پڑھا ہے مگر اس میں یہ چیز مجھے نہیں ملی؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا تو تمہیں یہ بات مل جاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم دے اس پر عمل کرو اور جس کام سے منع کرے اس سے باز رہو۔

اس نے کہا تمہاری بیوی میں بھی یہ بات موجود ہے۔ انہوں نے کہا جاؤ اور دیکھو۔ وہ گئی لیکن

---

① التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد تحت الحدیث

اس کو ان کی بیوی میں اس قسم کی کوئی بات نظر نہیں آئی۔ پھر واپس آئی اور کہا مجھے ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اگر ایسا ہوتا تو ہم اس کو اپنے ساتھ کیسے رکھ سکتے تھے؟''①

یہاں ایک خاتون ام یعقوب اپنی معلومات کی بنا پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہہ رہی ہیں کہ جن امور کو آپ باعث لعنت سمجھتے ہیں وہ تو آپ کی بیوی میں بھی موجود ہیں لیکن جب انہیں حقیقت معلوم ہوئی تو وہ مطمئن ہوگئیں اسی طرح حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے (بشرط صحت روایت) ابتداء میں یہ کہا کہ میں سب کچھ آپ کے گھروں میں دیکھ رہا ہوں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس کا جواب یا تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو غلط اطلاع پہنچائی گئی ہے اور یا یہ ہو سکتا ہے کہ ہاں میرے گھر میں ان ممنوع وحرام امور کا ارتکاب ہوتا ہے۔

اگر دوسرے جواب کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کو اس تنقید کے بعد جب عطیات سے نوازا گیا تو انہوں نے ان عطیات کو کیوں کر قبول کیا؟ روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جو جواب نقل کیا گیا ہے وہ قابل اطمینان نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ ان حرام وممنوع امور کی نشاندہی کے بعد آں موصوف نہ اقرار کرتے ہیں نہ انکار کرتے ہیں اور نہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کو مطمئن کرتے ہیں بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ:

''قد علمت انی لن انجو منک'' میں جانتا ہوں کہ میں آپ کے ہاتھوں سے نجات نہیں پاؤں گا پھر انہیں مال عطا کرنے کا حکم دے دیتے ہیں۔

کیا اس جواب سے ایک صحابی مطمئن ہو سکتے ہیں؟ پھر اگر وہ مطمئن نہ ہوتے تو ان سے مال کیسے قبول کرتے؟ لہٰذا یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب سے اسی طرح مطمئن ہو گئے تھے جس طرح ام یعقوب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جواب سے مطمئن ہو گئی تھیں۔

اس قابل اعتراض جملے ''لقد رایت هذا کله فی بیتک یا معاویة'' کے تحت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ای علی اهلک فیه انما فی بیت الأدمی من مکروه او حرام منسوب الی مالکه فی

① صحیح بخاری۔ صحیح مسلم باب تحریم فعل الواصله

کونہ لا ینکرہ۔''①

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے مراد آپ کے اہل وعیال ہیں کیونکہ آدمی کے گھر میں کوئی چیز مکروہ یا حرام ہو تو اس کو مالک مکان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے بوجہ اس کے کہ وہ نکیر نہیں کرتا۔''

یہ تشریح وتوضیح یقیناً محل نظر، خلافِ واقع اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان ومقام سے بعید ہے۔

حضرت! جب راوی ہی مشکوک، مشتبہ، کثیر الخطا، غیر ثقہ اور غیر معتبر ہے تو اس کی روایت پر کیوں کر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ موصوف نے بجائے صفائی اور دفاع کے ایک الزام میں مزید اضافہ کر دیا کہ ان کے گھر میں ان حرام اور ممنوع امور کا ارتکاب تو ہوتا ہی تھا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان امور کو دیکھ کر ان سے منع نہیں کرتے تھے۔

گویا کہ قرآن نے ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کو صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو خاص وصف اور فریضہ قرار دیا تھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے بھی تارک تھے جبکہ کتب حدیث اس پر شاہد ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر سختی کے ساتھ کاربند تھے۔

(1) کچھ لوگوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ عصر کے بعد نوافل پڑھتے دیکھا تو فرمایا: ''تم یہ نماز پڑھتے ہو حالانکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں ہم نے انہیں یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا بلکہ عصر کے بعد اِن دو رکعتوں سے منع کرتے سنا ہے۔''②

(2) دس محرم کو مدینہ میں برسر منبر خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ یوم عاشوراء ہے، اللہ نے اس کا روزہ تم پر فرض نہیں کیا ہے البتہ میں روزے سے ہوں جو شخص چاہے روزہ رکھ لے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔③

(3) ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصنوعی بالوں کا گچھا پاسبان (محافظ) کے ہاتھ سے لے کر منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

---

①بذل المجھود ص65 ج6

②صحیح بخاری باب ذکر معاویہ

③حوالہ مذکور وصحیح مسلم کتاب الصوم

اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع کرتے سنا ہے۔ ①

(4) ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے کیا بری بات نکال لی ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زُور سے منع فرمایا۔ ②

(5) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قحطان کے قبیلہ سے کوئی بادشاہ ہوگا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جیسی کہ اس کے لائق ہے اس کے بعد فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ یہی لوگ تمہارے جہال ہیں۔ خبردار! تم گمراہ کن خیال نہ پیدا کرو۔ ③

جس شخص کا یہ جذبہ اور کردار رہا ہو اس کے متعلق کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے گھر میں منکرات دیکھنے کے باوجود ان سے منع نہیں کیا......؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھریلو حالات سے حضرت مقدام رضی اللہ عنہ زیادہ آگاہ تھے یا خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ۔ (صاحب البیت ادری بما فیه) اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ان حرام امور کا ارتکاب ہوتا تو وہ یقیناً انہیں سختی کے ساتھ منع فرماتے۔

مزید برآں زیر بحث روایت میں ریشم کے استعمال کا جو الزام عائد کیا گیا ہے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے ارشادات کے بھی خلاف ہے۔ آپ نے بار بار ریشم کی حرمت کا اعلان فرمایا:

''لاتر کبوا الخزّ ولا النّمار۔'' ④

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ریشم اور چیتے کے چمڑے کی زین پر سوار نہ ہو۔''

''قال (عبداللہ بن علی العدوی) سمعت معاویة علی المنبر بمکة یقول نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن لبس الذهب و الحریر۔'' ⑤

① صحیح بخاری کتاب اللباس باب الوصل بالشعر
② صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم فعل الواصله
③ صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب مناقب قریش
④⑤ مسند احمد بن حنبل ص 93 ج 4 تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان

''عبداللہ بن علی عدوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مکہ میں منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔''

ریشم کی حرمت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سنن نسائی میں **کتاب الزینة، باب تحریم الذهب علی الرجال** اور **مصنف ابن ابی شیبه** ص 306 ج 8 پر بھی ہے۔ایسی صورت میں ہم اصولاً اس بات کے پابند ہیں کہ اس روایت کو ترجیح دیں جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآنی فیصلے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ کی تائید ہوتی ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفی کل رذیلة عنهم واذا انسدت الطرق نسبنا الکذب الی الرواة۔''[1]

''ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں حسن ظن اور ان سے ہر برائی کی نفی کرنے کے مکلف ہیں۔ اور جب کسی سند سے اس کی راہ نہ ملے تو اس الزام کو ہم کذب راوی پر محمول کریں گے۔''

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ''اشیائے ممنوعہ'' کی ممانعت سے متعلق روایات کے راوی خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں تو پھر وہ خود کیونکر انہیں استعمال کر سکتے ہیں۔

نیز یہ بات بھی ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے کہ ان کے گھر میں حرام اشیاء کا استعمال ہو اور وہ اس سے منع نہ کریں۔

البتہ بشرط صحتِ روایت ان کے گھر کی خواتین کی طرف حرام امور کے ارتکاب کی نسبت کرنے کے بجائے یہ کہا جاسکتا ہے کہ شرعی دائرے کے اندر ریشم اور سونے کا استعمال دوسری خواتین کی طرح ان کے لیے بھی جائز ہے۔

جبکہ زیر بحث روایت میں قابل اعتراض حصہ بقیہ بن ولید ہی کا اضافہ ہے۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی صورت میں خود ریشم کے استعمال کرنے یا اپنے گھر میں ان حرام امور کو دیکھ کر خاموش رہنے یا منع نہ کرنے کا الزام عائد ہو ہی نہیں سکتا۔

---
[1] شرح صحیح مسلم، نووی ص 90 ج 2

74

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمگلنگ کرتے تھے

سید مہر حسین بخاری زیر عنوان ''معاویہ اور سمگلنگ'' لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ صاحب اپنے عہد حکومت میں سمگلنگ کے دھندے میں بھی ملوث تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہندوستان کے ہندوؤں کے لیے بت سمگل کیے۔ سرخسی نے ذکر کیا ہے کہ معاویہ نے سرزمین ہند میں پیتل کی مورتیاں بیچنے کے لیے بھیجیں۔ وہ مورتیاں مسروق کے پاس سے گزاری گئیں تو دیکھ کر فرمایا واللہ! اگر میں جانتا کہ معاویہ مجھے قتل کر دے گا تو میں خود ضرور ان بتوں کو توڑ دیتا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے عذاب دے گا اور آزمائش میں ڈالے گا۔

اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ معاویہ کیسا شخص ہے۔ ایسا شخص ہے جسے اس کے برے عمل اچھے دکھائے گئے ہیں یا ایسا شخص ہے جو آخرت سے مایوس ہو گیا ہے اور دنیا میں نفع اٹھا رہا ہے۔ محمود غزنوی نے تو ہندوستان سے کثیر مال و زر بھی قبول نہ کیا اور سومنات کے بت پاش پاش کیے لیکن معاویہ کا اسلام یہی ہے کہ بت فروشی کر کے ہند کے ہندوؤں کی بت پرستی میں مدد کی جائے۔ مسروق کے مطابق معاویہ شیطانی فریب خوردہ یا آخرت کے منکرین میں سے ہیں۔ جو بھی ہو اسلام سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔''①

اس داستان کے ذریعے سے دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے آں محترم کے خلاف طوفان بدتمیزی بپا کرتے ہوئے اپنے خبث باطن کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ جس واقعہ کی بنیاد پر یہ الزام بلکہ الزامات عائد کیے گئے ہیں ان کا اس کے سوا اور کوئی ثبوت نہیں کہ انہیں شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ (متوفی 483ھ) نے نقل کیا ہے امام موصوف پانچویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت

① سیاست معاویہ ص 116

41ھ تا 60ھ ہے۔

اگر آں موصوف اپنے دورِ خلافت کے آخری سال یعنی 60ھ میں ہی سمگلنگ کے اس مکروہ دھندے میں ملوث ہوئے ہوں تو جناب سرخسی (متوفی 483ھ) تک چار سو تیئیس سال کے طویل عرصے میں کن کن ذرائع سے یہ اطلاع پہنچی ہے؟ اس کے راوی کون کون تھے؟ کس قماش کے تھے؟ ان امور کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ جناب سرخسی نے بھی اسے بصیغۂ مجہول نقل کیا ہے پھر مجاہیل کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

سید مہر حسین بخاری دشمن معاویہ نے الزام کا ایک انوکھا نام تجویز کیا ہے: ''معاویہ اور سمگلنگ''۔ اس لفظ سے شاید معترض نے یہ سمجھا ہو کہ جس طرح یہ لفظ بھاری ہے اسی طرح الزام بھی بھاری ہو جائے گا......مگر حقیقت یہ ہے کہ اس لفظ (سمگلنگ) کا اطلاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دنیا کا کوئی سب سے بڑا بے وقوف، جاہل اور احمق ہی کر سکتا ہے۔

''سمگلنگ'' انگریزی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی ہے محصول ادا کیے بغیر مال چوری سے لے جانا، چوکی مارنا......اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مال اپنی ہی مملکت وسلطنت سے گزارا ہے تو ان پر اس لفظ کا اطلاق کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر کسی دوسرے ملک کی سرحد سے اسے محصول ادا کیے بغیر گزارا ہے تو اس پر احتجاج کا حق مہر حسین اینڈ کمپنی کو کیسے حاصل ہو گیا ہے؟ وہ حکمران تو خاموش ہے جس کی ''چوکی'' ماری گئی یا جسے محصول کی آمدنی سے محروم ہونا پڑا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ حکمران ضرور اس مال کو بحق سرکار ضبط کر لیتا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ پیتل کی مورتیاں کس جنگ میں حاصل ہوئیں؟ اس مال غنیمت کو فوج میں تقسیم کیوں نہیں کیا گیا؟ کیا یہ بیت المال کا حصہ تھا؟ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''سونے چاندی'' کی طرح یہ مورتیاں بھی اپنے لیے مخصوص کر لی تھیں؟ پھر انہیں ہندوستان کے کس حکمران کے حوالے کیا گیا ہے؟ ان مورتیوں کو خریدنے والے تاجر کون تھے؟ پھر انہیں کس مندر کی زینت بنایا گیا ہے؟

جناب سرخسی رحمہ اللہ نے ان مورتیوں کی فروخت کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کی بیع سے یہ مقصد تھا کہ ان کی قیمت سے دفاعی سامان یعنی اسلحہ اور سواریاں خریدی جائیں۔ ①

یہ بیع امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح بھی ہے تو ایک جائز کام پر

① المبسوط للسرخسی ص 46 ج 24 تحت کتاب الاکراہ

انہیں موردِ الزام کیوں کر ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ پھر اس وقت کثیر تعداد میں صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے ان میں سے کسی نے اس ''سمگلنگ'' کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔ صرف ایک مسروق ہیں جو اپنے دل ہی میں خوف زدہ ہیں کہ اگر جان کا خوف نہ ہوتا تو ان بتوں کو توڑ دیتا ''لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے عذاب دے گا''۔ یہ خود جناب مسروق رحمہ اللہ کی توہین ہے کہ انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عذاب کا تو ڈر ہے لیکن اللہ کے عذاب سے وہ بے خوف ہو گئے ہیں۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سمگلنگ کا یہ دھندا ہوا ہی نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو سارے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ جناب مسروق رحمہ اللہ کے ہم آواز ہوتے...... یا پھر یہ دھندا غلط نہیں تھا اور جائز بیع تھی اسی لیے کسی نے آواز نہیں اٹھائی۔

امام طبری (م 310ھ) نے ''مورتیوں'' کی تجارت سے متعلق اس روایت کی سند ''محمد بن بشار، عبدالرحمٰن، سفیان، الاعمش، ابی وائل ذکر کی ہے جبکہ ''البلاذری'' (م 279ھ) نے اس روایت کو ''اعمش عن ابی وائل'' کی سند سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ①

طبری اور بلاذری نے کذب و افتراء پر مبنی اس روایت کو نقل کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغرض تجارت ان ''مورتیوں'' کو ہند بھیجا تھا۔ قطع نظر دیگر رواۃ کے ''اعمش'' مدلس بھی ہیں اور تشیع سے متہم بھی۔ جو شیعیت زدہ ہو تو اس کی روایت بنوامیہ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف قابل قبول نہیں ہو سکتی جبکہ امام طبری کا تشیع اس پر مستزاد ہے۔ اس روایت کی حقیقت اوپر واضح کی جا چکی ہے۔

بہرحال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود ایک جلیل القدر ذی علم اور فقیہ صحابی ہیں جن کے علم و فقاہت کی شہادت حَبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے دی ہے۔

پھر وہ خلیفۃ المسلمین ہیں انہیں اپنا مال تجارت گزارنے کے لیے کسی سے ''این۔او۔سی'' لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اور وہ شریعت کے مسائل سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ لہٰذا آں موصوف کی طرف خلافِ شرع کام اور ''سمگلنگ'' کی نسبت ہی غلط اور باطل ہے۔

① تہذیب الآثار ص 241۔ رقم 382، انساب الاشراف جلد 5 ص 137

75

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معراج جسمانی کے منکر تھے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کے منکر تھے۔ چنانچہ سید مہر حسین بخاری زیر عنوان ''واقعہ معراج سے انکار'' لکھتے ہیں کہ:

''امت مسلمہ کا اتفاقی اور اجماعی عقیدہ ہے کہ امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جسم عنصری کے ساتھ حالت بیداری میں معراج کرائی گئی...... مگر معاویہ نے نصوص قطعیہ، احادیث متواترہ اور امت مسلمہ کے اس اتفاقی اور اجماعی عقیدے کا انکار کیا ہے۔''①

دشمنانِ معاویہ نے یہ الزام سیرت ابن ہشام کی ایک روایت کی بنا پر عائد کیا ہے۔ ابن ہشام نے یہ قول بواسطہ زیاد بکائی، محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے:

''عن محمد بن اسحاق حدثنی یعقوب بن عتبة بن المغیرة ان معاویة بن ابی سفیان کان اذا سئل مسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت رؤیا من اللہ صادقة۔''②

''محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ مجھ سے یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔''

دراصل سیرت ابن شام ابو محمد مالک بن محمد بن ہشام کی اپنی تصنیف نہیں ہے بلکہ وہ سیرت ابن اسحاق کی ایک نئی ترتیب ہے۔ ابتدا میں جب یہ کتاب سامنے آئی تو اس کے بعض واقعات پر اہل علم نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اور ان اعتراضات کی وجہ سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب اپنے زمانے میں مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔ جسے بعد میں ابن ہشام نے بعض قابل اعتراض واقعات خارج کر کے اور بعض واقعات کا اضافہ کر کے نئے سرے سے مرتب کیا لیکن اس کوشش کے باوجود بعض قابل اعتراض

① سیاست معاویہ ص 112، 113
② سیرت ابن ہشام ص 224

واقعات کتاب میں شامل کر دیئے گئے۔

اس روایت کے مرکزی راوی محمد بن اسحاق کے متعلق امام نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں۔ دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی حدیث حجت نہیں۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر کا بیان ہے اس پر قدری ہونے کا الزام ہے (یعنی تقدیر الٰہی کا منکر تھا) اسی لیے لوگ اس سے دور بھاگتے تھے۔

امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ قدری بھی ہے اور معتزلی بھی۔ اور فرقہ معتزلہ صفاتِ باری، معجزات اور فرشتوں وغیرہ کا منکر تھا۔ گویا ابن اسحاق قدری بھی ہے اور صفات باری کا منکر بھی کیونکہ وہ نسلاً مجوسی تھا۔''

امام مالک رحمہ اللہ نے بھی اسے کذاب قرار دیا ہے۔

ابن ادریس کا بیان ہے کہ:

میں ایک روز امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ ابن اسحاق کہتا ہے کہ:

مالک کا علم میرے سامنے پیش کیا کرو، میں ان کے علم کی کسوٹی ہوں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

اے لوگو! دجالوں میں سے اس دجال کو دیکھو کہ کیا کہتا ہے۔ اس کا انتقال 151ھ میں ہوا۔ ①

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

محمد بن اسحاق مجہول راویوں سے غلط روایتیں نقل کرتا تھا۔ ②

ابن اسحاق کی شخصیت وحیثیت سے قطع نظر زیر بحث روایت کے ایک راوی یعقوب بن عتبہ ہیں۔ ان کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے 128ھ اور بعض نے 91ھ ذکر کی ہے۔ اسی طرح بعض نے انہیں تابعی اور بعض نے تبع تابعی کہا ہے۔ انہیں تابعی تسلیم کرنے والوں نے بھی یہ وضاحت کر دی ہے کہ:

ان کی ملاقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی سے ثابت نہیں۔ ③

---

① میزان الاعتدال تحت محمد بن اسحاق

② تاریخ بغداد ص 227

③ تہذیب التہذیب ص 392 ج 11 تحت یعقوب بن عتبہ

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یعقوب بن عتبہ نے نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور نہ ان سے سماعت ہی کی۔ اس طرح اس روایت میں انقطاع پایا جاتا ہے۔ اور منقطع روایت سے ایک صحابی پر کیونکر الزام عائد ہو سکتا ہے؟

علاوہ ازیں عربی میں ''رویاء'' مصدر ہے جس کے معنی دیکھنے کے آتے ہیں۔ یہ آنکھوں کے ساتھ دیکھنے پر بولا جاتا ہے۔ خواب کے معنی میں تو مجازاً استعمال ہوتا ہے۔ پھر اس بات کا بھی کیا ثبوت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کا استعمال مجازی معنوں میں کیا ہے اور اس کے لغوی معنی مراد نہیں لیے؟ اس صورت میں بھی یہ روایت خود دلیل نہیں بن سکتی بلکہ یہ خود محتاج دلیل ہو گی اور دعویٰ و دلیل ایک نہیں ہوا کرتے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ کہانی وضع کرنے والے جناب محمد بن اسحٰق ہیں اور یہ مجوسی ہونے کے ناتے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خاص پرخاش رکھتے ہیں بلکہ اسی ابن اسحٰق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بھی اسی واقعہ کو منسوب کیا ہے کہ:

> ''عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم غائب نہیں ہوا تھا بلکہ آپ کو روحانی معراج حاصل ہوئی تھی۔''

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

> ''اس روایت کے سلسلے میں محمد بن اسحٰق اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ایک راوی یعنی خاندانِ ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ایک شخص کا نام و نشان مذکور نہیں ہے۔ اس لیے یہ روایت بھی پایۂ صحت سے فروتر ہے۔''[1]

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت صرف اس وجہ سے ہی پایۂ صحت سے فروتر نہیں ہے کہ اس میں خاندان ابی بکر رضی اللہ عنہ کا ایک شخص مجہول ہے بلکہ جہاں یہ روایت قطعی طور پر محمد بن اسحاق کی شخصیت کی وجہ سے ''ساقط الاعتبار'' ہے وہیں اس کے دیگر رواۃ میں سلمہ الابرش (متوفی 191ھ) ضعیف، کذاب، ظالم اور شیعہ ہے۔ اس سلمہ سے آگے نقل کرنے والا محمد بن حمید رازی بھی شیعہ ہے۔ پھر ابن حمید کے لائق اور ہونہار شاگرد جناب طبری بھی تشیع سے متہم ہیں۔

---

[1] سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص 433 ج 3

علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند میں انقطاع کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ ابن دحیہ ''تنویر'' میں اسے موضوع تک کہہ گئے ہیں۔

معراج جسمانی کے انکار کی روایات حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف بھی منسوب ہیں۔ یہ روایات بھی روایتاً و درایتاً غلط ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جمہور کا مذہب (معراج بالجسد) پیش کرتے ہوئے جن اکابر کے اسمائے گرامی بطور شہادت پیش کیے ہیں ان میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا اسم گرامی بھی موجود ہے۔ ①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معراج جسمانی کے ہرگز منکر نہیں تھے اس سلسلے میں ان کا وہی عقیدہ تھا جو جمہور امت کا ہے۔ محمد بن اسحٰق شیعہ کی روایت سے استدلال کر کے آں موصوف پر یہ الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدر نے اپنی کتاب ''احسن الکلام'' (مصدقہ اکابر علمائے دیوبند) میں محمد بن اسحاق پر مفصل کلام کیا ہے۔ تفصیل کے خواہش مند مذکورہ کتاب کی طرف مراجعت کریں۔

علاوہ ازیں زیر بحث روایت کے الفاظ بھی مختلف معانی کو محتمل ہیں اور ان میں معراج جسمانی کے انکار کی ہرگز صراحت نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا یہ الزام بے بنیاد، لغو اور خلافِ حقیقت ہے۔

① الشفاء ص 89

76

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خوشامد پسند تھے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ خوشامد پسند تھے۔ چنانچہ جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس زمانے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں سے وفود بھی طلب کیے اور یہ معاملہ (استخلاف یزید) ان کے سامنے رکھا۔ جواب میں لوگ خوشامد پسندانہ تقریریں کرتے رہے۔ مگر حضرت احنف بن قیس خاموش رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو بحر! تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم سچ کہیں تو آپ کا ڈر ہے، جھوٹ بولیں تو خدا کا ڈر...... ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے اور زبانیں بند کر دی گئیں۔ اب باقاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لیے کھولو ورنہ چپ رہو۔ اور اگر تمہارا ضمیر ایسا ہی زوردار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید اور قتل اور کوڑوں کے لیے تیار ہو جاؤ...... خوشامد اور ضمیر فروشی کی قیمت مارکیٹ میں چڑھتی اور حق پرستی اور راست بازی کی قیمت گرتی چلی گئی۔''[1]

استخلاف یزید پر مفصل بحث پیچھے گزر چکی ہے یہاں یہ دکھانا مقصود ہے کہ اس عبارت میں موصوف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خوشامد پسندانہ تقریریں کرنے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایسی خوشامدانہ تقریریں سننے کا الزام لگایا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم خوشامدانہ تقریریں کرتے تھے اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی خوشامد پسند تھے۔

مودودی صاحب نے حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ کو مستثنیٰ قرار دیا جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر فرمایا کہ سچ کہوں تو آپ کا ڈر ہے اور جھوٹ بولوں تو اللہ کا ڈر ہے۔ خیر القرون کا موصوف نے کتنا مکروہ نقشہ پیش کیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو انہیں بغض و عناد تھا ہی لیکن انہوں نے سب صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا کردار مجروح کر دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ ارشاد ہے

[1] خلافت وملوکیت ص 151، 152، 163، 167

کہ ''جو شخص حق بات کہنے کے موقع پر خاموش رہا گویا وہ گونگا شیطان ہے۔'' اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محفل میں غلط باتیں ہوتی تھیں تو ان حضرات کو حق بات کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔

حالانکہ ان ہی احنف بن قیس سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے زیادہ بردبار کون ہے؟ تو انہوں نے کہا واللہ! تم بڑے جاہل معلوم ہوتے ہو۔ میرے اور ان کے حلم میں یہ فرق ہے کہ وہ پوری طاقت رکھتے ہوئے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہیں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بردباری کرتا ہوں۔ لہٰذا میں ان سے کیسے بڑھ سکتا ہوں؟ یا ان کے برابر بھی ہو سکتا ہوں۔ ①

اگر احنف بن قیس رحمہ اللہ بقول مودودی صاحب یہ سمجھتے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محفل میں سچ کہنا گویا موت کو دعوت دینا ہے تو یہاں وہ کس طرح مخاطب کی سرزنش کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ وہ پوری طاقت رکھتے ہوئے بردباری سے کام لیتے تھے۔ گویا یہ اقرار کر رہے ہیں کہ آں موصوف کی محفل میں خود اِن کے اپنے خلاف ہی سخت سست باتیں کہہ دی جاتیں تو وہ حلم و بردباری اور عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عمدہ سیرت کے مالک، بہترین درگزر کرنے والے اور اپنے کمالِ حلم کی بنا پر پردہ پوشی کرنے والے تھے۔ ②

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''مداحی اور خوشامد اخلاق کی پستی، دناءت اور ذلت کی علامت ہے اور ساتھ ہی جھوٹ کی بھی ایک صورت ہے اور یہ اس کے لیے بھی تباہی کا سامان ہے جس کی مداحی اور خوشامد کی جاتی ہے۔ خوشامد اور مداحی کرنے والا تین گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے:

ایک تو یہ کہ وہ ایسی تعریفیں کرتا ہے جو واقع کے مطابق نہیں ہوتیں یہ جھوٹ ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ منہ سے جو تعریفیں کرتا ہے اس کو اپنے دل میں خود درست نہیں سمجھتا یہ نفاق ہے۔

تیسرا یہ کہ دنیوی فائدہ کے لیے ارباب قدر و جاہ کی خوشامدانہ تعریف کر کے ان کی اور لوگوں کی نظروں سے اپنے کو ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ جس سے اس کی دناءت اور ذلت ظاہر ہوتی

① العقد الفرید ص 165 ج 1
② البدایہ والنہایہ ص 126 ج 8

ہے۔ بے جا تعریفوں سے ممدوح میں بھی دو برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں ایک غرور اور دوسری اپنی نسبت غلط فہمی ...... بادشاہوں، امیروں، دولت مندوں اور بڑے لوگوں میں اس کی بدولت جو مضحکہ خیز برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جس طرح وہ برخود غلط ہو جاتے ہیں اس کی نظیر تاریخ کے ہر دور میں مل سکتی ہے۔

قرآن پاک کے اصول کے مطابق کہ جو کام گناہ ہیں ان کے کرنے پر اعانت اور تعاون کرنے والے بھی گنہگار ہوتے ہیں وہ لوگ بھی ایسی مداحی اور خوشامد کا ننگ گوارا کرتے ہیں اس گناہ میں کسی نہ کسی درجے میں شریک ہیں۔ ①

مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''لوگ خوشامدانہ تقریریں کرتے رہے''

آخر ایسے موقع ہی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

''اذا رأیتم المداحین فاحثوا فی وجوههم التراب۔''②

''جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ پر مٹی پھینکو۔''

اگر بالفرض باقی سب ''خوشامدی'' جمع تھے تو کم از کم حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ کو تو ضرور اس فرمانِ رسول ﷺ پر عمل کرنا چاہیے تھا...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بے جا حمایت اور طرف داری کرنے والے کے متعلق فرمایا:

''من شر الناس منزلة یوم القیامة عبدا اذهب اٰخرته بدنیا غیره۔''③

''قیامت کے دن بدترین حال میں وہ شخص ہوگا جس نے دوسروں کی دنیا بنانے کی خاطر اپنی آخرت برباد کر ڈالی۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دوسرے کی مبالغہ آمیز تعریف کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: تم نے اس کو برباد کر دیا۔ ④

ایک اور موقع پر ایک صاحب نے کسی کی حد سے زیادہ تعریف کی تو فرمایا تم نے اپنے ساتھی کی

---

① سیرت النبی ﷺ ص 580 ج 6

② صحیح مسلم ③ مشکوٰۃ

④ صحیح بخاری باب کراهیة التمادح

گردن ماردی۔ ①

خوشامد کی مذمت میں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعیدیں ارشاد فرمائیں لیکن ایک مودودی صاحب ہیں جو خوفِ آخرت سے بالکل بے فکر ہوکر بے دھڑک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خوشامد کرنے کا الزام عائد کررہے ہیں جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تو طرز عمل یہ تھا کہ:

''ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو عبداللہ بن زبیر اور ابن صفوان رضی اللہ عنہما انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''من سرہ ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبو أمقعده من النار۔ ''②

جس آدمی کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

جس شخص کی یہ سیرت و کردار ہو وہ کس طرح دوسروں سے اپنی خوشامد میں تقریریں کرا سکتا ہے یا خوشامدانہ تقریریں سن سکتا ہے؟

؎ تفو بر تو ای چرخ گردوں تفو

① صحیح بخاری باب کراھیة التمادح
② جامع ترمذی باب ماجاء فی کراھیة قیام الرجل للرجل

77

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آثارِ نبوت مٹانے کی کوشش کی

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''50ھ میں معاویہ نے منبر رسول کے بارے میں حکم دیا کہ یہ مدینہ سے شام لے جایا جائے۔ منبر کو حرکت دی گئی تو سورج گرہن ہو گیا اور اندھیرا چھا گیا۔ تب حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ نے معاویہ کو منع کیا کہ یہ فعل جائز نہیں ہے تاہم معاویہ نے منبر کی سیڑھیوں میں اضافہ کر کے اسے متغیر کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی اپنی اصلی حالت میں باقی نہ رہے...... چونکہ معاویہ نے منبر کو منتقل کرنے کی ناپاک سازش بدنیتی اور منافقت سے کی تھی اس لیے اللہ کے غضب کے آثار ظاہر ہوئے۔ ①

ڈاکٹر نور حسین جعفری کربلائی بحوالہ طبری (دروغ برگردنِ راوی) لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ نے منبر رسول مقبول کو توڑ ڈالا اور اس کے چھ درجے اور بڑھا دیے۔'' ②

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیڑھیوں میں اضافہ کر کے جو ''تغیر'' کیا اسے آج تک ہر مسلمان نے بنظر تحسین ہی دیکھا ہے۔ صرف دشمنانِ معاویہ کے پیٹ میں مروڑ اٹھتے رہتے ہیں۔ منبر میں تغیر کی وجہ ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے پہلے درجے پر بیٹھتے تھے اور دوسرے زینے پر پاؤں رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو دوسرے زینے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں رکھنے کی جگہ) پر بیٹھتے تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیسرے زینے (یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاؤں رکھنے کی جگہ) پر بیٹھتے اور اپنے پاؤں زمین پر رکھتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے پہلے چھ سال تک تو ''سنت فاروقی رضی اللہ عنہ'' پر عمل پیرا رہے

① سیاست معاویہ ص 112
② ثبوت خلافت حصہ دوم ص 259

اس کے بعد پہلے زینے پر بیٹھنے لگے اور اس کی توجیہ یہ بیان فرمائی کہ دوسرے اور تیسرے زینے پر بیٹھنے سے تو یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ شیخین کی برابری کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن نبی اکرم ﷺ والے زینے پر بیٹھنے سے یہ شبہ پیدا ہی نہیں ہوتا پھر میرے بعد مسلمانوں کا جو خلیفہ مقرر ہوگا تو وہ کہاں بیٹھے گا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب حج پر تشریف لائے تو انہوں نے کمالِ بصیرت وتدبر سے چھ زینوں کا اضافہ کر دیا اس طرح منبر کے نو زینے ہو گئے تاکہ اس کے پہلے زینے اور تیسرے زینے پر بیٹھنے کی بنا پر آئندہ کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔ اس کی صورت یہ اختیار کی گئی کہ اضافے والے چھ زینے نیچے رکھ کر منبر نبوی ﷺ کو ان کے اوپر رکھ کر محفوظ کر دیا۔ اس کے بعد خطباء ساتویں زینے پر بیٹھتے چلے آئے۔ 654ھ میں مسجد نبوی ﷺ میں آتش زدگی کا واقعہ رونما ہوا جس سے مسجد کی ساری چھت، منبر، دروازے، محافظ خانے، مقصورے اور صندوق وغیرہ نذر آتش ہو گئے۔ آج کل سلطان مراد سوم عثمانی کی طرف سے سنگ مرمر کا بارہ زینوں پر مشتمل منبر مسجد نبوی ﷺ کی زینت ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ منبر 988ھ میں تیار کرایا گیا تھا۔

جہاں تک منبر نبوی ﷺ کو شام لے جانے کے ارادے کا تعلق ہے تو اس کا ذکر صرف کتب شیعہ میں پایا جاتا ہے۔ اس سے اگرچہ بنیادی طور پر طعن وارد تو نہیں ہوسکتا کیونکہ ان ہی کتب میں یہ صراحت موجود ہے کہ انہوں نے منبر نبوی ﷺ کو منتقل کرنے کا فیصلہ ترک کر دیا تھا۔ تو پھر اعتراض کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ مگر دشمنانِ معاویہ اپنے خبث باطن کی وجہ سے برابر اسے نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔

طبری نے اس واقعے کو بروایت واقدی بیان کیا ہے اس کا پورا نام محمد بن عمر بن واقد الاسلمی المدنی ہے۔ اس کا دادا واقد، عبداللہ بن بریدہ بن حصیب کا غلام تھا۔ یہ واقدی 130ھ میں پیدا ہوا اور 207ھ یا 209ھ میں فوت ہوا...... یہ بغداد کا قاضی بھی رہا...... امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث میں تبدیلیاں کرتا، زہری کے بھتیجے سے مروی روایات امام معمر رحمہ اللہ کی جانب منسوب کرتا اور انتہائی جھوٹا تھا۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

''یہ ثقہ نہیں اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔''

امام بخاری اور ابو حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''متروک ہے اور احادیث وضع کیا کرتا تھا۔''

ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''اس کی روایات درست نہیں ہوتیں۔''

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

واقدی کی کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ بلکہ سمعانی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ واقدی کی جانب جتنی کتابیں منسوب ہیں یہ اس کی اپنی تصانیف نہیں بلکہ ابراہیم بن محمد بن المدینی رافضی کی تصانیف ہیں۔ چونکہ وہ بہت بدنام ہو چکا تھا اس لیے واقدی نے اس کی کتابوں کو اپنے نام سے پھیلایا۔

یہی بات نواب مہدی علی خان نے اپنی کتاب ''آیات بینات'' میں تحریر کی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ واقدی بہت بڑا تقیہ باز شخص تھا اور تشیع کے پھیلانے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔

چنانچہ ابن ندیم شیعہ نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے:

''وكان يتشيع حسن المذهب يلزم التقية''①

یعنی وہ تقیہ باز اور اچھے مذہب کا حامل شیعہ تھا۔

اس تفصیل سے زیر بحث روایت کی حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ جس کہانی کو ایک تقیہ باز، وضاع، کذاب، خلفائے بنی عباس اور ان کے وزیر خالد بن یحییٰ برمکی کا خاص درباری (خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں) گھڑے تو اس پر اعتماد کوئی مجوسی اور یہودی ہی کر سکتا ہے۔

علاوہ ازیں دوسرے ناقل (جناب مودودی صاحب کے انتہائی معتمد و معتبر مفسر، محدث اور مورخ) جناب ابن جریر طبری ہیں۔ جنہوں نے اس وضعی داستان کو اپنی تاریخ میں جگہ دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کی راہ ہموار کی۔ یہ بزرگ بھی متہم بالتشیع جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ''لعنة الله عليه'' کے الفاظ لکھے ہیں:

''كان جعفر بن ابی سفیان حتی قبض وتوفی جعفر فی وسط خلافة معاوية لعنه

① میزان الاعتدال ذہبی جلد سوم، تہذیب التہذیب جلد نہم، الضعفاء الصغیر امام بخاری ص 104 الفہرست ابن ندیم تحت اخبار الواقدی

اللہ... توفّی نوفل بالمدینة فی خلافة یزید بن معاویة لعنهما الله۔ ''①

امام ذہبی رحمہ اللہ بروایت حافظ احمد بن علی سلیمانی لکھتے ہیں کہ:

''کان یضع للروافض۔ ''②

''طبری روافض کے لیے روایات وضع کیا کرتے تھے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

ابن جریر طبری کی وفات 310ھ میں پچاسی یا چھیاسی سال کی عمر میں ہوئی......

''دفن فی داره لان بعض عوام الحنابلة ورعاعهم منعوا من دفنه نهارا ونسبوه الی الرفض''③

اور اپنے گھر میں ہی دفن کیے گئے کیونکہ کچھ حنبلی حضرات نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا اور انہیں رافضیوں کی طرف منسوب کیا تھا۔

مودودی صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر تو خوب تبرا کیا لیکن جناب طبری کے دفاع میں اپنی بھرپور صلاحیتیں وقف کر دیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خم کے بارے میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انہیں شیعہ قرار دے ڈالا اور ایک بزرگ نے تو ان کو ''امام من ائمة الامامیة'' تک قرار دے دیا۔ دراصل سب سے پہلے حنابلہ نے ان پر رفض کا الزام اس غصے کی بنا پر لگایا تھا کہ وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو صرف محدث مانتے تھے، فقیہ نہیں مانتے تھے اسی وجہ سے حنبلی ان کی زندگی ہی میں ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ ان کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اور ان کی وفات کے بعد انہوں نے مقابر مسلمین میں ان کو دفن تک نہ ہونے دیا۔ حتی کہ وہ اپنے گھر میں ہی دفن کیے گئے۔''④

موصوف کی سادگی یا فریب دہی ملاحظہ ہو کہ:

---

① تاریخ طبری ص 24، 28 ج 13
② میزان الاعتدال ص 35 ج 3
③ البدایہ والنہایہ ص 147 ج 11
④ خلافت وملوکیت ص 313

''حنابلہ نے طبری پر رفض کا الزام اس غصے کی بنا پر لگایا کہ وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو صرف محدث مانتے تھے فقیہ نہیں۔''

بانی جماعت اسلامی حضرت مودودی صاحب سے کون پوچھے کہ محدث یا فقیہ ماننے یا نہ ماننے کا ''رفض'' کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ رفض کی اصل وجہ موصوف خود بڑے نرم اور دھیمے انداز میں لکھ چکے ہیں کہ:

''بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خم کے معاملے میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انہیں شیعہ قرار دے ڈالا۔''

حالانکہ کسی جاہل اور ان پڑھ شیعہ سے بھی یہ پوچھ لیا جائے کہ کیا حدیث غدیر خم کا تعلق کسی فقہی مسئلے سے ہے تو وہ بھی یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس کا تعلق ہمارے ''بنیادی عقیدہ'' سے ہے۔

جس روایت کا راوی بھی شیعہ ہو اور ناقل بھی شیعہ ہو تو اس پر کوئی شیعہ ہی اعتماد و اعتبار کر سکتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ منبر کو حرکت دینے سے سورج کو گرہن لگ گیا تھا تو یہ بھی اسی طرح کی ایک ہوائی گپ ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر کو ہرگز منتقل نہیں کیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف منتقل کرنے کے ارادے سے سورج کو گرہن لگ سکتا ہے تو اسے اس وقت گرہن کیوں نہ لگا جب شیعہ خانہ کعبہ کی دیوار سے حجر اسود نکال کر اپنے ساتھ لے گئے اور بائیس سال کے بعد کثیر معاوضہ لے کر اسے واپس کیا۔ اسے اس وقت گرہن لگنا چاہیے تھا جب غافقی بن حرب نے منبر و مسجد کا تقدس پامال کیا تھا لیکن گرہن کا تعلق ان امور سے نہیں ہوتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جس دن انتقال ہوا تو اس دن بھی سورج کو گہن لگ گیا تھا اور عام طور پر یہ مشہور ہو گیا کہ یہ ان کی موت کا اثر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو فرمایا:

''ان الشمس و القمر أيتان من أيات الله لا ينخسفان لموت احد و لا لحياته فاذا رأيتم ذلك فادعو الله و كبروا و صلوا و تصدقوا۔''[1]

''یقیناً سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت و زندگی سے اس کو گہن نہیں لگتا۔ لہٰذا جب تم ان کو گہن لگتے دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور اس کی

---

[1] متفق علیہ

کبریائی بیان کرو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر آثارِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم مٹانے کا الزام اس لیے بھی غلط ہے کہ انہوں نے تو مرتے وقت آثارِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرک حاصل کرنے کی وصیت کی تھی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ کُرتے اور چادر میں کفن دیا جائے۔ پھر آپ کے بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں، نتھنوں اور سجدے کے مقامات پر رکھ دینا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے تو وہ یہی ہے۔ پھر مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی برکت سے میری مغفرت فرما دیں گے۔ ①

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر آثارِ نبوت مٹانے یا منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تغیر کرنے کا الزام بالکل لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

---

① الاکمال فی اسماء الرجال تحت معاویۃ بن ابی سفیان

78

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''شہادت رسالت'' کے کلمات مٹانا چاہتے تھے

مہر حسین بخاری اور شیعہ مورخ مسعودی لکھتے ہیں کہ:

''مطرف بن مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا کہ میں نے ایک دن اپنے والد کو غمگین پا کر اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اے بیٹے! میں ایک خبیث ترین آدمی کے پاس سے آیا ہوں۔ میں نے کہا وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے معاویہ کو خلوت میں کہا کہ آپ ہم میں امیر المومنین کے مقام کو پہنچ چکے ہیں اگر آپ عدل سے کام لیں اور نیکی کریں تو آپ کا مقام بہت بڑھ جائے گا۔ اگر آپ ہاشمی بھائیوں کا خیال کر کے ان سے صلہ رحمی کرتے تو خدا کی قسم آپ کو ان سے خوف نہ ہوتا۔ تو اس نے مجھ سے کہا یہ نہیں ہو سکتا...... ایک ہاشمی کے لیے ہر روز پانچ مرتبہ چیخ چیخ کر (اذان) میں پکارا جاتا ہے ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' تیری ماں نہ رہے اس بات کے ساتھ کون سا عمل باقی رہ جاتا ہے؟ اللہ کی قسم! ہم اس کو دفن کر کے چھوڑیں گے۔''①

دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ عجیب وغریب قسم کے الزامات تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یہ الزام بھی ان ہی عجائبات میں سے ہے کہ آں محترم اذان میں شہادت رسالت کے کلمات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس داستان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ اسے امام المورخین ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی نے نقل کیا ہے۔ موصوف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض رکھنے کی بنا پر اوٹ پٹانگ مارنے کے عادی ہیں کیونکہ وہ پکے رافضی، شیعہ اور امامی ہیں۔

شیعہ فاضل حسن امین لکھتے ہیں کہ:

''**علماء النجوم من الشیعة... ومن الفضل الموصوفین بعلم النجوم الشیخ الفاضل الشیعی علی بن حسین بن علی المسعودی مصنف کتاب مروج**

① تاریخ مسعودی حصہ سوم تحت ذکر خلافت مامون، سیاست معاویہ ص 100

الذھب۔ ''①

''شیعہ علماء جنہوں نے علم نجوم میں شہرت پائی...... اس علم کے علماء میں سے افضل علی بن حسین بن علی المسعودی شیعہ صاحب کتاب مروج الذہب ہیں۔''

مشہور شیعہ عالم عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں کہ:

''انہ امامی ثقة وھو الحق۔ ''②

''یقیناوہ امامی شیعہ تھا اور یہی قول حق ہے۔''

مسعودی کے مطابق اس واقعہ کا ذکر زبیر بن بکار نے اپنی کتاب ''الموفقیات'' میں کیا ہے جسے اس نے موفق کے لیے تصنیف کیا تھا۔ وہ ابن زبیر کہلاتا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے مدائنی کو کہتے سنا کہ مطرف بن مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا......

مدائنی مطرف سے روایت کر رہا ہے حالانکہ وہ مطرف کی وفات کے تقریباً پچاس سال بعد پیدا ہوا۔ معلوم نہیں کہ اس نے عالم برزخ میں مطرف سے کس طرح رابطہ کر لیا تھا۔

مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ ایک داستان گو نے جب یہ خلیفہ مامون کو سنایا تو اس کے منادی نے اعلان کیا کہ جس شخص نے معاویہ کا ذکر بھلائی کے ساتھ کیا یا اسے کسی صحابی رسول سے مقدم کیا، میں اس کی حفاظت سے بری ہوں...... نیز مامون نے اس ''داستان'' کو ملک بھر میں نشر کرنے کا حکم دیا اور چاروں طرف خطوط بھیج دیئے کہ برسرِ منبر معاویہ پر لعنت کی جائے۔ لوگوں کو یہ بات بہت گراں گزری اور عوام مضطرب ہو گئے تو اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ اس بات کو ترک کر دے تو اس نے جو ارادہ کیا تھا اس سے باز آ گیا۔③

اس روایت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اس واقعہ کی نشر و اشاعت میں خلیفہ مامون کا بھی خاص کردار تھا کیونکہ وہ بھی شیعہ تھا۔

اکبر شاہ خان نجیب آبادی رحمہ اللہ مامون کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''مامون پر شیعیت غالب تھی۔ یعنی علویوں کو بہت قابل تکریم اور مستحق خلافت سمجھتا تھا۔ اسی

① اعیان الشیعہ ص 160 ج 1
② تنقیح المقال ص 283 ج 2
③ تاریخ مسعودی حصہ سوم تحت ذکر خلافت مامون

لیے اس نے اپنے بھائی موتمن کو معزول کر کے علی رضا کو ولی عہد بنایا اور اپنی بیٹی کی شادی کی......اس نے یہ حکم بھی جاری کرنا چاہا تھا کہ کوئی شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھلائی کے ساتھ یاد نہ کرے ورنہ مجرم قرار دیا جائے گا۔ مگر پھر اس حکم کو لوگوں کے سمجھانے سے جاری نہیں کیا۔''①

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب مسلمانوں کو بذریعہ خلیفہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفرت رکھتے تھے اور اذان میں شہادت رسالت کے کلمات کو ختم کرنا چاہتے تھے تو انہوں نے مامون کے اس حکم (کہ معاویہ پر برسر منبر لعنت بھیجی جائے) کی مخالفت کیوں کی؟ یہ حکم ان پر گراں کیوں گزرا؟ وہ اس حکم سے پریشان کیوں ہوئے؟

مسعودی کا یہ اقرار کہ ''لوگوں کو یہ بات گراں گزری اور عوام مضطرب ہو گئے'' خود اس واقعہ کے وضعی اور جھوٹا ہونے کی بین دلیل ہے کیونکہ یہ واقعہ اگر سچا سمجھا جاتا تو مسلمان ہرگز اس حکم میں رکاوٹ نہ ڈالتے اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کرتے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس داستان کو وضع کرنے والے، اقتدار کے بل بوتے پر اسے نشر کرنے والے، اپنی کتاب میں اسے نقل کرنے والے اور اسے صحیح سمجھنے والے سب ہی دشمنانِ معاویہ یعنی شیعہ ہیں۔

درایتاً بھی یہ روایت غلط اور لغو و باطل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی اور کاتب وحی ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد سفر و حضر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ کی معیت میں غزوات (حنین، طائف و تبوک) میں شرکت کی۔ آپ کے ایک حکم کی تعمیل میں تپتی ہوئی ریت پر ننگے پاؤں سفر کیا۔② جو یقیناً آں محترم کی عظمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت کی واضح دلیل ہے۔

شیخ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ انہیں معلوم ہوا کہ بصرہ میں ایک شخص کابس بن ربیعہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ مشابہت پائی جاتی ہے چنانچہ انہوں نے گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہیں انتہائی عزت و احترام کے

① تاریخ اسلام ص365 ج2
② الاصابہ ص 629 ج3 تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

ساتھ میرے پاس بھیج دو۔ جب حضرت کابس بن ربیعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی گرم جوشی اور تعظیم وتکریم کے ساتھ آگے بڑھ کران کا استقبال کیا اوران کا بہت ہی اکرام فرمایا۔ ①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل وصیت کی کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادراورکرتے کومیرے کفن میں رکھا جائے اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال اورناخن میری آنکھوں کے حلقوں، نتھنوں اورمقاماتِ سجدہ پررکھ دیئے جائیں۔''

تو جوشخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس، بالوں اور ناخنوں کے ساتھ اس قدر محبت کرتا ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی کیسے مٹا سکتا ہے؟

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود برسر منبر اذان کے جواب میں یہی کلمات دہرایا کرتے تھے۔

(1) عیسیٰ بن طلحہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

میں نے ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے ''**اشھد ان محمدا رسول اللہ**'' تک اسی طرح کہا جس طرح موذن نے کہا۔ ②

(2) ابوامامہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

جب موذن نے اذان کہی تو میں نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو منبر پر ہی جواب دیتے ہوئے سنا چنانچہ موذن نے جب **اللہ اکبر ، اللہ اکبر** کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی **اللہ اکبر، اللہ اکبر** کہا۔

پھر موذن نے **اشھد ان لا الہ الا اللہ** کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا **وَ اَنَا** پھر موذن نے کہا **اشھد ان محمدا رسول اللہ** تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا **وَ اَنَا** (یعنی میں نے بھی) جب اذان ختم ہوگئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جگہ پر موذن کے اذان دیتے وقت وہ چیز سنی جو تم نے مجھ کو کہتے ہوئے سنا۔ ③

① نسیم الریاض شرح الشفاء ص 663 ج3
② صحیح بخاری کتاب الاذان باب مایقول اذا سمع المنادی
③ حوالہ مذکور کتاب الجمعۃ باب یجیب الامام علی المنبر اذا سمع النداء

(3) طلحہ بن یحییٰ رحمہ اللہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں انہیں موذن نماز کے لیے بلانے آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دراز گردن یعنی سربلند ہوں گے۔ ①

صحیح مسلم اور بخاری کی ان روایات سے ثابت ہو گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فضیلت موذن کی حدیث کے راوی ہیں۔ وہ برسرِ منبر خود موذن کی اذان کا جواب دیا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ تو وہ کس طرح اذان میں شہادت رسالت کے کلمات کو ختم کرنے کی آرزو کر سکتے تھے؟

لہٰذا آں موصوف پر یہ الزام بالکل لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔

① صحیح مسلم باب فضل الاذان

79

توہین رسالت ﷺ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاموشی

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ کے پاس ابن الاشرف کے قتل کا ذکر ہوا اور بنیامین غفری نے کہا کہ اس کا قتل دھوکے سے ہوا ہے۔ یہ سن کر محمد بن مسلم نے کہا''**یا معاویة ایغدر عندک رسول اللہ ثم لا تنکر**'' کہ اے معاویہ! تیرے سامنے نبی کریم ﷺ کی ذات پر دھوکے بازی کا الزام لگایا گیا ہے اور تو خاموش ہے۔ معاویہ کے دل میں ناموس رسالت کا ذرا بھر احساس اور ہمدردی نہیں تھی۔ اس کو''سیدنا'' کہنا اور''رضی اللہ عنہ'' کہنا بالکل نادانی ہے۔''①

دراصل نجفی کو اس بات کا غصہ نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کعب بن اشرف یہودی کے قتل کو''غدراً'' کہا گیا اور وہ خاموش رہے بلکہ اسے سبائی ہونے کے ناتے خود کعب کے قتل کا افسوس ہے۔

کعب بن اشرف یہودی رسول اللہ ﷺ کا بدترین دشمن تھا غزوۂ بدر میں جب کفار کو شکست ہوئی تو اس نے کہا''آج زمین کا شکم اس کی پشت سے بہتر ہے''۔ اس کا قتل ہجرت کے پچیسویں مہینے 14 ربیع الاول کو ہوا جبکہ اسلامی ریاست مدینہ میں قائم ہو چکی تھی۔ بدبخت کعب بن اشرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجو کرتا تھا اور آپ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اس جرم کے پیش نظر آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب کے رضاعی بھائی ابونائلہ کے ساتھ مل کر اسے ٹھکانے لگا دیا۔ اس واقعے کی تفصیل صحیح بخاری کتاب المغازی، طبقات ابن سعد اور دیگر کتب سیر میں موجود ہے۔

اس قتل کے حوالے سے دشمنانِ معاویہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ابن یامین یہودی نے آں محترم کی محفل میں کہا کہ کعب کا قتل غدر یعنی بدعہدی کی صورت میں ہوا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوئی

① خصائل معاویہ ص 432،431

جواب نہیں دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس واقعہ کی نسبت بالکل خلافِ حقیقت ہے کیونکہ یہی واقعہ اسی مقام پر حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے جو مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ جس مجلس میں یہ بات کہی گئی اس میں خلیفہ اور گورنر دونوں شریک نہیں تھے۔

اور روایت میں دونوں کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے تو اس طرح روایت میں تعارض پیدا ہو گیا ہے۔ اور قرائن سے بشرط صحت روایت حضرت مروان کی محفل معلوم ہوتی ہے۔ اور اس مجلس میں قاتل کعب حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ تو انہوں نے ابن یامین یہودی کو سخت ترین الفاظ میں دھمکی دی۔ اور ایک روایت کے مطابق چھڑی کے ساتھ اسے خوب پیٹا جس سے اس کا سر اور چہرہ زخمی ہو گیا۔ ①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محفل میں کسی یہودی کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اس قتل کو "غدر" کہہ سکے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو وہ تھے کہ جن کے رعب اور دبدبے سے کفر اور طاغوتی قوتیں ہر وقت لرزہ بر اندام رہتی تھیں۔

ایک مرتبہ قیصر روم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی سلطنت پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسے مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ:

"واللہ لئن لم تنتہ وترجع الی بلادک یا لعین لَاُصْلِحَنَّ انا وابن عمی علیک ولاخرجنک من جمیع بلادک ولاضیّقنّ علیک الارض بما رحبت ۔ فعند ذلک خاف ملک الروم وانکف۔" ②

"اے لعین! اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے شہروں کی طرف مراجعت نہ کی تو اللہ کی قسم! میں اور میرے چچازاد بھائی علی تیرے خلاف صلح کر لیں گے اور تجھے تیرے ملک سے باہر نکال دیں گے اور زمین کو باوجود وسعت کے تم پر تنگ کر دیں گے۔ قیصر روم اس خط سے ڈر گیا اور اپنے ارادے سے باز آ گیا۔"

---

① الصارم المسلول ابن تیمیہ ص 90
② البدایہ والنہایہ

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس واقعے کی نسبت ہی سرے سے غلط ہے۔ اول تو آں محترم کی محفل میں ایسی جرأت کوئی ''یہودی'' کر ہی نہیں سکتا تھا اگر کوئی کسی ''غلط فہمی'' کی بنا پر ایسی جرأت کر ہی بیٹھتا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تلوار اِس ''ابن یامین'' کو بھی کعب بن اشرف کے پاس ضرور پہنچا دیتی۔

80

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گواہ کے ساتھ قسم کی بدعت جاری کی

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ کرنا بدعت ہے اور اس کا بانی بھی معاویہ ہے۔ **واول من قطٰی بہ معاویہ۔**''①

کسی بھی دعویٰ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ثبوت اور شہادت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص حاکم یا قاضی کی عدالت میں کسی دوسرے آدمی کے خلاف کوئی دعویٰ یا شکایت کرے تو خواہ دعویٰ کرنے والا کیسا ہی ثقہ، صالح اور کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو، محض اس کے دعویٰ کی بنیاد پر قاضی اس کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکے گا۔ اسلامی قانون میں ہر دعویٰ کے لیے ضابطہ کے مطابق ثبوت اور شہادت ضروری ہے۔ اگر مدعی، شہادت اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے کہا جائے گا کہ اگر اس کا دعویٰ تسلیم نہیں ہے تو وہ حلف کے ساتھ کہے کہ یہ دعویٰ غلط ہے۔ اگر مدعا علیہ اس طرح کے حلف سے انکار کرے تو دعویٰ صحیح سمجھ کر ڈگری کر دیا جائے گا۔ یہ عدالتی قانون اور ضابطہ ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی:

''**لو یعطی الناس بدعواھم لَاَدَّعٰی ناس دماء رجال واموالھم ولکن الیمین علی المدعٰی علیہ۔**''②

''اگر محض دعویٰ پر لوگوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جایا کرے تو لوگ دوسروں کے خلاف خون یا مال کے دعوے کرنے لگیں گے۔ لیکن مدعا علیہ سے حلفیہ انکاری بیان لیا جائے گا۔''

اور فرمایا:

''**ولکن البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔**''

''کہ ثبوت مدعی کے ذمہ ہے اور قسم جس نے انکار کیا''۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

---

① خصائل معاویہ ص 426
② صحیح مسلم

لیکن اس کے برعکس زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک ایسا دعویٰ ہے اور اس میں ثبوت کے لیے صرف ایک گواہ ہے اور اس کے ساتھ قسم شامل کر دی جائے تو کیا اس کے مطابق فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

نجفی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ اس روایت کے راوی بھی جناب ابن شہاب زہری ہیں۔ ان کا مختصر ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ وہ روایات جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن پایا جاتا ہے ان میں سے بیشتر کے راوی جناب زہری ہی ہیں یہ ''بزرگ'' کبھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض دکھاتے ہیں اور کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ظالم کے روپ میں پیش کرتے ہیں...... پھر موصوف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قول میں بھی متفرد ہیں۔ نیز خواجہ قمرالدین سیالوی نے شیعہ اسماء الرجال کے حوالے سے بھی انہیں شیعہ ثابت کیا ہے۔ ①

علاوہ ازیں ابن شہاب زہری کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ بعض دیگر حضرات سے بھی ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا ثابت ہے...... حضرت زید بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''القضاء بشاهد و يمين'' جائز ہے۔ اور اپنی تائید میں یہ مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں کہ:

''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضى بيمين و شاهد۔'' ②

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے:

''عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضى بيمين و شاهد۔'' ③

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ کیا۔''

جمہور علماء امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کا یہی قول ہے کہ جب مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو قاضی اس سے قسم لے کر اس کے مطابق فیصلہ کر دے جبکہ امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی اور امام لیث رحمہ اللہ کے نزدیک ایک گواہ اور ایک قسم سے دعویٰ ثابت نہیں ہوگا۔ لیکن ان کا یہ قول اس حدیث کے مخالف ہے۔

اور یہ حدیث مروی ہے حضرات علی، ابن عباس، زید بن ثابت، جابر، ابوہریرہ، عمارہ بن حزم،

---

① مذہب شیعہ ص 92

② السنن الکبریٰ بیہقی ص 173 ج 10 باب القضاء باليمين مع الشاهد

③ صحیح مسلم کتاب الاقضيه باب وجوب الحكم بشاهد و يمين

سعد بن عبادہ، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے۔ اور سب سے زیادہ صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے اور اس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔

ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''قال عطاء اول من قطی بہ عبدالملک بن مروان۔ ''①

''عطاء کہتے ہیں کہ:

سب سے پہلے عبدالملک بن مروان نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا۔''

ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ اور مجتہد فیہ رہا ہے۔ اور فقہاء کے نزدیک ایک گواہ اور ایک قسم کے ساتھ فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں بغیر قسم کے صرف ایک گواہ سے فیصلہ کرنا بھی ثابت ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں ایک مستقل باب باندھا ہے:

''باب اذا علم الحاکم صدق الشاھد الواحد یجوز لہ ان یحکم بہ ''یعنی باب اس بیان میں کہ جب حاکم یہ سمجھے کہ ایک شاہد جو بیان دے رہا ہے وہ سچا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ صرف اسی کے بیان پر فیصلہ کر دے۔

پھر انہوں نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت بیان فرمائی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا۔ گھوڑا خرید کر آپ تیز رفتار سے چلے (تاکہ اس کی قیمت ادا کرنے کا بندوبست کریں) اعرابی آہستہ آہستہ آ رہا تھا لوگوں کی اعرابی سے مڈبھیڑ ہوتی رہی وہ اعرابی سے گھوڑے کا بھاؤ تاؤ کرنے لگے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں۔ اس اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی: آپ اس گھوڑے کو خرید رہے ہیں یا میں اسے کسی دوسرے کو بیچ دوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کی آواز سنی تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ نے فرمایا کیا تم سے میں اس گھوڑے کو خرید نہیں چکا ہوں؟ اعرابی نے کہا نہیں اللہ کی قسم! میں نے اسے فروخت نہیں کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① اعلاء السنن ص 381 ج 15 کتاب الدعوی تحت مسئلۃ الیمین مع الشاھد

کیوں نہیں، میں اسے تم سے خرید چکا ہوں۔ اعرابی کہنے لگا گواہ لاؤ۔ تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فروخت کا معاملہ کرلیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم کس بنا پر گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو سچا سمجھتے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک گواہ پر اکتفاء کرنا صحیح ہے۔ جبکہ اس کا صادق ہونا معلوم ہو۔ اس واقعہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے تیری شہادت کے ساتھ ایک اور آدمی کی بھی شہادت درکار ہے بلکہ انہی کی شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ان کی شہادت اس عام سچائی اور صداقت پر مشتمل تھی جو آپ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی کی خبر دیا کرتے تھے اور تمام مسلمان اس شہادت میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ ہی کی طرح تھے۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ صرف اس شہادت میں منفرد تھے جو آپ نے اعرابی کے ساتھ خریداری کا عقد فرمایا تھا۔ دیگر حاضرین ان کے ساتھ شریک نہیں تھے مگر یہ خبر بھی ان جملہ اخبار میں شامل تھی جن کی تصدیق کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا سمجھنا لوازم ایمان میں سے ہے۔ اور یہی وہ شہادت تھی جو اس دعوے کے ساتھ مخصوص تھی چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے اس شہادت کو قبول فرما لیا۔ اور حدیث اس موضوع پر صریح ہے جس کا ترجمہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے باندھا ہے اللہ ان پر رحم فرمائے۔''[1]

صحیحین میں ہے کہ:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ جنگ حنین میں شریک تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک مسلمان ایک مشرک سے برسرپیکار ہے اور مسلمان پر مشرک غالب آ رہا ہے۔ وہ گھوم کر جلدی سے اس

[1] الطرق الحکمیہ، ابن قیم ص 77

مشرک کے پیچھے آئے اور اس کے شانہ پر تلوار ماری۔ اس ضرب سے اس کی زرہ کٹ گئی وہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے بالمقابل ہو گیا اور ان کو پکڑ کر اس زور سے بھینچا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گئے لیکن اسی اثنا میں اس کی موت واقع ہو گئی اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اس کی گرفت سے آزاد ہو گئے۔ اتنے میں ان کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ پوچھا لوگوں کا کیا حال ہے؟ (یعنی یہ کیا انتشار ہے؟) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کا حکم اسی طرح ہے۔

فتح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ آ کر بیٹھ گئے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس نے کسی کافر کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس اس کا ثبوت ہو تو اس کافر کا سامان اسے قتل کرنے والے کا ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے پھر سوچا کون میرے لیے گواہی دے گا؟ اور بیٹھ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی اعلان فرمایا۔ اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابوقتادہ کیا بات ہے؟ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کیا ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ سچ کہتے ہیں۔ اس کافر کا سامان میرے پاس ہے۔ آپ ان کو راضی کر دیجیے کہ وہ اسباب میں لے لوں۔

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بول پڑے اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کے ساتھ جو اللہ اور رسول کی طرف سے یوں لڑتا ہے کبھی ایسا نہیں کریں گے کہ اس کا سامان تمہیں دے دیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر سچ کہتے ہیں پھر وہ سامان حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ انہوں نے اس کی زرہ کو فروخت کر کے بنو سلمہ کے محلے میں ایک باغ خرید لیا اور یہ سب سے پہلا مال تھا جو زمانۂ اسلام میں انہوں نے حاصل کیا۔ ①

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بینہ (ثبوت) ایک شاہد پر بھی بولا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

① صحیح بخاری کتاب فرض الخمس و کتاب المغازی باب غزوۃ حنین و باب غزوۃ الطائف و صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الجہاد باب استحقاق القاتل سلب القتیل و باب غزوۃ حنین عن براء و سلمہ رضی اللہ عنہ

نے (اس واقعہ میں) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے کوئی قسم بھی نہیں لی۔ اس مسئلے میں یہ بھی ایک وجہ بن سکتی ہے اور یہی صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتول کا سامان دلوانے کا فیصلہ صرف ایک گواہ پر فرما دیتے ہیں۔ اس سنت کا کوئی معارض نہیں ہے اور اسے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔''①

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام ہرگز عائد نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے سب سے پہلے ایک گواہ کے ساتھ ساتھ حلف پر فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، زید بن ثابت، ابی بن کعب، علی بن ابی طالب، جابر، ابوہریرہ، عمارہ بن حزم، سعد بن عبادہ، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم، عبدالملک بن مروان، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ سے بھی اس کا جواز ثابت ہے بلکہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں قسم کے بغیر صرف ایک گواہ کی شہادت سے بھی فیصلہ کیا گیا ہے۔

اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس فعل کی نسبت ثابت بھی ہو تو بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ، مجتہد فیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ہونے کی وجہ سے بدعت کا موضوع ہرگز نہیں بن سکتا۔

① الطرق الحکمیہ ص 78

81

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مکراً وغدراً طلاق حاصل کرنا

اس الزام کو غلام حسین نجفی نے اپنی کتاب خصائل معاویہ میں ص403 تا409 تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''عبداللہ بن سلام صحابی رسول معاویہ کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور اس کی بیوی ارینب بنت اسحاق بڑی خوبصورت اور مال دار تھی...... اس کے حسن کی شہرت سن کر یزید بن معاویہ اس پر عاشق ہو گیا تھا...... ارینب بنت اسحق اس وقت کی ملکہ حسن تھی...... اپنے بیٹے یزید کو اس کی معشوقہ سے ملانے کی خاطر معاویہ نے اپنی مایہ ناز تدبیر کا آغاز کیا...... عبداللہ بن سلام کو طلب کر کے حضرت ابودرداء اور حضرت ابوہریرہ کے ذریعے سے اسے اپنی بیٹی اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا کہ وہ ارینب بنت اسحق کو طلاق دے کر آزاد کر دے۔

عبداللہ بن سلام نے جب اسے طلاق دے دی تو ان ہی صحابہ کے ذریعے سے معاویہ نے رشتہ مانگا تو انہوں نے بیٹی کے ذریعے سے انکار کرا دیا۔ جب یہ فیصلہ عبداللہ بن سلام نے سنا تو اس کی آنکھ کھل گئی اور سمجھ گیا کہ یہ معاویہ کا مکر اور فریب تھا اور اس کارنامہ کی عام لوگوں میں شہرت ہو گئی اور سب لوگ یہی کہتے تھے کہ معاویہ نے دھوکا کیا ہے۔ پھر عدت طلاق گزرنے کے بعد معاویہ نے ابودرداء کو عراق روانہ کیا تاکہ وہ ارینب کو یزید کے ساتھ شادی پر رضامند کرے۔

ابودرداء پہلے امام حسین سے ملے اور انہیں حالات بتلائے تو امام پاک نے ارینب کو پناہ دینے کی خاطر ابودرداء ہی کے ذریعے سے ارینب کو اپنے ساتھ نکاح کرنے کا پیغام بھیج دیا پس ارینب نے امام حسین سے شادی کر لی۔

بعد میں عبداللہ بن سلام معاویہ کے ہاتھوں تنگ دستی پر مجبور ہو گیا اس کا کچھ مال ارینب کے

پاس رہ گیا تھا تو اس نے عراق آ کر امام حسین کو اپنی پر درد داستان سنا کر ارینب سے مال واپس دلانے کی درخواست کی۔ امام اسے اپنے ساتھ اندر لے گئے اور وہ مال دلایا۔ اس موقع پر عبداللہ اور ارینب دونوں رونے لگے امام پاک نے ان کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ: خدا گواہ ہے کہ میں نے ارینب کی دولت میں رغبت کرتے ہوئے اس کے ساتھ نکاح نہیں کیا بلکہ میں نے اس کو اس کے شوہر کی طرف لوٹانے کے لیے اس کے ساتھ نکاح کیا ہے۔ پھر امام نے ارینب کو طلاق دے دی۔ عدت گزرنے کے بعد دوبارہ عبداللہ نے ارینب سے نکاح کیا پھر دونوں خوش وخرم زندگی بسر کرنے لگے اور پھر موت نے جدا کیا۔

یہ طاغیہ شام کی وہ سیاست ہے جس کو ملا زندہ باد کہتے ہیں۔ معاویہ کے گلشن عیاری کی اس پر فریب کہانی کے بعد کوئی صحیح پڑھا لکھا آدمی طاغیہ شام کو اپنا پیشوا ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ارینب بنت اسحق کی طلاق کے سلسلے میں طاغیہ شام نے جس مکاری سے کام لیا ہے دنیا کے تمام مکار اور عیار لوگ اس فریب کاری پر حیران ہیں۔'' ①

یہ کہانی آل انڈیا ریڈیو سے بھی ایک مدعی اسلام کی زبانی نشر ہوئی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ داستان اور افسانہ از اول تا آخر نہ صرف غلط بلکہ صریح جھوٹ اور سراپا بہتان ہے۔ نیز اس کہانی میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بھی توہین پائی جاتی ہے کیونکہ:

اولاً: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والیان حکومت میں نہ صرف عراق بلکہ کسی دوسرے علاقے میں بھی عبداللہ بن سلام نام کا کوئی والی اور گورنر نہیں تھا۔

ثانیاً: ارینب بنت اسحق کا ملکہ حسن ہونا تو کجا عام خواتین میں بھی اس نام کی کسی خاتون کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

ثالثاً: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جن کے ذریعے سے یہ مکر وفریب کا کھیل کھیلا گیا۔ عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں دمشق کے قاضی تھے اور اسی عہد میں 31ھ یا 32ھ میں انتقال کر گئے۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت 41ھ سے شروع ہوتا ہے۔ معلوم نہیں حضرت ابودرداء یہ کردار ادا کرنے کے لیے مرنے کے بعد کس طرح دوبارہ دمشق اور عراق پہنچے۔

① خصائل معاویہ ص 403، 409 ملخصاً

رابعاً: اگر اس واقعہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت کا تسلیم کیا جائے تو یزید اس وقت زیادہ سے زیادہ چھ سال کا بچہ تھا۔ کیونکہ اس کی ولادت 26ھ میں ہوئی اور یہ عمر عشق لڑانے کی نہیں ہوتی۔

خامساً: اس داستان میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ارینب بنت اسحق کو کتنی طلاقیں دی تھیں۔ اگر طلاق رجعی تھی تو ''حلالہ'' کرانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اور اگر تین طلاقیں دی گئیں تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کردار قرآن وحدیث کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

سادساً: اسلام میں اگر ایک شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دیتا ہے تو جب تک وہاں سے انکار نہ ہو جائے کسی دوسرے کے لیے پیغام دینا جائز نہیں۔

جب حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں یزید کے لیے ارینب کے پاس نکاح کا پیغام لے کر جارہا ہوں تو ان کے لیے پیغام پر پیغام دینا جائز نہیں تھا۔

سابعاً: روایت میں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (ارینب کے شوہر اول) کو بتایا کہ میں نے اس کے ساتھ صرف تمہاری طرف اسے لوٹانے کی غرض سے نکاح کیا ہے۔ اس طرح کے نکاح کے بعد اگر طلاق دی جائے تو کیا وہ عورت شوہر اول کے لیے حلال ہوسکتی ہے؟

ثامناً: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیویوں میں ارینب بنت اسحاق نام کی کوئی عورت نہیں ہے۔

تاسعاً: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں عراق میں سکونت اختیار کرنا ثابت نہیں۔ کیا انہوں نے محض اس نکاح کے لیے عراق کا سفر اور وہاں کی اقامت اختیار کی تھی؟

عاشراً: نجفی نے یہ بتایا ہے کہ:

''امام پاک نے ان کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ خدا گواہ ہے میں نے ارینب کی دولت میں رغبت کرتے ہوئے اس کے ساتھ نکاح نہیں کیا بلکہ میں نے اس کو اس کے شوہر کی طرف لوٹانے کے لیے اس کے ساتھ کیا ہے'' جو شخص اس نیت کے ساتھ کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے کہ اسے طلاق دے کر زوج اول کے لیے حلال کرے تو ایسے شخص کے لیے ''وعید'' آئی ہے لہٰذا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اس نکاح کی نسبت ہی لغو اور باطل ہے۔ **(تلك عشرة كاملة)**

علاوہ ازیں نجفی نے اس داستان کے لیے ''**الامامه والسياسه**'' کا حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا ہے

کہ ''اہل سنت کی معتبر کتاب'' کیا کتاب مذکور اہل سنت کی معتبر کتاب ہے؟ اس کا مؤلف کون ہے؟ اس کتاب کی نسبت عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ (م 276ھ) کی طرف کی جاتی ہے، بعض علماء کے نزدیک ابن قتیبہ کو ثقہ، معتبر اور مستند سمجھا جاتا ہے اسی لیے بعض حضرات نے اس کی وثاقت کے پیش نظر ''الامامه والسیاسه'' کو اس کی تصنیف ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ابن قتیبہ کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ شیعہ تھا وہ ابوحاتم سجستانی اور اسحاق بن راہویہ جیسے ائمہ کا شاگرد اور دینور کا قاضی تھا (پھر اس کی وثاقت ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں) رہی اس کی کتاب ''الامامه والسیاسه'' اس کے متعلق یقین کے ساتھ کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ وہ ابن قتیبہ کی نہیں ہے۔ صرف شک ظاہر کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں بعض روایات ایسی ہیں جو ابن قتیبہ کے علم اور اس کی دوسری تصنیفات کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ میں نے خود یہ پوری کتاب پڑھی ہے اور اس کی چند روایتوں کو میں بھی الحاقی سمجھتا ہوں مگر ان کی پوری کتاب کو رد کر دینا میرے نزدیک زیادتی ہے۔''①

معلوم نہیں کہ موصوف کو دشمنانِ صحابہ کے ساتھ اتنی عقیدت کیوں ہے؟ جس کتاب میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق غلیظ مواد ہے اسے یہ معتبر اور اس کے مولف کو ثقہ منوانے کی پوری کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ خود انہیں بھی معتبر اور ثقہ تسلیم کر لیں۔

کتاب المعارف جو ابن قتیبہ کی تصنیف ہے اور اس میں کسی شک کا بھی اظہار نہیں کیا گیا اس کے مقدمے میں اس بات کی واضح طور پر تردید موجود ہے کہ ''الامامه والسیاسه'' ابن قتیبہ کی تصنیف ہے اور اس پر بہت سے دلائل بھی پیش کیے گئے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:②

اگر بالفرض بقول مودودی صاحب ''الامامه والسیاسه'' ابن قتیبہ ہی کی تصنیف ہے تو پھر بھی اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف توہین آمیز مواد کے پیش نظر اسے اہل سنت کی معتبر کتاب ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف وہی الزامات موجود ہیں جو اہل تشیع عائد کرتے ہیں مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی لحاظ نہیں کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے سلسلے میں سختی کی، ان کے گھر کو جلانے کی دھمکی دی اور یہ جبر و تشدد حضرت

① خلافت وملوکیت ص 309، 310
② مقدمة المعارف لابن قتیبہ، مقدمہ از ڈاکٹر ثروت عکاشہ ص 56 مطبوعہ مصر

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوا۔ حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روضہ اطہر پر رو رو کر عرض کرنے لگے:

''اے بھائی لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا ہے اور میرے قتل کے در پے ہو گئے ہیں۔''①

اسی طرح ابن قتیبہ کی کتاب ''المعارف'' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نسب پر غلیظ حملہ کیا گیا ہے۔②

علمائے رجال نے بھی ابن قتیبہ پر سخت کلام کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:③

ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اجمعت الامة علٰی انّ القتیبی کذّاب... ''

''تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قتیبہ ایک جھوٹا شخص ہے''④

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ کتاب ''**الامامه والسیاسه**'' ہرگز اہل سنت کی معتبر کتاب نہیں اور اگر ابن قتیبہ ہی کو اس کا مؤلف تسلیم کر بھی لیا جائے تو وہ ''حضرت'' بھی بعض اہل علم کے نزدیک ہرگز قابل اعتبار نہیں ہیں۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زیر بحث داستان روایتاً و درایتاً بالکل لغو، بے بنیاد اور حضرات معاویہ، ابو درداء، ابوہریرہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کی توہین پر مبنی ہے۔ جسے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرا کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس داستان پر کوئی دشمن اسلام ہی یقین و اعتماد کر سکتا ہے۔

---

①الامامه والسیاسه ص 12، 13 ج 1

②المعارف ص 179

③لسان المیزان ص 357-360 ج 3 تحت رقم 1449

④مقدمة التحقیق للمعارف ص 61 مطبوعه مصر، لسان المیزان ج 3 ص 357

82

حضرت معاویہ ﷛ شرم وحیا سے عاری تھے

سید مہر حسین بخاری زیر عنوان ''معاویہ صاحب کا شرم وحیا'' لکھتے ہیں کہ:

''حیا بھی ایمان کا حصہ ہے اور جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تجھ میں سے حیا ہی ختم ہو جائے تو جو جی میں آئے کرتا جا۔

معاویہ میں بھی حیا نہیں تھا۔ اس لیے تمام منکرات کا ارتکاب بے دریغ کیا۔ ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے جس سے معاویہ کی انتہائی بے حیائی کی عکاسی ہوتی ہے۔

ابن کثیر بحوالہ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ:

معاویہ کے آزاد کردہ غلام خدیج خصی نے روایت کیا کہ معاویہ نے ایک گورے رنگ کی خوبصورت جاریہ خریدی۔ سو میں نے اس لونڈی کو معاویہ کے سامنے اس حال میں پیش کیا کہ وہ مادرزاد ننگی تھی اور معاویہ کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ سو معاویہ اس لونڈی کی متاع یعنی فرج کی طرف اس چھڑی سے اشارہ کرنے لگا اور کہتا تھا یہ متاع (شرم گاہ) اگر میرے لیے ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا اس لونڈی کو یزید کے پاس لے جا۔

بعد ازاں معاویہ نے کہا نہیں میرے لیے ربیعہ بن عمرو جرشی کو بلا لاؤ۔ اور وہ فقیہ تھے۔ جب ربیعہ معاویہ کے پاس گیا تو معاویہ نے کہا یہ لونڈی میرے پاس ننگی لائی گئی اور میں نے شہوت سے اس کا یہ اور یہ دیکھا اور میں نے ارادہ کیا کہ اسے یزید کے پاس بھیج دوں۔ ربیعہ نے کہا یہ نہ کریں اے امیر المومنین! یہ اس کے لائق نہیں ہے۔

ہم احتجاج کرتے ہیں کہ بیرون ممالک سے آنے والے سربراہان ممالک کے استقبال کے لیے قوم کی بیٹیوں کو بنا سجا کر کیوں کھڑا کیا جاتا ہے یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے لیکن دوسری جانب ہم معاویہ کے کردار کو سراہتے ہیں جس نے ننگا ناچ کرایا اور بے حیائی کا زبردست مظاہرہ

خود کیا اور اپنے مولا کو دکھایا۔

علاوہ ازیں معاویہ رقص وسرود کی محفلیں منعقد کراتا تھا اور رقاصاؤں کو خوب داد دیتا تھا جیسا کہ عمرو بن بحر الجاحظ نے کتاب التاج ص 76 پر اس جانب واضح اشارہ کیا ہے۔''①

یہ داستان اگرچہ جواب دینے یا نقل کرنے کے قابل ہرگز نہیں تھی لیکن دل پر جبر کر کے لرزتے قلم کے ساتھ اس لیے نقل کر دی تا کہ مسلمان ان دشمنانِ اسلام سے آگاہ ہو جائیں جو ''سنی اور توحیدی'' کی نقاب اوڑھ کر مسلسل دھوکا دے رہے ہیں۔

اس دشمن اسلام نے تاریخ ابن عساکر کی ایک مجروح السند اور سراپا جھوٹی روایت کے حوالے سے اپنے خبث باطن کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ اس کی ساری کتاب سے کثافت، خساست، دنائت اور رذالت ہی کا اظہار ہوتا ہے۔

اس داستان کی ایک ایک سطر خود آپ اپنی تردید کر رہی ہے دنیا کا کوئی سب سے بڑا احمق ہی اس کہانی پر یقین کر سکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک نوکر ایک لونڈی کو برہنہ کر کے باہر سے اپنے ساتھ لا کر اپنے آقا کی خدمت میں پیش کرے اور وہ آقا اسی نوکر کے سامنے اس لونڈی سے ننگے ناچ کا مظاہرہ کرائے ...... حیرت ہے کہ اس خیر القرون میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ اس سب سے بڑے منکر اور بے حیائی کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھا سکے۔

گزشتہ صفحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اوصاف (خشیت الٰہی، اتباع سنت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر کاربندی اور جذبہ اطاعت ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم) بالتفصیل واضح کر دیئے گئے ہیں...... ایسے اوصاف کے حامل شخص کی طرف بے حیائی کی نسبت کوئی سب سے بڑا بے حیا، بے غیرت اور بدقماش ہی کر سکتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ واقعہ بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

''وقال محمد بن الحكم الانصاری عن عوانة قال حدثنی خديج خصی لمعاويه قال قال لی معاوية ادع لی عبدالله بن مسعدة الفزاری فدعوته وكان أدم شديد الادمة فقال دونک هذه الجارية رومية بيض بها ولدک۔''②

① سیاست معاویہ ص 123، 124

② الاصابہ ص 367 ج 2 تحت حرف العین عبداللہ بن مسعدہ

''محمد بن حکم انصاری، عوانہ سے روایت کرتے ہیں کہ خدیج خصی نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ عبداللہ بن مسعدہ کو بلا لاؤ تو میں انہیں بلا لایا وہ شخص گہرے سانولے رنگ کا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ رومی خوبصورت لونڈی آپ کو دی جاتی ہے۔''

اسی غلام خدیج کے حوالے سے دشمن معاویہ نے ایک سراپا جھوٹی کہانی نقل کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک مکروہ الزام عائد کیا اور اسی راوی کے حوالے سے ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا روایت نقل کی جس میں بے حیائی کا کوئی شائبہ تک موجود نہیں ہے۔ کیا لونڈی کا خریدنا اور اس کا ہبہ کر دینا شرعاً ممنوع ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں لونڈیاں خریدنا اور ان سے متمتع ہونا نہ کوئی معیوب بات تھی اور نہ شرعاً اس کی ممانعت تھی۔ اس دور کا اگر سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو شاید کسی امام، حتی کہ ابوالائمہ کا گھر بھی لونڈی کے وجود سے خالی نظر نہ آئے گا۔

علاوہ ازیں معترض نے جاحظ کے حوالے سے یہ الزام بھی عائد کر دیا کہ:

''معاویہ رقص وسرود کی محفلیں منعقد کراتا تھا اور رقاصاؤں کو خوب داد دیتا تھا۔''

حیرت ہے کہ جاحظ اور سید مہر حسین صاحب کو تو ان محفلوں کے انعقاد اور رقاصاؤں کی داد و دہش کا علم ہو گیا لیکن اس وقت موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ مطلع نہ ہو سکے۔

حضرت عقیل بن ابی طالب، حضرات حسنین، حضرت عبداللہ بن عباس، رضی اللہ عنہم حضرت محمد بن حنفیہ (برادر حسنین)، عبداللہ بن جعفر، اور حضرت زین العابدین رحمہم اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محفلوں میں شرکت کے لیے دور دراز کا سفر طے کر کے پہنچتے اور آں محترم سے ہدایا وعطایا اور وظائف وصول کر کے خوش وخرم واپس لوٹتے رہے مگر انہوں نے تو اس قسم کے کسی واقعے کا کبھی ذکر تک نہیں کیا...... کیا یہ حضرات رقص وسرود کی ان محفلوں میں شرکت کی غرض سے حاضری دیا کرتے تھے؟

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محافل غلط ہوتیں تو یہ اکابر ہاشمی نہ صرف یہ کہ ان میں شرکت نہ کرتے بلکہ ان کے خلاف پوری سلطنت میں آواز بلند کر کے ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا فریضہ ادا کرتے۔

جاحظ کے بارے میں علماء کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

"قال ثعلب لیس بثقة ولا مامون قلت وكان من ائمة البدع ... قال الخطابی هو مغموص فی دينه وذكر ابو الفرج الاصفهانی انه كان يرمی بالزندقة قال ثعلب كان كذابا على الله وعلى رسوله وعلى الناس۔"①

"ثعلب کہتے ہیں کہ نہ تو یہ ثقہ ہے اور نہ کذب وافتراء ہی سے محفوظ و مامون...... بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ یہ بدعتیوں کے اماموں میں سے ایک امام ہے۔ خطابی کہتے ہیں کہ اس کا دین عیب دار ہے اور ابوالفرج اصفہانی نے اس کو زندیق قرار دیا ہے......ثعلب کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور لوگوں پر جھوٹ بولتا تھا۔"

تو جو شخص نا قابل اعتبار، کذاب، مفتری، امام المبتدعین، بے دین، زندیق، اللہ تعالیٰ، رسول اکرم ﷺ اور لوگوں پر جھوٹ باندھنے والا ہو اس کے قول اور اس کی ایک جلیل القدر صحابی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین پر مبنی روایت پر وہی شخص اعتماد ویقین کر سکتا ہے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہو۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولنے سے نہ شرماتا ہو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹے واقعات منسوب کرنے سے کس طرح شرمائے گا؟

لہٰذا آں محترم پر زیر بحث الزام بالکل ہی لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے اور زندیقوں، کذابوں، مفتریوں اور دجالوں کا عائد کردہ ہے۔

① لسان المیزان ص 355، 357 تحت حرف العین عمرو بن بحر الجاحظ

83

حضرت معاویہ ؓ سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کے قاتل ہیں

حضرت معاویہ ؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ کو قتل کیا۔

چنانچہ غلام حسین نجفی بحوالہ تاریخ حبیب السیر لکھتا ہے کہ:

''جب معاویہ نے مدینہ میں آ کر یزید کی خاطر بیعت لینی چاہی تو حضرت عائشہ ؓ نے حجرے سے سر نکالا اور فرمایا رک جا رک جا۔ کیا پہلے بزرگوں نے بھی اپنی اولاد کی خاطر بیعت لی ہے۔ معاویہ نے کہا نہیں۔ عائشہ نے کہا پھر کس کی پیروی کر رہا ہے؟ معاویہ شرمسار ہوا، منبر سے اتر آیا اور حضرت عائشہ کی خاطر ایک گڑھا کھدوایا اور پھر مکر و حیلہ کیا اور جناب عائشہ کو گڑھے میں پھینک دیا اور بی بی جی مر گئیں۔

معاویہ اسلام کا ماموں تو بن بیٹھا مگر اس نے مسلمانوں کی ماں کو قتل کر کے اپنے تمام فضائل پر جھرلو پھیر لیا۔ جو نواصب باچھیں ٹیڑھی کر کے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ محبوب رسول اللہ تھیں وہ ہمیں بتائیں کہ اس محبوبہ رسول اللہ کی قبر کہاں ہے؟ معاویہ نے دنیا میں عائشہ کی قبر کا نشان ہی مٹا دیا۔''①

ڈاکٹر نور حسین جعفری سیالوی لکھتا ہے کہ:

''ظالم معاویہ نے جناب ام المومنین بی بی عائشہ کو ایک گڑھے میں ڈال کر اوپر سے چونا بھر کر زندہ درگور کر دیا اور جناب رسالت مآب کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور حضور انور ﷺ کو ایذائے روحانی پہنچائی مگر پھر بھی اہل سنت کا صحابی بنا رہا......''②

سید حیدر علی نقوی لکھتا ہے کہ:

---

① خصائل معاویہ ص 248، 249

② ثبوت خلافت ص 260 ج 2

''56ھ میں معاویہ مدینہ آیا اور ایک مکان میں گڑھا کھدوا کر اس کو خس پوش کر کے آبنوس کی کرسی بچھوائی اور حضرت عائشہ کو دعوت کے بہانے بلا کر اس پر بٹھایا۔ حضرت عائشہ بیٹھتے ہی گڑھے میں جا پڑیں۔ معاویہ نے اس گڑھے کو پتھر اور چونے سے مضبوط کرا دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔''①

مشہور شیعہ مجتہد مرزا یوسف لکھنوی نے بھی اپنی کتاب میں حبیب السیر جلد دوم جز سوم ص85 مطبوعہ ممبئی کے حوالے سے یہی واقعہ نقل کیا ہے۔②

ان عبارات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موت طبعی نہ تھی اور موصوفہ کفن اور نماز جنازہ کے بغیر ہی گڑھے میں بند کر دی گئیں۔ دشمنانِ اسلام نے اس بدترین تاریخی جھوٹ کے لیے ''اہل سنت کی معتبر کتاب تاریخ حبیب السیر'' کا سہارا لیا۔ اس کے مولف کا نام غیاث الدین محمد ابن ہمام الدین ہے۔ یہ ''بزرگ'' کون ہیں؟ ان کا تعارف مشہور شیعہ مصنف شیخ آقائے بزرگ طہرانی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:۔

''حبیب السیر فی اخبار افراد البشر تاریخ فارسی کبیر فی ثلاث مجلدات لغیاث الدین محمد بن همام الدین۔ جعل جمیع مجلداته ضمن مجلد کبیر۔''

''یہ فارسی زبان میں لکھی گئی ایک بہت بڑی تاریخی کتاب ہے جس کی تین جلدیں ہیں۔ اسے غیاث الدین محمد بن ہمام الدین نے تصنیف کیا پھر اس کو ایک ہی بڑی جلد میں اکٹھا کر دیا گیا۔''

آقائے بزرگ طہرانی نے اسے بدلائل شیعہ ثابت کیا ہے مثلاً

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ بلافصل کہا۔

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ پر صلوٰۃ وسلام کا خالص شیعی انداز اختیار کیا۔

(3) امامت اور خلافت کے حقیقی حقدار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

(4) لوگوں نے حقیقی خلیفہ کو چھوڑ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

(5) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت پر دلائل پیش کیے۔

---

① تاریخ ائمہ ص148 ② وفات عائشہ ص112

(6) تمام اہل بیت معصوم تھے۔

(7) ان کے فضائل و مناقب میں ایسی باتیں بھی تحریر کیں جو اہل سنت کے نزدیک ''منکرات'' میں سے ہیں۔ ①

اگر مذکورہ عقائد و نظریات رکھنے کے باوجود مولف ''حبیب السیر'' جناب غیاث الدین محمد بن ہمام الدین سنی ہی ہیں تو پھر دنیا میں کوئی بھی شیعہ نہیں ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قتل عائشہ رضی اللہ عنہا کا الزام اس قدر لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے کہ خود اکابر علمائے شیعہ نے بھی اس کی تردید کی ہے۔

قدیم شیعہ مورخ احمد بن ابی یعقوب (متوفی 284ھ) لکھتا ہے کہ:

''حضرت معاویہ کے دورِ خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے انتقال کیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سات ازواج مطہرات (1) سیدہ ام حبیبہ 44ھ (2) سیدہ حفصہ 45ھ (3) سیدہ صفیہ 50ھ (4) سیدہ جویریہ 50ھ (5) سیدہ میمونہ 51ھ (6) سیدہ عائشہ صدیقہ 58ھ (7) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن (ایک روایت کے مطابق) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا تھا۔

''وعائشه بنت ابی بکر توفیت سنة ثمان و خمسین و صلّٰی علیها ابو هریرة و کان خلیفة لمروان علی المدینة۔ ''

عائشہ بنت ابی بکر 58ھ میں فوت ہوئیں ان کی نماز جنازہ ابو ہریرہ نے پڑھائی جو اِن دنوں مروان کے نائب تھے۔ ②

محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی لکھتا ہے کہ:

''وایضاً در ایں سال عائشہ زوجہ پیغمبر از دنیا رحلت کرد...... وابو ہریرہ بروی نماز خوانداو را در بقیع دفن کردند۔'' ③

''نیز اسی سال میں عائشہ زوجہ رسول کا انتقال ہوا۔ ابو ہریرہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی

① الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ص 244، 247 ج6
② تاریخ یعقوبی ص 328 ج2
③ منتخب التواریخ فصل چھارم، امر دوم عائشہ دختر ابو بکر رضی اللہ عنہ

اور انہیں جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔''

شیخ عبد اللہ مامقانی لکھتے ہیں کہ:

''عدھا الشیخ فی رجالہ من الصحابیات ... وقبض رسول اللہ ﷺ وھی بنت ثمان وعشرۃ الی ان قال توفیت سنۃ ثمان وخمسین۔''①

''ان کے شیخ نے عائشہ بنت ابی بکر کو اپنی رجال کی کتاب میں صحابیات میں شمار کیا ہے......رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور 58ھ میں ان کا انتقال ہوا۔''

سید علی نقوی (جنہیں اہل تشیع ''سید العلماء'' کے لقب سے پکارتے ہیں) لکھتے ہیں کہ:

''امہات المومنین یعنی ازواجِ رسول کی قبریں اسی بقیع میں تھیں۔ چنانچہ بوقت وفات حضرت عائشہ نے فرمایا کہ مجھ کو وہیں بقیع میں دفن کرنا جہاں میری اور بہنیں (ازواج النبی) دفن ہیں چنانچہ اسی وصیت کی بنا پر جناب عائشہ بھی عام روایت کے مطابق جنت البقیع میں دفن ہیں۔''②

ان اکابر شیعہ علماء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے سلسلے میں زیر بحث داستان کا کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں کیا۔ بلکہ ان کی طبعی موت، نماز جنازہ اور جنت البقیع میں تدفین کی صراحت کی۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علیل ہوئیں۔ دیگر حضرات کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ان کی عیادت کی۔ موصوفہ نے انتقال سے پہلے وصیت فرمائی کہ مجھے رات ہی کو جنت البقیع میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے قریب دفن کیا جائے۔

اس طرح وہ 58ھ میں سترہ رمضان المبارک کی رات نماز وتر کے بعد اپنے پیچھے ایک عالم کو سوگوار چھوڑ کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئیں۔ آپ کی وفات کی خبر آن واحد میں مدینہ طیبہ میں پھیل گئی۔ ہر آنکھ مقدس ماں کی موت پر آنسو بہا رہی تھی۔

حسب وصیت رات کو ہی جنازہ اٹھا لیا گیا۔ نمازِ جنازہ کا اجتماع اپنی مثال آپ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (جو اِن دنوں مدینے میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے نائب تھے) نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قبر

---

① تنقیح المقال ص 81 ج 3

② قبہ وقبور ص 46

میں عبداللہ بن زبیر، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن اور عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم نے اتار کر سپرد خاک کر دیا۔ ①

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''57ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر 66 سال کی تھی وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں......'' ②

کاش موصوف اپنی دوسری کتاب ''سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا'' میں بھی یہی انداز اختیار کرتے......مگر انہوں نے اس میں ایک جملے کا اضافہ کر کے ورطہ حیرت میں ڈال دیا......ملاحظہ فرمائیں:

''مرض الموت میں وصیت کی کہ اس حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے دفن نہ کرنا۔ میں نے ایک جرم کیا ہے مجھ کو دیگر ازواج کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کرنا'' ③

یہ ''جرم'' کیا تھا؟ موصوف نے اس کے لیے صحیح بخاری کتاب الجنائز، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ اور ابن سعد جزء نساء کا حوالہ دیا ہے۔لیکن راقم الحروف ان مقامات میں ''مذکورہ جرم'' تلاش کرنے میں ناکام رہا۔البتہ طبقات ابن سعد میں ''ذکر عائشہ'' کے بالکل آخر میں یہ روایت موجود ہے کہ:

''سننے والے نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سن کر بیان کیا کہ جب آیت ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ (اپنے اپنے گھروں میں چمٹی رہو) پڑھتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے شرابور ہو جاتا۔'' ④

ممکن ہے کہ سید صاحب کی مراد اس ''جرم'' سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنگ جمل کے لیے خروج ہو......جبکہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے ''جرم'' کے بجائے ''بدعت'' کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''اور ندامت کی انتہا یہ ہے کہ شروع میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن جنگ جمل کے بعد آپ نے یہ ارادہ ترک کر

---

① صحیح بخاری کتاب الجنائز و کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ۔طبقات ابن سعد ج8 تحت ذکر عائشہ۔البدایۃ والنہایۃ ص94 ج8 زرقانی علی مواہب لدنیہ ص235 ج3

② سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص376 ج2 تحت ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

③ سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا ص168 مطبوعہ شوکت بک ڈپو، شوکت بازار اندرون شاہدولہ گیٹ گجرات

④ طبقات ابن سعد اردو ص109 ج8

دیا۔قیس بن ابی حازم راوی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دل میں یہ سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے اب مجھے آپ کی دوسری ازواجِ مطہرات کے ساتھ دفن کرنا چنانچہ انہیں بقیع میں دفن کیا گیا۔''①

بہر حال آں موصوف کی طرف لفظ''جرم'' یا''بدعت'' کی نسبت بالکل غلط ہے۔اور دشمنانِ اسلام نے اس''جرم'' کی انتہائی غلط اور بھیانک توجیہات کی ہیں۔اسی''جرم'' کی بنیاد پر غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''بوقت موت جنگ جمل کا عائشہ کے گلے میں پھنس جانا بی بی جی کے غلطی پہ ہونے کی ٹھوس دلیل ہے...... بوقت موت جناب عائشہ بہت گھبرائیں اور بے چین و بے قرار ہوئیں۔پوچھا گیا اماں جی کیا بات ہے؟ بی بی جی فرمانے لگیں میرے حلق میں جنگ جمل کا دن اٹک اور پھنس گیا ہے۔

جنگ جمل کا بوقت موت بی بی جی کے گلے میں پھنس جانا اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ یہ جنگ جناب عائشہ کی ایسی غلطی ہے کہ جس کی معافی انہیں خدائے رحیم نے بوقت موت بھی نہیں دی اور بوقت موت کسی غلطی سے توبہ قبول نہیں ہوتی۔نیز حضرت عائشہ نے بوقت موت توبہ کی ہو اور خاندان رسالت سے معذرت کی ہو اس کا ثبوت تلاش کے باوجود نہیں ملا۔

یہ دکھ کی بات ہے کہ حضرت عائشہ ناموس محمد تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا فرض تھا کہ خاندانِ نبوت کی تابعداری کرتی اور نبی کے بچوں کی خدمت کرتی۔لیکن خدمت اور تابعداری کے بجائے اس نے حضرت علی کی حکومت کو ناکام کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کی ہے۔اور حضرت کی حکومت کے دوران ملک میں فساد برپا کرنے میں اس کا پہلا نمبر ہے۔ حضرت علی کے خلاف اگر یہ مسلح بغاوت نہ کرتی تو شاید معاویہ کو بھی بغاوت کی جرأت نہ ہوتی۔''②

① عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص 43
② بغاوت بنوامیہ ص 423، 435

اب صحیح بخاری کی اصل روایت ملاحظہ فرمائیں:

(1) ''عن هشام عن ابيه عن عائشه انها اوصت عبد الله بن الزبير لا تدفني معهم وادفني مع صواحبي بالبقيع لا ازكّى به ابدا۔''①

''ہشام بواسطہ اپنے والد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو وصیت کی کہ مجھے ان لوگوں (رسول اکرم ﷺ، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا اس طرح میں ان سے برتری حاصل نہیں کر سکوں گی۔''

(2) ''عن عائشه قالت لعبد الله ابن الزبير ادفني مع صواحبي لا تدفني مع النبي ﷺ في البيت فاني اكره ان ازكّى . . .''②

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو وصیت کی کہ مجھے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ ہی دفن کرنا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس دفن نہ کرنا۔ کیونکہ میں یہ بات پسند نہیں کرتی کہ (ان کے مقابلے میں) مجھے کوئی برتر مقام دیا جائے یا میری تعریف کی جائے۔''

(3) ''استأذن ابن عباس قبل موتها علٰى عائشة وهي مغلوبة قالت اخشٰى ان يُثنِيَ عليَّ فقيل ابن عم رسول الله ﷺ ومن وجوه المسلمين قالت ائذنوا له فقال كيف تجدينك قالت بخير ان اتَّقَيتُ قال فانت بخير ان شاء الله زوجة رسول الله ﷺ ولم ينكح بكرا غيرك ونزل عذرك من السماء ودخل ابن الزبير خلافه فقالت دخل ابن عباس فاثنٰى علي وددت اني كنت نسيا منسيا۔''③

''(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالت سخت خراب تھی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے برائے عیادت اجازت طلب کی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کچھ تامل کیا اس خوف سے کہ وہ میری تعریف کریں گے۔ کسی نے ان سے کہا یہ تو رسول اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور مسلمانوں

---

① صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ وابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما

② حوالہ مذکور کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب ماذکر النبی ﷺ

③ صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ النور باب قولہ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ

میں ذی وجاہت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ انہیں اجازت دے دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اندر آئے اور پوچھا آپ اپنے آپ کو کیسا پاتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر مجھ میں تقویٰ ہے تو خیریت سے ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا آپ ان شاء اللہ خیر وعافیت ہی میں رہیں گی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں۔ آپ کے سوا کسی کنواری لڑکی سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح نہیں کیا۔ آپ کی براءت آسمان سے اتری۔ اس کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے تھے انہوں نے میری تعریف کی مگر میں تو یہ چاہتی ہوں کہ میں گمنام اور بھولی بسری ہوتی۔''

صحیح بخاری کی مندرجہ بالا روایات میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا معنی ''جرم'' ہو۔ معلوم نہیں کہ علامہ سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے کس لفظ کا معنی جرم کیا ہے۔ صحیح بخاری کا حوالہ دے کر موصوف نے یہ تاثر دیا ہے کہ ''میں نے ایک جرم کیا ہے'' یہ بھی بخاری ہی کی عبارت ہے۔

راقم الحروف پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ قابل اعتراض جملہ نہ صحیح بخاری میں ہے اور نہ طبقات ابن سعد میں ...... یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ کسی دشمن عائشہ نے علامہ موصوف کی کتاب ''سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا'' میں شامل کر دیا ہو......تو پھر ناشرین اس کے ذمہ دار ہیں۔

البتہ مکتبہ رحمانیہ لاہور کی مطبوعہ کتاب میں نیچے حاشیہ میں ''جرم'' کی وضاحت کے لیے مستدرک حاکم کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ 133۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر جنگ جمل میں شرکت کے اقدام کو ''جرم'' یا ''بدعت'' قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اقدام اجتہادی تھا اور جس مقصد عظیم کے لیے یہ اقدام اٹھایا گیا وہ یقیناً دینی اور شرعی تھا۔

سخت حیرت ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، مفتی اعظم پاکستان اور ان کے تصدیق کنندگان نے پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرنے والی ام المومنین کو ہی ''جرم'' اور ''بدعت'' کا مرتکب قرار دے دیا۔

جہاں تک حدیث کے الفاظ ''لا ازکی بہ ابدا'' کا تعلق ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی جرم سرزد ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ روضۂ اطہر میں دفن نہیں ہونا چاہتی تھیں بلکہ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ آں موصوفہ دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ دفن ہونے کی خواہش رکھتی تھیں اور ان کے مقابلے میں اپنی برتری اور تعریف ہرگز پسند نہیں کرتی تھیں جو روضۂ اطہر میں تدفین کی صورت میں انہیں حاصل ہوتی۔

''لا ازکی بہ ابدا'' کی وضاحت صحیح بخاری کی دوسری روایت سے ہو رہی ہے کہ ''فانی اکرہ ان ازکی...'' میں یہ بات پسند نہیں کرتی کہ دیگر ازواج مطہرات کے مقابلے میں مجھے کوئی برتر مقام دیا جائے یا میری تعریف کی جائے۔

اسی مفہوم پر صحیح بخاری کی تیسری روایت سے مزید روشنی پڑتی ہے کہ آں موصوفہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی مدح وتعریف کے خوف سے عیادت کے لیے اجازت دینے میں تامل کیا تھا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جانے کے بعد انہوں نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ:

''دخل ابن عباس فاثنی علی وددت انی کنت نسیا منسیا '''' ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے انہوں نے میری تعریف کی مگر میں تو یہ چاہتی ہوں کہ میں معدوم محض ہوتی۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق فرمایا اے کاش! میں پتھر ہوتی! اے کاش! میں کسی جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی ...... یہ سب کچھ کسی ''جرم'' کی بنا پر نہیں بلکہ بطور خشیت الٰہی، عاجزی، فروتنی اور بطور تواضع تھا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''لا ازکی بہ ابدا'' کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''ای لا یثنی علی بسببہ ویجعل لی بذلک مزیۃ وفضل وانا فی نفس الامر یحتمل ان لا اکون کذلک وھذا منھا علی سبیل التواضع وھضم النفس۔ ''[1]

مشہور مورخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے قتل عائشہ کی نسبت حضرت مروان کی طرف کی۔ جس سے دشمنانِ معاویہ کا موقف مزید مضبوط ہو گیا۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ حضرت مروان نے یہ کاروائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں کی۔

تعجب ہے کہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی جیسا نقاد مورخ ایک لغو، بے بنیاد اور موضوع روایت سے

---

[1] فتح الباری ص 258 ج 3 کتاب الجنائز تحت الحدیث

اپنا دامن محفوظ نہ رکھ سکا:

''57ھ میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فوت ہو کر جنت البقیع میں مدفون ہوئیں...... آپ مروان کی مخالفت کیا کرتی تھیں کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہ تھے۔ مروان نے ایک روز دھوکے سے دعوت کے بہانے بلا کر ایک گڑھے میں جس میں ننگی تلواریں اور خنجر وغیرہ رکھ دیئے تھے آپ کو گرا دیا۔ آپ بہت ضعیف اور بوڑھی تھیں، زخمی ہوئیں اور ان ہی زخموں کے صدمے سے فوت ہو گئیں۔'' ①

اہل تشیع نے تو صرف گڑھے کا ذکر کیا تھا لیکن موصوف نے اس گڑھے میں ننگی تلواریں اور خنجر بھی رکھوا دیے۔ اکبر شاہ خان صاحب نے یہ وضاحت نہیں کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زخمی ہونے کے کتنے عرصے بعد فوت ہوئیں اور اس واقعہ پر ام المومنین کے روحانی فرزندوں نے کس ردعمل کا اظہار کیا؟ اگر یہ عبارت الحاقی نہیں ہے تو پھر موصوف سے بہت بڑی خطا واقع ہوئی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قتل عائشہ کا الزام درایتاً بھی غلط ہے کیونکہ وہ آں موصوفہ کا پورا پورا اکرام واحترام کرتے تھے اور صدق دل سے ان کی فضیلت وعظمت کے قائل تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بروایت عبداللہ بن وردان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''ان من الناس من لا یرد علیہ امرہ وان عائشۃ منھم''

کہ بعض لوگوں کی عظمت کا یہ مقام ہوتا ہے کہ ان کی بات کو ان پر لوٹایا اور رد نہیں کیا جا سکتا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان ہی لوگوں میں سے ہیں۔ ②

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں ہدایا اور وظائف بھیجتے تھے اور وہ انہیں قبول فرما لیتی تھیں۔ بعض اوقات ایک ایک لاکھ کی رقم ہدیہ کرتے تھے اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً دس دس اور پانچ پانچ ہزار کی رقوم ارسال کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منکدر بن عبداللہ کو دس ہزار کی رقم دینی چاہی لیکن اس وقت ان کے پاس رقم نہ تھی حسن اتفاق سے اسی دن شام کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ارسال کردہ رقم پہنچی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منکدر کو بلوا کر اس میں سے دس ہزار کی رقم انہیں دے دی۔

① تاریخ اسلام ص 34 ج 2
② التاریخ الکبیر ص 220 ج 3

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک قیمتی ہار بھیجا جو اس وقت ایک لاکھ درہم کا تھا۔ آپ نے قبول کر کے اسے دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں تقسیم فرما دیا۔

ایک دفعہ یوں بھی ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک لاکھ درہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے فقراء میں بانٹ دیے۔ ایک خادمہ نے عرض کیا: کیا اچھا ہوتا اگر آپ ان دراہم میں سے ایک درہم کا ہی ہمارے لیے گوشت خرید لیتیں۔

یہ سن کر سیدہ نے فرمایا:

''لو قلت قبل ان افرقها لفعلت''①

اگر تم نے یہ بات درہم بانٹنے سے قبل کہی ہوتی تو میں ایسا ضرور کرتی۔

راجح قول کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات 17 رمضان المبارک 58ھ میں ہوئی۔ اور تاریخ کی کسی کتاب میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے 58ھ میں مدینہ کا سفر اختیار کیا تھا۔

کنواں کھدوا کر، اس میں ننگی تلواریں اور خنجر رکھ کر، اسے خس و خاشاک سے ڈھانپ کر، اس پر آبنوس کی کرسی بچھا کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو زخمی کر دیا جائے تو اس مقدس ماں کے لاکھوں روحانی فرزند خاموش رہیں یہ کیونکر ممکن ہے؟

کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دعوت کھانے کے لیے تنہا تشریف لے گئی تھیں یا ان کے ساتھ کوئی خادمہ یا دیگر کوئی خاتون بھی تھی؟ پھر جب موصوفہ گھر میں داخل ہوئیں تو کیا وہاں صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا جناب مروان رضی اللہ عنہ اکیلے تھے؟ یا ان کے ساتھ دیگر افراد (مرد و خواتین) بھی موجود تھے؟ اگر خواتین بھی موجود تھیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ کیوں نہیں بیٹھیں؟

صحیح بخاری اور دیگر کتب سیر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات سے قبل اپنے حقیقی بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اپنی تدفین کے متعلق باقاعدہ وصیت کی۔ جس کے مطابق ان کی تدفین عمل میں آئی۔ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا ہوتا تو موصوفہ اس کا ضرور ذکر کرتیں۔ یا کم از کم حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس واقعہ کے خلاف ضرور بھرپور احتجاج کرتے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کچھ متروکات چھوڑے جن میں ایک جنگل

① حلیۃ الاولیاء ص 47 ج 6 تذکرہ عائشہ

بھی تھا یہ ان کی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے حصے میں آیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ جنگل تبرکاً ایک لاکھ درہم میں ان سے خریدا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ رقم اپنے عزیزوں میں تقسیم کردی۔ ①

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کنویں میں گرا کر قتل کیا ہوتا تو ان کی حقیقی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ان کا ترکہ (جنگل) امیر المومنین کے سپرد کیوں کرتیں اور آں محترم اس ترکہ کو تبرکاً کیوں خریدتے؟

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے متفقہ قول کے مطابق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موت بوجہ بیماری اور طبعی طور پر ہوئی ......موصوفہ کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (جو حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے نائب تھے) نے پڑھائی اور انہیں ان کی وصیت کے مطابق جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا حضرت مروان رضی اللہ عنہ پر قتل عائشہ کا الزام سراسر بے بنیاد، لغو اور خلافِ واقع ہے۔

---

① صحیح بخاری باب هبة الواحد للجماعة

84

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تمکین دین حاصل نہیں تھی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہیں ''تمکین دین'' کی نعمت حاصل نہیں تھی۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''باقی رہے امیر معاویہ، ہر چند اِن کو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن وہ حقیقت میں تمکین دین نہ تھی تمکین ملک وسلطنت تھی۔ چنانچہ واقعات فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفائے اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ کے اطوار وانداز میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ ان کی گزران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ کا طور ملوک کا سا تھا۔ اس لیے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے۔ ملوک میں شمار کرتے ہیں لیکن ملوک، ملوک میں بھی فرق ہے۔ ایک نوشیروان تھا ایک چنگیز خان۔ سو یہ (امیر معادیہ رضی اللہ عنہ) ہر چند ملوک میں سے تھے لیکن اس کے یہ معنی ہیں کہ خلفائے راشدین کے مقابلے میں دنیادار معلوم ہوتے تھے۔''①

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی حضرت نانوتویؒ کی مذکورہ عبارت سے استدلال کرتے ہوئے اسے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:②

جناب سید ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:

''بنی امیہ کے حسنات سیاسیہ وملکیہ سے کسی کو انکار نہیں ...... پس ہم ان کی سیاست دینیہ کی برائی کرنے میں باک نہیں رکھتے۔ اور اسی طرح ان کے حسنات ملکیہ وسیاسیہ کے اعتراف میں بھی بخیل نہیں۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ زید کے ذہین وطباع ہونے کے صلے میں اس کے شرب خمر وظلم وفسق کی بھی تعریف کریں یا چونکہ ایک شخص خوش تقریر ہے لہٰذا کوئی مضایقہ نہیں

① هدیة الشیعة ص66 مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
② خارجی فتنہ حصہ اول ص488۔489 طبع اول 1983ء/طبع سوم جنوری 2015ء ص361

کہ اگر تارک صلوٰۃ بھی ہو۔ مقصد اصلی یہ ہے کہ بنی امیہ نے خلافت دینی کو جس کا عمود کار اتباع شریعت تھا محض حکومت وسیاست کی صورت میں تبدیل کر دیا اور جو بنیاد خلفائے راشدین نے رکھی تھی، اس کو اپنے اغراض نفسانیہ وہوائے شخصیہ پر قربان کر کے منہدم کر دیا۔ ظلم ومنکرات کا بازار گرم ہو گیا آزادیِ رائے کو بزور شمشیر بند کرنا چاہا اور علی الخصوص سب سے پہلے تاریخ اسلام میں احکام شریعت پر اپنے اغراض نفسانیہ وسیاسیہ کو مقدم کرنے اور حسب ضرورت اس میں تحریف توجیہ نما کرنے کی بنیاد ڈالی۔ یہی بنیاد تھی جس پر بعد کو آنے والوں نے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کیں اور ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام اپنے ابتدائی سی سالہ عہد اصلی کو ماتم وحسرت کے ساتھ یاد کرتی رہی......''①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں پیچھے گزر چکی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کی خلافت نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی بھی پسندیدہ تھی کیونکہ وہ صلح حسن رضی اللہ عنہ کے نتیجے میں قائم ہوئی تھی اور صلح حسن رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ یہ فضیلت تبھی ثابت ہوگی جبکہ یہ صلح اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ہو اور وہ صلح چونکہ سپردگی خلافت کی صورت میں ہی وجود میں آئی لہٰذا اس کی یہ شکل بھی اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ہی ہوگی۔

علاوہ ازیں آں محترم کو نعمت امن کے ساتھ ساتھ تمکین دین کی نعمت بھی حاصل تھی۔ کیونکہ ان کا دین بھی وہی تھا جو سابقہ خلفاء کا تھا۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے اس ارشاد کے ساتھ قطعاً اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ:

''انہیں تمکین دین حاصل نہ تھی بلکہ تمکین ملک وسلطنت حاصل تھی اور ان کے اطوار وانداز میں اور خلفائے اربعہ کے اطوار وانداز میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔''

علاوہ ازیں حضرت نانوتویؒ نے جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''دینی تمکین'' کا مصداق نہ قرار دیتے ہوئے انہیں ''مَلِک'' باور کرایا وہیں ایک جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایک غیر مسلم بادشاہ ''نوشیروان خسرو'' کے ساتھ بھی دے دی۔

① الہلال ص362 ج2

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''و اما معاویة فھو ان لم یرتکب منکرا لکنہ توسع فی المباحات۔''①

''مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوئی منکر اور خلافِ شرع کام ہرگز نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے مباحات کے استعمال کرنے میں فراخی سے کام لیا۔''

توسع فی المباحات سے کون سی حدود ٹوٹ گئی ہیں اور دین میں کیا تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں؟ کیا اسے زمین و آسمان کا فرق کہا جا سکتا ہے؟

امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''اور تمکین دین ان کو حاصل تھی کیونکہ دین ان کا وہی تھا جو حضرات خلفائے ثلاثہ کا تھا۔''②

تو اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے پیش رو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا دین مختلف تھا؟ آیئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی دریافت کر لیتے ہیں۔

''والظاھر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدة لا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا۔''③

''ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری دعوت اسلام ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ ہماری اور ان کی دینی حالت ایک جیسی ہے۔''

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تمکین دین کی نعمت حاصل تھی۔ ان کا بھی وہی دین تھا جو اِن کے پیش رو خلفاء کا تھا اور وہی دین ان کے عہد خلافت راشدہ میں غالب اور رائج تھا۔ اور یہی تمکین دین ہے جو دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کا نتیجہ ہے...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا:

''اللھم علمہ الکتاب ومکن لہ فی البلاد وقہ العذاب۔''④

---

①النبراس شرح لشرح العقائد ص 511
② تحفہ خلافت ص 25
③نھج البلاغہ ص 114 ج 2
④البدایہ والنھایہ ص 121 ج 8

''اے اللہ! انہیں قرآن کا علم سکھا دے اور شہروں میں انہیں تمکین دے اور انہیں عذاب سے محفوظ رکھ۔''

محدث جلیل مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے جیسا کہ ناقدین حدیث نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسلام کی چکی میرے بعد پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال تک چلتی رہے گی۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوسکتا کہ 37 سال کے بعد حکومت اسلام ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقع کے خلاف ہے بس یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اتنی مدت تک رہے گا۔ تو اس میں سات سال خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھی شامل ہیں۔ پھر ان کو خلفاء سے الگ کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟

نیز مسلم شریف کی حدیث صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ دین اسلام معزز اور مضبوط رہے گا بارہ خلفاء تک جو سب قریش سے ہوں گے''۔ ان بارہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً داخل ہیں کہ وہ صحابی ہیں اور ان کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی بہت تھا۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔''①

صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بے شک یہ امر خلافت قریش کے ہاتھ میں باقی رہے گا جو شخص ان سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل گرا دے گا۔ (یہ امر ان کے پاس اس وقت تک رہے گا) جب تک وہ دین کو قائم کرتے رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور دعاؤں کا تعلق اس ارشاد باری کے مطابق تھا کہ رحمہ اللہ

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾②

''وہ لوگ اگر ہم انہیں ملک میں تمکین دیں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں اچھے کام کا اور منع کریں برائی سے۔''

① براۃ عثمان رضی اللہ عنہ ص 57 ② حج:41

جسے اس طرح کی تمکین حاصل ہوا سے ہرگز ہرگز تمکین ملک وسلطنت نہیں کہا جا سکتا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''والجهاد في بلاد العدو قائم وكلمة الله عالية والغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه في راحة وعدل وصفح وعفو۔ ''①

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں دشمنوں کے ممالک میں جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ سر بلند رہا اور اطراف واکناف سے غنائم کی ریل پیل تھی اور مسلمان ان کے زیر سایہ راحت وعدل اور عفو درگزر کی زندگی بسر کرتے رہے۔''

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمکین ملک وسلطنت کا تو اقرار کیا ہے لیکن تمکین دین کی نفی کی۔ سطور بالا سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمکین دین کا تو کسی صورت انکار کیا ہی نہیں جا سکتا جبکہ تمکین ملک وسلطنت کا انکار تو غیروں نے بھی نہیں کیا۔ شاید یہ حضرات ''آیت تمکین'' پر غور نہیں فرما سکے۔ اس آیت میں تمکین فی الارض اور تمکین فی الدین دونوں کا ذکر ہے۔ چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ دونوں تمکینیں حاصل ہوئی تھیں اس لیے ان کی خلافت ''آیت تمکین'' کی مکمل طور پر مصداق ہے۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا ''تمکین دین'' کی نفی کی طرح یہ استدلال بھی انتہائی ضعیف ہے کہ:

''خلفائے اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اطوار وانداز میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ ان کی گزران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا طور ملوک کا سا تھا۔''

سوال یہ ہے کہ ''اطوار وانداز اور فقیرانہ وغریبانہ'' گزران کے ساتھ ''تمکین دین'' کا کیا تعلق ہے؟ کیا دین اسلام فقیرانہ گزران کا نام ہے؟ پھر کیا پوری جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں آسودگی وخوش حالی صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل ہوئی تھی؟ جب یہ حقیقت ہے کہ یہ آسودگی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوئی ہے تو کیا ان سب کو غیر متمکن فی الدین کہا جا سکتا ہے؟ پھر تمکین دین اور تمکین ملک وسلطنت کے فرق کا کیا فائدہ ہوا؟

---

① البدایہ والنہایہ ص 119 ج 8

85

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک سنی بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اہل تشیع کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''اور یہ سچ ہے کہ سنی اصحاب اربعہ یعنی چار یار کو بترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین سمجھتے ہیں اور خلیفہ راشد (موعود علیٰ منہاج النبوۃ) اعتقاد کرتے ہیں پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید پلید اور عبد الملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد (موعود) نہیں سمجھتا......

اجی صاحب اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے ہیں خلیفہ راشد نہیں سمجھتے اگر کسی نے ان کو خلیفہ لکھ دیا تو اس سے خلیفہ راشد مراد نہیں......

(یہ ملحوظ رہے کہ قوسین میں ''موعود علیٰ منہاج النبوۃ، موعود'' مولانا حافظ مہر محمد کا اپنا اضافہ ہے)

اجی حضرت! اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر (موعود) خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار یار ہی کو سمجھتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے جیسے اولاد کو ہر کوئی خلف کہتا ہے پر خلف الرشید اسی کو کہتے ہیں جو فرزند کامل ہو ورنہ یا تو ناخلف ہے یا کوئی صفت بھلی بری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے سو خلیفہ راشد تو چار یار ہی تھے اور یزید، عبد الملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ ناخلف ہیں ہاں فضیلت صحبت اور بزرگی صحابیت اور اخوۃ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی اور اس لیے سب کے واجب التعظیم ہیں جو برا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے......

بالجملہ اہل سنت خلیفہ سبھی کو کہہ دیا کرتے ہیں اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں سو تمہیں کہو اس میں کیا بزرگی ہے اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بدمعاش بیٹھ جائے تو اس کو جانشین تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی۔ ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی۔ ایک خلیفہ راشد یہ تو چار یار اور پانچویں پانچ چھ مہینے کے لیے امام حسن رضی اللہ عنہ ہو

گئے تھے۔ دوسرا خلیفہ غیر راشد اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور مَلِک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں۔ یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں۔ ہاں عمر بن عبدالعزیز البتہ مروانیوں میں سے خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔ فقط''①

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی، مولانا محمد امین اورکزئی صاحب کے نام اپنے خط میں حضرت نانوتویؒ کا ''اصل قول'' یوں نقل کرتے ہیں کہ:

''حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

آپ فرماتے ہیں:

''اور یہ سچ ہے کہ سنی اصحاب اربعہ یعنی چار یار کو بالترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین ﷺ اور خلیفہ راشد سمجھتے ہیں۔ امیر معاویہ، یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا۔''②

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آیت ...... ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ کے مصداق ہونے کے باوجود خلیفہ غیر راشد ہیں جب کہ اپنے رفیق مکرم حضرت گنگوہی رحمہ اللہ خلیفہ حضرت مکی کے بارے میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''مخدوم العلماء، مطاع الفضلاء، مجمع الکمالات، منبع الحسنات، زیب طریقت، حامی شریعت ،فخر احباب افتخار، اصحاب ملجاء انام، مرجع خاص وعام، معلم قوانین اطاعت وانقیاد، محرک سلسلہ رشد وارشاد، جامع کمالات ظاہری وباطنی، مخدومنا ومولانا مولوی رشید احمد گنگوہی دام رشدہ وارشادہ''③

حضرت نانوتوی کی مذکورہ عبارات اپنے مفہوم میں بالکل صریح اور واضح ہیں اور ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یقیناً ''تنقیص'' پائی جاتی ہے جنہیں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے ''تسامحات'' کا نام ہی دیا جاسکتا ہے۔

موصوف اہل تشیع کے سوال کے جواب میں اہل سنت کا یہ ''موقف'' پیش کر رہے ہیں کہ:

---

① اجوبہ اربعین ص 185 تا 188۔ مطبوعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

② حوالہ مذکور و تجلیات صفدر جلد اول طبع اول فیصل آباد ص 535۔ مطبوعہ مکتبہ امداد العلوم ص 582۔

③ ھدیۃ الشیعہ ص 8

1۔ سنی چار یار کو ''خلیفہ راشد'' اعتقاد کرتے ہیں پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی ''خلیفہ راشد'' نہیں سمجھتا۔

2۔ اجی صاحب! اہل سنت ان لوگوں (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ) کو بادشاہ سمجھتے ہیں۔

3۔ لیکن ملوک، ملوک میں بھی فرق ہے ایک نوشیروان تھا، ایک چنگیز خان۔ ①

4۔ خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار یا ہی کو سمجھتے ہیں۔

5۔ خلیفہ راشد تو چار یار ہی تھے اور یزید، ولید، عبدالملک وغیرہ اکثر ناخلف تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ خلیفہ راشد ہیں اور نہ ناخلف ہیں۔

6۔ لفظ ''خلیفہ'' میں کوئی بزرگی نہیں اس کے معنی فقط ''جانشین'' ہیں البتہ لفظ ''راشد'' بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔

7۔ چار یار اور امام حسن رضی اللہ عنہ ''خلیفہ راشد'' ہیں اور باقی خلفاء غیر راشد ہیں جنہیں ''مَلِک'' و ''بادشاہ'' کہا جاتا ہے ہاں عمر بن عبدالعزیز خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے ایک تابعی عمر بن عبدالعزیز کو تو ''خلیفہ راشد'' تسلیم کر لیا ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی تسلیم کرنے کے باوجود حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز والا درجہ دینے کے لیے کسی صورت آمادہ نہیں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کے لیے فقط ''خلیفہ'' کا لفظ بھی استعمال کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں؛ انہیں صرف ''مَلِک و بادشاہ'' تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ ''بادشاہوں'' میں ''عادل وظالم'' میں امتیاز پیدا کرتے ہوئے ''چنگیز خان'' جیسے ظالم بادشاہ کے ساتھ تشبیہ دینے سے تو بچا لیتے ہیں اور ایک غیر مسلم ایرانی وساسانی عادل بادشاہ ''نوشیروان'' کے ساتھ تشبیہ دے دیتے ہیں۔

جب عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ تشبیہ دینے میں بھی یقیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''تنقیص'' پائی جاتی ہے تو پھر ''نوشیروان'' کے ساتھ تشبیہ دینے میں کس قدر ''تنقیص'' پائی جائے گی۔

طرفہ تماشا یہ کہ ''دعویٰ'' تو یہ تھا کہ سنی صرف ''چار یار'' ہی کو خلیفہ راشد اعتقاد کرتے ہیں مگر معاً بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز کو بھی اس فہرست میں شامل کر لیتے ہیں۔

---

① هدية الشيعة ص 66

یہ بات بھی یقیناً باعث تعجب ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو آیت ''استخلاف'' اور آیت ''تمکین'' کا مصداق قرار نہ دینے کے باوجود ''خلیفہ راشد'' تسلیم کرتے ہیں جب کہ اسی ''معیار'' کو فراموش کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''خلیفہ غیر راشد'' اور ''بادشاہ'' کہنے پر مصر ہیں۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

''امام ہمام سبطِ اکبر کا حال یہ ہے کہ چھ مہینہ کے لیے وہ خلیفہ تو ہو گئے پر چاہیے ان کو کسی طرح کی تمکین دین حاصل ہوئی ہو ہرگز ظہور میں نہیں آئی خاص کر شیعوں کے نزدیک......
آیت استخلاف کا مصداق صرف خلفاء اربعہ ہیں: اور بعد اس کے ہر چند حضرت سبطِ اکبر امام ہمام امام حسن رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین میں معدود ہیں مگر ان کو جو خلافت پہنچی تو اس وعدہ کے سبب نہیں پہنچی کیونکہ ان کو قبل نزول اس آیت (استخلاف) کے کس دن خوف ہوا تھا وہ زمانہ ان کے لڑکپن کا تھا، دشمنوں سے اندیشہ بڑوں کو ہوتا ہے لڑکوں کو نہیں ہوتا بلکہ وصول اس نعمت کا ان تلک زائد از قدر وعدہ تھا۔ اسی لیے ان کی خلافت کے لیے تمکین اور جماؤ لازم نہ ہوا۔''①

لیکن اس کے برعکس حضرت نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (جنہیں تمکین دین وسلطنت دونوں حاصل تھیں) کو ''زائد از قدر وعدہ'' کے تحت یہ ''رعایت'' دینے کے لیے تیار نہیں۔ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین میں شامل کرنا تو درکنار ان کے لیے صرف ''خلیفہ'' کا لفظ بھی استعمال کرنے کے روادار نہیں بلکہ انہیں صرف ''مَلِک اور بادشاہ'' وہ بھی ''نوشیروان'' جیسا باور کراتے ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا یہ دعویٰ بھی بالکل غلط اور خلافِ حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''سنیوں میں سے کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا''

اس کی تفصیل کے لیے راقم الحروف کی 832 صفحات پر مشتمل کتاب ''عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ'' کی طرف مراجعت فرمائیں۔

ستم بالائے ستم یہ کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے واشگاف الفاظ میں لکھا ہے کہ:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں

① هدیة الشیعة ص 63، 66۔ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

سمجھتا۔''

یہاں ''یزید اور عبدالملک'' کی خلافت کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ''نتھی'' کرنا ان ؓ کی صریح تنقیص ہے۔ یزید کے نام کے ساتھ تو خود حضرت نانوتوی رحمہ اللہ جا بہ جا رحمہ اللہ ''پلید'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں جب کہ عبدالملک کے بارے میں امام ابوبکر جصاص رازی حنفی اپنی تفسیر میں لکھ چکے ہیں کہ:

''ولم يكن من العرب ولا آل مروان أظلم ، ولا أكفر ، ولا أفجر من عبدالملک...''①

عبدالملک سے بڑھ کر عرب اور آل مروان میں کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اہل تشیع کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اول تو اہل سنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''خلیفہ'' نہیں بلکہ مطلق بادشاہ کہتے ہیں اور اگر بادشاہوں کو عام طور پر ''خلفاء'' کہہ بھی دیا گیا تو اس لفظ میں کچھ ''بزرگی'' نہیں کیونکہ ''خلیفہ'' کے معنی فقط ''جانشین'' ہیں البتہ لفظ ''راشد'' بزرگی پر دلالت کرتا ہے تو ''خلیفہ راشد'' (بزرگی پر دلالت کرنے والے لفظ) کا اطلاق صرف چار یار، امام حسن رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز پر ہوتا ہے۔ کوئی سنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''خلیفہ راشد'' نہیں کہتا اور جن حضرات نے انہیں فقط ''خلیفہ'' کہا ہے تو اس لفظ میں کوئی ''بزرگی'' نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا یہ توجیہہ بھی واضح طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے جملہ ''تسامحات'' کو معاف فرمائے۔ آمین

① تفسیر احکام القرآن ص 86 جلد اول

86

ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ زیر عنوان ''مذہب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ درباب ''خلافت'' لکھتے ہیں کہ:

''وایں طرف مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ درباره خلافت آں بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زائد از دیگراں باشد گو افضل از او باشند، افضل است از دیگراں۔ نظر بریں او را افضل از دیگراں دانستند واگر افضل نداستند پس بیش ازیں نیست کہ ترک افضل کردند۔ چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شدہ کہ استخلافِ افضل، افضل است نہ واجب۔ لیکن ایں قدر را گناہ نتواں گفت کہ بسبّ وشتم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پیش آئیم
وایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از اجلہ صحابہ نمی شماریم کہ بنسبت ترک افضل واولیٰ ہم دریں چنیں امور معذرت نمائیم۔''

پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی فاضل دار العلوم دیوبند نے مذکورہ ''متن'' کے بالمقابل اس کا درج ذیل ترجمہ کیا ہے:

''اور اس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو، گو اس سے افضل ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے۔
اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کو انہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر (بالفرض) افضل نہ بھی جانا تو اس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا۔
جیسا کہ گذشتہ مقدمات (یعنی افضل کو قائم مقام نامزد کرنا زیادہ اچھا ہے، واجب نہیں ہے۔ از مترجم) میں واضح ہو گیا کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب۔ لیکن اتنی بات کے باعث ترک افضل کا گناہ ان پر نہیں تھوپا جا سکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں۔

اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں کہ افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔''

شیرکوٹی صاحب ''جلیل القدر'' کے تحت حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

''یعنی چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح کے ایسے صحابہ میں سے نہ تھے کہ یزید کو اپنا جانشین بنانے پر ان کی طرف سے ہم معذرت پیش کریں......مترجم''①

مذکورہ مکتوب کا ''دیباچہ'' (ازص 16 تا 39) قاضی مظہر حسین صاحب کا تحریر کردہ ہے جس میں اس ''مکتوب'' کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔''دیباچہ'' کے علاوہ موصوف زیر عنوان: ''کلمات بابرکات'' لکھتے ہیں کہ:

''پاکستان میں اہل سنت والجماعت کی غفلت اور ناواقفیت کی وجہ سے شیعیت وغیرہ دوسرے فتنوں کے ساتھ خارجیت بعنوان یزیدیت کا فتنہ بھی پھیل رہا ہے جس میں دیوبندی حلقہ بھی مبتلا ہو رہا ہے۔تحریک خدام اہل سنت کے ایک نوجوان عالم قاری شیر محمد صاحب علوی سلمہ (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور) نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہ کا یہ محققانہ مکتوب کتابی صورت میں شائع کر کے ایک اہم دینی خدمت سرانجام دی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے ابتدائیہ کے طور پر اپنا ایک جامع مقالہ بعنوان: ''التمهيد في بيان فسق يزيد'' بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔''

مذکورہ کتاب کی اشاعت (1982ء) سے پہلے 1978ء میں قاضی مظہر حسین صاحب نے ''یادگار حسین رضی اللہ عنہ'' کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا اس میں بھی مذکورہ ''مکتوب'' سے متعلق لکھا کہ:

''یہ فارسی مکتوب حضرت نانوتوی کے مجموعہ مکتوبات بنام ''قاسم العلوم'' میں شائع ہو چکا ہے جس کے مترجم جناب مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب شیرکوٹی فاضل دیوبند مرحوم ہیں۔''②

تمام اہل علم نے زیر بحث ''ترجمہ'' کو بالکل درست تسلیم کیا حتیٰ کہ قاضی مظہر حسین صاحب

① ''در تحقیق واثبات شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ وکردار یزید'' ص 77-78 ناشر تحریک خدام اہل سنت والجماعت کرم آباد۔ وحدت روڈ لاہور 1982ء

② یادگار حسین رضی اللہ عنہ ص 3

نے 1982ء میں اس ''مکتوب'' کو علیحدہ کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس سے قبل 1978ء میں اپنے کتابچہ ''یادگار حسین رضی اللہ عنہ'' میں اس ترجمہ کی تائید وتحسین کر چکے تھے۔ جب کہ قاضی صاحب خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''جلیل القدر'' صحابی مانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: خارجی فتنہ حصہ اول طبع اول 1983ء ص 425، 572، 590، خارجی فتنہ حصہ دوم طبع اول 1987ء ص 50، 649۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے فارسی مکتوبات بنام ''قاسم العلوم'' میں گیارہ مکاتیب ہیں جن میں سے زیر بحث ''نواں مکتوب'' مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمہ اللہ کے نام ہے جسے پروفیسر انوار الحسن صاحب شیرکوٹی نے اپنے ترجمہ ''انوار النجوم'' میں چوتھے مکتوب کے طور پر شامل کیا ہے۔

''قاسم العلوم'' فارسی زبان میں پہلی مرتبہ 15 جمادی الثانیہ 1292ھ/ 1875ء میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی باقاعدہ نظر ثانی کے بعد شائع ہوا تھا۔ آخری مکتوب کے ترجمہ سے شیرکوٹی صاحب 25 ذی الحجہ 1388ھ/ 12 مارچ 1969ء کو فارغ ہوئے۔ اس طرح زیر بحث مکتوب کا ترجمہ فارسی مکتوب کی اشاعت کے سن ہجری کے اعتبار سے (1292ھ- 1388ھ) 96 سال اور سن عیسوی کے اعتبار سے (1875ء- 1968ء) 93 سال کے بعد منظر عام پر آیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیر بحث تنقیصی جملہ کہ:

''وایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از اجلہ صحابہ نمی شماریم......''

(اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے......)

کو آج 1440ھ میں شائع ہوئے 148 سال بیت گئے ہیں۔ جب کہ شیرکوٹی صاحب کے ترجمہ کو 52 سال پورے ہو گئے مگر مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمہ اللہ جنھوں نے ترجمہ کے لیے اصل کتاب ''قاسم العلوم'' کا ایک نسخہ شیرکوٹی صاحب کو فراہم کیا تھا) مولانا عبدالرشید نعمانی اور مولانا قاضی مظہر حسین صاحب سمیت کسی عالم نے بھی اسے ''غلط'' قرار نہیں دیا بلکہ یہ حضرات اور دیگر اہل علم اس سے باقاعدہ استفادہ واستدلال کرتے رہے۔ حتیٰ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے معروف ''ناقد'' ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی نے بھی یہ استفسار کیا کہ ''اگر حضرت معاویہ جلیل القدر صحابی اور عظیم المرتبت خلیفہ تھے تو پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے کون سے الفاظ مدح باقی رہ گئے''۔ ①

① روزنامہ امت 7 جولائی 2013ء

شیر کوٹی صاحب نے اپنے طور پر زیر بحث ''تنقیصی جملہ'' کی یہ توجیہہ بیان کی ہے کہ:

''یعنی چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کی طرح ایسے صحابہ میں سے نہ تھے کہ یزید کو اپنا جانشین بنانے پر ان کی طرف سے ہم معذرت پیش کریں۔''

مذکورہ توجیہہ بوجوہ محل نظر ہے:

اولاً: یہ ''توجیہہ'' خود اس بات کی دلیل ہے کہ ''مترجم'' حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے اس تنقیصی جملہ سے مطمئن نہیں ہیں؛ اسی لیے انہیں ''توجیہہ'' کا سہارا لینا پڑا۔

ثانیاً: ''مترجم'' کی یہ ''توجیہہ'' صحیح نہیں ہے کیونکہ زیر بحث جملہ کے سیاق وسباق میں دور دور تک خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں پایا جاتا۔

ثالثاً: اگر بالفرض ''مترجم'' کی ''توجیہہ'' کو کسی درجہ میں صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی ان کا من پسند اور خود کشیدہ مفہوم کسی طور پر بھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس ''توجیہہ'' کا صاف مطلب یہ ہے کہ:

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی طرح ''جلیل القدر'' صحابی ہوتے تو پھر ہم یزید کی ولی عہدی جیسے معاملات پر ''سبّ وتنقید'' کی صورت میں ان کی طرف سے معذرت پیش کرتے لیکن چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی طرح جلیل القدر نہیں تھے اس لیے ہمیں ''معذرت'' پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

رابعاً: کیا جلیل القدر صحابہ کے مابین بھی درجہ بندی ہے؟

خامساً: کیا خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم بھی ایک ہی جیسے ''جلیل القدر'' صحابی ہیں؟

سادساً: کیا خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے ''ترک اولیٰ'' کا صدور کبھی نہیں ہوا؟

سابعاً: کیا ''ترک اولیٰ'' گناہ ہے یا ایک جائز فعل؟ جب یہ فعل جائز ہوا تو اس سے معذرت کیوں کر؟

ثامناً: معلوم نہیں کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے کس مفہوم میں یہ لکھ دیا کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''ترک اولیٰ'' کا گناہ نہیں تھوپا جا سکتا کہ ان کے ساتھ گالم گلوچ سے پیش آئیں۔

''ترک اولیٰ'' ایک جائز کام ہے اور ایک جائز کام کو ''گناہ'' سے تعبیر کرنا ہی سرے سے غلط ہے۔

اگر ''ترک اولیٰ'' سے زائد کوئی امر ہو تو پھر کیا حکم لاگو ہوگا؟

تاسعاً: جن اکابر نے حضرت معاویہ ؓ کو ''فسق'' اور ''کبیرہ'' کا مرتکب بتایا، کیا اس سے گالم گلوچ، طعن و تشنیع کا دروازہ نہیں کھلا؟

عاشراً: پروفیسر انوار الحسن صاحب شیر کوٹی کی زیر بحث ''توجیہہ'' دراصل ''**توجیه القول بما لا یرضٰی به قائله**'' کے زمرہ میں آتی ہے بلکہ صحیح تر الفاظ میں حضرت نانوتوی ؒ کے زیر بحث ''تنقیصی قول'' پر ''تصریح القول من جانب القائل'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں سرے سے کسی ''توجیہہ و تاویل'' کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت نانوتوی ؒ نے مطلقاً لکھا ہے کہ ''اور پھر ہم امیر معاویہ ؓ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے۔'' کیا جلیل القدر صحابہ ؓ میں خلفائے اربعہ ؓ ہی محسوب ہوتے ہیں؟ جب دیگر حضرات بھی ہیں تو پھر یہاں شیر کوٹی صاحب ؒ کا ''خلفائے اربعہ ؓ'' سے اس کی توجیہہ پیش کرنا ''چہ معنی دارد''؟

حضرت نانوتوی ؒ اور شیر کوٹی صاحب ہی کی طرح یہی بات ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی (م 1437ھ/ 2016ء) نے ایک دوسرے انداز سے لکھی کہ:

''اگر حضرت معاویہ جلیل القدر صحابی اور عظیم المرتبت خلیفہ تھے تو پھر حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کے لیے کون سے الفاظ مدح باقی رہ گئے۔''

تورفیق شعبہ تصنیف و تالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی مفتی امان اللہ خان نادر نے اس ''اعتراض'' کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ:

''جہاں تک پہلی بات (یعنی حضرت معاویہ جلیل القدر نہیں تھے) کا تعلق ہے سو اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب دلیل تو کوئی بھی پیش نہ کر سکے البتہ اپنے اندر کے غصہ و کینہ کا خوب اظہار کر کے ایک صحابی رسول کی شان میں زبان درازی کی ہے جس سے ان کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

مختصراً عرض یہ ہے کہ ''جلیل القدر'' اور ''عظیم المرتبت'' یہ دونوں صیغہ صفت ہیں اور کلی مشکک کے طور پر ان کا اطلاق اپنے تمام افراد پر اولیت و اولویت (کمی وزیادتی) کے اختلاف سے ہوتا ہے اور اس بات پر تمام اہل سنت متقدمین ومتاخرین کا اتفاق واجماع

ہے کہ:

خود ''صحابیت'' ایک ایسا بلند مقام ہے کہ نبوت کے بعد اس سے اونچا کوئی مقام نہیں اور یہی معنی ہے ''جلیل القدر'' اور ''عظیم المرتبت'' کا۔

تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے زیادہ مقرب لوگ ہیں لیکن ان کے درجات میں پھر بھی تفاوت ہے اور یہ تفاوت ''تقرب'' کے اس مقام کے منافی ہرگز نہیں لہٰذا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ''جلیل القدر'' اور ''عظیم المرتبت'' ہونے سے دوسرے کسی صحابی کی ''جلالت قدر اور علو مرتبت'' کی نفی پر استدلال کرنا ایک مضحکہ خیز بات ہے۔''①

''جلیل'' کے معنی ''بڑا، بزرگ، اعلیٰ، افضل'' کے ہیں اور ''جلیل القدر'' کے معنی ''بڑی شان والا، نہایت معزز'' کے ہیں۔ ملاحظہ ہو:②

''الجلیل'' اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام بھی ہے۔

''الجلیل'' وہ ذات ہے جو بڑائی اور بزرگی کی تمام صفات کے ساتھ متصف ہو اور کامل واکمل طور پر ان تمام صفات پر حاوی ہو؛ اس طور پر کہ کسی دوسرے کے لیے یہ ممکن ہی نہ ہو کہ وہ ان صفات میں اس ''الجلیل'' کے قریب ہو جائے چہ جائیکہ کوئی دوسرا اس کے ساتھ صفات میں برابر ہو: ''لیس کمثلہ شیء۔''

''الجلیل'' **هو من الجلال والعظمة، ومعناه: منصرف الى جلال القدرة وعظم الشان۔**

فهو الجليل الّذی يصغر دونه كلّ جليل ويتّضع معه كل رفيع''

''الجلیل'' جلال سے بنا ہے جس کے معنی بڑائی و بزرگی کے ہیں۔ اور ''جلیل'' کا مطلب: بڑی قدرت والا اور بلند شان والا ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت کی قدرت اور بڑائی کے آگے ہر بڑائی والا چھوٹا اور ہر بلند شان والا پست ہے۔

---

① ماہنامہ الشریعہ ص 13۔ جولائی 2014ء۔ جلد 25۔ شمارہ 7

② فیروز اللغات اردو ص 469-470

''الوہیت اور نبوت'' کے بعد ''صحابیت'' یقیناً ایک جلیل الشان ورفیع الشان منصب ہے اور اس ''منصبِ جلیل'' کا حامل ہر صحابی بھی یقیناً ''جلیل القدر'' اور ''عظیم المرتبت'' ہے اور بعد کے جملہ اکابر کسی ایک صحابی کی خاکِ پا کے بھی برابر نہیں ہیں اور ان کی ''جلالت شان'' کے آگے بڑے سے بڑا ''قطب الاقطاب، حکیم الامت، غوث اعظم اور حجۃ الاسلام'' چھوٹا اور پست ہے۔

زیر بحث ''اعتراض'' کے آغاز میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے پہلے حصہ میں موصوفؒ نے ''استخلافِ یزید'' کے مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بہترین دفاع کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک افضل حضرات کی موجودگی میں ''انتظام مملکت'' کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ رکھنے والے کو ''خلافت'' کے لیے نامزد کیا جاسکتا ہے اور ایسا کرنا زیادہ سے زیادہ ''ترک افضل وترک اولیٰ'' کے حکم میں ہے جو ایک جائز امر ہے۔

لیکن موصوفؒ نے اس کے بعد جو یہ فرمایا کہ: ''اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں کہ افضل اور اولیٰ کو ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔''

اس پر ''اعتراض'' ہے اور یہ جملہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یقیناً تنقیص پر مبنی ہے۔

اگر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے بارے میں کوئی شخص فقط اتنا کہہ دے کہ وہ ایک ''عالم دین'' ہیں تو اس میں کوئی توہین وتنقیص نہیں اور اگر کوئی یہ کہہ دے کہ: ''ہم نانوتوی صاحبؒ کو ''جلیل القدر'' علماء میں شمار نہیں کرتے'' تو اس سے ''تنقیص'' کا پہلو نکلتا ہے۔

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ایک صحابی ہیں، اس میں کوئی تنقیص نہیں پائی جاتی لیکن ایک ''فقیہ، کاتب وحی، اور صاحب فضیلت امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے بارے میں یہ کہنا کہ ''ہم انہیں جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے'' تو یقیناً یہ جملہ ان کی توہین وتنقیص پر ہی مبنی ہوگا۔

شیرکوٹی صاحب نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے زیر بحث قابل اعتراض ''جملہ'' کی جو توجیہہ بیان کی ہے اس کا ''تجزیہ'' پیچھے گزر چکا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ موصوف کی ''توجیہہ'' ''تارِ عنکبوت'' سے بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ ''ترک اولیٰ وافضل'' ایک جائز امر ہے پھر یہ

بات بھی باعث حیرت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''خلفائے اربعہ کی طرح جلیل القدر نہیں تھے'' کیا ''خلفائے اربعہ'' سے کبھی ''ترک اولیٰ'' سرزد نہیں ہوا؟

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں کہ:

''دارومدار دلائل پر ہوتا ہے نہ کہ شخصیتوں پر۔ شخصیتیں قابل صد احترام ہیں مگر صحت و سقم کا مبنیٰ دلائل ہیں......'' ①

موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''دینی اور دنیوی معاملات میں خطائے اجتہادی اور ''زلّت'' بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی ہو سکتی ہے۔ اوروں کا تو قصہ ہی چھوڑیے خلاصہ کائنات، فخر موجودات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی باوجود: ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' ہونے کے بعض اوقات خطائے اجتہادی اور زلّت سے دوچار ہوئی۔'' ②

خود حضرت نانوتوی رحمہ اللہ بھی انبیاء کرام علیہم السلام سے زلّت ولغزش'' کا صدور تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''کبھی بھولے چوکے یا بتقاضائے محبت بھی انبیاء سے مخالفت ہو جاتی ہے البتہ عمداً نہیں ہوتی۔ الحاصل گناہ وہ مخالفت ہے جو عمداً ہو...... اگر بوجہ نسیان یا بوجہ تقاضائے محبت و عظمت مخالفت سرزد ہو جائے تو پھر اس کو گناہ نہیں کہتے بلکہ زلّت کہتے ہیں جس کا ترجمہ لغزش ہے۔'' ③

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''سہیل بن عمرو کے اصرار سے آپ نے بجائے 'بسم اللہ' کے 'باسمک اللّٰھم' لکھنا منظور فرمایا حالانکہ 'بسم اللہ' کا لکھنا اولیٰ اور افضل تھا مگر چونکہ 'باسمک اللّٰھم' بھی حق اور درست تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیٰ اور افضل پر اصرار نہ فرمایا۔'' ④

---

① احسن الکلام جلد اول ص 185

② الکلام المفید ص 164

③ مباحثہ شاہ جہاں پور ص 36۔ بحوالہ علمی محاسبہ مؤلفہ قاضی مظہر حسین صاحب ص 305

④ سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص 70

کیا اس ''ترکِ اولیٰ وافضل'' سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''جلالت قدر'' میں کوئی فرق آیا ہے؟''

قاضی مظہر حسین صاحب زیر عنوان ''ترک اولیٰ'' لکھتے ہیں کہ:

''اولیٰ بمعنی بہتر اور افضل ہے۔ ترک کا معنی چھوڑنا ہے اور شرعی اصطلاح میں ''ترک اولیٰ اور ترک افضل'' کا یہ مطلب ہے کہ کسی کام کے دو پہلو ہوں اور وہ دونوں جائز اور صحیح ہوں لیکن ان میں سے ایک پہلو دوسرے سے بہتر اور افضل ہو جس کو چھوڑ کر اس سے کم درجے کا پہلو اختیار کیا گیا ہو تو اس کو ''ترک اولیٰ اور ترک افضل'' کہا جاتا ہے۔ یعنی بہتر پہلو کو چھوڑ دینا اور یہ گناہ اور معصیت نہیں ہوتا لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت شان کے تحت اس پر مواخذہ ہوتا ہے۔''①

مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی صاحب نے ''ترک اولیٰ'' کو اجتہادی خطاء قرار دیا تھا تو اس کے جواب میں قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ترک اولیٰ کو اجتہادی خطاء قرار دینا سندیلوی صاحب کی کج فہمی ہے کیونکہ ترک اولیٰ جواز کی حد میں ہوتا ہے اور کسی جائز کام کو غلط نہیں کہہ سکتے۔''②

مذکورہ تفصیل سے بھی یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ پروفیسر انوار الحسن صاحب شیرکوٹی کی (حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی اس بات کہ ''ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے'') خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے ''توجیہہ'' صحیح نہیں ہے کیونکہ جب ''ترک اولیٰ اور ترک افضل'' کا صدور جواز کی حدود میں ہونے کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام اور خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوسکتا ہے تو خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کیوں نہیں ہوسکتا؟ پھر اس پر معذرت کیسی؟

پیچھے یہ بتایا جاچکا ہے کہ ''شرفِ صحبت'' نبوت کے بعد عظیم شرف ہے اور اس کا حامل ہر صحابی ''جلیل القدر'' ہے لیکن اس کے علاوہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ ''جلیل القدر'' کہا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

---

① علمی محاسبہ ص 306-307۔ ناشر تحریک خدام اہل سنت والجماعت چکوال
② خارجی فتنہ حصہ اول ص 561

''قد صحب رسول اللہ ﷺ... اصاب انہ فقیہ''①

''تحقیق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے......انہوں نے درست عمل کیا ہے اور یقیناً وہ فقیہ اور مجتہد ہیں۔''

امام نووی شافعی (م 776ھ) شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں کہ:

''و اما معاویة رضی اللہ عنه فهو من العدول الفضلاء و الصحابة النجباء... ''②

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''عادل، فاضل اور جلیل القدر'' صحابہ میں سے ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی (م 974ھ) لکھتے ہیں کہ:

''ففی صحیح البخاری عن عکرمة قال: قلت لابن عباس ان معاویة أوتر بر کعة فقال أنه فقیه و فی روایة أنه صحب النبیّ ﷺ: و هذا من اجل مناقب معاویة، أما اولا فلأنّ الفقه اجل المراتب علی الاطلاق... و اما ثانیا فصدور هذا الوصف الجلیل لمعاویة من عظم مناقبه...

و قد سبق آنفاً عن عمر فی حضه الناس علی اتباع معاویة ما هو صریح فی ان معاویة مجتهد بل فی أنه من اعظم المجتهدین و أجلهم... ''③

صحیح بخاری میں عکرمہ سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ایک ہی رکعت وتر پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ فقیہ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ نبی ﷺ کے صحابی ہیں۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی منقبت ہے کیونکہ فقیہ ہونا ایک بہت ہی بڑا مرتبہ ہے......

اور ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ قول بیان ہو چکا جس میں انہوں نے لوگوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اتباع کی ترغیب دی ہے۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد ہیں بلکہ اعظم مجتہدین اور بڑے جلیل القدر حضرات میں سے ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی ہیتمی کی عبارت میں ''أجل مناقب، أجل المراتب، هذا الوصف الجلیل

---

① صحیح بخاری رقم الحدیث 3764-3765

② شرح صحیح مسلم ص 272۔ جلد 2

③ تطہیر الجنان و اللسان ص 20-21۔ مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان

لمعاویة من عظم مناقبه، معاویة مجتهد بل فی أنه من أعظم المجتهدین و أجلهم"

"صرف جلیل القدر" ہی کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ "أجلّ" کا لفظ بھی ہے یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے ہی اور بہت ہی جلیل القدر بزرگ وصحابی ہیں۔

ملا علی قاری حنفی (م 1014ھ) نے باوجود "نقد" کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:

"و اما معاویة فهو من العدول الفضلاء و الصحابة الاخیار "①

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل اور بہترین صحابہ میں سے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م 1176ھ) لکھتے ہیں کہ:

"تنبیہ سوم:۔ باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یکے از اصحاب آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب فضیلتِ جلیلہ درزمرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم زنہار درحقِ اوسوء ظن نکنی ودرورطہ سبّ او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی"

تیسری تنبیہ:۔ جاننا چاہیے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک شخص تھے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اور زمرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم میں (بھی جلیل القدر تھے یعنی) بڑے صاحب فضیلت تھے۔ تم کبھی ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں مبتلا نہ ہونا ورنہ تم حرام کے مرتکب ہوگے۔②

علامہ عبدالعزیز فرہاروی (م 1239ھ) لکھتے ہیں کہ:

"اقول قد صرّح علماء الحدیث بأن معاویة رضی اللہ عنہ من کبار الصحابة و نجبائهم و مجتهدیهم و لو سلّم أنه من صغارهم فلا شک فی انه داخل فی عموم الاحادیث الصحیحة الواردة فی تشریف الصحابة رضی اللہ عنہم بل قد ورد فیه بخصوص احادیث..."③

میں کہتا ہوں علمائے حدیث نے صراحت کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ، اشراف

① مرقات جلد 11۔ ص 151۔ طبع بیروت
② ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مترجم ص 571۔ جلد اول
③ النبراس شرح لشرح العقائد ص 550

اور مجتہد صحابہ میں سے ہیں اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ وہ اصاغر صحابہ میں سے تھے تب بھی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان صحیح احادیث کے عموم میں داخل ہیں جو صحابہ کے شرف وفضیلت میں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''**اللّٰھم اجعله هاديا مهديا و اهدبه**۔'' اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''**اللّٰھم علّم معاوية الحساب و الكتاب وقه العذاب**''

اسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور جو یہ کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں؛ یہ بات محل نظر ہے اور اسلاف تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم اور طعن کرنے سے سخت غصے ہوتے......

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے بالکل غیر ضروری طور پر اور نامناسب انداز میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں کہ افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔''

ہم حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے زیر بحث تنقیصی جملہ سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے حق میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس ''تسامح'' کو معاف فرمادے۔ آمین

باقی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی ''معذرت خواہی'' پر یہی عرض کیا جاسکتا ہے کہ:

''معذرت را خنده می آید بر استعذار''

قارئین کرام! زیر بحث اعتراض کے آغاز میں فارسی متن اور اس کا مصدقہ ومسلمہ اردو ترجمہ پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ مکتوب اصل فارسی ''قاسم العلوم'' مکتوب نہم (جسے پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی صاحب نے نئی طباعت میں چوتھے مکتوب کے طور پر شامل کیا ہے) سے ماخوذ ہے۔ یہ حصہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی وفات (4 جمادی الاولیٰ 1297ء) سے تقریباً 5 سال قبل 15 جمادی الثانیہ 1292ھ/1875ء کو موصوف کی تصحیح ونظر ثانی کے بعد شائع ہوا۔ جب کہ پروفیسر انوار الحسن صاحب نے پہلی مرتبہ اس کا ترجمہ مع متن (قاسم العلوم/ انوار النجوم) 1969ء میں شائع کیا جو تمام علمی حلقوں

میں مقبول ہوا۔حتیٰ کہ ایک موقع ایسا بھی آیا کہ جب قاضی مظہر حسین نے اپنی کتاب خارجی فتنہ جلد اول (ص 425، 572، 590) مطبوعہ 1983ء میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ''جلیل القدر'' لکھا تو مولوی مہر حسین بخاری اس پر معترض ہوئے اور قاضی صاحب کے نام اپنی ''کھلی چٹھی'' میں انہیں یاد کرایا کہ:

''حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں: اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے۔ ①

یہ ملحوظ رہے کہ مولوی مہر حسین بخاری نے نانوتوی صاحب رحمہ اللہ کے اسی مکتوب کے ص 78 کا حوالہ دیا ہے جو خود قاضی صاحب کے ''کلمات بابرکات'' (ص 3) نیز 24 صفحات پر مشتمل (از ص 16 تا 39) طویل ''دیباچہ'' کے ساتھ ''تحریک خدام اہل سنت'' کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ قاضی صاحب نے یہ ''دیباچہ'' 24 جمادی الثانی (الثانیہ) 1402ھ/ 20۔اپریل 1982ء کو تحریر کیا تھا۔ ②

جب کہ پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی صاحب کی مترجمہ ومطبوعہ کتاب کے صفحہ نمبر 174 پر ''جلیل القدر'' سے متعلق عبارت ''بعینه و بلفظه'' موجود ہے۔قاضی مظہر حسین صاحب نے مولوی مہر حسین بخاری کی بشمول ٹائٹل 24 صفحات پر مشتمل ''کھلی چٹھی'' کا جواب 188 صفحات پر مشتمل کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے دیا۔قاضی صاحب زیر بحث اعتراض سے متعلق زیر عنوان: ''حضرت معاویہ جلیل القدر صحابی ہیں'' لکھتے ہیں کہ:

''میں نے کتاب خارجی فتنہ حصہ اول ص 424 پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک جلیل القدر صحابی لکھا ہے لیکن مولوی مہر حسین شاہ صاحب ان الفاظ سے بھی نالاں ہیں......''

پھر ان کا مذکورہ اعتراض بحوالہ کھلی چٹھی نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

''الجواب:۔ رفعت اور جلالت قدر اضافی امور ہیں۔حضرت نانوتوی قدس سرہ کی مراد یہ ہے آپ کی رفعت وعظمت خلفائے راشدین وغیرہ صحابہ کرام کے برابر نہیں جو افضل

① شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ وکردار یزید ص 78'' کھلی چٹھی بنام مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ ص 3۔
② ملاحظہ ہو: کتاب مذکور ص 39

واولیٰ پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اوران کوترک اولیٰ پر بھی افسوس ہوتا ہے اوراسی بناء پر کہا جاتا ہے: **حسنات الابرار سیئات المقربین** ،یعنی ابرار کی نیکیاں مقربین کے لیے گناہ سمجھے جاتے ہیں اور خود حضرت نانوتوی بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صحابہ کرام کو چھوڑ کر یزید کو خلیفہ بنانے کی توجیہہ ہی پیش کرر ہے ہیں کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب لیکن اتنی بات کے باعث ترک افضل کا ان پر گناہ نہیں تھوپا جاسکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے کہ افضل واولیٰ کوترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔ ①

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ہی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں......اورحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ ناخلف ہیں۔ہاں فضیلت صحبت اور بزرگی صحابیت اور اخوت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی اوراس لیے سب کے واجب التعظیم ہیں جو برا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے...... ②

مولوی مہرحسین شاہ صاحب فرمائیے: جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت نانوتویؒ کے نزدیک واجب التعظیم ہیں اور حسب تقاضائے قرآنی آپ بھی دوسرے صحابہ کے ساتھ نجات یافتہ ہوں گے اور نبوت کے بعد شرف صحابیت رحمۃ للعالمین سب سے بڑا شرف ہے تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیوں نہ جلیل القدر ہوں گے۔'' ③

قاضی صاحب نے اس تاریخ کا ذکر اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ دوم ص652 پر بھی کیا ہے۔ قاضی صاحب کی وفات (26 جنوری 2004ء) کے دس سال بعد ''ادارہ مظہر التحقیق'' نے اس کتاب کی مارچ 2014ء میں جدید اشاعت کی۔اس کے ص59-60 پر بھی یہ عبارت ''بعینہٖ وبلفظہٖ'' موجود ہے۔اس کتاب کے آغاز میں عبدالجبار سلفی ادارہ مظہر التحقیق ملتان روڈ لاہور نے دوصفحات پر مشتمل ''سخن اول'' لکھا ہے جس پر 10 مارچ 2014ء کی تاریخ ثبت ہے۔لیکن اس میں مولوی مہرحسین

① شہادت امام حسین وکردار یزید
② اجوبہ اربعین ص 188
③ دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص63-65۔تاریخ تکمیل تصنیف 6۔ذی الحج 1404ھ/3۔ستمبر 1984ء

بخاری کے بارے میں ''رگ رگ میں شیعیت گھسی ہوئی ہے...... یہ نالائق انسان غلام حسین نجفی سے بھی ایک قدم آگے بڑھ گیا...... مذکورہ شخص قطعاً سنی نہیں ہے بلکہ پکا رافضی ہے اور رافضیت کی گود میں لوریاں لے رہا ہے......''

یہ کچھ لکھنے کے باوجود مولوی مہر حسین بخاری کے زیر بحث اعتراض کا متعلقہ مقام پر بطور حاشیہ بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا مطلب سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ قاضی صاحب کے جواب کے ساتھ ان کا مکمل اتفاق ہے۔

قاضی مظہر حسین صاحب نے اپنی جماعت کی ہی مطبوعہ کتاب سے پروفیسر انوار الحسن صاحب شیر کوٹی کا ترجمہ ان کی حاشیہ میں ''جلیل القدر'' کے تحت کی گئی توجیہہ سمیت نقل کر دیا۔ البتہ شیر کوٹی صاحب کی ''توجیہہ'' میں خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا ذکر تھا مگر قاضی صاحب نے اس کے ساتھ ''وغیرہ صحابہ کرام'' کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صرف رضی اللہ عنہ ''خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم'' ہی کی طرح ''جلیل القدر'' نہ تھے بلکہ ان کے علاوہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ''جلیل القدر'' نہ تھے۔

بہر حال قاضی صاحب نے مولوی مہر حسین شاہ بخاری کے ''اعتراض'' کے جواب میں حضرت نانوتوی صاحب رحمہ اللہ کی عبارت کو صحیح سمجھا اور اس کی کوئی تردید نہیں کی بلکہ اسے اپنے جواب میں ''بعینہٖ وبلفظہٖ'' نقل بھی کیا کہ ''پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں''

قاضی صاحب نے اس اعتراض کے دو جواب دیے ہیں:

اول: شیر کوٹی صاحب کی ''توجیہہ'' اختیار کی جس کا مفصل تجزیہ پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''جلیل القدر'' نہ سمجھنا پھر اس کی ''خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم'' کے ساتھ توجیہہ و تاویل کرنا یقیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص ہے کیونکہ یہاں ان کے ساتھ ''تقابل، فضیلت اور افضلیت'' کا مسئلہ تو سرے سے زیر بحث ہی نہیں ہے۔

مگر قاضی صاحب شیر کوٹی صاحب کی ''توجیہہ'' میں خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ''وغیرہ صحابہ کرام'' کا اضافہ کر کے مزید ''توہین و تنقیص'' کے مرتکب ہوئے۔

قاضی صاحب نے نانوتوی صاحب رحمہ اللہ کے ''دفاع'' میں **''حسنات الابرار سیئات المقربین''** سے جو استدلال کیا ہے وہ تنقیص در تنقیص اور ''عذر گناہ، بدتر از گناہ'' کا مصداق ہے۔

پہلے ''ترک اولیٰ'' کو لفظ ''گناہ'' سے تعبیر کیا پھر اسے ''حسنات الابرار'' کا درجہ دے دیا گیا۔ پیچھے یہ بتایا جا چکا ہے کہ ''ترک اولیٰ'' کا صدور تو خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم اور انبیاء علیہم السلام سے بھی ہوا ہے؛ پھر ان سے بڑھ کر ''مقربین'' کون ہوئے؟

پھر شریعت میں ''نیکی و گناہ'' کی تعریف وحدود بھی متعین ہیں۔ نیکی، نیکی ہے اور گناہ، گناہ ہے۔ ''حسنہ'' کو ''سیئۃ'' کا درجہ دینے کا نتیجہ کتنا بھیانک ہے؟

پھر اس قول ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' (نیکوں کی نیکیاں، مقربین کے گناہ ہیں) کی اپنی ''حیثیت'' کیا ہے۔ بعض حضرات اسے حدیث کے طور پر پیش کرتے ہیں جبکہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شیخ ابوسعید الخزاز المتوفی 280ھ کا قول ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ ان سے کس نے سنا اور کس نے روایت کیا؟ مگر اس کے باوجود اہل خانقاہ اسے بڑے اعتماد سے بیان کرتے ہیں جبکہ قاضی مظہر حسین صاحب تو اس قول سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''جلیل القدر'' نہ ہونے پر استدلال کر رہے ہیں۔

نانوتوی صاحب اور قاضی صاحب یہ بات تسلیم کر رہے ہیں کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب اور افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ بنانا جائز تو ہے مگر ''ترک اولیٰ وخلاف اولیٰ ہے۔'' جلیل القدر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ''افضل'' پر عمل کرتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ خلفائے اربعہ اور بقول قاضی صاحب دیگر صحابہ کی طرح ''جلیل القدر'' نہیں تھے؛ اس لیے ان سے ''ترک اولیٰ'' کا فعل سرزد ہوا اور ہم انہیں ''جلیل القدر'' صحابہ میں شمار نہیں کرتے اس لیے اس ترک افضل کی وجہ سے ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش نہیں کرتے۔

یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم ''اولیٰ اور افضل'' پر ہی عمل کرتے تھے اور ''افضل'' کی موجودگی میں ''مفضول'' کی تقرری نہیں کرتے تھے۔

پھر یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ اگر مفضول میں مقاصد خلافت انجام دینے کی قابلیت افضل سے زیادہ ہو تو ایسی صورت میں مفضول کو خلیفہ بنانا ''اولیٰ وافضل'' ہے ''ترک اولیٰ'' ہرگز نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ''اگر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میری وفات تک زندہ رہے تو اپنے بعد ان ہی کو خلیفہ بناؤں گا، اگر سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں امور خلافت ان کے سپرد کر دیتا۔''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے والے کیا ''ترک اولیٰ'' کے مرتکب ہوئے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سونپ کر کیا ''ترک اولیٰ'' کا ارتکاب نہیں کیا؟

کیا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اعلان کے موقع پر اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہونے کے وقت ان سے افضل لوگ موجود نہیں تھے؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت شموئیل علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام (یعنی افضل) کی موجوگی میں خود نبی کی درخواست پر جناب طالوت ''بادشاہ'' مقرر کر دیا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر افضل کی موجودگی کے باوجود مفضول کو امارت کے فرائض سونپے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کے لیے اپنے زمانہ میں سب سے افضل یا اعلم ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ کسی مفضول کو اس کی ''عصبیت، قوت، طاقت اور صلاحیت واہلیت'' کے پیش نظر کسی افضل شخص پر ترجیح دی جا سکتی ہے اور یہ فعل ہرگز ''غیر اولیٰ'' بھی نہیں۔

خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے افضل امت ہونے کے باوجود سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا تھا حالانکہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما افضل تھے۔ یہ دونوں حضرات اگرچہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حاضر نہیں تھے لیکن وہ قریب ہی موجود تھے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ رکنی کمیٹی مقرر کر کے ان سب کو مساوی حیثیت دے دی تھی؛ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی دوسرے کو خلیفہ بنا دیا جاتا تو کیا یہ فعل ''ترک اولیٰ'' میں شامل ہوتا؟ ہرگز نہیں۔

قاضی مظہر حسین صاحب نے مولوی مہر حسین شاہ بخاری کے اعتراض پر دوسرا جواب یہ دیا کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''واجب التعظیم'' سمجھتے ہیں تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیوں نہ جلیل القدر رہوں گے۔

موصوف کا یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے جب خود حضرت نانوتوی صاحب رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کر چکے ہیں کہ ''ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں'' اگر ''واجب التعظیم'' سے نانوتوی صاحب رحمہ اللہ کی یہی مراد ہوتی تو پھر بالتصریح یہ کیوں لکھتے کہ ہم انہیں جلیل القدر صحابہ میں شمار

نہیں کرتے۔

قاضی صاحب نے مولوی مہر حسین بخاری کے زیر بحث اعتراض کے جواب میں یہ بات تسلیم کر لی کہ فارسی عبارت کی نسبت حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی طرف صحیح ہے۔شیر کوٹی صاحب نے اس کا جو ترجمہ کیا ہے وہ بھی ''متن'' کے مطابق بالکل درست ہے۔البتہ اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ موصوف مولوی مہر حسین بخاری کا جواب دینے میں نہ صرف ناکام ہوئے بلکہ خود بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''توہین وتنقیص'' کے مرتکب ہوگئے۔

مولوی مہر حسین بخاری ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں قاضی صاحب کے مذکورہ جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''قاضی صاحب نے حضرت معاویہ کے لیے جلیل القدر صحابی کے الفاظ استعمال کیے تھے تو راقم ناکارہ نے کھلی چٹھی ص 3 کے حاشیہ پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا قول نقل کیا ہے کہ بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ ہم امیر معاویہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ......①

قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بات تسلیم کر کے لکھا ہے اور اپنے پیر و مرشد (مولانا لعل شاہ بخاری) کی تحقیق کے مقابلہ (میں) بانی دارالعلوم دیوبند کی تحقیق پر بھروسہ کیا ہے جب کہ آپ نے بانی دارالعلوم دیوبند کی تحقیق کو ٹھکرا کر میرے پیر و مرشد کی تحقیق کو تسلیم کیا ہے......

میں نے بصراحت یہ بات لکھ دی ہے کہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت معاویہ کو جلیل القدر نہیں مانتے۔میں نے بانی دارالعلوم دیوبند کی پیروی کی ہے۔''②

مولوی مہر حسین بخاری کی مذکورہ کتاب محرم 1406ھ/ستمبر 1985ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔امید تھی کہ قاضی صاحب حسب سابق وعادت بلکہ بانی دارالعلوم دیوبند اور مسلک دیوبند کے تحفظ کے لیے ضرور ''جواب الجواب'' دیں گے مگر صد افسوس! انہوں نے یہ لکھ کر اہل سنت کی امیدوں پر پانی پھیر دیا کہ:

① شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ و کردار یزید ص 78
② الاجابۃ الکافیہ فی رد دفاع معاویہ ص 20، 49

مولوی مہر حسین شاہ: مولانا لعل شاہ صاحب کے شاگرد رشید نے میری کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے جواب میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے ''الاجابة الكافيه فی رد دفاع معاويه'' جس طرح اس کتاب کے نام میں کثافت ہے اسی طرح اس کے مضامین بھی کثیف ہیں لیکن میں اس کا جواب نہیں دوں گا۔ ان کی کھلی چٹھی کا جواب تو ضرور تا دیا تھا اور ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' ان کے جواب کے لیے کافی ہے۔''①

قاضی صاحب مولوی مہر حسین شاہ بخاری کو مذکورہ جواب دینے بلکہ دست برداری اختیار کر لینے کے بعد 17 سال تک بقید حیات رہے پھر اس موضوع کو نہیں چھیڑا گویا اپنے اسی موقف پر قائم رہے جو انہوں نے اپنی کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' مطبوعہ 1985ء میں پیش کیا تھا جس کا تجزیہ گزر چکا ہے۔ قاضی صاحب کی وفات (26 جنوری 2004ء) کے بعد مولوی مہر حسین شاہ بخاری نے ماہنامہ حق چار یار بابت ستمبر 2013ء کی اشاعت کے بعد قاضی صاحب کے مرید خاص حافظ عبدالجبار سلفی صاحب کے نام اپنے خط میں ''الاجابة الكافيه . . .'' کے جواب کا تقاضا کیا تو اس کے جواب میں سلفی صاحب نے لکھا کہ:

''مہر حسین شاہ صاحب...... حالیہ مکتوب میں لکھتے ہیں کہ میری کتاب ''الاجابة الكافيه'' کا جواب کیوں نہیں لکھتے؟ سو اس لیے کہ ہمارے مرشد حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ کے ہاں ''سیاست معاویہ'' نامی کتاب کی طرح اس کی بھی کوئی علمی اہمیت نہ تھی......''
(آگے بحوالہ خارجی فتنہ جلد دوم، قاضی صاحب کا جواب نقل کر دیا)②

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ:

''وایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از اجلہ صحابہ نمی شاریم...... اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں''③

① خارجی فتنہ حصہ دوم۔ ص 654۔ طبع اول 1987ء ص 482۔ طبع سوم جنوری 2015ء
② ماہنامہ حق چار یار لاہور ص 27۔ دسمبر 2013 / ''دفاع حضرت حسین رضی اللہ عنہ'' ص 274
③ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ و کردار یزید ص 78

عصر حاضر میں محقق اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب (م1436ھ/2014ء) نے بھی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے اس ''جملہ'' سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''توہین'' ہی محسوس کی اور پروفیسر مولانا انوار الحسن شیرکوٹی فاضل دارالعلوم دیوبند، خلیفہ ارشد حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جناب قاضی مظہر حسین صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند، مولانا صوفی عبدالحمید سواتی فاضل دارالعلوم دیوبند①، مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا عبدالرشید نعمانی سابق استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن سمیت دیگر تمام جید علمائے کرام غرضیکہ 1292ھ/1875ء تا ایں دم (1441ھ/2019ء) کے طویل عرصہ کے دوران نانوتوی صاحب رحمہ اللہ کی زیر بحث عبارت کے ''متفق علیہ'' ترجمہ کے بالکل برعکس اور اس کا ''متن'' نقل کرنے کے باوجود نانوتوی صاحب رحمہ اللہ کی طرف ''تسامح یا خطاء'' کی نسبت کرنے کے بجائے اس کا بالکل غلط مفہوم بیان کر دیا جسے ''سہو'' کا نام بھی ہرگز نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ عمل ان سے قصداً و عمداً سرزد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بھی اس خطاء کو معاف فرمائے۔آمین

چنانچہ موصوف اصل متن نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

''......لیکن ایں قدر را گناہ نتواں گفت کہ سبّ و شتم امیر معاویہ پیش آئیم ایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از اجلہ صحابہ نمی شماریم کہ بنسبت ترک افضل و اولیٰ ہم درایں چنیں امور معذرت نمائیم''

لیکن ترک افضل واولیٰ کو ایسا گناہ نہیں کہا جاسکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس پر سبّ و شتم کرنے لگیں اور ان کو اکابر صحابہ میں سے شمار نہ کریں۔②

موصوف نے ''مکتوبات قاسمی'' مترجمہ از شیرکوٹی صاحب سے ہی یہ ''متن'' نقل کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے بالمقابل اس کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا لیکن اس کے باوجود خود اس کا جو ''ترجمہ'' کیا ہے اسے ''ترجمہ'' کا نام تو ہرگز نہیں دیا جاسکتا البتہ اس کا ادھورا اور نامکمل جو ''مفہوم'' بیان کیا ہے وہ بالکل غلط اور ''متن'' کے خلاف ہے۔شاید اس غلط ترجمانی پر خود ان کا اپنا ضمیر بھی مطمئن نہ ہوا ہوگا مگر یہ کڑوا گھونٹ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو ''تنقیص معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے الزام سے بچانے کی خاطر انہیں پینا

① اجوبہء اربعین ص 37

② بحوالہ: مکتوبات قاسمی مع ترجمہ اردو ص 38-39 بہ عنوان ''مذہب امیر معاویہ دربارہ خلافت۔'' سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد دوم ص 236، مطبوعہ ''تخلیقات'' لاہور۔ستمبر 1995ء

پڑا۔ اگر مولانا محمد نافع صاحب کے ''مفہوم'' کو غلط قرار دیا جائے تو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور ان کے تائید کنندگان پر الزام صحیح ثابت ہو جاتا ہے اور اگر اسے صحیح قرار دیا جائے تو اگرچہ ان حضرات سے ایک طویل عرصہ کے بعد یہ الزام تو رفع ہو جاتا ہے لیکن کوئی باشعور ذی علم شخص اس مفہوم کی توثیق و تائید نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مولانا محمد نافع صاحب کی غلط ترجمانی کے باوجود حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی ''تنقیص معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے الزام سے برأت ثابت نہ کی جا سکی۔

پیچھے بتایا جا چکا ہے ''قاسم العلوم'' فارسی مکتوبات مطبوعہ 1875ء کا پہلی مرتبہ پروفیسر مولانا انوار الحسن شیر کوٹی صاحب نے اردو زبان میں 1969ء میں ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی لیکن ان سے پہلے زیر بحث ''مکتوب'' کے اکثر حصہ کا ترجمہ (مع متن) مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م 1957ء) نے فرمایا ہے جو ان کی زندگی میں ''مکتبہ دینیہ دیوبند'' سے شائع ہوا ہے۔ حضرت موصوف نے زیر بحث حصہ کا حسبِ ذیل ترجمہ فرمایا ہے:

''......استخلافِ افضل، صرف افضل ہے نہ واجب جس کو گناہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سب وشتم کے ساتھ امیر معاویہؓ سے پیش آیا جائے۔

ہاں امیر معاویہؓ کو ہم اجلہ صحابہ میں شمار نہ کریں گے بلکہ اولیٰ اور افضل کو چھوڑ دینے کی وجہ سے اس طرح کے امور میں ہم ان کو معذور سمجھیں گے۔''①

اس پر بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور شیر کوٹی صاحب دونوں نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا ترجمہ یہی کیا ہے کہ ''ہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہم اجلہ صحابہ میں شمار نہ کریں گے......اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں......''

ان حضرات کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''جلیل القدر صحابہ'' میں شمار نہ کرنے سے ان کی جلالت قدر میں ہرگز کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ اس ''تنقیصی جملہ'' کے استعمال سے خود ان کی شان میں کمی واقع ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس ''تسامح'' کو معاف فرمائے۔ آمین

① مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص 273۔ مجلس یادگار شیخ الاسلام۔ 1994ء

87

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تبرّا ہوتا تھا

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ومعاندین کی طرف سے نہایت ہی زور وشور کے ساتھ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں خود ان کے حکم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کی اولاد پر سبّ وشتم اورلعن وتبرّا پر مشتمل ایک نہایت مکروہ، ایک سب سے بڑی ہادم شریعت اور پُرمعصیت وفسق وعدوان اوربدعت شنیعہ جاری ہوئی۔اس پر مفصل بحث ہم پیچھے اعتراض نمبر48 زیرعنوان:''حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سبّ وشتم کا الزام'' کرآئے ہیں۔ یہاں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی کتاب سے ایک عبارت پیش کی جاتی ہے جسے ''ناقدین ومعاندین'' اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ''وعدہ خلافت واستخلاف'' کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:

''شیعوں کا شیوہ تبرابازی امیر کی اتباع سے نکال کران کا قدم امیر معاویہ کی تقلید پر جماتا ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ اصحاب امیر معاویہ ہم پرلعن طعن کرتے ہیں توآپ نے اپنے لشکریوں کوان کی لعن کرنے سے منع فرمایا۔چنانچہ شیعوں کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔افسوس کہ شیعوں نے امیر معاویہ کی تقلید اختیار کرلی اور تبرّا اپنا شیوہ بنایا، حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا اتباع نہ کیا کہ کسی کوبرانہ کہیں مگران کے کہاں نصیب جوحضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اتباع اختیار کریں اس نعمت کے لائق سنی ہی تھے۔''①

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے یہ کتاب(ھدیۃ الشیعۃ)بزبانِ اردوحضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے حکم پر ایک شیعہ مولوی عمارعلی کے''خرافات'' کے جواب میں 1284ھ(1867ء) میں مکمل کی۔ 499 صفحات پر مشتمل یہ کتاب حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تمام تصانیف میں سب سے زیادہ ضخیم ہے۔ پاکستان میں تقریباً ایک سوسال کے بعد پہلی دفعہ مولانا محمد اسلم صاحب سابق خطیب مسجد ہیڈکوارٹرز کراچی نے فہرست مضامین اورمتن کے مطابق عنوانات قائم کر کے 20 صفر1382ھ کوشائع کرنے کی سعادت

①ھدیۃ الشیعۃ ص76۔77۔مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

حاصل کی۔ دوسری طباعت ''مکتبہ نعمانیہ لاہور'' کے حصہ میں آئی۔ جبکہ راقم الحروف کے پاس ''ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان'' کا مطبوعہ نسخہ ہے جو کراچی کی طباعت کے مطابق ہے۔ مولانا محمد اسلم صاحب نے زیر بحث عبارت کے ''متن'' کے مطابق ''فہرست مضامین'' میں یہ عنوان قائم کیا ہے:

''تبرّا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہیں، امیر معاویہ کی تقلید و اتباع ہے۔''

زیر بحث عبارت اور فہرست مضامین میں چار مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لکھا گیا مگر ایک مرتبہ بھی نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' تو کجا علامت ''ترضی / رضؓ'' بھی نہیں لکھی گئی۔ پھر جس طرح ''متن'' میں کثافت تھی اسی طرح ''عنوان'' میں بھی برقرار رکھی گئی۔

مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب رحمہ اللہ ''هدية الشيعة'' کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اس کتاب میں شیعہ حضرات کے تمام اور مابہ الامتیاز مسائل کا ذکر آ گیا ہے۔ خلافت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان و مقام، شیعوں کا عقیدہ وتقیہ، مباحث فدک، وراثت وغیرہ۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے قرآن کریم اور وہ احادیث جو اہل سنت والجماعت کی مسلمہ ہیں اور پھر ان روایات سے بھی جو مسلم عندالشیعہ ہیں تمام اعتراضات کے ایسے مسکت جوابات دیے ہیں کہ ان کے جواب سے ''ان شاء اللہ'' شیعہ ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ عام فہم اردو زبان میں لکھی گئی ہے اور اس میں منطقی اصطلاحات کا ذکر بھی کم ہے اس سے عام تعلیم یافتہ افراد بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں اور اس کتاب میں ضمناً ایسے عجیب و غریب علمی نکات بیان کیے گئے ہیں جن سے اہل علم کو ایقان و اذعان نصیب ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عالم برحق کو دین قیم کے بارے میں کتنی عظیم سمجھ عطا فرمائی تھی یہ کتاب اس پر دلیل بیّن ہے۔ یہ کتاب پاکستان میں دوبار طبع ہوئی ہے۔ پہلی دفعہ کراچی میں۔ پہلی طباعت کے وقت حضرت مولانا محمد اسلم صاحب (سابق خطیب مسجد ہیڈ کوارٹرز کراچی) نے کتاب میں جابجا عمدہ مفید عنوانات قائم کیے ہیں جس سے کتاب کی اچھی تبویب و تسہیل سے اس کتاب کے مضامین و مسائل زیادہ قریب الفہم ہو گئے ہیں۔ ساتھ کتاب کی فہرست بھی مرتب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کی دوسری طباعت لاہور

میں مکتبہ نعمانیہ والوں نے کرائی ہے۔

بہرحال جو حضرات فرقہ شیعہ کے ساتھ مبتلا ہوتے ہیں ان کے لیے بالخصوص اور عام اہل علم کے لیے بالعموم اس کتاب کا مطالعہ از حد ضروری ہے اور غایت درجہ کا مفید''①

مذکورہ ''تعارف'' سے کتاب کی اہمیت وافادیت واضح ہوجاتی ہے۔ویسے بھی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ خود یا ان کی تصانیف کسی ''تعارف'' کی محتاج نہیں ہیں۔ان کی دینی خدمات مسلمہ ہیں لیکن موصوف رحمہ اللہ کے تمام تر ادب واحترام کے باوجود زیر بحث عبارت کے ساتھ اتفاق کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اسے بعینہٖ تسلیم کرنے کی صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''تبرّا'' اور ''لعن طعن'' کرنے کا الزام ثابت ہوتا ہے۔''اعاذنا اللہ منہ''

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''لعن'' کرنے کی تردید فرمائی لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس ''نسبت'' کو صحیح تسلیم کرلیا۔فیا اسفیٰ!

امام طبری (م 310ھ) 37ھ کے حالات کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے فیصلہ ''تحکیم'' کے بعد)

''وکان اذا صلّی الغداۃ یقنت فیقول:اللّٰھم العن معاویۃ وعمرا وأبا الاعور السلمی وحبیبا وعبدالرحمن بن خالد والضحاک بن قیس والولید۔

فبلغ ذلک معاویۃ فکان اذا قنت:لعن علیّا وابن عباس والاشتر وحسنا وحسیناً''②

حضرت رضی اللہ عنہ جب صبح کی نماز میں ''قنوت'' پڑھتے تو فرماتے:

اے اللہ معاویہ، عمرو بن عاص، ابوالاعور سلمی، حبیب بن مسلمہ، عبدالرحمن بن خالد (بن ولید)، ضحاک بن قیس اور ولید (بن عقبہ) پر لعنت نازل فرما۔

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس ''قنوت'' کی خبر پہنچی تو وہ بھی جب ''قنوت'' پڑھتے تو اس میں: حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، اشتر (مالک بن حارث الاشتر نخعی) حضرت

---

① اجوبہ اربعین ص 43-44۔مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ 1992ء

② تاریخ الامم والملوک۔ص 52۔الجزء الرابع طبع بیروت

حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجتے۔

ہمارے نزدیک مذکورہ روایت ''روایتاً و درایتاً'' ہر دو اعتبار سے ناقابل احتجاج لغو اور باطل ہے؛ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لعنت بھیجتے تھے (وہ بھی نماز جیسی عبادت میں) اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جوابی طور پر یہ کام کرتے تھے۔ اس روایت کے مردود ہونے میں دیگر فنی اسقام کے علاوہ ''ابومخنف لوط بن یحییٰ'' کی ذات ''شریف'' بھی کافی ہے۔

سخت حیرت ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس کی تردید کر دی لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسے ''صحیح'' تسلیم کر لیا۔

ظاہر ہے کہ اس سے جہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین و معاندین کے موقف کو تقویت ملتی ہے وہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص کے علاوہ ان پر ''ایک انتہائی مکروہ ہادمِ شریعت اور فسق و عدوان و معصیت سے پُر'' الزام بھی عائد ہوتا ہے۔ حضرت نانوتوی یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بالکل بے موقع و بے محل اور غیر ضروری طور پر اور وہ بھی انتہائی غیر مناسب انداز میں زیر بحث لائے ہیں۔

قارئین کرام زیر بحث عبارت کے ''سیاق و سباق'' بلکہ صفحات کے صفحات پڑھ ڈالیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ بحث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے غیر متعلق ہونے کے ساتھ ساتھ ان رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص پر بھی مبنی ہے:

1۔ ''تبرّا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہیں امیر معاویہ کی تقلید و اتباع ہے۔

2۔ ''شیعوں کا شیوہ تبرّا بازی امیر کی اتباع سے نکال کر ان کا قدم امیر معاویہ کی تقلید پر جماتا ہے۔''

3۔ (امیر معاویہ نے لعن طعن کی ابتدا کی) جب حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ اصحاب امیر معاویہ ہم پر لعن طعن کرتے ہیں تو آپ نے اپنے لشکریوں کو لعن طعن سے منع فرمایا۔ (یہاں ''لعن طعن'' کو اصحاب معاویہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن اس سے پہلے اور اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی طرف اس الزام کی نسبت کی گئی ہے)

4۔ افسوس کہ شیعوں نے امیر معاویہ کی تقلید اختیار کر لی اور تبرّا اپنا شیوہ بنایا حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا اتباع نہ کیا کہ کسی کو برا نہ کہیں۔

5۔ مگر ان کے کہاں نصیب جو حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اتباع اختیار کریں اس نعمت کے

لائق سنی ہی تھے۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے شیعوں کو "طعنہ" دیتے ہوئے کہا کہ آپ نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی تقلید واتباع ترک کر کے امیر معاویہ کی تقلید واتباع اختیار کر لی۔

جبکہ سنیوں نے امیر معاویہ کی تقلید واتباع ترک کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقلید واتباع اختیار کر لی اور اس نعمت (یعنی اتباع وتقلید امیر رضی اللہ عنہ) کے لائق و مستحق سنی ہی تھے۔

مذکورہ موقف سے تو "شیعوں" کے بجائے "سنیوں" اور بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "طعن والزام" عائد ہو رہا ہے۔

کیا شیعوں نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی اتباع ترک کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "تقلید واتباع" اختیار کی ہے؟

حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا عمل تو یہ تھا کہ وہ کسی پر "لعن طعن" کے روادار نہ تھے اس کے برعکس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمل یہ تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر "لعن طعن" کرتے تھے۔

اگر فی الواقع "شیعوں" نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "تقلید" کی ہوتی تو وہ ان کی "سنت" کے مطابق حضرت امیر رضی اللہ عنہ پر "لعن طعن" کرتے لیکن وہ ایسا نہیں کرتے لہٰذا انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تقلید نہیں کی۔ تاریخ طبری کی روایت کے بموجب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "لعن طعن" کی ابتدا وہ بھی حالت نماز میں "قنوت" پڑھتے ہوئے حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے کی۔ جب کہ شیعہ بھی حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی تقلید واتباع اختیار کرتے ہوئے "لعن طعن" کرتے ہیں۔ لیکن اس فعل میں انہوں نے "توسّع" اختیار کر لیا ہے۔ نماز کے اندر، نماز کے باہر اور باقاعدہ "تبرّائی مجالس" منعقد کر کے بھی اس "عمل" کو بجا لاتے ہیں۔ شیعہ مجتہد مرزا محمد حسن شیرازی کے نزدیک:

"نماز، روزہ، زکوٰۃ، خمس، حج، جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تولاّ کی طرح "تبرّا" (یعنی اہل بیت کے دشمنوں سے اور ان کے دشمنوں کے دوستوں سے بیزاری رکھے) بھی "فروع دین" میں سے ہے۔ ترجمان شیعیت ملا باقر مجلسی حضرت جعفر صادق کا ایک "معمول" نقل کرتے ہیں کہ:

"وبسند معتبر منقول است کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام از جائے نماز خود برنمی خاستند تا چہار ملعون و چہار ملعونہ را لعنت نمی کردند۔ پس باید بعد از ہر نماز بگوید:

اللّٰهم العن أبابكر و عمر و عثمان و معاوية و عائشة و حفصة و هندا و ام الحكم''①

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا یہ لکھنا یقیناً محل نظر ہے کہ ''شیعوں'' نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی ''تقلید و اتباع'' ترک کر کے امیر معاویہ کی ''تقلید و اتباع'' اختیار کر لی اور انہوں نے ''تبرّا'' کو اپنا عقیدہ بنا لیا۔ اس طرح کسی نہ کسی درجہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام تسلیم کر لیا گیا کہ ان کے ہاں حضرت امیر رضی اللہ عنہ پر ''لعن طعن'' ہوا کرتا تھا۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ زیر بحث عبارت بلکہ 499 صفحات پر مشتمل پوری کتاب میں کہیں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس ''الزام'' کی تردید نہیں کی گئی۔ کیا ان کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ انہوں نے جہاں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں وضاحت کی کہ انہوں نے اپنے اوپر ''لعن طعن'' کی خبر سے آگاہ ہو کر بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''لعن طعن'' کرنے سے اپنے احباب کو روک دیا تھا۔ اسی طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی وضاحت کر دیتے کہ ان کی طرف بھی یہ ''عمل و فعل'' غلط طور پر منسوب کر دیا گیا ہے۔ لیکن حضرت کی زیر بحث عبارت میں الٹا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس ''الزام'' کو تسلیم کر کے ''شیعوں'' کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''مقلد و متبوع'' قرار دے دیا گیا ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے یہاں ''تقلید و اتباع'' کو ناجائز مفہوم میں لیا ہے (کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ''لعن طعن'' کرنا یقیناً بدترین ضلالت ہے) جبکہ ''شیعوں'' کو اس پر ''مطعون'' کرنا کہ تم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی سنت اختیار کر لی ہے، اس پر مستزاد ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ''اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم'' بھی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی مراد ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ موصوف نے اس مفہوم میں شیعوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''مقلد و متبوع'' قرار نہیں دیا۔

اگر زیر بحث ''تنقیصی عبارت'' کو کتاب سے بالکل حذف بھی کر دیا جائے تو پھر بھی ''نفس مضمون'' پر ذرہ برابر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اے کاش یہ عبارت یہاں نہ ہوتی۔

مزید برآں زیر بحث عبارت کے متعلق یہ تاویل بھی ہرگز مفید نہیں ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے ''اہل تشیع'' پر بطور ''الزام'' یہ بات لکھی ہے کیونکہ اول تو اس کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ دوم یہ کہ

① عين الحيوة ص 599۔ مطبوعہ ایران

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ''لعن طعن'' کی نسبت اور اس کا اثبات انتہائی خطرناک، ناجائز اور حرام ہے اس لیے اس کی نسبت ''الزاماً'' اور مفروضے کے طور پر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں ہونی چاہیے۔ جب اپنے والدین اور اکابر کی طرف بطور مفروضہ بھی اس قسم کی نسبت قابل برداشت نہیں ہے تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت کیونکر قابل برداشت ہوسکتی ہے؟

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے برعکس یہی واقعہ ان کے پوتے مولانا محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے ایک دوسرے ''طریق'' سے روایت کیا ہے جو انہوں نے حضرت امیر شاہ خان صاحب سے دیگر واقعات کی طرح سن کر آگے بیان کیا۔

مولانا ظہور الحسن صاحب کتاب ''ارواح ثلاثہ المعروف بہ حکایاتِ اولیاء'' کی تمہید میں ''خان صاحب'' مذکور کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں حضرت امیر شاہ خان صاحب کو جنہوں نے باوجود علم رسمی تحصیل نہ کرنے کے بزرگوں کے فیض صحبت سے وہ درجہ حاصل کیا کہ آج اصطلاحی عالم بھی ان کے علمی و عملی مرتبہ پر رشک کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کو عمر و ذہن اور حافظہ بھی اس قدر وافر عطا فرمایا تھا کہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ سے لے کر موجودہ زمانہ کے بزرگوں کے حالات و واقعات کو روایات حدیث کی طرح بسندہ وبلفظہ نقل فرماتے ہیں اور پھر حضرت حکیم الامت مرشدی مولائی جناب مولانا محمد اشرف علی صاحب دام فیوضہم کو حق تعالیٰ دو جہاں میں مراتب اعلیٰ عطا فرمائیں کہ آپ نے حضرت خان صاحب موصوف سے بزرگوں کی حکایات کو بذریعہ مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی ضبط کرنے کا اہتمام فرمایا۔ جن کی کوشش اور اہتمام سے یہ تمام حکایات کتابی صورت میں جمع ہوگئیں اور کتاب کا نام راوی کے نام کی مناسبت سے ''امیر الروایات'' تجویز ہوا۔ اسی سلسلہ میں ہم مولانا مولوی محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دام فیوضہم کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی حضرت امیر شاہ خان صاحب سے سن کر بزرگوں کے حالات کا ایک مجموعہ ''روایات الطیب'' کے نام سے جمع کر کے شائع کیا......''[1]

---

[1] حکایات اولیاء......ارواح ثلاثہ ص12۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی فروری 1976ء

قارئین کرام! زیر بحث اعتراض (نمبر 87) بروایت قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سابق مہتمم کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''خان صاحب نے فرمایا کہ جب سید صاحب کا قافلہ حج سے واپس آرہا تھا تو واپسی میں لکھنؤ میں ٹھہرا۔ علی نقی خان اس زمانہ میں وزیر تھا اور سجاد علی خان اس کا منشی۔ علی نقی خان نے تمام قافلہ کی دعوت کی اور کھانے کے لیے سب کو ایک بڑے مکان میں مدعو کیا۔ اس جلسہ میں علماء فرنگی محل وغیرہ بھی مدعو تھے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے، علی نقی خان نے سید صاحب سے عرض کیا حضور کھانے میں ابھی ذرا دیر ہے۔ بہتر ہو کہ مولوی اسماعیل صاحب کچھ بیان فرمائیں۔ مولانا اسماعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جس جلسہ میں سید صاحب ہوتے تھے اس جلسہ میں تقریر نہ کرتے۔ اس لیے سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ: مولانا آپ کچھ فرما دیجیے۔ مولانا عبدالحی صاحب نہایت ہی کم گو تھے اور جب تک کوئی سوال کئی مرتبہ نہ کیا جائے اس وقت تک جواب ہی نہ دیتے تھے اس لیے وہ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔

تھوڑی دیر میں علی نقی خان نے پھر عرض کیا اور سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب سے پھر فرمایا، مولانا پھر بھی خاموش رہے۔ اس پر سبحان علی خان بولا کہ جناب اس مجمع میں علماء فریقین (سنی وشیعہ) موجود ہیں ایسے مجمع میں تقریر فرماتے ہوئے مولانا کو شرم آتی ہے اس لیے یا جناب خود کچھ فرمائیں یا مولوی اسماعیل صاحب کو حکم فرمائیں۔

یہ سن کر عبدالحی صاحب نے زور سے ''ہوں'' کر کے (کیونکہ ان کی عادت تھی کہ جب وعظ فرمانے کو ہوتے اول ''ہوں'' کرتے) فرمایا:

''الحیاء شعبۃ من الایمان'' اور یہ فرما کر سلسلہ تقریر شروع فرمایا......

اثناء تقریر میں سبحان علی خان مولوی عبدالحی صاحب سے جگہ جگہ پر سوال کرتا تھا اور مولانا اسماعیل صاحب اس کا جواب دیتے تھے وہ سوالات و جوابات سب تو مجھے محفوظ نہیں رہے جس قدر یاد ہیں لکھواتا ہوں...... ①

① روایات الطیب ص 62_ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔ دسمبر 1978ء تحت حکایت نمبر 41

مولانا قاری محمد طیب صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:

''اس کتاب کی حکایت نمبر 41 میں بذیل مکالمہ حضرت مولانا (اسماعیل) شہید اور سبحان علی خان میر منشی علی نقی خان وزیر شاہ اودھ تین سوال سبحان علی خان کے نقل کیے گئے ہیں جن کا جواب مولانا شہید رحمہ اللہ نے حضرت مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ روک کر دیا۔ انہیں میں سے ایک مسئلہ اور ہے جو خان صاحب نے مجھ سے اس واقعہ کی روایت کرتے ہوئے فرمایا:

اور وہ یہ کہ اثنائے وعظ میں ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو سبحان علی خان پھر بولا اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں زبان مدح اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نیز اور دوسرے صحابہ کی شان میں تنقیص کھولی تو مولانا شہید پھر کھڑے ہوئے اور مولانا عبدالحی صاحب کو روک کر سبحان علی خان سے استفسار کیا کہ:

بتاؤ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دربار میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا ہوتا تھا؟

اس نے کہا: کہ نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دربار ہجو گوئی سے پاک تھا۔

پھر پوچھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تبرّا ہوتا تھا؟ کہا: بے شک ہوتا تھا۔

اس پر مولانا شہید نے فرمایا: اہل سنت الحمدللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں اور روافض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے۔ اور پھر خود ہی اپنے امام کے حق میں زبان تنقیص بھی کھولتے ہیں اور ہم اپنے امام (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے مقلد ہیں کہ ان کو اور ان کے سوا باقی صحابہ کو اپنا مقتدا جانتے ہیں۔''①

حضرت نانوتوی اور قاری طیب صاحب کا بیان کردہ مذکورہ واقعہ نفس مضمون کے اعتبار سے اگرچہ ایک ہی ہے تاہم دونوں حضرات نے اسے اپنے اپنے ''طریق'' سے روایت کیا ہے جس کی رو سے دونوں نے اس ''روایت'' یا شیعہ کے اس اعتراض کو درست تسلیم کرلیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تبرّا ہوتا تھا۔

صد افسوس قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے حکایت نمبر 41 نیز 52 مع سیاق وسباق نقل کی کہ کس

---

①روایات الطیب ص86-87۔تحت حکایت نمبر52

طرح شیعہ ''سبحان علی'' کے اعتراض کے جواب میں مولانا شہید سے رہا نہیں گیا اور مولانا عبدالحی صاحب کے وعظ کو ہر سوال کے جواب کے لیے بار بار روک کر خود جواب دیتے رہے اور مؤخر الذکر سوال کا جو مسکت جواب مولانا شہید نے اس بڑے اجتماع میں شیعہ اور سنی علماء کی موجودگی میں دیا اس میں اس بات کو تسلیم کرلیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تبرّا ہوتا تھا۔

حضرت نانوتوی صاحب رحمہ اللہ کے بیان کردہ واقعہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ''لعن طعن'' کرنا ''ثابت'' کیا گیا۔

جبکہ قاری طیب صاحب رحمہ اللہ کی بیان کردہ ''روایت'' میں اسے صاف طور پر ''تبرّا'' کا نام دیا گیا۔

کیا اہل سنت کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ''لعن طعن اور تبرّا'' ہوتا تھا؟

پھر قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ''لعن طعن اور تبرّا'' کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

ستم بالائے ستم یہ کہ دونوں حضرات نے اہل تشیع کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقلد اور پیروکار تسلیم کیا جب کہ خود کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقلد اور متبع ثابت کیا۔

اس طرح اہل تشیع کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''سبّ علی رضی اللہ عنہ'' کا الزام علمائے دیوبند کی مقتدر شخصیات کی جانب سے ''درست'' قرار دیا گیا۔ **فیا أسفا**

88

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ ناجائز تھی

لکھنؤ کے ایک شیعہ عالم محمد ہادی بن مرزا علی نے 1288ھ (1871ء) میں علمائے اہل سنت سے دس سوالات کے جوابات طلب کیے تھے تو قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے اسی وقت ''هداية الشيعة'' کے نام سے ان سوالات کے جوابات تحریر کیے۔ 1288ھ/ 1871ء کے بعد اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے لیکن اس وقت کی طباعت میں ''پیراگراف اور عنوانات'' نہیں تھے۔ مولانا محمد اسلم صاحب سابق خطیب مسجد ہیڈ کوارٹرز کراچی نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی کتاب ''هدية الشيعة'' کی طرح حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی محولہ کتاب ''هداية الشيعة'' کے متن میں کسی ادنیٰ تصرف کے بغیر ''پیراگراف اور عنوانات'' بھی لگا کر پاکستان میں پہلی مرتبہ اپنے مکتبہ حقانیہ سے 1383ھ مطابق 1963ء میں شائع کی۔ بعد ازاں یہ کتاب 1395ء/ 1975ء میں دارالاشاعت کراچی سے جناب محمد رضی عثمانی صاحب کے اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی۔

شیعہ عالم کی طرف سے ''سوال اول'' میں صحابی کی تعریف، نفاق وارتداد اور اچھے برے صحابہ کے علاوہ یہ بھی پوچھا گیا کہ:

''اگر وہ کہہ دیں کہ ہم بھی بناء برتعریف خاص کے انہیں صحابہ کو جو اطاعت عترت میں تھے دوست رکھتے ہیں اور برے اصحاب کو ہم بھی برا جانتے ہیں تو پوچھو کہ برے اصحاب سے شیعہ کو آگاہی فرمایئے کس لیے کہ جنہوں نے مع اہل بیت گھر جلانے کا حکم دیا اور جو جلانے کو آئے اور اس واقعہ پر ہم بیس کتابیں آپ کی گواہ رکھتے ہیں یہاں تک کہ جو لڑے حتیٰ کہ معاویہ بھی آپ کے نزدیک معافی مجتہدوں میں ہے......''①

شیعہ عالم کے سوال میں ''اہل بیت'' کا گھر جلانے کا حکم دینے والے اور گھر جلانے والے کا نام مذکور نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

① هداية الشيعة ص 21 مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔ تالیفات رشیدیہ ص 544۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔ کراچی

''اور یہ جو آپ بہتان، طوفان افتراء کرتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے خانۂ اہل بیت جلانے کا حکم دیا اور جو جلانے کو گئے۔ یہ بالکل افتراء وکذب اعدائے (اہل بیت) دوست نما کا ہے۔ اہل سنت کی ایک کتاب میں بھی اس کا کہیں کچھ ذکر نہیں۔ آپ نے آنکھ بند کر کے بیس کتاب کا ذکر لکھ دیا، زبان کے آگے کچھ کنواں کھائی تو ہے ہی نہیں۔ للہ وللوصی۔ ایک کتاب کا تو نشان دیا ہوتا، تاکہ آپ کا صدق وکذب سب پر روشن ہو جاتا اگرچہ واقف تو اب بھی آپ کے صدق ودیانت کے قائل ہو گئے ہیں......''①

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا یہ ''دعویٰ'' محل نظر ہے کہ ''اہل سنت کی ایک کتاب میں بھی اس کا کچھ ذکر نہیں......''

کیونکہ اہل سنت کی کتب میں اس کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ معروف ''سنی'' مفسر ومؤرخ امام طبری لکھتے ہیں کہ:

''اتی عمر بن الخطاب منزل علیّ و فیه طلحة والزبیر ورجال من المهاجرین فقال: والله لأ حرقن علیکم أولتخرجنّ الی البیعة، فخرج علیه الزبیر مصلتاً بالسیف فعثر فسقط السیف من یده فوثبوا علیه فأخذوه''②

(سقیفہ بنی ساعدہ سے) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان پر آئے۔ وہاں طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس گھر میں آگ لگا کر تم سب کو ضرور جلا دوں گا یا تم ضرور بیعت کے لیے باہر نکلو گے۔ تو اس دھمکی پر زبیر رضی اللہ عنہ تلوار نکال کر عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے تو فرش میں پاؤں الجھ جانے کی وجہ سے گر پڑے، تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ تب اور لوگوں نے زبیر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا۔

شیعہ عالم کے سوال میں اہل بیت کا گھر جلانے کا حکم دینے والے کا نام بھی نہیں ہے لیکن تاریخ طبری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مشاورت سے اٹھایا تھا۔ اسی لیے 13 ھ میں اپنی مرض موت میں انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اپنی ندامت کا اظہار کیا تھا کہ تین کام ایسے تھے کہ میری آرزو یہ ہے کہ کاش میں

① هدایة الشیعة ص 30۔ تالیفات رشیدیہ ص 550-551

② تاریخ الامم والملوک۔ الجزء الثانی ص 443۔ طبع بیروت

نے وہ چھوڑ دیے ہوتے۔ ان میں سے ایک ''بیت فاطمہ رضی اللہ عنہا'' کا معاملہ بھی ہے:

فاما الثلاث اللاتی وددت أنی ترکتھن: فوددت أنی لم أکشف بیت فاطمة عن شیء وان کانوا قدغلّقوہ علی الحرب... ''①

کاش میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر نہ کھولتا اگرچہ وہ لوگ جنگ کے لیے اس کا دروازہ بند کرتے۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے صلح و بیعت کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے اس شرط کے ساتھ اپنے گھر آنے کا کہا کہ اپنے ساتھ کسی یعنی عمر رضی اللہ عنہ کو نہ لائیں (کراھیة لیحضر عمر) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: واللہ آپ ان کے پاس اکیلے نہ جائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ان سے کیا خطرہ ہے؟ چنانچہ وہ تشریف لے گئے اور اگلے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز کے بعد باقاعدہ بیعت کر لی۔ ②

مذکورہ تفصیل حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے اس ''دعویٰ'' کہ ''اہل سنت کی ایک کتاب میں بھی اس کا کہیں کچھ ذکر نہیں'' کے ذیل میں ضمناً آ گیا البتہ ''نفس مسئلہ'' سے متعلق حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا یہ جواب اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ یہ ''بہتان و افتراء'' ہے۔

شیعہ عالم محمد ہادی بن مرزا علی نے اپنے ''سوال اول'' میں دوسری بات یہ پوچھی کہ:

''یہاں تک کہ جو لڑے حتیٰ کہ معاویہ بھی آپ کے نزدیک معافی مجتہدوں میں ہے''

اس کا جواب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے دو صفحات میں نہایت ہی تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا محاربہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں مگر معاویہ رضی اللہ عنہ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے جیسا تمہارا اور تمہارے اسلاف کا زعم ہے کیونکہ حق تعالیٰ خود قرآن شریف میں فرماتا ہے:

﴿وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ... ﴾ الآیة

اور اگر دو طائفے مومنین کے آپس میں مقاتلہ کریں تو ان میں صلح کرا دو۔

① تاریخ الامم والملوک۔ الجزء الثانی ص 619۔ طبع بیروت

② صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب غزوہ خیبر، رقم الحدیث 4241

تو دیکھو کہ حق تعالیٰ باوصف مقاتلہ باہمی ان کو مومنین کہہ کر تعبیر فرماتا ہے اور سوا اس کے صدہا آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی۔

اور نہج البلاغہ میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا قول شریف منقول ہے...... ''صبح کی ہم نے قتال کرتے ہوئے اپنے بھائیوں مسلمانوں سے بسبب اس کے کہ داخل ہوئی اس میں کچھ کجی اور ٹیڑھا پن اور شبہ اور تاویل۔''

حضرت امیر ان کو خود مسلمان بھائی فرماتے ہیں۔ ہاں البتہ اس میں بسبب شبہ و تاویل کجی آ گئی تھی اور یہ خود بیّن ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔ سو اس نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب (حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطا ہوئی مگر بتاویل۔ منقول ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آخر عمر میں اس امارت اور اپنے کردار سے نادم ہوئے تھے۔

سو ندامت کے بعد جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا کہ حق تعالیٰ توبہ کے سبب گناہ معاف کرتا ہے بلکہ کفر بھی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ فریقین ہے حاجت سند نہیں اور عادل کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ کبھی اس سے کوئی تقصیر نہ ہو بلکہ اس سے کوئی گناہ ہوا اور پھر توبہ کر لی تو پھر عادل ہو جاتا ہے۔

اور شیعہ تو گناہ کبیرہ سے عصمت کو بھی ساقط نہیں کرتے چہ جائیکہ عدالت۔ (بحوالہ کلینی)

''حضرت یونس علیہ السلام نے ایسا گناہ کیا کہ موت اس پر موجب ہلاکت تھی'' پھر جب عصمت انبیاء کی ایسے گناہ سے ساقط نہیں ہوتی تو بے چارے معاویہ رضی اللہ عنہ تو معصوم نہیں تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو یہ گناہ خطا سے کیا ہے۔ اب شیعہ حضرت آدم علیہ السلام کے باب میں نہ معلوم کیا حکم لگائیں گے؟ کہ ان کی کتابوں میں صریح موجود ہے کہ یہ بلا آدم علیہ السلام پر بھی حسدِ مرتبہ علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سبب سے آئی تھی اور یہ عمداً تھا۔ سو بعد توبہ آدم علیہ السلام کا قصور معاف ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى﴾

پھر پسند کرلیا اس کو اس کے رب نے اور رجوع کی اس پر اور ہدایت کی۔

ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑی اور مارا یہ خطا سے ہوا تھا جبکہ انبیاء سے ایسا کچھ سرزد ہوجائے، معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ پر کیا موجبِ طعن ہے وہ تو کچھ معصوم نہ تھے۔

علاوہ بریں اگر تقصیر حرب معاویہ رضی اللہ عنہ سے اور چند دیگر سے ہوئی آپ نے کمال تبحر اور ہمہ دانی سے سارے مہاجرین رضی اللہ عنہم اور انصار رضی اللہ عنہم (کہ بقول امام جعفر رضی اللہ عنہ بارہ ہزار تھے) کو ایک درجہ کردیا۔ بڑے افسوس اور حیرت کی جا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم باوصفِ مدح ثقلین کے کافر ہوں اور شیعہ باوجود مخالفتِ ثقلین و گستاخی اہل بیت کے مومن و مخلص رہیں؟ بڑے شرم کی بات ہے اگر آپ کو ہوش ہو۔ واللہ الہادی۔''[1]

شیعہ عالم کے سوال ''یہاں تک کہ جولڑے حتیٰ کہ معاویہ بھی......'' یعنی ''یہاں تک کہ جولڑے'' سے مراد ''اصحاب جمل'' ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اپنے طویل و مفصل جواب میں ''اصحاب جمل'' کا تو سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا بلکہ صرف اس قدر اشارہ کیا کہ:

''علاوہ بریں اگر تقصیر حرب، معاویہ رضی اللہ عنہ اور چند دیگر سے ہوئی''

باقی تمام تر روئے سخن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی طرف رہا جس میں ایک جلیل القدر صحابی کے بارے میں جارحانہ اسلوب کے علاوہ ان سمیت دیگر صحابہ و تابعین کی تنقیص بھی پائی جاتی ہے۔

مولانا مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی نے اپنی کتاب میں دو مقامات پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''خاطی'' ثابت کرنے کے لیے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی زیر بحث عبارت کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ:

''اب آخر میں مولانا رشید احمد گنگوہی کے کتابچہ ''هداية الشيعة'' صفحہ 30 کے ایک اقتباس پر اس بحث کو ختم کیا جارہا ہے۔ شیعہ حضرات کے ایک سوال کے جواب میں وہ

[1] هداية الشيعة ص 30-32

فرماتے ہیں:

''معاویہ رضی اللہ عنہ کا محاربہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں......تا......فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا۔'' ①

ملک غلام علی صاحب اسی کتاب میں آگے چل کر پھر لکھتے ہیں کہ:

''میں نے اشارتاً فقط دو حوالوں (شاہ عبدالعزیز اور جرجانی) پر اس لیے اکتفاء کیا تھا کہ مولانا مودودی فسق یا فاسق کا لفظ اپنی تحریر میں کہیں لائے ہی نہ تھے اور میں خواہ مخواہ اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق دوسروں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر کیا ہے لیکن عثمانی (مفتی تقی عثمانی) چونکہ مصر ہیں کہ دو آدمیوں کا قول جمہور امت کے مقابلے میں ہرگز قابل قبول نہ ہوگا اس لیے میں مزید دو اقوال کا حوالہ دیتا ہوں جن میں سے ایک مولانا رشید احمد گنگوہی کا ہے جسے میں پہلے بھی (ص 234 پر) نقل کر چکا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

''معاویہ رضی اللہ عنہ کا محاربہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں......الخ'' ②

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی زیر بحث عبارت ماہنامہ حق چار یار میں نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔ ③

حافظ عبدالجبار سلفی نے نومبر 2013ء میں مولانا قاضی شمس الدین صاحب سے متعلق ماہنامہ حق چار یار (جون 1990ء تا اکتوبر 1991ء) میں بارہ قسطوں میں شائع ہونے والے اس مضمون (مولانا قاضی شمس الدین درویش اور یزیدی ٹولہ) کو مشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال (جلد اول) کے نام سے کتابی صورت میں شائع کر دیا۔

① خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 234
② حوالہ مذکور ص 449
③ مشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال ص 228

مذکورہ زیر بحث عبارت (جس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ومعاندین استدلال کر رہے ہیں) میں انتہائی خطرناک اور غلط دعویٰ کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

1۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ کو''اہل سنت'''' ناجائز'' کہتے ہیں۔

2۔ اہل سنت کی کتب میں یہی نظریہ مذکور ہے۔

3۔ اہل سنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں۔

4۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس خطا کے ارتکاب سے ایمان سے نہیں نکل گئے۔

5۔ قرآن کی صدہا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ فسق وگناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا۔

6۔ فسق وگناہ کبیرہ کے مرتکب پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''لعن'' کرنے سے منع کر دیا تھا اگر وہ کافر ہوتے تو منع کیوں کرتے؟

7۔ ''حرب'' معاویہ رضی اللہ عنہ میں بسبب شبہ وتاویل کجی اور ٹیڑھا پن آ گیا تھا۔

8۔ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے سو اس نص سے بھی ثابت ہو گیا کہ یہ''حرب'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ گناہ خطا سے کیا ہے۔

9۔ منقول ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آخر عمر میں اپنے اس کردار سے نادم ہوئے تھے۔

10۔ عادل کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ کبھی اس سے کوئی تقصیر نہ ہو بلکہ اس سے کوئی گناہ ہوا اور پھر توبہ کر لی تو پھر عادل ہو جاتا ہے۔

بالفرض گناہ ہی تھا تو وہ انجام کار اس سے تائب اور نادم ہو کر پھر درجہ عدالت کو فائز ہو گئے۔ ①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی مرتب کردہ مذکورہ ''فرد جرم'' جہاں لغو، باطل اور مسلک اہل السنت والجماعت کے خلاف ہے وہیں اس کا انداز واسلوب اور لب ولہجہ ہرگز ہرگز فاتح عرب وعجم، خال المسلمین، مدبّر اسلام، بانی اسلامی بحریہ، کاتب وحی، خلیفہ عادل، راشد وبرحق امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شایان شان نہیں ہے بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے موقف کے حامی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کی صریح توہین وتنقیص پر مبنی ہے۔

---

① ھدایۃ الشیعۃ ص 29 تا 32۔ ملخصاً۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ:

''اے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں کم وبیش آدھے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہیں۔''①

ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم پر مشتمل تقریباً یہ نصف تعداد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل یعنی ''حرب'' کو جائز ہی سمجھ رہی تھی تو انہوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔سوال یہ ہے کہ کیا یہ حضرات بھی ''اہل سنت'' میں شمار ہوتے ہیں؟ اس کا جواب نفی میں تو ہرگز نہیں دیا جاسکتا پھر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کی نصف تعداد کو خارج از اہل سنت اور خاطی باور کرانے والوں کا اپنا مقام کیا ہوگا؟

یہاں 'خطاء'' کی تاویل 'خطائے اجتہادی'' سے بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ 'خطائے اجتہادی'' صغیرہ گناہ بھی نہیں چہ جائیکہ ''فسق اور کبیرہ'' گناہ ہو کیونکہ از روئے نص اس ''خطاء'' کا مرتکب ''ماجور'' ہوتا ہے نہ کہ ''مازور۔''

جبکہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس ''خطاء'' کو بہ تکرار اور بدلائل ''فسق اور کبیرہ گناہ'' قرار دے رہے ہیں جو خود ان کے اپنے کلام سے مترشح ہے:

''فسق وگناہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا، یہ خود بیّن ہے کہ گناہ سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہوجائے،سوندامت سے جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا''۔

علاوہ ازیں علامہ جرجانی اور شاہ عبدالعزیز نے بھی اسے ''فسق اور گناہ کبیرہ'' ہی قرار دیا ہے۔

اہل سنت کے نزدیک ''خطائے اجتہادی'' بھی حق کے دائرے میں ہی ہوتے ہے اور کسی فریق کو قطعی طور پر ''مخطی'' یا ''معیب'' قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ ہر مخطی ''محتمل الصواب'' ہوسکتا ہے اور اسی طرح ہر مصیب ''محتمل الخطاء'' ہوسکتا ہے۔لہٰذا مشاجرات صحابہ کی بحث میں ''امساک ، توقف اور سکوت'' اختیار کرنا چاہیے کیونکہ اسی صورت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہر طرح کی بدظنی سے حفاظت ہے۔حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے مذکورہ ''فرد جرم'' میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''منقول ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آخر عمر میں اس امارت اور اپنے کردار سے نادم ہوئے تھے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ''حرب'' والی ''خطاء'' تو 37ھ میں سرزد ہوئی تھی جو ''فسق اور کبیرہ

① مکتوبات امام ربانی اردو۔جلد 2۔ص 580

گناہ'' میں شمار ہوتی ہے مگر حضرت گنگوہی ؒ کی طرف سے ''معافی'' کا پروانہ بعد از ندامت حضرت معاویہ ؓ کی آخری عمر میں (وہ بھی ''منقول ہے'' کے الفاظ سے) جاری کیا گیا۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ حضرت گنگوہی ؒ نے اس ''ندامت'' کے بعد ''عدالت'' کی بحالی کا ذکر کیا ہے کہ:

''انجام کار اس سے تائب اور نادم ہو کر پھر درجۂ عدالت کو فائز ہو گئے، عادل کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ کبھی اس سے کوئی تقصیر نہ ہو بلکہ اس سے کوئی گناہ ہوا اور پھر توبہ کر لی تو پھر عادل ہو جاتا ہے''①

حضرت معاویہ ؓ سے ''حرب'' والی ''تقصیر و گناہ'' تو 37ھ میں سرزد ہوا تھا جبکہ اس سے ندامت و توبہ بقول حضرت گنگوہی ؒ آخر عمر میں 60ھ کے آگے پیچھے کی تھی تو اب سوال یہ ہے کہ 37ھ تا 60ھ یعنی چوبیس سال تک کیا حضرت معاویہ ؓ ''عدالت'' پر فائز نہیں ہوئے تھے؟ کیا اس تمام عرصہ میں وہ غیر عادل تھے؟ کیا ''گناہ و تقصیر'' سے ''عدالت'' ساقط ہو جاتی ہے؟ کیا یہ اہل سنت کا نظریہ و موقف ہے؟

ملک غلام علی صاحب ''عدالت صحابہ'' پر طویل بحث کے بعد یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

''یہ بات البتہ صحیح ہے کہ ایک یا چند افعالِ فسق سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا فاعل اپنی پوری زندگی یا اس کے اکثر و غالب احوال میں فاسق قرار پائے اور صفتِ عدالت اس سے بالکل معدوم و منتفی ہو جائے۔ اس کے قائل اگر عثمانی (مفتی محمد تقی) صاحب ہیں تو ہم بھی اس کے منکر نہیں ہیں۔''②

قارئین کرام! حضرت گنگوہی ؒ کا ایک جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ ؓ کے بارے میں قطع نظر دیگر الزامات کے انتہائی جارحانہ ''اسلوب و انداز اور لب و لہجہ'' آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اب آپ حضرت گنگوہی ؒ کے القابات ملاحظہ فرمائیں:

مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ 1248ھ۔ 1297ھ) حضرت گنگوہی ؒ 1244ھ۔ 1323ھ) کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

① ہدایۃ الشیعۃ ص 29،31

② خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص 449

''مخدوم العلماء، مطاع الفضلاء، مجمع الکمالات، منبع الحسنات، زیب طریقت، حامی شریعت، فخر احباب افتخار، اصحابِ ملجاء انام، مرجع خاص وعام، معلم قوانین اطاعت وانقیاد محرک سلسلہء رشد وارشاد، جامع کمالات ظاہری وباطنی، مخدومنا ومولانا مولوی رشید احمد گنگوہی دام رشدہ وارشادہ......''①

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ:

''رافع لوائے سنت، ہادم قصر بدعت، پیشوائے سالکان طریقت، مقتدائے رہروانِ حقیقت، سرخیل اہل تجدید وتفرد، سالار قافلہء اصحاب توحید وتجرد، شیخی وامامی، مولائی وسیدی، یومی وغدی، مخدوم العالم، قطب الارشاد مولانا الحافظ، الحاج مولوی رشید احمد صاحب لازالت الایام واللیالی بنور کرامتہ مستنیرۃ''②

کسی مسئلہ کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت تھانوی سے ناراض ہوئے تو انہوں نے ''رجوع نما'' ایک خط کے ذریعے اپنی صفائی پیش کی اور دیگر باتوں کے علاوہ اکابر کے ساتھ اپنی عقیدت کا بایں الفاظ اظہار فرمایا:

''انّی واللہ قد رضیت باللہ ربّا وبالاسلام دینا وبمحمدٍ نبیّا وبشیخی امداد اللہ للعالمین مرشدا وولیّا وبکم یامولانا (رشید احمد گنگوھی) ھادیاً مھدیاً...''③

مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''حق تعالیٰ کے چہیتے پیغمبر محمد ﷺ کی مرحومہ امت میں جن خوش نصیب اور پاک طینت حضرات کو مرتبہ قرب وولایت کے ساتھ نوازا گیا اور سچے ایمان کی حلاوت اور اطمینان کے ساتھ یقین واذعان کی روشنی جن کے قلوب میں ڈالی گئی ہے ان میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کے دل فیض منزل کو ایک خاص خصوصیت کے ساتھ یہ اندرونی لذت عطا ہوئی تھی جس کا ثمرہ یہ تھا کہ زمانہ کے صاحب نسبت مشائخ اور اہل دل مجاز طریقت اولیاء اللہ کے آپ سردار تھے، عالم کے ہادی اور راہبر، نائبین رسول گروہ کی سیادت آپ کے حوالہ کی گئی تھی،

① ھدیۃ الشیعۃ ص 8۔ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
② ماہنامہ حق چار یار لاہور ص 48۔ دسمبر 2013ء
③ تذکرۃ الرشید جلد اول ص 115

علماء عصر کا آپ کو امیر الجیش بنایا گیا تھا۔ پیشوایان خلق کا امام و پیشوا اور مصلحانِ قوم وملت وجماعت کا مصلح اور حاکم آپ کو گردانا گیا تھا۔ مقبولانِ بارگاہ صمدیت کی پاک باز جماعت تختہ عالم پر سدا بہار گلاب اور مہکانے والے پھول کا کام دیتے تھے اور حضرت امام ربانی قدس سرہ کی ذات مقدس بمنزلہ عطر گلاب بلکہ روح بنی ہوئی عالم کو مہکا رہی تھی۔

احتمال خطاء اور امکانِ زلت کے درجہ میں آپ یقیناً بشر تھے مگر ہادی و راہبر عالم ہونے کی حیثیت سے چونکہ آپ اس بے لوث مسند پر بٹھائے گئے تھے جو بٹھائے پیغمبر کی میراث ہے اس لیے آپ کی قدم قدم پر حق تعالیٰ کی جانب سے نگرانی ونگہبانی ہوتی تھی۔ آپ اولیاء اللہ کے اس اعلیٰ طبقہ میں رکن اعظم بن کر داخل ہوئے تھے جن کے اقوال وافعال اور قلب وجوارح کی ہر زمانہ میں حفاظت کی گئی ہے اور جن کی زبان اور اعضاء بدن کو تائید وتوفیق خداوندی نے مخلوق کو گمراہی سے بچانے کے لیے اپنی تربیت وکفالت میں لے رکھا ہے۔

آپ نے کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ زبان فیض ترجمان سے فرمائے:

''سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر'' اوکما قال۔ ظاہر بین علماء جن مسائل میں دلائل وشواہد کے پابند ہو کر اختلافی جھگڑوں میں پڑتے اور حق وباطل میں امتیاز کامل نہ ہوسکنے کی وجہ سے تذبذب وتحیر کے بیابان میں سرگرداں پھرا کرتے تھے، حضرت امام ربانی قدس سرہ مشکوٰۃ نبوت سے سلگائی ہوئی مشعل قلبی کے نور کی بدولت واقعی حق بجانب بیان فرماتے اور شق صحیح معین فرما کر بلا استشہاد فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔''①

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی روحانی طاقت وقوت کے متعلق مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں کہ:

''ایک دن مولوی امیر شاہ خان صاحب نے حضرت قدس سرہ سے ایک قصہ بیان کیا کہ میں ایک روز مسجد حرام میں ایک بزرگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کے پاس ایک نوعمر درویش آئے اور بیٹھ گئے۔ وہ بزرگ جن کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا اس درویش کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ بھائی تمہارے قلب میں بڑی اچھی چیز ہے۔ ان بے چاروں نے اپنا حال

① تذکرۃ الرشید جلد 2، ص 16-17

چھپانا چاہا مگر انہوں نے پردہ ہی فاش کر دیا۔ کہنے لگے تمہارے قلب میں ایک عورت کی شبیہ ہے۔ اس کی ناک ایسی ہے اور آنکھیں ایسی ہیں اور بال ایسے ہیں۔ غرض تمام حلیہ بیان کر دیا۔ اس وقت وہ درویش بہت نادم ہوئے اور اقرار کیا بے شک آپ سچ فرماتے ہیں۔ ابتداء جوانی میں مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا۔ ہر وقت اس کے دھیان میں رہنے سے اس کی شبیہ میرے قلب میں آ گئی ہے۔ اب جب کبھی طبیعت بے قرار ہوتی ہے تو آنکھ بند کر کے اس کو دیکھ لیتا ہوں کچھ سکون ہو جاتا اور طبیعت ٹھہر جاتی ہے۔

مولوی امیر شاہ خان صاحب یہ قصہ بیان کر کے منتظر رہے کہ حضرت (گنگوہی) کچھ ارشاد فرمائیں گے مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ سن کر خاموش ہو گئے۔ جب کئی مرتبہ مولوی صاحب نے بات اٹھائی تب حضرت نے ارشاد فرمایا:

''بھائی یہ کچھ زیادہ غلبہ نہیں ہے کیونکہ ان کو آنکھیں بند کرنے اور قلب کی طرف متوجہ ہونے کی نوبت پہنچتی تھی۔ میرا حضرت حاجی (امداد اللہ مہاجر مکی) صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ برسوں یہ تعلق رہا کہ بغیر آپ کے مشورہ کے میری نشست و برخاست نہیں ہوئی۔ حالانکہ حاجی صاحب مکہ میں تھے اور اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی تعلق برسوں رہا ہے۔'' اس کے بعد اتنا فرما کر آپ خاموش ہو گئے کچھ نہ فرمایا اور دیر تک ساکت و سرنگوں رہے۔

مطلب ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی اجازت کے بغیر نہ حرکت ہوتی ہے نہ سکون۔ ①

مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے ''مستجاب الدعوات'' اور ''مشکل کشا'' ہونے کے بارے میں مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی گواہی و شہادت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''مولوی عبد السبحان صاحب انسپکٹر پولیس ضلع گوالیار فرماتے ہیں کہ مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست گوالیار ایک بار پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کی طرف سے تین لاکھ روپیہ کا مطالبہ ہوا۔ ان کے بھائی یہ خبر پا کر حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں گنج مراد آباد پہنچے۔ حضرت مولانا نے وطن دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا ''دیوبند''، مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا: گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر

① تذکرۃ الرشید جلد دوم ص 196-197

کیوں نہ گئے؟ اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا؟

انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت لائی ہے۔ مولانا نے ارشاد فرمایا:

''تم گنگوہ ہی جاؤ۔ تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب ہی کی دعا پر موقوف ہے۔ میں اور تمام روئے زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔''

چنانچہ واپس ہوئے اور بوسیلہ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب نے سفارش کی تو حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی قصور نہیں کیا۔ یہ صاحب مدرسہ عربی دیوبند کے مخالف ہیں جو اللہ کا ہے۔ سو قصوروار بھی اللہ پاک کے ہوئے۔ حق تعالیٰ سے توبہ کریں، بندہ دعا کرے گا۔ چنانچہ اِدھر انہوں نے توبہ کی اُدھر مطالبہ سے برأت کا کمشنر صاحب سے حکم آ گیا۔''①

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی محفل کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''آپ کی مجلس مبارک کو غور کر کے دیکھا ہے تو نمونہ محفل سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پایا۔ آپ کی مجلس مبارک میں بے ضرورت کوئی کلام نہ کرتا جس وقت آپ کوئی بات فرماتے سب خاموش متوجہ ہو کر سنتے اور جب کوئی شخص کچھ سوال کرتا جب بھی سب خاموش رہتے، آپ جواب دیتے۔ مجلس مبارک میں شور شغب، غل غپاڑہ، لغو باتیں ہرگز نہ ہوتیں...... چونکہ اس مجلس شریف میں حسب ضرورت تکلم ہوتا تو اکثر اوقات حاضرین ساکن وساکت ''کان علی رؤسھم الطیر'' رہتے۔ برکات وانوار وخیرات سے مجلس شریف معمور اور شرور وفساد سے بمراحل دور تھی۔''②

''آپ کے مزاج میں صداقت کی شان چونکہ جلوہ گر تھی اس لیے نبوی مزاج کا پورا نمونہ تھا...... یہ نمونہ ہے عادات ومعمولات اور شمائل وخصائل میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع تام اور اقتدائے کامل کا جو حق تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو عطا فرمایا تھا۔''③

''حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے ایک بار ارشاد فرمایا: میں نے ایک بار ایک خواب دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے۔ سو جس

① تذکرۃ الرشید جلد 2۔ ص 215

② حوالہ مذکور ص: 92

③ حوالہ مذکور ص: 111,100

طرح زن وشوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح مجھے ان سے اور انہیں مجھ سے فائدہ پہنچا ہے۔

انہوں نے حضرت رحمہ اللہ کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے انہیں مرید کرا دیا۔''①

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت گنگوہی کا کمال یہ تھا کہ ''رنگ فنا'' خجلت پر غالب تھا جب کہ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کا یہ کمال تھا خجلت پر فنا کو مجاہدہ سے غالب کر دیا۔ حضرت تھانوی ان دونوں بزرگوں کے اس ''کمال'' کی مثال حسب ذیل واقعہ سے بیان فرماتے ہیں کہ:

ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے مرید وشاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرما گئے مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا داہنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔

مولانا (نانوتوی) ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے؟ حضرت نے فرمایا لوگ کہیں گے، کہنے دو۔''②

حضرت تھانوی ''تصور شیخ'' کے مسئلہ میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا ایک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ درپیش تھا فرمایا کہ کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا: کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا: کہہ دوں؟ عرض کیا گیا: فرمائیے تو فرمایا:

کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر

① تذکرۃ الرشید جلد 2۔ ص 363,362
② ارواح ثلاثہ المعروف بہ حکایات اولیاء، حکایت نمبر 304۔ ص 264۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا۔ فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا: حضرت ضرور فرمائیے۔
فرمایا کہ (اتنے سال) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات آپ سے پوچھے بغیر نہیں کی۔
یہ کہہ کر اور جوش ہوا۔ فرمایا اور کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو۔ اگلے روز بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔'' ①

ممتاز عالم دین مولانا عبد القیوم حقانی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت الامام الکبیر (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ) کی مقدس زندگی کے آخری لمحات میں یہ امتیاز بھی آپ ہی کی ولایت کاملہ کا مکمل مصداق بن کر سامنے آیا کہ عالم نزع میں متوسلین ومحبین نے ''تلقین'' شروع کی۔ لیکن الامام الکبیر انقباض کے ساتھ کبھی چہرہ داہنی جانب پھیر لیتے اور کبھی بائیں جانب۔ جس سے تلقین کنندگان تشویش وحیرت کے ملے جلے جذبات سے دوچار تھے اور الامام الکبیر کے اس انقباض کی کوئی توجیہ نہیں کر پا رہے تھے کہ اس وقت الامام الکبیر کے بحرِ معرفت کے شناور، رفیق لبیب، فقیہ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تشریف لے آئے اور تلقین بند کرا کے خود الامام الکبیر کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ چند لمحے بعد وقت موعود آ پہنچا اور الامام الکبیر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔
اس کے بعد متوسلین نے بوقت تلقین الامام الکبیر کے انقباض کے بارے میں استفسار کیا۔ حضرت فقیہ الاسلام نے فرمایا کہ: ''میرے بھائی! اپنی قوت معنوی سے مسمّٰی تک یعنی ذات بابرکات حق تک واصل ہو چکے تھے اور آپ لوگ تلقین کے ذریعہ اسم کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو یہ عروج سے نزول کی طرف لانا ہے۔''
ظاہر ہے کہ اسے موجب انقباض ہونا ہی چاہیے تھا وہی ہوا۔ تلقین بند کرنے کے بعد انقباض ختم ہو گیا اور ان شاء اللہ وہ مقبولیت کے ساتھ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ ②

---

① ارواح ثلاثہ المعروف بہ حکایات اولیاء۔ حکایت نمبر 306۔ ص 265
② تذکرہ وسوانح الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ص 569-570۔ مطبوعہ القاسم اکیڈمی نوشہرہ، پشاور

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''امداد السلوک'' میں اپنے شیخ حضرت مکی کو حسب ذیل ''القاب'' سے یاد فرمایا ہے:

''و بنام نامی و اسم سامی و افتخار المشائخ الاعلام مرکز الخواص و العوام، منبع البرکات القدسیة، مظهر الفیوضات المرضیة، معدن المعارف الالٰهیة، مخزن الحقائق لجمع الدقائق، سراج اقرانه، قدوة اهل زمانه، سلطان العارفین، ملک التارکین، غوث الکاملین، غیاث الطالبین الذی کلت السنة الاقلام عن مدائحه البالغة و اعجزت التوصیف شمائله الکرام الساطعة یغبط الاوّلون والآخرون من شعاره و یحسده الفاجرون والغافلون، من دثاره مرشدی، معتمدی، وسیلة یومی و غدی، مولای و معتقی، سیدی و سندی، الشیخ، الحاج، المشتهر بامداد الله، الفاروقی، التهانوی سلمه الله تعالٰی بالارشاد والهدایة و ازال بذاته المطهرة الضلالة والغوایة... الخ''[1]

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی ان ''القاب'' کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''صاحبو! اس عبارت کے الفاظ ومعانی پر غور کرو اور بنظر انصاف فرماؤ کہ فرقہ وہابیہ کیا اس قسم کے الفاظ اور اس قسم اور نوع کے اعتقادات کسی کی نسبت رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس عبارت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز کی جتنی تصانیف وعقائد ہیں ان کے حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ بالکل موافق اور متبع ہیں اور وہی عقائد رکھتے ہیں کہ جن کے ذریعہ سے دھبہ وہابیت بالکل زائل ہے۔ رسالہ امداد السلوک کا صفحہ صفحہ اور سطر سطر پوری دلیل اور قوی برہان حضرت مولانا قدس سرہ العزیز کے ربانی، سنی اور حنفی ولی کامل ہونے کی ہے۔ اگر ان کو نقل کیا جائے تو دفتر طویل ہو جائے......''

اس تفصیل سے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ اور ان کے مرید خاص حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے علمی، عملی، روحانی اور باطنی مقام کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تفصیل کے طالب اصل کتب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

---

[1] الشهاب الثاقب علی المسترق الکاذب ص 203

یہاں دونوں قسم کے اسلوب قارئین کرام کے سامنے لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ چودہویں صدی میں حضرت مکی کی تعلیم وتربیت سے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس مقام تک پہنچ گئے کہ بتقاضائے بشریت ان سے خطا ولغزش کا صرف ''احتمال اور امکان'' ہے، دوسری طرف سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ''خطاؤں اور کبائر'' کا ''احتمال وامکان'' ہی نہیں بلکہ فی الواقع ''صدور وارتکاب'' بھی ہوا ہے البتہ اس کی وجہ سے وہ ''لعن'' کے مستحق نہیں ہیں۔ بھلا اہل سنت ان کے اس فعل کو کس طرح ''اچھا اور جائز'' کہہ سکتے ہیں؟ وہ اس فعل میں ''خاطی'' ہیں۔ اہل سنت کی ساری کتابوں میں یہی تحقیق پائی جاتی ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ ملک غلام علی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ'' کے صفحہ 239 پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت گنگوہی کی زیر بحث عبارت سے استدلال کیا ہے جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی اس لغزش کو معاف فرمائے۔

89

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لے کر غلطی کی

سابق صدر جمعیت علماء ہند ابو حنیفہ ثانی مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ (م 1372ھ / 1952ء) اس سوال کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت غصبِ خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت باوجود اس کے فسق و فجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں کس حد تک صحیح اور درست ہے؟''

کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے۔ انہوں نے یزید کے لیے بیعت لینے میں غلطی کی کیونکہ یزید سے بہتر اور اولیٰ وافضل افراد موجود تھے۔ لیکن اس غلطی کی باوجود یزید کے اعمال وافعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی۔ کیونکہ اسلام اور قرآن پاک کا اصول ہے: ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی ①

یہ کسی عالم کا عام قول نہیں ہے بلکہ ابو حنیفہ ثانی اور مفتی اعظم کا انتہائی غور وخوض کے بعد باقاعدہ تحریری صورت میں ایک فتویٰ (جسے شرعی حکم کا درجہ حاصل ہے) کی حیثیت سے سامنے آیا ہے جس سے ایک قاری کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مطلوبہ ''حسن ظن'' قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا چودہ صدیاں بیت جانے کے بعد کسی بھی شخص کو خواہ وہ کتنا ہی

① کفایت المفتی جلد اول ص 238۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی۔ جولائی 2001

بڑا عالم کیوں نہ ہو، یہ حق حاصل ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فعل کی صریح اور یقینی طور پر ''تغلیط'' کرے؟

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے فتوے (شرعی حکم) میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جس فعل کو ''غلطی'' سے تعبیر فرمایا ہے اس فعل کی تو صحابہ و تابعین کی غالب ترین اکثریت نے اپنے زمانے کے حالات کے پیش نظر توثیق و تصویب ہی نہیں کی تھی بلکہ عملی طور پر پہلے ولی عہدی اور پھر خلافت کی بھی با قاعدہ بیعت کر لی تھی۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لینے میں ''غلطی'' کی تھی تو پھر جن صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ علیہم نے بلا خوف و طمع اور بہ رضا و رغبت یزید کی بیعت کی تھی تو کیا وہ حضرات اس فتویٰ کی زد میں نہیں آئیں گے؟

کیا ان سب ''مبایعین'' نے جانتے بوجھتے ایک ''غلط'' کام پر اتفاق کر لیا تھا؟

حضرت مفتی صاحب نے اپنے اس فتوے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جس فعل کی تغلیط کی ہے یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ شریعت میں ''ولی عہدی'' بھی ایک جائز امر ہے۔ پھر موصوف نے اس ''تغلیط'' پر جس دلیل سے استدلال فرمایا ہے (کہ اولیٰ اور افضل افراد کی موجودگی میں غیر اولیٰ اور غیر افضل کو مقرر کرنا) وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ شریعت میں ''مفضول'' کی امامت و خلافت بھی جائز ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ایک جائز فعل کو ناجائز اور غلطی کیونکر قرار دے دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی رسول ﷺ اور کاتب وحی ہیں۔ انہوں نے امت کی خیر خواہی، دورِ فتن کے مخصوص حالات اور مسلمانوں میں آئندہ انتشار و خلفشار سے بچنے کے لیے اس وقت اہل حل و عقد کی رائے اور مشاورت کے ساتھ نیک نیتی سے یہ کام سرانجام دیا تھا جسے کسی طور پر بھی خلاف اسلام اور شریعت کے متصادم قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اسلام میں تقرر خلیفہ کی چار شرعی صورتوں میں سے دوسری صورت یہ ہے کہ ''خلیفہ سابق کسی کو اپنے بعد متعین و نامزد کر دے اور اس کے جواز پر اہل السنت والجماعت کا اتفاق ہے'':

''الطریق الثانی نصّ الامام السابق و ھذا باجماع اھل السنۃ ''①

قاضی ابو یعلی محمد بن حسین الفرّاء لکھتے ہیں:

① النبراس شرح لشرح العقائد۔ ص 537

''خلیفہ کے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی شخص کو اپنا ولی عہد بنائے۔ اس میں اہل حل وعقد کی موجودگی ضروری نہیں اس لیے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھے صحابہ کو نامزد کیا تھا اور یہ نامزدگی کرتے وقت ارباب حل وعقد کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھا۔'' ①

امام ابن حزم لکھتے ہیں کہ:

''پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے صحیح ہوسکتا ہے ان میں سے پہلی اور سب سے افضل وصحیح صورت یہ ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد کے لیے۔ خلیفہ مقرر کر جائے۔ اس نامزدگی میں یہ برابر ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کے وقت۔ کیونکہ نص اور اجماع کے لحاظ سے یہ کسی صورت میں بھی ناجائز اور منع نہیں ہے۔'' ②

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون لکھتے ہیں:

''امام کی حقیقت یہی ہے کہ وہ قوم کی دینی اور دنیوی مصالح پیش نظر رکھتا ہے لہٰذا امام قوم کا بہی خواہ، مخلص، ہمدرد اور محافظ ہوتا ہے۔ شریعت مطہرہ میں اجماع سے ولی عہدی کا جواز وانعقاد ثابت ہے۔ اس سلسلے میں امام پر بدگمانی روا نہیں اگرچہ وہ اپنے باپ یا بیٹے ہی کو ولی عہد بنا جائے......

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی حسن ظن رکھنا چاہیے کیونکہ آپ کی عدالت اور صحبتِ رسالت کا یہی تقاضا ہے اور پھر بڑے بڑے صحابہ کا اجماع اور ان کی خاموشی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بدگمانی سے بری ہیں کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ شان نہ تھی کہ وہ حق سے چشم پوشی فرمائیں اور مروت سے کسی کے ساتھ نرمی برتیں اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ شان تھی کہ وہ اقتدار شاہی کے سامنے حق ماننے سے انکار کردیں۔ تمام صحابہ کی شان بلند و ممتاز ہے اور ان کی عدالت ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانیوں سے مانع ہے۔'' ③

① الاحکام السلطانیة ص 9۔ تحت فصول فی الامامة
② الفصل فی الملل والنحل ص 169۔ جلد 4
③ مقدمہ ابن خلدون اردو۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔ ص 26،28۔ جلد 2

جہاں تک استخلاف یزید کا تعلق ہے تو وہ باقاعدہ و باضابطہ طور پر اہل حق، اہل عدل، اہل رائے، اہل حل وعقد اور تمام صوبوں کے نمائندوں کے مشورے اور کامل استصواب عامہ کے بعد عمل میں آیا جب کہ اس کے جواز کے لیے خلیفہ کا محض ایک اعلان یا صرف دمشق کے اہل حل وعقد کا مشورہ ہی کافی تھا۔

جہاں تک حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی کے اس استدلال کا تعلق ہے کہ:

''یزید سے بہتر اور اولیٰ وافضل افراد موجود تھے'' یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خلیفہ کے لیے اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا شرعاً وعملاً کسی حیثیت سے بھی ضروری نہیں۔ خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''اگر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میری وفات تک زندہ رہے تو اپنے بعد ان ہی کو خلیفہ بناؤں گا۔''

مسند احمد ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی منقول ہے کہ:

''اگر سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو امور خلافت ان کے سپرد کر دیتا۔''

حالانکہ اس وقت ان سے بدرجہا افضل لوگ موجود تھے۔ اسی طرح حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں بھی ان سے افضل لوگ بقید حیات تھے۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی فرماتے ہیں کہ:

''مسئلہ: خلیفہ کے لیے اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اگر دو شخص ہوں ایک افضل، دوسرا مفضول لیکن مفضول میں مقاصد خلافت انجام دینے کی قابلیت افضل سے زیادہ ہو تو ایسی صورت میں مفضول کو خلیفہ بنانا اولیٰ ہوگا۔

مسئلہ: حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت بوجہ خلافت کے نہیں ہے۔ بالفرض اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو جاتے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلی خلافت کے لیے منتخب کر لیے جاتے تب بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل امت ہوتے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے افضل امت ہونے پر ان کی خلافت سے پہلے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قریب قریب اجماع ہو چکا تھا بلکہ ان کی افضلیت ہی کی وجہ سے خلافت ان کو ملی۔ البتہ خلافت ملنے کے بعد چونکہ فرائض خلافت کو انہوں نے باحسن وجوہ انجام دیا اور دین کی نہایت بے نظیر خدمات انجام دیں اس سے ان کے فضائل میں اور اضافہ ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ

ان کی فضیلت کا سبب خلافت نہیں ہے بلکہ خلافت کا سبب افضلیت ہے۔''①

علامہ الماوردی (م 450ھ) لکھتے ہیں کہ:

''اکثر فقہاء و متکلمین کا قول ہے کہ مفضول کی امامت افضل کے ہوتے ہوئے جائز ہے۔ اور افضل کا وجود اس بات سے مانع نہیں ہے بشرطیکہ مفضول میں امامت کی شرائط موجود ہوں جیسا کہ قضاء کے معاملہ میں افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو قاضی بنانا جائز ہے۔''②

علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں کہ:

''**ولا ان یکون افضل من اھل زمانه لانّ المساوی فی الفضیلة بل المفضول الاقل علما و عملا ربما کان اعرف بمصالح الامامة ومفاسدھا و اقدر علی القیام بمواجبھا...**''③

''اور (خلافت کے لیے) یہ بھی شرط نہیں ہے کہ امام اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے افضل ہو اس لیے کہ برابر درجہ کی فضیلت رکھنے والا بلکہ مفضول جو کم علم و عمل والا ہو بعض دفعہ امامت کے مصالح و مفاسد سے زیادہ واقف ہوتا ہے اور اس کے فرائض کی انجام دہی پر زیادہ قادر ہوتا ہے۔''

موصوف نے یہ بات اہل تشیع کے اس عقیدے کے رد میں لکھی ہے کہ ان کے نزدیک امام کے لیے ''افضل اھل الزمان'' ہونا شرط ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات ایک آدمی علم و عمل میں درجہ کمال تک پہنچا ہوا ہوتا ہے مگر امور سلطنت میں اسے نہ کوئی واقفیت ہوتی ہے اور نہ کوئی مہارت تو ایسی حالت میں مفضول کا امام و خلیفہ بنانا ضروری ہے تاکہ خلافت و امامت کا مقصود حاصل کیا جا سکے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے مسئلہ میں یہی رائے تھی کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت درست ہے۔④

---

① تحفہ خلافت۔ مجموعہ تفسیر آیات قرآنی ص 81-82 مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت پاکستان
② الاحکام السلطانیة ص 8
③ شرح العقائد ص 113
④ فتح الباری جلد 7۔ ص 324

نبی اکرم ﷺ کے بعد تو خلفاء کا تقرر اہل حل وعقد کی جانب سے عمل میں آتا ہے جس کے لیے افضل ہونا ضروری قرار نہیں دیا گیا؛ بلکہ جن کا تقرر خود اللہ کی جانب سے ہو تو اس کے لیے بھی افضل زمانہ ہونا ضروری نہیں ہے:

﴿ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... ﴾ ①

جب بنی اسرائیل کے سرداروں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دو تاکہ لڑائی کریں ہم اللہ کی راہ میں۔

﴿ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ﴾ ②

اور کہا انہیں ان کے نبی نے بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ۔

حضرت داؤد علیہ السلام بھی طالوت کے لشکر میں ایک سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔ تو ایک نبی یہ موجود اور دوسرے نبی وہ جن سے بنی اسرائیل نے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی تھی دو افضل نبیوں کی موجودگی میں ایک غیر نبی اور مفضول ''طالوت'' کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ اس سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ خلافت افضلیت کو لازم نہیں ہے۔ اس کے لیے افضل ہونا ضروری نہیں بلکہ غیر افضل بھی خلیفہ مقرر ہوسکتا ہے۔

خود نبی اکرم ﷺ نے متعدد مواقع پر مفضول کو امارت کے فرائض سونپے۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے بھی بعض مواقع پر افضل پر غیر افضل کو ترجیح دی۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اس سے معلوم ہوا کہ امارت کے سلسلہ کے درمیان افضلیت کو نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ اور بھی بہت سی چیزیں اس میں قابل لحاظ ہوتی ہیں۔

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے اوپر امیر بنایا گیا جن میں حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو امیر بنایا

---

① البقرة: 246 ② البقرة: 247

اور ماتحتی میں امین ھٰذہ الامت حضرت ابوعبیدہ اور امام العلماء حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما تھے۔ اور یہ دونوں لقب ان حضرات کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مہاجرین اور انصار کی بڑی جماعت پر امیر بنا کر بھیجا اور ان سے فرمایا کہ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے تمہیں ایسے لوگوں پر امیر بنایا ہے جو اسلام میں تم سے مقدم ہیں اور وہ اسلام کے بارے میں تم سے زیادہ غنی ہیں......

درحقیقت امارت کے واسطے صرف مشیخت یا افضلیت یا اعلمیت کافی نہیں۔ اس پر ان چیزوں سے زیادہ ضرورت بالخصوص اسفار کے موقع پر ایسے شخص کی ہوتی ہے جو ہمت، قوت، مشقتوں کے برداشت میں زیادہ تحمل کرنے والا ہو۔ ①

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ خلیفہ کے لیے اپنے زمانہ میں سب سے افضل یا اعلم ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ کسی مفضول کو اس کی عصبیت، قوت، طاقت اور صلاحیت و اہلیت کے پیش نظر کسی افضل شخص پر ترجیح دی جاسکتی ہے۔ خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے افضل امت ہوتے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ حالانکہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما افضل تھے۔ یہ دونوں حضرات اگرچہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حاضر نہیں تھے لیکن وہ صرف 206 میٹر کے فاصلے پر موجود تھے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ رکنی کمیٹی مقرر کر کے ان سب کو مساوی حیثیت دی تھی کہ ان میں سے ہر ایک میرے بعد باہمی مشاورت سے خلیفہ متعین ہوسکتا ہے۔

لہٰذا حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یزید کی بیعت لینے کو جس دلیل (یعنی ''یزید سے بہتر اور اولیٰ و افضل افراد موجود تھے'') سے غلط قرار دیا وہ مذکورہ دلائل کی روشنی میں بجائے خود غلط ہے۔

بہرحال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل حد جواز میں داخل تھا اور انہوں نے اہل حل وعقد کے ساتھ مشاورت کے بعد اس کام کو سرانجام دیا تھا جسے کسی طور بھی ''غلطی'' قرار نہیں دیا جاسکتا۔

① تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص 64-66

امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی اس سوال کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے روبرو یزید پلید کو ولی عہد کیا ہے یا نہیں؟''

کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ کیا تھا اس وقت یزید اچھی صلاحیت میں تھا''①

تعجب ہے کہ جو حضرات نہ اس دور میں موجود تھے اور نہ ہی انہیں اس معاملے میں رائے (ووٹ) دینے کا کوئی حق حاصل تھا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی ''تغلیط'' فرما رہے ہیں۔

جامعہ فاروقیہ کراچی کے اساتذہ اور متخصّصین کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ مفتی صاحب کے فتوے کے اس حصے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لینے میں غلطی کی) کی تخریج کرتے لیکن انہوں نے کوئی ''دلیل'' نہ پاکر خاموشی ہی میں مصلحت سمجھی البتہ فتوے کے آخری حصے (اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہیے) کی تخریج کر کے قارئین کی رہنمائی کر دی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''**لقوله علیہ السلام: اکرموا اصحابی فانهم خیارکم...وفی العقیدة الطحاویة: ومن احسن القول فی اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم... فقدبری من النفاق۔**''

لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرعی طور پر ایک جائز، درست اور صحیح عمل (جس کی اس وقت موجود صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی غالب ترین اکثریت نے تائید کی تھی) کو ''غلط'' قرار دینا کیا مذکورہ تخریج کے تقاضے پورے کرتا ہے؟

کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی ''تغلیط'' اکرامِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے؟ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی ''تغلیط'' کو بھی ''احسن القول فی اصحاب'' میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ اسلام نے تو عام مسلمانوں کے ساتھ ''حسن ظن'' کا حکم دیا ہے تو پھر کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ''حسن ظن'' کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ ان کے فعل کی تغلیط نہ کی جاتی؟

اس سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ جامعہ فاروقیہ کے اساتذہ اور متخصّصین نے بھی حضرت مفتی صاحب کے ''تغلیطی'' قول کی ''تغلیط'' نہ کر کے گویا ان کے ''فتویٰ'' کی تائید و تصدیق کر دی۔ اس طرح حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے ساتھ ''کفایت المفتی'' کے جامعین و مرتبین اور دیگر تصدیق

① تالیفات رشیدیہ، فتاویٰ رشیدیہ ص 242۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی

کنندگان بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ''سوءظن'' کے جرم میں برابر کے شریک ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی مفتی کفایت اللہ صاحب کی زیر بحث عبارت سے نہ صرف استدلال کیا ہے بلکہ ان کے شاگرد مولانا قاضی شمس الدین درویش رحمہ اللہ کو ''مطعون'' بھی کیا ہے کہ آپ اپنے استاد (حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ) سے کیوں اختلاف کر رہے ہیں اور ان کی تحقیق پر کیوں اعتماد نہیں کرتے۔ چنانچہ قاضی صاحب اپنے مضمون ''مولانا قاضی شمس الدین درویش اور یزیدی ٹولہ'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''قاضی شمس الدین صاحب کا المیہ یہ ہے کہ یزید اور مسئلہ اجتہادی خطاء کے بارے میں نہ وہ اپنے استاذ حدیث مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کے متبع ہیں اور نہ ہی وہ اپنے پہلے شیخ حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو مانتے ہیں اور نہ ہی ان مسائل وعقائد میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے پیروکار ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہیں پختہ دیوبندی نقشبندی مجددی......

(اس کے بعد قاضی مظہر حسین صاحب کفایت المفتی سے زیر بحث عبارت نقل کر کے قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ)

> کیا قاضی صاحب موصوف اپنے استاذ حدیث حضرت مفتی اعظمؒ کی مندرجہ تحقیق کو تسلیم کرتے ہیں؟''①

حافظ عبدالجبار سلفی صاحب نے ''مولانا قاضی شمس الدین درویش اور یزیدی ٹولہ'' کی 12 قسطوں کو ''مشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال (جلد اول)'' کے نام سے قاضی صاحب کی وفات کے بعد نومبر 2013ء میں کتابی صورت میں شائع کیا۔

مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ نے تو اپنے مضمون ''چکوالی فتنہ'' میں اس ''اعتراض'' کا بحوالہ حضرت مدنی رحمہ اللہ اطمینان بخش جواب دے کر ''ترکی بہ ترکی'' یہ سوال داغ دیا کہ:

> ''تو اب چکوالی صاحب بتائیں کہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ نے چکوالی صاحب کے پلے میں

---

① ماہنامہ حق چار یار لاہور جون، جولائی 1990ء، ص 61 مشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال جلد اول ص 222

کیا چھوڑا ہے اور کیا چکوالی صاحب اپنے استاد اور مرشد کی بات کو غلط کہتے ہیں یا کہہ سکتے ہیں؟'' ملاحظہ ہو: ①

''کفایت المفتی'' کے جامعین، مرتبین میں اگرچہ قاضی مظہر حسین صاحب کا اسم گرامی شامل نہیں تھا مگر انہوں نے اپنے مذکورہ بالا مضمون میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ایک مبنی بر تنقیص ''غلط فتویٰ'' کی نہ صرف تصدیق کی بلکہ اس سے استدلال بھی کیا جو مسلک اہل السنت والجماعت کے بالکل خلاف ہے اور اس کی زد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم پر پڑتی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو خلافت کے لیے موزوں سمجھ کر نامزد کرنا اور صحابہ و تابعین کی عظیم اور غالب ترین اکثریت کا بیعت کرنا ہرگز ''غلطی'' نہیں تھا؛ اسے غلطی سمجھنا باستثناء چند، جملہ صحابہ و تابعین کی تنقیص ہے۔

① ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ص 47۔ جولائی 1991ء

90

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دین پر حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی

اعزاز العلماء مولانا اعزاز علی (بن محمد مزاج علی بن حسن علی بن خیر اللہ) ہندوستان کے مشہور قبیلہ ''کمبوہ'' میں محمد مزاج علی کے ہاں بدایوں (جہاں آپ کے والد بسلسلہ ملازمت مقیم تھے) میں یکم محرم 1300ھ کو تولد ہوئے۔ ویسے آپ کا اصل علاقہ محلہ شاہی چبوترہ امروہہ ضلع مراد آباد ہے۔ مختلف مدارس میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم دیوبند کا رخ کیا جہاں سے 1321ھ میں فراغت ہوئی۔

بعد ازاں بحکم شیخ الہند مدرسہ نعمانیہ پورینی ضلع بھاگل پور میں سات سال اور مدرسہ افضل المدارس شاہجہان پور میں تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ 1330ھ میں بطور مدرس عربی دار العلوم دیوبند میں تقرری ہوئی؛ بعد میں کتب حدیث تک پڑھاتے رہے۔

علاوہ ازیں مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے بعد صدر مفتی دار العلوم دیوبند کے عہدے پر بھی فائز رہے مگر آپ کو ''علم ادب'' میں خاص مہارت حاصل تھی جس کا اندازہ حسب ذیل تصانیف سے لگایا جاسکتا ہے:

1۔ شرح دیوان حماسہ۔ 2۔ حاشیہ کنز الدقائق۔ 3۔ حاشیہ نور الایضاح۔ 4۔ حاشیہ دیوان متنبی۔ 5۔ حاشیہ عروض المفتاح۔ 6۔ حاشیہ مختصر القدوری۔ 7۔ حاشیہ تلخیص المفتاح۔ 8۔ مولانا حبیب الرحمٰن کے قصیدہ لامیہ کا اردو ترجمہ۔ 9۔ کتاب الدواہر، لابن حجر مکی کا اردو ترجمہ۔ 10۔ حاشیہ شرح النقایہ، لملا علی قاری۔ 11۔ حاشیہ شمائل ترمذی۔ 12۔ نفحۃ العرب...

مولانا اعزاز علی صاحب ایک بے نظیر استاذ، متبحر عالم دین اور ایک جامع شخصیت تھے۔ دار العلوم دیوبند میں علمی خدمات کا دور چوالیس برس تک ممتد رہا۔ آپ نے 13 رجب 1374ھ مطابق 8 مارچ 1955ء میں اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔

موصوف کی کتاب ''نفحۃ العرب'' کو بہت شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اور اسے دار العلوم

دیوبند سمیت عربی مدارس بالخصوص وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب میں باقاعدہ طور پر شامل کر دیا گیا ہے۔

مولانا محمد اعزاز علی رحمہ اللہ نے شیخ احمد بن محمد الیمنی کی تصنیف ''نفحۃ الیمن'' کی طرز پر درس نظامی کے طلباء کو عربی نثری ادب سے روشناس کرانے کے لیے ایک کتاب تحریر کی جس کا نام ''خبز الشعیر''(جو کی روٹی) تجویز کیا لیکن مولانا سید حسین احمد مدنی نے اس کتاب کا نام ''نفحۃ العرب'' رکھا اور اسی ''نام'' سے پاک و ہند کے عربی مدارس میں برسوں سے شامل نصاب ہے۔ ''نفحۃ العرب'' العقد الفرید، شذرات الذہب، تاریخ ابن خلکان اور الاغانی وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ مصنف نے ''متن'' کی مناسبت سے ''حواشی یا تعلیقات'' بھی خود ہی تحریر فرمائے جن میں بعض اصحاب تاریخ کے حالات یا تعارف کے بارے میں ''سکوت یا لاعلمی'' کا اظہار کیا ہے حالانکہ ان کا تعارف بآسانی معلوم ہو سکتا تھا جبکہ بعض ''حواشی یا تعلیقات'' میں بہت سی باتیں ایسی شامل کر دی ہیں جو طلباء کو غلط بلکہ بعض اوقات مضحکہ خیز معلومات مہیا کرتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الادب اپنی تصنیف، مشہور درسی کتاب ''نفحۃ العرب'' میں زیر عنوان: ''الجواب المفحم''(مسکت جواب) ایک واقعہ لکھتے ہیں، ''اشرف الادب''[1] سے اس کا ترجمہ ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے:

''ہشام نے بیان کیا کہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں۔ 8ھ میں اور 50ھ میں وفات ہوئی۔ لوگوں میں سب سے تیز تھے جواب دینے میں۔ لوگوں نے انہیں حماقت کی جانب منسوب کیا۔

ابن عساکر نے بیان کیا کہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی (اپنی) نگاہ ختم ہو جانے کے بعد تشریف لے گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور فرمایا: اے بنی ہاشم! تمہاری آنکھوں میں کچھ خرابی ہوتی ہے تو حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور تم اے بنی امیہ! تمہاری بصیرت ختم ہو جاتی ہے۔ اور ہشام نے بیان کیا کہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس عراق تشریف لائے تو حضرت عقیل رضی اللہ عنہ

---

[1] ترجمہ و شرح اردو از مولانا عبدالحفیظ صاحب رحمہ اللہ فاضل دارالعلوم دیوبند

نے کچھ سوال کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا۔
تو حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں محتاج وغریب ہوں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صبر کرو یہاں تک کہ میرا غازیوں والا حصہ مسلمانوں سے نکلے اور میں تمہیں دوں گا تو حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑ کر دکانوں پر لے جاؤ اور دکان کا سارا سامان لے لو دکان کا تالا کھول کر۔ تو حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ یہ چاہتے ہیں مجھے چور گردانیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
کہ تم چاہتے ہو کہ میں مسلمانوں کا مال لے لوں اور وہ مال تمہیں دے دوں تو حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:
میں آپ سے ایک بہتر شخص کے پاس جاؤں گا، مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو اور وہ۔ ''انت و ذاک'' آخر کار حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں سو ہزار درہم دیے اور فرمایا: منبر پر چڑھ کر اس چیز کا ذکر کرو جو تمہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیا ہے تو انہوں نے منبر پر چڑھ کر فرمایا:
اے لوگو! میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے یہ چاہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ترجیح دوں ان کے دین پر، لیکن انہوں نے اپنے دین کو مجھ پر ترجیح دی اور میں نے ارادہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ترجیح دینے کا ان کے دین پر تو انہوں نے مجھے اپنے دین پر ترجیح دی۔
تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہی ہے وہ شخص جس کو قریش احمق گمان کرتے ہیں اور اس سے زیادہ ہوشیار کون ہوگا؟ اور حضرت طالب، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے اور سب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے پیدا ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بڑے تھے فضل و کمال میں۔''[1]

مذکورہ قصہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، ابن عساکر اور ہشام یعنی چار حضرات کا

[1] اشرف الادب ص132۔شرح اردونفحة العرب، مطبوعه قديمى كتب خانه كراچى نفحة العرب ص107-108۔مطبوعه ''مکتبة البشریٰ''، ص85-86۔مطبوعه مکتبة الحرمين تحت ''الجواب المفحم''

ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا اعزاز علی صاحب نے ان میں سے ''ہشام، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اور ابن عساکر'' کے متعلق حواشی لکھے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

''**هشام: لم أطلع علی ترجمته**'' مجھے اس کا ترجمہ یعنی حالات نہیں مل سکے۔

''**عقیل: هو عقیل بن أبی طالب الهاشمی، أخو علیؓ وجعفر وکان الأسن، صحابی عالم بالنسب**''

عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، الہاشمی، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بھائی اور عمر میں ان سے بڑے، صحابی اور ''نسب'' کے عالم ہیں۔

جبکہ مصنف مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ نے 9 سطور پر مشتمل ''ابن عساکر'' سے متعلق ایک طویل حاشیہ تحریر کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ:

''**ابوالقاسم علی بن الحسن بن هبة الله بن عبدالله بن الحسین بن عساکر الشافعی**'' اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے۔ یکم محرم 479ھ کو پیدا ہوئے۔ 6 سال کی عمر میں حدیث کا سماع کیا، 520ھ میں دیگر شہروں کا رخ کیا، ان کے شیوخ کی تعداد تیرہ سو ہے۔ 11۔ رجب 571ھ کو دمشق میں فوت ہوئے۔ ''**ودفن بمقبرة باب الصغیر عند والده وأهله، فی الحجرة التی فیها معاویة**'' اور ''باب الصغیر'' کے قبرستان میں اپنی والدہ اور اہلیہ کے ساتھ اس حجرہ میں دفن ہوئے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدفون ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اہل بغداد ان کی ذہانت وفطانت کی وجہ سے ''شعلہ نار'' کہا کرتے تھے......

مولانا اعزاز علی صاحب نے ''ابن عساکر'' سے متعلق اپنے طویل حاشیہ پر جو محنت صرف کی ہے کاش کہ وہ راوی اول پر بھی کچھ توجہ دے دیتے تو ''تنقیص وتوہین'' صحابہ رضی اللہ عنہم کے مرتکب تو نہ ہوتے لیکن موصوف نے ''ہشام'' کے متعلق ''**لم أطلع علی ترجمته**'' ہی لکھنے پر اکتفاء کیا۔ جب شیخ الادب دارالعلوم دیوبند راوی کے حالات سے آگاہ ہی نہیں ہیں تو پھر انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص پر مبنی اس کا بیان کردہ واقعہ اپنی کتاب میں نقل ہی کیوں کیا؟

ستم بالائے ستم یہ کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی اور شیخ الادب نے اس ''کذب وافتراء'' پر

مبنی واقعہ کو نہ صرف صحیح سمجھ کر لکھا بلکہ اسے ''الجواب المفحم'' (مسکت جواب) جیسا کریہہ ''عنوان'' بھی دیا۔ فوا أسفا علٰی هذا۔

شیخ الادب نے ''ابن عساکر'' کی ذہانت وفطانت کی بناء پر انہیں ''شعلہ نار'' کہا ہے۔ جبکہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا بھی ایک وصف ''کان سریع الجواب المسکت'' بیان کیا گیا ہے۔

قارئین کرام! اب اس ''قصہ'' کی اسنادی حیثیت ملاحظہ فرمائیں:

''ابن عساکر'' (م 571ھ) نے بروایت ''ہشام'' اس قصہ کو نقل کیا ہے جس کے متعلق مصنف نے تسلیم کیا ہے کہ وہ اس کے ''حالات'' سے آگاہ نہیں ہیں۔ مولانا عبدالحفیظ صاحب فاضل دیوبند مترجم وشارح ''نفحة العرب'' نے اس توہین آمیز قصہ پر کوئی ''نقد'' نہیں کیا بلکہ خود بھی توہین درتوہین کے مرتکب ہوئے جوان کے ''ترجمہ'' سے ظاہر ومحسوس ہوتی ہے البتہ ''مترجم وشارح'' نے کتاب کے آغاز میں 33 شخصیات کا مختصر تعارف کرایا ہے جن کے بارے میں مولانا اعزاز علی صاحب نے اپنی کتاب ''نفحة العرب'' میں ''لا ندری من هو، لم یتیسر لنا ترجمته، لم أطلع علٰی ترجمته، لم أطلع علٰی ترجمته مع بذلنا وسعینا، لم نقف علٰی ترجمته، لم أقف علٰی ترجمته، لم نطلع علٰی ترجمته'' جیسے کلمات سے ''کوشش وسعی'' کے باوجود سکوت یا اپنی لاعلمی اور بے خبری کا اظہار کیا ہے۔ ①

فاضل شارح نے 33 شخصیات میں صرف دو نام: ''ہشام بن عبدالحکم'' اور ''ہشام ابن الکلبی'' کے بھی ذکر کیے ہیں۔ ②

موصوف اول الذکر یعنی ''ہشام بن عبدالحکم'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''قال الشیخ (اعزاز علی): لم أقف علٰی ترجمته'' ③

اس کی کنیت ابو محمد ہے اور نام ہشام۔ یہ کبار شیعہ میں سے تھا، اس نے کوفہ میں نشوونما پایا، اس کے بعد بغداد چلا آیا اور یحییٰ بن خالد برمکی اور ہارون الرشید کی قربت حاصل کی۔ اس کی کچھ تالیفات بھی ہیں جو سب مفقود ہیں۔'' ④

---

① ملاحظہ ہو: ''اشرف الادب'' ص 7 تا 17

② حوالہ مذکور ص: 15

③ حوالہ مذکور ص 47 حاشیہ 4

④ منجد جلد 2 ص 552 بحوالہ اشرف الادب ص 15

مولانا اعزاز علی صاحب نے ''الجواب المفحم'' میں جس ''ہشام'' کا ذکر کیا ہے وہ ''ہشام بن عبدالحکم'' نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے اسی کتاب میں ''ظرافة ادبية'' کے تحت ''ہشام'' کا باقاعدہ ولدیت ''عبدالحکم'' کی تصریح کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان کے حاشیہ میں لکھا کہ:

''لم اقف علٰی ترجمته'' ملاحظہ ہو:①

جبکہ ''الجواب المفحم'' میں صرف ''ہشام'' کا ذکر کر کے حاشیہ میں لکھا کہ:

''لم أطلع علٰی ترجمته''

اس سے واضح ہو گیا کہ زیر بحث ''قصہ'' میں جس ہشام کا ذکر ہے وہ ''ہشام بن عبدالحکم'' کے سوا کوئی دوسرا ہے۔

اگر بالفرض ''ہشام بن عبدالحکم'' بھی ہوتے تو ''شارح'' نے ان کے مذہب کی تصریح کرتے ہوئے لکھا کہ:

''ہشام بن عبدالحکم'' کبار شیعہ میں سے تھا۔''

جب صحابی کی توہین و تنقیص پر مبنی کسی کٹر ''سنّی'' کی روایت بھی قابل تاویل یا مردود سمجھی جاتی ہے تو کسی شیعہ کی روایت کیونکر قبول کی جاسکتی ہے؟

''نفحة العرب'' کے فاضل شارح مولانا عبدالحفیظ صاحب نے ''ہشام'' نام کے دوسرے راوی کا تعارف کراتے ہوئے لکھا کہ:

''یہ محمد بن سائب الکلبی (صاحب کتب کثیر اور مشہور اخباری) کا بیٹا ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹے مشہور اخباری اور راوی انساب تھے۔''

امام جاحظ، البیان والتبیین ص 1 / 256 پر لکھتے ہیں:

''ومن نسّابی کلب محمد بن السائب وهشام بن محمد بن السائب''

اور ص 281 پر لکھتے ہیں کہ:

''ومنهم من الرواة النسّابين والعلماء شرقی بن القطامی الكلبی و محمد بن السائب الكلبی وعبدالله بن عياش الهمدانی وهشام بن السائب الكلبی ''

① نفحة العرب ص 77۔ اشرف الادب ص 103۔ تحت ''ظرافة ادبية''

کتاب الاصنام اور دیگر کتب جیّدہ اسی کی ہیں۔ امام جاحظ نے ص 123 پر ابو یعقوب خزیمی سے نقل کیا ہے:

وہ کہتے ہیں: میں نے تین آدمیوں جیسا کوئی نہیں دیکھا کہ وہ خود تو دوسروں کو کھا جانے والے تھے لیکن تین آدمیوں کو دیکھ کر اس طرح پگھل جاتے تھے جیسے پانی میں نمک یا آگ میں رانگ۔ ہشام بن کلبی، ہیثم بن عدی کو دیکھ کر اور ہیثم بن عدی، موسیٰ صنبی کو دیکھ کر اور ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن سیف علویہ، ابو المھنا مخارق مغنی کو دیکھ کر۔'' ①

مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ نے ''ہشام'' کے حالات سے آگاہ نہ ہونے کے باوجود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ کی توہین پر مبنی واقعہ نقل کر دیا جبکہ ''شارح'' نے ''ہشام'' کے حالات سے متعارف ہو کر بحوالہ امام جاحظ اس کی توثیق کر دی۔ فانا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ رجال کی زبانی ''ہشام'' کے مختصر حالات ہدیۂ قارئین کر دیے جائیں:

ہشام کلبی (م 204ھ)

امام ذہبی (م 748ھ) نے ''ہشام'' کا سلسلہ نسب یوں لکھا ہے کہ:

''ابو المنذر هشام بن محمد بن سائب الكوفي الرافضي النسابه'' ②

امام ذہبی (م 748ھ) اپنی ایک دوسری کتاب میں ''ہشام'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''قال احمد بن حنبل: انما كان صاحب سمر و نسب، ما ظننت أنّ احداً يحدث عنه، وقال الدارقطني وغيره: متروك، وقال ابن عساكر: رافضي ليس بثقه...

رواه البلاذري في تاريخه③، وهشام لا يوثق به وقيل: انّ تصانيفه أزيد من مأة وخمسين مصنفا۔ مات سنة أربع و مأتين'' ④

امام احمد بن حنبل (م 241ھ) نے فرمایا: ''ہشام'' صرف قصہ گو اور نسب بیان کرنے والا ہے

① البيان و التبيين مع حاشيه سندوبي۔ بحواله اشرف الادب ص 15
② تذکرۃ الحفاظ۔ تحت ہشام کلبی۔ ساتواں طبقہ
③ أنساب الاشراف جلد 1 ص 510
④ ميزان الاعتدال في نقد الرجال۔ الجزء الخامس ص 60-61۔ تحت هشام بن محمد بن السائب كلبي

میں نہیں سمجھتا کہ اس سے کوئی روایت بیان کرے گا۔

امام دارقطنی (م385ھ) ودیگر محدثین کے نزدیک یہ متروک ہے

ابن عساکر (م 571ھ) نے کہا کہ ''ہشام'' رافضی ہے اور قابل اعتبار واستناد نہیں ہے۔

امام بلاذری نے اپنی تاریخ میں ''ہشام'' کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے 150 سے زائد کتابیں لکھی ہیں اور 204ھ میں وفات پائی۔

امام ابن حبان (م 354ھ) نے فرمایا: ''کان غالیافی التشیع '' ہشام تشیع میں غلو کرتا تھا یعنی غالی شیعہ تھا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (م 728ھ) فرماتے ہیں:

''فان الرافضة فی الأصل لیسوا أهل العلم... کماأنهم من أجهل النّاس بمعرفة المنقولات والاحادیث والآثار والتمییز بین صحیحها وضعیفها وانماعمدتهم فی المنقولات علٰی تواریخ منقطعة الاسناد وکثیرمنهامن وضع المعروفین بالکذب وبالالحادوعلماؤهم یعتمدون علٰی نقل مثل أبی مخنف لوط بن یحیٰ ومثل هشام بن محمدبن السائب (الکلبی)وأمثالهما من المعروفین بالکذب عندأهل العلم''①

رافضی اصل میں اہل علم ہیں ہی نہیں...... جیسا کہ وہ احادیث وآثار کے نقل کی معرفت اور صحیح وضعیف کے درمیان فرق وامتیاز قائم کرنے میں تمام لوگوں سے بڑے جاہل ہیں۔ انہوں نے منقولات میں منقطع الاسناد تاریخی روایات پر اعتماد کیا ہے اور ان میں سے اکثر واقعات وروایات ان لوگوں کی وضع کردہ ہیں جو الحاد اور جھوٹ میں مشہور ہیں اور ان رافضیوں کے علماء ان واقعات کے نقل کرنے میں اسی قسم کے راویوں پر اعتماد کرتے ہیں جیسے ابومخنف لوط بن یحییٰ، ہشام بن السائب کلبی اور ان دونوں جیسے لوگ جو اہل علم کے نزدیک جھوٹے ہونے میں خوب معروف ہیں

علامہ ابن حجر عسقلانی (852ھ) لکھتے ہیں کہ:

---

①منهاج السنة النبویة۔الجزء الاول ص13۔طبع بیروت

''ذكره ابن أبی طی فی الامامية...ونقل ابو الفرج الاصبهانی عن ابی يعقوب الحريمی قال: كان هشام بن الكلبی علامة نسّابة وراوية للمثالب غاية...وقال يحيیٰ بن معين غير ثقة وليس عن مثله يروی الحديث...
قلت اتهمه الاصمعی وذكره العقيلی وابن الجارود وابن السكن وغيرهم فی الضعفاء''①

ابن ابی طی نے ابن کلبی کو''امامیہ''(شیعہ وروافض) میں ذکر کیا ہے......اور ابوالفرج الاصفہانی نے ابویعقوب الحریمی سے نقل کیا ہے کہ ہشام بن کلبی، عالم ونسّاب تھا اور (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے) مثالب بدرجہ غایت روایت کرتا تھا......یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ ہشام قابل اعتبار واستناد نہیں ہے اور اس قماش کے انسان سے حدیث کی روایت جائز نہیں۔
میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ اصمعی نے اسے جھوٹ کے ساتھ متہم قرار دیا ہے اور عقیلی، ابن الجارود اور ابن سکن اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے اسے''ضعفاء''میں ذکر کیا ہے۔
شیعہ علماء نے بھی ابن کلبی کا شیعہ وامامی ہونا تسلیم کیا ہے:
''هشام بن محمد بن السائب الكلبی... أمامياً لا شبهة فيه ''②
ہشام بن محمد بن السائب کلبی کے امامی شیعہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

سخت تعجب ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص پر مبنی ہشام کلبی سے مروی''قصہ''اپنی کتاب''نفحة العرب''میں نقل کر گئے۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ اتنے مشہور ومعروف راوی کے متعلق یہ لکھ دیا کہ''لم أطلع علٰی ترجمته'' جبکہ ایک دوسرے راوی کے متعلق یہ الفاظ لکھے کہ:''لم أطلع علٰی ترجمته مع بذلنا وسعينا''یعنی سخت کوشش کے باوجود راوی کے حالات سے آگاہ نہیں ہوسکا۔ حالانکہ''ہشام کلبی''کے حالات معلوم کرنے کے لیے سرے سے کسی سعی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میزان الاعتدال اور لسان المیزان جیسی کتب تو عام دستیاب ہیں؛ ان میں''ہشام''کے حالات بآسانی معلوم کیے جاسکتے تھے۔

① لسان المیزان الجزء السادس ص 197
② تنقیح المقال جلد 3۔ ص 303، اعیان الشیعة جلد 1 ص 154

مصنف نے یہ بھی نہیں سوچا کہ ابن عساکر(م 571)اور ہشام کلبی(م 204ھ) کے درمیان 367 سال کا فرق ہے پھر ابن عساکر نے بھی راوی کو ''غیر ثقہ اور رافضی'' قرار دیا ہے۔

اصول درایت کے اعتبار سے بھی زیر تبصرہ ''قصہ'' من گھڑت معلوم ہوتا ہے۔ مصنف نے لکھا کہ:

''دخل علی معاویة بعدماذھب بصرہ... ''حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بینائی ختم ہونے کے بعد تشریف لے گئے۔

مگر جو ''قصہ'' بیان کیا گیا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت کا ہے لیکن ''بینائی'' کے ختم ہونے کا تعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر یا خلافت یزید سے ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بحوالہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے زمانہ میں ہوئی۔ تاریخ البخاری الاصغر میں صحیح سند سے مذکور ہے کہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی وفات حادثہ حرّہ سے پہلے یزید کی حکومت کے زمانہ میں ہوئی۔ ان کی عمر اس وقت 96 سال کی تھی۔ ان کا مکان افراد خاندان سے بھرا ہوا تھا۔ انتقال سے پہلے ان کی بینائی جاتی رہی تھی......''①

مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل سیر نے لکھا ہے کہ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔ اور بعض کے نزدیک ان کا انتقال واقعہ حرّہ سے قبل دور یزید میں ہوا ہے۔''②

اس اعتبار سے بھی یہ واقعہ من گھڑت اور موضوع ہے۔

زیر تبصرہ قصہ کے ''نفس مضمون'' کا اگر ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو از اول تا آخر حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تینوں کی تنقیص پر مبنی ہے۔ ان حضرات کے مابین یہ مکالمہ کب ہوا؟ جو ''کہانی'' بتائی گئی ہے وہ تو شہادت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی

---

① المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ص 42

② سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ ص 25

معلوم ہوتی ہے جو ایک امر محال ہے جیسا کہ اوپر وضاحت ہو چکی ہے۔

''قصہ'' کے آغاز میں حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا گیا کہ لوگ انہیں ''حماقت'' کی طرف منسوب کرتے ہیں اور آخر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کر دیا گیا کہ: ''یہی ہے وہ شخص جس کو قریش احمق گمان کرتے ہیں اور اس سے زیادہ ہوشیار کون ہوگا؟''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے اس ''مسکت جواب'' کے جواب میں کہی تھی کہ ''معاویہ نے مال دے کر مجھے اپنے دین پر ترجیح دی'' ہشام کلبی کذاب نے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں پر چوٹ کی لیکن صد افسوس مولانا اعزاز علی صاحب نے اس کی ''توثیق'' کر دی۔ فیا أسفا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے عرب کے مدبر اعظم نے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ (جن کی بینائی جا چکی تھی) کا بھرپور اکرام واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا لیکن اس ''قصہ'' میں یہ بتایا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان پر ''چوٹ'' کرتے ہوئے کہا کہ: ''اے بنی ہاشم تمہاری آنکھوں میں خرابی ہوتی ہے'' تو جواباً حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ ''مسکت جواب'' سننا پڑا کہ ''اے بنی امیہ تمہاری تو بصیرت ہی ختم ہو جاتی ہے'' اناللہ و انا الیہ راجعون۔

اس تمہید کے بعد مولانا اعزاز علی صاحب نے وہ ''قصہ'' بیان کیا ہے جس میں حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مال طلب کرنے کا ذکر ہے۔ جو روایتاً، درایتاً، شرعاً و عقلاً غلط، لغو اور بے بنیاد ہے۔ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ 60ھ میں بعمر 96 سال فوت ہوئے اگر اسے جنگ صفین (37ھ) کے بعد کا بھی ''فرض'' کر لیا جائے تو اس وقت حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی عمر 72 برس تھی۔ ان کے بارہ بیٹے تھے، آگے اولاد الاولاد بھی موجود تھی، وہ سب خود کفیل تھے۔ معلوم نہیں کہ وہ کیونکر ''فقیر و محتاج'' ہو گئے؟ دور فاروقی سے جاری بنو ہاشم کا وظیفہ کہاں چلا گیا؟ اگر ایک معمر شخص ''فقیر و محتاج'' ہو ہی گیا اور اس پر کوئی ناگہانی افتاد پڑ گئی تو خلیفہ راشد و عادل کے لیے بیت المال سے اس کی دادرسی میں شرعاً کون سا اصول مانع و رکاوٹ ہے؟ کیا ایک مستحق شخص کو بطور قرض بھی کوئی رقم نہیں دی جا سکتی؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے حقیقی بڑے بھائی کی اور دیگر بنو ہاشم اپنے بزرگ و سردار کی اعانت نہیں کر سکتے تھے؟ کیا ایک خلیفہ وقت کسی مستحق شخص کو پیشگی ''وظیفہ'' دینے سے بھی عاجز و بے بس تھا؟

کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ وغیرہم اپنے حقیقی چچا کی اس عسرت و تنگدستی کے موقع پر مدد نہیں کر سکتے تھے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک لاکھ درہم وصول کرنے کے بعد برسر منبر اپنے خطاب میں حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ:

''علی رضی اللہ عنہ نے میرے مقابلے میں اپنے دین کو ترجیح دی جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دین کے بجائے مجھے اختیار کیا۔''

سوال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ''دین داری'' اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''بے دینی'' بیان کر کے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے خود اپنے آپ کو کس پلڑے میں رکھا؟ موصوف کے لیے ایک لاکھ درہم وصول کرنے کا شرعی جواز کیا تھا؟ نعوذ باللہ من سوء الفکر و سوء الظن ۔

مولانا اعزاز علی صاحب ''نفحۃ العرب'' کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''میں نے متقدمین کی کتابوں سے ''نوادرات'' اکٹھے کیے ہیں اور میں نے چاہا کہ انہیں علم کے طالب اپنے بھائیوں کے سامنے پیش کروں اور میں نے ان ''اوراق'' سے تطہیر اخلاق اور فضیلتوں کے حصول کا ارادہ کیا ہے کیونکہ بچوں کے دلوں کی تختیاں ان چیزوں کو بہت زیادہ قبول کرنے والی ہیں جن کا ان کے دلوں پر نقشہ بنایا جائے۔ ①

طلباء کی غلط رہنمائی، غلط تاریخی واقعات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین و تنقیص پر مبنی واقعات سے علم کے طالبین کے دلوں کی تختیوں پر کیا چیز نقش ہوگی؟ اس کتاب کو شائع ہوئے 80 سال سے زائد عرصہ بیت چکا ہے؛ اس دوران ہند و پاک کے مدارس میں لاکھوں اساتذہ اور اس سے کئی گنا زیادہ طلباء نے اس کتاب کو پڑھا اور پڑھایا ہے اور اب بھی برابر پڑھا اور پڑھا جا رہا ہے۔ اس غلط رہنمائی اور غلط تحقیق سے کیا اثرات مرتب ہوئے یا ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ مولانا اعزاز علی صاحب و امثالہ کی دیگر دینی خدمات کے عوض جملہ ''تسامحات'' کو معاف فرمائے۔ آمین

① نفحۃ العرب ص 11 ۔ تحت ''خطبۃ الکتاب''

91

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور صفِ نعال

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی کی شخصیت علمی حلقوں میں ہرگز محتاجِ تعارف نہیں ہے۔

موصوف بیک وقت بہترین مفسر، محدث ومؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ فقیہ اور عظیم مناظر بھی تھے۔ انہوں نے لکھنؤ کو اپنا مرکز بنا کر دفاع صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم اور مسلک اہل سنت کی حفاظت واشاعت کا جو کام کیا وہ یقیناً ایک ناقابل فراموش تاریخی اور تجدیدی کارنامہ ہے۔

ردّ شیعیت میں تو وہ شمشیر بے نیام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان اور قلم سے دفاع صحابہ کا عظیم کام لیا جس کی وجہ سے انہیں بجا طور پر ''امام اہل سنت'' کا خطاب عطا کیا گیا۔ ان کی ذات جامع کمالات اور سلف صالحین کا نمونہ تھی۔ علم وعمل اور تدین وتقویٰ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ تعلیم وتدریس، تالیف وتصنیف، وعظ وتبلیغ اور ارشاد وہدایت غرضیکہ ہر شعبہ میں ان کے نمایاں کارنامے محفوظ ہیں۔ نصف صدی تک ان کا فیض جاری رہا۔ زندگی کے آخری پچیس تیس سالوں میں وہ ''خاموشی اور گوشہ نشینی'' اختیار کر کے ''موتوا قبل ان تموتوا'' کی عملی تفسیر بن گئے۔ ①

امام اہل سنت بالآخر 17۔ ذی قعدہ۔ 1381ھ/23۔ اپریل 1962ء بروز پیر بعد از نماز عصر رحلت فرما گئے۔

اللہ تعالیٰ ان کی بشری لغزشوں کو معاف کرے اور انہیں جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کی زبان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک نامناسب اور تنقیصی جملہ نکل گیا تھا جسے بعد میں نہ صرف شہرت حاصل ہوئی بلکہ اسے مبنی بر اعتدال اور ''عقیدہ'' کا درجہ حاصل ہو گیا حتیٰ کہ اسے ''زندیقیت'' سے بھی تشبیہ دے دی گئی۔

1۔ یہاں اس کا تجزیہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

① امام اہل سنت حیات وخدمات ص 720۔ مؤلفہ پروفیسر عبدالحی فاروقی لکھنوی

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ 23 اپریل 1962ء کو فوت ہوئے تھے تو مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ (م 1417ھ/ 1997ء) نے فوری طور پر موصوف سے متعلق اپنے تاثرات تحریر کیے جو خود ان کے اپنے رسالہ ماہنامہ ''الفرقان'' میں ''حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی مجددی۔میری واقفیت اور تاثرات'' کے عنوان سے شائع ہوئے۔ چنانچہ حضرت نعمانی رحمہ اللہ امام اہل سنت کا ''غیر معمولی اعتدال'' بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''مناظرہ کے میدان میں رہنے کے بعد راہِ اعتدال پر قائم رہنا بڑی مشکل بات ہے۔ اللہ ہی اگر توفیق دے اور دستگیری فرمائے تو آدمی اعتدال پر قائم رہ سکتا ہے ورنہ اس میدان میں قدم رکھنے والے کا افراط یا تفریط میں مبتلا ہو جانا ایک عام بات ہے اور اکثری تجربہ ہے۔ ناچیز نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی ممتاز اور باتوفیق پایا۔

صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰ اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صفِ نعال میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔''①

2۔ سید نفیس الحسینی صاحب کی ''تقریظ'' اور قاری قیام الدین صاحب کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا منظور نعمانی نے 1962ء کے بعد 1977ء میں بھی امام اہل سنت کی زیر بحث عبارت ماہنامہ ''الفرقان'' میں نقل کی تھی۔ ملاحظہ ہو:②

یہ بات ملحوظ رہے کہ راقم الحروف کو امام اہل سنت کی کسی کتاب میں یہ ''تنقیصی جملہ'' نہیں ملا۔ سب سے پہلے مولانا محمد منظور نعمانی نے اپنے رسالہ میں اس کا ذکر کیا بعد میں ان ہی کے حوالے سے اس ''جملہ'' نے ''تواتر'' اور ''عقیدہ'' کا درجہ حاصل کر لیا۔

① ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ذی قعدہ۔ 1381ھ/ مئی 1962ء
② ''تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' ص 20، 237

3۔ 1983ء میں مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (م 1424ھ/ 2004ء) کی قائم کردہ تنظیم ''تحریک خدام اہل سنت پاکستان''، جہلم کو یہ ''سعادت'' حاصل ہوئی کہ اس نے امام اہل سنت کی تصنیف ''مجموعہ تفسیر آیات قرآنی''، مشتمل بر 19 رسائل کو ''تحفہء خلافت'' کے نام سے شائع کیا حالانکہ اس سے پہلے اور بعد میں یہ کتاب ''مجموعہ تفسیر آیات قرآنی''① تحفہ اہل سنت② ، مجموعہ تفاسیر لکھنوی مشتمل بر 21 رسائل بشمول دس عکسی رسائل (الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی) کے نام سے شائع ہوتی رہی لیکن ان کے برعکس قاضی مظہر حسین صاحب نے تحفہ خلافت کے شروع میں اور فہرست مضامین کے بعد 46 صفحات پر مشتمل ایک طویل مقدمہ از ص 5 تا 50 ''امام اہل سنت چودھویں صدی کی ایک عظیم شخصیت'' کے عنوان سے تحریر کیا۔ اس میں موصوف نے صفحہ 15 پر مولانا منظور نعمانی کے حوالے سے بعینہ وبلفظہ ''صفِ نعال'' والی وہی عبارت نقل کی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس ''مقدمہ'' کے آخر میں صفحہ نمبر 50 پر تاریخ تحریر 13۔ رمضان المبارک 1403ھ مطابق 25 جون 1983ء درج ہے۔

تحریک خدام اہل سنت کی طرف سے شائع کردہ اس کتاب میں امام اہل سنت کی عبارت میں قطع وبرید اور حک واضافہ بھی کیا گیا ہے۔ بہر حال قاضی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے ''مخصوص نظریات'' کے پیش نظر امام اہل سنت کی وفات اور الفرقان مئی 1962ء کے 21 سال بعد پاکستان میں بھی امام اہل سنت کی شخصیت کی آڑ میں اس ''تنقیصی جملہ'' کو عام کر دیا۔

حافظ عبد الجبار سلفی کے ممدوح اور پروفیسر منور حسن سابق امیر جماعت اسلامی سید مطہر نقوی③ نے 1983ء میں ''مصنف خلافت معاویہ ویزید محمود احمد عباسی اپنے عقائد ونظریات کے آئینے میں'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں مولانا منظور نعمانی کی منقولہ زیر بحث عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''یہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل سنت کے عقائد اور مراتب

---

① مطبوعہ محمود الحسن ونور محمد تاجران کتب 14۔ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور 1386ھ/ 1967ء
② مکتبہ امدادیہ ملتان۔ مشتمل بر 21 رسائل بشمول دس عکسی رسائل طبع لکھنؤ
③ ماہنامہ حق چار یار ص 50۔ دسمبر 2013ء

کا فرق''①

امام اہل سنت کے''مقولے'' کو سید مطہر نقوی نے''عقیدے'' کا درجہ دے دیا جسے آگے چل کر جامعہ خیر المدارس کے مفتی اور حجۃ الاسلام وزبدۃ المحدثین ماسٹر مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی کے بھائی محمد انور اوکاڑوی اور مفتی سعید خان اسلام آبادی نے بھی اسے باقاعدہ''عقیدہ'' تسلیم کرلیا۔

5۔ مولانا قاری قیام الدین صاحب ابن قاری سراج الدین صاحب رحمہ اللہ (مرید خاص حضرت مدنی رحمہ اللہ) نے''تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جس کے صفحہ نمبر 41 پر''گزارش اوّلین'' کے عنوان کے تحت تاریخ''3 جنوری 1988ء/ 12 جمادی الاولیٰ 1408ھ'' درج ہے جبکہ آخری صفحہ 240 پر''23 جمادی الاولیٰ 1408ھ بمطابق 14 جنوری 1988ء'' لکھی ہوئی ہے۔

یہ کتاب نفیس الحسینی صاحب (تاریخ تقاریظ) 18 رجب 1406ھ، مفتی ولی حسن صاحب 23 رحمہ اللہ جمادی الاولیٰ 1407ھ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ اور علامہ خالد محمود صاحب کی تقاریظ سے مزین ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب 1986ء اور 1988ء کے درمیان لکھی گئی جبکہ اس پر تاریخ طباعت محرم الحرام 1412ھ/ جولائی 1991ء درج ہے۔

نفیس الحسینی صاحب نے اپنی تقریظ (18۔ رجب 1406ھ/ 30 مارچ 1986ء) میں بالکل غیر ضروری طور پر قاضی مظہر حسین صاحب کی اتباع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تقابل کراتے ہوئے مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ کی''صف نعال'' والی زیر بحث عبارت نقل کردی۔

شاہ صاحب نے زیر بحث عبارت نقل کرنے سے پہلے یہ لکھا کہ:

''آخر میں یہ اشارہ کردینا بھی ضروری ہے کہ اس زمانے میں محمود عباسی کی تحریروں سے متاثر ہونے والے اکثر لوگ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے جادۂ حق سے تجاوز کر جاتے ہیں اور خاتم الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تنقیص وتنقید کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس افراط وتفریط سے بھی مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی قدس سرہ کی وفات

① ماہنامہ حق چار یار ص 157۔ دسمبر 2013ء

پر ایک مضمون میں ان کے غیر معمولی اعتدال کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ......الخ①

6۔ قاری قیام الدین صاحب نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''صف نعال'' والے درجے کو تسلیم نہ کرنے کو ''زندیقی'' قرار دیا۔ چنانچہ موصوف باقاعدہ یہ عنوان قائم کر کے:

''گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی''

لکھتے ہیں کہ:

''خلیفہ راشد رابع حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین فرقِ مراتب بیان کرتے ہوئے حضرت امام اہل سنت علامہ عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر میں سے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال (جوتوں کی صف) میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔ بحوالہ الفرقان لکھنؤ 1977ء۔''②

یہ ملحوظ رہے کہ ''صف نعال'' کا معنی بین القوسین (جوتوں کی صف) بھی خود قاری صاحب نے ہی کیا ہے۔

7۔ مولانا محمد منظور نعمانی (م 1417ھ/ 1997ء) نے ''الفرقان'' میں ربیع الاول 1393ھ / مئی 1973ء تا شوال 1401ھ/ اگست 1981ء دینی شخصیتوں کے تذکروں پر مشتمل ''تحدیث نعمت'' کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع کیا تھا جسے بعد میں ''تحدیث نعمت'' کے نام سے ہی کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ اس کی پہلی طباعت حضرت کی زندگی میں یعنی شوال 1417ھ / اپریل 1997ء میں جبکہ دوسری طباعت وفات کے صرف چھے ماہ بعد ربیع الثانی 1418ھ / اکتوبر 1997ء میں ہوئی۔

اس کتاب کے آخر میں (از ص 338 تا 352) ''حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب فاروقی

---

① الفرقان لکھنؤ نمبر 105۔ 1977، تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ص 19۔20

② تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ص 237

مجددی'' کے عنوان سے بعینہٖ وہی مضمون شامل کر دیا گیا جو ان کی وفات کے معاً بعد ذی قعدہ۔ 1381ھ/مئی 1962ء کو ماہنامہ ''الفرقان'' میں شائع ہوا تھا۔ گویا پہلے مضمون کے 37 سال بعد زیر بحث عبارت (جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تقابل مجلس مرتضوی رضی اللہ عنہ کی ''صف نعال'' سے کرایا گیا ہے) پھر شامل کر دی۔ ملاحظہ ہو:①

مولانا عبدالرشید نعمانی (م 1420ھ/ 1999ء) اور قاضی مظہر حسین صاحب (م 1424ھ / 2004ء) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تقریباً ایک ہی ''پیج'' پر نظر آتے ہیں لیکن ''صف نعال'' والے تقابل میں مولانا عبدالرشید نعمانی اپنے ''جذبات'' پر قابو نہ رکھ سکے اور سب سے زیادہ ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ موصوف نے مولانا منظور نعمانی کی زیر بحث عبارت اپنی کتاب ''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قصاص عثمان رضی اللہ عنہ'' کے صفحہ نمبر 88 پر بعینہٖ نقل کر دی۔ البتہ ''ان کی مجلس میں اگر صف نعال (جوتوں) میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے''②

قارئین کرام! یہاں ''صف نعال'' کی توضیح بین القوسین ''جوتوں'' سے کی گئی۔ ﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾③

قطب الاقطاب سید نفیس الحسینی کے خلیفہ مجاز میاں رضوان نفیس موصوف کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''مسلک دیوبند کی آبرو، محقق العصر شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی......''④

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی، صدر وفاق المدارس پاکستان ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر اور شیخ الحدیث مولانا منظور مینگل کے معتمد جناب محمد اسماعیل ریحان نے بھی اپنی کتاب میں نعمانی صاحب کا بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

''استاذ عالی قدر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ جن سے راقم کو استفادے کا موقع میسر آیا ہے، فرماتے ہیں......

---

① کتاب ''تحدیث نعمت'' ص 346 ۔ 347۔ تحت ''غیر معمولی اعتدال''
② حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قصاص عثمان رضی اللہ عنہ ص 88۔ طبع اول 1419ھ/ 1998ء طبع دوم 1425ھ/ 2005ء
③ آل عمران: 118
④ محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ ص 14۔ مطبوعہ شاہ نفیس اکادمی، لاہور

حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں......

مولانا عبدالشکور لکھنوی فاروقی ، مولانا قاضی مظہر حسین چکوالی ، مولانا محمد نافع محمد شریف جھنگ استاذ مرحوم مولانا عبدالستار تونسوی اور استاذ گرامی مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ کی تو متعدد تالیفات وتصنیفات اسی ضرورت کے پیش نظر منصۂ شہود پر آئی ہیں......①

9۔ نبیرہ امام اہل سنت پروفیسر محمد عبدالحی فاروقی (بن عبدالمومن بن مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ) نے ''امام اہل سنت حضرت علامہ محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ حیات و خدمات'' کے نام سے 770 صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب لکھی جو 2000ء ، 2002ء میں ہندوستان میں جبکہ 2008ء میں پاکستان میں شائع ہوئی۔ مصنف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے صف نعال کا مقام ومرتبہ متعین کرنے کو ہی امام اہل سنت کا ''اعتدال اور سب سے بڑا امتیاز'' قرار دے دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''شیعیت اور خارجیت دونوں ایک دوسرے سے متضاد نظریات کی حامل ہیں اور دونوں ہی اہل سنت و جماعت کے مسلک اعتدال سے ہٹی ہوئی اور جادۂ حق سے کوسوں دور ہیں۔ حضرت مولانا لکھنوی رحمہ اللہ کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے حب صحابہ رضی اللہ عنہم وحب اہل بیت رضی اللہ عنہم دونوں کے تقاضوں کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ انہوں نے جہاں اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فضائل ومناقب کو محبت واحترام کے ساتھ بیان کیا ہے وہیں اسی پاس ولحاظ کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم المرتبت صحابی اور کاتب وحی الٰہی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بھی فضائل ومناقب کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دونوں بزرگوں میں جو فرق مراتب تھا اس کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ چنانچہ جنگ صفین کے سلسلہ میں ان دونوں بزرگوں کے منصب ومرتبہ کے بارے میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

اس لڑائی کے متعلق اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ والے باغی ، خاطی ، مگر اس خطا پر ان کو برا کہنا جائز نہیں کیونکہ وہ بھی صحابی ہیں اور صاحب فضائل ہیں ، ان کی خطا غلط فہمی کی وجہ سے تھی اور غلط

① تاریخ امت مسلمہ جلد دوم ص 168، 636، 688

فہمی کے اسباب موجود تھے۔ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں جس پر عقلاً وشرعاً کسی طرح مواخذہ نہیں ہوسکتا......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتداءً تو باغی تھے مگر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی صلح وبیعت کے بعد وہ بلاشبہ خلیفہ برحق ہو گئے۔①

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اسی فرق مراتب کے متعلق حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے بھی حضرت لکھنوی رحمہ اللہ سے خود اپنی سنی ہوئی ایک روایت، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں نقل کی ہے کہ آپ نے ایک موقع پر ان سے فرمایا تھا:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔''

ان دونوں شہادتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ نے مشاجرات صحابہ اور دیگر اختلافی امور میں کبھی جادۂ حق سے انحراف نہیں کیا اور ہمیشہ مسلک وسط کو اختیار کیا ہے۔یہی مسلک ہمارے اکابر اہل سنت کا طرۂ امتیاز ہے اور سواد اعظم کا متفقہ عمل ہے۔

اختلافاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں ہمارے علماء نے کف لسان کا حکم دیا ہے اور فریقین میں سے کسی کو بھی تنقید کا نشانہ بنانے کو منع کیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صحابہ معصوم عن الخطا تو نہیں ہیں مگر وہ مصؤن ومحفوظ ضرور ہیں وہ سب کے سب عادل اور مجتہد تھے ان سے خطائے اجتہادی تو ہوسکتی ہے مگر اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ وہ موجب ثواب ہوگی۔''②

10۔ ''زبدۃ المحدثین، سلطان المحققین، رئیس المناظرین مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی کے بھائی جامعہ خیر المدارس کے مفتی، مولانا محمد انور اوکاڑوی نے امام اہل سنت کی زیر بحث عبارت (صف نعال) کی تائید وتصدیق کرتے ہوئے اسے ''عقیدہ اہل سنت'' قرار دیا ہے پھر موصوف یہاں تک لکھ گئے کہ:

---

① خلفائے راشدین ص 12-13

② امام اہل سنت حضرت علامہ محمد عبد الشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ حیات وخدمات ص 626-627

''(سید نفیس الحسینی نے) یہ الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے لکھے ہیں۔ یار لوگوں نے صرف صف نعال یاد کر لی اور اس نسبت علی رضی اللہ عنہ کو حذف کر دیا۔ یاد رکھیں کہ یہ صف نعال مولانا عبدالشکور لکھنوی یا مولانا نعمانی یا حضرت شاہ (نفیس الحسینی) صاحب مدظلہ کی نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے جو بالاتفاق خلیفہ راشد ہیں ...... یہ توہین نہیں فرق مراتب ہے...... اس میں کوئی پہلو توہین والا نہیں''①

11۔ مفتی محمد سعید خان (اسلام آبادی) مدیر ماہنامہ ''الحامد'' لاہور نے اپریل 2011ء کے شمارہ میں ''امام اہل سنت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی مجددی رحمہ اللہ'' کے عنوان سے مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کا 1962ء میں تحریر کردہ مضمون 50 سال کے بعد شائع کیا اور اس میں بھی قارئین ''الحامد'' کو امام اہل سنت کے ''غیر معمولی اعتدال'' سے آگاہ کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا درجہ مشروط طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ''مجلس کی صف نعال'' میں متعین کر دیا۔ ملاحظہ ہو:②

12۔ مفتی محمد سعید خان صاحب کو مذکورہ ''تصریح'' کے باوجود چین نہیں آیا تو اس کے فوراً بعد موصوف نے ''دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے......ایک تجزیہ......ایک فکر'' کے نام سے ٹائٹل سمیت 24 صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ تحریر کیا جس کی اشاعت کی ''سعادت'' قاضی مظہر حسین صاحب کی قائم کردہ ''تحریک خدام اہل السنت والجماعت پاکستان'' کے شعبہ نشر و اشاعت کو حاصل ہوئی۔ جس پر سن اشاعت درج نہیں ہے لیکن صفحہ نمبر 14 کی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی اشاعت جنوری 2011ء سے پہلے ممکن نہیں ہے کیونکہ اس میں یکم محرم 1432ھ کے جلوس کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ یکم محرم 1432ھ کو عیسوی تاریخ 8 دسمبر 2010ء تھی:

''تیسری خرابی یہ ہے کہ جن بدعات کے رد پر ہمارے اکابرین اہل السنت والجماعت نے تقریباً ڈیڑھ سو برس خم ٹھونک کر جہاد کیا، اب وہی بدعات ان نام نہاد سنیوں (سپاہ صحابہؓ)، صوفیوں، دیوبندیوں نے اپنالی ہیں مثلاً اکابرین اهل السنة والجماعة رضی اللہ عنہم ہمیشہ دن منانے کے خلاف رہے لیکن اب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے باقاعدہ دن منائے جاتے ہیں

① ماہنامہ الخیر ملتان ص 21-22۔ مارچ 2004ء بحوالہ ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ص 34۔ مئی 2005ء
② ماہنامہ ''الحامد'' لاہور جلد نمبر 3۔ شمارہ نمبر 10 جمادی الاولیٰ 1432ھ/ اپریل 2011ء صفحہ نمبر 55-56

اور اس بات کی ترغیب وسعی نامبارک بھی کی جاتی ہے۔ محرم 1432ھ میں یہ پہلا سال ہے کہ اپنے آپ کو سنی اور دیوبندی کہنے والے علماء کرام نے اسلام آباد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام پر ایک باقاعدہ جلوس نکالا ہے۔ شیعہ حضرات دس محرم مناتے ہیں اور انہوں نے یکم محرم منایا ہے۔''①

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی زیارت کی بہت تمنا تھی۔ پہلی مرتبہ جب ہندوستان جانا ہوا تو لکھنؤ ان کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی۔ یہ زمانہ ان کی رحلت سے کچھ ہی پہلے کا تھا۔ امام اہل السنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کے بارے میں کچھ دریافت کیا تو اگرچہ وہ معذور تھے لیکن ان پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ چارپائی ہلنے لگی۔ تمنا ہوئی کہ شاید یہ ذکر نہ کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ کیا معلوم تھا کہ انہیں حضرت امام اہل السنت رحمہ اللہ سے اس قدر تعلق اور محبت ہے۔ انہوں نے منجملہ اور باتوں کے اس روایت کی بھی تصدیق فرمائی جو خود انہوں نے ہی (اپنے کانوں سے سن کر) اپنے مؤقر جریدے ''الفرقان'' ذی قعدہ 1381ھ میں تحریر فرمائی تھی (پھر آگے موصوف نے پورا اقتباس نقل کر دیا جس کے آخر میں یہ عبارت ہے:)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر ''صف نعال'' میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔''

(یہ ملحوظ رہے کہ مفتی محمد سعید خان صاحب نے حضرت نعمانی کا یہ مضمون اپنے مؤقر جریدے ماہنامہ ''الحامد اپریل، مئی 2011ء'' کے شماروں میں بھی شائع کیا ہے)

یہ ہے اہل السنت والجماعت کا عقیدہ اور نظریہ کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بلاشبہ اپنی جگہ پر ایک مقام ہے وہ قابل صد احترام ہیں لیکن ان کا تقابل امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرنا! چہ معنی دارد؟

پھر یہ عقیدہ (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہیں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس

① ''دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے'' ص 14

میں ان کا درجہ ''صف نعال'' میں ہے پھر ان کا یہ مقام بھی قطعی اور یقینی نہیں بلکہ احتمالاً ہے کہ ''اگر اس صف میں......'') کچھ ایسا نہیں ہے بلکہ حضرات ائمہ اہل السنت والجماعت رضی اللہ عنہم کے تمام عقائد کچھ ایسے نہیں ہیں کہ انہوں نے اپنے طور پر گھڑ لیے ہوں (معاذ اللہ) بلکہ ہر ہر عقیدے کا ثبوت قرآن کریم سے ہے اور یا پھر احادیث متواترہ اور مشہورہ سے۔ اور پھر ان متواتر اور مشہور روایات کو لفظاً یا معنًی یا ایک نسل سے دوسری نسل کو اور یا پھر ایک قرن سے دوسرے قرن کو منتقل ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

ناصبی جو ہر ہر مقام پر سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کا تقابل کرنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جو عقیدہ حضرت شاہ ولی اللہ (کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت ''ملک عضوض'' یعنی کاٹ کھانے والی بادشاہت تھی) اور امام اہل السنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ (کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے) اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (کہ اہل سنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے، ملوک میں شمار کرتے ہیں لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے ایک نوشیروان تھا اور چنگیز خان) نے بیان کیا ہے کچھ خانہ زاد نہیں ہے بلکہ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معاملہ یوں ہی چلا آرہا ہے۔''①

13۔ مولانا منظور نعمانی صاحب کے فرزند ارجمند مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے اپنے والد کی سوانح حیات پر ''حیات نعمانی'' کے نام سے 692 صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی جس کا اپریل 2013ء میں دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس کتاب کے صفحہ 661 پر زیر عنوان ''غیر معمولی اعتدال'' وہی ''صف نعال'' والا توہین آمیز جملہ نقل کر کے ریکارڈ میں محفوظ کر دیا۔ ملاحظہ ہو:②

14۔ قطب الاقطاب سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کے خلیفہ میاں رضوان نفیس نے جمادی الاولیٰ 1434ھ مطابق اپریل 2013ء میں علامہ ابن حجر مکی (م 974ھ) کی کتاب ''تطہیر الجنان''

---

① ''دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے'' ص 10، 11، 12

② ''حیات نعمانی'' ص 661۔ طبع دوم۔ ناشر ''الفرقان'' بک ڈپو 31/114 نظیر آباد لکھنؤ

مترجمہ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ 1381ھ/1962ء) شائع کی مگر اس کے شروع میں اپنی طرف سے نفیس الحسینی صاحب (م 1429ھ/2008ء) کی قاری قیام الدین صاحب کی کتاب ''تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' پر 18 رجب 1406ھ/30 مارچ 1986ء کو لکھی گئی ایک ''تقریظ'' کو بہ عنوان: ''حرف نفیس'' محولہ کتاب کا باقاعدہ حصہ بنا دیا جس میں بحوالہ مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ امام اہل سنت کے ''غیر معمولی اعتدال'' کا ذکر کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے مشروط طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس کی ''صف نعال'' میں بھی جگہ ملنے کو ''باعث سعادت اور باعث فخر'' قرار دیا تھا۔ ملاحظہ ہو:①

15۔ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے نواسہ گان مولانا احسن خدامی اور حمزہ احسانی (مدیر مسؤل ومدیر ماہنامہ مجلہ صفدر) نے اپنے نانا کا مضمون جو موصوف نے 1403ھ/1983ء میں ''تحفہ خلافت'' کے آغاز میں بطور مقدمہ لکھا تھا اسے 36 سال (جبکہ مولانا منظور نعمانی کے مضمون 1381ھ کے 58 سال) بعد اپنے مجلہ صفدر (شمارہ نمبر 89۔شوال ذیقعدہ 1439ھ/ جولائی 2018ء صفحہ نمبر 6 تا 18) کی زینت بنا دیا جس میں ''بعینہٖ وبلفظہٖ'' زیر بحث تنقیصی جملہ مع سیاق وسباق نقل کر دیا۔ ملاحظہ ہو:②

مذکورہ تفصیل سے ''صف نعال'' جیسے تنقیصی جملہ کی ایک ''تاریخ'' سامنے آگئی ہے کہ کس طرح اس ''خبر واحد'' نے آگے چل کر ''تواتر'' کا درجہ اختیار کر لیا۔

امام اہل سنت کے عظیم کام اور بلند علمی مقام کے پیش نظر بالکل یقین نہیں آتا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تقابل کرتے ہوئے ''صف نعال'' کا تنقیصی جملہ کہا ہوگا اور ان کی کسی کتاب میں بھی اس کا کوئی وجود نہیں پایا جاتا اگر ایسا ہوتا تو اس ''جملہ'' کے تمام راوی اس کا حوالہ دیتے اور یہ نہ کہتے کہ ''مولانا منظور نعمانی نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔''

اگر فی الواقع امام اہل سنت نے ''فرق مراتب'' بیان کرتے ہوئے یہ ''جملہ'' کہا ہے تو یقیناً یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''توہین وتنقیص'' پر مبنی ہے جبکہ باقی تمام ''ناقلین'' بالکل غیر ضروری طور پر قصداً

① ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع ومناقب میں تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان......یعنی......مناقب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' ص 12۔13

② مجلہ صفدر جولائی 2018ء صفحہ نمبر 12۔13

وعمداً، تقریراً وتحریراً نقل کر کے دوہری ''توہین وتنقیص'' کے مرتکب ہوئے ہیں۔

پھر سید مطہر علی نقوی، مفتی محمد انور اوکاڑوی اور مفتی محمد سعید اسلام آبادی نے اس توہین آمیز ''جملہ وتقابل'' کو ''عقیدہ اہل سنت'' قرار دے کر غضب ہی ڈھا دیا۔

ستم بالائے ستم یہ کہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے مفتی محمد انور اوکاڑوی نے ''صف نعال'' کو ''امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی، مولانا محمد منظور نعمانی اور سید نفیس الحسینی'' کی صف نعال (گو نفیاً سہی) کے ساتھ تشبیہ دے کر دنیائے شیعیت کو بھی مبہوت کر دیا۔

معلوم نہیں کہ مفتی محمد انور اوکاڑوی کو یہاں یہ لکھنے کی ضرورت کس داعیہ کی بناء پر محسوس ہوئی کہ:

''یاد رکھیں کہ یہ صف نعال مولانا عبد الشکور لکھنوی یا مولانا نعمانی یا حضرت شاہ (نفیس الحسینی) صاحب مدظلہ کی نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔''①

حالانکہ حضرت لکھنوی رحمہ اللہ کی زیر بحث عبارت میں تین مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کی تصریح کے بعد چوتھی مرتبہ ''ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے'' کے الفاظ موجود ہیں۔ اس ''تصریح'' کی موجودگی میں کوئی پرلے درجے کا احمق ہی اس کو ''لکھنوی، نعمانی یا نفیسی'' مجلس کی صف نعال سمجھ سکتا ہے پھر معلوم نہیں کہ مفتی صاحب کو مکروہ انداز میں ''وضاحت'' کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ یہ سوچ تو کسی جلے بھنے کٹر سبائی کی تو ہو سکتی ہے لیکن کسی مسلمان کی ہرگز نہیں ہو سکتی۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ تقریباً 60 سال سے مسلسل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین پر مبنی یہ جملہ دیوبندی لٹریچر میں خود دیوبندی علماء کی زبانی نقل در نقل ہوتا چلا آ رہا ہے (جسے بدقسمتی سے اب عقیدہ کا بھی درجہ دے دیا گیا ہے) لیکن جمہور دیوبندی علماء پر سکوتِ...... طاری ہے۔ بلکہ جن اکابر نے اسے نقل بھی کیا ہے تو اسے صحیح سمجھ کر ہی نقل کیا ہے اس طرح ''قائل، ناقلین اور ان کے معتقدین'' بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں توہین وتنقیص کے مرتکب ہو گئے ہیں۔

قارئین کرام! امام اہل سنت کی زیر بحث عبارت شروع میں نقل ہو چکی ہے جس میں اس مکروہ تقابل کو امام اہل سنت کے ''غیر معمولی اعتدال'' کا نام دیا گیا ہے اگر اسی کا نام ''اعتدال'' ہے تو اس

① ماہنامہ الخیر ملتان ص 22۔ مارچ 2004ء

مخصوص حلقہ کو تسلی رکھنی چاہیے کہ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ''بے اعتدالی و بے انصافی'' نامی کوئی چیز دنیا میں نہیں۔

زیر بحث ''قول'' کے قائل کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے سیاق وسباق سے اور کس ذہنی حالت میں یہ بات کی تھی البتہ یہ تقابل بہرحال غلط اور توہین آمیز ہے۔ اسے صحیح سمجھنا، صحیح باور کرانا، اسے عقیدے کا درجہ دینا اور اسے (گونفیاً ہی سہی) لکھنوی، نعمانی اور نفیسی صفِ نعال سے تشبیہ دینا، ایمان کے لیے سم قاتل ہے۔

مولانا منظور نعمانی کو امام اہل سنت کے اس ''قول'' پر اس قدر یقین تھا کہ اسے ان الفاظ کے ساتھ ''روایت'' کیا ہے کہ:

''صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے......'' حالانکہ سب ہی لوگ اپنے کانوں سے ہی سنتے ہیں پھر یہاں اس ''سماعت'' میں کسی وہم یا غلطی کا امکان بھی نہیں ہے۔ بعد میں جملہ ''ناقلین'' نے اپنے کانوں سے سننے کا ذکر ضرور کیا ہے۔

امام اہل سنت کے اس ارشاد کہ ''حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی بھی پہلی صف کے اکابر میں ہیں'' کے ساتھ کوئی مومن بالقرآن ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں کرسکتا۔

البتہ ان کا یہ ارشاد ضرور محل نظر ہے کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کو کیا نسبت؟'' یہ تجزیہ وتقابل بھی بالکل غلط اور خلافِ کتاب وسنت ہے:

''کیا نسبت؟'' لکھنا بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صریح تنقیص ہے۔ جب موصوف نے ان کا صحابی ہونا تسلیم کرلیا ہے تو پھر ''کیا نسبت؟'' لکھنا یا کہنا چہ معنی دارد؟ اگر بفرض محال وہ صحابی نہ ہوتے اور تابعی ہوتے تو پھر بھی ''کیا نسبت؟'' کی پھبتی کسنا لغو اور باطل تھا۔ سب سے اہم نسبت تو ''ایمانی'' ہے پھر اس کے بعد ''شرف صحابیت'' ہے، ان دونوں نسبتوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں جس کا اقرار خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک اعلان عام کے ذریعے کرچکے ہیں۔ یہاں افضل ومفضول کا مسئلہ ہرگز زیر بحث نہیں ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''مفضول'' ہونے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاندانی، ایمانی اور شرف صحبت کی نسبتیں حاصل ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر نجیب

الطرفین ہاشمی قریشی ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی نجیب الطرفین اموی وقریشی ہیں۔ دونوں پانچویں پشت میں ''عبد مناف'' تک پہنچ کر ہم نسب ہو جاتے ہیں۔ بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''نسب، خاندان، اسلام، ایمان، شرف صحبت، انفاق فی سبیل اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں قتال فی سبیل اللہ'' جیسی بہت سی نسبتیں قائم ہیں۔ لہٰذا امام اہل سنت اور دیگر ناقلین کا ''کیا نسبت'' لکھنا وکہنا سراسر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص ہے۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''تنقیص'' کیے بغیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت حتیٰ کہ افضلیت نہیں بیان کی جاسکتی؟

''کیا نسبت؟'' کے بعد امام اہل سنت اور دیگر ناقلین کا جملہ تو سب سے زیادہ خطرناک اور صریح توہین و تنقیص پر مبنی ہے کہ:

''ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے''۔ ①

یہ ہے وہ ''جملہ'' جس کے بارے میں مفتی انوراوکاڑوی نے لکھا ہے کہ:

''یہ الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے لکھے ہیں۔ یار لوگوں نے صرف صف نعال یاد کر لی اور اس نسبتِ علی رضی اللہ عنہ کو حذف کر دیا۔ یاد رکھیں کہ یہ صف نعال مولانا عبدالشکور لکھنوی یا مولانا نعمانی یا حضرت شاہ (نفیس الحسینی) صاحب مدظلہ کی نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے جو بالاتفاق خلیفہ راشد ہیں...... یہ توہین نہیں فرق مراتب ہے......اس میں کوئی پہلو توہین والا نہیں۔'' ②

جبکہ اس توہین آمیز تقابل کو اہل سنت کا عقیدہ قرار دینا اس پر مستزاد ہے۔

مفتی انوراوکاڑوی صاحب اس توہین آمیز جملہ کو مبنی بر ''فرق مراتب'' قرار دے کر اور ''صف نعال'' کو ''لکھنوی یا نعمانی (مظہری) اور نفیسی'' صف نعال کے ساتھ تشبیہ دے کر یقیناً بدترین توہین کے مرتکب ہوئے ہیں بلکہ صریح الفاظ میں لکھا ہے کہ:

''اس میں کوئی پہلو توہین والا نہیں'' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس تقابل کا ہر پہلو مبنی بر توہین ہے۔

---

① دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے ص 11

② ماہنامہ ''الخیر'' ملتان ص 21-22۔ مارچ 2004ء

''کیا نسبت؟'' کے متعلق تو اوپر بتایا جا چکا ہے کہ اس سوال اور اسلوب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی واضح اور صریح توہین ہے جو صرف ''سبائیوں و نیم سبائیوں'' کو ''مدح'' محسوس ہوتی ہے۔

جہاں تک ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس'' کا تعلق ہے اگر امام اہل سنت اور ناقلین کا قول یہاں تک بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص ہی پائی جاتی ہے۔

قارئین کرام! آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس کے شرکاء پر ایک نظر ڈالیں جہاں اس میں کبار صحابہ دکھائی دیں گے وہیں اس ''مجلس'' میں تابعین بھی نظر آئیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مرتبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں شریک اصاغر صحابہ رضی اللہ عنہم اور جملہ تابعین سے بدرجہا افضل ہیں۔ اگر بات صرف اصاغر صحابہ یا تابعین تک بھی محدود ہوتی تو پھر بھی اس انداز سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنا یقیناً ان کی تنقیص ہی کہلائے گی۔

مگر ستم بالائے ستم یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ''مصر، بصرہ اور کوفہ'' سے تعلق رکھنے والے ''بلوائی، مفسدین اور سبائی'' بھی شریک ہوتے تھے۔ اس پہلو کے اعتبار سے بھی توہین و تنقیص میں شدت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ امام اہل سنت اور ناقلین نے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس ہی کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس ''مجلس'' کی بھی ''صف نعال'' (یعنی جوتوں کی صف اور بقول رئیس شعبہ تخصص جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی ''جوتوں'' میں وہ بھی مشروط طور پر یعنی ''اگر جگہ مل جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے'' ذکر کیا گیا۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس توہین آمیز جملہ و تقابل کو توہین کے شائبے سے بھی بالکل پاک قرار دے دیا گیا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بعد پوری امت سے افضل ہیں لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''مفضول'' ہونے کے باوجود ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس کی صف نعال'' کے مقام و مرتبے میں ہرگز نہیں آتے۔ یہ تقابل اور جملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بدترین توہین و تنقیص پر مبنی ہے۔ اس کی ''کراہت اور شناعت'' کا اندازہ لگائیں کہ اس مجلس کی صف نعال میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جوتے ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ شرکائے مجلس (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) کے بھی جوتے ہوتے تھے تو اس جوتوں کی صف میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ

(وہ بھی مشروط طور پر) متعین کرنا کس قدر مکروہ اور شنیع ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی افضل خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی ''صف نعال'' نہیں بلکہ مجلس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ بلند مقام حاصل رہا ہے، وہ ان کے معتمد امیر مقدمة الجیش درعہد صدیقی رضی اللہ عنہ جبکہ عہد فاروقی رضی اللہ عنہ وعثمانی رضی اللہ عنہ میں ان کے مشیر اور گورنر رہے ہیں بلکہ خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ترین مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر وحی اور خطوط کی کتابت اور وزیر مہمان داری کی گراں قدر خدمات انجام دینے کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد وقتال کرنے کے ساتھ ساتھ حجة الوداع کے موقع پر طواف زیارت کی ادائیگی کے لیے منیٰ سے مکہ آتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''ردیف'' بننے کی سعادت حاصل کرنے والے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس کی صف نعال میں جگہ دے کر اسے ''باعث سعادت وفخر'' قرار دینا یقیناً ہر ہر پہلو کے اعتبار سے ایک جلیل القدر صحابی کی سخت ترین توہین، تنقیص اور بے ادبی ہے۔

قارئین کرام! زیر بحث قول پر اس پہلو کے اعتبار سے بھی ایک نظر ڈال کر فیصلہ کر لیں کیا اس میں توہین و بے ادبی ہے یا نہیں؟

اس بات میں کوئی مسلمان ادنیٰ شک بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں اور بعض نبیوں کو بعض رسولوں اور بعض نبیوں پر فضیلت دی ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ...﴾ ①

''یہ سب رسول، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر......''۔

﴿وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ ...﴾ ②

''اور بے شک ہم نے فضیلت دی ہے بعض انبیاء کو بعض پر......''۔

اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفس رسالت میں اور جملہ انبیاء نفس نبوت میں برابر ہیں لیکن فضائل وکمالات، مراتب ومقامات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور یہ فضیلت بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی دی ہے۔

---

① البقرة:253

② الاسراء:55

اسی طرح محمد ﷺ کی فضیلت دیگر انبیاء و رسل پر مسلمہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہدایت فرمائی کہ:

''لاتخیرونی من بین الانبیاء''①

مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔

''لاینبغی لعبدأن یقول أناخیر من یونس بن متّٰی''②

کسی بندے کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔

اسی باب میں آگے یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

''لایقولنّ أحدکم انّی خیر من یونس''③

''ماینبغی لعبدأن یقول انّی خیر من یونس بن متّٰی''④

اسی طرح یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ:

''لاتفضّلونی علٰی موسٰی فی نفس النبوۃ''

جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾⑤

''لاتفضّلونی بجمیع الوجوہ''یعنی من کل الوجوہ۔

مجھے تمام انبیاء پر فضیلت مت دو۔اس لیے کہ بعض انبیاء کو بعض ایسی جزوی فضیلت حاصل ہے، جو دوسروں کو نہیں۔ ملاحظہ ہو:⑥

انبیاء و رسل کے درمیان ''فرقِ مراتب'' اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے لیکن اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے منع فرما دیا کہ مجھے انبیاء علیہم السلام یا یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔

---

①صحیح بخاری۔کتاب التفسیر۔رقم الحدیث4638

②صحیح بخاری کتاب الانبیاء۔رقم الحدیث3395

③حوالہ مذکور رقم الحدیث3412

④حوالہ مذکور رقم الحدیث3413

⑤البقرۃ:285

⑥تفسیر ابن کثیر۔ البقرۃ: 253، شرح النووی علی صحیح مسلم۔باب تفضیل نبینا ﷺ علی جمیع الخلائق۔ ص 37-38 جلد15 مرقاۃ المفاتیح ص 181 جلد9

مذکورہ بالا احادیث کا صاف، بے غبار اور واضح مطلب یہ ہے کہ

مجھے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر وصف نبوت میں فضیلت نہ دو جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی معاذ اللہ تحقیر و تنقیص لازم آتی ہو۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بھی اللہ تعالیٰ نے ''فرقِ مراتب'' بیان فرمایا ہے کہ:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾①

لیکن اس ''فرقِ مراتب'' کو بیان کرنے کے لیے جو انداز امام اہل سنت اور دیگر ناقلین نے اختیار کیا ہے وہ یقیناً ''شرفِ صحابیت'' کے ساتھ ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی شدید ترین توہین ہے حالانکہ ''نسبتِ صحابیت'' دیگر تمام نسبتوں پر فائق اور حاوی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ''نسبتِ صحابیت'' ہی وجہ امتیاز ٹھہری؛ انہوں نے اپنی ''شناخت'' ہی اسی نسبت سے کرائی اور اپنی دیگر ''نسبتوں'' کو ''شرفِ صحابیت'' کی نسبت پر قربانی کر دیا اور صرف ''صحابی'' ہونا ہی ان کے لیے وجہ افتخار بن گیا۔ ؎

تیریؐ نسبت ہی پہچان ہے میری

مگر صد افسوس! امام اہل سنت و ناقلین نے اس عظیم ''نسبت'' کا کوئی پاس نہ رکھا اور ایک جلیل القدر صحابی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس کی رضی اللہ عنہ ''صف نعال'' میں (وہ بھی مشروط طور پر) جگہ دے کر ان کی تنقیص کر ڈالی۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کیے بغیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و افضلیت بیان نہیں کی جاسکتی؟ شکوہ و گلہ اغیار سے نہیں بلکہ اپنوں سے ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں اس ''تنقیصی جملہ'' کو عام کرنے کا ''کریڈٹ'' قاضی مظہر حسین صاحب کو جاتا ہے پھر ان کی اتباع و تقلید کرتے ہوئے ان کے ''عقیدت مندوں'' نے اسے باقاعدہ اپناتے ہوئے ''عقیدہ'' کا درجہ دے دیا ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد (م1958ء) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تقابل میں یہ

① الحدید:10

شعر نقل کرتے ہیں کہ:

فاین الثریا و این الثریٰ وابن معاویة من علیؓ①

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''ثریٰ'' کے ساتھ تشبیہ دینا توہین نہیں ہے؟

تلمیذ مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، مولانا بشیر احمد حصاروی نے ''سیدنا معاویہ اور طائفہ ھاویہ'' اور ''اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مدبرانہ دفاع'' جیسی عمدہ کتابیں لکھی ہیں مگر مؤخر الذکر کتاب میں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں زیر عنوان ''میرا عقیدہ'' لکھتے ہیں کہ:

''......(9) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑی شان کے صحابی ہیں، ذی فضائل وذی مناقب ہیں۔ کفر کی شکست وریخت میں اسلام کے غلبہ واستحکام میں ان کے بڑے کارنامے ہیں اور کاتب وحی ہیں۔

لیکن جب مقابلہ حضرت علی خلیفۃ النبی، خلیفۃ الراشد رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہو تو پھر مثال آفتاب نصف النہار اور ٹمٹماتے دیے کی مثال ہے۔''②

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ٹمٹماتے دیے کے ساتھ تشبیہ دینا توہین نہیں ہے؟

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (م 1974ء) لکھتے ہیں کہ:

''لیکن ان واقعات کی تردید کا منشاء امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے جا حمایت یا ان کا اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کا موازنہ نہیں ہے۔ ابن عم رسول خلیفہ راشد علی المرتضیٰ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا؟

چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا''③

قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی مذکورہ جملہ کو ''یقیناً قابل مذمت'' قرار دیا ہے۔④

جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تقابل کرتے ہوئے ''ثریٰ، ٹمٹماتا دیا یا چراغ مردہ'' کہے تو اس کے متعلق شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھتیجے فاضل دیوبند مولانا عامر عثمانی لکھتے ہیں کہ:

''کتنا ہی بڑا عالم اور مداح صحابہ ہو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ نفس صحابیت کی قرار

---

① تذکرہ۔ص86۔داتا پبلشرز لاہور

② اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مدبرانہ دفاع۔ص25

③ سیر الصحابہ ص99۔جلد6

④ ملاحظہ ہو: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص57

واقعی تقدیس سے اس کا وِجدان عاری ہے...... عاجز کا ذہن تو احترام صحابیت کے باب میں کچھ ایسا ہے کہ اگر ایک طرف کوئی غیر معروف صحابی ہو جس کی کوئی نمایاں خدمت اور ممتاز سیرت سامنے نہ آئی ہو، بس اتنا معلوم ہو کہ ایمان لانے کے بعد اس نے کفر اختیار نہیں کیا اور دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ خیر الامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں اور پھر ان کے تقابل میں یہ مصرع (چراغ مردہ کجا، شمع آفتاب کجا) پڑھ دے تو مجھے ایسا محسوس ہوگا جیسے کسی نے رگِ احساس میں نشتر چبھا دیا ہے۔ صحابیت کے بے مثال شرف سے جو مومن مشرف ہو چکا ہو وہ ''چراغِ مردہ'' کبھی نہیں ہو سکتا......

العظمۃ للہ! ''صحابیت'' تو وہ گوہر تابدار ہے جس کے بارے میں ہمارے اور آپ کے بزرگوں کا اور خود ہمارا اور آپ (ماہر القادری مدیر فاران کراچی) کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ کسی بڑے سے بڑے امام، ولی اور شیخ و مجدد کا تمام سرمایہ علم و تقویٰ بھی اس کا مول نہیں۔ پھر یہ کیسے قرین قیاس ہے کہ یہ عقیدہ جس کے دل میں اتر چکا ہو وہ اس خوش نصیب کو ''چراغِ مردہ'' قرار دے دے جس کی خاتمِ حیات میں مشیت ایزدی نے یہ ہیرا جڑ دیا ہو، صحابہ کے لیے صحیح ترین تشبیہ وہی ہے جس کی نسبت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے ''اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ۔''

زیادہ تفصیل میں جائیے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ ممتاز صحابہ چھوٹے بڑے چاند تھے اور باقی اصحاب رضی اللہ عنہم ستارے، جو اپنی اپنی صلاحیت کے بقدر آفتاب نبوت کی ضیاء و طلعت سے مستنیر ہوئے۔ میرے نزدیک تو معاویہ رضی اللہ عنہ بھی چاند ہی تھے لیکن کوئی اس سے متفق نہ ہو تو تارا کہہ سکتا ہے، مگر ''چراغِ مردہ''!......

یہ لفظ بڑا ہی اہانت آمیز ہے۔ ویسے آپ لفظی وحشت کو نظر انداز کر دیں تب یہ محض غلو ہی ہو گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ سے اتنی لامحدود برتری دی جائے۔ آپ (ماہر القادری) کی لطافت احساس اور قوت نقد سے مجھے توقع تھی کہ شاہ (معین الدین ندوی) صاحب کے قلم سے ایسا مصرع پڑھ کر چیں بجبیں ہوتے، انہیں تنبیہ کرتے کہ حضرت قلم کو قابو میں رکھیے کہ یہ کیسی توصیفِ معاویہ رضی اللہ عنہ ہے کہ ایک ہی کروٹ میں آپ نے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ لیکن میری توقع پوری نہیں ہوئی۔ یوں نہیں ہوئی کہ فضائل علی رضی اللہ عنہ

کے حق میں افراط کی وبا عام ہو چکی ہے اور احترامِ صحابیت کا کوئی جاندار احساس بہت کم پایا جا رہا ہے۔محراب ومنبر پر اہل سنت کی زبان سے آپ مناقب علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرّ انہیں سنتے مگر اس خاموش تبرا اور تقلیل وتفضیل کو کیا کہیں گے جو بالواسطہ طور پر جاری ہے۔آپ توجیہ وتاویل کی سعی مت کیجیے بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ عامر جو کچھ کہہ رہا ہے وہ محض وہم ہے یا حقیقت۔''①

① ماہنامہ تجلی۔اکتوبر 1961ء بحوالہ تجلیات ص258۔260

92

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یزید کو غلط کاموں کی نصیحت

زبدۃ المحدثین، سلطان المحققین، رئیس المناظرین، فاتح مذاہبِ باطلہ، حامل علوم وہبیہ، ماہر اسماء الرجال مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی لکھتے ہیں کہ:

1۔ ''طبرانی میں ہے کہ یزید نوجوانی میں ہی شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ بیٹا ایسے کام نہ کرو جس سے مروّت ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں اور فرمایا: کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت و عیش میں گزارتے ہیں۔

2۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ نصیحت اس حدیث کے موافق ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی گندگیوں میں مبتلا ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرے۔ ①

3۔ باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا۔'' ②

قارئین کرام! اوکاڑوی صاحب کی مذکورہ مسلسل عبارت بلا کسی ادنیٰ کمی وبیشی پیش کر دی ہے چونکہ ہر قاری کو اس کے تین حصے ہی سمجھ آتے ہیں اس لیے ہر حصہ پر نمبر دے دیا گیا ہے جبکہ اصل کتاب میں یہ نمبر (3،2،1) نہیں ہیں۔

پہلے حصہ کے متعلق موصوف نے تصریح کی ہے کہ: ''طبرانی میں ہے''

اس سے یہ بات تو سمجھ آتی ہے کہ اوکاڑوی صاحب نے یہ عبارت براہ راست ''طبرانی'' سے ہی نقل کی ہوگی لیکن کتاب کا نام، جلد نمبر اور صفحہ نمبر کا ذکر نہ کر کے قارئین اور اہل علم کے ساتھ بدترین

---

① البدایۃ والنہایۃ

② تجلیات صفدر جلد اول ص 519-520 مطبوعہ فیصل آباد 1996ء، مطبوعہ مکتبہ امداد العلوم ملتان ص 568-569۔ بعد از وفات اوکاڑوی زیر عنوان: ''کھلا خط بنام ابو ریحان عبد الغفور''

''مذاق'' کیا گیا ہے کہ ''طبرانی'' میں خود ہی ڈھونڈتے رہیں لیکن نہ تو خود اوکاڑوی صاحب اپنی زندگی میں (اکتوبر 1996ء تا اکتوبر 2000ء) اس کی کوئی نشاندہی کر سکے اور نہ ہی ان کے جان نثار ہزاروں معتقدین آج (ستمبر 2019ء) پورے تئیس (23) سال بعد بھی ''طبرانی'' کا اصل حوالہ دے سکے۔ صرف ''طبرانی میں ہے'' لکھنے سے یہ ہرگز معلوم نہیں ہوسکتا کہ اوکاڑوی صاحب نے اپنی ''مستدل'' روایت کس کتاب سے نقل کی ہے؛ کیونکہ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (ولادت 260ھ، وفات 360ھ) کی تصانیف میں ''کتاب المسالک، کتاب عشرۃ النساء، کتاب النوادر، کتاب دلائل النبوۃ اور ایک تفسیر کے علاوہ حدیث میں تین معجم'' کا ذکر ملتا ہے۔ ''معجم'' حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کو صحابہ یا شیوخ یا ان کے دیار و بلاد کی ترتیب سے مرتب کیا جاتا ہے۔

امام طبرانی کی تین معاجم ہیں: ''معجم کبیر''...... چوبیس (24) جلدوں میں، ''معجم اوسط''...... چھے (6) ضخیم جلدوں میں اور ''معجم صغیر''......صرف ایک جلد پر مشتمل ہے۔

اوکاڑوی صاحب کی منقولہ ''روایت'' سے یہ بات تو ثابت ہوگئی ہے کہ موصوف نے یہ بات بالکل ہی غلط لکھی ہے کہ ''طبرانی میں ہے''، انہوں نے ''طبرانی شریف'' میں یہ روایت سرے سے دیکھی ہی نہیں؛ پھر کیا دیانت و امانت کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ جس کتاب سے نقل کی تھی، اسی کا حوالہ دے دیتے۔

اوکاڑوی صاحب کی کتب ''مجموعہ رسائل اور تجلیات صفدر'' کے سرسری مطالعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غلط و نامکمل حوالے نقل کرنے، متن میں ڈنڈی مارنے اور الزام تراشی میں مستقبل قریب میں شاید ہی کوئی ان کا ریکارڈ توڑ سکے جبکہ ''خیر'' سے ان کے وکلائے صفائی، اندھے معتقدین اور نام نہاد مناظرین بھی اسی ڈگر پر رواں دواں ہیں۔

طبرانی کی ''روایت'' کا ترجمہ نقل کرنے کے بعد نمبر 2 کے تحت اوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں......الخ ①''

یہاں بھی موصوف نے ''جلد نمبر اور صفحہ نمبر'' لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ حالانکہ البدایہ والنہایہ چودہ اجزاء اور سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

امام ابن کثیر کے اس تبصرے کو موصوف نے بالکل صحیح سمجھ کر اپنی منقولہ (از طبرانی؟) روایت کی

① البدایۃ والنہایۃ

تائید میں پیش کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوکاڑوی صاحب نے ''علامہ ابن کثیر'' کا مذکورہ تبصرہ ''البدایہ'' کے متعلقہ مقام پر بچشم خود ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ علامہ ابن کثیر نے وہ ''روایت'' نقل کر کے ہی اس پر تبصرہ کیا ہوگا۔

یزید کی شراب نوشی، لونڈے پن کی حرکتوں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نصیحت اور علامہ ابن کثیر کا تبصرہ نقل کر کے اوکاڑوی صاحب نے نمبر 3 کے تحت اپنی ''تحقیق'' بایں الفاظ پیش فرمائی کہ:

''باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا''

قارئین کرام! اوکاڑوی صاحب نے ''طبرانی میں ہے'' لکھ کر جہاں اپنے ''معتقدین'' کو اپنے ''تبحر علمی'' کا ''ثبوت'' دیا ہے وہیں طبرانی کا مکمل حوالہ نہ دے کر علامہ ابن کثیر کے ''تبصرہ'' پر سب سے پہلے خود عمل کر کے بھی دکھایا ہے یعنی جب کوئی شخص علمی بددیانتی کا مظاہر کرتے ہوئے صحیح و مکمل حوالہ نہ دے بلکہ غلط حوالہ دے تو ایسی ''گندگیوں'' کی پردہ پوشی کرے۔

علامہ ابن کثیر نے مذکورہ تبصرہ جس روایت پر کیا ہے اسے باقاعدہ مع سند نقل کیا ہے جبکہ اوکاڑوی صاحب نے علامہ ابن کثیر کا تبصرہ تو نقل کر دیا لیکن ''نفس روایت'' کے لیے ''طبرانی میں ہے'' لکھ کر بلا سند اور نامکمل روایت پیش کر دی جسے ہم ''البدایہ والنہایہ'' سے ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیر (م 774ھ) فرماتے ہیں کہ:

''وقال الطبرانی: حدثنا محمد بن زکریا الغلابی ثنا ابن عائشة عن أبیه قال: کان یزید فی حداثته صاحب شراب یأخذ مأخذ الأحداث فأحس معاویة بذلک فأحب أن یعظه فی رفق، فقال: یا بنیّ ما أقدرک علٰی أن تصل الٰی حاجتک من غیر تهتک یذهب بمروتک وقدرک ویشمت بک عدوّک ویسیء بک صدیقک،

ثم قال: یا بنیّ انّی منشدک أبیاتاً فتأدّب بها واحفظها فأنشده:

انصب نهارا فی طلاب العلا	واصبر علٰی هجر الحبیب القریب
حتی اذا اللیل أتی بالدجا	واکتحلت بالغمض عین الرقیب
فباشر اللیل بما تشتهی	فانّما اللّیل نهار الاریب

كم فاسق تحسبه ناسكا	قد باشر الليل بامر عجيب
غطّى عليه الليل أستاره	فبات في امن و عيش خصيب
و لذة الاحمق مكشوفة	يسعى بها كل عدوّ مريب

قلت:وهذا كما جاء في الحديث: ''من ابتلي بشيء من هذه القاذورات فليستتر بستر الله عزّ و جلّ ''①

آخری شعر کے بعد نمبر (1) کے حاشیہ پر یہ لکھا ہوا ہے کہ:

''ونسبة هذا الشعر الٰی معاوية، فيه نظر۔ والله سبحانه وتعالٰی اعلم ''

امام ابن عساکر (م 571ھ) نے بھی یہ روایت بعض الفاظ کے حذف کے ساتھ نقل کی ہے لیکن مرکزی مضمون ایک جیسا ہی ہے۔ ملاحظہ ہو: ②

''اور طبرانی (م 360ھ) نے کہا: ہم سے محمد بن زکریا الغلابی (م بعد از 280ھ) نے وہ ابن عائشہ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ:

یزید بن معاویہ اپنی نوعمری میں ''شراب'' پیتا تھا اور اس سے لونڈے پن کی حرکتیں سرزد ہوتی تھیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے چاہا کہ نرمی کے ساتھ اسے نصیحت کریں تو فرمایا: اے میرے بیٹے: تم اپنی خواہش کی تکمیل پر پوری طرح قادر ہو بغیر اس کے کہ تم برسرعام ایسی آوارگی کرو جس سے تمہاری قدر و منزلت جاتی رہے، اس سے دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں۔

پھر فرمایا اے میرے بیٹے: میں تمہیں چند اشعار سناتا ہوں تو تم اس سے سیکھو اور اسے یاد کر لو۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے:

جب رات کی تاریکی چھا جائے اور دشمن سو جائیں تو رات میں جو چاہو کرو۔ کیونکہ رات چالاک لوگوں کے لیے دن ہے۔

کتنے فاسق ہیں جنہیں تم عبادت گزار سمجھتے ہو، انہوں نے رات میں عجیب و غریب کام

---

① البداية والنهاية: الجزء الثامن ص 250۔ مكتبة المعارف۔ الطبعة الخامسة، 1405ھ/1984ء

② تاریخ دمشق ص 403۔ جلد 65

کیے اور رات نے ان کے کام پر پردہ ڈال دیا۔

پھر ان لوگوں نے سکون اور رنگین عیش کے ساتھ رات گزاری اور بے وقوف کی لذتیں ظاہر ہو جاتی ہیں جس کی تاک میں ہر چالاک دشمن رہتا ہے۔

میں (یعنی ابن کثیر) کہتا ہوں کہ یہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شراب نوشی وغیرہ سے متعلق ......) نصیحت اس حدیث کے مطابق ہے جس میں ہے کہ جو شخص بھی ان جیسے امور میں مبتلا ہو تو چاہیے کہ اس پر پردہ ڈالے رہیں جس طرح اللہ عزوجل نے پردہ ڈالا ہے۔''

قارئین کرام! آپ نے بحوالہ ''البدایہ والنہایہ'' اصل روایت مع سند وترجمہ ملاحظہ فرمالی ہے اب اس کا موازنہ اوکاڑوی صاحب کی منقولہ روایت سے کریں:

علامہ ابن کثیر نے کہا کہ ''قال الطبرانی'' اوکاڑوی صاحب نے کہا کہ ''طبرانی میں ہے'' جبکہ وہ نقل ''البدایہ والنہایہ'' سے کر رہے ہیں کیونکہ انہوں نے طبرانی کی کتاب کا کوئی حوالہ نہیں دیا، پھر درمیان سے بغیر کسی وضاحت کے عبارت ترک کر دی، پھر اشعار کا ذکر کیے بغیر صاف طور پر لکھ دیا کہ:

''اور فرمایا: کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت وعیش میں گزارتے ہیں۔''

اوکاڑوی صاحب نے مزید ستم یہ کیا کہ ''سند'' کا ذکر بھی نہیں کیا حتیٰ کہ البدایہ والنہایہ کے اسی صفحہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ان اشعار کی نسبت کو جو ''محل نظر'' قرار دیا گیا تھا اسے بھی قصداً وعمداً نظر انداز کر دیا۔ جبکہ آخر میں علامہ ابن کثیر کی توثیق نقل کر کے اپنی مہر تصدیق بھی اس پر ثبت کر دی۔

علامہ ابن کثیر نے تو باقاعدہ اس کی ''سند'' لکھ دی پھر اس پر غور کیے بغیر جو اس کی ''توثیق'' کی وہ ان کی خطا اور تسامح ہے لیکن زیر بحث ''روایت'' کے متصل بعد یزید کے مناقب میں متعدد روایات نقل کر کے لکھا کہ:

''وقد أورد ابن عساکر أحادیث فی ذم یزید بن معاویة کلها موضوعة لایصح شئ منها...''①

① البدایہ والنہایہ جلد 8۔ ص 228 تا 231

یہاں یزید کے بجائے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''توہین'' زیر بحث ہے؛ اوکاڑوی صاحب نے اپنی ''مستدل'' روایت کی جب علامہ ابن کثیر سے ''توثیق'' نقل کی تو کیا ان کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ ''سند'' پر کلام کرتے؟ لیکن انہوں نے امانت و دیانت کے تقاضے کے خلاف ''سند'' کو بالکل ہی حذف کر دیا۔

مولانا مفتی عطاء اللہ صاحب، جامع مسجد حق چار یار ندیم پارک اوکاڑہ اپنے مضمون میں اوکاڑوی صاحب کی اس فن میں مہارت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

اسی طرح ایک مرتبہ فیصل آباد میں غیر مقلدین کے مشہور مصنف ارشاد الحق اثری کے ساتھ مناظرہ تھا تو کسی راوی پر بات چل نکلی۔ دوران گفتگو مولانا نے فرمایا کہ:

''اگر اس راوی کی توثیق یا تضعیف تمام کے تمام اسماء الرجال کے ذخیرہ سے دکھا دیں تو میں ابھی اپنی شکست لکھ کر دینے کو تیار ہوں۔''

ساتھیوں نے مولانا کو کہنی ماری کہ حضرت یہ اتنا بڑا دعویٰ کیوں فرما رہے ہیں؟ تو مولانا نے فرمایا: حوصلہ رکھیں، الحمدللہ میری پوری اسماء الرجال پر نظر ہے۔ ایسے ہی نہیں کہہ دیا اور واقعتاً ایسا ہی ہوا کہ غیر مقلد مولوی ارشاد الحق اثری مولانا کا مطالبہ پورا نہ کر سکا۔''[1]

سخت افسوس ہے کہ اوکاڑوی صاحب جیسے ماہر اسماء الرجال نے نہ صرف یہ کہ ''سند'' پر کوئی بحث نہیں کی بلکہ اس کا ذکر ہی حذف کر دیا۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ اوکاڑوی صاحب ''طبرانی میں ہے'' والی روایت محقق اہل سنت مولانا عبدالغفور سیالکوٹی صاحب کو ''مسکت'' جواب دینے کی غرض سے اپنے استدلال میں لائے ہیں۔ بعض وکلائے صفائی نے اوکاڑوی صاحب کو ''طبرانی'' اور ''البدایہ'' کا حوالہ دینے کی بناء پر بری الذمہ قرار دیا ہے۔ ''طبرانی یا البدایہ'' کا حوالہ جس انداز میں موصوف نے دیا ہے اس پر بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

''ایک ہے حوالہ دینا اور ایک ہے اس سے استدلال کرنا''

اگر بفرض محال، اوکاڑوی صاحب کو نامکمل اور ادھورا حوالہ دینے کی وجہ سے کسی درجہ میں بری

---

[1] ماہنامہ حق چار یار لاہور ص 206۔ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نمبر۔ اپریل 2001ء زیر عنوان: ''وہ اک چراغ، ہوا جس سے بچ کے چلتی تھی''

الذمہ قرار دے بھی دیا جائے تو انہیں اس سے ''استدلال'' کرنے کی بناء پر قطعاً اور ہرگز بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ انہوں نے ایک غلط واقعہ کی بنیاد پر یزید کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ نیچا دکھانے بلکہ بنانے کے لیے استدلال کیا ہے۔

قارئین کرام! اوکاڑوی صاحب کا یہ اعتراف او پر گزر چکا ہے کہ:

''الحمدللہ میری پوری اسماء الرجال پر نظر ہے......''

اگر بالفرض موصوف کی پورے اسماء الرجال پر نظر نہ بھی ہوتی تو پھر بھی موصوف کا فرض تھا کہ وہ اس روایت کی ''روایتاً و درایتاً'' تحقیق کرتے بالخصوص جبکہ علامہ ابن کثیر نے اس کی ''سند'' بھی دے دی تھی۔

علامہ ابن کثیر (م 774ھ) نے یہ روایت ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م 360ھ) کے حوالہ سے نقل کی ہے، طبرانی اسے محمد بن زکریا الغلابی (م بعد از 280ھ) بحوالہ لسان المیزان جلد 5 ص 169) سے اور غلابی اسے ابن عائشہ (م 228ھ) عبیداللہ بن محمد حفص بن عمر بن موسیٰ بن عبیداللہ بن معمر القرشی التیمی ابوعبدالرحمٰن البصری المعروف بالعیشی وبالعاشی وبابن عائشۃ لانہ من ولد عائشۃ بنت طلحۃ بن عبیداللہ، قدم بغداد۔ بحوالہ: تہذیب الکمال فی اسماء الرجال للمزی م742ھ المجلد الخامس ص60) اور ابن عائشہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابن عساکر (م 571ھ) اور امام ابن کثیر (م 774ھ) دونوں کی منقولہ روایت میں مرکزی راوی ''محمدبن زکریاالغلابی عن ابن عائشہ عن ابیہ'' ہے۔ آیئے دیکھیں کہ ائمہ اسماء الرجال اس ذات شریف کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں:

امام ذہبی (م 748ھ) لکھتے ہیں:

''وھو ضعیف'' اور وہ (یعنی غلّابی) ضعیف ہے۔ وقال ابن مندہ: ''تکلّم فیہ'' ابن مندہ نے کہا: اس میں کلام کیا گیا ہے۔ وقال الدارقطنی (م385ھ): ''یضع الحدیث'' اور دارقطنی نے کہا: یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔

امام ذہبی (م 748ھ) نے ''الغلاّبی'' کی ایک حدیث نقل کر کے آخر میں لکھا کہ:

''فھذا من كذب الغلابی''

یہ غلابی کی جھوٹی روایات میں سے ایک ہے۔ ①

امام ذہبی (م 748ھ) نے اس سے پہلے اسی کتاب میں ''عمار بن عمر بن المختار'' کے متعلق جہاں یہ لکھا ہے کہ: ''فيه كلام'' اس میں کلام ہے۔ وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''لٰكن الراوی عنه محمد بن زكريا الغلّابی، كذّاب'' ②

''لیکن اس سے روایت کرنے والا غلّابی بہت بڑا جھوٹا ہے۔''

امام ابن جوزی (م 597ھ) زیر عنوان: ''باب ذكر حديث موضوع علٰى معاوية'' زیر بحث حدیث (بروایت محمد بن عبدالملک بن خیرون (م 539ھ)، احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی (م 463ھ)، ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م 360ھ)، ابوجعفر محمد بن زکریا بن دینار الغلابی البصری، الاخباری (م بعد از 280ھ) اور ابن عائشہ (م 228ھ) عن أبیہ) نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

''ذكر معاوية فی هذا الحديث انما هو ممّن قصده بالشَّين و ذلك من فعل الغلابی، فانّه كان غالياً فی التشيّع، قال الدار قطنی و كان يضع الحديث'' ③

موصوف نے زیر بحث روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذکر کو ''غلابی'' کا بغض معاویہؓ قرار دینے کے ساتھ ساتھ ''غلابی'' کو تشیع میں غالی بھی قرار دیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ) نے امام ذہبی رحمہ اللہ (م 748ھ) کی غلّابی پر جرح نقل کر کے مزید لکھا کہ:

''فی روايته عن المجاهيل بعض المناكير''

اس کی مجاہیل سے منقول بعض منکر روایات بھی ہیں۔

پھر ایک حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

''رواته ثقات الّا محمد بن زكريا و هو الغلّابی فهو افته''

---

① ميزان الاعتدال فی نقد الرجال جلد 4۔ ص 119-120 تحت رقم 7112۔ بیروت۔ طبع اول 1430ھ/2009ء

② حوالہ مذکور ج 3 ص 176۔ تحت عمار ابن عمر بن المختار۔ تحت رقم: 5687

③ کتاب الموضوعات من الاحادیث المرفوعات۔ ص 735۔ دار ابن حزم بیروت۔ الطبعة الاولٰی 1429ھ/2008ء

اس کے راوی ثقہ ہیں سوائے محمد بن زکریا کے اور وہ غلّابی ہے۔ یہ (من گھڑت حدیث) اسی کی آفت ہے۔ ①

امام ذہبی رحمہ اللہ (م 748ھ) نے ''الغلابی'' کی ایک روایت ''عن ابن عائشة عن ابيه'' نقل کر کے لکھا کہ ''هذا حديث معضل'' یہ حدیث معضل ہے۔ ②

جہاں تک زیر بحث ''روایت'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اشعار کا تعلق ہے تو اول تو ''البداية والنهاية'' کے اسی صفحہ پر حاشیہ میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ:

''ونسبة هذا الشعر الى معاوية فيه نظر''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ان اشعار کی نسبت محل نظر ہے۔ ملاحظہ ہو: ③

جبکہ امام ابن جوزی (م 597ھ) نے مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ:

''وانّما هذه الابيات ليحی بن خالد بن برمک، کتبها الى ابنه عبدالله، وکان قد أحب جارية مغنية، فاشتراها سرا، وانقطع عن أبيه أياما فكاتبه بهذا''

یہ اشعار یحییٰ بن خالد برمکی کے ہیں جو اس نے اپنے بیٹے کی طرف لکھے ہیں . . .

ملاحظہ ہو: ④

قارئین کرام! اوکاڑوی صاحب کی زیر بحث عبارت کا روایتاً تجزیہ ائمہ اسماء الرجال کی آراء کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے کہ اس کا مرکزی راوی ''محمد بن زکریا الغلابی'' ضعیف، فیہ کلام، متکلم فیہ، واضع الحدیث یعنی جھوٹ حدیث گھڑنے والا، کذاب (بہت جھوٹ بولنے والا) اور شیعیت میں انتہائی غالی ہے۔

جو اشعار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں ان کی نسبت محل نظر اور بالکل غلط ہے۔ وہ اشعار یحییٰ بن خالد برمکی کے ہیں جو اس نے اپنے بیٹے کی طرف لکھے تھے یا جنہیں ''الغلابی'' کذاب، واضع الحدیث اور غالی فی التشیع نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا۔

① لسان المیزان ج5 ص168-169 تحت محمد بن زکریا الغلابی۔ رقم 571
② میزان الاعتدال ج ص 120
③ البداية والنهاية، ج8۔ ص250۔ مکتبۃ المعارف بیروت
④ کتاب الموضوعات من الاحادیث المرفوعات'' ص 735۔ تحت ''باب ذکر حديث موضوع على معاوية''

اصول درایت کے اعتبار سے بھی زیر بحث روایت کلی طور پر لغو، باطل اور مردود ہے۔

اوکاڑوی صاحب نے اپنے کھلے خط میں محقق اہل سنت مولانا ابو ریحان عبد الغفور سیالکوٹی صاحب کے متعلق لکھا کہ وہ عہد صحابہ و تابعین میں ''فسقِ یزید'' کے ''مختلف فیہ'' ہونے پر کوئی مستند حوالہ پیش نہیں کر سکے اس لیے اوکاڑوی صاحب نے انہیں ''لاجواب'' کرنے کی خاطر زیر بحث روایت بطور استدلال اور حجت قاطعہ پیش کر دی اور اس سے پہلے یہ لکھا کہ:

''یزید 25ھ یا 26ھ یا 27ھ میں پیدا ہوا۔ بچپن سے ہی شوخ مزاج تھا۔ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ ایک غلام کو پیٹ رہا ہے تو انہوں نے ڈانٹا کہ تو اس کو مار رہا ہے جو تجھ سے بدلہ نہیں لے سکتا۔

اسی طرح عطا بن سائب فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے پر اس قدر غضب ناک ہوئے کہ اس سے قطع تعلق کر لیا۔ اس پر حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سفارش کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید سے راضی ہوئے اور ایک لاکھ درہم بھی دیے۔ یزید نے پچاس ہزار درہم اور پچاس کپڑے احنف کو دے دیے۔''①

اس عبارت کے متصل بعد اوکاڑوی صاحب نے ''طبرانی میں ہے'' والی زیر بحث عبارت نقل کی ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ربیع الاول 41ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد سریر آرائے خلافت ہوئے۔ اوکاڑوی صاحب کی تحقیق کے مطابق اس وقت یزید کی عمر بالترتیب 16، 15، 14 سال تھی۔ ظاہر ہے کہ نوجوانی کی عمر اس سے کچھ عرصہ بعد ہی شروع ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ یزید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شراب نوشی اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا رہا۔

اوکاڑوی صاحب کی منقولہ ایک دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید یہ حرکات (زنا کاری) دوسری خواتین کے علاوہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحبت یافتہ لونڈیوں ان کی بیٹیوں (یعنی اپنی بہنوں) اور اپنی بیٹیوں سے بھی کرتا رہا۔ چنانچہ اوکاڑوی صاحب مولانا محمد اورک زئی صاحب مہتمم

① تجلیات صفدر ج 1 ص 519۔ طبع اول 1996ء

جامعہ یوسفیہ ہنگو ضلع کوہاٹ کے نام اپنے کھلے خط میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عبداللہ بن حنظلہ بن الغسیل نے مدینہ منورہ میں حلفیہ اعلان فرمایا:

واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا أن نرمی بالحجارۃ من السماء ان کان رجلاً ینکح امھات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ①

خدا کی قسم ہم یزید کے خلاف اس وقت تک نہیں اٹھے یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا اب نہ اٹھنے سے آسمان سے ہم پر پتھر نہ برس پڑیں۔ یہ وہ آدمی ہے جو باپ کی ان لونڈیوں سے بھی صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی اور وہ بیٹیوں اور بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا......''②

اوکاڑوی صاحب یہ روایت بھی بسلسلہ ''فسق یزید'' اپنے استدلال میں لائے اور یہاں بھی بدترین علمی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس مکروہ ومکذوبہ روایت کو براہ راست صحابی رسول کی طرف منسوب کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے الصواعق المحرقہ ص 221 کا جو حوالہ دیا ہے اس میں صاف طور پر ابن حجر ہیتمی (م 974ھ) نے لکھا ہے کہ:

''**فقد أخرج الواقدی من طرق ان عبداللہ بن حنظلۃ ابن الغسیل...**'' لیکن اوکاڑوی صاحب جیسے ماہر اسماء الرجال نے محمد بن زکریا الغلابی کی طرح ''محمد بن عمر واقدی'' کذاب کا ذکر بھی حذف کر دیا۔

صد افسوس اوکاڑوی صاحب نے ایک کذاب راوی کی ایک موضوع روایت کی بناء پر ایک گھناؤنا الزام عائد کر دیا جس کی زد براہ راست صحابی رسول حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر پڑتی ہے۔

بقول اوکاڑوی صاحب ایک غلام کو مارنے جیسے ایک معمولی ''جرم'' کی بناء پر تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹا اور اس کے ساتھ ناراض ہو گئے حتیٰ کہ حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ کو باپ بیٹے کے درمیان صلح کرانی پڑی۔ لیکن اسلامی حدود کی دھجیاں بکھیر کر انتہائی گھناؤنے اور سنگین ترین

① الصواعق المحرقۃ ص 221
② تجلیات صفدر ص 540۔ جلد اول طبع اول 1996ء

جرائم کے مرتکب یزید کو ایک صحابی رسول ﷺ اور خلیفۂ وقت نرمی سے نصیحت فرماتے ہیں پھر دن کے بجائے رات کو ایسے ''فاسقانہ امور'' سرانجام دینے کی تلقین کرتے ہیں۔

مقام صحابیت سے آشنا لوگ ہی اس بات کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس ''نصیحت'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کس قدر توہین پائی جاتی ہے۔

اوکاڑوی صاحب نے جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شدید ترین توہین کا ارتکاب کیا ہے وہیں اسلام کے نظام عدل اور حدود وتعزیرات کے قوانین پر بھی کاری ضرب لگائی ہے کہ ایک خلیفہ راشد، عادل و برحق نے ایسے ''مجرم'' پر حد یا تعزیر جاری کرنے کے بجائے اسے خفیہ طور پر ''مجرمانہ وفاسقانہ'' امور سرانجام دینے کی نصیحت فرمادی اور بقول اوکاڑوی صاحب ''باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا۔''

کیا نبی اکرم ﷺ کا تربیت یافتہ صحابی خلیفۂ وقت جب اپنے گھر میں اسلامی قانون پر عمل نہیں کرا سکتا تو وہ ملک میں اسے کیا نافذ کرائے گا؟

ستم بالائے ستم یہ کہ اوکاڑوی صاحب کے پیرومرشد جناب قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی اوکاڑوی صاحب کی منقولہ زیر تبصرہ روایت کی تائید، تصدیق وتوثیق کردی کہ:

''پاکستان میں محمود احمد عباسی نے اپنی تصانیف میں یزید کو خلیفۂ راشد قرار دیا اور بعض دیوبندیت کی طرف منسوب اہل علم نے بھی عباسی کی تحریرات سے متاثر ہو کر اس کا عقیدہ اپنالیا۔ چنانچہ ابوریحان مولوی عبدالغفور صاحب سیالکوٹی مؤلف کتاب ''سبائی فتنہ'' بھی اس زمرے میں شامل ہیں۔

مناظر اسلام مولانا اوکاڑوی نے یزیدیت کے رد میں بھی قلم اٹھایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کھلا خط بنام ابوریحان صاحب لکھا تھا جو تجلیات صفدر جلد اول میں شائع ہو گیا ہے اور جس میں آپ نے اپنی مناظرانہ علمی صلاحیت کے ذریعہ ان کو لاجواب اور بے بس کردیا۔''[1]

قاضی صاحب نے مذکورہ مضمون اوکاڑوی صاحب کی وفات کے بعد تجلیات صفدر میں

[1] ماہنامہ حق چاریار لاہور اپریل 2001ء۔ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نمبر تحت: ''امین ملت مولانا اوکاڑوی''، ماہنامہ الخیر ملتان اشاعت خاص۔ بیاد مناظر اسلام وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نوراللہ مرقدہ، اگست تا نومبر 2001ء ص 40

1996ء میں لکھے گئے ان کے ''کھلا خط'' (بنام ابوریحان صاحب رحمہ اللہ) پڑھنے کے بعد لکھا۔

قاضی صاحب اور اوکاڑوی صاحب (پیرومرید) دونوں نے علمی خیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''محمد بن زکریا الغلابی اور واقدی'' جیسے کذاب اور واضعین کی روایات پر بھروسہ کرتے ہوئے اور ان کا نام سرے سے حذف کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ پر گھناؤنے الزامات عائد کر دیے۔ حالانکہ یہ سبائی مفسدوں کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افترا پردازی ہے۔ کیا ایک لمحہ کے لیے بھی یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی ثبوت وشرعی دلیل کے یہ ''دعویٰ'' کیا ہوگا کہ ''یزید اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ زنا کرتا تھا''

یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو یہ نصیحت کی ہو کہ بیٹا دن کے وقت نہیں رات کو جب رقیب کی آنکھ سو جاتی ہے اس وقت ایسے فاسقانہ امور سرانجام دے دیا کرو۔

ایسی روایات کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف نسبت تو کجا انہیں نقل کرنا بھی حرام ہے۔ سخت تعجب ہے کہ اوکاڑوی صاحب کی منقولہ (از واقدی اور الغلابی کذاب اور غالی فی التشیع) روایات کی تردید کے بجائے قاضی مظہر حسین صاحب نے یزید کی زناکاری اور شراب نوشی کے ثبوت میں پیش کردہ ''مضبوط وقوی'' دلائل کی بنیاد پر یہ تبصرہ کر دیا کہ:

> ''آپ نے اپنی مناظرانہ علمی صلاحیت کے ذریعہ ان (یعنی سیالکوٹی صاحب رحمہ اللہ) کو لاجواب اور بے بس کر دیا۔''

اوکاڑوی صاحب نے زیر بحث روایت سے ''استدلال'' کرتے ہوئے اسے اپنے ''دعویٰ'' کی تائید میں بطور دلیل پیش کیا اور ''تحریک خدام اہل سنت کے بانی، وکیل صحابہ اور قائد اہل سنت'' جناب قاضی مظہر حسین صاحب نے باقاعدہ تحریری طور پر اس ''مکذوبہ وموضوعہ'' اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شدید توہین پر مبنی اس روایت کے ساتھ اپنے کامل اتفاق کا اظہار کر دیا۔ فوا اسفا۔

جبکہ یزید کے ''فسق'' کے قائلین کے نزدیک بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے ''فاسقانہ'' اعمال سے بے خبر تھے۔ چنانچہ حضرت نانوتوی لکھتے ہیں کہ:

> ''تا وقتیکہ امیر معاویہ، یزید پلید را ولی عہدِ خود کردند فاسق معلن نہ بود۔ اگر چیزے کردہ باشد در پردہ کردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را ازاں خبر نہ بود''

''جس وقت کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید پلید کو اپنا ولی عہد بنایا تھا تو وہ علانیہ فاسق نہ تھا۔ اگر اس نے کچھ کیا ہوگا تو در پردہ کیا ہوگا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہ تھی۔''①

اوکاڑوی صاحب نے خود بھی اسی تجلیات صفدر میں مولانا محمد امین اورکزئی صاحب کے نام اپنے کھلے خط میں بحوالہ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ یہ لکھا ہے کہ:

''تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ اس کے فسق وفجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی اطلاع ان کو نہ تھی۔''②

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی گواہی کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کے ''اعمال بد'' سے بے خبر تھے جبکہ اوکاڑوی صاحب (مصدقہ قاضی مظہر حسین صاحب) نے ایک کذاب اور غالی شیعہ راوی الغلاّبی پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انتہائی گھناؤنا الزام عائد کر دیا کہ انہوں نے یزید کے ''فاسقانہ اعمال'' سے آگاہ ہونے کے باوجود، دن کے بجائے رات کو سر انجام دینے کی نصیحت کر دی۔ یہی نہیں بلکہ اس پر اپنا تبصرہ بایں الفاظ لکھ دیا کہ:

''باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا۔''

اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید کے اعمال بد سے باخبر اور آگاہ تھے۔ **فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔**

---

① شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ وکردار یزید ص 76۔ ناشر: تحریک خدام اہل سنت والجماعت لاہور

② مکتوبات شیخ الاسلام ص 271 جلد 1 مکتوب نمبر 78۔ بحوالہ تجلیات صفدر جلد اول ص 536، طبع اول 1996ء فیصل آباد، مکتبہ امدادالعلوم ملتان ص 583۔ بعد از وفات اوکاڑوی

93

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو دھمکانا وڈرانا

جناب محمد امین صفدر اوکاڑوی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (م 50ھ) کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوجہ کبر سنی امارتِ کوفہ سے معزول کر دیا اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص کو اس کی جگہ گورنر بنایا جائے تو مغیرہ رضی اللہ عنہ اس سے نادم ہوئے اور انہوں نے آکر یزید کو کہا کہ تم اپنے باپ سے مطالبہ کرو وہ تمہیں ولی عہد بنا دے تو یزید نے باپ سے عرض کر دیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمہیں مطالبہ کا مشورہ کس نے دیا ہے؟ یزید نے کہا: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کو مغیرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اس کو امارتِ کوفہ پر برقرار رکھا اور اسے حکم دیا کہ یزید کی ولی عہدی کے لیے کوشش کرو۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کوشش شروع کر دی......

پھر اسی سال کے آخر میں 51ھ میں جب زیاد مر گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منظم طور پر ولی عہدی کی تحریک شروع کی تو پانچ حضرات کے علاوہ سب نے بیعت ولی عہدی کر لی۔ ان پانچ حضرت کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ڈراتے دھمکاتے رہے۔''[1]

اوکاڑوی صاحب نے مذکورہ عبارت میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کے لیے بہ تکرار ''اس کی، اس کو، اسے'' جیسے تنقیصی الفاظ استعمال کیے۔ ان کی وفات کے بعد بھی اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے مگر ان میں بھی برابر یہی الفاظ شائع ہو رہے ہیں۔

مذکورہ عبارت میں موصوف نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر یزید کی ولی عہدی کا مشورہ دے کر جہاں ''گورنری'' بچانے کا الزام عائد کیا وہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بیعت نہ کرنے والے پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت حسین

---

[1] تجلیات صفدر جلد اول ص 521-522 طبع اول 1996ء

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) کو دھمکانے ڈرانے کا الزام بھی عائد کیا۔ ان الزامات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، تابعین عظام اور خیر القرون کا جس قدر مکروہ نقشہ سامنے آتا ہے وہ محتاج وضاحت نہیں ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے جن کی ذہانت وفطانت اور تدبر وسیاست کا اعتراف سبھی موافق ومخالف اور ارباب سیر وتاریخ نے کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر نقاب اوڑھے اور ہتھیار سجائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی خاطر کھڑے رہے۔ پھر ''بیعت رضوان'' کا عظیم شرف حاصل کر کے ''اصحاب الشجرة'' کی مقدس جماعت میں شامل ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں متعدد غزوات (خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک) میں حصہ لیا اور حجۃ الوداع میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لحد میں اتارتے وقت انگوٹھی قبر میں گر گئی۔ اس لیے قبر میں اترے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کو ہاتھ لگایا اور آنکھوں سے سیل اشک بہاتے ہوئے قبر مبارک سے باہر آئے۔ بعد میں وہ اس واقعہ کو لوگوں کے سامنے بطور فخر بیان کرتے تھے کہ میں تم سب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے والا آخری شخص ہوں۔

''حجۃ اللہ فی الارض، زبدۃ المحدثین اور بانی اتحاد اہل سنت'' نے یزید کی ولی عہدی سے متعلق جس روایت کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر دھونس، دھاندلی، جبر وتشدد اور مکر وخدع کے جو الزامات عائد کیے ہیں وہ روایت ہی سرے سے روایتاً اور درایتاً ناقابل قبول ہے۔

موصوف نے خود حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا سالِ وفات 50ھ تحریر کیا ہے جب کہ گورنری بچانے، یزید کی ولی عہدی کے لیے زمین ہموار کرنے، وفود تیار کر کے دمشق بھیجنے جیسے سارے واقعات 56ھ کے ذیل میں ملتے ہیں۔ اگر بالفرض یزید کی ولی عہدی سے متعلق یہ روایت صحیح ہے تو پھر ان واقعات کا ذکر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی وفات (50ھ) سے پہلے کیوں نہیں ملتا جب وہ زندہ تھے؟ تاریخ میں 45ھ میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے استعفیٰ کا ذکر آیا ہے لیکن جس معزولی اور دوبارہ تقرری کا تعلق یزید کی ولی عہدی کے ساتھ بانی اتحاد اہل سنت نے جوڑا ہے اس کا ذکر اور اس کے اہم متعلقات کے نتائج کا ذکر سن وقوعہ کے اندر نہیں بلکہ 56ھ کے ذیل میں ملتا ہے جس سے چھے سال قبل ہی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ وفات پا چکے تھے۔

اگر یزید کی ولی عہدی کی تجویز حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی گورنری بچانے کے لیے دی ہوتی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر اپنی ''صفائی'' پیش کرتے ہوئے یہ وضاحت کیوں نہیں کی کہ یہ تجویز تو ایک غیر اموی جلیل القدر صحابی رسول ﷺ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پیش کی ہے۔

''زبدۃ المحدثین'' جناب ماسٹر اوکاڑوی صاحب نے یزید کی ولی عہدی سے متعلق جس روایت کا ذکر کیا ہے اس میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ:

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر) فرمایا کہ کوفہ والوں کو (متفق کرنے کے لیے) میں کافی ہوں، بصرے کے لیے زیاد موجود ہے اور ان دو بڑے شہروں کے بعد کوئی نہیں رہ جاتا جو آپ کی مخالفت کرے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ اچھا آپ اپنے منصب پر واپس جائیں اور اپنے بھروسے کے لوگوں سے بات چیت کریں۔ یہ کہہ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں رخصت کیا اور یہ لوٹ کر اپنے دوستوں میں پہنچے اور بولے کہ:

''میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا پاؤں ایسی رکاب میں پھنسایا ہے کہ اب نکلنے والا نہیں ہے اور امت محمدیہ میں پھوٹ کا وہ سامان کیا ہے اب ابد تک اس میں جوڑ کی صورت نہ ہو۔''[1]

ظاہر ہے کہ جناب ماسٹر اوکاڑوی صاحب نے اپنی پیش کردہ روایت میں یہ حصہ بھی ضرور ملاحظہ فرمایا ہوگا لیکن سخت حیرت ہے کہ وہ اس ''تبرا'' کے باوجود روایت کی صحت پر ایمان لے آئے اور اسے اپنے ''معرضِ استدلال'' میں پیش کر دیا۔

قارئین کرام! کیا ایک لمحہ کے لیے بھی یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ جیسے صاحب فضیلت صحابی، یکے از اصحابِ بیعت رضوان اور مجاہد ''جیش العسرۃ'' (غزوہ تبوک) نے دنیا کی ایک حقیر غرض یعنی امارت کوفہ کو بچانے کے لیے قصداً و عمداً نہ صرف اسلام دشمنی کا یہ کام کیا کہ وہ اس تجویز کے ذریعے امت مسلمہ کو تباہی و بربادی کے راستے پر ڈال رہے ہیں بلکہ دوستوں کی محفل میں اس ''کارنامے'' کو فخر سے بیان بھی کر رہے ہیں۔ کوئی مومن بالقرآن کسی صحابی کے بارے میں اس طرح کی کوئی روایت تسلیم نہیں کر سکتا۔

---

[1] ابن اثیر جلد 3 ص 249

جبکہ سند کے اعتبار سے بھی یہ روایت انتہائی مخدوش ہے۔ قطع نظر دیگر رواۃ کے اس کا ایک راوی علی بن مجاہد ہے جس کے متعلق ابن معین فرماتے ہیں کہ: ''کان یضع الحدیث ''[1] وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ جو شخص احادیث وضع کرنے کا عادی ہو تو ایسا شخص تاریخی روایات میں کیا کچھ نہیں کرتا ہوگا؟

جناب اوکاڑوی صاحب کی اس ناروا جسارت پر سخت تعجب ہے کہ انہوں نے اس حیثیت کی حامل روایت کے پیش نظر حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما پر انتہائی مکروہ اور گھناؤنے الزامات عائد کر دیے۔

اعتراض نمبر 92 کے تحت اوکاڑوی صاحب نے ''طبرانی میں ہے'' کا تو ذکر کیا لیکن حوالہ دینے میں نہ صرف وہ خود اپنی زندگی میں بلکہ آج (6 ستمبر 2019ء) تک ان کے معتقدین اور وکلائے صفائی بھی بری طرح ناکام رہے، اسی طرح امام ابن کثیر سے اس کی توثیق کرائی تو صرف ''البدایہ'' لکھنے پر اتفاق کیا اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی تو ''الغلابی'' کی طرح کذاب راوی واقدی کا ذکر ہی سرے سے حذف کر دیا۔

اب زیر بحث مسئلہ میں حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہما پر خود غرضی، مفاد پرستی، طمع ولالچ اور ڈراوے دھمکاوے جیسے گھناؤنے الزامات عائد کیے تو بلا حوالہ ہی نقل کرتے چلے گئے جس کی ان کے مرشد قاضی مظہر حسین صاحب نے ''توثیق وتصدیق'' کرتے ہوئے اسے ''مناظرانہ علمی صلاحیت'' قرار دیا۔ (حوالہ پیچھے گزر چکا ہے) جو درحقیقت بدترین دجل وفریب ہے، نہ کتاب کا نام ہے نہ راوی کا نام ہے۔ اس نوعیت کی جو روایات کتب تاریخ میں ملتی ہیں ان کے رواۃ میں ایک راوی ''علی بن مجاہد'' کا ذکر تو اوپر ہوا ہے؛ وہ کذاب اور واضع الحدیث ہے جبکہ دوسرا راوی ''واقدی'' ہے جس کا حال بھی بیان ہو چکا ہے۔

اوکاڑوی صاحب کو ذرا بھی حیا مانع نہیں ہوئی کہ انہوں نے کس دیدہ دلیری کے ساتھ کذاب، وضّاع، مفتری، غیر معتبر اور مجہول الحال راویوں پر اعتماد کر کے نیز ان کے نام مخفی رکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کو داغدار کرنے کی مذموم کوشش کی ہے؛ کوئی مومن بالقرآن ان واہی اور بے ہودہ روایات کو ایک لمحہ کے لیے تسلیم نہیں کر سکتا۔

---

[1] میزان الاعتدال جلد 3 ص 152

94

خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد کسی خلیفہ کا مومن صالح ثابت کرنا مشکل ہے

تحریک خدام اہل سنت کے بانی مولانا قاضی مظہر حسین صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اور چونکہ وعدہ خداوندی حکومت وخلافت کا مومنین صالحین ہی کے لیے تھا اس لیے ثابت ہوا کہ ارادہ خداوندی میں یہی تھا کہ ان اصحاب اربعہ رضی اللہ عنہم کو ہی منصب خلافت عطا کیا جائے گا اس لیے ان چار یار کی خلافت راشدہ موعودہ کا کوئی مومن بالقرآن انکار نہیں کر سکتا۔

برعکس اس کے اگر '' مِنكُمْ '' اور ﴿ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ ﴾ کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس وعدہ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے ان خلفاء کا مومنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا پھر اس کے بعد ان کو خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے گا اور خلفائے اربعہؓ کے بعد تو کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے، مخالفین کے لیے بحث کا دروازہ کھل جائے گا اور خلفاء صحابہ کے بعد تو اہل السنت والجماعت کے لیے تاریخی روایات وواقعات کے پیش نظر یہ فیصلہ کرنا بہت دشوار ہوگا کہ فلاں خلیفہ صالح تھا یا نہیں۔''[1]

قاضی صاحب کی مذکورہ عبارت سے صاف طور پر یہ مطلب سمجھ آتا ہے کہ اگر آیت استخلاف یا آیت تمکین کو نظر انداز کر کے اس وعدہ کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے ان خلفاء کا ''مومنین صالحین'' ہونا ثابت کرنا پڑے گا اگر وہ ''مومن صالح'' ثابت ہو گئے تو انہیں خلیفہ راشد تسلیم کیا جائے گا اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے۔

آیت استخلاف میں تو ''ایمان اور صالحیت'' کی شرط موجود ہے جس سے غیر مومن اور غیر صالح تو اس کا مصداق ہو ہی نہیں سکتے۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد بالترتیب حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پانچویں اور چھٹے درجہ پر منصب خلافت پر سرفراز ہوئے، کیا ان کے لیے ''ایمان اور

[1] حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی/ غالی گروہ ص 39۔ مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت پاکستان 1409ھ/ 1989ء

صالحیت'' کا ثبوت ''مشکل'' ہے؟ پھر معلوم نہیں کہ موصوف کو یہ الفاظ لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ ظاہر ہے کہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے استثنیٰ کے بعد سب سے پہلے حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی شخصیات ہی زیر بحث آئیں گی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو تو قاضی صاحب نے ''خلیفہ راشد'' تسلیم کرتے ہوئے لکھا کہ:

''اور اگر اکابر محققین میں سے کسی بزرگ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد لکھا ہے تو اس سے مراد بھی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد نہیں ہیں بلکہ ان کے رشد و ہدایت کے خاص رنگ کی وجہ سے آپ کو راشد خلیفہ قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت قرآن کے موعودہ چار خلفائے راشدین کی خلافت کا تتمہ ہے اور آپ کی سیرت خلفائے راشدین کی سیرت سے خاص مشابہت رکھتی ہے...... تیس سالہ مدت خلافت میں چار موعودہ خلفائے راشدین کا زمانہ قریباً ساڑھے انتیس برس ہے اور باقی چھ ماہ کی خلافت موعودہ خلافت راشدہ کا تتمہ ہے۔''①

موصوف مزید لکھتے ہیں کہ:

''یہ صحیح ہے کہ قرآن میں صحابہ کرام کو راشدون فرمایا ہے اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ہادی و مہدی ہونے کی دعا فرمائی ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ ''راشد'' کا معنی ہدایت والا اور ''مہدی'' کا معنی بھی ہدایت یافتہ ہے تو جب قرآن نے راشد فرما دیا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کیوں فرمائی۔ کیا قرآن کا اعلان کافی نہیں تھا؟ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ از روئے قرآن آیت استخلاف کا مصداق ہونے کی وجہ سے خلیفہ راشد تھے تو پھر دعا کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر آیت کے پیش نظر مکرر دعا بھی فرماتے تو یہ دعا ہونی چاہیے تھی کہ

''اللّٰهم اجعله خليفتاً راشداً''

اے اللہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد بنا......

ایک صحابی بحیثیت صحابی راشد ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بحیثیت خلیفہ بھی قرآن وحدیث کے موعودہ خلیفہ راشد ہوں کیونکہ موعودہ خلافت راشدہ میں رشد کے جس درجہ کی ضرورت ہے وہ ان کو حاصل نہیں ہے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہ مخصوص مقام رشد حاصل ہوتا تو عشرہ مبشرہ میں بھی ان کو

① عقیدہ خلافت راشدہ اور امامت ص 14۔ مطبوعہ 1408ھ/ 1988ء

بذریعہ وحی ضرور شامل کیا جاتا۔''①

سخت تعجب ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیت استخلاف وآیت تمکین کا مصداق قرار نہ دینے کے باوجود خلافت راشدہ ''موعودہ'' کا تتمہ قرار دیتے ہوئے خلافت راشدہ تسلیم کیا ہے اور پھر انہیں ''رشد وہدایت'' کے خاص رنگ کی وجہ سے بھی خلیفہ راشد لکھا ہے۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہی کی طرح ''رشد وہدایت کے خاص رنگ'' کی وجہ سے خلیفہ راشد قرار نہیں دیا جا سکتا تھا؟

یہ بات صحیح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درجے باہم متفاوت ہیں حتیٰ کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا باہمی درجہ ومقام بھی یکساں نہیں ہے۔ کیا قاضی صاحب وامثالہ یہ بتا سکتے ہیں کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو ایک جیسا رشد وہدایت کا درجہ حاصل تھا؟ کیا قرآن وحدیث میں ''رشد'' کی درجہ بندی کی گئی ہے؟

قرآن نے تو صحابہ کو ''من حیث الطبقہ'' الراشدون کہا لیکن معلوم نہیں کہ قاضی صاحب نے کس ''آلہ'' کی مدد سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''رشد'' کو ناپ کر اسے ناقص اور غیر معیاری قرار دیتے ہوئے انہیں زمرہ خلفائے راشدین سے خارج کر دیا۔

موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے غیر راشد ہونے پر ایک دلیل یہ بھی دی کہ:

''اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہ مخصوص مقامِ رشد حاصل ہوتا تو عشرہ مبشرہ میں بھی ان کو بذریعہ وحی ضرور شامل کیا جاتا۔''

قاضی صاحب نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ''خلیفہ راشد'' تسلیم کیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ بھی ''عشرہ مبشرہ'' میں شامل ہیں؟ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ ''آیت استخلاف اور آیت تمکین'' کے مصداق نہ ہو کر اور ''عشرہ مبشرہ'' سے خارج ہو کر بھی خلیفہ راشد ہو سکتے ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آخر یہ سلوک کیوں روا رکھا جا رہا ہے۔

قاضی صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ:

''یہ صحیح ہے کہ قرآن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ''راشدون'' فرمایا ہے اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ہادی ومہدی ہونے کی دعا فرمائی ہے......''②

---

①② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص 55-56

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ از نص قرآنی ''الراشد'' اور از روئے حدیث ''ہادی ومہدی'' ہیں، بعد ازاں وہ منصب خلافت سے بھی سرفراز ہوئے پھر انہیں زمرہ خلفائے راشدین سے کیوں کر خارج قرار دیا جا سکتا ہے؟ ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ جملہ اسمیہ ہے اس میں دوامِ رشد اور ثبات واستقامت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دورانِ خلافت بھی اس صفت سے متصف رہے ہیں اور کوئی مومن بالقرآن اس بات کا انکار نہیں کر سکتا۔

جہاں تک قاضی صاحب کے اس ''سوال'' کا تعلق ہے کہ:

''راشد کا معنی ہدایت والا اور مہدی کا معنی بھی ہدایت یافتہ ہے تو جب قرآن نے راشد فرما دیا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کیوں فرمائی؟ کیا قرآن کا اعلان کافی نہیں تھا؟'' ①

حالانکہ موصوف اسی صفحہ کے بالکل سامنے (صفحہ نمبر 54 پر) بحوالہ ملا علی قاری خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو حدیث ''عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين۔۔۔ '' کا مصداق قرار دے چکے ہیں۔ قاضی صاحب نے وہاں تو یہ اعتراض نہیں کیا کہ جب ''راشد'' کا معنی ہدایت والا اور ''مہدی'' کا معنی ہدایت یافتہ ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے لیے ''الخلفاء الراشدين المهديين'' کے الفاظ کیوں استعمال فرمائے؟ کیا ان کے لیے بھی ''الرَّاشِدُونَ'' کا قرآنی اعلان کافی نہ تھا؟

حضرت قاضی صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیتے ہوئے یہ بات لکھ چکے ہیں کہ:

''اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ از روئے قرآن آیت استخلاف کا مصداق ہونے کی وجہ سے خلیفہ راشد تھے تو پھر دعا کی کیا ضرورت تھی اور اگر آیت کے پیش نظر مکرر دعا بھی فرماتے تو یہ دعا ہونی چاہیے تھی کہ ''اللّٰهم اجعله خليفتاً راشداً'' اے اللہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد بنا'' ②

حضرت قاضی صاحب کے نزدیک بھی خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم آیت استخلاف کا مصداق ہونے کی وجہ سے ہی خلفائے راشدین کہلاتے ہیں تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں ''المهديين'' کہنے کی کیا ضرورت

①② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص 55

تھی؟ اور موصوف جو ''ثبوت'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ راشد ہونے کے لیے طلب کر رہے ہیں تو کیا وہ خود بھی خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کے لیے فراہم کر سکتے ہیں؟ یعنی ''**اللّٰھم اجعل ابابکر (وعمر وعثمان وعلیاً) خلیفتاً راشداً**''

قارئین کرام! یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''خلیفہ راشد'' ہونا زیر بحث نہیں ہے۔ اس موضوع پر تفصیل کے خواہش مند حضرات راقم الحروف کی 832 صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب کا یہ ''دعویٰ'' (کہ ''خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم'' کے بعد کسی کو خلیفہ راشد ماننے کے لیے اس کا ''مومن صالح'' ثابت کرنا ضروری ہے جو ایک مشکل امر ہے) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''تنقیص'' پر مبنی ہے۔

خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو تو موصوف نے خلافت راشدہ موعودہ کا تتمہ اور مخصوص ''رشد'' کی بناء پر ''خلفائے راشدین'' میں شامل کر دیا ہے جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس زمرہ سے خارج قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ''اربعہ رضی اللہ عنہم'' میں شامل نہیں ہیں۔ قاضی صاحب کی ظاہر عبارت سے یہی بات واضح ہو رہی ہے کہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد کسی خلیفہ کا ''مومن صالح'' ثابت کرنا مشکل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تو خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہی آتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو قاضی مظہر حسین صاحب کسی صورت میں اصطلاحی معنی میں ''خلیفہ راشد'' تسلیم نہیں کرتے لہٰذا وہ رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک ''صالح'' بھی نہ ہوئے۔ قاضی صاحب کے نزدیک ''صالح'' اور ''راشد'' کا ایک ہی معنی ہے۔

چنانچہ موصوف محمد بن حنفیہ کے قول (کہ یزید ایک صالح مسلمان تھے اور خلیفہ عادل بھی تھے) کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ کوئی کلیہ نہیں ہے کہ جب تک کسی مسلمان کا فسق ثابت نہ ہو تو وہ ضرور صالح ہوگا۔ صرف صورتاً نماز، روزے کے پابند مسلمان کو صالح اور عادل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ صالحیت اور عدالت وجودی صفتیں ہیں اور ان کا بھی ثبوت چاہیے۔ دور حاضر میں کتنے نمازی اور حاجی مسلمان ہیں جو لین دین میں بد دیانت اور حرام خور ہوتے ہیں......''

خوارج نمازیں بھی پڑھتے تھے، قرآن بھی پڑھتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو دین سے خارج قرار دیا۔ اس قسم کی احادیث کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ:

''وفیه انه لایکتفی فی التعدیل بظاهر الحال ولو بلغ المشهود بتعدیله الغایة فی العبادة والتقشف والورع حتی یختبر باطن حاله ''①

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک کسی شخص کے باطن حال کو اچھی طرح نہ پرکھا جائے اس کے ظاہر حال کی بناء پر اس کو عادل قرار دینا کافی نہیں ہے اگرچہ وہ عبادت اور تقویٰ میں انتہائی درجہ میں نظر آتا ہو...... لہٰذا مولانا سندیلوی کا حضرت محمد بن حنفیہ کی اتنی بات سے کہ یزید نماز وغیرہ کا پابند ہے، یزید کو عادل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ کی اس زیر بحث روایت کے باوجود اکابر اہل سنت نے یزید کو فاسق بلکہ بعض نے کافر قرار دیا ہے جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی کسی کا صرف ظاہر حال اس کو عادل قرار دینے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔

قرآن کے صالحین: ② یہ چار طبقے منعم علیہم اور معیاری ہیں جن میں چوتھا طبقہ صالحین کا ہے۔ اگر آپ یزید کو قرآنی معیار کے مطابق صالح مانتے ہیں تو پھر اس کو خلیفہ راشد کیوں تسلیم نہیں کرتے کیونکہ صالح اور راشد کا ایک ہی مفہوم ہے...... ③

موصوف محولہ کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

''حامیانِ یزید جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی آیت ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ کے تحت خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں یعنی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت صحابی راشد ہیں تو بحیثیت خلیفہ کیوں نہ راشد ہوں گے لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے۔

بے شک شخصی طور پر دیگر صحابہ کرام کی طرح حضرت امیر معاویہ بھی راشد ہیں اور حضرت امام حسین بھی راشد ہیں بلکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ مع اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جنت کے

① فتح الباری جلد 12 ص 262

② النساء: 69

③ خارجی فتنہ حصہ دوم ص 59-61۔ طبع اول 1987ء، طبع دوم ص 52-53۔ جنوری 2015ء زیر عنوان: ''صالح کون؟...... قرآن کے صالحین''

جوانوں کے سردار ہیں لیکن بوجہ مہاجرین اولین میں نہ ہونے کے قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین میں شمار نہیں ہو سکتے اور ''**علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین**'' میں بھی وہی قرآن کے معیاری چار خلفائے راشدین مراد ہیں کیونکہ ان چار کی خلافت باقتضائے نص قرآنی اللہ تعالیٰ کی ہر طرح پسندیدہ خلافت ہے لہٰذا شرعی اصطلاح میں سوائے ان خلفائے اربعہ (چار یار رضی اللہ عنہم) کے اور کوئی خلیفہ راشد نہیں ہوگا اور لغوی معنی میں دوسرے صحابہ جو منصب خلافت پر متمکن ہوئے ہیں یعنی حضرت حسن، حضرت معاویہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر بھی خلیفہ راشد ہوں گے......''

حضرت عمر بن عبدالعزیز ہوں یا دوسرے صالح خلفاء ان کے حالات کی تحقیق کے بعد ان کو برحق خلفاء تسلیم کیا جائے گا لیکن مہاجرین اولین میں سے ان خلفائے اربعہ (چار یار) کے حالات کا جائزہ لینے کی ہمیں ضرورت نہیں کیونکہ قرآن کی مذکورہ آیات کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو بالترتیب خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے اور اگر بالفرض ان کو خلفائے راشدین نہ تسلیم کیا جائے تو پھر مذکورہ آیات (استخلاف وتمکین) کا کوئی مصداق باقی نہیں رہتا اور العیاذ باللہ وعدہ الٰہی میں تخلف لازم آتا ہے جو محال ہے۔ ماہنامہ الخیر کے مفتی حضرات نے استفسار کے جواب میں حدیث ''**الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ**'' کو تو پیش نظر رکھا ہے لیکن آیت استخلاف اور آیت تمکین کو وہ ملحوظ نہ رکھ سکے یہ ایک علمی تسامح ہے۔ امید ہے کہ اس کی اصلاح کر لی جائے گی۔ **وماعلینا الا البلاغ**''①

قارئین کرام! مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب کے نزدیک خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے ایمان اور صالحیت کی جانچ پرکھ نہیں کی جائے گی البتہ ان کے بعد کسی خلیفہ کا ''مومن وصالح'' یا ''خلیفہ راشد'' ثابت کرنا مشکل ہوگا لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ آیت استخلاف وتمکین اور سابقین اولین مہاجرین کا مصداق نہ ہونے کے باوجود اپنے ''مخصوص رشد'' اور خلافت موعودہ کا ''تتمہ'' ہونے کی بناء پر خلفائے راشدین میں شامل ہیں۔

---

① یہ ملحوظ رہے کہ ماہنامہ الخیر ملتان نے شوال 1406ھ/ جولائی 1986ء میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو آخری خلیفہ راشد لکھا تھا، خارجی فتنہ حصہ دوم طبع اول 1987ء ص 646-649۔ طبع دوم جنوری 2015ء ص 477-478

جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت صحابی لغوی معنی میں ''راشد'' ہیں لیکن شرعی معنی میں ہرگز ''خلیفہ راشد'' نہیں ہیں۔ چونکہ ''صالح و راشد'' کا ایک ہی معنی ہے اس لیے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد کسی خلیفہ کا راشد وصالح ثابت کرنا دشوار ہے۔ بظاہر نماز، حج، تقویٰ اور دین داری کی بناء پر اسے ''صالح'' قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک اس کے باطن کو نہ پرکھا جائے۔

اس ''اسلوب'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صریح ''تنقیص'' پائی جاتی ہے کیونکہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی تخصیص اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے استثنیٰ کے بعد صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام ہی ترتیب کے مطابق آتا ہے جن کے ''راشد'' ہونے کے متعلق قاضی مظہر حسین صاحب صراحتاً تردید کر چکے ہیں۔ اگر موصوف ''خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد ''صالحیت'' کے ثبوت کو مشکل اور دشوار نہ بھی سمجھتے تو پھر بھی وہ چونکہ ''صالح'' اور ''راشد'' کو ہم معنی قرار دے چکے ہیں تو ''راشدیت'' کی نفی سے خود بخود ''صالحیت'' کی نفی بھی ثابت ہو جائے گی۔

اللّٰھم لا تجعلنا منھم ولا معھم۔ آمین

95

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو، کون صحیح کہہ سکتا ہے؟

گذشتہ اعتراض (نمبر 94) کے تحت قاضی مظہر حسین صاحب کی ایک جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ''جارحیت'' کا ایک ہلکا سا نمونہ قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ راقم الحروف اپنی کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین'' (طبع دوم 2016ء) میں 49 صفحات پر مشتمل کچھ ''نمونے'' ہدیۂ قارئین کر چکا ہے۔ اس موضوع پر تفصیل کے خواہش مند قارئین محقق اہل سنت مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی صاحب رحمہ اللہ کی لاجواب اور بے مثل کتب ''سبائی فتنہ'' جلد اول طبع اول جنوری 1992ء، طبع دوم نومبر 2001ء، سبائی فتنہ جلد دوم معروف بہ ''دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' طبع اول اپریل 2018ء کی طرف مراجعت فرمائیں۔

مؤخر الذکر کتاب اگرچہ مصنف علّام کی وفات (3۔اگست 2010ء) کے تقریباً 8 سال بعد شائع ہوئی لیکن اکثر مضامین قاضی مظہر حسین صاحب کی زندگی میں ہی ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان کے اوراق کی زینت بن چکے تھے جبکہ سبائی فتنہ جلد اول کے خلاف قاضی صاحب نے اپنے رسالہ ماہنامہ حق چار یار لاہور میں جنوری 1992ء تا نومبر 1993ء، 18 اقساط پر مشتمل جوابی مضمون بہ عنوان: کتاب: ''سبائی فتنہ پر ایک اجمالی نظر'' لکھا جسے ان کی وفات (26 جنوری 2004ء) کے تقریباً دس سال بعد صرف نام کی تبدیلی کے ساتھ (''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور راہِ اعتدال'') شائع کر دیا گیا لیکن تقابلی مطالعہ کے بعد غیر جانبدارانہ اور دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ قاضی صاحب تمام تر کوشش اور وسائل کے باوجود کتاب ''سبائی فتنہ'' کا جواب نہ دے سکے اور بالآخر اپنی وفات سے دس سال پہلے اس سلسلہ کی اٹھارویں قسط کے آخر میں ''جاری ہے'' لکھنے کے باوجود زندگی کی آخری سانس تک اس موضوع پر پھر قلم نہ اٹھا سکے۔ ملاحظہ ہو: ①

زیر نظر اعتراض کے جواب سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''حملة المظهر على سيدنا

① ماہنامہ حق چار یار لاہور نومبر 1993ء ص نمبر 41

معاویۃ رضی اللہ عنہ'' یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاضی مظہر حسین کی یورش کی چند جھلکیاں ہدیۂ قارئین کر دی جائیں جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''مظہری موقف'' نکھر کر سامنے آجائے:

1۔ ''بغاوت کی قسمیں ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہل سنت نہ جہنمی کہتے ہیں اور نہ گمراہ بلکہ ان کے قتال کو صورتاً بغاوت کہتے ہیں......''①

کیا یہ انداز خود قاضی صاحب کے بارے میں ان کے معتقدین برداشت کرلیں گے؟ معلوم نہیں کہ موصوف کو اس کی تردید کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

2۔ ''اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخر تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم نہیں کی۔'' (جو آیت استخلاف کا انکار ہے)②

3۔ ''......حالانکہ آخری وقت تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول نہیں کی'' (جو آیت ''اولی الامر......'') کے خلاف ہے۔③

4۔ ''......آخر تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ موعود کی اطاعت نہیں کی''④

5۔ ''......لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم نہ کی بلکہ شرائط پیش کرتے رہے''⑤

6۔ ''......اور آخر وقت تک آپ کی خلافت تسلیم نہیں کی بلکہ خلیفہ موعود کی موجودگی میں اپنی جداگانہ خلافت قائم کی ہے''⑥

7۔ ''......اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ہی تسلیم نہیں کیا تو یہ گویا اللہ کے حکم کی مخالفت ہے اور خلیفہ مان کر ان کا یہ حکم تسلیم نہیں کیا جو خلاف حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ تھا تو یہ بھی آیت اولی الامر کے خلاف ہے''⑦،⑧

---

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص 62

② خارجی فتنہ حصہ اول ص 462۔ طبع اول

③ حوالہ مذکور ص 427 ④ حوالہ مذکور ص 481

⑤ حوالہ مذکور ص 547 ⑥ حوالہ مذکور ص 589

⑦ صحیح مسلم۔ جلد 2۔ ص 128۔ کتاب الامارۃ۔ باب: ''اذا بویع لخلیفتین'' کی یہ حدیث ضرور ملاحظہ کرلی جائے کہ: ''اذا بویع للخلیفتین فاقتلوا الآخر منھما''

⑧ خارجی فتنہ حصہ اول ص 461۔462

(یعنی آیت استخلاف اور آیت اولی الامر، نص قرآنی کی مخالفت بہر صورت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عمل میں آئی ہے لہٰذا ان کا اجتہادی موقف کیونکر جائز اور صحیح ہوسکتا ہے؟)،

8۔ ''لہٰذا ماننا پڑے گا کہ گو اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معذور تھے ......لیکن از روئے نص قرآنی یہ مطالبہ درحقیقت بالکل ناجائز تھا''①

9۔ ''آپ ہزار پہلو سے موشگافیاں کریں، حضرت علی المرتضیٰ کی معزولی کا مطالبہ بالکل ہی ناجائز ہے''②

10۔ ''باوجود ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی اطاعت لازم ہونے کے ایک گروہ نے ان کی اطاعت نہ کی اور ان کے ساتھ بڑی بڑی لڑائیاں کیں تو قصوروار تو وہی (اصحاب جمل واصحاب صفین) ہیں جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اطاعت نہ کی اور ان کے ساتھ لڑتے رہے''③

11۔ ''اب مقام غور ہے کہ جب حسب آیت استخلاف اور حسب حدیث خلافت نبوت ورحمت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ راشد ثابت ہوتے ہیں اور ان کی خلافت بھی خلافت نبوت ورحمت ثابت ہوتی ہے تو پھر ان جھگڑوں میں خلیفہ راشد قصوروار ہوں گے یا مخالفین؟''④

(کاش قاضی صاحب یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد کو ''قصوروار'' ٹھہرانے کے بجائے اصل قصورواروں یعنی سبائی مفسدوں کو بے نقاب کرتے)

12۔ ''البتہ جنگ خواہ جارحانہ ہو یا مدافعانہ قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد کے خلاف صحیح نہ تھی''⑤

13۔ ''فرمایئے: اگر اصحاب جمل واصحاب صفین موعودہ خلیفہ راشد کی غیر مشروط اطاعت قبول کر لیتے تو کیا پھر بھی ہزارہا جانوں کا نقصان وہی ہوتا جو جنگ جمل وصفین میں ہوا''⑥

---

① خارجی فتنہ حصہ اول ص 550
② حوالہ مذکور ص 526
③ حوالہ مذکور ص 79
④ حوالہ مذکور ص 99۔100
⑤ حوالہ مذکور ص 365
⑥ حوالہ مذکور ص 478

(موصوف نے کس قدر جارحیت کے ساتھ ہزارہا جانوں کے نقصان کا اصحاب جمل واصحاب صفین کو ذمہ دار قرار دے دیا جبکہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ اور سبائی مفسد بری الذمہ قرار پاگئے)۔

14۔ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کے حکم ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ﴾ پر عمل کیا۔یعنی امام وقت کے خلاف جو بغاوت کرنے والے ہیں ان سے رجوع الی الحق ہونے تک قتال کرو۔''①

15۔ ''(حضرات حکمین رضی اللہ عنہما کا) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا......اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے''②

16۔ ''اگر میں گناہ اور نافرمانی وغیرہ الفاظ کی جگہ اجتہادی خطا کے الفاظ لکھتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موعودہ خلافت راشدہ کا جو مقام ہے وہ محفوظ نہ رہ سکتا کیونکہ اجتہادی خطا تو حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا بھی حق کے دائرہ ہی میں تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت انعقاد خلافت راشدہ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ گویا کہ موعودہ خلافت راشدہ کو مانو یا انکار کرو، خلفائے راشدین کی اتباع کرو یا مخالفت معمولی بات ہے۔''③

17۔ ''حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ دونوں صحابی ہیں (حکیم محمود احمد ظفر کا) انہیں باغی کہنا کیا شرفِ صحابیت کی توہین نہیں۔اور اگر اکابر امت نے قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے 'باغی' کا لفظ استعمال کیا ہے تو چیخ و پکار سے آسمان (سر) پر اٹھالیا جاتا ہے''④

مذکورہ چند افکار قاضی صاحب کی کتب سے پیش کیے گئے ہیں ورنہ ان کی تقریباً تمام کتب اور مضامین ''جارحیت'' سے بھرے ہوئے ہیں۔انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کو 'باغی، خاطی، جائر، باطل، قرآن وحدیث کی مخالفت اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار

① خارجی فتنہ حصہ اول ص 560
② حوالہ مذکور ص 455
③ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور راہِ اعتدال جلد اول ص 286
④ حوالہ مذکور ص 199-200

دیا ہے۔ نیز حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اور ان کے متبعین کو ’’ضال ومضل ، سخت نافرمان، گناہ گار، مخالف قرآن‘‘ کہا ہے۔‘‘

قارئین کرام! اس تمہید کے بعد اب آتے ہیں زیر بحث اعتراض نمبر 95 کی طرف۔ چنانچہ قاضی مظہر حسین صاحب فرماتے ہیں کہ:

’’حضرت علی المرتضیٰ نے جو سورہ توبہ کی آیت ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ پیش کی ہے یہ بھی اصولی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف حق وصواب کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

1۔مہاجرین اولین۔ 2۔الانصار۔ان دو طبقوں کا مقام معیاری ہے۔ 3۔تیسرا طبقہ وہ ہے جو مہاجرین وانصار کی پیروی خوش اسلوبی سے کرے ﴿وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ اس تیسرے طبقے سے رضائے الٰہی مشروط ہے مہاجرین اولین اور انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ۔ اب سندیلوی صاحب ہی اپنے علم وفضل کا زور لگا کر جواب دیں کہ حضرت علی المرتضیٰ مہاجرین اولین میں سے ہیں پھر ان کو موعودہ خلفائے راشدین میں سے چوتھا مقام حاصل ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں۔ آپ تیسرے طبقہ سے وابستہ ہیں۔ ان کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی لازم تھی بوجہ ان کے مہاجرین اولین میں سے ہونے اور بوجہ خلیفہ ہونے کے۔

بہر حال از روئے نص قرآنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لازم ہے لیکن بجائے پیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا (خواہ دفاعی ہی ہو) تو اس صورت میں حضرت معاویہؓ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے......‘‘①

قاضی مظہر حسین صاحب کی مذکورہ عبارت سے ایک بات تو یہ واضح طور پر سامنے آئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق از روئے نص قرآنی تیسرے طبقہ سے ہے جس سے ’’رضائے الٰہی‘‘ مہاجرین

---

① خارجی فتنہ حصہ اول ص 475-476۔طبع اول 1983ء۔طبع دوم جنوری 2015ء۔صفحہ نمبر 352-353

اولین اور انصار کی ''اتَّبَعُوۡا بِاِحۡسَانٍ'' کے ساتھ مشروط ہے چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ یکے از سابقین الاولین من المہاجرین اور خلیفہ راشد وموعود کی ''اتباع باحسان'' اور بیعت واطاعت نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ قتال کیا اوران کے مقابلہ میں اپنی خلافت کا اعلان بھی کیا نیز آخر وقت تک اس موقف پر قائم رہے تو عدم اطاعت، عدم پیروی، عدم بیعت اور قتال کرنے کی وجہ سے وہ ''اتَّبَعُوۡا بِاِحۡسَانٍ'' کی شرط پوری نہ کر سکے لہٰذا وہ ﴿رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ﴾ کے مصداق نہ بن سکے۔ اس طرح وہ رضائے الٰہی کے مستحق ''تیسرے طبقہ'' سے بھی خارج ہو گئے۔ (العیاذ باللہ)

قاضی صاحب نے ﴿وَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ﴾ کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنا موقف صاف طور پر پیش کر دیا ہے جسے کسی ''فاسد تاویل'' کے ذریعے بھی صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ موقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو رضائے الٰہی سے محروم ثابت کرتا ہے جو نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتنقیص پر مبنی ہے بلکہ اس کی زد میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سمیت تمام اصحاب جمل واصحاب صفین آتے ہیں جنہوں نے خلیفہ راشد موعود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرنے کے بجائے ان کے ساتھ قتال کیا نیز ہزاروں کی تعداد میں وہ صحابہ بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں جنہوں نے نہ بیعت کی، نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا بلکہ آخر تک غیر جانبدار رہے۔

قاضی صاحب نے سورۃ التوبۃ کی زیر بحث آیت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو ''فرد جرم'' عائد کی ہے اس سے تو وہ خود الٹا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بدترین موہن وگستاخ ثابت ہو گئے ہیں نیز اس آیت سے اس قسم کے ''استدلال واستنباط'' نے خود ان کے ''علم'' پر سوال قائم کر دیا ہے۔

(''ھذا مبلغہ من العلم'')

''اس بات میں تو کوئی مومن بالقرآن ذرہ برابر بھی شک نہیں کر سکتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''سابقین اولین من المہاجرین والانصار'' کی ''اتباع باحسان'' حاصل تھی۔'' خود قاضی صاحب نے انہیں متعدد مقامات پر ''جلیل القدر'' صحابی تسلیم کیا ہے: ملاحظہ ہو:①

کیا یہ ''صحبت وجلالت'' اتباع بالاحسان کے بغیر ہی حاصل ہو گئی تھی؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''عدم اتباع باحسان'' کا قائل یقیناً کوئی ان کا معاند ہی ہو سکتا ہے۔ جبکہ قاضی صاحب کا

---

① خارجی فتنہ حصہ اول طبع اول ص 425، 572، 590 حصہ دوم طبع اول ص 50، 649

انہیں ''تیسرے درجہ'' کا صحابی تسلیم کرنا بھی غلط، لغو اور باطل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ کو قاضی صاحب کے مرشد حضرت مدنی نے بحوالہ فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت مہاجرین وانصار میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ بیعت رضوان اور بدر والے صحابہ کرام کی عدالت قطعی ہے اور کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں کرنا چاہیے، بلکہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے بھی قطعی عدالت والے ہیں اور مہاجرین اور انصار میں داخل ہیں۔'' ①

لہٰذا قاضی مظہر حسین صاحب کا زیر بحث آیت سے کتاب وسنت کی تصریحات کے بالکل برعکس یہ من گھڑت نتیجہ اخذ کرنا کہ:

''اس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے؟''

جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شدید توہین ہے کیونکہ وہ بشہادت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ''فقیہ ومجتہد'' ہیں۔ ② اور ہر مجتہد اپنے اجتہاد پر ہی عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے اس لیے انہوں نے اپنے اجتہاد پر عمل کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی پیروی کی تھی کہ انہوں نے بھی آخر اپنے ''اجتہاد'' پر ہی عمل کیا تھا۔

وہیں یہ نتیجہ اصحاب جمل کے علاوہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ میں شامل صحابہ وتابعین کی بھی ''تغلیط وتوہین'' ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو بالکل صحیح جان اور سمجھ کر ہی ان کا ساتھ دیا تھا۔

---

① مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت ص 68

② صحیح بخاری۔ رقم الحدیث 3765

96

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''منکرات'' کے مرتکب تھے

قاضی مظہر حسین صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف انہیں مولانا سید مودودی صاحب سے بھی بڑھ کر ''حضرت، صحابی اور جلیل القدر'' کہہ کہہ کر جو ''فرد جرم'' عائد کی ہے اس کی ایک ہلکی سے جھلک اعتراض نمبر 95 کے تحت پیش کی جا چکی ہے۔ اب زیر بحث اعتراض (نمبر 96) میں ایک ''پادری'' کی گواہی سے ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' ملاحظہ فرمائیں:

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زیر عنوان ''خلافت مرتضوی کے لیے ایک پیش گوئی'' لکھتے ہیں کہ:

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ رقہ آئے تو فرات کے کنارے ایک جگہ اترے جسے ''البلیخ'' (''البلیخ'' از راقم) کہا جاتا تھا تو ایک راہب اپنے گرجا سے نکل کر آپ کے پاس آیا اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس کے ہم اپنے آباء سے وارث ہوئے ہیں اور اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے لکھا ہے، کیا میں اسے آپ کے سامنے پیش کروں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ تو راہب نے اس کتاب کو پڑھا: اس رحمٰن و رحیم خدا کے نام کے ساتھ جس نے جو فیصلہ کرنا تھا کیا اور جو لکھنا تھا لکھا۔ وہ امیوں میں ان میں سے ایک رسول بھیجنے والا ہے جو ان کو کتاب و حکمت سکھائے گا اور ان کو پاک کرے گا اور خدا کی راہ ان کو دکھائے گا۔ وہ بد خلق اور سخت کلام نہ ہوگا اور نہ بازاروں میں شور مچانے والا ہوگا اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دے گا بلکہ معاف اور درگزر کرے گا اور اس کی امت بہت تعریف کرنے والی ہوگی جو ہر بلندی پر اللہ کی تعریف کریں گے اور ہر نشیب و فراز میں ان کی زبانیں تہلیل و تکبیر کے ساتھ رواں ہوں گی اور اللہ ہر دشمنی رکھنے والے پر اسے فتح دے گا اور جب اللہ تعالیٰ اس کو وفات دے گا تو اس کی امت میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور وہ مجتمع ہو جائے

گی اور جب تک اللہ چاہے گا وہ مجتمع رہے گی پھر اس میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ پھر اس کی امت کا ایک شخص اس فرات کے کنارے سے گزرے گا اور وہ نہی عن المنکر کرے گا اور حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور فیصلہ میں عاجز نہ ہوگا۔ دنیا اس کے نزدیک راکھ سے بھی حقیر تر ہوگی۔ یا اس نے کہا کہ اس روز کی مٹی سے بھی جس میں تیز ہوا چلتی ہے اور موت اس کے نزدیک پانی پینے سے بھی حقیر تر ہوگی۔ وہ پوشیدگی میں اللہ سے خائف ہوگا اور ظاہر میں خیر خواہی کرے گا اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خائف نہ ہوگا۔

پس اہل بلاد میں سے جو شخص اس نبی کو پائے وہ اس پر ایمان لائے اور اس کا ثواب میری رضامندی اور جنت ہوگا۔

اور جو اس صالح آدمی کو پائے وہ اس کی مدد کرے۔ بلاشبہ اس کے ساتھ قتل ہونا شہادت ہے۔ پھر اس نے حضرت علیؓ سے کہا: میں آپ کے ساتھ رہوں گا اور آپ سے جدا نہ ہوں گا حتیٰ کہ مجھے بھی وہ مصیبت پہنچے جو آپ کو پہنچی ہے۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ رو پڑے اور پھر فرمایا: اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اپنے ہاں بھولا بسرا نہیں بنایا اور اس خدا کا شکر ہے جس نے اپنے ہاں ابرار کی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ پس راہب آپ کے ساتھ چلا گیا اور مسلمان ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا حتیٰ کہ جنگ صفین کے روز مارا گیا اور جب لوگ اپنے مقتولین کی تلاش میں نکلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس راہب کو تلاش کرو تو انہوں نے اس کو مقتول پایا اور جب انہوں نے اسے پا لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اسے دفن کیا اور اس کے لیے بخشش مانگی۔ ①

تبصرہ (از قاضی مظہر حسین صاحب)

یہ پیش گوئی قرآن کی آیات کے مطابق ہے اور سورۃ الفتح میں جو صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ﴾ (یعنی وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ) صحابہ کرام کی ہی صفتیں تورات اور انجیل میں پائی جاتی ہیں۔ مذکورہ پیش گوئی میں خصوصیت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پیش گوئی ہے جس کی وجہ سے ایک راہب مسلمان ہو گیا

① البدایہ والنہایہ مترجم ص 500 وعربی ص 255

اور جنگ صفین میں اس نے شہادت کا مرتبہ پایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اس میں یہ بھی ہے کہ وہ منکرات سے منع کریں گے اور سورۃ الحج کی اس آیت میں بھی خلفائے راشدین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے:

﴿ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (وہ موعودہ خلفاء نیکی کا حکم کریں گے اور منکر سے روکیں گے)

اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے جو جنگ جمل و صفین کی ہے اس میں آپ کی یہی صفت ظاہر ہوتی ہے۔ گویا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنا اور آپ سے جنگ کرنا تو منکرات سے تھا۔ لیکن چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے اجتہاد کی بناء پر اس کا صدور ہوا ہے اس لیے ان کے حق میں یہ صورتاً منکر تھا لیکن حقیقتاً منکر نہ تھا۔ ①

قاضی مظہر حسین صاحب قسط نمبر 18 کا آغاز مذکورہ قصہ کے حوالے سے ہی بایں الفاظ کرتے ہیں کہ:

''سابقہ قسط میں حافظ ابن کثیر محدث کی کتاب البدایۃ والنہایۃ جلد دوم ہفتم کے حوالہ سے حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت اور آپ کی بعض صفات کے متعلق ایک پیش گوئی جو پہلی آسمانی کتابوں میں مذکور ہے جس سے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ بوجہ خلیفہ موعود ہونے کے مشاجرات صحابہ میں آپ کا اجتہادی موقف حق وصواب تھا اور آپ سے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بوجہ اپنے اجتہاد کے جنگ کی ہے ان سے اجتہادی خطا سرزد ہوگئی تھی اور یہی اہل سنت کا متفق علیہ موقف ہے......'' ②

قارئین کرام! ادارہ مظہر التحقیق نے مذکورہ بالا اقتباس کے شروع سے یہ الفاظ ''سابقہ قسط میں'' کتابی صورت دیتے وقت حذف کر دیے ہیں جبکہ اصل مضمون میں شامل تھے، اور بھی بعض مقامات سے الفاظ حذف کیے گئے ہیں۔

حالانکہ اسی ادارہ کی مطبوعہ ایک کتاب: ''اہل قبلہ کون؟'' (ص 7) طبع جون 2011ء میں یہ

① ماہنامہ حق چار یار لاہور اکتوبر 1993ء/ ربیع الثانی 1414ھ قسط نمبر 17۔ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور راہِ اعتدال جلد دوم ص 334۔336 طبع: نومبر 2013ء

② حوالہ مذکور۔ قسط نمبر 18۔ ص 31۔ جمادی الاولیٰ 1414ھ/ نومبر 1993ء/ ص 337۔ طبع نومبر 2013ء

اعلان بھی کیا گیا کہ: ''ہم اپنے مشن یعنی قاضی صاحب کے تحریر کردہ ''حرف حرف کو'' منظر عام پر لانے میں تسلسل کے حوالہ سے آنجناب کی دعاؤں کے محتاج ہیں''

جبکہ عبدالجبار سلفی صاحب نے اپنے ''مقدمہ'' میں لکھا کہ:

''قارئین کی دعائیں ہمارے شامل حال رہیں تو ہم حضرات (حضرت) اقدس قاضی صاحب کی ایک ایک سطر دوبارہ منظر عام پر لانے کا ارادہ رکھتے ہیں'' ①

مولوی مہر حسین بخاری نے 24 صفحات پر مشتمل ایک ''کھلی چٹھی بنام مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ'' لکھی۔ جس کا جواب قاضی صاحب نے 188 صفحات پر مشتمل اپنی کتاب ''مولوی مہر حسین شاہ بخاری کی کھلی چٹھی کا جواب بنام دفاع حضرت معاویہ'' میں دیا۔ اس کتاب کے ٹائٹل پر کتاب کے نام سے پہلے یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں کہ:

''بسلسلہ تحفظ عقیدہ خلافت راشدہ''

مولوی مہر حسین بخاری اپنی جوابی کتاب: ''الاجابة الکافیة فی ردّ دفاع معاویہ''

میں زیر عنوان: ''قاضی صاحب نواصب کی پیروی میں'' لکھتے ہیں کہ:

''مشہور ناصبی مولوی محمد اسحاق سندیلوی صاحب نے اپنی کتاب اظہار حقیقت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد لکھا ہے......

چنانچہ قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی ''دفاع معاویہ'' نامی کتاب کے ٹائٹل پر لکھا ہے: بسلسلہ تحفظ عقیدہ خلافت راشدہ۔

گویا قاضی صاحب بھی نواصب کی طرح حضرت معاویہ کو خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں۔ قاضی صاحب! یہ اہل سنت کا نظریہ نہیں ہے البتہ محمود عباسی اور سندیلوی صاحب کا نظریہ ہے اور آپ نے ان ہی کی پیروی کرتے ہوئے حضرت معاویہ کو خلیفہ راشد لکھا ہے۔ اب قاضی صاحب سے بصد ادب گزارش ہے کہ وہ ''حق چار یار'' کی بجائے حق پنج یار کو نعرہ بنالیں۔

قاضی صاحب اگر حضرت معاویہ کو خلیفہ راشد نہیں مانتے تو کتاب کے سرورق پر جلی حروف میں حق چار یار رضی اللہ عنہم اور بسلسلہ تحفظ عقیدہ خلافت راشدہ کیوں لکھا ہے؟ اور حسب تحریر واقع

① واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر......ایک ناقدانہ جائزہ ص 6۔ جنوری 2014ء

(واقعی) حضرت معاویہ کو نواصب کی پیروی میں خلیفہ راشد مانتے ہیں تو پھر قاضی صاحب کا نعرہ خلافت راشدہ......حق چار یار کا نعرہ ہے، بے معنی ہو جاتا ہے اور قاضی صاحب نے نعرہ حق چار یار کے ساتھ ناحق پانچویں سواد کو بھی نتھی کر دیا ہے۔

بہرحال قاضی صاحب کی کتاب ''دفاع معاویہ'' کی بنیاد ہی غلط ہے اور باقی کتاب کا تو خدا ہی حافظ ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

سب سے پہلے حضرت معاویہ کو خلیفہ راشد کہنے والے محمود عباسی اور مولوی محمد اسحاق سندیلوی ہیں مگر بعض نادان سنی بھی حضرت معاویہ کو خلیفہ راشد کہتے ہیں مثلاً مولوی سعید الرحمٰن علوی ایڈیٹر ہفت روزہ خدام الدین لاہور......

سردست قارئین کو یہ بتانا ہے کہ ناصبیوں کی پیروی میں اب بعض نام نہاد سنی مولوی بھی حضرت معاویہ کو خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں......اصل مقصود تو قاضی صاحب کا ''دفاع معاویہ'' کتاب کے ٹائٹل پر یہ لکھنا کہ ''بسلسلہ تحفظ عقیدہ خلافت راشدہ'' زیر بحث تھا۔

قاضی صاحب نے بشارت الدارین نامی کتاب میں احمد رضا خان بریلوی کے حوالہ سے حضرت معاویہ کو خلیفہ راشد لکھا ہے ① ص 204''

قاضی صاحب نے اس کتاب کے بارے میں فقط یہ لکھا کہ:

''مولوی مہر حسین شاہ، مولانا لعل شاہ صاحب کے شاگرد رشید نے میری کتاب ''دفاع معاویہ'' کے جواب میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے ''**الاجابة الکافية فی رد دفاع معاويه**'' جس طرح اس کتاب کے نام میں کثافت ہے اسی طرح اس کے مضامین بھی کثیف ہیں لیکن میں اس کا جواب نہیں دوں گا۔ ان کی کھلی چٹھی کا جواب تو ضرور تا دیا تھا اور ''دفاع حضرت معاویہ'' ان کے جواب کے لیے کافی ہے۔'' ②

---

① طبع دوم اگست 2012ء ص 270۔ ادارہ مظہر التحقیق لاہور۔ طبع اول ستمبر 1974ء، **الاجابة الکافية فی رد دفاع معاويه** ص 5-9۔ طبع ستمبر 1985ء

② خارجی فتنہ حصہ دوم طبع اول 1986ء ص 654۔ طبع سوم جنوری 2015ء ص 482

قاضی صاحب نے مولوی مہر حسین بخاری کی مذکورہ کتاب کا جواب نہ دینے کا اعلان کیا ہے لیکن بخاری صاحب کے ''بسلسلہ تحفظ عقیدہ خلافت راشدہ'' پر اعتراض میں ''وزن'' محسوس کرتے ہوئے اور ''ناصبیت'' کے الزام سے بچنے کی خاطر اپنے مضامین میں کھل کر نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کا انکار کیا بلکہ ان پر تنقیصی حملوں کے علاوہ جا بہ جا یورش کرتے ہوئے انتہائی جارحیت کا مظاہرہ بھی کیا۔ قاضی صاحب کی وفات کے دس سال اور طبع اول کے 29 سال بعد موصوف کی کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' مارچ 2014ء میں ''ادارہ مظہر التحقیق'' کی طرف سے دوبارہ شائع ہوئی تو اس سے نہایت ہی خاموشی کے ساتھ قابل اعتراض عبارت ''بسلسلہ تحفظ عقیدہ خلافت راشدہ'' حذف کر کے گویا مولوی مہر حسین شاہ بخاری کے اصل اور بنیادی اعتراض کو صحیح اور درست تسلیم کر لیا مگر ''پیر اور مرید'' کی طرف سے اخلاقی و ایمانی جرأت کا مظاہرہ نہ کیا جا سکا اور اس طرح بظاہر ''ناصبیت'' کے الزام سے بانی خدام اہل سنت اور ادارہ مظہر التحقیق بچ گئے۔

قارئین کرام! یہ ملحوظ رہے کہ یہاں ضمناً اس پس منظر میں یہ بات زیر بحث آئی ہے کہ ''خدام'' کی طرف سے ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف (جو قاضی صاحب کے قلم اور زبان سے صادر ہوا) دوبارہ منظر عام پر لانے کے ''اعلان'' کے ساتھ خود ان ہی کی طرف سے کیا حشر ہوا؟

اس ''تمہید'' کے بعد زیر بحث اعتراض نمبر 96 یعنی ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''منکرات'' کے مرتکب تھے'' کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں:

قاضی مظہر حسین صاحب نے حافظ ابن کثیر کے حوالہ سے ''خلافت مرتضوی کے لیے ایک پیش گوئی'' کے بارے میں ایک راہب (نصرانی) کا طویل قصہ نقل کر کے قرآن سے اس کی ''صحت'' ثابت کرنے کی مذموم سعی کی ہے جبکہ وہ ''قصہ'' ہی سرے سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص اور کذب و افتراء پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ بوجوہ بے بنیاد، لغو اور باطل ہے:

اوّلاً: قاضی صاحب نے راہب کی بیان کردہ ''داستان'' سے استدلال کرتے ہوئے اسے ''خلافت مرتضوی کے لیے ایک پیش گوئی'' کا عنوان دیا۔ جبکہ ''البدایہ والنہایہ'' میں اس ''داستان'' کو زیر عنوان: ''في وقعة صفين بين اهل العراق و بين أهل الشام'' نقل کیا گیا ہے۔

ثانیاً: امام ابن کثیر نے اس ''داستان'' کا ماخذ ''الحسین بن دیزیل'' کی بلا تعیّن نام ایک ''کتاب''

بتایا ہے جبکہ قاضی صاحب نے اس کا حوالہ ہی نہیں دیا۔

ثالثاً: امام ابن کثیر نے اس ''داستان'' کو مع سند لکھا ہے کہ:

''ماذکرہ الحسین بن دیزیل فی کتابہ فیما رواہ:

عن یحیی بن عبداللہ الکرابیسی عن نصر بن مزاحم عن عمر بن سعد حدثنی مسلم الاعور عن حبۃ العرنی قال: ''

جبکہ قاضی صاحب نے ''علمی دیانت'' کا خون کرتے ہوئے امام ابن کثیر کے بیان کردہ ''ماخذ اور سند'' سے قارئین کو بے خبر رکھا اور فقط ''حافظ ابن کثیر'' اور اپنی ذاتی شخصیت کے بل بوتے پر اپنے ''معتقدین'' کو اسے ''صحیح'' و ''درست'' تسلیم کرنے کی طرف راغب کیا ہے حالانکہ اپنے مضمون کے ''سیاق وسباق'' کے اعتبار سے اس مقام پر اس ''وضعی داستان'' یا ''پیش گوئی'' کے بیان کرنے کی سرے سے کوئی ''ضرورت'' ہی نہیں تھی۔

رابعاً: راہب (جو ایک نصرانی/عیسائی تھا) نے نہ تو اپنے پاس موجود کتاب کا نام بتایا اور نہ ہی ''اصحاب عیسیٰ علیہ السلام'' میں سے اس کے لکھنے والوں کے نام ظاہر کیے۔

راہب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ''کتاب'' پیش کر کے اسے خود ہی پڑھنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ راہب کے پاس موجود کتاب عربی زبان میں نہیں لکھی ہوئی تھی جبکہ راہب نے اسے عربی میں ترجمہ کر کے پیش کیا۔

خامساً: راہب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (فِي الْأُمِّيِّينَ)، فرائض نبوت (تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ) اخلاق نبوت واوصاف نبوت، وظائف واعمال نبوت اور دشمن پر فتح وکامیابی سے آگاہ کیا۔

حالانکہ اہل علم نے ﴿الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ ...﴾[1] کے تحت بلکہ اس ''عنوان'' پر مشتمل کتب میں مذکورہ امور، مذکورہ الفاظ میں کہیں ذکر نہیں کیے۔

سادساً: راہب نے نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد ''اختلاف'' پھر ایک وقت تک ''اتفاق'' کا ذکر کرنے کے بعد پھر ''اختلاف ثانی'' کا ذکر کیا۔

ظاہر ہے کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''موت وحیات'' سے

---

[1] الاعراف: 157

متعلق اختلاف مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تو اسی مجلس میں ختم ہو گیا تھا۔ اس ''اختلاف'' سے مراد خلافت صدیقی کے بارے میں ہی ہو سکتا ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چھ ماہ تک تخلّف عن البیعة بھی شامل ہے۔

سابعاً: پھر اس ''پیش گوئی'' میں ''اختلاف ثانی'' کا ذکر ہے جس سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ، شہادت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد میں اختلاف ہے۔

ثامناً: پھر زیر بحث ''پیش گوئی'' کا ذکر ہے جس سے قاضی صاحب نے باقی تمام امور کو نظر انداز کر کے صرف ''خلافت علی رضی اللہ عنہ'' کے لیے استدلال کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ راہب نے اس ''آسمانی پیش گوئی'' کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ براہ راست ذکر 37ھ میں صفین کے موقع پر ہی کیا تھا۔

بقول قاضی صاحب، حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اس ''آسمانی کتاب'' میں مذکورہ داستان سے پہلی مرتبہ آگاہ ہوئے لیکن کیا پادری نے دور نبوت، یا اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے دور میں وہ ''اوصاف وعلامات'' نہیں پائی تھیں۔ شام تو دور فاروقی میں فتح ہوا تھا۔ اس صوبے پر پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما پھر جنگ صفین کے وقوع (37ھ) تک مسلسل 17 سال تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منصب امارت پر فائز رہے کیا وہ ان اوصاف سے محروم رہے؟ کیا وہ حضرات ''نہی عن المنکر'' کے وصف سے بھی محروم تھے؟

تاسعاً: قاضی صاحب کے بقول راہب نے ''صحیفہ آسمانی'' کی روشنی میں یہ بتایا کہ:

''اور جو اس صالح آدمی کو پائے وہ اس کی مدد کرے۔ بلا شبہ اس کے ساتھ قتل ہونا شہادت ہے...... پس حضرت علی رضی اللہ عنہ رو پڑے پھر فرمایا:

اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اپنے ہاں بھولا بسرا نہیں بنایا اور اس خدا کا شکر ہے جس نے اپنے ہاں ابرار کی کتاب میں ذکر کیا ہے......''

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ''منسوب'' کتاب میں راہب سے مروی اس موضوع، لغو اور باطل داستان کی تائید و تصدیق کر سکتی تھی؟

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے اس فرمان سے بھی آگاہ نہیں تھے کہ:

''عن ابی ھریرة قال: کان اھل الکتاب یقرءون التوراة بالعبرانیة ویفسّرونھا

بالعربیة لاھل الاسلام۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لاتصدّقوا اھل الکتاب ولاتکذّبوھم وقولوا: ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا . . .﴾ ''①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے اور مسلمانوں کے لیے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

تم اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کیا کرو اور نہ ہی انہیں جھٹلایا کرو بلکہ کہا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہماری طرف نازل کیا گیا......الآیة . . . اس کو بخاری نے روایت کیا۔

یہ ہدایت نبوی تو خاص تورات وانجیل (جو کتب الٰہی تھیں) کے متعلق تھی جن کے بارے میں قرآن کا واضح اعلان یہ تھا کہ ان میں تحریف ہوچکی ہے، یہ اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں رہیں لہٰذا کوئی مومن بالقرآن ان کی تصدیق کر ہی نہیں سکتا، تصدیق تو اصلی الہامی کتب ہی کی، کی جاسکتی ہے نہ کہ محرف کتب کی۔ اسی طرح ''تکذیب'' سے بھی منع کر دیا کیونکہ مکمل طور پر جھٹلایا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ ان میں کچھ اصل حصہ بھی موجود ہے۔ اس لیے ''درمیانی راستہ'' بتلا دیا گیا کہ تم یہ کہہ دیا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا یعنی قرآن اور جو کچھ سابقہ انبیاء علیہم السلام پر نازل کیا گیا یعنی تورات، زبور، انجیل اور مختلف صحائف۔

لیکن زیر بحث ''پیش گوئی'' میں نہ کتاب کا نام ہے اور نہ ہی اس کے جامع کا نام۔ مجہول کتاب اور اس کے مجہول جامعین کی مرتبہ کتاب کی ایک عیسائی کی زبانی مضمون کی ''تصدیق''، بغض معاویہ رضی اللہ عنہ کے جذبہ کے پیش نظر قاضی مظہر حسین صاحب، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرا رہے ہیں۔ فیاللعجب!

عاشراً: بقول قاضی صاحب جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رو کر راہب کی بیان کردہ رضی اللہ عنہ ''پیش گوئی'' کی تصدیق کر دی تو اس کے بعد وہ مسلمان ہوگیا اور جنگ صفین میں جان دے کر شہادت کے مرتبہ سے بھی سرفراز ہوگیا۔

سخت تعجب ہے کہ اتنی اہم ''پیش گوئی'' بیان کرنے والے راہب کا قبول اسلام کے بعد بھی اصلی

① البقرة: 136، رواہ البخاری، مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنة۔ الفصل الاول

نام سامنے نہیں آیا بس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقتولین میں اسے تلاش کرا کے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے بعد اسے دفن کرا دیا۔

اصول درایت کے اعتبار سے زیر بحث ''پیش گوئی'' کا لغو اور باطل ہونا تو ظاہر ہے ہی لیکن قاضی صاحب کو داد دیجیے کہ انہوں نے حافظ ابن کثیر کی بیان کردہ ''سند'' کو بھی سرے سے اڑا دیا تا کہ ان کے معتقدین ''راویوں'' کی اصل حقیقت بھی نہ جان سکیں۔

قارئین کرام! قاضی مظہر حسین صاحب نے راہب کی جس من گھڑت روایت کی نہ صرف خود تصدیق کی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی تصدیق کروائی آیئے حافظ ابن کثیر کی بیان کردہ ''سند'' (جسے قاضی صاحب نے ''علم و دیانت'' کا خون کرتے ہوئے اپنے معتقدین و قارئین سے مخفی رکھا) میں راویوں کا ''حال'' ائمہ ''اسماء الرجال'' کے اقوال کی روشنی میں معلوم کرتے ہیں:

قارئین کرام! قاضی مظہر حسین صاحب نے جس وضعی ''داستان یا پیش گوئی'' کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''منکرات'' کا مرتکب قرار دیا ہے، اس کا ''ماخذ اور سند'' بیان کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

''ماذکرہ الحسین بن دیزیل فی کتابہ فیمارواہ:

عن یحیی بن عبداللہ الکرابیسی عن نصر بن مزاحم عن عمر بن سعد حدثنی مسلم الاعور عن حبۃ العرنی قال:...''

حافظ ابن کثیر (م 774ھ) نے زیر بحث ''پیش گوئی یا داستان'' کا ماخذ ''الحسین بن دیزیل'' کی ایک ''کتاب'' کو قرار دیا جس میں اس ''پیش گوئی'' کو بروایت ''یحیٰ بن عبداللہ الکرابیسی، نصر بن مزاحم، عمر بن سعد، مسلم الاعور اور حبۃ العرنی'' نقل کیا گیا ہے۔

امام ابن کثیر نے نہ تو ''الحسین بن دیزیل'' کی کتاب کا نام لکھا اور نہ ہی ''سند'' پر کوئی کلام کیا۔

زیر بحث ''پیش گوئی'' کی سند میں حسب ذیل راوی شامل ہیں:

1۔ یحییٰ بن عبداللہ الکرابیسی۔ 2۔ نصر بن مزاحم۔ 3۔ عمر بن سعد۔ 4۔ مسلم الاعور۔ 5۔ حبۃ العرنی۔

①۔ یحییٰ بن عبد اللہ الکرابیسی:۔

کتب رجال میں تلاش بسیار کے باوجود ''یحییٰ بن عبد اللہ الکرابیسی'' کا ''ترجمہ'' نہیں مل سکا۔ امام ذہبی رحمہ اللہ (م 748ھ) نے میزان الاعتدال (جلد 5۔ص 127 تا 130۔تحت رقم 9026 تا 9036) یحییٰ بن عبد اللہ نام کے گیارہ افراد کا ذکر ہے لیکن ان میں ''الکرابیسی'' سے موسوم کوئی بھی نہیں ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا راوی ہی مجہول ہے۔

②۔ نصر بن مزاحم:۔

یحییٰ بن عبد اللہ الکرابیسی ایک مجہول راوی نے یہ ''پیش گوئی'' نصر بن مزاحم سے روایت کی ہے۔امام ذہبی (م 748ھ) ''نصر بن مزاحم الکوفی'' کے ''ترجمہ'' میں لکھتے ہیں کہ: ''رافضی... ترکوہ۔مات سنة اثنتی عشرة ومئتین''۔

یہ شخص رافضی ہے۔محدثین نے اس سے روایت لینا ترک کر دیا ہے۔212ھ میں فوت ہوا۔

عقیلی نے کہا: ''شیعی، فی حدیثه اضطراب وخطأ کثیر''

یہ شخص شیعہ ہے،اس کی حدیث میں ''اضطراب'' ہے اور بہت غلطیاں کرتا ہے۔

''وقال ابو خیثمة: کان کذّاباً'' ابوخیثمہ نے کہا: بہت بڑا جھوٹا ہے۔

''وقال ابو حاتم: واهی الحدیث، متروک''

ابوحاتم نے کہا کہ نصر بن مزاحم واہی الحدیث ہے، اول فول بکنے والا ہے اس کی حدیث قابل ترک ہے۔①

③۔ عمر بن سعد:۔

نصر بن مزاحم (م 212ھ) نے زیر بحث ''پیش گوئی'' عمر بن سعد سے روایت کی ہے۔

امام ذہبی (م 748ھ) نے عمر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (م 65ھ)، عمر بن سعد الخولانی، عمر بن سعد عن الاعمش اور صرف عمر بن سعد کا ترجمہ لکھا ہے۔

نصر بن مزاحم (م 212ھ) کا عمر بن سعد بن ابی وقاص (م 65ھ) سے روایت بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ایک تو دونوں کے درمیان کافی فاصلہ ہے اور دوسرا یہ کہ یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے

---

① میزان الاعتدال جلد 5۔ص 17۔تحت رقم 8540

میں میدان میں اترے تھے۔ مختار ثقفی نے انہیں 65ھ میں قتل کرادیا تھا۔ اس نام سے موسوم اب تین ہی نام عمر بن سعد الخولانی، ''عمر بن سعد عن الاعمش'' اور عمر بن سعد باقی رہ جاتے ہیں۔

امام ذہبی (م 748ھ) عمر بن سعد الخولانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''**متهم بوضع الحديث** ''

یہ شخص حدیث گھڑنے کے ساتھ متہم ہے۔

عمر بن سعد عن الاعمش کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''**شيعيٌ بغيض** '' یہ بغضی شیعہ ہے۔ ''**قال ابو حاتم: متروك الحديث** ''

ابوحاتم نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

عمر بن سعد کے متعلق امام بخاری لکھتے ہیں کہ:

''**لايصحّ حديثه**'' اس کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ ①

④۔ مسلم الاعور:۔

زیر بحث ''پیش گوئی''، ''مجہول'' عمر بن سعد یا مذکورہ ''**شيعيٌ بغيض** '' عمر بن سعد ''مسلم بن کیسان ابوعبداللہ الضبیؔ الکوفی الملائی الاعور'' سے روایت کرتے ہیں:

''**قال الفلّاس متروك الحديث، وقال احمد: لايكتب حديثه، وقال يحيٰ: ليس بثقة، وقال البخارى: يتكلّمون فيه...** ''

الفلاس نے کہا: مسلم الاعور متروک الحدیث ہے، امام احمد نے کہا: اس کی حدیث نہ لکھی جائے، یحییٰ نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے اور امام بخاری نے کہا کہ محدثین/ ائمہ رجال اس میں ''کلام'' کرتے ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے بعد ''الاعور'' کی چند روایات نقل کی ہیں جس سے شیعہ مذہب کو تقویت ملتی ہے۔ ملاحظہ ہو: ②

⑤۔ حبۃ العرنی:۔

زیر بحث ''پیش گوئی''، مسلم الاعور، ''حبۃ بن جوین العرنی، الکوفی'' سے روایت کرتے ہیں۔

---

① ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال جلد 3۔ ص 208۔ تحت رقم 5800

② میزان الاعتدال جلد 4 ص 327 تحت رقم 8015

حبۃ العرنی نے زیر بحث ''پیش گوئی'' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سن کر آگے روایت کی ہے۔ اس آخری راوی کے متعلق امام ذہبی لکھتے ہیں کہ:

''من غلاۃ الشیعۃ، وھوالّذی حدّث انّ علیّاً کان معہ بصفّین ثمانون بدریّاً۔ وھذامحال

قال الجوزجانی غیرثقۃ... قال النسائی: لیس بالقویّ، وقال ابن معین وابن خراش، لیس بشیء... قیل: مات سنۃ ستّ وسبعین...''

حبۃ العرنی، غالی شیعہ ہے اور یہ وہ ہے جس نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ 80 بدری صحابی تھے اور یہ بات محال و ناممکن ہے۔
جوز جانی نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے، امام نسائی نے کہا: یہ قوی نہیں ہے۔ ابن معین اور ابن خراش نے کہا: یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ 76ھ میں فوت ہوا...... ①

قارئین کرام! قاضی مظہر حسین صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''منکرات'' کا مرتکب قرار دینے کے لیے ایک ''راہب'' کی بیان کردہ جس ''پیش گوئی'' سے صرف استدلال ہی نہیں کیا بلکہ اس نصرانی / راہب سے بھی کچھ بڑھ کر اس کی تائید و توثیق بھی کی تھی۔

''راہب'' نے تو اپنی کسی ''محرف کتاب'' سے دیکھ کر عربی زبان میں اس کا مفہوم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنایا تھا مگر قاضی صاحب نے ''غیر محرف کتاب'' قرآن مجید کی آیات سے بھی اس کی توثیق کر دی۔
چنانچہ قاضی صاحب یہ ''پیش گوئی'' نقل کرنے کے بعد زیر عنوان: ''تبصرہ'' لکھتے ہیں کہ:

1۔ ''یہ پیش گوئی قرآن کی کئی آیات کے مطابق ہے۔ اور سورۃ الفتح میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ﴾ (یعنی وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ) صحابہ کرام کی ہی صفتیں تورات اور انجیل میں بھی پائی جاتی ہیں۔''

2۔ مذکورہ پیش گوئی میں خصوصیت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پیش گوئی ہے جس کی وجہ سے ایک راہب مسلمان ہو گیا اور جنگ صفین میں اس نے شہادت کا مرتبہ پایا۔

3۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اس میں یہ بھی ہے کہ وہ منکرات سے منع کریں گے اور سورۃ الحج کی اس

① میزان الاعتدال جلد اول ص 413۔ تحت رقم 1610

آیت میں بھی خلفائے راشدین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے: ﴿وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ وہ موعودہ خلفاء نیکی کا حکم کریں گے اور منکر سے روکیں گے۔

4۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے جو جنگ جمل و صفین کی ہے اس میں آپ کی یہی صفت ظاہر ہوتی ہے۔

5۔ گویا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنا اور آپ سے جنگ کرنا تو منکرات سے تھا۔

6۔ لیکن چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے اجتہاد کی بناء پر اس (یعنی منکرات) کا صدور ہوا ہے اس لیے ان کے حق میں یہ صورتاً منکر تھا لیکن حقیقتاً منکر نہ تھا۔

7۔ حافظ ابن کثیر محدث کی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ہفتم کے حوالہ سے حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کے اور آپ کی بعض صفات کے متعلق ایک پیش گوئی جو پہلی آسمانی کتابوں میں مذکور ہے۔

8۔ جس سے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ بوجہ خلیفہ موعود ہونے کے مشاجرات صحابہ میں آپ کا اجتہادی موقف حق و صواب تھا اور آپ سے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بوجہ اپنے اجتہاد کے جنگ کی ہے ان سے اجتہادی خطا سرزد ہو گئی تھی اور یہی اہل سنت کا متفق علیہ موقف ہے۔......''①

یہ ملحوظ رہے کہ نمبر 1 کے سوا مذکورہ ''تبصرہ'' قاضی صاحب کے اپنے الفاظ میں ہی نقل کیا گیا ہے۔

قارئین کرام! زیر بحث ''پیش گوئی'' پر درایتاً اور روایتاً گفتگو گزر چکی ہے۔ قاضی صاحب نے ''علمی دیانت'' کا خون کرتے ہوئے ابن کثیر کی بیان کردہ سند کو سرے سے ہی حذف کر دیا۔ پھر راہب نے کتاب اور اس کے ''مرتبین'' کا نام ظاہر کیے بغیر اسے پڑھنا شروع کر دیا جبکہ قاضی صاحب نے ایک کتاب کے بجائے اسے ''پہلی آسمانی کتابوں'' کی طرف منسوب کر دیا یعنی زیر بحث پیش گوئی تمام آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ ''مجہول راہب کے پاس مجہول مرتبین کی مجہول کتاب'' میں دیگر ''پیش گوئیوں'' کو نظر انداز کر کے صرف وہ ''نہی عن المنکر کرے گا'' کی علامت دیکھ کر سورۃ الفتح، سورۃ النور اور سورۃ الحج کی ''آیت معیّت، آیت استخلاف اور آیت تمکین'' کی رو سے توثیق بھی کر ڈالی۔

قاضی صاحب نے زیر بحث ''پیش گوئی'' کا آغاز بحذف سند یوں کیا کہ:

---

① مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور راہِ اعتدال جلد دوم ص 336۔337۔ مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق لاہور۔ نومبر 2013ء

''حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں'' پھر اس پر اپنا ''تبصرہ'' کرنے سے پہلے پیش گوئی کے اختتام پر بطور حوالہ یہ لکھا کہ:①

موصوف نے اگرچہ یہاں ''مترجم وعربی'' دونوں کتابوں کی جلد نمبر کا ذکر نہیں کیا پھر ایک ماہ بعد نومبر 1993ء میں اٹھارہویں قسط کے آغاز میں ''جلد ہفتم'' کا ذکر کیا۔②

قاضی صاحب نے یہ ''پیش گوئی'' عربی متن کے بغیر البدایہ والنہایہ مترجم سے ہی نقل کی لیکن حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے ''عربی'' نسخہ بھی ضرور دیکھا ہوگا البتہ یہاں ''ایضاً'' لکھنا بعید از فہم ہے۔

بہرحال امام ابن کثیر نے راہب کی ''پیش گوئی'' نقل کرنے سے پہلے اس کی ''سند'' بھی لکھی (جس پر بحث گزر چکی ہے) جسے قاضی صاحب نے حذف کر دیا ہے۔ سخت حیرت ہے کہ موصوف نے ''پیش گوئی'' کی جزئیات تک کی توثیق کے لیے قرآن اور کتب تاریخ کی طرف مراجعت کی ''زحمت'' تو گوارا کر لی لیکن ''متن'' کے اسقام اور سند میں موجود راویوں کے حالات جاننے کے لیے کتب اسماء الرجال کی طرف مراجعت تو کیا کرتے الٹا انہوں نے سند حذف کر کے اپنے قارئین کو بھی اس سے بے خبر رکھا۔

پھر ان مجہول، کذاب، متروک الحدیث، واہی الحدیث اور غالی شیعہ راویوں پر اعتماد کر کے قرآن سے اس کی توثیق بھی کر بیٹھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہی نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ جنگ جمل وصفین میں شریک صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین بشمول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو زیر بحث راہب کی پیش گوئی اور قرآنی آیات کی روشنی میں ''فسق'' اور ''منکرات'' کا مرتکب قرار دے دیا۔ فیاللعجب۔

(''فسق'' پر بحث اگلے اعتراض نمبر 97 کے تحت آ رہی ہے) قاضی صاحب نے راہب کی پیش گوئی کی تصدیق قرآنی الفاظ ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ سے بھی کی ہے حالانکہ راہب کی پیش گوئی کا قرآن کریم کے مذکورہ الفاظ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ کتب تفاسیر میں

---

① البدایہ والنہایہ مترجم ص 500، عربی ص 255

② سترہویں قسط ماہنامہ حق چار یار لاہور اکتوبر 1993ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ حافظ عبدالجبار سلفی صاحب نے ان اقساط کو ٹھیک 20 سال بعد نومبر 2013ء میں کتابی صورت میں شائع کیا۔

اس بات کی تصریح موجود ہے کہ تورات وانجیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کس ''مثال'' کا ذکر کیا گیا ہے جس کی طرف قرآن نے مذکورہ الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ ''متی، لوقا اور مرقس'' کی اناجیل میں ان تمثیلوں کا ذکر موجود ہے۔

قاضی صاحب نے راہب کی پیش گوئی میں ''خلافت مرتضوی'' سے متعلق یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ:

''پھر اس کی امت کا ایک شخص اس فرات کے کنارے سے گزرے گا اور وہ نہی عن المنکر کرے گا......''

ممکن ہے البدایہ والنہایہ (مترجم اردو) میں اسی طرح لکھا ہو یا پھر کمپوزر سے کوئی جملہ لکھنے سے رہ گیا ہو کیونکہ اصل کتاب میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

﴿ يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

یعنی فرات کے کنارے سے گزرنے والے شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی صفت یہ ہے کہ وہ نیک کام کا حکم دے گا اور برے کاموں سے منع کرے گا۔

قاضی صاحب نے راہب کی زیر بحث ''پیش گوئی'' میں ''نہی عن المنکر'' کے الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے اصحاب جمل اور اصحاب صفین کو ''منکرات'' کا مرتکب قرار دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اسی ''نہی عن المنکر'' والی صفت کی بناء پر ہی ان سے جنگ جمل وصفین کی ہے۔

قاضی صاحب نے ''منکرات'' کی وضاحت میں دو امور بیان کیے ہیں۔ ایک ان حضرات (اصحاب وجمل وصفین) کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنا اور ان سے جنگ کرنا ''منکرات'' میں سے تھا۔ ''اصحاب جمل'' میں کسی کے نام کی تصریح نہیں کی البتہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خصوصیت کے ساتھ نام لے کر لکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرکے اور ان سے جنگ کرکے ''منکرات'' کا ارتکاب کیا تھا۔

قاضی صاحب نے راہب کی زیر تبصرہ ''پیش گوئی'' کے تحت اکتوبر 1993ء میں اصحاب جمل واصحاب صفین بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بنام ہدف تنقید بناتے ہوئے انہیں ''منکرات'' کا مرتکب قرار دیا ورنہ وہ اس سے دس سال پہلے اپنی کتاب ''خارجی فتنہ'' (1983ء) میں ''آیت استخلاف، آیت تمکین، آیت اولی الامر، آیت اتباع باحسان اور آیت قتال اہل البغی'' کے تحت انہیں بہت کچھ کہہ

چکے تھے جن میں سے کچھ ''امور'' کا ذکر گذشتہ اعتراض (نمبر 95) میں ہو چکا ہے۔

قاضی صاحب نے ''نہی عن المنکر'' کی صفت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منکرات کے مرتکب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بصورت قتال ''تغییر منکر'' کے اعلیٰ درجے (یعنی ''فلیغیرہ بیدہ'') پر عمل کیا اور اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ وتابعین کے خلاف بھی یہ ''فریضہ'' سرانجام دے چکے تھے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہرگز نہیں ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کا امتیازی وصف اور ان کی ملی توانائی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے سلسلہ میں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ قرآن مجید نے اس فریضہ کو انبیاء کرام علیہم السلام اور اسلامی ریاست کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے مختلف گروہوں، جماعتوں کے افراد (مرد وعورت) کی بھی خاص صفت اور ذمہ داری قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ①

ظاہر ہے کہ مذکورہ آیات کی اولین مخاطب جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی تھی بلکہ ان کی ایک صفت یہ بتائی گئی ہے کہ: ﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ کہ وہ سارے معروفات کا حکم دینے والے اور منکرات سے روکنے والے تھے۔

'' معروف ومنکر'' کے معنی بہت وسیع مفہوم رکھتے ہیں ان میں عقائد، عبادات اور اخلاق ومعاملات سب ہی شامل ہیں۔ ''معروف'' سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور ''منکر'' میں وہ تمام باتیں شامل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔ ②

امام رازی فرماتے ہیں کہ:

''رأس المعروف الایمان باللہ ورأس المنکر الکفر باللہ'' ③

معروف کی اصل اللہ پر ایمان ہے اور منکر کی اصل اللہ کا انکار ہے۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ:

---

① الحج آیت نمبر 41، آل عمران آیت 104، 110، التوبہ آیت 71، 112، لقمان آیت 17۔
② البحر المحیط لابی حیان اندلسی جلد 3 ص 21
③ التفسیر الکبیر جلد 4 ص 523

''المعروف هو امر الله... والمنكر هو مانهى الله منه''①

معروف سے مراد اللہ کا حکم ہے......اور جس چیز سے اللہ نے منع کیا ہے وہ منکر ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ:

''والمتبادر من المعروف الطاعات ومن المنكر المعاصي الّتي انكرها الشرع''②

بظاہر معروف میں تمام اطاعتیں شامل ہیں اور منکر سے وہ سب معصیتیں مراد ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی لکھتے ہیں کہ:

''المراد بالامر بالمعروف والنهى عن المنكر الامر بواجبات الشرع والنهى عن محرماته''③

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مراد ہے ان چیزوں کا حکم دینا جنہیں شریعت نے واجب کیا ہے اور ان چیزوں سے منع کرنا جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، سنت وشریعت اور پورا اسلامی قانون ''معروف'' ہے۔اس کے برعکس اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اور دین وشریعت کی مخالفت کا دوسرا نام منکر ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ مختلف آیات کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

''منکر وہ کام ہیں جن کو ہر شخص فطرۃً اور بداھۃً ناپسند کرتا ہے اور ان کی برائی ایسی کھلی ہوتی ہے کہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی اور یہی سبب ہے کہ ہر مذہب وملت اور ہر اچھے تمدن وتہذیب میں وہ یکساں برے سمجھے جاتے ہیں۔''④

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آئینہ اخلاق میں دیگر صفات کے ساتھ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا وصف بھی پوری آن بان کے ساتھ موجود تھا۔وہ اس حکم الٰہی پر سختی کے ساتھ عمل پیرا تھے۔کسی میں کوئی لغزش دیکھتے تو غصہ آجاتا، مذہبی خامی پر ضبط نہ کرسکتے اور برائیوں کے استیصال کے لیے برابر کوشش

---

① احکام القرآن جلد 2 ص 4 ② روح المعانی جلد 4۔ص 28
③ الزواجر عن اقتراف الکبائر جلد 2 ص 146
④ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد 6۔ص 520

کرتے رہتے تھے۔ وہ متبع سنت تھے کسی کو سنت کے خلاف کام کرتے دیکھا تو فوراً منع کر دیتے تھے۔ کتب احادیث اس قسم کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں:

''انکم لتصلّون صلوٰۃً لقد صحبنا النبیؐ فما رأیناہ یصلّیھما ولقد نھی عنھا یعنی الرکعتین بعد العصر''①

''یا اھل المدینة! این علماء کم سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ھذا یوم عاشوراء ولم یکتب اللہ علیکم صیامہ وانا صائم فمن شاء فلیصم ومن شآء فلیفطر''②

''این علماء کم سمعت رسول اللہ ﷺ ینھی عن مثل ھذہ...''③

مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ''اتباع سنت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے الگ الگ عنوان قائم کر کے ان کے تحت متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ ملاحظہ ہو:④

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وامّا معاویة فھو ان لم یرتکب منکراً لٰکنّه توسّع فی المباحات''⑤

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگرچہ کوئی منکر اور خلاف شرع کام ہرگز نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے مباحات میں توسع اختیار کیا تھا۔

قاضی مظہر حسین صاحب نے مذکورہ حقائق کے برعکس نہایت ہی ''دیدہ دلیری'' کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منکرات یعنی غیر شرعی امور کا مرتکب قرار دے دیا۔

ستم بالائے ستم یہ کہ موصوف نے اس ارتکاب منکرات کی اپنی ایجاد کردہ اصطلاح ''صورتاً'' کے ساتھ تاویل کر کے الٹا انہیں یک گونہ ثواب کا حق دار بھی ٹھہرا دیا۔ ''صورتاً'' سے اس کی تاویل یقیناً فاسد و باطل ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین در توہین اور تنقیص در تنقیص ہے۔

---

①صحیح بخاری رقم الحدیث 587، 3766

②حوالہ مذکور رقم الحدیث 2203

③حوالہ مذکور رقم الحدیث 3468، 3488، 5932، 5938

④سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد اول ص 504 تا 516۔ مطبوعہ تخلیقات لاہور 1995ء

⑤النبراس شرح لشرح العقائد ص 511

97

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخری وصیت میں بھی دنیوی مفاد پیش نظر رکھا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے وفات سے پہلے جو وصیت کی اس میں بھی دنیوی مفاد کو پیش نظر رکھا۔

چنانچہ پروفیسر ذوالقرنین زیدی لکھتے ہیں کہ:

''جب ان کی حالت بگڑ گئی تو انہوں نے یزید کے نام وصیت لکھی: بیٹا میں نے تمہارے لیے حکومت اور حکمرانی کا پورا بندوبست کر دیا ہے مشکل امور کو تمہارے پیروں کے نیچے روند دیا ہے۔ دشمنوں کو ذلیل کر دیا ہے اور عربوں کی گردنوں کو تمہارے لیے جھکا دیا ہے اور اس قدر مال و متاع جمع کیا ہے کہ کبھی کسی نے اتنا نہ جمع کیا ہوگا۔

میں نہیں سمجھتا کہ امر خلافت میں قریش کے ان چار اشخاص کے سوا کوئی تم سے نزاع کرے گا حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ ابن عمر تو وہ آدمی ہیں جن کو عبادت نے تھکا دیا ہے، اور جب ان کے سوا اور کوئی شخص تمہارا مخالف نہ رہ جائے گا تو وہ بھی تم سے بیعت کر لیں گے۔

اگر حسین بن علی تمہارے خلاف اٹھیں اور تم ان پر قابو پا لو تو درگزر سے کام لینا کیونکہ وہ تمہارے قریبی رشتے دار ہیں۔ ابن ابوبکر لہو ولعب میں مشغول ہو جائیں یا عورتوں سے زیادہ لطف اٹھائیں ان کی زیادہ اہمیت نہیں۔ البتہ جو شخص شیر کی طرح تم پر حملہ کر کے پچھاڑنا چاہتا ہے اور تم سے لومڑی کی طرح مکاریاں اور فریب کرے وہ ابن زبیر ہے۔ اگر تم اس پر فتح پا لو تو اس کے ٹکڑے کر دینا۔''[1]

اس وصیت نامے کا اصلی ماخذ ''اخبار الطوال'' اور ''تاریخ طبری'' ہے۔ بعد کے مورخین نے بھی مکھی پر مکھی مارتے ہوئے اسے نقل کر دیا ہے۔ اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری (متوفی 282ھ) کی

[1] حضرت امیر معاویہ تاریخ کے آئینے میں۔ ص302

تالیف ہے۔ اور ان کے شیعہ ہونے پر اہل تشیع کا اتفاق ہے۔ اسی طرح ابن جریر طبری (متوفی 310ھ) بھی متہم بالتشیع ہیں ان کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں اور بقول مودودی صاحب اگر انہیں شیعہ کہنا زیادتی ہے تو کسی صورت میں انہیں ''سنی'' بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مودودی صاحب اور طبری دونوں میں ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' ایک قدر مشترک ہے۔ اور جس شخص کے دل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بغض ہو تو وہ ہرگز اہل سنت میں سے نہیں ہوسکتا۔

دینوری، ابومخنف اور طبری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے اپنی پسند کا وصیت نامہ تیار کیا ورنہ ایسے موقع پر ایک عام مسلمان بھی دنیا سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور اس کا تمام تر دھیان و توجہ تو بہ و استغفار اور معافی تلافی کی طرف ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ ایک جلیل القدر صحابی اور مواخذۂ آخرت سے ہر وقت لرزہ براندام رہنے والے ایسے قیمتی اور نازک موقع پر دنیا کی طرف متوجہ ہوں؟

یہ وصیت نامہ سراپا جھوٹا اور من گھڑت ہے اس کے جعلی اور وضعی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا اسم گرامی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت بقول مورخین رجب 60ھ میں ان کے مرض الموت میں قلم بند کی گئی۔ حیرت ہے کہ آں محترم جیسے صاحب بصیرت، حالات، افراد اور واقعات پر گہری نظر رکھنے والے عظیم مدبر اور سیاست دان کی زبان سے حضرت عبدالرحمن بن بی بکر رضی اللہ عنہما کا نام لکھوایا جا رہا ہے جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر 53ھ میں وصیت نامہ تحریر ہونے سے سات سال پہلے فوت ہو چکے تھے...... کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اہم ترین ''مخالف'' کی موت سے بے خبر تھے؟

علاوہ ازیں وصیت نامے میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما پر بدترین الزام بھی لگایا گیا ہے کہ انہیں ''عورتیں اور لہو ولعب'' کے سوا کسی بات کا خیال نہیں جبکہ ان کی ساری زندگی جہاد اور اللہ کا کلمہ سربلند کرنے میں بسر ہوئی۔ اوّل تو وصیت کے وقت وہ دنیا ہی میں موجود نہیں تھے۔ اور اگر بالفرض زندہ بھی ہوتے تو اس وقت ان کی عمر اسی سال سے بھی زائد تھی کیا یہ عمر کھیل کود، لہو ولعب اور عورتوں کے ساتھ دلچسپی کی ہوتی ہے؟ ان کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ ان پر تبرا کیے بغیر دینوری، طبری اور سبائی برادری کس طرح چین سے بیٹھ سکتی ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بھی تکلف سے کام لیا گیا ہے انہوں نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کی موجودگی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کرلی تھی۔ ان سے تو کسی قسم کا کوئی خطرہ باقی ہی نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں وصیت نامہ وضع کرنے والے کذاب سبائی نے ''لومڑی کی طرح'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کر کے ان سے جنگ جمل میں شرکت کا بدلہ لے لیا۔ وہ بہادر تو یقیناً تھے ہی مگر لومڑی کی طرح انہوں نے کبھی کوئی چال نہیں چلی۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وصیت نامے میں تو یزید کو اس بات کی تاکید کی جا رہی ہے کہ عراق والوں کی ہر خواہش پوری کرنا۔ حتیٰ کہ اگر وہ روزانہ عاملوں کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو بھی پورا کرنا۔ مگر یزید نے اس وصیت کی کچھ پروانہ کرتے ہوئے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما گورنر کوفہ کو ان کی نرم مزاجی کی بنا پر وہاں سے ہٹا کر عبیداللہ بن زیاد جیسے شخص کو ان کی جگہ گورنر مقرر کر دیا۔ جسے روزانہ تو کیا پوری زندگی میں تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ کیا کوفی ابن زیاد کے کردار اور انتظامات سے مطمئن تھے؟

اس پورے وصیت نامے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق وصیت کے الفاظ کو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ فریقین کی کتب میں بھی ان الفاظ کی تائید پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ

> ''جہاں تک حسین کا تعلق ہے تجھے معلوم ہی ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ سے کتنا گہرا تعلق قرابت ہے۔ وہ نبی کے جگر گوشے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے گوشت اور خون سے ہی ان کی پرورش ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اہل عراق انہیں ضرور ہی اپنے ہاں بلائیں گے مگر ان کی مدد نہیں کریں گے بلکہ انہیں تنہا چھوڑ دیں گے اگر تو ان پر قابو حاصل کرے تو ان کی حرمت کا خیال رکھنا۔ ان کا رتبہ اور پیغمبر کے ساتھ ان کی قرابت کو ہرگز نظر انداز نہ کرنا۔ اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہو اس پر ان سے کوئی مواخذہ نہ کرنا اور وہ تعلقات جو میں نے ان سے ہمیشہ قائم رکھے ہیں ان کو ہرگز قطع نہ کرنا اور ایسا ہرگز نہ ہو کہ انہیں تمہاری طرف سے کوئی گزند پہنچے۔''①

مورخ طبری نے زیر بحث روایت ابی مخنف لوط بن یحییٰ کذاب کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس وصیت نامے کو وضع کرنے والا ابومخنف ہے اور اس کا مبلغ اعظم

① جلاء العیون فارسی طبع ایران ص 347، 348

ابن جریر طبری متہم بالتشیع ہیں جنہیں مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں بھی دفن نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ بعد کے مورخین نے ان کی اتباع و پیروی میں اس وصیت نامے کو بغیر کسی نقد یا جرح کے نقل کر دیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے نفسی اور دنیا کے ساتھ عدم محبت کا تو یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنا نصف مال بیت المال میں جمع کرانے کی وصیت کی۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ان معاویة لما احتضر اوصی بنصف ماله ان یرد الی بیت المال...''①

کیا دنیوی مفاد کو پیش نظر رکھنے والا بھی اپنی آدھی دولت بیت المال میں جمع کرانے کا حکم دے سکتا ہے؟

وصیت نامے کے سلسلے میں عوفی نے بھی اپنی کتاب ''منتخب الحکایات'' میں ایک مضحکہ خیز روایت لکھی ہے...... وہ کہتا ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جب آخری وقت آیا تو اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب میرا جنازہ قبر پر رکھا جائے تو تم عمرو بن عاص سے استدعا کرنا کہ آپ ہمارے بزرگ ہیں لہٰذا آپ نماز جنازہ پڑھائیں پھر عرض کرنا کہ برکت کے لیے قبر میں بھی آپ ہی اتار دیں۔ جب وہ قبر میں اتر جائیں اور میری نعش رکھ دی جائے تو تلوار سونت کر کھڑے ہو جانا کہ اب تم قبر میں سے اس وقت تک نہیں نکل سکتے جب تک میری خلافت کی بیعت نہ کر لو۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یزید نے جب تلوار سونت لی تو عمرو بن عاص نے امیر معاویہ کی لاش کی جانب منہ کر کے کہا: کیوں صاحب مرتے مرتے بھی چالاکی سے باز نہ آئے، اور پھر یزید کی بیعت کر لی۔''

دشمنانِ معاویہ کا عقل و درایت سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، انہیں تو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہر صورت میں بدنام کرنا ہے۔ ورنہ کوئی معمولی عقل رکھنے والا بھی یہ وصیت نقل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی، رفیق، مشیر اور مصر کے گورنر بھی رہے

---

① البدایہ والنہایہ ص 141 ج 8۔ انساب الاشراف، بلاذری ص 22 ج 4

ان سے تو عدم بیعت کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا پھر ان کے متعلق ایسی وصیت کا کیا معنی؟

علاوہ ازیں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق مختلف اقوال (43ھ، 47ھ، 48ھ، 51ھ) پائے جاتے ہیں لیکن طبری اور ابن کثیر نے راجح قول 43ھ کا نقل کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے طویل عرصہ پہلے انتقال کر گئے تھے۔ کیا وہ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھانے، انہیں قبر میں اتارنے اور یہ حکایت وجود میں لانے کے لیے دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی اسلام کی ترقی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وقف رہی۔ حتیٰ کہ آخری وصیت میں بھی یہی جذبہ نمایاں ہے:

''کان اخر ما اوصاھم بہ معاویہ ان شدوا اخناق الروم۔''[1]

''کہ رومیوں کے گلے گھونٹ کر رکھ دو۔''

ان کی اس وصیت سے بھی نصرانیت کے فلک بوس قلعوں میں شگاف پڑ گئے۔

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بوقت وفات اپنے رخسار مٹی پر رکھتے اور روتے ہوئے یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! آپ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ بے شک اللہ معاف نہیں کرتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ اور اس سے چھوٹے گناہ جس کے لیے چاہے معاف کر دیتا ہے۔ تو مجھے ان لوگوں میں شامل کر دیجیے جن کو آپ بخش دینا چاہیں گے۔

پھر گھر والوں سے مخاطب ہوئے کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ کرتہ، بال مبارک اور ناخن محفوظ ہیں جب میں مر جاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں، نتھنوں اور سجدے کے مقامات پر رکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ سینے پر رکھنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس چادر کو بھی بطور کفن استعمال کرنا جو میں نے حضرت کعب بن زہیر (رضی اللہ عنہ) کے ورثاء سے بیس ہزار درہم میں خریدی تھی۔ (یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو قصیدہ لامیہ پڑھنے پر بطور انعام عطا فرمائی تھی) اس کے بعد حضرت

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص 220 ج 1

معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''افعلوا ذلک بی وخلوا بینی وبین ارحم الراحمین۔ ''①

''کہ میری ان وصیتوں پر عمل کر کے مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہ الفاظ روایت کیے ہیں کہ:

''فعسی اللہ ان یرحمنی ببرکتھا۔''②

''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اشیاء کی برکت سے میری مغفرت فرما دیں گے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اغمی علیہ ثم افاق فقال لاھلہ اتقوا اللہ فان اللہ تعالٰی یقی من اتقاہ ولا یقی من لا یتقی ثم مات رحمہ اللہ۔ ''③

''بیماری کے دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر غشی اور غنودگی طاری ہوگئی پھر جب افاقہ ہوا تو گھر والوں سے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا اللہ تعالیٰ یقیناً اسے ہلاکتوں سے بچا لیتے ہیں اور جس نے تقویٰ اختیار نہ کیا تو اس کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔''

حضرت کی تجہیز وتکفین وصیت کے مطابق عمل میں آئی ۔ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی...... اس کے بعد یہ جلیل القدر صحابی ، ارض عرب کے مدبر اعظم اور خلیفۃ المسلمین باب الصغیر دمشق میں سپرد خاک کر دیے گئے۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دنیوی مفاد کا الزام، بے بنیاد، لغو اور خلافِ واقع ہے۔

---

① تہذیب الاسماء واللغات، نووی

② تاریخ اسلام، ذہبی ص 323 ج 2

③ البدایہ والنہایہ ص 142 ج 8

98

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت تارکِ سنت ہونے کی حالت میں ہوگی

ایک شیعہ مصنف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

''ابھی ایک شخص (معاویہ) نمودار ہوگا۔ اس کی موت تارک سنت ہونے کی حالت میں ہو گی۔''①

امام ذہبی رحمہ اللہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ حدیث کی صحت ثابت کیجیے اس لیے کہ اثباتِ صحت سے پہلے کوئی حدیث قابل احتجاج نہیں ہوسکتی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث باتفاق محدثین موضوع ہے اور کسی قابل اعتماد کتاب میں مندرج نہیں۔ علاوہ ازیں یہ حدیث بلا سند ہے اور اس سے احتجاج کرنے والے شیعہ مصنف نے بھی اس کی سند بیان نہیں کی۔ شیعہ مصنف کی جہالت کا بین ثبوت یہ ہے کہ اس کا راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ٹھہرایا ہے۔ بھلا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسی حدیث کے راوی کیونکر ہو سکتے ہیں جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے معائب و مثالب بیان کیے گئے ہیں جبکہ آپ نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدح و ستائش میں معروف ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی رئیس (سردار) اور بردبار نہیں دیکھا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ سے بڑھ کر نہ تھے؟ حضرت عبداللہ نے جواباً فرمایا: ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان سے افضل تھے۔''②

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

① المنتقیٰ ص 376 ② حوالہ مذکور ص 227

''ما رأیت احدا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسود من معاویۃ۔''

''میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر سرداری کے لائق کسی کو نہیں پایا۔''

ان سے کہا گیا کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا:

''کانوا واللہ خیرا من معاویۃ وکان معاویۃ اسود منھم۔''①

اللہ کی قسم! یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سرداری ان کی نسبت زیادہ تھی۔''

''قد صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصاب انہ فقیہ۔''②

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، فقیہ اور مجتہد تھے۔''

قبول اسلام کے بعد سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات (حنین، طائف اور تبوک) میں شرکت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی تعمیل میں تپتی ہوئی ریت پر ننگے پاؤں طویل سفر کیا۔③ جو یقیناً ان کی عظمت، اطاعت پیغمبر اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح دلیل ہے۔

شیخ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ انہیں معلوم ہوا کہ بصرہ میں ایک شخص کابس بن ربیعہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ مشابہت پائی جاتی ہے چنانچہ انہوں نے گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہیں انتہائی عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو۔ جب حضرت کابس بن ربیعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی گرم جوشی اور تعظیم وتکریم کے ساتھ آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔④

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متبع سنت تھے کسی کو سنت کے خلاف کام کرتے دیکھتے تو فوراً منع کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا تم یہ نماز پڑھتے ہو حالانکہ ہم رسول

① الاستیعاب مع الاصابہ ص 397 ج 3۔ اسد الغابہ ج 5 ص 221۔ البدایہ والنہایہ ج 8 ص 135

② صحیح بخاری باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ

③ الاصابہ ص 629 ج 3

④ نسیم الریاض شرح الشفاء ص 663 ج 3

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں ہم نے انہیں نماز پڑھتے نہیں دیکھا بلکہ عصر کے بعد ان دو رکعتوں سے منع کرتے سنا ہے۔ ①

ایک مرتبہ دس محرم کو مدینہ میں منبر پر کھڑے ہو کر خطبے میں فرمایا:

''یا اهل المدینه! این علماء کم؟ ''

اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ یوم عاشوراء ہے اللہ نے اس کا روزہ تم پر فرض نہیں کیا ہے البتہ میں روزے سے ہوں۔ لہٰذا جو شخص چاہے روزہ رکھ لے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔ ②

علاوہ ازیں امور سنت معلوم کرنے کے لیے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف بھی رجوع کیا کرتے تھے۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''ترک سنت'' کا الزام لغو، بے بنیاد اور خلافِ واقع ہے۔ انہوں نے زندگی کی آخری سانس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے آثار سے محبت رکھی۔ حتیٰ کہ یہ وصیت بھی کی کہ میرے مرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتہ و چادر کو بطور کفن استعمال کرنا اور آپ کے بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں، نتھنوں اور مقاماتِ سجدہ پر رکھ دینا۔ تو جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے مرنے کے بعد بھی تبرک حاصل کرنے کا خواہاں ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا تارک کیسے ہو سکتا ہے؟

---

① صحیح بخاری باب ذکر معاویہ

② حوالہ مذکور و صحیح مسلم کتاب الصوم

99

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت نفاق کی حالت میں ہوئی

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ کو آخر عمر میں لقوہ ہو گیا تھا۔ لقوہ ایک بیماری ہے جس سے منہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ یہ معاویہ کے اعمال کی مکافات اور پاداش تھی۔ امیر المومنین علیہ السلام پر برسر منبر بھونکنے والوں کے منہ اس قابل ہیں کہ وہ ٹیڑھے ہو جائیں۔ بہر حال اب ہم اس بیماری کا تذکرہ کرتے ہیں جس سے معاویہ کی موت واقع ہوئی۔ مسلم نے روایت کیا کہ قیس بن عباد نے عمار بن یاسر سے پوچھا کہ تم علی کی حمایت میں اتنی سرگرمی کیوں دکھا رہے ہو؟ تو اس کا جواب حضرت عمار نے یہ دیا تھا کہ مجھے حضرت حذیفہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا تھا کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بارہ منافق ہیں جو جہنم میں جائیں گے اور وہ دبیلہ سے مریں گے...... لغت عرب میں دبیلہ پھوڑے کو کہتے ہیں۔

اہل عراق میں یہ بات مشہور تھی کہ معاویہ کو دبیلہ نے پکڑ لیا ہے اور یہ اسی مرض سے ہلاک ہو گا۔ ظن غالب یہ ہے کہ اہل عراق کو اس بات کا علم کہ معاویہ دبیلہ سے مرنے والے منافقین میں سے ایک ہے حضرت علی اور حضرت حذیفہ کے ارشادات کی وجہ سے ہوا ہو گا۔ حضرت عمار بن یاسر کی مذکورہ روایت کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ معاویہ کی موت جناب صادق المصدوق رسول مقبول ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق دبیلہ ہی سے ہوئی لہٰذا معاویہ کا مقام خود بخود متعین ہو گیا۔''①

معترض کے پیش کردہ حوالے میں کسی قبیلے، کسی گروہ یا کسی مخصوص شخص کا نام تک ذکر نہیں کیا گیا۔ پھر اس کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دینا کسی یہودی اور مجوسی کا کام ہی ہو سکتا ہے حدیث کا

① سیاست معاویہ ص 124، 125

مفہوم سمجھنے کے لیے اصل روایات ملاحظہ فرمائیں:

(1) قیس سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے پوچھا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں جو اِن کا ساتھ دیا یہ آپ کی رائے ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کچھ فرمایا تھا؟ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ما عهد الينا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم شيئا لم يعهده الى الناس كافة ولكن حذيفة اخبرني عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: في اصحابي اثنا عشر منافقا فيهم ثمانية لا يدخلون الجنة حتى يلج الجمل في سم الخياط ثمانية منهم تكفيهم الدبيلة واربعة لم احفظ ما قال شعبة فيهم۔''①

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی جو اور عام لوگوں سے نہ فرمائی ہو لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا کہ میرے اصحاب میں سے بارہ منافق ہیں ان میں سے آٹھ جنت میں نہ جائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھسے (یعنی ان کا جنت میں جانا محال ہے) اور ان میں سے آٹھ کو دبیلہ کافی ہوگا اور چار کے متعلق راوی حدیث اسود یہ کہتے ہیں کہ ان کے متعلق جو کچھ شعبہ نے کہا مجھے یاد نہیں رہا۔''

یہ ملحوظ رہے کہ روایات میں ''دبیلہ'' کے علاوہ بھی مختلف الفاظ آئے ہیں جیسے ''نفاثات، ناقبات، اکلہ، لوقہ'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دُبیلہ کوئی حتمی چیز نہیں ہے۔

(2) **''قال في امتي اثنا عشر منافقا لا يدخلون الجنة ولا يجدون ريحها حتى يلج الجمل في سم الخياط ثمانية منهم تكفيهم الدبيلة سراج من النار يظهر في اكتافهم حتى ينجم من صدورهم۔''**②

''میری امت میں بارہ منافق ہیں جو جنت میں داخل نہ ہوں گے اور نہ اس کی خوشبو ہی پائیں گے یہاں تک کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ نہ گزر جائے۔ ان میں سے آٹھ منافقوں کے شر اور فتنہ کو دبیلہ رفع کرے گا (دبیلہ پیٹ کا پھوڑا، طاعون، حادثہ، سختی) وہ

① صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین واحکامھم
② حوالہ مذکور ومشکوۃ ص 539 باب فی المعجزات

آگ کا ایک شعلہ ہوگا جو اِن کے مونڈھوں (کندھوں) میں پیدا ہوگا''۔

(3) ابوطفیل سے روایت ہے کہ عقبہ کے لوگوں میں سے ایک شخص اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ جھگڑا تھا جیسے لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ بولا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ اصحاب عقبہ کتنے تھے لوگوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا جب وہ پوچھتا ہے تو اس کو بتا دیں انہوں نے کہا ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ چودہ آدمی ہیں اور اگر تو بھی ان میں سے ہے تو پندرہ ہیں اور میں قسمیہ کہتا ہوں کہ ان میں سے بارہ تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا و آخرت میں دشمن ہیں۔ اور باقی تینوں نے یہ عذر کیا کہ ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی (کہ عقبہ کے راستے سے نہ آؤ) کی آواز بھی نہیں سنی اور نہ اس قوم کے ارادہ کی ہمیں کچھ خبر ہے۔ اس وقت آپ سنگستان میں تھے۔ پھر کچھ چلے اور فرمایا: بے شک پانی تھوڑا ہے اور مجھ سے پہلے کوئی آدمی پانی پر نہ جائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے تو کچھ لوگ وہاں پہنچ چکے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن ان پر لعنت فرمائی۔ ①

اہل عقبہ منافقوں کی ایک جماعت تھی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ تبوک سے لوٹتے وقت آپس میں اتفاق کیا تھا کہ رات کے وقت عقبہ کی جگہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اچانک حملہ کریں اور آپ کو سواری سے اٹھا کر گھاٹی کے نیچے پھینک کر مار ڈالیں اور ہمارا کسی کو حال معلوم نہ ہو جب آپ گھاٹی پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کے مکر سے آگاہ کر دیا اسی وقت آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ یہ اعلان کر دو کہ عقبہ کے راستے سے کوئی نہ آئے اور بطن وادی جو بڑا وسیع اور آسان راستہ ہے وہاں سے گزر کر جائیں سب لوگوں نے حسب ارشاد بطن وادی کا راستہ لیا اور آپ نے حضرات عمار، حذیفہ اور حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہم کے ساتھ عقبہ کی راہ لی۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ آپ کے آگے آگے چلتے تھے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے۔ منافقوں نے آپ کے حکم کی تعمیل نہ کی اور عقبہ کے راستے سے غلط نیت کے ساتھ آپ تک پہنچ گئے۔ آپ کو ان کے پہنچنے کی خبر ہوگئی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ ان کی سواریوں کے منہ پر مارو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے لکڑی کے ساتھ سواریوں کو مارا اور کہا دور ہو جاؤ۔ منافقوں نے جان لیا کہ ہمارا مکر و منصوبہ آپ پر

① صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین واحکامهم و مشکوٰۃ ص 539 باب فی المعجزات

کھل گیا ہے لہٰذا وہ واپس بطن وادی میں دوسرے لوگوں سے جا ملے۔ آپ نے ان منافقوں اور ان کے باپوں کے نام اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتلا دیے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ چونکہ آپ کے راز دار تھے۔ ان سب کو پہچانتے تھے لیکن آپ کا راز افشانہ کرتے تھے۔

﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَ لَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ﴾ [1]

''قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا حالانکہ یقیناً انہوں نے کہی تھی کفر کی بات اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انہوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پا سکے۔ اور نہیں انتقام لے رہے وہ مگر اس بات کا کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول (ﷺ) نے غنی کر دیا۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لیے اور اگر وہ روگردانی کریں تو عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دنیا اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا روئے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔''

مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں غزوۂ تبوک کے موقع پر ان گھاٹی والے منافقوں کا ہی ذکر کیا جن کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

''هؤلاء المنافقون الى يوم القيمة۔''

''یہ ازلی بدبخت ہیں قیامت تک یہ منافق ہی رہیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اس مقصد کے لیے آئے تھے کہ مجھے کھائی میں گرا دیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ان کے قتل کا حکم کیوں صادر نہیں فرما دیتے؟ حکیم نبی ﷺ نے جواب دیا: نہیں میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) ایک قوم کو ساتھ لے کر لڑتا رہا اب جب غالب آ گیا تو اسی قوم کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر فرمایا:

''اللّٰهم ارمهم بالدبيلة۔'' ''اے اللہ! انہیں دبیلہ کا تیر مار۔''

---

[1] التوبہ: 74

ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! دبیلہ کیا ہے؟ فرمایا:

''شھاب من نار یقع نیاط قلب احدھم فیھلک۔''①

''یہ آگ کا شعلہ ہے جو اِن کی رگ دل پر پڑے گا اور انہیں ہلاک کر دے گا۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں کی بسبب دبیلہ موت کی اطلاع دی تھی وہ اہل عقبہ یعنی منافقین تھے جن کا جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا اسی لیے دوسری روایت میں ''امتی'' کا لفظ ارشاد فرمایا (یعنی امت دعوت) پہلی روایت میں جو ''اصحابی'' کا لفظ وارد ہوا ہے اس میں یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ اہل عقبہ بارہ منافق بھاگ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پہنچ گئے ہیں۔

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم الگ ہیں اور منافق علیحدہ۔ جیسے یہ کہا جائے کہ '' گلاس میں پانی ہے'' تو گلاس اور پانی دونوں الگ الگ سمجھے جائیں گے۔ ان دونوں کو ایک نہیں سمجھا جا سکتا اسی طرح اگر بشرط صحت روایت یہ کہا بھی گیا ہو کہ فی اصحابی اثنا عشر منافقا (کیونکہ دوسری روایت میں راوی نے شک کا اظہار کیا ہے، یہ فرمایا تھا یا یہ: فی امتی اثنا عشر منافقا) تو بھی ان دونوں کا الگ الگ ہونا مراد ہے یہ ہر گز مراد نہیں کہ العیاذ باللہ ''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بارہ منافق ہیں''۔ کیونکہ صحابی منافق نہیں ہوسکتا اور منافق صحابی نہیں ہوسکتا۔

بہرحال رسول اللہ ﷺ نے ان بارہ منافقوں کے ناموں اور سبب ہلاکت سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دیا تھا اب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ملاحظہ فرمائیں:

''عن حذیفة انه ﷺ عرفه ایاھم وانھم ھلکوا کما اخبرہ الرسول صلوات اللہ وسلامه علیه۔''②

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں منافقوں کی پہچان کرائی اور وہ اسی طرح ہلاک ہوئے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق اطلاع دی تھی۔''

اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جن منافقوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو باخبر کیا تھا کہ وہ اہل عقبہ میں سے ہیں اور ان میں سے آٹھ کی موت دبیلہ سے ہوگی وہ

① ضیاء القرآن ج2 ص234

② البدایه والنھایه ص21 ج5 تحت غزوة النبی احوال المنافقین ومرقاة شرح مشکوٰة، ملاعلی قاری ص106 ج11

سارے منافق آپ کی پیش گوئی کے عین مطابق ہلاک ہو گئے اور اس کی شہادت خود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دی۔ گویا کہ وہ منافق جن کا ذکر مذکورہ روایات میں آیا ہے وہ سارے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے جبکہ خود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق صاحب مشکوٰۃ ''الاکمال فی اسماء الرجال'' میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ۔ ۳۵ھ میں یا ۳۶ھ میں مدائن میں فوت ہوئے اور ایک قول کے مطابق شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے چالیس دن بعد وفات پائی۔''①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان روایات کا مصداق کیونکر ہو سکتے ہیں ان کی وفات تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بھی پچیس سال بعد ہوئی۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ روایات میں اہل عقبہ کی تعداد بارہ یا تیرہ یا پندرہ بیان ہوئی ہے مورخین ومفسرین نے ان ''اصحاب عقبہ'' کے نام مع ولدیت لکھ کر ان کے خلاف ایف آئی آر (F.I.R) بھی کٹوادی ہے۔ ان میں کہیں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ہے اور نہ بعد میں کسی مورخ یا مفسر نے کسی ''تھانے'' یا ''عدالت'' میں ان کا نام شامل کرنے کی درخواست دی تو کیا چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد کوئی عدالت اس بات کی مجاز ہے کہ وہ ایف آئی آر سے باہر کسی شخص کے خلاف لغو اور سراسر بے بنیاد مقدمہ کی سماعت کرے؟

جن مورخین اور مفسرین نے واقعہ عقبہ کا ذکر کیا ہے انہوں نے خود ہی ان کے نام بھی ایک مستقل عنوان یعنی ''اصحاب عقبہ کے نام'' کے تحت ذکر کر دیئے ہیں اور دوسروں کو انہیں تلاش کرنے کی زحمت ہی نہیں دی۔

چنانچہ مشہور مورخ ومفسر امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طبرانی میں ان کے نام یہ ہیں:

(1) معتب بن قشیر (2) ودیعہ بن ثابت (3) جد بن عبداللہ بن نبتل بن حارث جو عمرو بن عوف کے قبیلے کا تھا (4) حارث بن یزید طائی (5) اوس بن قیظی (6) حارث بن سوید (7) سعد بن زارہ سفیہ بن دراہ (8) قیس بن فہد (9) سوید بن داعس (10) قیس بن عمرو بن سہل (11) زید بن لصیت (12) سلالہ بن الحمام۔②

① مشکوٰۃ ص 590 حرف الحاء تحت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

② تفسیر ابن کثیر دسواں پارہ، سورۃ التوبہ تحت آیت 74 ص 385۔ ج 2

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''صحیح مسلم میں ہے کہ اہل عقبہ میں سے ایک شخص کے ساتھ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا کچھ تعلق تھا تو اس سے آپ نے قسم دے کر اصحاب عقبہ کی گنتی دریافت کی۔ لوگوں نے بھی اس سے کہا کہ ہاں بتلا دو۔ اس نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ چودہ تھے اگر مجھے بھی شامل کیا جائے تو پندرہ ہوئے۔ ان میں سے بارہ تو دشمن خدا اور رسول ہی تھے اور تین شخصوں کی اس قسم پر کہ نہ ہم نے منادی کی ندا سنی، نہ ہمیں جانے والوں کے ارادے کا علم اس لیے معذور رکھا گیا۔''①

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عقبہ میں ان بارہ منافقوں کی سواریوں کو مارتے ہوئے ان سے کہا تھا کہ دفع ہو جاؤ۔ اس پر وہ بھاگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یہ کون لوگ تھے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انہوں نے اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے۔ میں پہچان نہیں سکا لیکن میں نے ان کی سواریوں کو پہچان لیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اللہ نے مجھے ان افراد اور ان کے باپوں کے نام سے آگاہ کر دیا ہے اور میں تمہیں ان سے باخبر کر دوں گا۔ اسی لیے لوگ منافقوں کے معاملے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اسی غزوۂ تبوک کے موقع پر قیصر روم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط روانہ کیا۔ قاصد کا بیان ہے کہ:

''**فاتيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو مع اصحابه وهم محتبون بحمائل سيوفهم حول بئر تبوک فقلت ايكم محمد؟ فاوماء بيده الى نفسه فدفعت اليه الكتاب فدفعه الى رجل الى جنبه فقلت من هذا فقالوا معاوية بن ابى سفيان فقرأه ماذا فيه...**''②

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور وہ اپنے اصحاب کے ساتھ اپنی تلواریں حمائل کیے ہوئے تبوک کے چشمے کے گرد بیٹھے تھے تو میں نے کہا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنی طرف اشارہ کیا پس میں نے انہیں خط پیش کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لیے دیا۔

---

① تفسیر ابن کثیر دسواں پارہ، سورۃ التوبہ تحت آیت 74 ص 385۔ ج 2

② مسند أبي يعلى الموصلي ص 171 ج 3 تحت عنوان رسول قيصر

میں نے کہا یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا معاویہ بن ابی سفیان اور انہوں نے وہ خط پڑھ کر سنایا۔''

اگر ''فی اصحابی اثنا عشر منافقا'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے پہلو میں کیسے بٹھا سکتے تھے، ان سے خط کیوں پڑھواتے؟ بلکہ ان کے خلاف تو آپ کو ﴿ یَاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ﴾ کے تحت جہاد کرنا چاہیے تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے برعکس کام کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نجران پر عامل مقرر کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی اور امور مہمان داری کا وزیر مقرر کیا اور انہیں اپنی مستجاب دعاؤں سے نوازا:

(1) ''اللّٰهم اجعله هاديا مهديا واهد به۔''①

(2) ''اللّٰهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب۔''②

(3) ''اللّٰهم علمه الكتاب ومكن له في البلاد وقه العذاب۔''③

(4) ''اللهم املأه علما وحلما۔''④

(5) ''يا معاوية ان وليت امرا فاتق الله واعدل۔''⑤

(6) ''فان الله ورسوله يحبانه۔''⑥

دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ولا ارتياب ان دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستجاب فمن كان هذا حاله كيف يرتاب في حقه۔''⑦

''اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوتی ہے تو جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں تو اس کے حق میں ان دعاؤں کی قبولیت میں کیسے شبہ کیا جا سکتا ہے۔''

علاوہ ازیں ''کتابت وحی'' کے شرف سے آں محترم کا مومن کامل ہونا خود بخود ثابت ہو گیا......

① جامع ترمذی باب مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم
② کنز العمال ص 87 ج 7
③ البدایۃ والنہایۃ ص 121 ج 8
④ التاریخ الکبیر، امام بخاری ص 180 ج 4
⑤⑥ تطہیر الجنان ص 14، 15
⑦ مرقاۃ ص 438 ج 11 باب جامع المناقب

(اور یہ شرف وہ ہے کہ جس کا انکار اہل تشیع بھی نہیں کر سکے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بعید ہے کہ وہ یہ اہم ترین اور خالص دینی ذمہ داری کسی غیر مومن کے سپرد کرتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں کے خلاف جہاد کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گورنر کے منصب پر فائز فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ سال تک انہیں اسی عہدے پر بحال رکھا۔

حیرت ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نفاق کا علم نہیں ہو سکا اور نہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ (جو منافقین کی پہچان میں خصوصی مہارت رکھتے تھے) نے ان حضرات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نفاق کے بارے میں آگاہ کیا۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی یہ اعلان کر کے آں محترم کے ساتھ مصالحت کر لی:

''ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ لا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا ... ''①

''یقینا ہمارا رب ایک ہے ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری دعوت اسلامی بھی ایک ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے پر نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ ہماری اور ان کی دینی حالت ایک جیسی ہے۔''

بعد ازاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں خلافت سے دستبرداری کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے آں محترم کو امیر المومنین تسلیم کر لیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''قد اتفق الناس علی ان معاویۃ کان احسن اسلاما ... ولم یتھم احد من الصحابۃ والتابعین معاویۃ بنفاق۔''②

''لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایمان اچھا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی انہیں نفاق کے ساتھ متہم نہیں کیا۔''

مزید برآں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا ''دبیلہ'' یعنی پھوڑے سے ہونا بھی بالکل لغو ہے۔

---

① نہج البلاغہ ص 114 ج 2
② منہاج السنۃ ص 179 ج 4

سید مہر حسین بخاری نے لکھا ہے کہ:

''اہل عراق میں یہ بات مشہور تھی کہ معاویہ کو دبیلہ نے پکڑ لیا ہے اور یہ اسی مرض سے ہلاک ہوگا۔''①

یہ اہل عراق کون تھے؟ اہل شام جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قیام پذیر تھے وہاں یہ خبر کیوں مشہور نہ ہوئی؟ اہل حجاز اس اہم خبر سے کیونکر بے خبر رہ گئے؟ اس ضمن میں ابن قتیبہ کا یہ حوالہ پیش کیا جاتا ہے کہ:

''ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ان کی عمر اٹھتر برس تھی۔ پھوڑے کے نکلنے کے سبب سے انہوں نے انتقال کیا۔''②

ابن اسحاق کا مفصل حال پیچھے زیر عنوان

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معراج جسمانی کے منکر تھے''

گزر چکا ہے یہ بزرگ کذاب، معتزلی، قدری اور مجوسی تھے۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس کے بیان کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ الزام کہ ان کی موت حالت نفاق پر ہوئی بالکل لغو، بے بنیاد، خلافِ واقع اور مجوسیوں، سبائیوں اور یہودیوں کا عائد کردہ ہے۔③

---

① سیاست معاویہ ص 126

② کتاب المعارف تحت معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

③ زیر بحث اعتراض کی مزید تفصیل کے لیے کتاب کی ابتداء میں زیر عنوان: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام نفاق پر مبنی تھا'' ملاحظہ فرمائیں

100

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نصرانی ہو کر فوت ہوئے

ڈاکٹر نور حسین جعفری کربلائی سیالوی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ نے مرتے وقت گلے میں نصاریٰ کی صلیب لٹکائی اور نصرانی ہو کر مرا...... معاویہ بیمار ہوئے تو ان کو ایک طبیب نے دیکھا اور کہا تم کچھ نہ ڈرو اچھے ہو جاؤ گے۔ وہ اچھے ہو گئے اور پھر بیمار ہوئے پس ایک نصرانی آیا اور کہا کہ میرے پاس ایک تعویذ ہے کہ جو اس کو لٹکائے وہ اچھا ہو جاتا ہے۔ معاویہ نے لے کر اس کو اپنے گلے میں لٹکا لیا۔ پس طبیب اول نے آ کر دیکھا اور چلا گیا اور کہا کہ یہ اب ضرور مر جائیں گے۔

پس معاویہ اسی رات کو مر گئے لوگوں نے طبیب سے سبب پوچھا طبیب نے کہا ہم کو امیر المومنین علی المرتضیٰ علیہ السلام سے خبر پہنچی ہے کہ معاویہ نہ مرے گا جب تک اپنے گلے میں صلیب نہ لٹکائے گا۔ اور یہ تعویذ جو اِن کے گلے میں تھا اس پر صلیب کی صورت بنی ہوئی تھی۔ پس ہم نے یقین جان لیا کہ اب یہ ضرور مر جائیں گے۔'' ①

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تقریباً چالیس سال تک بحیثیت گورنر اور بحیثیت خلیفہ اپنے فرائض انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیے۔ انہوں نے اپنے دور امارت و خلافت میں اس قدر تمدن آفرین کارنامے انجام دیے ہیں جو ایک مستقل کتاب کے متقاضی ہیں۔

انہوں نے تاریخ اسلام میں سب سے پہلے اسلامی بحریہ قائم کی، جہاز سازی کے کارخانے بنائے اور دنیا کی سب سے زبردست رومن بحریہ کو شکست دی، آب نوشی اور آب پاشی کے لیے نہریں کھدوائیں، ڈاک خانوں کی تنظیم کی، طب اور علم الجراحت کی تعلیم کا انتظام کیا اور دمشق میں سب سے پہلا اقامتی ہسپتال قائم کیا۔

---

① ثبوت خلافت ص 258 ج 2 بحوالہ محاضرات راغب اصفہانی، خصائل معاویہ ص 553

حیرت ہے کہ آں موصوف کو اپنے ذاتی علاج کے لیے کوئی قابل اعتماد طبیب نہ مل سکا اور ایک مجوسی، رافضی اور سبائی طبیب کے علاوہ تعویذ گنڈے کے لیے بھی انہوں نے ایک عیسائی کی خدمات حاصل کرلیں یہ کیونکر ممکن ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساری زندگی دشمنانِ اسلام کے خلاف برسر پیکار رہے بالخصوص مجوسیوں اور نصرانیوں وعیسائیوں کے خلاف اپنے دل کے ارمان خوب پورے کیے...... رومیوں کے خلاف آپ کے جذبہ جہاد کا آپ کی آخری وصیت سے بھی بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ:

''شدوا اخناق الروم''

رومیوں کے گلے گھونٹ کر رکھ دو۔

شاید اسی وصیت کے جواب میں ایک عیسائی اور ایک مجوسی طبیب کو ''درآمد'' کیا گیا جن کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمنی وعداوت نہایت واضح ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گلے میں ایک عیسائی کے تعویذ کو لٹکتا ہوا بھی ایک رافضی طبیب دیکھ رہا ہے۔

آں موصوف کو مارنے کی یہ ترکیب کتنی آسان تھی۔ معلوم نہیں کہ اس عیسائی کی خدمت کو جنگ صفین کے موقع پر کیوں نہیں حاصل کیا گیا؟

رئیس المناظرین ڈاکٹر نور حسین جعفری نے اس عجیب وغریب داستان کے لیے ''محاضرات'' مصنفہ راغب اصفہانی کا حوالہ دیا ہے اہل تشیع ''محاضرات'' کو ''اہل سنت کی معتبر کتاب'' کا نام دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:①

تو آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ ''بزرگ'' فی الحقیقت کون ہیں؟

''محاضرات'' کوئی حدیث، سیرت اور فقہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ بنیادی طور پر عربی ادب کی کتاب ہے۔ اس کے مولف کا پورا نام حسین بن محمد الراغب اصفہانی ہے۔ یہ ''بزرگ'' شیعہ مذہب کے بہت بڑے عالم ہیں۔

① جواز متعہ از اثیر جاڑوی۔ ص 68 اور قول مقبول از غلام حسین نجفی ص 553

اس ''بزرگ'' نے سیدہ اسماء بنت ابی بکر اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما (یکے از عشرہ مبشرہ) کے نکاح دائمی کو ''متعہ'' ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ ①

اسی طرح اس نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ جیسے محدث وفقیہ پر لواطت (مفعولیت) کی تہمت بھی لگائی۔ ②

شیعہ مجتہد محسن الامین لکھتا ہے کہ:

''راغب اصفہانی کے شیعہ ہونے کے متعلق ''الریاض'' میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام شیعہ اسے معتزلی کہتے ہیں اور بعض خاص شیعوں نے بھی اس کی تصریح کی ہے:

''ولكن الشيخ حسن بن علي الطبرسي قد صرح في أخر كتاب اسرار الامامة بانه كان من حكماء الشيعة فان كثيرا من الناس يظنون انه معتزلي اقول يؤيد تشيّعه قول من قال انه كان معتزلي فانه كثيرا ما يغلطون بين الشيعي والمعتزلي لتوافق في بعض الاصول۔'' ③

''لیکن شیخ حسن بن علی طبرسی نے اپنی کتاب ''اسرار الامامہ'' کے آخر میں یہ تصریح کی ہے کہ راغب اصفہانی شیعہ حکماء میں سے تھا۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ معتزلی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے تشیع کی تائید اس شخص کے قول سے ہوتی ہے جس نے کہا کہ وہ معتزلی تھا کیونکہ شیعیت اور اعتزال کے بعض اصول میں متفق ہونے کی وجہ سے دونوں کو باہم ملا دیا جاتا ہے۔ (یعنی کبھی اس کو شیعہ کہہ دیا جاتا ہے اور کبھی معتزلی)''

اس کے بعد صاحب اعیان الشیعہ محسن الامین نے اس کی شیعیت پر چند مزید دلائل دیے۔ شیعہ عالم شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ:

''ایک ممتاز عالم مرزا عبداللہ، راغب اصفہانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس کے معتزلی اور شیعہ ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے لیکن شیخ حسن بن علی طبرسی نے اپنی کتاب اسرار الامامہ کے آخر میں واضح طور پر لکھا ہے کہ:

---

① محاضرات ص 94 ج 2

② حوالہ مذکور ص 199 ج 1

③ اعیان الشیعہ ص 160 ج 6 تحت الراغب

''انہ ای الراغب کان من حکماء الشیعة الامامیة لہ مصنفات فائقة مثل مفردات فی غریب القرآن و افانین البلاغہ و المحاضرات''①

''راغب اصفہانی شیعہ امامیہ حکماء میں سے تھا۔ اس کی بلند پایہ تصنیفات میں سے مفردات فی غریب القرآن، افانین البلاغہ اور محاضرات ہیں۔''

جس شخص کے تشیع کے متعلق خود شیعہ علماء اقرار کر رہے ہیں تو اس کی کتاب کو ''اہل سنت کی معتبر کتاب'' قرار دینا بدترین فریب دہی ہے۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مذکورہ الزام سبائیوں، مجوسیوں، رافضیوں اور یہودیوں کا عائد کردہ ہے۔ جو سراسر بے بنیاد، لغو اور خلافِ واقع ہے۔

---

① الکنی و الالقاب ص 268 ج 2

تکملہ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بسلسلہ ''دفاع عن الصحابہ رضی اللہ عنہم'' زیر نظر کتاب ''خلیفہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سو اعتراضات کا علمی تجزیہ'' پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ فالحمد للہ علی ذلک حمداً کثیراً۔

راقم نے اس کتاب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ناقدین، طاعنین اور معترضین کی طرف سے کیے گئے ایک سو اعتراضات کے مسکت جوابات دے کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے کی ادنیٰ کوشش کی ہے تاکہ نہ کوئی اس دروازہ سے داخل ہو اور نہ وہ ''سقیفہ بنی ساعدہ'' تک پہنچ سکے۔

مشہور محدث ابوداود کے استاذ حضرت ربیع بن نافع ابوتوبہ حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''معاویۃ بن ابی سفیان ستر لاصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کشف الرجل الستر اجترئ علی ماوراءہ۔''①

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ایک پردہ ہیں۔ جب کوئی شخص اس پردے کو کھول دے گا تو اس پردہ کے پیچھے جو لوگ ہیں ان پر بھی وہ جرأت کرے گا۔''

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دشمنانِ اسلام سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع اور سب وشتم کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو نشانہ بناتے ہیں۔ لہٰذا آں موصوف کے کامل دفاع میں ہی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا دفاع مضمر ہے۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف قائم کیے گئے بعض مقدمات اور چند عدالتی فیصلوں کی نقول بھی بطور تکملہ اور ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لیے شامل کتاب کر دی

① تاریخ بغداد ص 209 ج 1، تاریخ ابن عساکر ص 747 ج 16، البدایہ والنہایہ ص 139 ج 8

جائیں تاکہ دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالتی اور قانونی جنگ لڑنے والے ان سے استفادہ کر سکیں۔

مقدمات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1۔فیصلہ ہائی کورٹ الٰہ آباد۔ بھارت

دفعہ 298-A کا متن (جس کے تحت مقدمات قائم کیے گئے)

2۔فیصلہ مجسٹریٹ درجہ اول اسلام آباد

3۔مقدمہ ایبٹ آباد۔ برخلاف محمود شاہ محدث ہزاروی

4۔فیصلہ ایبٹ آباد۔ برخلاف سائیں فیروز

تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

1

فیصلہ ہائی کورٹ الہ آباد۔ بھارت

بابا خلیل داس بنام ریاست

سپیشل بینچ: وی جی اوک، اے پی سری دستاوا، ڈی پی اونیال (جج صاحبان)

درخواست گزار کی طرف سے گوپل بہاری، صادق علی اور سید حیدر شوکت عابدی جبکہ مدعا علیہ کی طرف سے اے۔ آر عثمان اور جے آر بھٹ ڈپٹی گورنمنٹ ایڈوکیٹ نے دلائل پیش کیے۔

جسٹس وی جی اوک نے تفصیلی فیصلہ تحریر کیا۔ بنچ کے دوسرے ممبر جسٹس اے پی سری دستاوا نے اس فیصلہ کے متعلق لکھا کہ میری بھی بالکل یہی رائے ہے۔ اور بنچ کے تیسرے ممبر جسٹس ڈی۔ پی اونیال نے لکھا کہ میں اس فیصلے کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں۔ گویا کہ سپیشل بنچ کے تمام ممبران کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔ مقدمہ ہذا کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ:

بنارس (بھارت) کے ایک سنی، حنفی مسلمان بابا خلیل احمد نے اپنی مختلف کتب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ صرف غلیظ زبان استعمال کی بلکہ انہیں العیاذ باللہ کافر اور ابدی جہنمی بھی قرار دیا جس سے مسلمانان ہندوستان میں سخت اشتعال پیدا ہوا اور وہ سراپا احتجاج بن گئے۔ نتیجۃً حکومت یوپی نے ان تمام کتب کی ضبطی کا حکم جاری کر دیا۔

اس حکم ضبطی کے خلاف بابا خلیل احمد نے ہائیکورٹ الہ آباد میں ایک اپیل دائر کر دی...... جواباً علماء کرام اور غیور مسلمانوں نے اپنے بھرپور جوش وجذبے کا مظاہرہ کیا۔ حکومت نے خصوصی طور پر مولانا احمد مکرم صاحب اعظمی کو عربی اور فارسی کتب کی مختلف عبارات کے ترجمہ کرنے کے لیے الہ آباد طلب کیا۔ موصوف نے بڑی محنت اور جانفشانی سے تقریباً ایک لاکھ الفاظ پر مشتمل یہ ذخیرہ باقاعدہ ترتیب دے کر عدالت عالیہ کے سامنے پیش کیا۔ جو سب کا سب شاملِ مثل ہے۔ علاوہ ازیں خود جج صاحبان نے بھی کافی دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ ضروری اقتباسات کا انگریزی میں ترجمہ کرایا۔

درخواست گزار نے اپنے موقف کی تائید میں دو بیان حلفیاں جمع کرائیں جن میں یہ کہا گیا کہ مسلم علماء کی متفقہ رائے میں معاویہ کا بیٹا یزید واقعہ کربلا کا سب سے بڑا کردار اور اس کا مرتکب ہے۔ نومبر 1952ء میں بنارس میں ایک ہینڈبل جاری ہوا جس میں یزید کو جنت کا حق دار ٹھہرایا گیا۔ دوسرے کتابچوں میں معاویہ کی مدح وتعریف کی گئی اور اسے حنفی مسلمانوں کا راہنما بتایا گیا۔ درخواست گزار ایک سنی حنفی المسلک مسلمان ہے اس لیے اس نے معاویہ اور یزید کی حیثیت ومقام کے متعلق شکوک وشبہات اور غلط فہمیاں دور کرنا اپنا اہم فرض سمجھا اور اس مقصد کے تحت درخواست گزار نے چھ کتابیں تصنیف کیں۔ جنہیں چندلوگوں کے احتجاج پر حکومت یوپی نے ضبط کرلیا۔ جبکہ درخواست گزار کا کسی شخص کے مذہبی جذبات کو مجروح یا مشتعل کرنا ہرگز مقصد نہیں۔

ہوم سیکرٹری برائے یوپی گورنمنٹ نے بھی عدالت میں ایک تحریری بیان پیش کیا جس میں یہ وضاحت کی کہ بابا خلیل احمد ''سنی حنفی'' کی چھ کتابیں مفاد عامہ اور بہت سے مسلمانوں (جن کے مذہبی جذبات مجروح ہوئے) کے شدید احتجاج کے بعد ضبط کی گئی ہیں۔

مجاہد اسلام عبدالملک نے بھی گورنمنٹ کے فیصلہ کی حمایت میں دو بیان حلفیاں جمع کرائی ہیں جن میں یہ وضاحت کی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا مسلمان نہایت ہی احترام کرتے ہیں۔ اور درخواست گزار نے جو تقاریر کیں یا کتابیں تصنیف کیں ان سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح ہوئے ہیں۔

سپیشل بنچ نے مقدمہ کی کاروائی پر ہر پہلو کے اعتبار سے خوب غور وخوض کیا اور اپنے فیصلے میں بابا خلیل احمد کی کتابوں سے اس وضاحت کے ساتھ چند اقتباسات بھی پیش کیے کہ ان چھ کتابوں کا مرکزی خیال معاویہ کا مبینہ کردار ہے نہ تو یہ ضروری ہے اور نہ ہی مناسب کہ ان چھ کتابوں کے تمام غیر قانونی اور قابل اعتراض اقتباسات کا حوالہ دیا جائے۔ یہاں صرف چند اقتباسات کا حوالہ ہی کافی ہے:

1: پہلی کتاب ''اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اور معاویہ کی صحابیت'' ہے۔ اس کتاب کے صفحہ 61 پر تحریر ہے کہ معاویہ نے ظلم، برائی اور تباہی کے تمام راستے اختیار کیے۔ کتاب کے صفحہ نمبر 87، 88 پر مصنف لکھتا ہے کہ معاویہ نے ہر ذریعے سے ہر ظلم کا ارتکاب کیا۔

2: دوسری کتاب ''مولیٰ اور معاویہ'' (یعنی علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ) ہے۔ اس کتاب کے صفحہ 161 پر

تحریر ہے کہ لفظ معاویہ کے معنی ''کتیا'' کے ہیں۔ صفحہ نمبر 213 پر معاویہ کی والدہ ہند کے بارے میں ایک اخلاق سے گرا ہوا حوالہ ہے۔ صفحہ نمبر 317 پر مصنف لکھتا ہے کہ معاویہ دوزخ کا مستحق ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

3: تیسری کتاب ''ردفضائل معاویہ'' ہے اس کتاب کے صفحہ نمبر 12 پر ہے کہ اللہ معاویہ کو جہنم رسید کریں گے اور وہ یقیناً جہنم میں جائے گا۔

4: چوتھی کتاب ''حق اور اہل حق کی شاندار فتح'' ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر 2 پر ہے کہ معاویہ ایک کافر، دہریہ، ظالم اور بے دین تھا۔

5: پانچویں کتاب ''قول فیصل'' ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر 38، 39 پر ہے کہ معاویہ سر سے لے کر پاؤں تک مجرم ہے اور صفحہ نمبر 108، 109 پر ہے کہ معاویہ یقیناً جہنم میں جائے گا۔ اس کا ٹھکانہ جنت نہیں جہنم ہے۔

6: چھٹی کتاب ''معاویہ پر جواز لعنت کے شرعی دلائل'' ہے اس کتاب کے صفحہ نمبر 17، 18 پر مصنف نے معاویہ کے سولہ گناہوں اور غلط کاریوں کی فہرست پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ قارئین مہربانی کر کے نوٹ کر لیں کہ مذکورہ برائیوں اور جرائم میں سے وہ کون سی برائیاں اور جرائم ہیں جن کا معاویہ نے ارتکاب نہیں کیا۔ پھر اسے مذکورہ بالا الزامات اور القابات سے کیونکر بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

اسی کتاب کے صفحہ نمبر 39 پر معاویہ کی والدہ کے بارے میں اخلاق سے گرا ہوا ایک حوالہ ہے۔ صفحہ نمبر 64 پر مصنف نے معاویہ کے مستحق لعنت ہونے پر بہت سے دلائل پیش کیے ہیں۔ مذکورہ بالا چھ کتابوں کی عام بحث سے یقیناً یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ معاویہ کا کردار بڑا نفرت انگیز تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف دفعہ 295۔ اے تعزیراتِ ہند یہ کتابیں لکھنے کا مرتکب ہے یا نہیں؟

مذکورہ بالا دفعہ کا مفہوم یہ ہے کہ:

جو شخص دانستہ یا بہ نیت فاسد ہندوستان کے شہریوں کی کسی بھی جماعت کے لوگوں کی مذہبی احساسات کی تقریری یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا کسی نمایاں نقوش وغیرہ کے ذریعے سے توہین کرتا یا ان کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تحقیر و تذلیل کی کوشش کرتا ہے تو وہ قید اور جرمانہ دونوں سزاؤں کا

مستحق ہوسکتا ہے جبکہ قید کی میعاد دو سال تک ہوسکتی ہے۔

اس کے بعد فاضل ججوں نے اہل سنت والجماعت کے ان مذہبی جذبات وعقائد کو جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کے بارے میں ہیں مختلف کتب سے نقل کیا ہے...... مصنف کے دلائل پر جرح وقدح کے بعد فرد جرم عائد کرنے کے لیے 295۔اے تعزیرات ہند کی روشنی میں بالقصد، بالارادہ بہ نیت فاسدان تمام اکابر کی توہین وتحقیر اور مسلمانوں کی دل آزاری کرنے والا ثابت کر کے مجرم قرار دیا ......اور حکومت یوپی کے ضبطیٔ کتب کے حکم کو بالکل درست اور جائز قرار دیا ہے۔

فیصلہ کے آخری الفاظ حسب ذیل ہیں کہ:

تعزیرات ہند کی دفعہ 295۔اے میں لفظ ''بدنیتی'' کسی مخصوص مفہوم کے ساتھ استعمال نہیں ہوا۔ استغاثہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ثابت کرے کہ درخواست گزار کی نیت فاسد تھی یا مخصوص اشخاص کے ساتھ دشمنی رکھتا تھا۔ اگر قانونی جواز کے بغیر رضا کارانہ طور پر مضرت رساں کام کیا جائے تو اسے بھی ''بدنیتی'' ہی سمجھا جائے گا۔

(درخواست گزار کے وکیل) صادق علی نے اس پر بحث کی ہے کہ ''مصنف کے پاس مذکورہ چھ کتب لکھنے کا جواز موجود تھا۔ کیونکہ مخالف نکتہ ءنظر کی تائید میں کتابچے شائع ہو چکے تھے''

میں نہیں سمجھتا کہ اس صورت حال کو ''قانونی جواز'' بنالینا چاہیے۔ درخواست گزار کا یہ چھ کتابیں لکھنا ایک رضا کارانہ فعل تھا اسے کسی اعلیٰ ہستی کی طرف سے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ درخوست گزار نے اپنی مرضی اور خواہش سے خاص دلائل کو رد کرنے کا انتخاب کیا۔ لہٰذا اسے ''قانونی جواز'' قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور وہ بغیر کسی ''قانونی جواز'' کے مجرمانہ فعل کا مرتکب ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنی تحریر کے ممکنہ نتیجہ اور انجام سے بھی آگاہ تھا۔ اس لیے اس کی ''بدنیتی'' بھی ثابت ہوگئی۔

تعزیرات ہند کی دفعہ 295۔اے کے تحت فرد جرم عائد کرنے کے تمام اجزاء ثابت ہو چکے ہیں۔ ان چھ کتابوں میں سے ہر ایک میں ایسا مواد موجود ہے جو دفعہ مذکورہ کے تحت قابل سزا ہے۔ لہٰذا حکومت ضبطیٔ کتب کے حکم کو جاری کرنے میں مطمئن اور حق بجانب تھی......اور بابا خلیل احمد کی درخواست زیر دفعہ 99۔بی ضابطہ فوجداری خارج کی جاتی ہے۔ یہ فیصلہ سپیشل بنچ کے جسٹس وی۔ جی اوک نے تحریر کیا جبکہ بنچ کے دوسرے ممبران جسٹس اے پی سری دستاوا اور جسٹس ڈی۔ پی اونیال نے اس فیصلے

کے ساتھ اتفاق کیا۔

عدالت کی طرف سے ملزم بابا خلیل احمد کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ وہ فریق مخالف کو چھ سو روپے بطور خرچہ مقدمہ، تین سو روپے ترجمہ فیس اور تین سو روپیہ فیس ڈپٹی گورنمنٹ ایڈوکیٹ کو ادا کرے۔ ①

﴿وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾

یہ ملحوظ رہے کہ مذکورہ بالا فیصلہ ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور میں بھی شائع ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور 22 رجب المرجب 1384ھ مطابق 27 نومبر 1964ء ص 5، 10۔ زیر عنوان: ''قانونی تبرّ۔ امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخیوں کا انجام'' زیر سرپرستی: علامہ خالد محمود، علامہ دوست محمد قریشی۔

① تلخیص فیصلہ ہائیکورٹ سپیشل بنچ الہ آباد۔ اے۔ آئی۔ آر 1960ء از ص 715 تا 719

دفعہ A-298 کا متن

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے 17 ستمبر 1980ء کو تعزیرات پاکستان ایکٹ 35 آف 1860ء میں حسب ذیل ترمیم کی ہے:

1: اس کا نام تعزیرات پاکستان کی دوسری ترمیم کا آرڈیننس 1980ء ہوگا اور اس پر فوری عمل درآمد ہوگا۔

2: تعزیرات پاکستان کے باب 15 میں سیکشن 298 کے بعد مندرجہ ذیل سیکشن A-298 لکھی جاوے گی۔

Use of Derogatory remarks, etc, in respect of Holy personages.

Whoever by words, either spoken or written, or by visible representation or by any imputation, innuendo or insinuation , directly or indirectly, defiles the sacred name of any wife(ummul mumineen), or members of the family(Ahle-Bait), of the Holy Prophet(Peace be upon Him) or any of the righteous caliphs (Khulafa-e-rashideen) or comanions (Sahaaba) of the Holy Prophet(Peace be upon Him) shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to three years, or with fine, or with both."

جو شخص زبانی یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا کسی ظاہری علامت کے ذریعے یا کسی تہمت، طعن یا تعریض کے ذریعے (اشارۃً یا کنایۃً) بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر کسی بھی طرح نبی کریم ﷺ کی کسی حرم

محترم (ام المؤمنین) یا کنبہ کے افراد (اہل بیت) میں سے یا کسی خلیفہ برحق (خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم) یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی اہانت کا مرتکب ہوگا وہ سزا کا مستوجب ہوگا جو قید کی صورت میں تین سال تک یا جرمانہ یا دونوں سزائیں (یعنی قید و جرمانہ) ایک ساتھ بھی دی جاسکیں گی۔ ①

① ملاحظہ ہو: تعزیرات پاکستان ترمیمی آرڈیننس 1980ء

2

فیصلہ مجسٹریٹ درجہ اول۔ اسلام آباد

تعارف از مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ

آج سے تقریباً پانچ سال قبل عبدالقیوم علوی نامی ایک گستاخ صحابہ کی (جو بقول اپنے دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی کا فارغ التحصیل اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا سند یافتہ ہے) رسوائے زمانہ کتاب بنام...... تاریخ نواصب حصہ اول ......شائع ہوئی تھی۔ کتاب چونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خلاف حد درجہ زہریلے مواد پر مشتمل تھی اس لیے اس سے سنی مسلمانوں کے مذہبی جذبات بری طرح مجروح ہوئے۔ جس سنی مسلمان نے بھی وہ کتاب پڑھی مصنف پر نفرین بھیجی۔

میں نے صدر ضیاء الحق مرحوم کے جاری کردہ ''صحابہ آرڈیننس'' کے حوالے سے بحیثیت صدر جمعیۃ اہل السنت والجماعۃ پاکستان، مصنف مذکور پر مقدمہ کر دیا۔ مقدمہ کرنے کے بعد جب میں اپنے بزرگوں کو اس کا بتاتا اور دعا کی درخواست کرتا تو میں حیران ہوتا جب وہ مجھے دعا دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے کہ تم نے مقدمہ کر کے اپنے آپ کو بہت بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' کے مصداق نہ تم اس سے باعزت طور پر جان چھڑا سکو گے اور نہ پاکستانی عدالتوں سے صحابہ کی عزت وحرمت کا تحفظ حاصل کر سکو گے۔ لیکن بعد میں جب میں پاکستانی عدالتی نظام کی مشکلات، صبر آزما طول طویل مراحل سے دوچار ہوا اور خصوصاً مذہبی نوعیت کے مقدمات سے پاکستانی اہل عدل وانصاف کی گھبراہٹ اور پہلوتہی کا مشاہدہ کیا تو میری وہ حیرانگی ختم ہوگئی اور سچی بات ہے کہ دل ہی دل میں صحابہ کرام کی روحوں سے میں شرمندگی محسوس کرنے لگ گیا۔ میں نے ظاہری اسباب حتی الامکان بروئے کار لانے کے ساتھ ساتھ اپنے اللہ کے سامنے جو گریہ وزاریاں کیں اور پیغمبر واصحاب پیغمبر کے جو واسطے اللہ تعالیٰ کو دیے وہ بیان کرنے کی چیز نہیں، وہ میں جانتا ہوں یا میرا اللہ۔

بہر حال پانچ سال کی شبانہ روز انتھک کوشش، محنت اور دعا والتجا کے بعد آخر کار اللہ کی رحمت اور

صحابہ کرام کی کرامت رنگ لائی ، یہ مقدمہ تقریباً پانچ سال چلا جس میں بیسیوں پیشیاں پڑیں۔ یکے بعد دیگرے پانچ ججوں نے اس کی سماعت کی۔ ملزم کی درخواست پر دو ججوں سے یہ مقدمہ تبدیل کیا گیا جبکہ ایک جج سے میری درخواست پر یہ مقدمہ تبدیل ہوا۔ اور بھی یہ مقدمہ شاید کئی سال چلتا؛ اتفاق سے ملزم نے طوالتِ مقدمہ اور تبدیلیٔ مقدمہ کی سیشن کورٹ میں ایک درخواست گزاری جس پر سیشن کورٹ نے فیصلہ کی حتمی تاریخ مقرر کر دی تب جا کر یہ مقدمہ کنارے لگا اور فاضل عدالت نے ہماری مایوسیوں کے علی الرغم ، پاکستانی تاریخ میں صحابہ کی عزت وحرمت کے حق میں اور گستاخِ صحابہ......علوی...... کے خلاف اپنا تاریخی اور یادگار فیصلہ دے دیا جو فی الواقع ﴿ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا ﴾ کا مصداق ثابت ہوا اور فاضل جج ملک محمد حفیظ مجسٹریٹ درجہ اول/ اسسٹنٹ کمشنر اسلام آباد کے حق میں بے ساختہ دل سے دعائیں نکلیں اور کیا بعید ہے کہ ان کا یہ فیصلہ ان کی نجات اُخروی کا ذریعہ بن جائے۔ میں تشکر کے رسمی الفاظ سے شکر گزاری کے ان جذبات کی توہین نہیں کرنا چاہتا جو ملک صاحب کے لیے میرے دل میں ہیں۔

میں اپنے رفقاء کا رحضرت مولانا **عبدالغفور** صاحب اور حضرت مولانا **غلام محمود** صاحب کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں، یہ دونوں حضرات اگر میرے رفیق سفر نہ ہوتے تو شاید میں اپنا یہ طویل سفر مکمل نہ کر سکتا۔

اول الذکر میرے رفیق نے میری علمی وتحقیقی معاونت کی ، اس تاریخی فیصلے سے پہلے گستاخِ صحابہ......علوی...... کے موقف کا جو مختصر تعارف آپ ملاحظہ فرمائیں گے وہ میرے اسی رفیق کار کا لکھا ہوا ہے ، جبکہ ثانی الذکر میرے رفیق نے میری دوسری مشکلات میں میرا ہاتھ بٹایا۔ میں اپنے محترم وکلاء راجہ عبدالرحیم صاحب اور میاں اشتیاق حسین صاحب اور شیخ محمد اکرم صاحب ایڈووکیٹ اٹک کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے خالصۃً لوجہ اللہ اس مقدمہ میں پیروی کی ، بلکہ شیخ محمد اکرم صاحب تو پیرانہ سالی کے باوجود اٹک سے تشریف لاتے رہے اور چائے کی پیالی تک پیے بغیر فی سبیل اللہ پیروی کرتے رہے۔ نیز اپنے بزرگ فاضل علماء حضرت مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد صابر (حضرو والے) مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بھرپور معاونت فرمائی۔

محترم قارئین! میرے اس قافلہ کی روح رواں ہمارے محسن جناب ڈاکٹر نور محمدؒ صاحب

گجراتی (بوہڑ بازار، راولپنڈی) تھے جنہوں نے اس مقدمہ کے مالی اخراجات کا بیڑا اٹھا رکھا تھا، بقضائے الٰہی وہ انتقال فرما گئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) اللہ تعالیٰ مرحوم کو اور جملہ ساتھیوں کو جزائے خیر دے۔ آمین

یہ تاریخی فیصلہ اور علوی کے موقف کا مختصر جائزہ ہم افادۂ عام کے لیے شائع کر رہے ہیں تا کہ سنی مسلمانوں کی مایوسی ختم ہو کہ پاکستان میں تحفظ ناموس صحابہ کے آرڈیننس پر عمل درآمد نہیں ہو رہا اور وہ جان لیں کہ پاکستانی عدالتی نظام گو طول طویل تو بہت ہے لیکن مذہبی نوعیت کے مقدمات میں اس سے اتنی مایوسی شاید برمحل نہیں ہے۔

میں بحیثیت صدر جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ، پاکستان، پاکستان کے تمام سنی مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مایوس نہ ہوں بلکہ جہاں بھی کوئی شخص گستاخیٔ صحابہ کا مرتکب ہو، صحابہ آرڈیننس کے تحت اس پر مقدمہ درج کرائیں اور پھر اتحاد و اتفاق پیدا کریں، افتراق و انتشار سے بچیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ①

عبدالقیوم علوی کے خلاف ''مقدمہ'' کے اندراج کے بعد مولانا قاضی مظہر حسین صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اہل سنت اسلام آباد نے مجھے بذریعہ عنایت نامہ اطلاع دی ہے کہ صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے نافذ کردہ تحفظ صحابہ آرڈیننس کے تحت یہ زیر بحث کتاب ضبط کر لی گئی ہے، اس دریدہ دہن مصنف کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

یہ خبر تمام سنی مسلمانوں کے لیے مسرت کا باعث ہے۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ نہ صرف اس مصنف کو بلکہ اس قسم کے دیگر مصنّفین کو بھی گرفتار کر لیا جائے جن کی تصانیف میں اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی ایک کی بھی توہین پائی جاتی ہے ان کو سنگین سزا دے کر عظمت صحابہ کرام کا تحفظ کیا جائے''۔ ②

① فیصلہ اسلام آباد ص 4-6 از مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ زیر عنوان: پیش لفظ
② کشف خارجیت ص 564۔ تحریک خدام اہل سنت چکوال 1985ء

توہین صحابہ رضی اللہ عنہم پر سزا

(عدالت کا فیصلہ)

مولانا سعید احمد جلالپوری لکھتے ہیں کہ:

''رافضی تبرائی اور سنی نما رافضی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں آئے دن بکواس کرتے رہتے ہیں۔ہم سنی سن کر صرف افسوس کا اظہار کر دیتے ہیں یا تقاریر اور قراردادوں کے ذریعے کچھ جواب دیکر خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا۔ حالانکہ دل کی تسلی کے لیے یہ ٹھیک ہے ثواب تو یقیناً اس پر بھی ملتا ہے مگر کرنے کا کام اور بھی ہے۔اسلام آباد میں ایک شخص عبدالقیوم علوی (جس نے دورۂ حدیث دارالعلوم راولپنڈی سے پڑھا تھا) نے ایک کتاب لکھی ''تاریخ نواصب'' جس میں ناصبیت کا بانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا۔اور ساتھ ساتھ حضرت عمرو بن عاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو منافق ، فاسق ، فاجر، بدکردار، کافر ملعون، کتے اور خنزیر تک لکھا۔(العیاذ باللہ)

صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہید رحمہ اللہ کی ترمیم کردہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 الف کے تحت محنت کر کے 14۔فروری 85ء کو مولانا محمد عبداللہ صاحب (اسلام آباد) نے اس پر مقدمہ کرایا۔آخرکار 15۔نومبر 89ء کو تین سال قید بامشقت کی سزا ہوگئی۔الحمد للہ

یہ اس نوعیت کا پہلا مقدمہ ہے جس پر مجرم کو سزا ملی ہے۔مجسٹریٹ درجہ اول جناب ملک محمد حفیظ صاحب اس جرأت وہمت اور دینی غیرت پر بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ہماری عرض یہ ہے کہ اس کی خوب اشاعت ہو تا کہ عبرت ہو اور سنی حضرات سے اپیل ہے کہ ہر زبان دراز پر اس طرح مقدمہ چلا کر سزا ضرور دلوائیں چاہے اس میں کئی سال کیوں نہ لگیں آخر جائیدادوں پر بھی لوگ مقدمہ بازی کرتے ہیں۔اصل کام یہ ہے کہ اس طرح کے مقدمات چند ضرور دائر کرائے جائیں۔''[1]

---

[1] ماہنامہ بینات کراچی رجب 1410ھ/ مارچ 1990ء ص 15 از سعید احمد جلالپوری

فیصلہ:

بعدالت جناب ملک محمد حفیظ صاحب اسسٹنٹ کمشنر/ مجسٹریٹ درجہ اول اسلام آباد

سٹیٹ بنام عبدالقیوم علوی

مقدمہ علت نمبر 13 مورخہ 14 / 2 / 85ء

بجرم 295 (الف)، 298 (ب) تعزیرات پاکستان

تھانہ آبپارہ

حکم

عبدالقیوم علوی ولد غلام حسین قوم آوان سکنہ پنڈ سنگرال تھانہ گولڑہ شریف اسلام آباد کو پولیس تھانہ آبپارہ نے بجرم 295/A 298/A ت پ چالان کر کے بغرض سماعت پیش عدالت کیا۔

مختصر حالات مقدمہ اس طرح ہیں کہ مورخہ 14۔فروری 1985ء کو مدعی مقدمہ مولانا محمد عبداللہ صدر جمعیت اہل السنت والجماعت پاکستان/ خطیب مرکزی مسجد سیکٹر جی 6 اسلام آباد نے تحریری درخواست تھانہ آبپارہ گزاری کہ کتاب ''تاریخ نواصب'' (حصہ اول) مصنفہ عبدالقیوم علوی (ملزم) میں بعض صحابہ کرام بزرگ ہستیوں بشمول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مصنف نے قابل اعتراض الفاظ استعمال کیے اور ان کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کافر، کتے خنزیر کے برابر اور منافق دشمن اسلام، ملعون اور دین کے معاملہ میں خصوصاً ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے جس سے مدعی اور سنی اکثریت کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔

دورانِ تفتیش کتاب مذکورہ بالا قبضۂ پولیس میں لی گئی، گواہان کے بیانات قلمبند ہوئے، ملزم کو گرفتار کیا جا کر بعد تکمیل تفتیش چالان عدالت کیا گیا۔مورخہ 5۔اپریل 1985ء کو نقول بیانات گواہان استغاثہ تقسیم ہو کر مورخہ 30 / 4 / 85ء کو ملزم پر فردِ جرم زیر دفعات 295/A، 298/A عائد ہوئی۔ملزم کے انکار پر شہادت استغاثہ طلب ہو کر قلمبند ہوئی۔

گواہان استغاثہ نمبر 1، نمبر 2 فرد مقبوضگی کتاب ExP1 ''تاریخ نواصب'' (حصہ اول)

رپورٹ ابتدائی ExPB کی تائید کی اور بتایا کہ وہ ان کی قلمی ودستخطی ہے نیز اس نے بتایا کہ اس نے دورانِ تفتیش کتاب ExP2 پیش کی اور وہ پولیس نے بذریعہ فرد ExPC قبضۂ پولیس میں لی جس پر گواہ نے اپنے دستخط شناخت کیے۔ گواہ نے اپنی شہادت کے دوران بتایا کہ کتاب کے مختلف حصوں میں مصنف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں توہین آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں اور ان کو ناصبی کہا ہے جب کہ مصنف نے ناصبیوں کے لیے کتے خنزیر، ملعون اور کافر منافق جیسے برے القاب سے تعبیر کیا جس سے مدعی کی اور تمام اہل سنت ساتھیوں (گواہان) مذہبی کی دل آزاری ہوئی اور ان کے مذہبی جذبات مجروح ہوئے۔ گواہ نے اس بارہ میں کتاب کے صفحہ نمبر 16 مقام 'A تا A' اور صفحہ نمبر 21 مقام 'B تا B' اور صفحہ نمبر 15 مقام 'C تا C' کا خاص طور پر ذکر کیا مزید بتایا کہ اس نے ایک مفصل رپورٹ (ExP3-P-1G) ایسے ہی حوالہ جات پر مبنی تیار کر کے پولیس کو دی جو کہ ان کی اور گواہ عبدالغفور کی دستخطی ہے۔

گواہ نے بتایا کہ وہ اور اس کے ساتھی جن کے مذہبی جذبات مجروح ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی اور کاتب وحی سمجھتے ہیں۔ جرح میں گواہ نے بتایا کہ اس کی دل آزاری مسلمان ہونے کی حیثیت سے اور اہل السنت والجماعت ہونے کی حیثیت سے اور علماء دیوبند کے ساتھ تعلق کی حیثیت سے ہوئی ہے۔

گواہ استغاثہ نمبر 4 کرامت خان ASI محرر FIR ہے۔ گواہ نے بتایا کہ اس نے رسمی رپورٹ ابتدائی ExPB/1 حسب آمدہ تحریر مدعی ExPB درست طور پر قلمبند کی۔

گواہان استغاثہ نمبر 5، نمبر 6، نمبر 7 نے بھی متفقہ طور پر بتایا کہ بحیثیت مسلمان اور اہل السنت والجماعت ان کے مذہبی جذبات ملزم کی مصنفہ کتاب ''تاریخ نواصب'' (حصہ اول) پڑھ کر مجروح ہوئے ہیں۔ چونکہ مصنف نے اپنی کتاب میں صحابہ کرام کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کیے اور انہیں ناصبی گردانا جس کی تاویل مصنف نے کتے اور خنزیر وغیرہ کے الفاظ استعمال کر کے کی ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ دورانِ شہادت گواہ استغاثہ نمبر 6 مولانا عبدالغفور، ملزم سے ذیل سوالات عدالت نے پوچھے جو کہ مع جوابات ملزم درج ہیں۔

سوال عدالت: کیا آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) کو کافر منافق ظالم وغیرہ کہا ہے۔

جواب: میں نے بالکل یہ کہا ہے۔ اور کتاب میں لکھا ہے۔

سوال عدالت: کیا آپ کی نظر میں ان صحابہ کو برا بھلا کہنے سے جذبات مجروح نہیں ہوتے۔

جواب: اس سے جذبات مجروح نہیں ہوتے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ ظالم اور بری شخصیتیں ہیں۔

گواہ استغاثہ نمبر 8 ریاض احمد SI تفتیشی افسر مقدمہ ہذا ہے گواہ نے اپنے بیان میں بتایا کہ اس نے دورانِ تفتیش حسب پیش کردہ گواہان کتاب ExP1 ، ExP3 ''تاریخ نواصب'' بذریعہ فردات ExPA ، ExPC قبضہ پولیس میں لی، نقشہ موقع ExPE مرتب کیا اور کتاب کے قابل اعتراض اقتباسات ExP3-P14 پیش کردہ گواہان حاصل کر کے شامل مثل کیے۔ گواہ نے مزید بتایا کہ ملزم نے صحابہ کرام کی توہین کی ہے اور اہل السنت والجماعت کے جذبات کو مجروح کیا ہے جس کی وجہ سے ملزم کو گناہ گار پا کر چالان عدالت کیا۔ اس گواہ پر باوجود موقع دینے کے ملزم نے جرح نہ کی اور اس مرحلہ پر شہادت استغاثہ کی تکمیل ہوئی۔

شہادت استغاثہ کی قلمبندی کے بعد مورخہ 19 / 2 / 87 کو ملزم کا بیان زیر دفعہ 342 ض ف قلمبند کیا گیا۔ گواہ نے اپنے بیان میں بتایا کہ کتاب P1 ، P2 ''تاریخ نواصب'' (حصہ اول) کا وہ مصنف ہے اس نے موقف اختیار کیا کہ اس نے کسی صحابی رسول (ﷺ) کی توہین نہ کی ہے اور نہ ہی کسی سنی کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ ملزم نے مزید بتایا کہ وہ اپنے دیگر بیان میں تفصیلات بابت کتب مصنّفین اہل السنت والجماعت جنہوں نے اصحابِ رسول کو کافر و منافق وغیرہ لکھا ہو بتائے گا۔ اور یہ بھی بتائے گا کہ اس کے خلاف مقدمہ کیوں بنایا گیا ہے تاہم ملزم نے بعد ازاں مورخہ 4 / 3 / 87ء کو بیان کیا کہ وہ زیر دفعہ 340 ض ف بیان نہ دینا چاہتا ہے۔ اس مرحلہ پر بحث فریقین سماعت کی گئی اور مثل کا بغور مطالعہ کیا گیا۔

دورانِ بحث ہماری توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی گئی کہ دفعہ 196 ض ف کے تحت دفعہ 295/A ت پ کی سماعت سے پہلے مرکزی یا صوبائی حکومت یا ان کی طرف سے مجاز اتھارٹی کی نالش ضروری تھی جو کہ حاصل نہ کی گئی ہے۔ اس قانونی نقطہ سے ہم اتفاق کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ واقعی سماعت مقدمہ کرنے سے پہلے اس بارہ میں کاروائی کرنی لازمی تھی جو کہ نہ کی گئی ہے۔ ہم اس مرحلے پر جب کہ مقدمہ ہذا سال 1985ء سے زیر سماعت ہے اس بارہ میں تحرک کو تقاضائے انصاف کے

خلاف اور نامناسب سمجھتے ہیں۔

صفحہ مثل برآمدہ شہادت اور بیان ملزم سے عیاں ہے کہ کتاب ''تاریخ نواصب'' (حصہ اول) ملزم ہی کی تصنیف ہے اور ملزم نے اس امر کو خود تسلیم کیا نیز ملزم نے دورانِ کارروائی عدالت واضح الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ اس نے اپنی کتاب مذکورہ بالا میں حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو کافر، منافق، ملعون، بدکردار، فاسق، فاجر اور ظالم وغیرہ کہا ہے تاہم یہ موقف اختیار کیا کہ اس کے اور اہل السنت والجماعت کے نزدیک وہ صحابی نہیں ہیں۔

شہادت استغاثہ اور تاریخ اسلام پر لکھی گئی مستند کتب کے مطالعہ سے اس امر سے متعلق کوئی شک وشبہ نہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول اور کاتب وحی تھے۔اسی طرح عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی اصحاب رسول تھے۔ملزم کے مذکورہ شخصیتوں کو اصحاب رسول نہ ماننے سے قطعاً تاریخی واقعات، حالات تبدیل نہ ہو سکتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ مذہب اسلام کے لاکھوں پیروکاران شخصیتوں کو صحابی رسول سمجھتے ہیں اور اس بات کا علم ملزم کو بھی ہے اور ملزم نے جان بوجھ کران شخصیتوں کے بارے میں عمداً نازیبا الفاظ استعمال کر کے اہل السنت والجماعت اور دیگر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا ہے۔

بحالات بالا ہم سمجھتے ہیں کہ استغاثہ اپنے مقدمہ کو بدوں شک وشبہ ثابت کرنے میں کامیاب رہا ہے نیز یہ کہ نازیبا الفاظ جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کو مذکورہ بالا شخصیتوں کے لیے استعمال کرنے کو بھی ملزم از خود تسلیم کرتا ہے۔لہٰذا ہم ملزم کو زیر دفعہ 298/A ت پ تین سال قید با مشقت کی سزا دیتے ہیں۔تاہم اس سزا کا اطلاق حسب منشاء زیر دفعہ 382/B ض ف ہوگا۔حکم سنایا گیا۔مثل بعد ترتیب وتکمیل داخل دفتر ہووے۔

لکھوایا گیا   ۔/ دستخط

AC/MIC اسسٹنٹ کمشنر/ مجسٹریٹ درجہ اول   ۔/ دستخط

15/11/89   اسلام آباد   5۔نومبر 1989ء

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے اس فیصلہ پر مفصل تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

''مولوی عبدالقیوم علوی کو تحفظ ناموس صحابہ آرڈیننس دفعہ 298۔الف کے تحت بتاریخ

15۔نومبر 1989ء جناب ملک محمد حفیظ صاحب اسسٹنٹ کمشنر/ مجسٹریٹ درجہ اول اسلام آباد کی عدالت سے تین سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی ہے۔اس فیصلہ کے خلاف عبدالقیوم علوی نے اپیل دائر کردی ہے اوراب وہ ضمانت پر باہر ہے......

اس کی اس ناپاک جسارت کے خلاف حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب زیدمجدہم خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آبادوصدر جمعیت اہل سنت والجماعت پاکستان نے اپنی ایمانی غیرت کے تقاضا سے تحفظ ناموس صحابہ آرڈیننس کے تحت عدالت میں دعویٰ دائر کردیا تھا جس کے نتیجہ میں عبدالقیوم مذکور کو تین سال قید بامشقت کی سزادی گئی۔

یہ کیس چار پانچ سال چلتا رہا ہے۔حضرت مولانا عبداللہ صاحب موصوف نے پوری ہمت اور استقامت سے اس مقدمہ کی پیروی کی۔مولانا موصوف ہزار ہاہزار مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ جنتی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شرعی عظمتوں کے تحفظ کے لیے اس گستاخ کا بڑی پامردی سے تعاقب کیا۔**فجزاهم الله احسن الجزاء**......

عبدالقیوم علوی نے جو کچھ لکھا ہے وہ رافضیت ہی کی ایک شکل ہے۔ان غالیانہ عقائد کی جڑ ایک تنقیدی فتنہ ہے۔اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا اور سارے فتنے اس کی لپیٹ میں ہیں۔

مودودی صاحب کی کتابوں میں جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کی گئی ہے وہ بھی صحابہ آرڈیننس کی زد میں آتے ہیں لیکن لفظ تنقید کو مودودی صاحب اپنے لیے ڈھال بناتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین نہیں کرتے بلکہ تنقید کرتے ہیں اور صحابہ پر تنقید کرنا ہمارا مذہبی حق ہے کیونکہ صحابہ نہ معیار حق ہیں نہ ہماری تنقید سے بالاتر شخصیتیں ہیں اور اس تنقیدی حق کو مودودی صاحب نے محض انفرادی حیثیت سے اختیار نہیں کیا بلکہ مودودی جماعت اسلامی کے دستور میں اس تنقیدی حق کو بطور ایک اسلامی عقیدہ کے شامل کرلیا گیا ہے......"[1]

---

[1] ماہنامہ حق چار یار لاہور۔رجب 1410ھ/فروری 1990ء ص 3، 20 تحت اداریہ "اهدنا الصراط المستقيم" زیر عنوان: "گستاخ صحابہ عبدالقیوم علوی اور فیصلہ عدالت"

(برخلاف محمود شاہ ہزاروی)

پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی آف حویلیاں (یہ بھی خیر سے بابا خلیل داس اور عبدالقیوم علوی کی طرح سنی حنفی ہونے کے مدعی تھے) اکثر و بیشتر اپنی تقاریر میں نبی اکرم ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن سب وشتم حتیٰ کہ انہیں العیاذ باللہ باغی، طاغی، ظالم، منافق اور کافر قرار دیتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے مریدین نے موصوف کے ان ہی جذبات ہذیانات وہفوات پر مشتمل گفتگو ریکارڈ کر کے اس کی تشہیر کی تو راقم الحروف (قاضی محمد طاہر علی الہاشمی) نے 28 جون 1985ء کے خطبہ جمعہ میں حکومت پاکستان سے ان کے خلاف 298۔اے کے تحت کاروائی کرنے کا پرزور مطالبہ کیا جس کے نتیجے میں موصوف کے خلاف یکم جولائی 1985ء کو مذکورہ دفعہ کے تحت باقاعدہ ایک مقدمہ درج کر لیا گیا، جو 25 دسمبر 1992ء تک مختلف عدالتوں میں زیر بحث رہ کر ملزم کے فوت ہو جانے کی بناء پر بغیر کسی فیصلہ کے ختم ہو گیا۔

سید محمود شاہ صاحب اپنے ''حلقۂ عقیدت منداں'' میں اپنی حیات اور بعد از وفات بھی اپنے خودساختہ لقب ''محدث ہزاروی'' سے معروف ومشہور رہیں۔ معلوم نہیں کہ موصوف کو یہ ''لقب'' کس نے اور کن ''خدمات'' کی بناء پر عطا کیا؟

موصوف کا قائم کردہ مدرسہ ''جامعہ حنفیہ قادریہ'' تو موصوف کی وفات کے ستائیس سال بعد بھی یعنی 2019ء تک ''موقوف علیہ'' کی سطح تک ''تدریس'' سے ناآشنا ہے۔ ''دورہ حدیث'' کا معاملہ تو بہت دور کی بات ہے البتہ صحیح بخاری کے بارے میں ان کی یہ ''تحقیق'' سامنے آئی ہے جس میں ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا ہے کہ:

سوال ہوا کہ بعد کتاب الباری اصح کتب بخاری جو کہا جاتا ہے حقیقت اس کی کیا ہے؟

جواب: فرمایا: نہ آیت ہے نہ حدیث اس کے بعد ایک قول ہے بجائے خود ثابت نہیں چہ جائیکہ دوسری چیز کے لیے مثبت ہو۔ اس کے بعد جو مفاد اس کا رہ گیا، مراد اس سے بخاری کی وہی حدیث جو کتاب اللہ کے مخالف اور معارض نہ ہو۔ بخاری میں جو کچھ ہے سب کا سب مراد نہیں......

(اس کے بعد صحیح بخاری کے ایک راوی حریز بن عثمان کی ایک روایت کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ:)

''جس بخاری میں ایسے ایسے جہنمیوں کی روایات دین کش، ایمان سوز بھی ہوں، آنکھ پر پٹی باندھ کر سب کچھ قابل قبول نہیں ہوسکتا۔''①

''محدث ہزاروی'' کا لقب اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ محمود شاہ صاحب کے والد سید محبوب شاہ صاحب کی وفات کے بعد 1937ء میں موصوف کے بڑے بھائی جناب عبدالقاضی شاہ صاحب جانشین مقرر ہوئے اور انہوں نے 1372ھ/ 1954ء میں وفات پائی۔ (ان کے بعد ''جانشینی'' کے فرائض محمود شاہ صاحب نے سرانجام دیے)

چونکہ عبدالقاضی شاہ صاحب ''محدث ہزاروی'' کے لقب سے ملقب تھے اس لیے ان کے جانشین نے بھی ازخود یہ ''لقب'' اپنے لیے اختیار کرلیا۔ محمود شاہ صاحب اپنی ایک کتاب میں اپنے بڑے بھائی کا تعارف بایں الفاظ کراتے ہیں کہ:

''امام اہل سنت حضرت قبلہ عالم پیر سید عبدالقاضی شاہ صاحب محدث ہزاروی، مشہدی، سنی، حنفی، محبوب آبادی......''②

''محدث ہزاروی'' کے لقب کے علاوہ دونوں بھائیوں (بلکہ افراد خاندان) کے مابین عقائد وافکار بالخصوص ''بغض معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے سلسلہ میں بھی کامل ہم آہنگی اور مطابقت ومماثلت پائی جاتی ہے۔

عبدالقاضی شاہ صاحب نے ''النظائر لاکرام الشعائر'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جس میں ابولہب کی بیوی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی دشمن

① انوار قادریہ ص 20، 21

② مقامع السنیہ در آخر فہرست مضامین

رسول ﷺ قرار دے دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''جو سید عالم ﷺ اور ان کی آل، اصحاب کی عداوت میں پھانسی لگی۔ جو امیہ کی پوتی، حرب کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن، امیر معاویہ صاحب کی عمہ محترمہ تھی۔ یہ بڑا ابزرگ کنبہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ اور ان کے اصحاب واولاد کی عداوت میں زندہ رہا اور اسی پر مرا۔''①

راقم الحروف کے والد جناب قاضی چن پیر الہاشمی صاحب نے 1949ء میں حویلیاں منتقل ہو کر اپنی تدریسی و تبلیغی خدمات سرانجام دینا شروع کر دی تھیں اس لیے انہیں عبدالقاضی شاہ صاحب کی وفات (1954ء) تک ان کے ساتھ بعد ازاں محمود شاہ صاحب کے ساتھ طویل عرصہ یعنی تادم واپسیں (26 جولائی 1990ء) ''واسطہ'' پڑا۔

والد صاحب اس تمام عرصہ میں اہل السنت والجماعت کے عقائد حقہ کی ترویج و تبلیغ کے ساتھ ساتھ ''محدث ہزاروی'' کے باطل عقائد کی تردید کرتے رہے۔

1983ء میں راقم الحروف نے ''تعارف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں آں محترم رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے بارے میں اہل السنت والجماعت کا اجماعی موقف پیش کیا تو ''محدث ہزاروی'' سخت جلال میں آ گئے اور انہوں نے ''قدح معاویہ رضی اللہ عنہ'' کو اپنے شب وروز کے معمولات کا باقاعدہ حصہ بنالیا؛ چنانچہ انہوں نے:

16 جون 1985ء بعد نماز تراویح رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کی مبارک ساعتوں میں نمازیوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

''جو حضرت معاویہ کو صحابی رسول سمجھتا ہے یا ان کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کہتا ہے وہ بھی کافر ہے۔''

20 جون 1985ء کو عید الفطر کے خطبہ میں اپنے اسی عقیدے کا اظہار کیا۔ ملک محمد اشفاق (جو ان سطور کی تحریر کے وقت بقید حیات ہیں) نے علاقہ مجسٹریٹ طہماس خان جدون کی عدالت میں زیر دفعہ 164 عید الفطر کی اس تقریر کے حوالے سے باضابطہ اپنا بیان ریکارڈ کرایا۔

بعد ازاں باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت 23 جون بعد نماز عصر عید کے سلام کے لیے آئے ہوئے

① النظائر لا کرام الشعائر ص 92

مریدین کے اجتماع میں محدث ہزاروی نے قاری محمد علی کو سائل اور ترجمان کی حیثیت میں پیش کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کے بارے میں مختلف سوالات کے جوابات دیے جن میں آں محترم رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ ''باغی، فاسق، منافق، کافر وجہنمی'' قرار دیتے ہوئے شرمناک گالیاں دیں۔ اس تقریر کو ان کے مریدین نے ریکارڈ کر کے اور مزید نقول (کیسٹوں) کے ذریعے اس کی خوب تشہیر کی۔

یہ کیسٹ جامعہ رحمانیہ اور صاحبزادہ طیب الرحمٰن صاحب چھوہر شریف کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کا فوری نوٹس لیا۔ ان کے استفتاء کے جواب میں حضرت مفتی قاضی عبدالسبحان صاحب آف کھلابٹ کے فرزند جلیل وجانشین علامہ قاضی غلام محمود ہزاروی نے ''فضائل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے ایک کتاب تحریر کر کے بریلوی مسلک کے علماء کرام کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔ حضرت قاضی صاحب 1958ء میں بھی ''محدث ہزاروی'' کے ساتھ اس موضوع پر مناظرہ کر چکے تھے جس کی دلچسپ روداد ان کی مذکورہ کتاب میں شامل ہے۔

جامعہ رسولیہ شیرازیہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد علی صاحب نے بھی اپنی مایہ ناز کتاب ''دشمنانِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی محاسبہ'' جلد دوم میں اس فتنہ کا خوب رد کیا۔

''محدث ہزاروی'' کے جانشین سید محی الدین محبوب بھی اپنے والد کے مشن پر سختی کے ساتھ کاربند ہیں۔ انہوں نے ''مانچسٹر'' انگلینڈ میں پیر سید عرفان شاہ صاحب کاظمی آف بھکھی شریف گجرات کے ساتھ ایک مناظرے میں اپنے والد کے موقف کو دہرایا اور نتیجتاً صاحبزادہ صاحب شرمناک شکست سے دوچار ہوئے۔ اس مناظرے کی ویڈیو سی۔ ڈی ہزاروں افراد نے بچشم خود ملاحظہ کی ہے مگر اس عبرتناک، رسوا کن اور بدترین شکست کے باوجود موصوف اپنے سابقہ عقائد پر قائم ہیں کیونکہ اگر انہوں نے فی الواقع صدق دل سے اپنے کفریہ عقیدے سے ''رجوع'' کر لیا تھا تو پھر انہیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر اور جہنمی کہنے والے اپنے گستاخِ صحابہ باپ سے برأت کے اعلان کے ساتھ ساتھ ان کے عرس کی تقریبات سے ہمیشہ کے لیے دست بردار ہو جانا چاہیے تھا مگر صد افسوس ایسا نہ ہو سکا اور ایسی تقریبات کا سلسلہ جاری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صاحبزادہ صاحب کی روش کو دیکھ کر پیر سید عرفان شاہ مشہدی نے ایک کتاب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور ان کے مطاعن کا تحقیقی جواب تحریر کر دیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

مناظرہ مانچسٹر میں شکست فاش کے بعد منکرین کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات کا ردِ بلیغ:

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ......اہل حق کی نظر میں

مؤلفہ علامہ سید محمد عرفان شاہ مشہدی۔ طبع اول 21 جون 2000ء، طبع چہارم اگست 2006ء۔

بہر حال راقم الحروف نے ''محدث ہزاروی'' کی 23 جون 1985ء کی ریکارڈ شدہ تقریر منظر عام پر آنے کے بعد ایک بھرپور تحریک چلائی جس کے نتیجے میں یکم جولائی 1985ء کو دفعہ 298-A کے تحت مقامی انتظامیہ نے ان کے خلاف باقاعدہ ایک ایف آئی آر درج کی جس کے مطابق تقریباً آٹھ سال (25 دسمبر 1992ء) تک مختلف عدالتوں میں یہ مقدمہ چلتا رہا اور 25 دسمبر 1992ء کو محدث ہزاروی کے فوت ہو جانے کی وجہ سے بغیر کسی فیصلہ کے ''داخل دفتر'' ہو گیا۔ جبکہ محدث ہزاروی اس مقدمہ میں زندگی کی آخری سانس تک ملزم اور پابند ضمانت رہے۔ ''محدث ہزاروی'' کی وفات (25 دسمبر 1992ء) کے 24 سال بعد جنوری 2017ء میں راقم الحروف کو اپنی کتاب: ''رودادِ مقدمات'' مرتب کرنے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ موصوف کے ایک خلیفہ میاں ظاہر شاہ قادری محمودی نے اپنے مرشد ''محدث ہزاروی'' کی 640 صفحات پر مشتمل ''تذکرہ حکیم ملت'' کے نام سے سوانح لکھی جس میں ''صداقت، دیانت، امانت اور انصاف'' کا خون کرتے ہوئے ''محدث ہزاروی'' کے خلاف قائم مقدمے کے بارے میں لکھا کہ:

> ''علماء سوء نے عدالتوں میں آپ پر مقدمے چلائے لیکن خدائے ذوالجلال کے رحم و کرم سے کوئی بھی آپ پر غالب نہ ہو سکا۔ تمام کے تمام مقدمات میں آپ سرخرو ہوئے اور جج صاحبان بھی آپ کے معتقد بن گئے۔ ایبٹ آباد کی سول عدالت میں آپ پر مقدمہ چلایا گیا تھا جب آپ وہاں تشریف لے گئے اور حق بیان فرمایا تو تمام کے تمام حامیانِ بغاوت علماء سوء وہاں سے بھاگ نکلے۔ اس وقت مفتی ادریس صاحب ایڈووکیٹ جنرل وہاں تھے۔ انہوں نے جب یہ تمام ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا تو آپ کو عرض کیا کہ آئندہ عدالت میں تاریخ میں آپ تکلیف نہ کیا کریں میں خود اس مقدمہ کو نبٹاؤں گا اور اس مقدمے سے آپ کے علمی و عرفانی

دلائل سن کر حضرت صاحب کے معتقدین میں شامل ہو گئے......‘‘ ①

’’محدث ہزاروی‘‘ کے خلیفہ میاں ظاہر شاہ قادری نے مذکورہ ’’روداد‘‘ میں فکر آخرت سے عاری ہو کر اور صریح کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے اپنے پیر بھائیوں کو مقدمہ کے اصل حقائق سے بے خبر رکھا۔

’’محدث ہزاروی‘‘ کے خلاف ایبٹ آباد کی عدالت میں A-298 کے تحت یکم جولائی 1985ء کو صرف ایک مقدمہ قائم کیا گیا جو ان کی وفات 25 دسمبر 1992ء تک زیر سماعت رہا اور بعد از وفات داخل دفتر ہوا۔ معلوم نہیں کہ وہ ’’تمام کے تمام مقدمات میں سرخرو‘‘ کیونکر ہو گئے؟ اور جج صاحبان ان کے معتقدین میں کس طرح شامل ہو گئے؟

’’محدث ہزاروی‘‘ اس مقدمے میں آٹھ سال تک پابند ضمانت رہے، اس دوران میں ایک مرتبہ انہوں نے حاضری سے ’’استثنٰی‘‘ کی درخواست دی تو جج صاحب نے دونوں طرف سے وکلاء کے دلائل سننے کے بعد درخواست خارج کر دی چونکہ اس مقدمہ میں محدث ہزاروی بطور واحد ملزم نامزد ہیں اس لیے انہیں حاضری سے مستثنٰی نہیں کیا جا سکتا۔ پوری عدالتی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ کوئی وکیل کسی پابند ضمانت ملزم سے یہ کہے کہ:

’’آئندہ عدالت میں تاریخ میں آپ تکلیف نہ کیا کریں میں خود اس مقدمہ کو نبٹاؤں گا۔‘‘

سخت تعجب ہے کہ جو وکیل (مفتی ادریس صاحب) ’’ملزم‘‘ کو یہ رعایت دے رہے ہیں وہ خود پورے آٹھ سال میں کسی عدالت میں بھی ملزم کی طرف سے پیش نہیں ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ’’محدث ہزاروی‘‘ کے خلاف یکم جولائی 1985ء کو مقدمہ درج ہونے کے بعد 10۔ اگست 1985ء کو عدالت نے باقاعدہ ان پر ’’فرد جرم‘‘ عائد کر دی اور سماعت شروع ہو گئی۔ جوں جوں مقدمہ آگے بڑھتا رہا توں توں ان کو اس کی سنگینی کا شدید احساس ہوتا گیا جس کے ردعمل میں ’’محدث ہزاروی‘‘ نے تخویف و ترہیب کا ہر ناجائز حربہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔

چنانچہ اس سلسلہ میں پہلی ’’قسط‘‘ کے طور پر محدث ہزاروی نے 16 جولائی 1986ء کو خود ہمارے خلاف فوجداری نوعیت کے چھ مقدمات قائم کر دیے۔ 21 جولائی 1985ء کو موصوف نے علاقہ مجسٹریٹ کے پاس اپنا ’’اعترافی بیان‘‘ ریکارڈ کراتے ہوئے ’’حلفاً‘‘ اپنی عمر 120 سال لکھوائی

① تذکرہ حکیم ملت محدث ہزاروی، ص 90

پھر ایک سال کے بعد 16 جولائی 1986ء کو ہمارے خلاف استغاثہ دائر کرتے ہوئے حلفاً 90 سال عمر بتلا دی۔ سخت تعجب ہے کہ ایک سال بعد عمر بڑھنے کے بجائے 30 سال یکدم کم کیسے ہوگئی؟

نہ صرف یہ کہ 16 جولائی 1986ء کو ''محدث ہزاروی'' نے ہمارے خلاف ایبٹ آباد میں چھ مقدمات قائم کیے بلکہ اپنے مریدوں کے ذریعے 31 جولائی 1986ء کو کوہاٹ سے بھی 20 جھوٹے مقدمات بنوا دیے۔

2 نومبر 1986ء کو راجہ گل نواز خان ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (کراچی) سے چار مقدمات کا ایک ''لیگل نوٹس'' جاری کرا دیا۔

علاوہ ازیں 11 نومبر 1986ء کو ہائی کورٹ پشاور سرکٹ بینچ ایبٹ آباد میں 18 علماء پر توہین عدالت کا مقدمہ بھی قائم کرا دیا جو ماتحت عدالتوں میں چلتا رہا۔ چونکہ راقم الحروف گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج ایبٹ آباد میں سرکاری ملازم کی حیثیت سے تدریسی فرائض سرانجام دے رہا تھا اس لیے پہلے انہوں نے راقم کے خلاف پرنسپل صاحب کو تحریری درخواست دلوائی پھر وفاقی وزیر تعلیم اور ڈائریکٹر محکمہ تعلیم صوبہ سرحد کی طرف سے انکوائری کروائی۔ توہین عدالت اور کوہاٹ کے مقدمات میں پیشی کی تاریخوں کے علاوہ صرف ایبٹ آباد کی ''پیشیاں'' ملاحظہ فرمائیں:

کل سماعتیں 298-A:

1985ء 15

1986ء 19

1987ء 18

1988ء 07

1989ء 04

1990ء 24

1991ء 19

1992ء 15

121 .... سماعتیں/تاریخیں

ایبٹ آباد/استغاثہ کی کل سماعتیں:

1986ء 04

1987ء 21

1988ء 15

1989ء 12

1990ء 14

1991ء 16

1992ء 05

87 .... سماعتیں/تاریخیں

298-A کا یہ مقدمہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد اور حساس مقدمہ تھا جس میں تاریخ پر صرف ''حاضری'' ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ دو، دو گھنٹے تک ملزم محدث ہزاروی کے وکلاء کی طرف سے راقم کو ''جرح'' کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔(عدالت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو سوالات/اعتراضات کیے گئے بعد میں انہیں دیگر اعتراضات کے ساتھ شامل کر کے ان کا جواب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' طبع اول کے نام سے 576 صفحات پر مشتمل ایک کتاب میں دے دیا گیا ہے)

مقدمات کی دنیا سے آگاہ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ایک تاریخ پر پیش ہونے کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔تاریخ پیشی سے پہلے وکلاء اور منشی حضرات کے دفاتر کے بھی ''چکر'' کاٹنے پڑتے ہیں۔

مشہور شاعر ''منیر'' نے اس طرح کے حالات کی کیا ہی مبنی بر حقیقت منظر کشی کی ہے:

اک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہر ہر مرحلے پر نصرت و استقامت عطا فرمائی اور اس ناچیز راقم کو اللہ تعالیٰ نے عدالت کے کٹہرے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مظلوم صحابی سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا دفاع کرنے کی سعادت سے نوازا۔اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْداً کَثِیْراً

4

فیصلہ ایبٹ آباد

(برخلاف سائیں فیروز)

بعدالت اسسٹنٹ کمشنر/سب ڈویژنل مجسٹریٹ ایبٹ آباد

مقدمہ نمبر 99/2۔رجوعہ۔11۔اپریل 1991ء۔من فیصلہ 27 فروری 1992ء

بعنوان......سرکار بنام: سائیں فیروز ولد گلاب دین قوم اعوان ساکنہ محلہ صادق آباد ٹیکسلا حال ساکنہ ایبٹ آباد

حکم: مختصراً حالات مقدمہ یوں ہیں کہ 25 فروری 1991ء بوقت 30-1 بے دن بحدود پولیس سٹیشن چھاؤنی ایبٹ آباد نزد ٹاؤن ہال مستغیث فدا بہادر، جنرل سیکرٹری سپاہِ صحابہؓ ہمراہ دیگر ممبران ٹاؤن ہال ایبٹ آباد میں ''ختم نبوت کانفرنس'' کے انتظام میں مصروف تھا کہ اس دوران محمد ندیم گواہ، ہال میں داخل ہوا اور مستغیث کو بتایا کہ ملزم جو ہال کے باہر کھڑا تھا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف توہین آمیز الفاظ استعمال کر رہا ہے اور گالیاں دے رہا ہے۔ مستغیث باہر آیا اور ملزم سے دریافت کیا کہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قسم کی زبان کیوں استعمال کر رہا ہے؟ ملزم نے جواباً کہا کہ امیر معاویہ صحابی نہیں ہے۔ وہ درحقیقت اہل بیت کا دشمن ہے اس پر مستغیث نے تحریری رپورٹ متعلقہ ایس ایچ او کے نام دی جس نے مقدمہ F.I.R.EXPA/1 EXPW-/1 درج کیا۔ تفتیش کے بعد مقامی پولیس نے مکمل چالان بغرض تجویز مقدمہ سپرد عدالت کیا۔ کارروائی زیر دفعہ 241۔اے۔ض۔ف عمل میں لائی گئی۔ فرد جرم عائد کی گئی، ملزم نے جرم سے انکار کر کے سماعت کی دعویٰ داری کی۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران استغاثہ نے اپنے موقف کی تائید میں چار گواہان پیش کیے اور دو گواہوں کو بوجہ غیر ضروری ہونے کے ترک کیا۔ شہادت استغاثہ کے خاتمے پر زیر دفعہ 243 ض۔ف ملزم کا بیان قلم بند ہوا جس میں ملزم نے شہادت صفائی پیش کرنے سے انکار کیا لیکن حلفاً بیان دینے کی

خواہش کا اظہار کیا۔ جس کا بیان برحلف قلم بند کیا گیا۔ جس میں اس نے خود کو بے گناہ ٹھہرایا اور کہا کہ اس کے خلاف جھوٹا مقدمہ بنایا گیا ہے۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جو توہین آمیز الفاظ استغاثہ کی طرف سے ملزم کی طرف منسوب کیے گئے ان سے انکاری ہوا۔ دلائل اور ریکارڈ کا جائزہ لینے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ استغاثہ نے کسی قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہو کر ملزم کے خلاف اپنا موقف قانونی طور پر ثابت کر دیا۔ لہٰذا میں ملزم کو چھ ماہ قید بامشقت کی سزا سناتا ہوں۔

زیر دفعہ 382۔ بی۔ ض۔ ف۔ مقدمہ کے دوران ملزم کی جوڈیشل قید کو سزا میں شامل سمجھا جائے۔

دستخط و مہر عدالت

سب ڈویژنل مجسٹریٹ ایبٹ آباد

تصدیق کی جاتی ہے کہ یہ فیصلہ دو صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر میرا دستخط ہے اور میری قلمی جہاں ضروری ہے درستگی و دستخط کیا گیا ہے۔ فیصلہ ہذا کی نقل بغیر کسی فیس کے ملزم کے حوالے کی جاتی ہے۔

دستخط و مہر

سب ڈویژنل مجسٹریٹ ایبٹ آباد

الحمدللہ! ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' مکمل ہو گیا ہے۔ باری تعالیٰ اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔ غلطیوں اور خطاؤں کو معاف فرمائے۔ اس کتاب کو مخالفین، معاندین، ناقدین اور معترضین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ امت مسلمہ کو قبائلی تعصب اور خاندانی عناد سے محفوظ رکھے۔

ہم سب کو جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوء ظن اور بدگمانی سے بچا کر حسن ظن نصیب فرمائے۔

اور اس کتاب کو راقم آثم اور اس کے والدین اور جملہ معاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چوک

حویلیاں، ہزارہ

طبع اول: 16 صفر 1417ھ، الموافق 3 جولائی 1996ء

7 ذی الحجہ 1440ھ/ 9۔اگست 2019ء

طبع دوم: یکم ذی الحجہ 1430ھ/ 19۔نومبر 2009ء

طبع سوم مع اضافات: 7۔ذی الحجہ 1440ھ/

09۔اگست 2019ء

ماآخذ، مصادر، مراجع

''خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سو اعتراضات کا علمی تجزیہ'' کی تالیف کے دوران حسب ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

1	قرآن مجید	
2	تفسیر قرطبی	امام ابو عبداللہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ (متوفی 671ھ)
3	تفسیر ابن کثیر	اسماعیل بن عمر دمشقی رحمہ اللہ (متوفی 774ھ)
4	صحیح بخاری	ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ (متوفی 256ھ)
5	صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج نیشاپوری رحمہ اللہ (متوفی 261ھ)
6	جامع ترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ (متوفی 279ھ)
7	سنن ابی داود	ابو داود سلیمان بن الاشعث سجستانی (متوفی 275ھ)
8	سنن نسائی	ابو عبدالرحمن بن شعیب بن علی النسائی (متوفی 303ھ)
9	مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی 241ھ)
10	مصنف عبدالرزاق	عبدالرزاق صنعانی (م 211ھ)
11	مصنف ابن ابی شیبہ	عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ (م 235ھ)
12	السنن الکبریٰ	احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (م 458ھ)
13	اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد عثمانی (م 1394ھ)
14	معارف السنن	مولانا محمد یوسف بنوری (م 1397ھ/ 1977ء)
15	فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م 852ھ)
16	لسان المیزان	حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م 852ھ)

17	تھذیب التھذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م 852ھ)
18	میزان الاعتدال	امام ذہبی رحمہ اللہ (م 748ھ)
19	طبقات ابن سعد	علامہ ابن سعد رحمہ اللہ (م 230ھ)
20	الاستیعاب	علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ (م 463ھ)
21	اسد الغابہ	علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ (م 630ھ)
22	الاصابہ	حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م 852ھ)
23	منھاج السنۃ	امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م 728ھ)
24	النبراس شرح لشرح العقائد	علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمہ اللہ (م 1239ھ)
25	اخبار الطوال	ابوحنیفہ دینوری (م 282ھ)
26	تاریخ یعقوبی	احمد بن ابی یعقوب (م 292ھ)
27	تاریخ طبری	ابن جریر طبری (م 310ھ)
28	تاریخ مسعودی	ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی (م 346ھ)
29	تاریخ ابن خلدون	علامہ عبد الرحمن بن خلدون رحمہ اللہ (م 808ھ)
30	البدایہ والنھایہ	امام ابن کثیر رحمہ اللہ (م 774ھ)
31	تاریخ اسلام	امام ذہبی رحمہ اللہ (م 748ھ)
32	المنتقی	امام ذہبی رحمہ اللہ (م 748ھ)
33	تاریخ الخلفاء	علامہ جلال الدین سیوطی (م 911ھ)
34	تاریخ زوال ملت اسلامیہ	اکبر شاہ نجیب آبادی (م 1357ھ/1938ء)
35	تاریخ اسلام	اکبر شاہ نجیب آبادی (م 1357ھ/1938ء)
36	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی رحمہ اللہ (م 1974ھ)
37	سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم	شاہ معین الدین ندوی رحمہ اللہ (م 1974ھ)

38	سیرت ابن ھشام	ابو محمد عبد الملک بن ہشام (م 213ھ)
39	سیرت النبی ﷺ	سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ (م 1373ھ)
40	ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م 1176ھ)
41	مکتوبات	امام ربانی مجدد الف ثانی (م 1034ھ)
42	العواصم من القواصم	قاضی ابوبکر ابن العربی (م 543ھ)
43	تطھیر الجنان	علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ (م 974ھ)
44	الناھیہ	علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ (م 1239ھ)
45	سیدنا علی رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار	حکیم محمود احمد ظفر
46	سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	مولانا محمد نافع (م 1436ھ/ 2014ء)
47	عادلانہ دفاع	سید نور الحسن بخاری (م 1404ھ/ 1984ء)
48	سبائی فتنہ حصہ اول	مولانا ابوریحان عبد الغفور سیالکوٹی (م 1431ھ/ 2010ء)
49	خلافت و ملوکیت	سید ابو الاعلیٰ مودودی (م 1399ھ/ 1979ء)
50	خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا علمی تجزیہ	ملک غلام علی (سابق جج وفاقی شرعی عدالت)
51	عبقات	علامہ خالد محمود
52	سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	مولانا محمد نافع (م 1436ھ/ 2014ء)
53	امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	مفتی احمد یار خان نعیمی (م 1391ھ/ 1971ء)
54	براءۃ عثمان رضی اللہ عنہ	مولانا ظفر احمد عثمانی (م 1394ھ)
55	تحفہ جعفریہ	مولانا محمد علی (م 1418ھ/ 1996ء)
56	دشمنانِ امیر معاویہ کا علمی محاسبہ	مولانا محمد علی (م 1418ھ/ 1996ء)
57	میزان الکتب	مولانا محمد علی (م 1418ھ/ 1996ء)

58	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
59	سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت و کردار	حکیم محمود احمد ظفر
60	امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ	حکیم عبد الرحمن خلیق
61	اظہار حقیقت	مولانا محمد اسحق سندیلوی (م 1995ء)
62	خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت	حافظ صلاح الدین یوسف
63	تاریخ نواصب جلد اول	عبد القیوم علوی
64	سیاست معاویہ	سید مہر حسین بخاری (م 1436ھ/ 2015ء)
65	الاجابۃ الکافیہ فی ردّ دفاع معاویہ	سید مہر حسین بخاری (م 1436ھ/ 2015ء)
66	استخلاف یزید	سید لعل شاہ بخاری (م 1411ھ/ 1990ء)
67	خصائل معاویہ	غلام حسین نجفی (م 1426ھ/ 2005ء)
68	کردار یزید	غلام حسین نجفی (م 1426ھ/ 2005ء)
69	سیاست معاویہ و یزید	منظور حسین بخاری سرگودھا (م 2006ء)
70	امامت وملوکیت	علامہ حسین بخش جاڑا (م 1411ھ/ 1990ء)
71	حضرت امیر معاویہ	سید محمد ذو القرنین زیدی
72	خلافت وامامت	حق برادرز انارکلی لاہور

تبصرہ:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدیم المثال شخصیت تعارف کی محتاج نہیں

از: شہباز عالم انصاری۔ مئو ناتھ بھنجن (یوپی) انڈیا

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی عدیم المثال شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اسلامی تاریخ کا ادنیٰ سا طالب علم بھی بخوبی جانتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی، عظیم مدبر، ماہر سیاستدان، کاتب وحی اور خلیفہ راشد ہیں۔ جنہوں نے اپنی بے مثال قائدانہ صلاحیتوں سے امت کا شیرازہ منتشر ہونے سے بچایا۔ اور خلیفہ مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے لے کر جنگ جمل و صفین برپا کرنے والے سازشی و باغی گروہ، عبداللہ بن سبا یہودی ٹولے اور فسادی جماعت کی انتہائی خطرناک زمین دوز تحریک سے امت کو بڑی حد تک نجات دلائی، بکھری ہوئی جمعیت کو مجتمع کیا، اور نہایت مضبوط سیاسی، اقتصادی اور عسکری بنیادوں پر امت کی تنظیم نو کا کارنامہ انجام دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہی عظیم قربانیاں اول دن سے اعدائے اسلام اور منافقین کے دلوں میں کھٹکتی رہی ہیں۔ اس لیے انہوں نے ہر محاذ پر حقائق کو توڑ مروڑ کر اور موضوع روایات کا سہارا لے کر اپنے مخصوص نظریات اور شخصی تحفظات کی ترویج و اشاعت کی ہر ممکن کوشش کی۔ جس کے نتیجے میں امت کا ایک بڑا طبقہ نہ صرف امیر یزید رحمہ اللہ بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی ساری زندگی کو مشکوک نظروں سے دیکھتا آیا ہے۔ اور اسی سازش کا شکار ہو کر بہت سے مؤرخین نے بیک جنبش قلم اِن دونوں بطل جلیل کے روشن کارناموں پر پانی پھیر دینے کی سعی لاحاصل بھی کی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا ذکی الحس، زود فہم اور بیدار مغز سیاستدان ہی ہے جس کی دوررس اور باریک بین نگاہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ دشمنان اسلام، داخلی انتشار کو بڑھاوا دے کر جہاد اسلامی اور فتوحات کے سیل رواں پر بند باندھ دینا چاہتے ہیں۔ اسی لیے آپ کے مشورے سے اور آپ ہی کے زیر انتظام اسلامی تاریخ کا وہ پہلا عظیم بحری بیڑہ تیار کیا گیا جس نے رومیوں کے دربار میں زلزلہ برپا کر

دیا۔ جہادِ اسلامی کو ایک نیا رخ دیا اور ساری دنیا کو یہ ماننے پر مجبور کر دیا کہ چند داخلی انتشار اور فتنوں کی کثرت کے باوجود اسلامی قیادت اب بھی اتنی مستحکم اور مضبوط ہے کہ وہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں دندان شکن جواب دے سکتی ہے۔

زیر تعارف کتاب میں اُن تمام واقعات کا تحقیقی و تاریخی جائزہ لیا گیا ہے جن کو بنیاد بنا کر اس بطل جلیل کی زندگی پر حرف گیری کی جاتی رہی ہے۔ رطب و یابس سے بھری اُن موضوع و من گھڑت تاریخی روایات کا بھی پول کھولا گیا ہے جن کی آڑ میں نہ صرف آپ کی مساعی جمیلہ کو کارِ عبث اور باطل ٹھہرایا جاتا ہے بلکہ آپ رضی اللہ عنہم کو دائرہ اسلام سے بھی خارج کرنے کی مذموم و ناپاک کوششیں کی جاتی ہیں۔

مشاجرات صحابہ اور تاریخی روایات کے رد و قبول کے اصول سے لاعلمی اور جہالت کی بنیاد پر امت کا ایک بڑا طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں افراط و تفریط کا شکار ہے۔ اگرچہ سلف صالحین اور اہل السنت والجماعت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم عن الخطا نہ تھے، اُن سے اجتہادی غلطیوں کا صدور ممکن تھا، لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ہرایرے غیرے کو اس بات کی کھلی چھوٹ ہرگز نہیں دی جاسکتی کہ وہ اس طرح کے نازک مسائل پر جرأتِ لب کشائی کرے اور ہذیان گوئی کرتا پھرے۔

اس کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کی نہایت صاف شفاف اور اقرب الی الحق تصویر پیش کی گئی ہے۔ اصول کی روشنی میں واقعات کا صائب اور درست تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اور بزور دلائل یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ان تمام الزامات سے بری ہیں، جو منافقین اور اعدائے اسلام کی جانب سے آپ رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے ہیں۔ کتاب کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ تو مطالعہ کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے۔

تبصرہ:

مصنف کی ہمت وجرأت کو سلام

از: مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی
(سابق استاذ حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد۔ شیخ الحدیث دارالعلوم فاروقیہ راولپنڈی)
۳۔ ذوقعدہ ۱۴۱۷ھ / ۱۳ مارچ ۱۹۹۷ء

گرامی قدر قاطع سبائیت جناب پروفیسر قاضی طاہر الہاشمی صاحب زیدت معالیکم!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آنجناب کا ہدیہ سنیہ...... ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' ملا۔ ملتے ہی پڑھنا شروع کیا تو پھر ختم کر کے ہی دم لیا۔ جوں جوں پڑھتا جاتا تھا توں توں آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلتی جاتی تھیں۔ آپ نے جس عرق ریزی اور محنت سے کام کیا ہے یہ آپ جیسے باہمت مرد میدان کا ہی حصہ تھا۔ آپ نے سنیوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی جناب میں قبول ومنظور فرمائے، سب سنیوں کو احسن سے احسن جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کی عمر اور صحت وعافیت میں برکت دے، زور قلم اور بڑھ جائے۔ آمین یا اللہ العالمین بحرمۃ سید المرسلین۔

آپ کی اس محنت وجانفشانی کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو خود ان اعصاب شکن اور صبر آزما مراحل سے گزرا ہو جن سے آپ گزرے ہیں ورنہ عام قارئین کتاب، دشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیے گئے اعتراضات کے مدلل ومسکت جوابات پڑھ لیں گے لیکن ان کو یہ اندازہ نہ ہو سکے گا کہ ان جوابات تک پہنچنے کے لیے کیسے کیسے سمندر آپ کو عبور کرنے پڑے۔ کن کن خارزار راہوں کی جادہ پیمائی کرنی پڑی۔

جی ہاں! آپ کے قارئین میں سے شاید کوئی آپ کو ان موتیوں کی دریافت اور پھر ایک لڑی میں اس سلیقے کے ساتھ ان کو پرونے پر خوب داد بھی دے دے لیکن وہ یہ اندازہ نہ لگا سکے گا کہ ان موتیوں

کے حصول اور ان کی تلاش میں آپ کو کیسی کیسی جانکاہیاں و جانفشانیاں کرنا پڑیں، کن کن سمندروں کی کیسی کیسی شناوریاں اور غواصیاں آپ نے کیں، کتنی راتیں آنکھوں میں کاٹیں، کتنے دن آبلہ پائی میں گزرے...... کچھ تھوڑا بہت گزرا ایسے اعصاب شکن مراحل کا چونکہ مجھ پر بھی ہو چکا ہے اس لیے میں اس راہ کی مشکلات سے کچھ تھوڑا بہت واقف ہوں۔ اس لیے آپ کی ہمت و جرأت کو سلام کرتا ہوں اور محنت ومشقت کی داد دیتا ہوں۔

مکرر دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کی اس کاوش وکاہش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شفاعت، قیامت کے دن آپ کو نصیب فرمائے۔ آمین

ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

تبصرہ:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت تھی

از: مولانا سید حافظ عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (ایم اے، ایل ایل بی)
(سابق مدیر ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و استاذ حدیث جامعہ محمدیہ اسلام آباد)

زیر تبصرہ کتاب پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دوسری تصنیف ہے جیسا کہ ماہنامہ نصرۃ العلوم کے گزشتہ سال کے ایک شمارے (اگست ۱۹۹۶ء) میں ان کی پہلی تصنیف ''تذکرہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' پر احقر نے چند سطور میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا کہ پروفیسر صاحب موصوف کسی دنیوی مصلحت کوشی سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کی نوک قلم پر ہر وہ بات جو حقیقت اور سچائی پر مبنی ہوتی ہے ضرور آتی ہے۔ ان کی تازہ تصنیف بھی اسی طرز عمل کا ایک واضح ثبوت پیش کرتی ہے۔

ملت اسلامیہ کا ہر پڑھا لکھا فرد اس حقیقت سے آشنا ہے کہ خلافت راشدہ کے آخری دور میں فتنہ پردازوں، اسلام دشمنوں، خاندان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے خود ساختہ بہی خواہوں، یہود و نصاریٰ کے ایجنٹوں اور مجوسیوں و دہریوں کے نمک خواروں نے اس امت کا شیرازہ بکھیرنے میں کیا کردار ادا کیا اور اس میں کس حد تک وہ کامیاب ہوئے؟ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو جب وہ طاقت سے نہ روک سکے تو خفیہ سازشوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کا طریق اختیار کیا۔ ان کا مقصد حیات اور مطمح نظر صرف اور صرف یہی تھا کہ کسی طرح یہ امت تشتت و انتشار کا شکار ہوتا کہ اسے اپنی تمام تر توانائیاں اپنے اندرونی خلفشار کو مٹانے پر خرچ کرنی پڑیں اور اسے بیرونی دنیا کا ہوش نہ رہے۔

ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس امت پر خصوصی رحمت کا نزول فرماتے ہوئے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی اسے نصیب کی جنہوں نے خوارج و روافض کی کوئی پیش نہ چلنے دی، جنہوں نے فرعونیوں کی اولاد کو پنپنے نہ دیا، جنہوں نے نسلی تفوق و برتری کے چنگل سے اس امت کو چھٹکارا دلایا، جنہوں نے دوبارہ اس امت کو ایک لڑی میں پرو دیا اور بر و بحر پر اس کی دھاک بٹھائی۔ اگر اس وقت

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ برادر نسبتی، خاندان امیہ کا چشم و چراغ، بارگاہ رسالت مآب کی دعا "اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا" کا مصداق اور گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آخری متفقہ امیر المومنین کمان نہ سنبھالتا تو آج دنیا کے نقشے پر مسلمان شاید چند انچ زمین پر بھی اپنی ریاست قائم نہ کر سکتے۔

لیکن افسوس صد افسوس! دشمنانِ اسلام پر کیا گلہ، خود امت مسلمہ کے نام نہاد محققین نے شیعہ راویوں کی روایات کے سہارے، خاندانِ نبوت کی جھوٹی محبت اور دشمنانِ دین کی فلسفیانہ موشگافیوں کی آڑ میں تاریخی حقائق، واقعاتی شہادتوں، سیاسی و عقلی حکمتوں اور دینی و علمی دلیلوں کو پس پشت ڈال کر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدبرانہ اور مصلحانہ کاوشوں کو تسلیم کرنے کے بجائے ان پر بے بنیاد اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر رکھی ہے۔ یہ لوگ بدقسمتی سے یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ ان کی صحابیت، ان کی خلافت اور اسلامی خدمات تک سے انکار کرنے لگ گئے ہیں۔

ایسے حالات میں ایک جدید تعلیم یافتہ (جو دینی تعلیم سے بھی کما حقہ آراستہ و پیراستہ ہے) خاندان نبوت کے ایک جری اور حق گو سپوت عالم بن عالم کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اس نے ان نام نہاد محققین تاریخ و ادب سے نا آشنا اور فلسفہ و حکمت سے بے خبر، قرآن و حدیث کے علوم سے عاری معترضین کا تعاقب کر کے اس امت کے آخری صحابی رضی اللہ عنہ فرمانروا اور امت کے متفقہ خلیفہ کے دامن کو صاف شفاف اور اجلا آئندہ نسلوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

یہ کتاب ایک نادر علمی ذخیرہ ہے جس میں ہاشمی صاحب نے معترضین کے اعتراضات کے انتہائی مدلل، مستند اور مسکت جوابات قارئین کی خدمت میں پیش کر کے واقعی اس کا حق ادا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو بتوسل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرما کر ان کے لیے نجات کا ذریعہ بنائے اور ہمیں اس سے استفادہ کرنے کی توفیق بخشے۔

تبصرہ:

زیر تبصرہ کتاب سب سے بہترین، جامع اور مانع تصنیف ہے

از: مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی

مدیر اعلیٰ ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی (جولائی ۱۹۹۷)

یہ تصنیف بھی پروفیسر صاحب موصوف کے قلم کا علمی اور تحقیقی شاہکار ہے۔ اس سے پہلے پروفیسر صاحب، سیدنا معاویہ ﷜ کی سیرت وکردار پر ایک کتاب پیش کر چکے ہیں جس پر ماہنامہ تعلیم القرآن اکتوبر ۱۹۹۵ء میں تبصرہ شائع ہو چکا ہے۔

آپ کے لیے شاید یہ بات نئی ہو کہ پروفیسر صاحب نے سیدنا معاویہ ﷜ اور ان کے خاندان بنو امیہ کی وکالت کرتے ہوئے بڑے بڑے دکھ، پریشانیاں اور مصائب برداشت کیے ہیں۔ وہ کئی برس تک عدالت کے کٹہرے میں کھڑے رہے اور سیدنا معاویہ ﷜ پر ہونے والے اعتراضات کے جواب دیتے رہے۔ مخالفین نے (جو اہل سنت ہونے کے مدعی تھے) ہر حربہ استعمال کیا کہ پروفیسر صاحب کو اس کام سے روک دیا جائے مگر ہم سلام پیش کرتے ہیں پروفیسر صاحب کی جرأت وبے باکی، شجاعت وبسالت اور عالی ہمتی کو کہ انہوں نے انتہائی ناگزیر حالات میں بھی عظمت معاویہ ﷜ وخاندان بنو امیہ کا پوری جوانمردی سے دفاع کیا اور اس میدان میں دشمن کے ہر حملے کو پسپا کر دیا۔ ہم اہل سنت پروفیسر صاحب کے لیے دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کا اجر عطا فرمائے اور ان کا حشر ونشر اصحاب رسول ﷺ کی معیت میں ہو۔ آمین

یہ ایک حقیقت ہے کہ سیدنا معاویہ ﷜ جتنا عظیم ہے اتنا ہی مظلوم بھی ہے...... عظیم اتنا کہ صحابی رسول ﷺ بھی ہے اور کاتب وحی بھی۔ آنحضرت ﷺ نے بار بار دامن پھیلا پھیلا کر ان کے لیے دعائیں مانگی ہیں...... کبھی ان کو ہادی کہا کبھی مہدی...... کبھی ان کے لیے علم وحلم کی فراوانی کی دعائیں مانگیں...... وہ پہلے بحری جہاد کا موجد بھی ہے اور پہلے بحری لشکر کا سالار بھی...... جس لشکر کو حضور ﷺ نے جنت کی

خوشخبری دی تھی۔

اور مظلوم اتنا کہ دشمن تو دشمن، اہل سنت کہلانے والے بھی ان کے خلاف تنقید وتبرا کی پٹاری کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے اجلے کردار اور اجلے دامن کو داغدار کرنے کے لیے طرح طرح کے الزامات اور قسم قسم کے شوشے چھوڑے جاتے ہیں ...... نوع بہ نوع روایات گھڑی گئیں ...... جھوٹے واقعات اور کہانیاں وضع کی گئیں ...... ان کی عظمت کو داغدار کرنے کے لیے شیعہ راویوں کی گھڑی ہوئی روایات پر اعتماد کرلیا گیا۔

حضرت قاضی صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہونے والے اٹھاسی (88) اعتراضات جبکہ نئے ایڈیشن میں اعتراضات کی تعداد سو/ 100 ہوگئی ہے) کے شافی وکافی جواب دے کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن کو سورج کی طرح بے داغ کر دکھایا ہے۔ پروفیسر صاحب کو اس کاوش کے لیے کتنی محنت اٹھانی پڑی ہوگی، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو تحقیقی موضوعات پر تصنیف وتالیف کا کام کرتے رہتے ہیں۔

انہوں نے سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی ہوگی، ملک کے کتنے کتب خانوں کی خاک چھانی ہوگی، پھر کہیں جا کر ایسی تحقیقی اور علمی تصنیف علماء کرام، جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور عوام الناس کے استفادہ کے لیے پیش ہوئی۔ کتاب کے آخر میں دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اب تک قائم ہونے والے مقدمات اور چند عدالتی فیصلوں کی نقل بھی شامل کردی ہے۔ اس سے وہ لوگ یقیناً فائدہ اٹھائیں گے جو دفاعِ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالتی اور قانونی جنگ لڑ رہے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کے علمی وتحقیقی جواب کے سلسلے میں آج تک جتنی کتابیں شائع ہوچکی ہیں، زیر تبصرہ کتاب ان سب سے بہترین، جامع اور مانع تصنیف ہے۔ اس کتاب کے ہوتے ہوئے اس موضوع پر دوسری کسی کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ہماری علمائے کرام، مبلغین کرام، طلبۂ عظام، جدید تعلیم یافتہ طبقہ، وکلاء اور اساتذہ سے اپیل ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ پر اہم کتب کا مختصر تعارف

’’تذکرہ خلیفہ راشد امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ مؤلفہ پروفیسر مولانا قاضی طاہر علی الہاشمی اپنی نوعیت کی اہم ترین کتاب جس میں سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر وارد کیے گئے 88 مشہور قدیم وجدید اعتراضات کا علمی وتحقیقی رد، دلائل وبراہین قاطعہ سے کیا گیا ہے۔

نیز اس کتاب میں ایسے نام نہاد اہل سنت کی نقاب کشائی بھی کر دی گئی ہے جنہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہانت کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کتاب پر مقدمہ ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاری نے تحریر فرمایا ہے۔ مؤلف کی کتاب کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے 8 سال تک دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالتی جنگ لڑی ہے اور تقریباً ایک دہائی تک عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر عظمت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دلائل دیے ہیں۔‘‘[1]

[1] روزنامہ اسلام 4 جون 2013ء

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی علمی و تحقیقی کتب

نمبر شمار	نام کتاب	صفحات
1	اصلاحِ معاشرہ	96
2	تحقیق نکاحِ سیدہ	144
3	اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟ طبع جدید مع اضافات	448
4	فرقہ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ	240
5	حدیث کلاب حوأب کا مصداق کون؟	144
6	حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ	608
7	سرگذشت ہاشمی (سوانح قاضی چن پیر الہاشمی رحمہ اللہ)	344
8	حج مبرور	448
9	کھلا خط بنام مولانا اللہ وسایا	52
10	زلزلۂ لولاک اور آفٹر شاکس	368
11	عمر عائشہ رضی اللہ عنہا پر تحقیقی نظر......ایک تقابلی مطالعہ	448
12	شیعیت ......تاریخ و افکار	824
13	سقوطِ جامعہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا	908
14	تعارف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ	96
15	تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ	488
16	خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سو اعتراضات کا علمی تجزیہ۔ طبع جدید 2020ء	1111
17	عقیدۂ امامت اور خلافت راشدہ	832

Email: haris.publications@gmail.com